رِفعت سراج

امانت

رفعت سراج

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

www.paksociety.com
www.paksociety.com

ڈاکٹر مہر جان شدید ڈپریشن میں اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ آنکھوں میں جیسے انگارے دہک رہے تھے۔ شدید غصے نے انہیں مضطرب کیا ہوا تھا...... وہ بار بار وال کلاک کی طرف دیکھتی جاتی تھیں۔ وال کلاک سے نظریں ہٹتیں تو دروازے پر جا ٹکتیں۔ جیسے شدت سے کسی کا انتظار ہو۔ بالآخر دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جاؤ......'' مہر جان کی آواز میں تحکم تھا۔ ان کا ادھیڑ عمر ملازم اصیل خان سر جھکائے اندر داخل ہوا۔

''دروازہ بند کر دو۔'' مہر جان نے سابقہ انداز میں کہا۔ اصیل خان نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا...... اور اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ مہر جان جیسے چیل کی طرح اس پر جھپٹیں...... اور اصیل خان کا گریبان دبوچ لیا۔

''کتنی معصوم شکل ہے تمہاری...... لگتا ہے سب مر گئے ہیں ساری دنیا میں بس ایک ہی نیک آدمی زندہ بچا ہے۔'' مہر جان اس کی طرف دیکھتے ہوئے پھنکاریں۔

''آپ نے دوا لی بیگم صاحبہ؟'' حیرت انگیز طور پر اصیل خان کا لہجہ پُرسکون تھا۔ جیسے مہر جان اس سے کوئی بہت خوشگوار بات کر رہی تھیں۔

''مجھے نیند نہیں آئے گی اصیل خان...... ہاں زہر کھا کر ہمیشہ کی نیند سو سکتی ہوں۔''

''زہر کھائیں آپ کے دشمن۔'' اصیل خان بہت مؤدبانہ انداز میں بولا۔

''ہاں تو پھر تم زہر کھا لو......'' مہر جان نے اس کے گریبان کو زور سے جھٹکا دیا اور ہانپنے لگیں۔ اصیل خان اب بھی نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

''رابی کی خودسری نے میرے اندر ایک آگ سی لگا دی ہے اصیل خان۔'' مہر جان ہانپتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''سب کی اپنی، اپنی مجبوریاں ہیں بیگم صاحبہ......'' وہ اسی طرح پُرسکون انداز میں بات کر رہا تھا۔ مہر جان نے قہر برساتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اسے کھینچتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔

''شکل دیکھو اپنی......'' وہ غرائیں۔

''نہیں دیکھ سکتا بیگم صاحبہ...... مدت سے آئینہ نہیں دیکھا۔'' اصیل خان کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''خبیث انسان......'' مہر جان نے پاگلوں کی طرح اسے دو ہتڑ مارے اور زور سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا سا گیا مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔ مہر جان نے پھر وحشت بھرے انداز میں اسے دو چار ہاتھ مارے اور نڈھال سی ہو کر ایک طرف گرنے لگیں۔ اصیل خان نے لڑکھڑاتی ہوئی مہر جان کو سنبھالا، انہیں بہ مشکل کھینچتا ہوا بیڈ تک لایا اور آہستگی سے لٹا دیا...... وہ اب بے ہوش ہو چکی تھیں۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا مہر جان کے پیروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

سب انسپکٹر جابر علی یونیفارم میں ملبوس آف موڈ میں ناشتا کر رہا تھا۔ برآمدے میں ایک پلنگ کے سامنے چھوٹی سی پرانی لکڑی کی ٹیبل پر ناشتا لگا ہوا تھا۔

صابرہ کچن سے چائے لے کر اس کی طرف بڑھی تھی کہ جابر علی جیسے برس پڑا۔

''برہان کہاں ہے؟ آج صبح وہ مسجد میں بھی نظر نہیں آیا۔''

''اس نے گھر پر ہی نماز پڑھ لی تھی۔'' صابرہ نے دبے دبے لہجے میں جواب دیا۔

''دو قدم پر تو مسجد ہے، جوانی میں یہ حال ہے۔'' جابر علی نے اسی طرح غصے میں صابرہ کو گھورتے

ہوئے کہا۔

''نماز تو پڑھ لی...... رات دیر تک جاگ کر پڑھتا رہا...... امتحان بھی سر پر ہیں۔'' صابرہ نے پھر بیٹے کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

''دنیاداری کے لیے جاگ سکتے ہیں، دین کی خاطر میٹھی نیند قربان نہیں کر سکتے۔'' جابر علی بڑبڑایا۔

''اب کیا دوبارہ سو گیا ہے...... ناشتا نہیں کرے گا...... یونیورسٹی کی بس نکل گئی تو زیادہ کرایہ دے کر رکشا ٹیکسی میں جائے گا۔ میں رشوت خور پولیس آفیسر نہیں ہوں سمجھیں...... حلال روزی کماتا ہوں، حرام کا مال نہیں ہے لٹانے کے لیے......'' اسی لمحے برہان ہاتھ میں فائل اور کتابیں لیے کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ اس نے باپ کو نظر انداز کر کے ماں کو مخاطب کیا۔

''میں جا رہا ہوں امی...... خدا حافظ۔''

''ناشتا تو کر لو بیٹا...... خالی پیٹ کیا خاک پڑھائی ہو گی......'' صابرہ نے بڑے پیار سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

''میں ناشتا چھوڑ دیتا ہوں مگر پوائنٹ مس نہیں کرتا۔'' برہان نے انجانے میں جیسے باپ کو کچھ جتایا۔

''بہت احسان کرتے ہو ہم پر...... یونیورسٹی میں پچاس روپے والا برگر کھا لیتا ہو گا۔'' برہان نے گہری سانس لے کر جیسے خود کو پُرسکون کیا اور خدا حافظ کہہ کر نکل گیا۔ ماں تڑپ کر رہ گئی۔ بیٹا بغیر ناشتا کیے چلا گیا تھا۔

''ایک پیالی گرم چائے لے آؤ...... بعد میں سوگ کر لینا......'' جابر علی نے گم صم کھڑی صابرہ کو متوجہ کیا۔

''اللہ نہ کرے...... میں کیوں سوگ کرنے لگی...... اللہ میرے پیاروں کو جیتا رکھے۔'' وہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے کچن کی طرف بڑھی۔

''لڑکیاں کیا کر رہی ہیں؟ کیا آج کالج نہیں جائیں گی......؟'' جابر علی نے صابرہ سے پوچھا۔

''تیار ہو رہی ہیں۔''

''اولاد کے اتنے نخرے اٹھانے کی ضرورت نہیں...... نوکرانی کی طرح ایک، ایک کے سامنے ناشتا لگاتی ہو...... بڑی ہو چکی ہیں ان سے کہو صبح اٹھ کر تمہاری مدد کیا کریں...... پڑھ رہی ہیں تو کیا ہم پر احسان کر رہی ہیں؟'' صابرہ کے سینے سے ایک آہِ سرد خارج ہوئی۔

''شبینہ، ستارہ...... بیٹا ناشتا کر لو۔'' صابرہ نے بیٹیوں کو آواز دی اور کچن میں چلی گئی۔

جابر علی نے ایک دھکے سے ٹیبل کو پیچھے دھکیلا تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان اور ان کی چھوٹی بہن گل جان ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھی تھیں دونوں اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں گم تھیں۔ مہر جان نے کانٹا پلیٹ میں رکھ کر بہت غور سے گل جان کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو گل جان! ٹھیک سے ناشتا کرو۔'' گل جان چونک پڑی پھر زبردستی مسکرائی۔

''جی بی بی جان کر رہی ہوں۔ آپ یہ خاگینہ لیں ناں میں نے اسپیشلی آپ کے لیے بنایا ہے۔ آپ کو بہت پسند ہے ناں!'' گل جان نے پلیٹ مہر جان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تم خاگینہ بناتی ہی بہت اچھا ہو۔'' انہوں نے مشینی انداز میں بہن کی تعریف کی لیکن وہ بہن کے منہ سے تعریفی کلمات سن کر بھی خوش نظر نہیں آئی ہنوز کسی خیال کے حصار میں تھی۔

''یہ رابی اور روما کالج چلی گئی ہیں یا پڑی سو رہی ہیں؟'' مہر جان نے نوالہ منہ میں لے جاتے ہوئے ذرا

کی ذرا رک کر پوچھا۔

''چلی گئی ہیں بی بی جان۔'' گل جان نے ادب سے جواب دیا۔

''ہوں۔'' انہوں نے ہنکارا ابھرا۔

''یہ رابی کسی لڑکے وڑکے کے چکر میں تو نہیں پڑ گئی؟'' مہر جان کی آنکھوں میں شکوک کے سائے تھے وہ بہن سے پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں، نہیں بی بی جان ایسی کوئی بات نہیں۔'' گل جان نے جلدی سے کہا۔

''پھر وہ سہراب خان کا رشتہ کیوں ٹھکرا رہی ہے؟'' ان کے لہجے میں غم وغصے کی کیفیت تھی۔

''ابھی کم عمر ہے، اچھے برے کی تمیز نہیں۔'' گل جان نے بہت آہستہ آواز میں کہا۔

''تم تو اس عمر میں حرفوں کی بن چکی تھیں۔ ویسے یہ بڑی خطرناک عمر ہوتی ہے۔ میں تو چاہتی تھی ان دونوں لڑکیوں کو سات پردوں میں چھپا کر پالوں مگر ایسا کر نہیں سکی۔ لوگ کیا کہتے اتنی بڑی نیورو سرجن ڈاکٹر مہر جان کی بیٹیاں چِٹی ان پڑھ۔'' یہ کہہ کر مہر جان طنزیہ مسکرائیں۔ گل جان کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں تھے وہ خاموشی سے چائے بنا رہی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان کی چھوٹی بیٹی روما (رومانہ) اپنی عزیز از جان دوست اور پڑوسن کائناز کے گھر گئی ہوئی تھی دونوں بچپن سے ہی ایک دوسرے کی گہری دوست تھیں۔ کائناز کے والدین حیات نہیں تھے اُسے اس کے دادا شاہ عالم نے پالا تھا۔ جو اُن کی کل کائنات تھی۔

''کائناز کل رات تم نے مجھے فون کیا نہ میری کال ریسیو کی۔'' روما شکوہ کر رہی تھی۔ ''تمہیں کیا پتا مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔'' روما کے لہجے میں بہت دکھ تھا۔

''روما کل دادا جان کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ میں ان کے ساتھ اسپتال میں تھی۔ جلدی میں اپنا سیل فون بھی گھر بھول گئی تھی۔'' کائناز نے فون نہ کرنے کی وجہ بتائی۔ ''اور تین بجے رات تو ہم اسپتال سے آئے تھے۔ اتنا تھک گئی تھی کہ آتے ہی سو گئی۔'' اس نے مزید وضاحت کی۔ ''اسی وجہ سے آج کالج بھی نہیں جا سکی۔''

''اور تمہاری وجہ سے میں نے بھی کالج کی چھٹی کی، تمہیں تو پتا ہے ناں ماما کسی قیمت پر چھٹی نہیں کرنے دیتیں مگر میں نے کہا میری بیک بون میں بہت درد ہو رہا ہے۔ پیٹ درد کا کہتی تو وہ جھٹ کوئی میڈیسن دے دیتیں۔'' روما نے بڑی معصومیت سے بتایا۔

''تو وہ تمہیں ایکسرے کے لیے لے کر نہیں گئیں؟'' کائناز ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''تھینک گاڈ، آج ان کے اسپتال میں کوئی بہت سیریس Casualty آئی تھی وہ بہت ہبڑ دبڑ میں گئی تھیں مگر کہہ کر گئی تھیں کہ درد زیادہ ہو تو ڈرائیور کے ساتھ اسپتال چلی آنا۔''

''یار 100 ڈکٹیٹر مرے تھے تو تمہاری ماما پیدا ہوئی تھیں...... چلو اتنا خیال تو رکھتی ہیں۔'' کائناز بولی اور سامنے رکھے ہوئے سیب کاٹنے لگی۔

''خیال تو بہت رکھتی ہیں بہترین ڈریس، بہترین کھانا پینا، بہترین زندگی......''

''لیکن بات اپنی ہی منواتی ہیں۔'' کائناز روما کی بات کاٹ کر برجستہ بولی۔

''وہ شہر کی بہت بڑی نیورو سرجن ہیں شاید اسی وجہ سے کچھ پراؤڈ ہیں۔'' روما نے بڑی سادگی سے اپنا

تجزیہ پیش کیا۔

''کچھ......! بہت پراؤڈ ہیں یار تمہاری ماما۔ تمہاری ہمت ہے جو ایسی ماں کے ساتھ رہتی ہو۔'' کائناز نے صاف گوئی سے کہا۔

''ماں تو ماں ہوتی ہے کائناز وہ جیسی بھی ہیں میری ماں ہیں، میں ان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ ان کی وجہ سے سب لوگ ہم سے اسپیشل ٹریٹ کرتے ہیں۔ بہت عزت دیتے ہیں۔'' روما نے بھی سچائی کے ساتھ اپنی دوست کو دل کی بات کہہ دی۔

''تم تو ہو ہی اتنی اچھی، میں بھی تمہیں اتنا ہی پیار کرتی ہوں جتنا تم اپنی ماما سے کرتی ہو۔'' کائناز کھلکھلائی اور کٹے ہوئے سیب کی قاشیں روما کو پیش کیں۔

''ویسے ڈاکٹر صاحبہ کا نام مہر جان کے بجائے مہربان ہوتا تو اچھا تھا۔ سنا ہے نام کا شخصیت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔'' کائناز نے سیب کی قاش اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا اور یوں ہنسی جیسے اپنی نکتہ رسی پر خود کو داد دے رہی ہو۔ روما اس کی بات پر کچھ سوچتے ہوئے مسکرانے لگی۔

☆☆☆

صابرہ نے کچن سے باہر آ کر اِدھر اُدھر دیکھا جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو پھر اسے سامنے شبینہ نظر آ گئی جو اپنے لمبے بال سلجھانے میں مصروف تھی۔

''شبینہ بیٹا میں تمہارے ابا جان کا یونیفارم دھو رہی ہوں۔ ذرا ہانڈی دیکھتی رہنا کہیں جل نہ جائے اور ہاں ستارہ سے کہنا اپنے ابا کے دو جوڑے کپڑے استری کر دے۔''

''امی ابھی ہم کالج سے آئے ہیں، سانس تو لینے دیں۔'' ستارہ نے کمرے سے جھانک کر بڑی بیزاری سے کہا۔

''کپڑے استری نہ ہوئے تو بھی ابا جان نے غصہ کرنا ہے ہو گئے تو بھی...... انہیں تو بس برسنے کا بہانہ چاہیے۔'' ستارہ بڑبڑانے کے انداز میں کہہ کر پھر کمرے میں گھس گئی۔

''بہت زبان چلتی ہے...... اگر کسی دن انہوں نے تمہاری کتر کتر کرتی زبان سے کچھ سن لیا ناں تو گھر بٹھا دیں گے۔ اتنی محنت کرتے ہیں، نوکری کرنا کوئی آسان ہے۔ افسروں کی الٹی سیدھی باتیں برداشت کرنا۔ بعض اوقات چوبیس چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی کرنا وہ بھی آخر انسان ہیں۔'' صابرہ نے ناراضی سے کہا اور ایک طرف رکھا ہوا جابر کا یونیفارم اٹھا کر باتھ روم کی طرف چل پڑی۔

ستارہ پاؤں پٹختی باہر آ گئی۔ شبینہ برش سے ٹوٹے ہوئے بال نکال رہی تھی ــ اس نے دھپ دھپ کی آواز پر گردن موڑ کر ستارہ کی طرف دیکھا۔

''یہ تمہیں اتنا غصہ کیوں آتا ہے؟'' وہ بالوں کو برش سے کھینچتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''باپ پر گئی ہوں...... کوئی اُن سے بھی کسی دن ہمت کر کے پوچھ لے کہ انہیں اتنا غصہ کیوں آتا ہے؟'' یہ کہہ کر ستارہ کچن میں گھس گئی تھی۔ شبینہ نے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا جیسے بہن نے اسے لاجواب کر دیا ہو۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان کی بڑی بیٹی رابی (رابعہ) غصے میں بھری بیٹھی تھی اور گل جان اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے جتن کر رہی تھی۔

”بیٹا بی بی جان آپ کی ماں ہیں، وہ آپ کے لیے اچھا ہی سوچیں گی۔“ گل جان نے پیار سے رابی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ اس وقت رابی کے بیڈ روم میں اس کے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

”کبھی ماں لگی ہی نہیں پتھر کا مجسمہ، ہونہہ...... اٹھارہ، بیس سال بڑا ہے سہراب خان مجھ سے۔ یہی رہ گیا ہے میرے لیے...... اتنا ہی اچھا ہے تو خود کرلیں، بیس سال سے اکیلی ہیں۔ اس عمر میں تو کسی ساتھی کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔“ گل جان نے دہل کر رابی کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”بس بیٹا بس، بری بات ہے، ماں کی بے عزتی نہیں کرتے۔ ماں پھر ماں ہوتی ہے۔“

”آپ اس ظلم میں اُن کا ساتھ دیں گی؟ اگر آپ کی اپنی سگی بیٹی ہوتی اور اس کی شادی کسی بڈھے سے ہوتی تو آپ کیا محسوس کرتیں؟“

”وہ بڈھا نہیں ہے اور ویسے بھی بہت بڑا خاندان ہے اس کا۔ بارہ پشتوں سے جاگیردار ہیں۔“ گل جان نے اپنا کرب چھپاتے ہوئے رابی کو سمجھانے کی کوشش۔

”آخر اماں کو میری شادی کی اتنی جلدی کیا ہے؟“ رابی چڑ کر پوچھ رہی تھی۔

”تمہارے سر پر باپ کا سایہ نہیں، تمہارا کوئی بھائی نہیں، زندگی موت کا کیا بھروسا بیٹا۔“ گل جان نے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

”آپ دونوں بہنوں کے سر پر بھی باپ کا سایہ نہیں ہے۔ آپ دونوں کا بھی کوئی بھائی نہیں، دونوں کے شوہر نہیں ہیں۔ سہراب خان سے آپ شادی کرلیں یا اماں کی کروادیں، صحیح جوڑ ہے۔“ رابی غصے اور اشتعال میں جیسے پاگلوں کی طرح بول رہی تھی۔ گل جان سکتے کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی پھر بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر بولی۔

”بیٹا عورت ذات کی جھکی نظر اور دھیمی آواز اس کا پردہ ہوتی ہے۔ اتنا اونچا نہیں بولتے۔ مردوں کی طرح غصہ نہیں کرتے۔“

”جب الٹی چھری سے ذبح ہوتے ہیں تو حلق سے ایسی ہی آوازیں نکلتی ہیں۔“ یہ کہہ کر رابی اپنی جگہ سے اٹھی دھپ دھپ کرتی آگے بڑھی اور واش روم میں گھس کر دھڑ سے دروازہ بند کرلیا۔ گل جان کے چہرے پر گویا ساری کائنات کا ملال سمٹ آیا تھا۔ کرب کی ایسی انتہا تھی کہ شاید نزع کی کیفیت سے کچھ کم۔

☆☆☆

جابر علی بھاری بوٹ اتار کر جیسے سکون کی سانس لے رہا تھا۔ شرٹ اتار کر دور پھینک دی تھی۔ بنیان پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔ صابرہ حسبِ معمول فوراً چائے بنا کر لے آئی تھی۔

”وہ تھوڑی دیر میں خالہ انوری آپ سے بات کرنے آئیں گی، میں نے سوچا آپ کو پہلے سے بتا دوں۔“ صابرہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”ارے بھئی وہ تو ہفتے میں تین چار مرتبہ آجاتی ہیں۔ آج کوئی خاص بات ہے؟“ جابر علی نے صابرہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے اپنے اسی اکھڑ انداز میں پوچھا۔

”وہ میں نے آپ کو بتایا تو تھا...... شبینہ کے لیے کوئی رشتہ دیکھا ہے۔“

”لاٹری نکلنے کا انتظار کرو۔“ جابر علی نے ٹکڑا توڑ جواب دیا اور جلدی جلدی چائے کے دو تین گھونٹ بھرے۔

”کیا مطلب ہے لڑکیوں کی شادی نہیں کریں گے۔ لڑکیوں کے رشتے آنے کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔“ صابرہ نے دبے لہجے میں سمجھانا چاہا۔

”ابھی عمر ہی کیا ہے، لوگوں کی تیس تیس سال کی بیٹھی ہوتی ہیں۔ تمہیں آفت آرہی ہے۔“ جابر علی نے غصے سے اپنی سادہ و مسکین سی بیوی کو گھورا۔

”جب اچھے، اچھے رشتے ٹھکرا دیے جاتے ہیں تب یہ نوبت آتی ہے کہ لڑکیاں باپ کی دہلیز پر بڑھاپے کا استقبال کرتی ہیں۔“ صابرہ کو شوہر کی بے پروائی ہضم نہیں ہوئی۔

”ارے ابھی تو آنا شروع ہوئے ہیں۔ دو چار اور آنے دو، دیکھ لیں گے۔ فی الحال تو میرے پاس شادی بیاہ پر خرچ کرنے کے لیے کوئی پیسہ نہیں ہے اور قرض ادھار سے مجھے نفرت ہے۔“

”لیکن ایک دن شادی تو کرنا ہی ہے۔ لڑکیوں کی بہت ذمے داری ہوتی ہے۔ یہ جتنی جلدی اپنے گھر کی ہوجائیں اچھا ہوتا ہے۔“ جابر علی نے زور سے چائے کا کپ ٹیبل پر پٹخا اور صابرہ کی طرف شعلہ بار نظروں سے دیکھا۔

”بھاگی جارہی ہیں...... تمہارے قابو میں نہیں ہیں؟ صاف صاف بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟“ جابر علی نے پولیس والوں کے خاص شکی انداز میں صابرہ کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی۔

”لاحول ولا قوۃ۔“ صابرہ نے گویا اپنا سر پیٹ لیا، بات کہاں سے کہاں چلی گئی تھی۔ ”اچھے رشتے بھی قسمت سے ملتے ہیں۔ ہاں کہتے ہی شادی تو نہیں ہوجاتی، ہم ان سے سال بھر کا وقت مانگ لیں گے۔“ صابرہ نے آہستگی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

”سال بعد چھپر پھٹے گا؟“ جابر علی نے گھورا۔

”برہان کی پڑھائی مکمل ہونے والی ہے۔ آخری امتحان رہتا ہے اس کے بعد وہ انجینئر بن جائے گا۔ اس کی پانچ چھ تنخواہیں جمع کرکے شبینہ کی شادی کردوں گی۔“ صابرہ نے اپنی پلاننگ گوش گزار کی جسے سنتے ہی جابر علی اور بھڑک گیا اور مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

”ہاں، تمہارے بیٹے کے لیے نوکری دروازے کے باہر ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ ارے دنیا ڈگریاں لے کر سالوں سے جوتے چٹخا رہی ہے، تم شیخ چلی بنی خواب دیکھتی رہو۔“

”دنیا کے بچوں کو نوکریاں ملتی بھی ہیں۔ سب کے سب بے روزگار تو نہیں ہیں۔ کیا خبر برہان بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوجائے اور اسے بہت اچھی نوکری مل جائے۔ اتنی محنت تو کر رہا ہے میرا بچہ۔“ صابرہ نے ممتا بھرے لہجے میں برہان کا تصور کرتے ہوئے جواب دیا۔

”جب اسے نوکری مل جائے گی تب شادی بیاہ کی باتیں کرنا۔ خیالی پلاؤ پکانے کی ضرورت نہیں۔ اب جاؤ اور فضول میرا دماغ نہ کھاؤ۔“ جابر علی نے بیزاری سے کہا اور اٹھ کر باہر کی طرف چل دیا۔ صابرہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور چائے کا خالی کپ اٹھا کر کچن کی طرف چل دی۔

☆☆☆

شبینہ کپڑے استری کر رہی تھی کہ ستارہ بہت خاموشی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ شبینہ اس کے غیر معمولی انداز اور شریر مسکراہٹ کو الجھن بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

”شکر ہے اس گھر میں مہنگائی سے ہٹ کر بھی کچھ اچھی اچھی باتیں ہونے لگیں۔“ ستارہ نے بستر پر دھپ سے بیٹھتے ہوئے بڑے شریر لہجے میں کہا۔

''شکر ہے اس بات پر کہ آج تم خوش نظر آ رہی ہو ورنہ تو ہر وقت شکل پر بارہ ہی بجے رہتے ہیں۔'' اس نے کپڑے پر استری پھیرتے ہوئے ایک نظر ستارہ پر ڈال کر کہا۔

''تمہاری شادی کی باتیں ہو رہی ہیں آپا جو مجھے بھی کچھ اچھی امیدیں اور حوصلہ دے رہی ہیں۔''

''جس گھر میں لڑکیاں ہوتی ہیں وہاں شادی بیاہ کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ تو ایسی کوئی خاص بات نہیں۔''

''ہاں...... فی الحال تو کئی سال تک باتیں ہی ہوتی رہیں گی۔'' ستارہ نے بڑی ادا سے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا تو شبینہ نے گردن موڑ کر ستارہ کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب...؟ آج تو بڑی الجھی الجھی باتیں کر رہی ہو۔ ہر بار مطلب پوچھنا پڑ رہا ہے۔''

''مطلب یہ کہ جب تک برہان بھائی کو نوکری نہیں ملے گی گھر میں کسی کی شادی، منگنی ہونے کا امکان نہیں ہے۔ امی ابا جان سے کہہ رہی تھیں کہ اتنا اچھا رشتہ قسمت سے ملتا ہے۔ ابا جان بولے پیسے نہیں ہیں۔'' ستارہ تمسخرانہ انداز میں مسکرائی۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔ ایک تنخواہ میں کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ امی کو خود ہی سوچنا چاہیے وہ کیوں ابا جان سے ایسی باتیں کرتی ہیں۔'' شبینہ نے بڑی بردباری اور سنجیدگی سے کہا۔

''مسئلہ لے کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ مسئلے کا حل نکالنا چاہیے۔ ابا جان تو بس ایک دم گرجنے لگتے ہیں۔'' ستارہ نے برا سا منہ بنایا۔

''تو تم بتا دو کوئی حل...... بیٹھی ہر کسی میں کیڑے نکالتی رہتی ہو۔'' شبینہ نے ستارہ پر تنقید کی اور استری شدہ کپڑا بہت احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا۔

''امی حل بتا بھی رہی تھیں مگر ابا جان ان کا مذاق اڑانے لگے۔ امی نے کہا کہ رشتہ دیکھ لیتے ہیں شادی تب کریں گے جب برہان بھائی کو نوکری مل جائے گی۔ ابا جان تو یہ سنتے ہی پہلے سے زیادہ گرم ہو گئے۔'' ستارہ نے بہت تلخ لہجے میں کہا اور بستر پر لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ شبینہ نے ایک نظر بہن کی طرف ڈالی اور ایک شرٹ جھٹکتے ہوئے بولی۔

''امی کو پتا بھی ہے ابا جان اپنی کہی ہوئی بات پر قائم رہتے ہیں۔ اُن کے منہ سے جو نکل جائے پتھر پر لکیر ہوتا ہے پھر ابا جان سے کیوں بحث کرتی ہیں۔''

''ہم سب سامعین نہیں ہیں جو صرف بیٹھے سنتے رہیں۔ ہمارے پاس بھی کہنے کو بہت کچھ ہے۔'' ستارہ بڑبڑائی۔

''جلنے کڑھنے سے بھلا کچھ حاصل ہوتا ہے؟'' شبینہ استری کپڑے پر پھیرتے ہوئے بولی۔

''کلیجا ٹھنڈا ہوتا ہے...... دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔''

''حالات سے سمجھوتا کرنا سیکھو ستارہ۔ جلنے سے تمہارا ہی نقصان ہوگا۔''

''ہائے یہ جلن...... اس عمر میں تو کسی کے عشق میں جل مرنا چاہیے۔'' ستارہ نے شرارت سے خوفزدہ سی شبینہ کو مزید دہلایا۔

''منہ بند کرو اپنا ابا جان نے سن لیا تو......'' شبینہ نے سہمی ہوئی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

''کیوں ڈر ڈر کے مر رہی ہو آپا۔ ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ کوئی ہمیں چاہے اور ہم اس کی خاطر دنیا سے ٹکر لینے نکل کھڑے ہوں۔'' ستارہ کو سہمی ہوئی شبینہ کو تنگ کرنے میں مزہ آنے لگا۔

''خدا کے لیے ستارہ منہ بند کرو۔'' اس نے گھبرا کر ٹوکا۔

''سنا ہے عشق کی آگ جلا کر خاک کر دیتی ہے اور بندے کو خاک ہونے میں بہت مزہ آتا ہے۔'' ستارہ کو گدگدی ہو رہی تھی۔ شبینہ نے ایک جھٹکے سے استری کا پلگ نکالا اور استری لے کر ستارہ کی طرف بڑھی۔

''میں تمہیں اس گرم استری سے چھوتی ہوں پھر مجھے بتانا جلنے میں کتنا مزہ آتا ہے۔'' اس نے استری لہرائی۔

''استری اور عشق کا فرق سمجھو آپا۔'' وہ خود کو بچاتے ہوئے لڑھک کر دوسری طرف ہو گئی۔ شبینہ اپنی مسکراہٹ بہ مشکل روک رہی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان اسپتال کے اپنے آراستہ و پیراستہ روم میں ایک کم عمر لڑکی کا چیک اپ کر رہی تھیں۔ لڑکی کی ماں قریب کھڑی تھی۔

''کب سے دورے پڑ رہے ہیں اسے؟'' مہر جان نے لڑکی کی ماں سے سوال کیا۔ لڑکی کی ماں کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے تو بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''جب سے وہ بدبخت روگ دے کر گیا ہے۔''

''طلاق ہو گئی ہے اسے؟'' مہر جان نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی نظر میں دکھ د تاسف کے تاثرات واضح تھے۔ ''لگتا ہے تم نے بہت چھوٹی عمر میں اس کی شادی کر دی تھی۔'' مہر جان اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اس کی شادی نہیں ہوئی ڈاکٹر صاحبہ۔'' لڑکی کی ماں نے مجرم کی طرح سر جھکا کر مہر جان کے سر پر گویا بم پھوڑا تھا۔

''مگر...... مگر یہ تو پریگننٹ ہے۔'' مہر جان بھونچکا سی اس کی ماں کو دیکھنے لگیں۔

''اسی وجہ سے تو اسے دورے پڑ رہے ہیں۔'' عورت نے نظر جھکا کر آہستہ سے جواب دیا۔ ''کھڑے کھڑے گر جاتی ہے، ہاتھ پیر مڑ جاتے ہیں۔'' وہ مزید بولی۔

''میرے خدایا۔'' ششدر سی مہر جان اس پندرہ سولہ سال کی لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔

''میں اسے دوسرے شہر لے جاؤں گی کیونکہ ڈاکٹر نے بچہ ضائع کرانے سے منع کیا ہے۔ وہ کہتی ہے چار مہینے کا حمل ہے، اس کی جان جانے کا خطرہ ہے۔'' لڑکی کی ماں کہہ رہی تھی اور مہر جان کی آنکھوں میں انگارے دہک رہے تھے۔

''صرف اس کی جان کو رو رہی ہو۔ دو جانیں جائیں گی ایک نہیں۔ تمہیں اپنی اولاد کا خیال ہے جو اس کی کوکھ میں ہے وہ اس کی اولاد ہے۔'' مہر جان نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم جیسی غیر ذمے دار عورتوں کو تو ماں ہی نہیں بننا چاہیے۔ شادی نئے کپڑے اور زیور کا نام نہیں ہوتی۔ یہ ایک ذمے داری کا نام ہے۔''

''جی ڈاکٹر صاحبہ، میں اپنا قصور مانتی ہوں۔ آپ اسے کوئی دوا دے دیں۔ میں اسے اس شہر سے دور لے جاؤں گی۔ سارا انتظام کر لیا ہے میں نے۔'' عورت بالکل مجرموں کے انداز میں بات کر رہی تھی جبکہ لڑکی ایک طرف آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔

''اچھا...... سارا انتظام کر کے میرے پاس آئی ہو۔ ایک بے گناہ معصوم جان کو کچرے میں پھینک کر بیٹی کو واپس لے آؤ گی اور دنیا کو بتاؤ گی کہ یہ مریم ہے...... برائی پھیلتی ہی اس وجہ سے ہے کہ مائیں افیم کھا کر

سوئی رہتی ہیں۔ چلی جاؤ یہاں سے میں تم جیسے ظالموں کے ساتھ ہمدردی نہیں کرسکتی ہی اور نیورو سرجن کو دکھاؤ نکل جاؤ یہاں سے۔ یہ میرا اسپتال ہے قاتلوں کی پناہ گاہ نہیں۔'' مہر جان اس بری طرح دہاڑی کہ عورت تھر تھر کانپنے لگی اور جلدی سے اپنی بیٹی کو سہارا دے کر بیڈ سے اتارنے لگی۔ مہر جان غصے سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

''دادا جان آپ کو اتنا بھی خیال نہیں کہ میں اکیلی ہوں کھٹ سے بیمار پڑ جاتے ہیں۔'' کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے کندھے سے سر لگائے لاڈ کرتے ہوئے بولی۔ شاہ عالم کائناز کے سر پر بہت شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

''تمہارے اندر تو میری جان اٹکی ہوئی ہے ورنہ کب کی اڑان بھر لیتا۔ اس دنیا میں کیا رکھا ہے سوائے میری ایک پیاری سی پوتی کے۔''

''اچھا اب یہ اڑنے وڑنے کی باتیں نہ کیا کریں۔ میرا دل دھک سے رہ جاتا ہے۔'' کائناز نے بڑے دلار سے کہا۔

''چلو پھر کوئی اور بات کرتے ہیں۔ ایسی بات جسے سن کر تم خوشی سے ناچنے لگو۔'' شاہ عالم نے بہت محبت بھرے اور خوشگوار لہجے میں کہا۔

''میں ناچ چکی...... میرا مطلب ہے آدھے گھنٹے پہلے روما نے فون کیا تھا کہ وہ ابھی میرے پاس آنے والی ہے۔'' کائناز نے شاہ عالم کے کندھے سے سر اٹھا کر کلاک کی طرف دیکھا۔

''یقیناً روما کی آمد، روما کا ذکر اس سے بڑی تو کوئی خوشی ہو ہی نہیں سکتی۔''

''Obviously۔'' کائناز نے بڑے اسٹائل سے جواب دیا۔

''بے شک وہ تمہاری سلطنتِ روما ہے۔ تین گھر چھوڑ کر اس کا گھر ہے اور تمہارا استقبالیہ ایسا ہوتا کہ گویا وہ سمندر پار سے آ رہی ہو۔''

''سچی دادا جان جب وہ آتی ہے یا میں اس سے ملنے جاتی ہوں تو لگتا ہے پہلی بار مل رہے ہیں۔'' کائناز نے بڑی سادگی اور معصومیت سے اپنے دل کی بات کی۔

''اللہ آپ دونوں کی دوستی کو ہمیشہ قائم رکھے۔'' شاہ عالم نے پوتی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی۔

''حالانکہ دادا جان ہم روز کالج میں ملتے ہیں مگر وہاں مزہ نہیں آتا۔ بریک بھی بس چھوٹی سی ہوتی ہے اور کلاس میں لیکچرار ہمیں ساتھ بیٹھنے نہیں دیتیں کہ آپ دونوں بہت باتیں کرتی ہیں۔''

''ٹھیک تو کہتی ہیں؟ ویسے بیٹا ایک بات تو بتاؤ...... یہ چند گھنٹوں میں اتنی ساری باتیں کہاں سے جمع ہو جاتی ہیں۔ اتنی خبریں تو اخبار کے رپورٹر کے پاس بھی نہیں ہوتیں۔'' شاہ عالم نے مذاق کیا اور کائناز نے بڑے دلار سے ان کے کندھے سے سر ٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

''دماغی امراض کی ماہر ہیں ہماری اماں۔ دیکھ لینا ایک دن ہم بھی ان کے پیشنٹ ہوں گے۔'' رابی ریموٹ سے چینل تبدیل کرتے ہوئے روما سے کہہ رہی تھی۔ جو جلدی جلدی کتابیں بیگ میں رکھ رہی تھی۔

''میں جلدی میں ہوں آپا، واپس آ کر یہ درد بھری کہانی ضرور سنوں گی۔''

''طنز کر رہی ہو...... مگر یاد رکھنا روما ایک دن تمہاری باری بھی آئے گی۔''

''ایک، ایک سیکنڈ قیمتی ہے آپا...... بڑی مشکل سے کمبائنڈ اسٹڈی کے بہانے کائناز کے گھر جانے کی اجازت ملی ہے۔''

''کبھی کبھی مجھے خیال آتا ہے اماں نے ہمیں کچرے سے اٹھا کر تو نہیں پالا۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہہ کر ٹی وی بند کیا اور ریموٹ ایک طرف اچھال دیا۔ روما اپنی دھن میں تھی اس نے اپنے کپڑوں پر ایک نگاہ ڈالی۔

''آپا یہ ڈریس ٹھیک ہے ناں؟''

''جہنم میں جاؤ۔'' رابی پھیل کر صوفے پر لیٹ گئی۔

''میں تو جنت میں جا رہی ہوں، اپنی دوست کائناز کے گھر۔'' روما شرارت سے ہنسی۔

''تنگ جوتے پہنے ہوئے ہیں ہم سب نے۔ ذرا دیر کو اتارتے ہیں تو سکون ملتا ہے۔ واپس تو اسی جہنم میں آؤ گی۔'' رابی زہریلے لہجے میں بولی اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ روما نے ایک نظر بہن پر ڈالی اور بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

اصیل خان نظر کی عینک لگائے لاؤنج میں اخبار پڑھ رہا تھا۔ گل جان دور بیٹھی ایک کرتے پر کڑھائی کر رہی تھی۔ ڈائننگ میں ملازمہ برتن وغیرہ اٹھا رہی تھی۔ خاموش ماحول میں برتنوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اسی وقت گھر کے مین گیٹ پر... ہارن کی آواز سنائی دی تھی۔ اصیل خان نے چونک کر عینک اتاری اور کھڑا ہو گیا، جلدی جلدی اخبار لپیٹا اور آگے بڑھنے لگا۔ گل جان بدحواس ہو کر ایک طرف بڑھی پھر رک کر بڑی ناگواری سے اصیل خان کو مخاطب کیا۔

''اصیل خان۔''

''جی گل جان بی بی؟'' اصیل خان باہر جاتے جاتے رک گیا اور بہت مؤدبانہ انداز میں گویا ہوا۔

''کتنی بار کہا ہے یہاں لاؤنج میں مت بیٹھا کرو...... کسی دن بی بی جان نے دیکھ لیا تو...... پہلے ہی زندگی کے عذاب کیا کم ہیں۔ رحم کرو خود پر۔'' یہ کہہ کر وہ ایک طرف بڑھ گئی۔ اصیل خان سر جھکائے مخالف سمت جا رہا تھا۔

☆☆☆

مہر جان لاؤنج میں داخل ہوئیں، انداز میں شاہانہ پن اور ملکاؤں جیسا کروفر تھا۔ ان کا باوردی ڈرائیور بیگ اٹھائے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ مہر جان نے لاؤنج میں رک کر ادھر اُدھر نظر دوڑائی وہ بنظرِ غائر جائزہ لے رہی تھیں۔ ڈرائیور نے ان کا بیگ ٹیبل پر رکھا اور سر جھکا کر اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

''تم جاؤ ریسٹ کرو۔ رات آٹھ بجے مجھے ایک پارٹی میں جانا ہے۔ گاڑی تیار رکھنا۔'' مہر جان نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ڈرائیور لاؤنج سے چلا گیا۔ اسی وقت مہر جان کی نظر صوفے پر پڑے ایک فیشن میگزین پر پڑی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر میگزین اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگیں۔ چہرے پر غم و غصے کے تاثرات واضح ہونے لگے۔

''گل جان۔'' انہوں نے بلند آواز میں گل جان کو گویا طلب کیا۔ گل جان ایک جانب سے جیسے گرتی پڑتی آئی تھی وہ بہن کے لہجے کے سارے موسموں سے آگاہ رہتی تھی۔ بنا سوال جواب کے وہ سمجھ گئی تھی کہ پھر عدالت لگی ہے۔

"جی بی بی جان؟" اس نے بہت شائستہ لہجے میں مسئلہ جاننے کی کوشش کی۔
"یہ کون لے کر آیا ہے؟" مہر جان نے میگزین گل جان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔
"مجھے علم نہیں۔" وہ پریشان نظر آنے لگی۔
"تمہیں تو آج تک اپنے حسین سپنوں سے فرصت نہیں ملی...... گھر کا کوئی ہوش ہے؟"
"شاید روما لائی ہوگی کالج سے۔" گل جان نے دبے دبے لہجے میں بات کی۔
"کالج میں یہ فیشن میگزین پڑھائے جاتے ہیں۔ تم نے کبھی اندر سے کالج کی شکل دیکھی ہوتی تو کچھ پتا ہوتا۔ پرائیوٹ انٹر پاس وہ بھی تھرڈ کلاس میں۔" مہر جان کے انداز میں بیزاری اور بے مروتی تھی۔ چالیس پینتالیس سال کی گل جان اس طرح سر جھکائے بہن کی لعن طعن سن رہی تھی جیسے کوئی آٹھ دس سال کی بچی ہو۔
"لڑکیاں اس طرح کے میگزین پڑھنا شروع کر دیں تو پھر تمہارے جیسے ہی ہو جائیں گی۔"
"میں نے کسی کو پڑھتے نہیں دیکھا شاید کوئی نوکر لایا ہو۔" گل جان نے بڑے صبر و سکون سے جواب دیا۔
"ہاں، نوکروں کو یہ انگلش میگزین بہت اچھی طرح پڑھنا آتے ہیں۔" مہر جان نے طنزیہ مسکرا کر کہا۔
"میرا مطلب ہے تصویریں دیکھنے کے لیے۔" گل جان نے جھٹ وضاحت کی۔
"پتا کرو اس گھر میں کس کو شوق ہے یہ بیہودہ تصویریں دیکھنے کا۔" مہر جان نے میگزین ایک طرف دے مارا اور اپنے بیڈ روم کی طرف قدم بڑھا دیے گل جان نے دیر سے رکی سانس سینے سے آزاد کی اور آگے بڑھ کر میگزین اٹھا لیا۔

☆☆☆

"اللہ تمہارے گھر آ کر تو اپنے گھر جانے کو جی ہی نہیں چاہتا۔" روما نے کتاب بند کر کے بڑی بیزاری سے ایک طرف رکھی پھر گہری سانس لے کر شرارت سے کائناز کی طرف دیکھ کر بولی۔ "کاش کوئی جادو کے زور سے ان گھڑیوں کی ٹک ٹک روک دے۔"
"حالانکہ تمہارا گھر تو میرے گھر سے زیادہ خوب صورت ہے اور اس گھر میں رہنے والے سارے کے سارے لوگ بھی خوب صورت ہیں۔" کائناز نے مسکرا کر روما کی طرف دیکھا جیسے اس کے چہرے پر اپنی بات کا تاثر بھی نوٹ کر رہی ہو۔
"اور وہ سارے کے سارے خوب صورت لوگ ہماری اماں جان کے خوف سے تھر تھر کانپتے رہتے ہیں۔" روما کے ہونٹوں پر بڑی اداس سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ کائناز نے بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔
"تمہاری اماں سب کو اتنا ڈراتی کیوں ہیں؟" کائناز نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔
"کاش پتا چل جائے۔" روما نے اسی طرح اداسی سے جواب دیا۔
"مگر لگتا ہے رابی آپا ان سے بالکل نہیں ڈرتیں۔ تم بھی رابی آپا جیسی بن جاؤ ورنہ ڈر ڈر کر بد صورت ہو جاؤ گی۔"
"مجھے اس وجہ سے بھی بہت ڈر لگتا ہے کہ رابی آپا اماں جان سے کیوں نہیں ڈرتیں۔" اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔
"اس لیے کہ وہ تمہاری طرح بے وقوف نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں ناں جو ڈر گیا وہ مر گیا۔" کائناز نے لاابالی پن سے بات کی۔

"اتنا آسان نہیں ہے، خالہ تو ان سے بس تھوڑی ہی چھوٹی ہیں۔ وہ تنگ ڈرتی ہیں اور ہمیں بھی ڈرائی رہتی ہیں۔"
"اس کا مطلب ہے خالہ نے ہی بیڑا غرق کیا ہے۔" کائناز نے بے ساختگی سے کہا اور پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا۔
"خالہ کو کچھ نہ کہو وہ بہت اچھی ہیں۔ اتنی اچھی ہیں کہ کسی کو آج تک اتنی اچھی خالہ نہیں ملی ہوگی۔" روما نے گل جان کے تصور میں کھو کر بات کی۔
"ویسے یہ بات تو ہے، خالہ سر سے پاؤں تک محبت ہیں۔ تمہاری ڈکٹیٹر اماں جان سے تو بالکل مختلف ہیں۔" کائناز نے اتفاق کیا۔
"ان کی وجہ سے تو وہ گھر گھر لگتا ہے ہر وقت مصروف رہتی ہیں۔ بہترین کوکنگ کرتی ہیں۔ ہر وقت گھر کو سجاتی بناتی رہتی ہیں۔ اماں جان کے دوست وغیرہ اچانک آ جاتے ہیں۔ ذرا سی دیر میں اتنا سارا کھانا تیار کر لیتی ہیں۔" روما بول رہی تھی اس کے لہجے میں خالہ کے لیے پیار ہی پیار تھا۔
"ایک بات سمجھ نہیں آتی، خالہ اتنی پیاری ہیں۔ سب کام کر سکتی ہیں پھر ان کی شادی کیوں نہیں ہوئی؟" کائناز نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔
"میں نے ایک مرتبہ اماں جان سے پوچھا تھا کہ آپ نے خالہ کی شادی کیوں نہیں کی بس اماں جان کا پارا ایک دم ہائی ہو گیا بولیں...... ضروری تو نہیں ہر لڑکی کی شادی ہو۔ فضول باتیں سوچنے کی ضرورت نہیں۔" روما نے برا سا منہ بنا کر بتایا۔
"اگر خالہ کی شادی ہو جاتی تو وہ آئیڈیل بیوی ہوتیں۔" کائناز بولی۔
"ہوں...... اپنے گھر کی ملکہ ہوتیں، ہمارے گھر میں تو وہ نوکرانی بنی ہوئی ہیں۔" روما نے دکھ سے کہا۔
"چلو چھوڑو ڈپریسڈ ہونے کی ضرورت نہیں۔ آؤ ٹینس کھیلتے ہیں۔" کائناز اٹھتے ہوئے بولی۔ روما بھی فوراً کھڑی ہو گئی جیسے وہ اپنے محسوسات سے پیچھا چھڑانے کے لیے کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی تھی۔

☆☆☆

"میں عمر کی اس منزل پر آ پہنچی ہوں کہ خودکشی کر کے حرام موت نہیں مرنا چاہتی۔" گل جان کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے، حلق میں پھندے لگ رہے تھے۔
"مجھے تم پر کبھی رحم نہیں آیا گل جان۔" مہر جان نے گل جان کو ایک طرف دھکا دیا اور وارڈ روب کی طرف بڑھیں۔ گل جان لڑکھڑائی تھی مگر فوراً سنبھل گئی۔
"مجھے تمہارے آنسوؤں سے نفرت ہے۔ ہزار بار کہا ہے میرے سامنے آنسو مت بہایا کرو۔" مہر جان نے وارڈ روب سے اپنا ایک ڈریس نکالتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔
"میں کوشش تو کرتی ہوں اتنے آنسو بہا چکی ہوں مگر یہ دریا اترتا ہی نہیں۔" وہ بھیگی آواز میں بڑے کرب سے بولی۔
"او ٹی (Operation theatre) میں کھڑے کھڑے میرے پاؤں سوج گئے۔" مہر جان اپنے کپڑے بیڈ پر پھینک کر اپنے پیروں کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی بیزاری سے کہہ رہی تھیں۔
"میں ٹب میں گرم پانی لاتی ہوں۔ آپ پندرہ بیس منٹ پاؤں گرم پانی میں ڈبو کر رکھیں۔ تھکاوٹ اتر جائے گی۔" یہ کہہ کر گل جان واش روم کی طرف بڑھی جہاں اس نے مہر جان کو آرام دینے والی ہر شے رکھی

ہوئی تھی۔ مہر جان نے گل جان کی پشت کی طرف بڑی بیزاری سے دیکھا۔ اس کے نیک عمل کا ان پر کوئی اثر نہ تھا۔

☆☆☆

''یہ دونوں لڑکیاں نظر نہیں آرہیں؟'' جابر علی گھر آچکا تھا اور اپنے معمول کے مطابق مخصوص جگہ پر بیٹھ کر شام کی چائے پی رہا تھا۔

''شبینہ کی سہیلی فائزہ کی سالگرہ ہے، دونوں وہیں گئی ہیں۔'' صابرہ نے ہاتھ میں تھال پکڑی ہوئی تھی وہ بڑی تندہی سے چاول صاف کررہی تھی۔

''یہ جو لڑکیاں دوستانے پالتی ہیں ناں' یہ اچھی بات نہیں ہے۔ یہ دوستیاں ہی لے ڈوبتی ہیں۔'' جابر علی نے چائے کا گھونٹ بھر کر بدمزاجی سے کہا۔

''کبھی کبھی گھر سے نکلتی ہیں۔'' صابرہ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''زمانہ خراب ہے، ہوش کی دوا کرو صابرہ۔'' جابر علی نے سابقہ انداز میں کہا۔

''اگر میں نے کسی سے کوئی الٹی سیدھی بات سنی تو یاد رکھنا ایک منٹ تمہیں اس گھر میں نہیں رکھوں گا۔ اپنی ذمّے داری محسوس کرو میں نے کہا تھا کہ بیٹیوں کی ماں بن۔''

''بیٹیاں جہیز میں لے کر نہیں آئی تھی اب بس بھی کریں۔ آجائیں گی تھوڑی دیر میں۔''

''ہاں...... بہت جہیز لائی تھی۔ گھر بھر گیا تھا میرا۔ چار چیزیں لے کر آئی تھی آج تک نخرہ دکھاتی ہے۔ میرے گھر سے نکل کر اپنی اوقات دیکھ لے ایک پولیس آفسر کی بیوی ہے تو چار لوگ سلام کرلیتے ہیں۔'' اسی وقت برہان کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے کمرے سے باہر آگیا۔ اس کے چہرے پر کوفت و بیزاری کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔

''جب آپ کو ان کی اوقات پتا تھی تو کیوں شادی کی، کسی سیٹھ کی بیٹی سے کرلیتے۔'' لگتا تھا آج برہان کی برداشت جواب دے گئی۔ جابر علی نے اپنے خاموش طبع بیٹے کے منہ سے پہلی بار جرأت مندانہ کلمہ سنا تو جیسے بھونچکا رہ گیا پھر بڑے ضبط سے گویا ہوا۔

''باپ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے؟''

''اللہ کے سامنے بھی پانچ وقت کھڑا ہوتا ہوں اور اس سے دل کی باتیں کرتا ہوں۔'' برہان نے سنجیدگی سے کہا۔

''جانتا ہوں بڑا نیک پرہیزگار ہے۔ بڑا آیا ماں کا حمایتی۔'' جابر علی اندر ہی اندر غصے کی آگ سے بھسم ہورہا تھا مگر بظاہر بہت ضبط کررہا تھا۔ جوان بیٹا سامنے کھڑا ہوجائے تو پھر بہت سوچنا پڑتا ہے۔ ''حرام نہیں کھلاتا ہوں دن رات جان خطرے میں ڈال کر رزقِ حلال کماتا ہوں تب ہی آج یونیورسٹی میں پڑھ رہے ہو۔'' جابر علی ٹیبل دھکیل کر کھڑا ہوگیا۔

''آپ کا احسان مانتا ہوں ابا جان مگر کوئی بھی انسان اپنی ماں کی بے عزتی برداشت نہیں کرسکتا۔ شاید یہ آپ کے کھلائے ہوئے رزقِ حلال کا ہی اثر ہے۔ میرے ایگزام ہورہے ہیں تھوڑی سی خاموشی چاہیے۔'' برہان بڑی جرأت سے اپنی بات کرکے واپس کمرے میں چلا گیا۔ جابر علی نے آگ برساتی نظروں سے صابرہ کی طرف دیکھا اور بڑبڑانے لگا۔

''ایک ہی بیٹا پیدا کیا ہے۔ پانچ چھ بیٹوں کی ماں بن جاتی تو پوری آرمی تیار کرتی میرے خلاف۔'' صابرہ نے اب کوئی جواب نہیں دیا۔ الجھی الجھی خاموش سی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

مہر جان نے پاؤں ٹب سے باہر نکالے تو گل جان جلدی سے اس کے پاؤں تولیے سے خشک کرنے لگی۔

''پتا کرو روما گھر آگئی یا ابھی تک وہیں جمی بیٹھی ہے۔ گھر میں تو دل ہی نہیں لگتا۔'' وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولیں۔

''میں پتا کرتی ہوں، آپ کے لیے چائے لاؤں بی بی جان؟'' اس نے آہستہ آواز میں سر جھکا کر پوچھا۔

''اتنی چائے پی ہے آج کہ معدہ جل رہا ہے۔ دل تو کم بخت جلتا ہی رہتا ہے۔'' گل جان کے دل میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں اس نے بڑی ہمدردی اور دکھ سے مہر جان کی طرف دیکھا۔

''جب سے میں آئی ہوں رابی کو نہیں دیکھا...... کیا کررہی ہے؟'' مہر جان کو اب اچانک رابی کا خیال آیا، گل جان کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

''جی' میں دیکھتی ہوں۔'' اس نے کمزور سی آواز میں کہا اور باہر کی طرف بڑھی۔

''ہاں...... اسے میرے کمرے میں بھیجو' اللہ کا عذاب ہے میرے سر پر۔ چلتی کیسے ہے جیسے زمین پھاڑ ڈالے گی۔'' مہر جان بڑبڑائیں۔ ''اور ہاں سنو......'' انہوں نے جاتی ہوئی گل جان کو روکا۔ گل جان رک گئی مگر پلٹی نہیں۔

''اسے یاد دلاتی رہا کرو کہ وہ ڈاکٹر مہر جان کی بیٹی ہے۔ ماں کے بغیر اس کی کوئی حیثیت ہے نہ شناخت۔''

''جی میں اکثر اسے یاد دلاتی ہوں۔'' گل جان کے لہجے میں بلا کی مظلومیت تھی۔

☆☆☆

''دادا جان دعا کریں ہم دونوں کبھی جدا نہ ہوں۔'' کائناز کے انداز میں بلا کا بچپنا اور کچا پن تھا۔ وہ روما کو خدا حافظ کہنے گیٹ تک جارہی تھی۔ شاہ عالم مغرب کی نماز کے لیے مسجد جارہے تھے اس لیے ان کے ہمراہ چل رہے تھے۔ کائناز کی احمقانہ فرمائش پر بہت لطف اندوز ہوئے اور مسکرانے لگے۔

''ارے بھئی اب تم دونوں بڑی ہوچکی ہوں کچھ دنوں بعد تم دونوں کی شادیاں ہوجائیں گی' دونوں اپنے اپنے گھر میں...... خدا معلوم کس کا گھر مشرق میں کس کا مغرب میں۔''

''ہائے اللہ، آپ وضو سے ہیں بددعا تو نہ کریں۔ اللہ نہ کرے کہ ہم ایک دوسرے سے دور ہوں۔''

''تو پھر تم دعا مانگو کہ شادی کے بعد بھی تم پڑوسنیں بن جاؤ۔ ایک گلی میں تم دونوں کے گھر ہوں۔'' شاہ عالم نے مسئلہ حل کیا۔

''آخر ہم دونوں کا ایک ہی گھر کیوں نہیں ہوسکتا۔'' کائناز ٹھنکی' روما مسکرانے لگی۔

''ایسا کرلیتے ہیں۔'' شاہ عالم نے اسی طرح پُرسکون انداز میں جواب دیا۔

''کیا کرلیتے ہیں؟'' کائناز ہونق سی ہوکر پوچھنے لگی۔ روما خاموش رہ کر دادا پوتی کی گفتگو انجوائے کررہی تھی۔

''بھئی ایسا گھر دیکھ لیتے ہیں جہاں دو بھائی شادی کے لیے تیار بیٹھے ہوں، ایک سے تمہاری کردیں گے دوسرے سے روما کی۔'' شاہ عالم دل ہی دل میں دونوں لڑکیوں کی معصومیت سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ لڑکی ذرا سی میچور ہوجائے تو شادی کے ذکر پر شرمانے لگتی ہے۔ کانشس ہوجاتی ہے مگر کائناز تو یوں بولے چلی جارہی تھی جیسے موسم پر اپنی رائے کا اظہار کررہی ہو۔

''دادا جان ہم ایک بندے سے بھی شادی کرسکتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کی دو بیویاں ہوتی ہیں بلکہ میں نے تو سنا ہے تین بھی ہوتی ہیں۔'' کائناز کے انداز میں برجستگی تھی البتہ روما قدرے جھینپ گئی تھی۔ اسے کائناز کی یہ بات واقعی احمقانہ لگی تھی۔

''لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔'' شاہ عالم نے بڑے زور شور سے لاحول پڑھی۔

''آپ لاحول کیوں پڑھ رہے ہیں دادا جان۔ یہ تو گدھے کی آواز سن کر پڑھتے ہیں۔'' کائناز نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

''گدھے کی آواز سن کر ہی نہیں گدھی کی باتیں سن کر بھی پڑھ لیتے ہیں۔'' شاہ عالم نے ہلکی سی چپت کائناز کے سر پر لگائی۔ روما ہنس ہنس کر بے حال ہوگئی۔ کائناز نے برا سا منہ بنایا تھا۔

☆☆☆

''جب ابا جان کی طبیعت کا پتا ہے تو کیوں امی کو امتحان میں ڈالتی ہو۔'' برہان، شبینہ اور ستارہ سے آف موڈ میں بات کر رہا تھا جو سالگرہ کی تقریب سے بہت خوش خوش واپس آئی تھیں اور اپنے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھی تقریب پر تبصرہ کر رہی تھیں کہ برہان نے ایک دم آکر سارا مزہ کرکرا کردیا۔

''بھائی ہم روز روز تو کہیں نہیں جاتے۔ پورے تین مہینے بعد ہم کسی دوست کے گھر گئے تھے وہ بھی انویٹیشن پر۔'' ستارہ نے منہ بنایا۔

''پورے دو مہینے میں نے پیسے جمع کیے تھے گفٹ کے لیے۔'' شبینہ بھی بولی۔

''اتنا زور لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ تحفے تحائف اپنی حیثیت کے مطابق ہی دینا چاہیے۔'' صابرہ بھی بہن بھائی کی آواز سن کر کمرے میں آگئی تھی۔

''امی حیثیت تو ہماری بہت اونچی ہے۔ میری کلاس فیلو نشا کے ابو بھی پولیس افسر ہیں، یہ بڑی سی کار میں بیٹھ کر کالج آتی ہے۔'' ستارہ نے برا سا منہ بنا کر ماں کو جواب دیا۔

''ہماری حیثیت وہ ہوتی ہے جو ہمارے ماں باپ طے کرتے ہیں۔ کیوں دیکھتی ہو...لوگوں کی کاریں، کوٹھیاں...تمہیں تو فخر ہونا چاہیے کہ تمہارا باپ رشوت خور نہیں ہے۔'' برہان نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

''امی دیکھیں بھائی جان ابا جان کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔'' ستارہ بسوری، شبینہ البتہ سنجیدگی سے ادھر اُدھر پڑی چیزیں اٹھا کر قرینے سے رکھنے لگی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے۔ شکر ہے تمہارا باپ گھر میں وہ کمائی لاتا ہے جس میں کسی کی مجبوری اور آہیں نہیں ہوتیں۔ پاک صاف روزی......یہ بھی خوش نصیبوں کے حصے میں آتی ہے۔'' صابرہ نے سمجھایا۔

''ہم ابا جان کی ہر سختی اسی لیے برداشت کرلیتے ہیں کہ وہ رشوت کی دنیا میں خود کو بچانے کے لیے بہت مشکلات سے گزرتے ہیں۔ پتا نہیں کس، کس سے کیا کیا کچھ سنتے ہوں گے۔'' برہان نے بہنوں کو نصیحت کی جس کی اس ماحول میں سخت ضرورت تھی کیونکہ حد سے زیادہ سختی بغاوت کے جذبات ابھارتی ہے۔ برہان ایک کنٹرول لائن ہر صورت قائم رکھنا چاہتا تھا۔ باپ کی سخت مزاجی کو جسٹی فائی کرنا اس کی محتاط طبیعت کا تقاضا تھا۔ وقت کی مجبوری تھی۔ ستارہ کو تو بھائی کے خیالات سن کر سخت مایوسی ہوئی وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔

''ایک اور ابا جان۔'' صابرہ نے پریشان ہوکر برہان کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

صابرہ صحن میں شوہر کا بستر بچھا کر جگ میں پانی بھرنے کچن میں چلی گئی۔ واپس آئی تو وہ اپنے بستر پر

لیٹ چکا تھا۔ وہ شروع سے ہی کُھلے صحن میں سونے کا عادی تھا۔ بارشوں کے موسم میں دُگنا چڑچڑا ہو جاتا تھا کہ بند کمروں میں اس کا دم گھٹتا تھا۔ خود پر جبر یا کوئی قدغن تو اسے لمحے بھر کو برداشت نہیں تھی۔

''وہ تنخواہ کا لفافہ میں نے تمہارے تکیے کے نیچے رکھ دیا تھا۔ سنبھال کر رکھ دینا۔'' اس نے قدرتی ہوا اور پیڈسٹل فین کی ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بہت نرم اور اچھے موڈ میں صابرہ سے کہا۔ ویسے بھی صرف تنخواہ پر گزارہ کرنے والوں کا موڈ مہینے میں ایک دن ضرور بہت اچھا ہوتا ہے جس دن انہیں تنخواہ ملتی ہے۔

''کتنے ہیں؟'' صابرہ کو بھی یہ ماہانہ خبر خوشخبری کی طرح محسوس ہوتی تھی۔

''بتیس ہزار، دو ہزار میں نے رکھ لیے ہیں اپنے خرچے کے۔'' جابر علی نے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔

صابرہ اس کے پاؤں دبانے لگی۔

''ستارہ کہتی ہے اس کی سہیلی کا باپ بھی پولیس افسر ہے اس کے ہاں بقر عید پر چھ بکرے ذبح ہوتے ہیں۔''

''ہاں سارا سال دو ٹانگوں والے بکرے کاٹتا ہوگا اسی لیے عید پر چار ٹانگوں والے بکرے کاٹتا ہے۔ ارے ہم خود کٹنے کو تیار ہیں مگر حرام کھانے کو تیار نہیں۔ سمجھایا کرو اپنی اولاد کو۔''

''اللہ کا شکر ہے بچے سمجھ دار ہیں سب سمجھتے ہیں اور بچوں کی طرح آئے دن فرمائشیں نہیں کرتے۔''

صابرہ نے جابر علی کو اپنی طرف سے مطمئن کرنے کی سعی کی۔

''انسان چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے تو سکون سے رہتا ہے۔ حسرتیں پالنے سے امیدیں پوری نہیں ہوتیں۔'' جابر علی نے یہ کہہ کر کروٹ بدلی۔ ''اب تم بھی جا کر سو جاؤ آج کل ایمرجنسی چل رہی ہے، جانے کس وقت فون کی گھنٹی بج جائے۔ ہم تو چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر ہوتے ہیں۔'' جابر علی کہہ رہا تھا۔ صابرہ چارپائی سے اتر گئی اور ایک وفادار، ہمدرد بیوی کی طرح اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی جو دن میں کئی مرتبہ یاد دلاتا تھا کہ وہ ان کی خاطر بڑی مشکلیں اٹھا کر رزقِ حلال کماتا ہے۔

☆☆☆

اصیل خان لان کی ہلکی روشنی میں بہت خضوع و خشوع سے عشا کی نماز پڑھتا نظر آ رہا تھا۔ مہر جان کافی دیر سے اپنے کمرے کے اطالوی طرز کے دریچے سے ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ دیکھتے دیکھتے ان کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔ ان کا جسم بید کی طرح لرزنے لگا یوں لگا جیسے اب وہ پاگلوں کی طرح چیخ پڑیں گی۔ وہ چند لمحے اپنی سانسوں کو کنٹرول کرتی رہیں پھر دریچے سے ہٹ گئیں۔

وہ نماز مکمل کر کے دعا مانگ رہا تھا اس کے خاموش آنسو اس کی داڑھی کو بھگو رہے تھے۔ مہر جان دبے پاؤں اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں۔ اصیل خان کا جسم دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہیں پھر آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیا۔

اصیل خان کو جیسے زبردست کرنٹ لگا تھا۔ یہ کون اس کی تنہائی میں مخل ہوا تھا۔ وہ اپنا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ پاس کھڑے ہوئے شخص کو دکھانا نہیں چاہتا تھا اسی طرح بیٹھے بیٹھے اس نے ہتھیلیوں سے آنسو صاف کیے مگر اب بھی آنکھیں تو بھیگی ہوئی تھیں اور بھیگی ہوئی آنکھیں بہت بولتی ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ اس کے بھید کھولیں۔ مہر جان کا ہاتھ ہنوز اس کے کندھے پر تھا۔

''اصیل خان سات مرتبہ پیدا ہو کر مر جاؤ تمہارے آنسوؤں میں اتنا دم نہیں ہے کہ قرض اتار سکیں۔ اچھا تو بتاؤ کیوں رو رہے ہو؟'' مہر جان کے انداز میں تمسخر تھا۔

''رو کہاں رہا ہوں بیگم صاحبہ، اپنے اوپر ہنس رہا ہوں۔'' مہر جان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

اصلی اور نقلی کا فرق

کہتے ہیں ہٹلر نے اپنی کئی نقلیں تیار کر رکھی تھیں یعنی ہو بہو ہٹلر سے ملتے جلتے ہم شکل افراد اکٹھے کر رکھے تھے۔ ایک جرمن آفیسر کو پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ اصل ہٹلر سے ہم کلام ہے یا نقلی سے تو اس نے کہا ''سر! آج میں نے ایک ہزار یہودی قتل کیے۔'' تو ہٹلر نے بے ساختہ کہا۔ ''شاباش!'' تو جرمن افسر فوراً بولا۔ ''آپ اصلی ہٹلر نہیں ہیں کیونکہ صرف ایک ہزار یہودیوں کو قتل کرنے پر ہٹلر شاباشی نہیں دے سکتا۔'' ذہنی آزمائش کے امتحان میں طلبہ کو ایک تصویر دی گئی جس میں ایک شخص پولیس کی وردی پہنے چند آدمیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ یہ پتا کرنا تھا کہ وہ اصلی پولیس والا ہے یا نقلی۔ ایک لڑکے نے تصویر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ نقلی ہے۔'' ممتحن نے پوچھا۔ ''کیسے؟'' لڑکے نے کہا۔ ''سر! اگر یہ اصلی ہوتا تو اس کا ہاتھ کبھی اپنی جیب میں نہ ہوتا۔''

مرسلہ: جبیں نیاز، ملتان۔ اقتباس: مزاحیات، ڈاکٹر یونس بٹ

''تم کتنی دلچسپ باتیں کرتے ہو اصیل خان۔ اچھا چلو بعد میں جائے نماز پر بیٹھ کر خود پر ہنس لینا میرے لیے بڑے مگ میں اچھی سی کافی بنا کر لاؤ...... مجھے بہت کام کرنا ہے، کل پانچ بڑے میجر آپریشنز ہیں۔''

''جی، آپ چلیں میں ابھی لایا۔'' اصیل خان نے اٹھ کر جائے نماز تہ کرنا شروع کر دی۔ مہر جان بڑے کروفر سے چلتے ہوئے اندر کوٹھی میں جا رہی تھیں۔

☆☆☆

رابی اپنے بستر پر چت لیٹی ہوئی تھی گل جان بہت محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔

''خالہ، اماں شروع ہی سے ایسی ہیں؟'' رابی سوچتے سوچتے گل جان کی طرف دیکھنے لگی۔ گل جان رابی کے سوال پر سٹپٹا سی گئی پھر زبردستی مسکرائی۔

''وہ بہت اچھی ہیں بیٹا...... اصل میں شروع ہی سے ان پر بہت ذمے داریاں رہیں اسی لیے وہ بہت سنجیدہ ہیں مگر میری بہن دل کی بہت اچھی ہیں۔'' گل جان نے ایک سرد آہ دل میں دبانے کی کوشش کی۔

''کمال ہے آپ اماں کی تعریف کرتی ہیں...... آپ؟'' رابی نے تمسخرانہ کہا۔

''کیوں نہ کروں میری سگی بہن ہے۔'' گل جان نے نظر جھکا کر آہستگی سے کہا تھا۔

''آپ انہیں اپنی بہن سمجھتی ہیں مگر وہ تو آپ کو اپنی ملازمہ سمجھتی ہیں۔'' اس نے صاف گوئی بلکہ بڑے پھکڑپن سے کہا۔

''چھوڑو بیٹا کوئی اور بات کرو۔'' گل جان نے گویا اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔

''میرے پاس نہیں ہے کوئی اور بات...... مجھے بتائیں وہ بہن کس طرح اچھی ہو سکتی ہے جو اپنی بہن کی مجبوری اور بے بسی سے فائدہ اٹھا رہی ہو۔ پوری ایک نوکرانی کی تنخواہ کی بچت ہے۔''

''شاید وہ مجھ سے زیادہ مجبور ہوں۔'' گل جان کے ڈھیروں آنسو دل پر گرے۔ ''بیٹا اب تم اِدھر اُدھر اپنا ذہن نہ الجھاؤ۔ شادی کر کے اپنے گھر جاؤ اور اپنی مرضی کی زندگی گزارو۔''

''شادی کرلوں...... اس بڈھے سہراب خان سے؟'' رابی نے غصے سے گل جان کی طرف دیکھا۔

''بڈھا نہیں ہے البتہ عمر میں تم سے کافی بڑا ہے پکی عمر کے مردوں میں سنجیدگی ہوتی ہے۔ کم عمر بیوی کو بہت اچھی طرح سنبھال لیتے ہیں۔ اصل بات تو پُرخلوص ساتھی ملنا ہے اور جس عورت کو پرخلوص ساتھی مل جائے وہ بہت نصیبوں والی ہوتی ہے۔''

''ہاں، مجھے پہلے ہی پتا ہے آپ کو اماں نے میرے پیچھے لگا دیا ہے مگر آپ اچھی طرح جان لیں میں کسی صورت سہراب خان سے شادی نہیں کروں گی۔ چاہے اماں مجھے گولی مار دیں۔'' رابی کے لہجے میں اٹل پن تھا۔

''بیٹا پھر تمہاری شادی کہاں کریں؟'' گل جان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا جیسے وہ انجانے اندیشے سے کانپ رہی تھی۔

''میں اس وجہ سے تو انکار نہیں کر رہی کہ مجھے اپنی پسند سے شادی کرنی ہے مگر ایسی کیا مصیبت آئی ہے کہ میں ایک بڈھے سے شادی کروں۔ شادی کے بغیر بھی زندگی گزر جاتی ہے جیسے آپ کی گزر رہی ہے۔'' رابی جھلا کر بولی۔

''بیٹا تم دونوں بہنوں کے لیے رشتے ڈھونڈنا بہت کٹھن کام ہے۔ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کی شادیاں غیر خاندان میں نہیں ہوتیں۔ بڈھا ہو، جوان ہو جو بھی ہو خاندان کا ہی ہونا چاہیے اور اس وقت خاندان میں تمہارے جوڑ کا کوئی لڑکا نہیں ہے۔'' گل جان نے بہت سادہ طریقے سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''خاندان...... ہمارا کون سا خاندان ہے۔ ایک آپ، ایک اماں، ایک بہن پھر آپ کس خاندان کی بات کر رہی ہیں؟ ہم نے تو آج تک اپنا کوئی رشتے دار نہیں دیکھا۔''

''ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔ ہمارا بہت بڑا خاندان ہے۔ ہم زمیندار لوگ ہیں۔ بس بی بی جان کو پڑھائی کا بہت شوق تھا۔ بابا نے ان کی خواہش یہ سوچ کر پوری کر دی کہ ہمارا کوئی بھائی نہیں تھا۔ بابا، بی بی جان کو ایک وارث کی طرح تیار کر رہے تھے وہ کہتے تھے یہ میرا بیٹا ہے۔ میری پگڑی اور بیٹھک اس کے پاس میری امانت ہوگی۔'' گل جان بول رہی تھی اور رابی بڑی محویت سے سن رہی تھی۔

''یہ جو تمہاری اماں کا اسپتال ہے ناں اس کا نقشہ ہمارے مرحوم بابا ہی نے بنوایا تھا۔''

''تو خاندان کے لوگ ہم سے کیوں نہیں ملتے؟'' رابی اپنی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

''ہم اُن سے نہیں ملتے۔'' گل جان نے آہستگی سے کہا۔

''کیوں؟'' رابی کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

''بی بی جان کو پسند نہیں ہے، وہ دیہاتی لوگ ہیں بی بی جان کا مزاج نہیں ملتا۔'' گل جان نے جواب دیا۔

''اور یہ سہراب خان کیا پیرس میں رہتا ہے۔ یہ خاندان کا ہے تو دیہاتی بھی ہوگا۔'' رابی نے تلخی سے کہا۔

''وہ باہر سے پڑھا ہے۔ بہت پڑھا لکھا ہے اس نے پہلی شادی کسی میم سے کی تھی پھر بعد میں اسے چھوڑ دیا تھا۔ اس کی اب تینوں بیویاں دیہاتی ہیں اس کی رشتے دار ہیں۔'' گل جان روانی میں بول رہی تھی۔ رابی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تین، تین بیویاں...... اماں تین بیویوں کے شوہر سے میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔'' رابی ہذیانی انداز میں چلائی۔ گل جان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

''وہ ان بیویوں سے خوش نہیں ہے۔ پڑھی لکھی بیوی چاہتا ہے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ خاندان میں کوئی لڑکا نہیں ہے، وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ گاؤں لے کر نہیں جائے گا بات ہوگئی ہے۔'' گل جان نے آہستہ آواز میں کہا۔

''ڈاکٹر صاحبہ ہرگز میری ماں نہیں ہوسکتیں۔ کوئی ماں چار مرتبہ کے شادی شدہ سے اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرسکتی چاہے اس کی بیٹی بوڑھی ہو جائے۔'' رابی نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ ''میں سہراب خان سے شادی نہیں کروں گی۔ وہ میری لاش لے کر جائے گا۔'' رابی اپنی بے قابو سانسوں کو کنٹرول کرتے ہوئے بہ مشکل بولی۔ انہوں نے پریشان ہو کر اسے چمکارنا چاہا تو رابی نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''آپ چلی جائیں میرے کمرے سے...... ظالم کا ساتھ دینے والا ظالم ہی ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اپنی بہن سے اتنی ہمدردی ہے تو خود کرلیں سہراب خان سے شادی یا اماں کی کروا دیں۔'' رابی پر پاگل پن سوار ہوگیا تھا وہ بستر سے اتر کر گل جان کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کر رہی تھی۔ گل جان آنسو پیتی ہوئی کمرے سے باہر چلی آئی۔

☆☆☆

اصیل خان صبح صبح تازہ سبزی لے کر آیا تھا۔ وہ سبزی کے شاپر کچن میں رکھ کر لاؤنج میں واپس آیا تو دیکھا مہر جان دونوں پاؤں ٹیبل پر رکھ کر نیل فائل سے اپنے ناخن بنا رہی تھیں۔ اصیل خان سر جھکا کر باہر کی طرف جانے لگا تو مہر جان نے اسے روکا۔

''اصیل خان اِدھر آؤ تم گھر کے سینئر سرونٹ ہو، تمہیں ایک خوشخبری سنانی ہے۔'' اصیل خان بنا کچھ بولے مؤدبانہ کھڑا ہوگیا۔

''میں رابی کی شادی کر رہی ہوں۔'' اب اصیل خان چونک پڑا تھا۔ اس کا وجود جیسے آندھیوں کی زد میں تھا۔ اس نے بے پناہ حیرت سے مہر جان کی طرف دیکھا۔

''بہت اچھا رشتہ ہے۔ رابی کو پھولوں کی طرح رکھے گا۔'' مہر جان معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بول رہی تھیں۔ اب اصیل خان کے چہرے پر قدرے سکون دکھائی دیا۔

''سہراب خان کو تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرے سب سے بڑے ماموں کا سب سے بڑا بیٹا ہائی فائی کوالیفائڈ، رئیس ابنِ رئیس۔ تم ہی کہو رابی کو اس سے اچھا رشتہ مل سکتا ہے؟'' مہر جان کی مسکراہٹ بہت پُراسرار تھی۔ اصیل خان سناٹے میں کھڑا مہر جان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آنکھیں نیچی کرو تمہاری اتنی ہمت کہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو۔'' اصیل خان نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

''معاف کردیں بیگم صاحبہ۔'' اس نے کانپتی آواز میں معذرت چاہی۔

''اب تم جاسکتے ہو جو خبر ہم نے تمہیں سنانا تھی سنا چکے۔ امید ہے تم یہ خوشخبری سن کر باغ باغ ہورہے ہو گے۔'' یہ کہہ کر مہر جان ہنس پڑیں۔ اصیل خان یوں چل رہا تھا جیسے خود کو گھسیٹ رہا ہو۔

☆☆☆

رابی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ گل جان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ وہ تسبیح کے دانے گرا رہی تھی دانوں کے ساتھ اس کی آنکھوں سے آنسو گالوں پر پھسل رہے تھے۔ وہ کچھ پڑھتی تھی پھر رابی پر پھونک مارتی تھی۔ اس کی آنکھیں رابی پر ٹکی ہوئی تھیں پھر جیسے اسے خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔ اس نے جھک کر رابی کی پیشانی چوم لی۔ گرم گرم چند آنسو رابی کے چہرے پر گرے تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور نیند بھری آنکھوں سے جن میں حیرت کی انتہا تھی گل جان کی طرف دیکھنے لگی۔ گل جان بھی اپنی بے اختیاری پر خجل سی کھڑی آنسو صاف کررہی تھی۔

''آپ سوئی نہیں خالہ؟'' رابی نے نیند سے بوجھل آواز میں پوچھا، لہجے میں تفکر تھا۔

گل جان خاموش رہی۔

''خالہ آپ کیوں رورہی ہیں، بتائیں ناں؟'' رابی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کچھ نہیں بیٹا بس ویسے ہی۔'' گل جان کے حلق میں آنسوؤں کے پھندے تھے۔

''آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔ بتائیں مجھے...... اتنی رات کو میرے کمرے میں آکر کیوں رورہی ہیں؟ اس وقت ساری دنیا سو رہی ہے آپ کیوں جاگ رہی ہیں؟'' رابی اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور گل جان کے کندھوں کو پکڑ کر ہلا رہی تھی۔

''کچھ نہیں بیٹا۔ وہ تمہارے کمرے کی کھڑکیاں کھلی دیکھ کر آگئی تھی۔ سوچا بند کردوں۔ آج کل مچھر بھی تو بہت ہورہے ہیں۔'' گل جان اب کافی حد تک خود پر کنٹرول کرچکی تھی۔ بہت صاف اور پُراعتماد لہجے میں بات کررہی تھی۔

''میرے کمرے کی کھڑکیاں بند نہ کیا کریں۔ مجھے کھڑکیاں کھول کر سونے کی عادت ہے۔ بند کمرے اور کھڑکیوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے، ڈر لگتا ہے۔'' رابی جھنجلا کر کہہ رہی تھی۔

''تمہیں ڈر لگتا ہے؟'' گل جان نے چونک کر رابی کی طرف دیکھا۔

''ہاں، پتا نہیں کیوں مجھے محسوس ہوتا ہے بند کھڑکیوں کے پیچھے سے کوئی جھانک رہا ہے۔ کئی آنکھیں مجھے گھور رہی ہیں۔'' رابی بول رہی تھی اور گل جان اسے ایک ٹک دیکھے جارہی تھی۔

''آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟'' اسے گل جان کی نظروں میں غیر معمولی پن محسوس ہوا۔

''آں ہاں۔'' گل جان اپنے دھیان سے چونک گئی۔

''میں سمجھ گئی کہ آپ کیوں جاگ رہی ہیں اور کیوں رورہی ہیں۔ یقیناً آپ نے اماں تک میری بات پہنچائی ہوگی اور پھر انہوں نے بہت کچھ کہا ہوگا۔'' رابی نے جیسے اپنے طور پر دل کا حال جان لیا۔

''نہیں...... نہیں انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ میری بڑی بہن ہیں اگر کچھ کہیں بھی تو میں برا نہیں مانتی۔'' گل جان نے آہستہ سے رابی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''اچھا ہوا میں جاگ گئی، اس بہانے پتا چل گیا کہ آپ راتوں کو اٹھ کر روتی ہیں۔'' رابی یہ کہہ کر اپنے بستر پر جاکر بیٹھ گئی۔ گل جان نے سر پر اپنا دوپٹا درست کیا اور مغموم چہرے کے ساتھ پلٹ کر دروازے کی

طرف بڑھی۔

''خالہ۔'' رابی نے اسے آواز دی۔ اب اس کی پشت رابی کی طرف تھی وہ وہیں رک کر گردن موڑ کر رابی کی طرف دیکھنے لگی۔

''وہ کون تھا؟'' رابی کے لہجے میں کچھ خاص تھا۔

''کون......؟'' گل جان بری طرح چونک گئی۔

''وہ جو آپ کو راتوں کو یاد آتا ہے۔'' اس نے بڑے اعتماد سے پوچھا تھا۔ گل جان ٹپٹا سی گئی اور پھر مسکرا دی۔

''ارے بیٹا ایسی کوئی بات نہیں، ہمارے گھر میں ہی چار دیواری نہیں ہوتی۔ ہماری سوچ بھی چار دیواری کی قید میں ہوتی ہے۔'' یہ کہہ کر گل جان تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

برہان ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اسٹڈی کررہا تھا۔ بہت توجہ وانہماک سے کسی نوٹ پر پین سے نشان لگا رہا تھا کہ صابرہ دودھ کا گلاس لیے اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''امی آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟'' برہان نے چونک کر سر اٹھایا۔

''تم بھی تو جاگ رہے ہو بیٹا۔ میں نے سوچا آٹھ بجے کا کھانا کھایا ہوا ہے، کیا خبر بھوک لگ گئی ہو جوان بچہ ہے۔'' ماں نے گلاس اس کے سامنے رکھ کر پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''دماغ کا...... کام زیادہ ہو تو دماغ میں خشکی ہوجاتی ہے۔''

''پہلے ہی اتنی مہنگائی ہے۔ خرچے کم کرنے کی ضرورت ہے پھر سب سے زیادہ خرچ میرا ہی ہے۔ ابا جان کا موڈ اسی وجہ سے تو خراب رہتا ہے۔'' برہان نے سنجیدگی سے کہا۔

''ارے نہیں بیٹا، وہ تو تمہاری طرف سے بہت پُرامید ہیں۔ اپنی خوشی سے تمہیں انجینئرنگ پڑھا رہے ہیں۔ بچوں کے اچھے مستقبل کے لیے ہی ماں باپ محنت کرتے ہیں۔ انسان کی ساری بھاگ دوڑ اولاد کے لیے ہوتی ہے۔ تم اپنے ابا جان کی باتیں دل پر نہ لیا کرو۔'' وہ بڑی نیک دلی سے بیٹے کو سمجھانے لگی۔ برہان ماں کی سادگی پر مسکرا دیا۔

''میں کیوں اُن کی باتیں دل پر لوں گا۔ باپ ہیں وہ میرے...... مجھے تو ان پر رحم آتا ہے۔ مجھے احساس

ہے وہ بہت محنت اور ایمانداری سے ڈیوٹی کرتے ہیں۔'' اس نے ماں کے سکون کی خاطر دودھ پینا شروع کر دیا تاکہ ماں آرام سے سو جائے۔

''تم انجینئر بن جاؤ گے...... اچھی نوکری مل جائے گی تو میں پہلی فرصت میں تمہاری بہنوں کو اپنے گھر کا کرنے کی کوشش کروں گی۔'' انہوں نے بیٹے کی اِدھر اُدھر بکھری کتابوں کو سمیٹ کر ایک جگہ رکھتے ہوئے کہا۔

''ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہیں امی۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔'' برہان تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''جوان لڑکی چھوٹی نہیں ہوتی، یہ بس ہماری ذمے داری ہوتی ہے۔ بیٹی ذات جتنی جلدی اپنے گھر جائے اچھا ہوتا ہے۔'' صابرہ نے سمجھایا۔

''آپ پریشان نہ ہوا کریں امی۔ میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر دودھ پیا اور گلاس ماں کو تھما دیا۔

بیٹے نے گرم دودھ پیا ماں کی روح میں ٹھنڈک اتر گئی۔ ''اللہ تم جیسی نیک اولاد سب کو دے، آمین ثم آمین۔'' صابرہ دعا دے کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

روما حسبِ معمول لیٹ آورز میں کائناز سے بات کر رہی تھی۔ برسوں کا معمول تھا دونوں سونے سے پہلے گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا ضرور بات کرتی تھیں۔

''گھر میں بڑی ٹینشن ہے کیا بتاؤں۔'' روما کہہ رہی تھی۔

''کوئی نئی بات کرو۔'' کائناز نے شرارت سے کہا۔

''میں سیریس ہوں کائناز، رابی آپا کی شامت آئی ہوئی ہے۔ اماں ان کی شادی زبردستی کر رہی ہیں ایک اوورایج بندے سے۔'' روما نے بہت دکھ بھرے لہجے میں اطلاع دی۔

''تو رابی آپا انکار کر دیں ناں۔ وہ کر سکتی ہیں تمہاری طرح ڈرپورک نہیں ہیں۔'' کائناز یہ دھماکا سن کر ذرا پریشان نہ ہوئی بڑے آرام سے حل بتا دیا۔

''اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔'' روما نے دل شکستہ لہجے میں کہا۔

''لگتا ہے لوگوں کے دماغ ٹھیک کرتے کرتے تمہاری اماں کا دماغ الجھ گیا ہے۔ اگر وہ بندہ ینگ ہوتا تو ہم دونوں مل کر اس سے شادی کر لیتے۔''

''کیوں کر لیتے؟'' روما ہونق ہو گئی۔ کائناز کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ارے بھئی فرض کرو رابی آپا شادی سے انکار کر دیتی ہیں تو ہم دونوں مل کر اس بندے سے شادی کر لیتے...... آنٹی خوش ہو جاتیں۔ رابی آپا کی جان چھوٹ جاتی۔''

''بالکل احمق ہو تم۔ اماں کے سامنے کبھی مذاق میں بھی ایسی بات نہ کرنا تم سے ملنے پر پابندی لگا دیں گی۔'' روما نے بڑے بزرگانہ انداز میں نصیحت کی۔

''ہائے...... میں تو تمہیں ملے بغیر ایک دن نہیں رہ سکتی۔'' کائناز نے بڑے انداز سے کہا۔

''مجھے بھی بس ہر وقت تمہاری کمپنی چاہیے۔ میرا بس چلے تو ایک پل تم سے جدا نہ ہوں۔'' روما بہت پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ باہر دروازے سے کان لگائے کسی نے اس کے یہ آخری جملے سن لیے ہیں۔

(باقی آئندہ)

امانت

رفعت سراج

قسط 2

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر
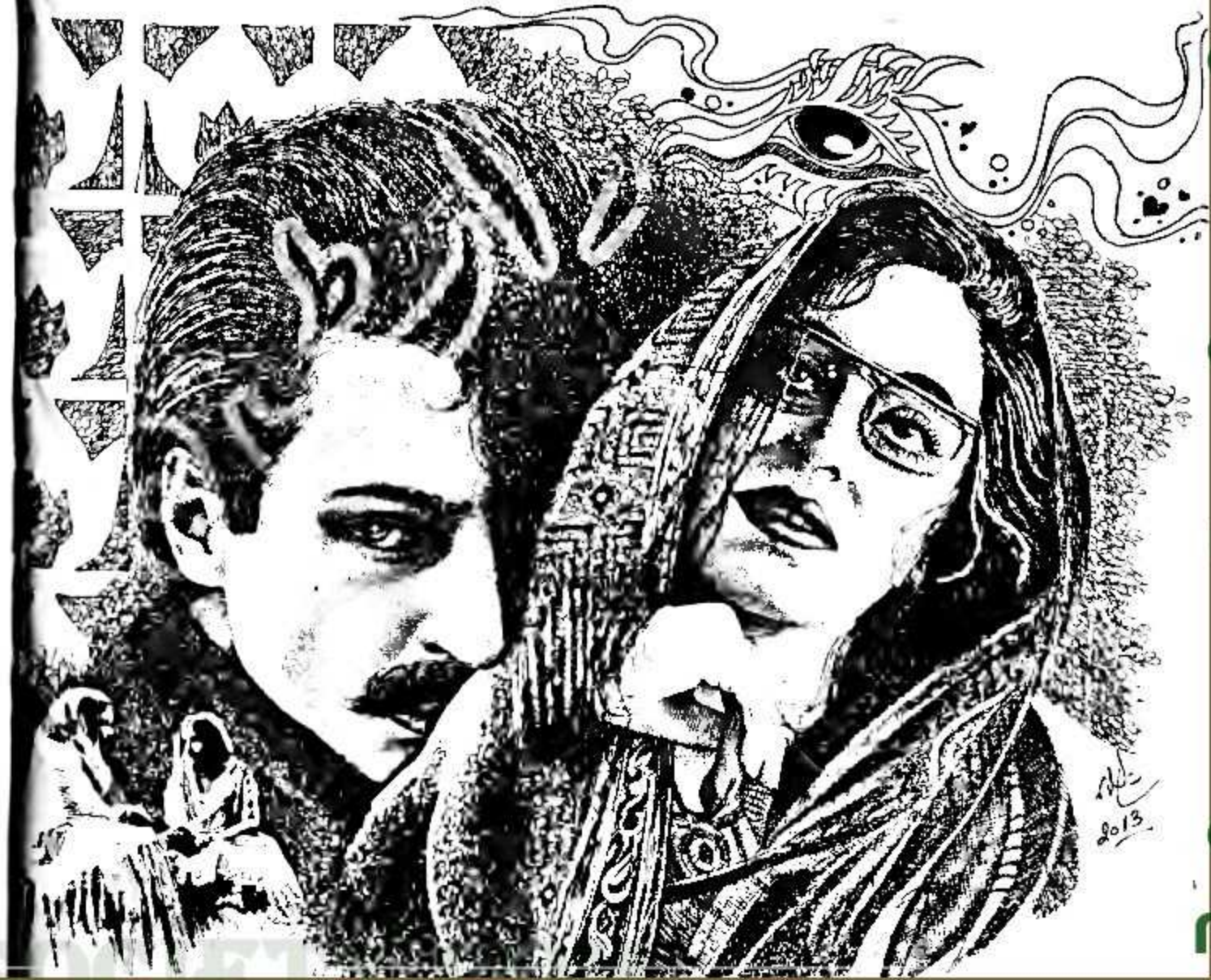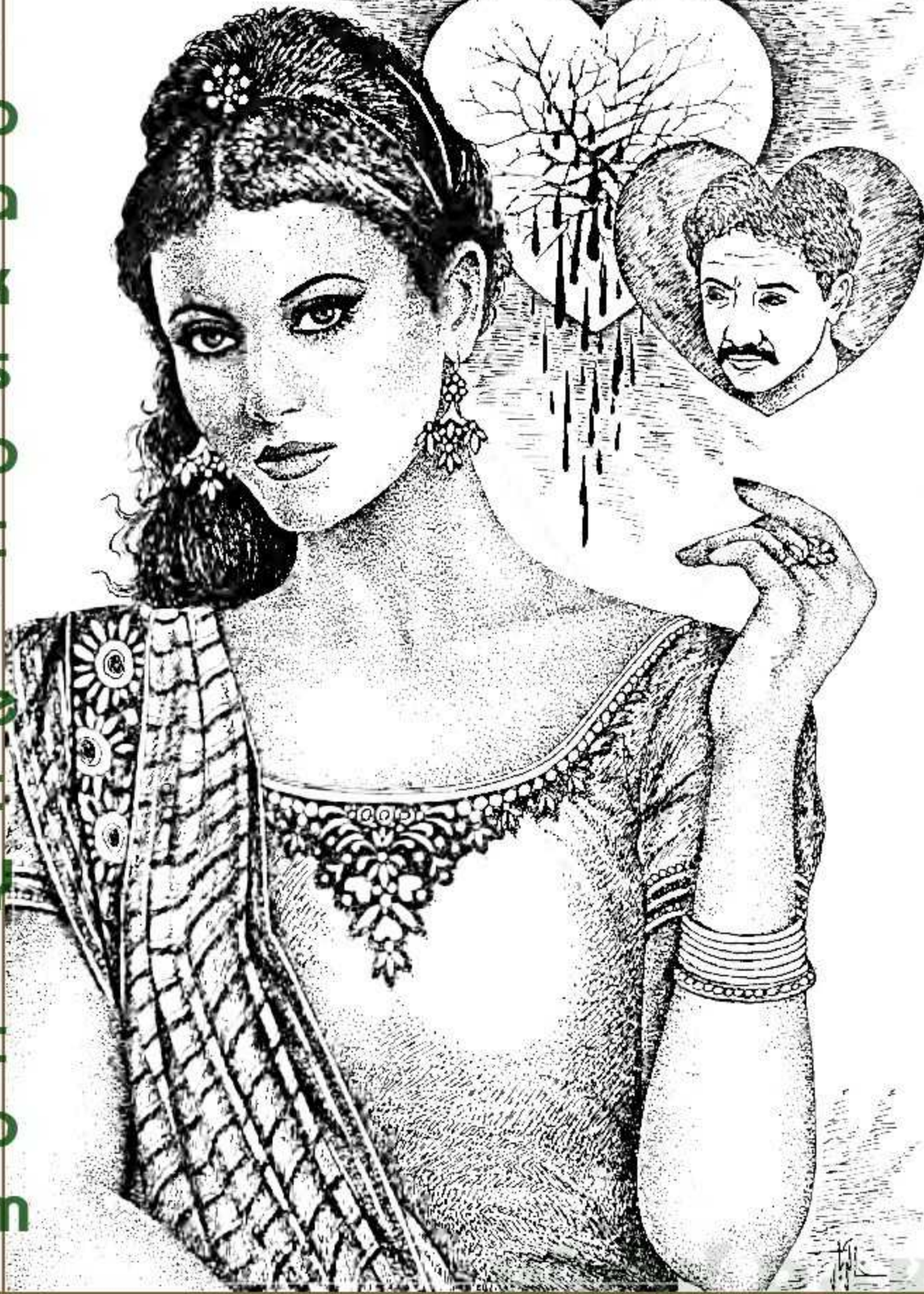
مہر جان کی آنکھوں سے جیسے غیظ وغضب کی چنگاریاں نکلنے لگی تھیں انہوں نے بے اختیار دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

روما دستک سن کر گھبرا گئی جلدی سے رابطہ منقطع کر کے کارڈلیس تکیے کے نیچے چھپا دیا اور بیڈ سے چھلانگ مار کر اتری۔ دروازہ کھولتے ہی جو مہر جان پر نظر پڑی تو چکرا کر رہ گئی۔

''صبح کالج کی چھٹی ہے......؟'' وہ دُرشت لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''نن......نن......نہیں تو اماں......'' روما نے خشک گلا تھوک سے تر کرتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر یہ اتنی دیر تک جاگنے کا مطلب...... کالج سیر کرنے جاتی ہو؟ بے وقوف بنا رہی ہو ماں کو......'' انہوں نے گھور کر دبی آواز میں پوچھا۔

''وہ...... میں تو بس سونے ہی والی تھی...... کہ آپ آ گئیں......'' روما نے خوف سے کانپتے دل کو بہ مشکل سنبھالا۔

''شرم سے ڈوب مرو...... جھوٹ بولنے کا سلیقہ سیکھو...... جب جوان لڑکی نظریں چرا کر ماں سے جھوٹ بولنے لگے تو یہ خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے...... ایسی ہی بے وقوف لڑکیوں کو شاطر لڑکے گھر سے بھگا کر لے جاتے ہیں۔ سات سمندر کے پانی سے بھی یہ کالک نہیں دُھلتی۔ سچ سچ بتاؤ...... فون پر کس سے بات کر رہی تھیں؟''

اب مہر جان نے اس کی ٹھوڑی اپنی انگلی سے اونچی کر کے انگارے چبائے۔

''وہ...... کائناز...... کائناز سے...... آپ چیک کر لیں...... ڈائلڈ نمبر دیکھ لیں...... آپ کو تو کائناز کا فون نمبر پتا ہے ناں......؟'' روما کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

''میں ضرور چیک کروں گی...... اس لیے کہ میں آسانی سے کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتی۔'' مہر جان یہ کہہ کر کمرے میں داخل ہوئیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کارڈلیس تلاش کیا۔

روما پھرتی سے آگے بڑھی اور تکیے کے نیچے سے کارڈلیس نکال کر انہیں تھما دیا...... مہر جان چیک کرنے ہی والی تھیں کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی...... روما کی جان حلق میں اٹک گئی...... انہوں نے کارڈلیس کان سے لگایا مگر بولیں کچھ نہیں۔ دوسری طرف سے کائناز کہہ رہی تھی۔

''روما تم نے فون کیوں بند کر دیا؟'' مہر جان نے گہری سانس لے کر تھر تھر کانپتی روما کی طرف دیکھا...... تصدیق ہو گئی تھی خود بخود۔

''لڑکی...... آرام سے سو جاؤ...... دن میں کیا کرتی ہو؟ تم لوگوں کو باتیں بنانے کے سوا اور کام ہی کیا ہے......'' یہ کہہ کر مہر جان نے رابطہ منقطع کر دیا۔

''یہ چیپ تھرڈ کلاس ڈائیلاگ تم کائناز سے بول رہی تھیں؟ شرم کرو شرم...... اپنا اندازِ گفتگو ٹھیک کرو...... گھر میں یہ فلمی سین چلانے کی ضرورت نہیں۔ آج سہیلی سے بول رہی ہو...... کل دل چاہے گا کہ......''

مہر جان نے کچھ سوچ کر بات ادھوری چھوڑ دی...... اور کارڈلیس لے کر کمرے سے چلی گئیں۔ روما نے گھٹی ہوئی سانس سینے سے آزاد کی اور جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

گل جان کے دل کو عجیب سی بے قراری تھی۔ بند کمرے میں دم گھٹنے لگا تو بالکنی میں چلی آئی...... ہاتھ میں

تسبیح تھی...... وہ کچھ پڑھ رہی تھی۔ مہر جان نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے گل جان کو دیکھ لیا تھا وہ تو اے سی چلانے کی نیت سے کھڑکیاں بند کر رہی تھیں...... وہ اتنی پھرتی سے کمرے سے باہر نکلیں گویا بجلی سے چل رہی ہوں...... گل جان اپنے خیال میں کھوئی ہوئی تھی کہ مہر جان نے جا لیا۔

''کیوں جاگ رہی ہو؟''

گل جان چونک پڑی۔

''بس یونہی...... کبھی کبھی نیند نہیں آتی......'' اس نے بڑی سادگی سے سر جھکا کر کہا تھا۔

''کبھی کبھی...... یا اکثر......؟'' مہر جان کے لہجے میں طنز و تلخی تھی۔ مہر جان نے تسبیح کی طرف ایک نگاہ کی۔

''کوئی وظیفہ کر رہی ہو؟''

''نہیں...... یا حی یا قیوم پڑھ رہی تھی کہ شاید نیند آ جائے۔''

''کم از کم میرے سامنے تو اتنی پارسا بننے کی ضرورت نہیں...... ان تسبیح کے دانوں پر تم دنیا کو گھما سکتی ہو...... مجھے نہیں۔'' مہر جان نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ سر سے پاؤں تک اسے گھورا۔

''آپ میرے جاگنے سے پریشان نہ ہوا کریں بی بی جان...... میں تو برسوں سے جاگ رہی ہوں...... شاید موت کی نیند کے انتظار میں جاگتی رہتی ہوں۔'' گل جان کے چہرے پر اسی طرح سکون تھا، وہ بہت مؤدبانہ انداز میں بولی۔

مہر جان نے کاٹ دار نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک تولا پھر طنزیہ قہقہہ لگا کر بولیں۔

''کتنی بھی مظلوم دکھائی دو کم از کم مجھے تم پر ترس نہیں آتا۔''

''خدا نہ کرے کہ آپ کو کبھی مجھ پر ترس آئے......'' وہ یہ کہہ کر رکی نہیں...... مہر جان کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔

''تمہیں دن رات جلتا سلگتا دیکھ کر میرے دل کو جو سکون ملتا ہے بیان سے باہر ہے۔'' مہر جان بڑبڑا رہی تھیں جبکہ ان کے اپنے وجود میں جو آگ دہک رہی تھی اسی کا اثر تو شاید درجہ حرارت میں اضافے کا باعث تھا...... رات کا ٹائم...... مگر ہر طرف دن کی لو چل رہی تھی۔

☆☆☆

''جب تمہارے پاس اپنی کار اور ڈرائیور موجود ہے تو تمہیں کائناز کا احسان اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟'' مہر جان آف موڈ میں روما سے مخاطب تھیں جو کالج جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔

''اماں احسان کی بات نہیں...... ہمیں ایک دوسرے کی کمپنی چاہیے۔''

''بس......!'' مہر جان نے ہاتھ اٹھا کر روما کو مزید بولنے سے روکا...... غصہ مزید بڑھ گیا۔

''رات مجھے پتا چل گیا...... اتنی بے وقوفی اور حماقت کی توقع نہیں تھی تم سے۔ بچی نہیں ہو...... ہوش کی دوا کرو...... میں یہ سب کچھ مزید برداشت نہیں کروں گی......'' مہر جان نے فیصلہ کُن تحکمانہ گھن گرج کا مظاہرہ کیا۔

''اماں...... کائناز تو بچپن سے میری دوست ہے......'' روما ایک دم سہم سی گئی تھی۔

''دوستی اور پاگل پن میں فرق ہونا چاہیے...... دماغ خراب ہو گیا ہے تم دونوں کا۔'' اسی وقت رابی ایک

طرف سے نکل کر سامنے آ گئی، غصے اور بیزاری کی کیفیت سے پتا چلتا تھا کہ وہ روما اور ماں کی بات چیت سن چکی ہے۔

"کسی لڑکے سے دوستی تو نہیں چلا رہی...... کیوں ایک سمپل سی بات کو ایشو بنا رہی ہیں؟"

"اچھا...... تم بکواس بند کرو...... میری بات کے سامنے تم نے اپنی بات رکھنے کی ہمت کیسے کی؟" مہر جان اتنی زور سے دہاڑیں کہ دیواریں لرز اٹھیں۔

"ہم آپ کی بیٹیاں ہیں...... آپ منڈی سے کنیزیں خرید کر نہیں لائی ہیں اور اولاد اپنے ماں، باپ ہی سے دل کی بات کر سکتی ہے۔" رابی نڈر انداز میں گویا ہوئی مگر روما تھر تھر کانپ رہی تھی۔

چٹاخ کی آواز ماحول میں یوں گونجی گویا کوئی کانچ کا برتن اچانک ہاتھ سے چھوٹا ہو۔

"آپا...... پلیز...... آپ کو اماں کا پتا ہے ناں...... پھر آپ کیوں اس طرح کرتی ہیں۔" روما ایک دم آگے بڑھی...... اور رابی کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی۔

"جو لڑکیاں اپنی ماں کے سامنے زبان چلاتی ہیں، ایک دن وہ اپنے عاشقوں کے لیے ماں سے لڑتی ہیں...... پھر گھروں سے بھاگ جاتی ہیں...... دس نسلیں عزت کے لیے محنت کریں...... چند لوگ عزت کے جنازے نکال دیں...... کم از کم میری زندگی میں تو اس طرح کے تماشے نہیں ہوں گے۔ دور ہو جاؤ دونوں میری نظروں سے۔" مہر جان حلق پھاڑ کر دہاڑیں۔ روما تو پورچ کی طرف بھاگی مگر رابی اپنے گال پر ہاتھ رکھے پتھر کے بُت کی طرح اپنی جگہ اِستادہ تھی۔

مہر جان نے اسے اپنی جگہ جما دیکھا تو خود ہی وہاں سے پاؤں پٹختے ہوئے چلی گئیں۔

☆☆☆

گل جان راہداری میں دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے کھڑی تھی، خاموش آنسو اس کے رخساروں پر لڑھک رہے تھے۔ مہر جان تیز تیز چلتی راہداری میں آئی تھیں انہی قدموں کی چاپ پر گل جان نے ایک دم آنکھیں کھول دیں اور مہر جان کو سامنے پا کر گھبرا گئی جلدی جلدی آنسو پونچھنے لگی۔

"تم کس کو رو رہی ہو......؟ دیکھ لیا...... کتنا زہر بھرا ہوا ہے رابی کے اندر...... جواب بہانے بہانے سے نکالنے لگی ہے۔" مہر جان نے قہر برساتی نظروں سے گل جان کو گھورا۔

"میں تو بہت سمجھاتی ہوں بی بی جان......" گل جان مری ہوئی آواز میں بولی۔

"اچھا!" مہر جان کے ہونٹوں پر زہر خند ابھری۔

"تمہیں خود کو سمجھانے سے فرصت مل جاتی ہے، یہ لڑکی ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے، میں اس کا بندوبست کر رہی ہوں...... کیونکہ میں مزید رسک نہیں لے سکتی۔"

"آپ کو اختیار ہے بی بی جان...... میں کبھی اس معاملے میں زبان نہیں کھولوں گی۔" گل جان آہستہ آواز میں سر جھکا کر کہہ رہی تھی۔ مہر جان اس کی طرف نفرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں مگر گل جان کی مجال نہیں تھی کہ سر اٹھا کر نفرت یا محبت کا ادراک حاصل کرتی۔ مہر جان چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہیں در حقیقت وہ موجودہ لمحوں کو کھو کر ماضی کی کسی تلخ یاد میں گم تھیں۔

☆☆☆

"آج کے زمانے میں لڑکی کا بارہ جماعت پڑھ لینا بہت ہے۔ انسان کوئی ہنر سیکھ لے تو فائدہ ہے...... لڑکیوں کی ڈگریاں کس کام کی......؟" جابر علی ناشتا کرتے ہوئے بڑے خشک مگر ناصحانہ انداز میں صابرہ کو سمجھا رہا تھا۔

"شبینہ کو بی اے کرنے کا بہت شوق ہے۔" صابرہ نے گرم پراٹھا جابر علی کے سامنے رکھتے ہوئے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"بچی ہے وہ...... تم تو عقل سے کام لیا کرو، شوق نواب پالتے ہیں۔ آج کل ضرورت پوری ہو جائے تو بہت سمجھو۔" جابر علی نے برہم نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا اور نوالہ یوں توڑا جیسے کسی کی گردن مروڑ رہا ہو۔

"دنیا داری تو زندگی بھر ہوتی رہے گی.... بیکار پڑھائیاں کرنے کے بجائے تہجد کی نفلیں پڑھ لینی چاہئیں۔ جوانی کی عبادت فوراً قبول ہوتی ہے۔" اس نے نوالہ بناتے ہوئے مزید نصیحت کی۔

"اللہ کا شکر ہے بچے نماز، روزے کے پابند ہیں۔ تہجد بھی پڑھ لیں گے۔" صابرہ نے کچن کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بڑے حلم و صبر سے جواب دیا تھا۔

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں کتنی عبادت کرتے ہیں۔ مصلّے بچھاتے ہی لپیٹ دیتے ہیں، دنیا میں دل اٹکا ہوا ہو تو خاک عبادت کریں گے۔" جابر علی نے نوالے کے ساتھ ساتھ انگارے بھی چبائے۔

"شادی کی بات کرو تو آپ برا مانتے ہیں، پڑھائی کی بات کرو تو غصہ...... کچھ تو کرنے دیں......" صابرہ اندر سے چیں بہ جبیں ہو کر بولی۔

"اپنی اولاد سے کہو...... گھر سے باہر رہنے کے بہانے نہ ڈھونڈیں، قرآن کی تفسیر پڑھا کریں۔" جابر علی کی پیشانی پر پڑے بل گہرے ہو گئے۔

"صحیح عمر میں بچوں کے نکاح کرنا بھی ماں باپ کا فرض ہے۔" صابرہ چائے کی پیالی لے کر باہر آئی۔

"کوئی تین کپڑوں میں تمہاری بیٹیوں کو لے جانے کے لیے تیار ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" جابر علی نے صاف گوئی سے فوراً جواب دیا۔ "پانچ سو بندوں کے لیے دیگیں پکوانے کی گنجائش نہیں ہے میرے پاس۔ حرام کا مال نہیں ہے لٹانے کے لیے...... یہ دکھاوے نمائش میرے بس کی بات نہیں۔" جابر علی نے چائے کا کپ صابرہ کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پھر پتھر پھوڑے۔

"اپنی حیثیت کے مطابق سب ہی کچھ نہ کچھ کرتے ہیں۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"تم نے کچھ چھپا بچا کر رکھا ہو تو دے دینا......" جابر علی نے چائے کا گھونٹ بھر کر اسے مزید بولنے سے روک دیا تھا۔

"اللہ نے چاہا تو چند مہینوں بعد برہان بھی کچھ نہ کچھ کرنے لگے گا۔" صابرہ نے ایک نظر شوہر کے چہرے پر دوڑائی پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"شیخ چلی کے پاس ایک انڈا ہے۔ جس سے وہ پولٹری فارم کھولنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔" جابر علی اب بری طرح بگڑا تھا۔ صابرہ کی آدھی بات منہ ہی میں رہ گئی تھی۔ "صبح صبح دماغ خراب کر دیتی ہے......" جابر علی چائے کا کپ ٹیبل پر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"عورت ہی منحوس ہے...... آٹھ سال سے پروموشن رکی ہوئی ہے...... وہ کہتے ہیں نا پیسہ عورت کے

نصیب سے اور اولاد مرد کے مقدر سے ہوتی ہے......'' جابر علی کیپ اٹھا کر سر پر جماتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔ صابرہ ہمیشہ کی طرح لب بستہ کھڑی تھی۔

☆☆☆

ستارہ یونیفارم میں ملبوس جلدی جلدی اپنے گھنے لمبے بالوں کی چوٹی میں بل ڈال رہی تھی۔ چہرے پر خفگی: بیزاری کے تاثرات تھے۔

''سن لیا...... ابا سے اب پڑھائی کا خرچہ نہیں اٹھایا جا رہا...... پتا نہیں کس زمانے کی بات کر رہے ہیں...... آج کل انٹر پاس کی کوئی ویلیو ہے بھلا؟''

''ہاں تو ٹھیک ہے...... برہان بھائی کی تعلیم ہماری تعلیم سے زیادہ ضروری ہے۔ ابا خرچ کرتے ہیں...... انہیں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ چھوڑ دوں گی میں پڑھائی گھر میں کسی کو تو قربانی دینا ہوگی۔'' شبینہ نے دل کا درد چھپا کر بڑے صبر و ضبط سے باپ کی بات رکھنے کی کوشش کی۔

''ہونہہ...... لڑکیاں...... قربانی کی بکریاں...... یہاں ابا سے بھی کم تنخواہ والے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلاتے ہیں۔ ابا تو ویسے ہی اولاد کو بوجھ سمجھتے ہیں۔'' ستارہ چوٹی بنا کر اب اِدھر اُدھر پڑی اپنی کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ ساتھ ہی تلخ لہجے میں بڑبڑا رہی تھی۔

''آہستہ بولو...... ابا ابھی گھر ہی میں ہیں...... کچھ سن لیا تو سمجھو آج سے پڑھائی ختم......'' شبینہ نے بے باکی کا مظاہرہ کرنے پر ستارہ کو ٹوکا۔

''بس اسی طرح ڈرتی رہنا...... چپ چاپ ظالمانہ فیصلے قبول کرتی رہنا۔'' ستارہ چیخ کر بولی اور بیگ میں کتابیں ٹھونسنے لگی۔

''اور کیا کر سکتے ہیں...... اپنے ماں، باپ کے فیصلے نہیں مانیں تو کیا کریں، زہر کھا کر مر جائیں......؟'' شبینہ نے اب قدرے خفگی سے ستارہ کی طرح دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایسی زندگی سے تو اچھا ہے مر جائیں...... انسان ہیں یا گدھے' مالک چابک ہلا کر ٹک ٹک کرتا رہے جہاں رکے اور پڑے دو چار...... چارا مل گیا، کھالیا، مالک نے جہاں باندھ دیا بندھ گئے اور ستالیے...... ہونہہ......'' ستارہ بیگ کندھے پر لٹکا کر پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل گئی۔

شبینہ کی آنکھوں میں دل کے زخموں سے رِسنے والا پانی اتر آیا تھا۔

☆☆☆

''یار کچھ بتاؤ تو...... میں تمہیں پک کرنے گئی تو تمہارے ملازم نے بتایا تم تو اپنی گاڑی میں جا چکی ہو...... اتنی جلدی تھی تمہیں کالج آنے کی......؟'' روما کائناز سے پہلے کالج پہنچ چکی تھی اور اب کائناز بے تابانہ اسے ڈھونڈتی ہوئی کلاس میں آئی تھی۔ پیریڈ شروع ہونے میں کچھ وقت تھا۔ لڑکیاں اِدھر اُدھر گروپ کی شکل میں کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔ اچھا خاصا شور تھا کان پڑی آواز سنائی تو دے رہی تھی مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔ روما ایک کونے میں سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی کائناز نے اسے فوراً ہی جالیا تھا۔

''اب میں روزانہ اپنی گاڑی میں آؤں گی اور تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' روما نے سر اٹھا کر خالی خالی نظروں سے کائناز کی طرف دیکھا...... اور ایک گہری سانس لی۔

''کیوں، کیوں...... آخر ایک دم سے کیا ہوگیا...... ہماری کمٹ منٹ ہو چکی ہے کہ تم میرے ساتھ آؤ گی میرے ساتھ جاؤ گی......'' کائناز بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ ''تم ایسا کیوں کر رہی ہو روما؟''

''میرے نصیب ہی خراب ہیں...... اگر میرے نصیب اچھے ہوتے تو میں ڈاکٹر مہرجان کی بیٹی نہ ہوتی......'' روما کے گلے میں آنسوؤں کے پھندے لگ رہے تھے۔ وہ بہ مشکل ضبط کر پا رہی تھی۔

''ہائیں...... تو آنٹی نے منع کیا ہے...... مگر ان کو پرابلم کیا ہے......؟'' کائناز بدک کر بولی...... صبح کی مستقل نوعیت کی وو، ی اس کے لیے بہت زیادہ اذیت ناک تھی...... راستے میں بیس پچیس منٹ جو وہ ایک دوسرے میں کھو کر گزارتی تھیں وہ تو جیسے ایک قیمتی متاع تھی...... جو کوئی لُوٹ کر لے جا رہا تھا...... کائناز کی حالت غیر ہونے لگی یہ کوئی واقعہ نہیں صدمہ تھا۔

''بے شمار سوالات ہیں جن کے جواب چاہئیں...... مگر اماں کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کون کرے......'' روما تلخ لہجے میں بولی۔

''ابھی تک تو انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی...... اچانک کیا ہوگیا......؟ ہماری دوستی آج کی نہیں...... ہم تو برسوں سے ساتھ ہیں...... جب میں یاد کرنے کی کوشش کرتی ہوں کہ ہم پہلی بار کہاں اور کب ملے تھے تو بس اتنا ہی یاد آتا ہے کہ ہم لان میں ساتھ کھیلتے تھے...... تتلیاں پکڑتے ہوئے گر جاتے تھے...... تم روتی تھیں تو میں چپ کراتی تھی، میں روتی تو تم چپ کراتیں۔''

''بس چھوڑو......'' روما نے کائناز کو مزید کچھ بولنے سے روک دیا۔ ''نہ ہم کچھ پوچھ سکتے ہیں نہ انکار کر سکتے ہیں...... ہم تو ہم...... ہماری خالہ تک اُن کے سامنے ایسے ہاتھ باندھ کر رہتی ہیں جیسے وہ ان کی بہن نہ ہوں نوکرانی ہوں......'' روما کی آواز میں اب آنسوؤں کا تاثر تھا...... قدرتی سی بات ہے کوئی دل کی سننے والا ہو اور دل بھرا ہوا ہو تو یہ پانی چھلکنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے...... روما ماحول کا احساس کر کے ضبط کے کڑے مرحلے طے کر رہی تھی اسی وقت لیکچرار اندر داخل ہوئی تھیں اور لڑکیاں گرتی پڑتی اپنی اپنی سیٹ کی طرف بھاگی تھیں...... ایک منٹ میں چہار سو خاموشی چھا گئی تھی۔ کائناز بھی بیزار انداز میں سیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

روما نے آنسوؤں کے ان چند قطروں کو سب کی نظر چھپا کر انگلیوں کی پوروں سے پونچھا جو من مانی کر کے آنکھوں کے کناروں تک آگئے تھے۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہرجان اپنے ذاتی اسپتال کے پُر آسائش کمرے میں آرام دہ کرسی پر جھولتے ہوئے ایک فائل بہت انہماک سے پڑھ رہی تھیں۔ اسی وقت اسپتال کی سینئر ڈاکٹر، ڈاکٹر ناز دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ مہرجان نے نظر کے گلاسز آنکھوں سے ہٹائے جو ایک نفیس چین سے پیوستہ تھے اور اب ان کے گلے میں جھولنے لگے تھے۔

''آپ نے بلایا میم......؟'' ڈاکٹر ناز مؤدبانہ ہمکلام ہوئی۔

''اوہ...... یس...... یہ...... نئے پیشنٹ شبیر احمد کی فائل میں دیکھ رہی تھی۔ اس میں بہت سی باتیں missing ہیں...... نامکمل ہسٹری ہے...... مکمل اور صحیح تشخیص کے لیے مکمل ہسٹری چاہیے ہوتی ہے۔ آپ جیسی سینئر ڈاکٹر کو کیا نئے سرے سے سمجھانے کی ضرورت ہے؟'' ڈاکٹر مہرجان سپاٹ اور بے مروت انداز میں

پان کھانا سرطانِ خون میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے

ہندوستانی محققین کی ایک ٹیم کے مطابق پان (betel leaf) کا استعمال مغزِ عظیم محققین یا ہڈی کا گودا (bone marrow) کے سرطان (cancer) کی روک تھام میں مدد کرتا ہے۔ کولکتہ اور ممبئی انڈیا میں سائنسدانوں نے تجربات سے پتا لگایا ہے کہ پان میں موجود ایک سالمہ (molecule) میں یہ خاصیت ہے کہ سرطان کے سبب ہڈی کا گودا جب زیادہ سفید خلیات خون (white blood cells) بنانے لگتا ہے، جس کے نتیجے میں انسانی جسم معمولی ادویات کا اثر قبول نہیں کرتا تو یہ سالمہ سرطان کے ایسے مریضوں کے لیے سودمند ثابت ہوتا ہے۔ تجربات سے معلوم ہوا کہ پان کا عرق جب ایسے مریضوں پر آزمایا گیا جو دیرینہ سرطان خون (chronic myelold leukaemia) کے مہلک مرض میں مبتلا تھے، جس میں خون کے سفید ذرات کی تعداد میں بہت اضافہ ہوجاتا ہے تو یہ عرق مفید ثابت ہوا۔ اس انکشاف سے اس مرض کے شافی علاج کی راہیں کشادہ ہوئی ہیں۔ یہ تحقیق و تجربات انڈین انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل بائیولوجی (ucb) اور انسٹی ٹیوٹ آف ہیماٹولوجی اینڈ ٹرانسفیوژن میڈیسن (the institute of haematology and transfusion medicine pirmal life sciences اور پیرمل لائف سائنس ممبئی میں کیے گئے۔

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل بائیولوجی، جو انڈین کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کے تحت کام کرتا ہے کے ڈیپارٹمنٹ آف کینسر بائیولوجی اینڈ انفلیمیٹری ڈس آرڈر (department of cancer biology and inflammatory disorder کے سربراہ ڈاکٹر سنتو بندوادیا دھیائے (Dr.santu bandyopadhyay) کہتے ہیں۔ ''ہم نے تحقیق کی جس سے ہمیں پتا چلا کہ عرقِ پان میں وافر مقدار میں ایک مرکب ہائڈروکسی کیویکول (hydroxy chavicol) پایا جاتا ہے جو دیرینہ سرطانِ خون کی بیماری کو اگر مکمل طور پر نہیں تو جزوی طور پر ختم کرنے میں مدد دیتا ہے۔''

اس تحقیق، جو جریدہ ''فرنٹیرز ان بائیوسائنس'' (frontiers bioscience) میں شائع شدہ ایک رپورٹ کی بنیاد پر کی گئی اور جاپان کی کینسر ایسوسی ایشن کے جریدے ''کینسر سائنس جرنل'' میں شائع ہوئی ہے، میں مزید بتایا گیا ہے کہ مذکورہ بالا مرکب نہ صرف سرطانی خلیوں کو کمزور کرتا ہے بلکہ ان سرطانی خلیوں کو بھی ہلاک کرتا ہے، جو دوا کے خلاف مزاحمت پیدا کرلیتے ہیں جو انسانی جسم کو محفوظ رکھنے کا نظام (Immune system) کا اہم جزو ہوتے ہیں۔

سرطان خون کی بیماری زیادہ تر بالغوں میں اور ادھیڑ عمر میں ہوتی ہے۔ تحقیق کے مطابق ہندوستان میں اس کی شرح ایک لاکھ میں ایک ہے۔ عورتوں سے زیادہ مرد اس کا شکار ہوتے ہیں۔ اس بیماری کی صورت میں خون کی کمی اور آسانی سے جسم سے خون کا اخراج (bleeding) واقع ہوتا ہے۔ اب تک جن دواؤں سے اس بیماری پر قابو پایا جاتا رہا خون کی تبدیلی کے عمل کے سبب اب وہ بے اثر ہو رہی ہیں۔ لہٰذا زیادہ موثر ادویہ کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ پان کا عرق یا خلاصہ (extract) کا کیمیائی مرکب خون کی تبدیلی سے پیدا شدہ خراب صورت حال جسے t351 mutation کا نام دیا گیا ہے کے خلاف بھی موثر ردعمل ظاہر کررہا ہے۔

از: خبرنامہ ہمدرد، مرسلہ: صبا نور، لیہ

مخاطب ہوئیں۔

''وہ میم...... پیشنٹ خود کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ پیرنٹس کی ڈیتھ ہوچکی ہے...... بہن بھائی دوسرے شہروں میں رہتے ہیں۔ اس کی بیوی ہی سے یہ تفصیلات ملی ہیں۔'' اس نے بڑے آرام سے بتایا۔

''وہ تیس سال پیشنٹ کی عمر ہے...... شادی کو کتنے سال ہوئے ہوں گے، اس کی بیوی ہمیں تمام تفصیلات نہیں دے سکی...... پیشنٹ کی ہسٹری میں اس کا بیک گراؤنڈ سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اب میں اس ادھوری فائل پر کیا کام کروں......؟'' وہ غصے سے بولیں۔ ڈاکٹر ناز، مہرجان کے مزاج کے تمام موسموں کی عادی تھی...... اس نے ان کی بات بہت سکون اور تحمل سے سنی...... پھر آہستہ آواز میں بہت مؤدبانہ گویا ہوئی۔

''میم...... پیشنٹ انڈر آبزرویشن ہے...... اس سے بھی کافی مدد مل رہی ہے...... ہر پانچ منٹ بعد وہ واش روم میں ہاتھ دھونے جاتا ہے اور تقریباً دس منٹ تک ہاتھ دھوتا رہتا ہے۔'' ڈاکٹر ناز نے بتایا۔

''روح بہت میلی ہوگئی ہے اس کی۔'' مہرجان نے بے ساختہ انداز میں تبصرہ کیا تھا۔

''جی میم......؟'' ڈاکٹر ناز نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے...... میں ابھی راؤنڈ کرتی ہوں...... ملتی ہوں اس سے...... آپ جائیں...... روم نمبر تین کے پیشنٹ کو دیکھیں...... وہ ڈسچارج ہونا چاہتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ اسے ڈسچارج کرنا چاہیے یا نہیں، میرے

پاس بہت کام ہے۔ شام کی فلائٹ سے مجھے اسلام آباد جانا ہے ایک سیمینار میں شرکت کرنی ہے۔''

''تو پھر آپ کی واپسی کل ہوگی؟'' ڈاکٹر ناز جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

''نہیں، میں رات ہی کو واپس آجاؤں گی...... میں گھر سے باہر رات نہیں گزارتی، کبھی جی بھر کر نہیں سوتی...... مجھے حیرت ہے لوگ آٹھ آٹھ گھنٹے کیسے سوجاتے ہیں۔'' مہرجان کرسی چھوڑ کر اپنی وسیع و عریض خوب صورت وضع کی آفس ٹیبل کے قریب کھڑی کہہ رہی تھیں۔

''آپ کی کامیابیوں کا راز آپ کی انتھک محنت ہے میم...... اس اسپتال کی good will کا سارا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے......'' ڈاکٹر ناز نے بہت گہری تجزیاتی نظر سے اُن کا سراپا دیکھ کر کہا اور وہ ذرا سی مدح سرائی کرکے باہر چلی گئی۔

''تین چار گھنٹے بھی سوتی کہاں ہوں...... چیتے کی طرح ایک آنکھ تو سوتے میں بھی کھلی ہوتی ہے۔'' ڈاکٹر مہرجان آفس چیئر پر بیٹھتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔ اُن کے چہرے پر ایک محسوس ہونے والی سنگدلی کی دھند تھی۔ تنے ہوئے ابروان کے ہر معاملے میں فیصلہ کن رویہ رکھنے کی تصویر کشی کررہے تھے۔

☆☆☆

اصیل خان اپنے کوارٹر میں چائے بنا رہا تھا اور اپنے کام میں اتنا منہمک تھا کہ اسے گل جان کے آنے کی

خبر تک نہ ہوئی۔ چائے کا کپ لے کر وہ اپنے دھیان میں پلٹا تھا مگر دروازے کے قریب کھڑی گل جان کو دیکھ کر بری طرح چونکا۔

''آ...... آپ یہاں کیوں چلی آئیں بی بی؟'' اصیل خان نے سراسیمگی کے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''پریشان نہ ہوں...... گھر میں کوئی نہیں ہے۔ رابی یونیورسٹی چلی گئی ہے اور محرم خان سودا لینے گیا ہے۔''

''مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس گھر کی دیواریں بھی چغل خور ہیں۔ بیگم صاحبہ کو ایک، ایک خبر پہنچاتی ہیں۔'' اصیل خان الجھن بھرے انداز میں بولا۔ بات کرتے ہوئے وہ ایک پریشانی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔

''تمہارے اندر ہمیشہ کے لیے خوف اتر چکے ہیں جو آخری سانس تک تمہارے ساتھ رہیں گے۔'' گل جان سپاٹ لہجے میں یوں کہہ رہی تھی جیسے کوئی ڈاکٹر مرض کے لاعلاج ہونے کا اعلان کر رہا ہو۔

اصیل خان بھول چکا تھا کہ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ ہے۔ مادی وجود گل جان کے سامنے تھا روح آنکھ سے اوجھل کسی جہاں میں سیر کناں تھی۔

''یہ خوف کی دنیا میں زندگی گزارنے کا فیصلہ تمہارا اپنا ہے اصیل خان...... کبھی دل نہیں گھبراتا......؟'' گل جان نے اصیل خان کی محویت توڑی۔

''نہیں...... اس دنیا سے دور ہو کر میں سو نہیں سکتا...... خوف اور اذیت میری دوا بن چکے ہیں۔'' اس نے سر جھکا کر اب قدرے پُرسکون انداز میں بات کی۔

''اصیل خان ایک نئی قیامت ٹوٹ پڑنے کو ہے...... رابی کو بی بی جان کے فیصلوں کے سامنے جھکانا آسان نہیں...... لگتا ہے کچھ ہو جائے گا......'' گل جان نے نڈھال سے لہجے میں دل کی بات کی۔

''میں نوکر ہوں...... بلکہ غلام ہوں...... دیکھنا سننا میرے اختیار میں ہے مگر......'' اصیل خان نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''سہراب خان کو اچھی طرح جانتے ہو...... بی بی جان اسے اپنا داماد بنا رہی ہیں۔'' گل جان کے لہجے میں دکھ چیخ رہے تھے۔

''عزت سے جی رہے ہیں یہ کافی ہے اور بیگم صاحبہ کا احسان ہے۔ جن کے وسیلے سے یہ گوشۂ عافیت ملا ہے۔'' اصیل خان نے چائے پیے بغیر کپ ایک طرف رکھ دیا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو مگر رابی کو کون سمجھائے گا۔ خدانخواستہ زہر ہی نہ کھالے۔''

''نہیں کھائے گی، خودکشی بزدل لوگ کرتے ہیں...... رابی مردوں کی طرح بہادر ہے۔'' اصیل خان نے ایک دم گل جان کی بات کاٹ کر کہا۔

''ہاں...... مگر وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گی...... مجھے اس سے بہت خوف محسوس ہو رہا ہے۔''

''نہ بیگم صاحبہ اسے گولی ماریں گی نہ وہ خودکشی کرے گی...... بہت کچھ کرنے کے بعد آخر ہتھیار پھینک دے گی۔ آپ حل نہ سوچیں...... حل کوئی نہیں ہے۔''

''کیا یہ رابی پر ظلم نہیں ہے اصیل خان؟'' گل جان دل سوزی سے پوچھنے لگی۔

''ظلم کی باتیں میرے اور آپ کے منہ سے اچھی نہیں لگتیں......'' اصیل خان نے سر جھکا کر بہت دھیمی

آواز میں کہا۔

''آپ جائیں بی بی...... اور خدا کے لیے بھول جائیں کہ اس گھر کے ایک سرونٹ کوارٹر میں کوئی اصیل خان رہتا ہے۔''

گل جانے نے اذیت کی لہر دباتے ہوئے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اصیل خان کوارٹر سے باہر نکل گیا۔ انتظار کی اتنی تاب بھی نہیں تھی کہ گل جان کے جانے تک صبر کر لیتا۔

☆☆☆

''تم بہت بولنے لگی ہو ستارہ...... کم از کم جب ابا جان گھر میں ہوتے ہیں تو احتیاط کیا کرو...... تمہیں گھر میں سکون اچھا نہیں لگتا؟'' شبینہ، ستارہ کو سمجھا رہی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ کالج میں دو تین کلاسز پکنک پر جا رہی تھیں اور جابر علی نے شروع ہی سے کہا ہوا تھا کہ لڑکیاں کسی بھی قسم کی غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیں گی۔ سہیلیاں نہیں بنائیں گی...... کیونکہ بقول جابر علی سہیلیاں خراب کرتی ہیں۔ اب ستارہ مُصر تھی کہ کسی طرح پکنک پر جانے کی اجازت لی جائے۔

''آخر دو سو لڑکیاں جا رہی ہیں۔ ابا جان کو غور کرنا چاہیے۔'' وہ چاہ رہی تھی کہ ماں ان کو ہر صورت جابر علی سے اجازت دلوائے۔

''دنیا بہت ایڈوانس ہو چکی ہے...... گھر بیٹھے نیٹ پر سہیلیاں بنائی جا سکتی ہیں...... ابا جان کو یہ بات کیوں سمجھ نہیں آتی......؟'' ستارہ جھلا کر بولی۔

''اب نہیں آتی تو کیا کریں...... ہمیں ان کی بات تو ماننی ہے ناں...... برہان بھائی گھر میں نیٹ نہیں لگوا سکے...... بہت ہی ضروری ہو تو اپنے دوست کے لیپ ٹاپ پر جا کر کام کر لیتے ہیں...... وہ لڑکے ہیں...... انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں ان میں اتنا صبر اور برداشت...... اور تم لڑکی ہو کر ہر وقت جنگ پر تلی رہتی ہو۔'' شبینہ نے سمجھانے کے بعد جھاڑ بھی پلائی۔

''اگر میں پکنک پر چلی گئی تو کیا قیامت آ جائے گی؟'' ستارہ اسی طرح اٹل تھی۔

''قیامت ہی آئے گی...... تم دیکھ لینا...... تمہارا گھر سے نکلنا ہی بند ہو جائے گا۔ پڑھنے سے بھی رہ جاؤ گی۔''

''قیامت آئے یا قیامتیں......''

اسی وقت جابر علی نے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ ستارہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ اچانک باپ کو سامنے پا کر وہ ساری طرم خانی بھول کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور دوپٹا درست کرنے لگی تھی۔ شبینہ کی تو ٹانگیں ہی بے جان ہو گئی تھیں وہ تو اٹھنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ بہ مشکل ڈوبتے دل کو سنبھال رہی تھی۔ حلق میں کانٹے پڑ چکے تھے۔

''کس قیامت کی بات ہو رہی ہے...... کیا کھچڑی پک رہی ہے......؟'' جابر علی نے پولیس والوں کے مخصوص انداز میں بیٹیوں کے چہرے سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کی۔ وہ کڑے تیوروں سے گھور رہا تھا۔ آنکھوں میں شک و شبے کے انگارے دہک رہے تھے۔

''وہ...... وہ کچھ نہیں ابا جان......'' بالآخر ستارہ ہی نے حوصلہ کیا۔ ''وہ ہماری کلاس پکنک پر کیپ ماؤنٹ جا رہی ہے میں آپا کو بتا رہی تھی۔'' شبینہ نے دل ہی دل میں ستارہ کے حوصلے کی داد دی...... اس کے اپنے

ساؤنڈ باکس نے تو کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

''پکنک...... پتا ہے یہ عیاشیاں مجھے پسند نہیں...... ہم تمہیں پڑھنے کے لیے گھر سے باہر بھیجتے ہیں۔''

''ابا جان...... میں اکیلی تو نہیں ہوں، تین کلاسوں کی اسٹوڈنٹس جا رہی ہیں۔'' ستارہ کو پتا تھا کہ اگر اس وقت دل کی بات زبان پر نہیں لائی تو یہ سنہری موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔

ستارہ کے منہ سے اظہارِ تمنا کیا ہوا گھر کی دیواریں لرزنے لگیں...... جابر علی یوں دہاڑا جیسے اپنے جونیئر کی سنگین غلطی پر غصے سے پاگل ہو گیا ہو۔

''کہاں مری ہوئی ہے تمہاری ماں؟ میٹھی نیند سو رہی ہے...... آج یہ میرے سامنے بولنے کی جرأت کر رہی ہے، کل کو دنیا میں حشر اٹھاوے گی...... ارے مرے ہوئے لوگوں زندہ ہو جاؤ...... گھر سے باہر بھیجنے سے پہلے سب کچھ سمجھا دیا تھا، پھر یہ ضد، یہ اصرار......'' صابرہ چیخ و پکار پر دوڑتے ہوئے آ گئی۔ کیونکہ مرے ہوئے لوگوں کا اشارہ صابرہ کی طرف ہی تھا۔

وہ بری طرح خوفزدہ تھی اپنے بے قابو دل کو سینے سے باہر آنے سے روک رہی تھی۔ دونوں ہاتھ سینے پر سختی سے جمائے اس نے باری باری تینوں کی طرف دیکھا۔ شبینہ کی حالت اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔

''کک...... کیا ہوا......؟ کیا کہہ رہی تھی جو آپ چلّانے لگے؟'' صابرہ کے حلق سے آواز نکلی۔

''اعلانِ بغاوت کر رہی ہے...... دنیا داری سکھا رہی ہے، تمہاری تربیت کے جھنڈے گاڑ رہی ہے، پکنک پر جائے گی، سیر کرنے کا دل چاہ رہا ہے۔'' جابر علی نے طنزیہ مسکرا کر صابرہ کی طرف دیکھا۔ صابرہ نے آگے بڑھ کر ستارہ کے رخسار پر ایک تھپڑ رسید کیا۔

''شریف لڑکیوں کے سینے میں دل نہیں ہوتے...... خبردار جو دل کی بات زبان پر لائی...... زبان جلا دوں گی۔'' وہ بولتے بولتے رو پڑی تھی۔

اسی وقت برہان اندر داخل ہوا تھا۔

''کس کی زبان جل رہی ہے؟ عورت کے احترام میں سب سے پہلے ماں، بیوی اور بیٹی آتی ہے...... گھر کی عورتوں کا ہر معاملے میں پہلا حق ہے۔ مجھ سے یہ تماشا مزید برداشت نہیں ہوتا...... اگر اپنی بات ہی منوانی ہے تو آرام سے بھی سمجھایا جا سکتا ہے۔ گلی میں چلتے ہوئے لوگ بھی رک گئے ہوں گے۔ عورت جسمانی طور پر کمزور ہوتی ہے ابا جان...... نرمی کی زبان آسانی سے سمجھ لیتی ہے۔'' برہان کے ہاتھ میں تولیا تھا اور سر کے بال گیلے تھے یوں لگتا تھا جیسے چیخ پکار سن کر افتاں و خیزاں واش روم سے بھاگا تھا۔ جابر علی، برہان کی اس ہمت و جرأت پر انگشت بدنداں تھا۔ پہلی بار برہان نے کسی جھگڑے میں حصہ لیا تھا اور باپ کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''میرے ٹکڑوں پر پل رہے ہو میاں...... بہت بڑی یونیورسٹی میں پڑھتے ہو، میرے خرچے پر...... میرے سامنے تقریر کر رہے ہو، میرے سامنے......!'' جابر علی نے انگلی اپنے سینے پر رکھ کر غیظ و غضب کی کیفیت پر بہ مشکل قابو پاتے ہوئے کہا۔

''اپنی اولاد پر خرچ کرتے ہیں تو اپنا فرض ادا کرتے ہیں، یہ تو سب ماں، باپ کرتے ہیں بلکہ میں نے تو ان بیوہ عورتوں کو بھی دیکھا ہے جو دن رات محنت کر کے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلاتی ہیں۔ آپ تو پھر مرد ہیں۔ آپ کی تو ڈیوٹی ہے۔'' ماں کی مظلومیت اور آنسوؤں نے ساری مصلحتیں طاق میں سجا دی تھیں۔ جابر علی نے تیز تیز سانس لے کر خود کو کچھ کہنے کے لیے تیار کیا پھر بڑی تلخی سے گویا ہوا۔

''یہ میری بیٹیاں ہیں، میری پسند کی زندگی گزاریں گی۔ کل جب تم خود باپ بنو گے تو اپنی اولاد اپنی مرضی سے پالنا...... خبردار میرے معاملات میں اگر بولے۔''

''یہ آپ کے معاملات نہیں ہیں...... جیتے جاگتے لوگوں کے معاملات ہیں، بنیادی حقوق کی بات ہے...... ہمارے مذہب میں تو جانوروں کے بھی حقوق بتا دیے گئے ہیں۔'' برہان یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا...... ایک سہمی ہوئی عورت کی بیٹے کی ہمت سے بہت ڈھارس بندھی تھی۔ برہان نے سب کے دلوں کی ترجمانی کر دی تھی اب کسی کو بھی کچھ مزید بولنے کی حسرت نہیں تھی...... برہان کے منہ سے نکلا ہوا ایک، ایک حرف جیسے کسی بھاری زنجیر کی ایک ایک کڑی کی طرح ٹوٹا تھا۔ جان لیوا حبس سے نجات ملی تھی۔ نہ برسنے والے بادلوں کے سائبان ٹکڑیوں میں بٹ گئے تھے...... بہت ہلکے سہی...... ہوا کے جھونکے محسوس تو ہوئے تھے۔ جابر علی کی انا کو زبردست ٹھیس لگی تھی۔ احساسِ توہین سے کچھ کر گزرنے کا جی چاہ رہا تھا...... مگر تین کمزور عورتوں کے سامنے وہ مزید ہتک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مشتعل نظروں سے صابرہ کی طرف دیکھا۔

''کسی خوش فہمی میں نہ رہنا...... جوان بیٹے کو سپہ سالار سمجھ رہی ہے؟ دھکے دے کر گھر سے نکال دوں گا۔''

اس نے صابرہ اور ستارہ کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور باہر نکل گیا۔ صابرہ اس کے پیچھے پیچھے نکلی۔ شبینہ نے ستارہ کو یوں دیکھا...... جیسے کہہ رہی ہو کہ کیا ملا؟

☆☆☆

اصیل خان لاؤنج میں ڈسٹنگ کرنے میں مصروف تھا۔ ڈاکٹر مہر جان اسپتال جانے کے لیے تیار ہو کر اپنی دُھن میں کھوئی کھوئی بڑی تیزی سے لاؤنج میں آئی تھیں۔ اُن کی نظر اصیل خان پر پڑی تو چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔ اصیل خان کو ان کی موجودگی کا احساس تھا مگر وہ اپنے کام میں اسی طرح مصروف رہا گویا وہ لاؤنج میں تنہا ہو۔

''اصیل خان!'' مہر جان نے اسے متوجہ کیا۔

''جی بیگم صاحبہ......؟'' اصیل خان بہت سکون سے بولا۔

''میں اپنا موبائل کمرے میں بھول آئی ہوں...... جلدی سے لے کر آؤ بہت ضروری فون کرنا ہے۔ مصروفیت میں روز ذہن سے نکل جاتا ہے۔'' آخری الفاظ انہوں نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں ادا کیے۔

اصیل خان نظریں اور سر جھکائے فوراً چلا گیا۔ انہوں نے جاتے ہوئے اصیل خان کی طرف نفرت آلود نظروں سے دیکھا، اندر کوئی قیامت برپا تھی انہوں نے تیز تیز سانسوں کو بہ مشکل نارمل کیا۔ ایک انسان جو کئی عہد سے گزر چکا ہو...... وہی عہد اس کی کل زندگی ہوتے ہیں اور کسی ایک عہد کی گرفت اتنی سخت ہوتی ہے کہ اس شکنجے سے خود کو چھڑانا پھر اختیار و بس کی بات نہیں ہوتی...... موسم آتے جاتے رہتے ہیں، رات دن کا ازلی چکر چلتا رہتا ہے...... مگر عمر ایک جگہ رک جاتی ہے...... آئینے سچ بولتے ہیں، وقت آگے سرکنے کی گواہیاں دیتے ہیں...... لیکن خود کو دھوکا دینے کا نشہ اتنا چڑھ چکا ہوتا ہے کہ اس نشے سے باہر آ کر جینے کو دل ہی نہیں چاہتا...... ڈاکٹر مہر جان پھر ایک ٹھہرے ہوئے لمحے میں کچھ گمشدہ چیزیں ڈھونڈنے لگی تھیں مگر قہر ساماں لمحے کا طلسم اصیل خان کی آواز سے ٹوٹ گیا۔

''یہ آپ کا موبائل بیگم صاحبہ۔''

''اوہ...... ہاں۔'' مہر جان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اصیل خان اگلے حکم کے لیے سر جھکا کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا...... مہر جان نے ایک نظر اس کے چہرے پر دوڑائی اور سہراب خان کا نمبر ڈائل کرنے لگیں...... چند لمحے پاس ہونے والی رنگ بڑی توجہ سے سنتی رہیں آنکھوں میں بے چینی کے تاثرات بھی پیدا ہوئے بہر حال کال ریسیو ہو گئی۔

''السلام علیکم، مہر جان......!'' سہراب خان کی بھاری بوجھل سی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

''وعلیکم السلام......! کیسے ہو سہراب خان؟'' مہر جان عجلت سے دوچار ہو گئیں۔ ''میں بہت معذرت خواہ ہوں کل کوشش کے باوجود تمہیں رنگ نہ کر سکی، کیسے ہو......؟'' وہ اصیل خان کی طرف دیکھتے ہوئے بات کر رہی تھیں۔

''مہربانوں کی دعا سے بہت اچھا ہوں۔'' سہراب خان کے انداز میں ظریفانہ تاثر تھا۔

''میرا خیال ہے سہراب خان ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ تم پانچ چھ لوگ لے کر نکاح کے لیے آ جاؤ...... میں جلد سے جلد اپنے فرض ادا کرنا چاہتی ہوں۔'' مہر جان نے پھر اصیل خان کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر بے رحمی سے نظریں جما کر کہا۔

''بس تمہارے حکم کا انتظار تھا...... انشاء اللہ میں کل شام کو پہنچوں گا۔''

''زمینوں کے کاغذات ساتھ لے کر آنا......'' مہر جان نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''فکر ہی نہ کریں سب تیاری ہے۔ بیس تولے سونا...... ہالینڈ کے دس ڈائمنڈ، پندرہ ایکڑ نہری زمین...... اور صدر والی کوٹھی...... کیا اتنا کافی ہے؟'' سہراب خان تفصیلات بتاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''کافی ہے...... مگر حق مہر دس لاکھ روپے تمہیں نکاح کے فوراً بعد ادا کرنا ہے۔'' مہر جان صاف گوئی سے بات کر رہی تھیں۔ کوئی تکلف نہیں تھا۔

''ایسا ہی ہوگا...... پچاس ہزار جیب خرچ ماہانہ کی جو بات طے ہو چکی ہے، وہ بھی نکاح نامے کی شرائط میں لکھی جائے گی۔''

''گڈ......! میں عورت ہو کر ایک زبان رکھتی ہوں، تم تو پھر مرد ہو سہراب خان۔'' مہر جان خوش ہو کر کہہ رہی تھیں۔ ''میں کل شام تمہارا استقبال کروں گی...... خدا حافظ......'' یہ کہہ کر مہر جان نے فون بند کر دیا...... اور اصیل خان کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ ''رابی ماں کو یاد کرے گی...... سونے میں تولنے والے کے حوالے کر رہی ہوں۔ کچھ لوگ دولت کے لیے دین ایمان برباد کر لیتے ہیں رابی کو بیٹھے بیٹھے مل رہا ہے۔ تمہیں یہ سب کیسا لگ رہا ہے اصیل خان......؟'' وہ یہ کہہ کر مسکرا کر کھڑی ہو گئیں۔

''میری جان تو آپ کے پاس گروی ہے، غلام ہوں آپ کا...... جو حکم سر آنکھوں پر......'' اصیل خان بڑی بُردباری سے سر کو خم دے کر بولا۔

''شاباش...... میرا بیگ گاڑی میں رکھو۔'' مہر جان نے حکم دیا۔ اصیل خان حکم کی تعمیل کے لیے آگے بڑھا۔ مہر جان کے چہرے پر خوشیوں کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ جیسے ان کی روح سکون کے دریا میں غوطے لگا رہی ہو۔

☆☆☆

کالج میں چھٹی ہوچکی تھی۔ شبینہ اپنی کلاس فیلو اور اکلوتی عزیز دوست فائزہ کے ساتھ کلاس سے باہر آئی تھی۔

''بہت چپ چپ ہو...... ویسے تم زیادہ تو نہیں بولتیں مگر آج کچھ زیادہ خاموشی ہے۔'' فائزہ نے شبینہ کو کہنی سے ٹہوکا دے کر خیالات کی دنیا سے باہر کھینچا۔ شبینہ چونک کر فائزہ کی طرف دیکھنے لگی...... پھر بے معنی سا مسکرا دی۔

''کبھی کبھی چپ رہنا اچھا لگتا ہے......'' اس نے بات بنائی۔

''بنا رہی ہو مجھے...... تمہاری شکل پر لکھا ہے کہ تم پریشان ہو...... مجھ سے بھی چھپاؤ گی؟'' فائزہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، نہیں...... تمہیں یونہی محسوس ہو رہا ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' شبینہ زبردستی کے انداز میں مسکرائی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں یقین کر لیتی ہوں مگر آج تمہیں اپنے گھر لے کر جاؤں گی۔ ماما کہتی ہیں تم اپنی دوست کی اتنی باتیں کرتی ہو کسی دن گھر لے کر آؤ۔''

''نہیں، نہیں...... میں تمہارے گھر نہیں جا سکتی......'' شبینہ خوفزدہ اور بے ساختہ انداز میں بولی۔ فائزہ حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''ارے، تم تو یوں ڈر رہی ہو جیسے نرسری کی بچی ہو...... میں آنٹی کو فون کر کے بتا دیتی ہوں۔ ماما نے آج میری فرمائش پر مچھلی بنوائی ہوگی...... ہمارا بنگالی کک بڑے مزے کی فش بناتا ہے۔ مجھے کچھ نہیں پتا آج تم میرے ساتھ لنچ کرو گی......'' فائزہ کا انداز قطعی تھا۔

''یہ ممکن نہیں ہے فائزہ...... میں کسی دن اپنی امی کے ساتھ آ جاؤں گی......'' شبینہ نے اسی طرح سہمے سہمے انداز میں واضح انکار کر دیا۔

''آ جانا امی کے ساتھ...... بلکہ آتی رہنا...... مگر آج میں لنچ تمہارے ساتھ ہی کروں گی...... جو کرنا ہے کر لو...... میرا گھر کالج کے پیچھے ہی ہے بس پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔'' فائزہ اس کا کوئی عذر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

''فائزہ کسی وجہ سے انکار کر رہی ہوں...... پلیز آج نہیں...... میں امی سے بات کروں گی پھر کل تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' شبینہ نے منت کے انداز میں بات کی۔ فائزہ کے اصرار و زور کے سامنے وہ کمزور پڑ رہی تھی مگر چھپے ہوئے خوف بہت طاقتور تھے۔

''ارے میں ابھی بات کرتی ہوں آنٹی سے، کل کس نے دیکھی ہے۔'' فائزہ نے جھٹ بیگ سے موبائل نکالا اور شبینہ کا لینڈ لائن نمبر ڈائل کرنے لگی۔ وہ اب کالج کے مین گیٹ تک پہنچ چکی تھیں۔ شبینہ نے بڑی بے بسی سے فائزہ کی طرف دیکھا تھا۔ لڑکیاں مختلف گروپوں میں گاڑیوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ وہ فائزہ سے موبائل چھین لینا چاہتی تھی مگر ماحول ایسا تھا کہ وہ ایسا کر نہیں سکتی تھی۔ مفت کا تماشا بن جاتا، فائزہ کی کال دوسری طرف صابرہ نے ریسیو کر لی تھی۔

''السلام علیکم آنٹی! شبینہ کی دوست فائزہ بات کر رہی ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ صابرہ کا جواب سننے لگی۔ شبینہ متفکر نظروں سے فائزہ کو بغور دیکھ رہی تھی جیسے اس کے چہرے سے کچھ اخذ کر رہی ہو۔

''آنٹی میں شبینہ کو اپنے ساتھ گھر لے جا رہی ہوں۔ آپ فکر مت کیجیے گا۔ ویسے بھی آج ستارہ نہیں ہے، یہ اکیلی ہے میں اپنے ڈرائیور سے ڈراپ کرا دوں گی۔'' اتنا کہہ کر وہ صابرہ کی بات سننے لگی...... شبینہ بے قرار سی ہو کر اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔ عجیب بے بسی کی کیفیت تھی۔

''آنٹی...... پرامس چار بجے سے پہلے شبینہ اپنے گھر پر ہوگی۔ پلیز آنٹی۔'' فائزہ جیسے صابرہ کی خوشامد کر رہی تھی۔

پھر اس نے صابرہ کا مختصر جواب سننے کے بعد خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''فضول میں ڈرتی ہو...... اتنی اچھی تو ہیں تمہاری امی......'' فائزہ نے موبائل بیگ میں رکھتے ہوئے اطمینان و سرخوشی کی کیفیت میں کہا۔

''امی تو بہت اچھی ہیں...... ہماری وجہ سے ابا جان کی جھاڑیں سنتی رہتی ہیں۔ صبح ابا جان بہت خفا ہو کر گئے ہیں۔ اسی وجہ سے ستارہ نے غصے میں چھٹی کی ہے۔'' شبینہ ہنوز فکرمند تھی۔

''چھوڑو بقول تمہارے، تمہارے ابا جان تو گھر میں بھی پولیس افسر بنے رہتے ہیں۔ یہ ان کی عادت ہے یا مجبوری...... وہ تو نہیں بدلیں گے...... تم کیوں فضول میں ہر وقت ڈری ڈری رہتی ہو۔''

فائزہ کار کے قریب پہنچی تو ڈرائیور اس کے لیے دروازہ کھولے منتظر کھڑا تھا۔ فائزہ نے پہلے شبینہ کو بٹھایا پھر خود بھی بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے نہایت مستعدی سے دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

''ہمارے معاشرے میں فائزہ جیسی قسمت لے کر کتنی لڑکیاں آتی ہیں؟ نہ کوئی خوف نہ ڈر...... بن مانگے سب کچھ... لمبی لمبی امیدوں کے جال سے آزاد نہ حسرت نہ انتظار......'' شبینہ بڑے رشک سے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

کائناز کا موڈ بہت آف تھا۔ وہ ابھی تک کالج یونیفارم میں تھی۔ شاہ عالم اسے بچوں کی طرح بہلا رہے تھے۔

''بیٹا...... ڈاکٹر صاحبہ بہت عقل سمجھ والی ہیں۔ انہوں نے کسی وجہ ہی سے روما کو اپنی کار سے جانے کو کہا ہوگا۔ کیوں اپنی جان جلا رہی ہو۔''

''سراسر بلا وجہ...... ایک بڑی سی کار میں دو لڑکیاں آرام سے جا سکتی ہیں۔ پبلک وین میں جانے سے منع کرتیں تو سمجھ میں آنے والی بات بھی تھی کہ واقعی صبح صبح پبلک وین کھچا کھچ بھری ہوتی ہیں۔'' کائناز نے منہ پھلا کر سابقہ لہجے میں بات کی۔

''بیٹا وہ ماں ہیں...... اپنی اولاد پر اختیار رکھتی ہیں...... ہم ان کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔'' ''مجھے تو وہ سوتیلی ماں لگتی ہیں...... ہر وقت آرمی کمانڈر کی طرح حکم دے کر بات کرتی ہیں......'' کائناز پر شاہ عالم کے سمجھانے بجھانے کا کوئی اثر نہیں تھا اس کے ذہن میں تو یہ بات چپک کر رہ گئی تھی کہ ڈاکٹر مہر جان دو جان چھڑکنے والی سہیلیوں کو جبراً ایک دوسرے سے دور کر رہی ہیں۔

''ایسا غصہ ماں، باپ کو تب ہی آتا ہے جب بچے پڑھائی میں اچھا رزلٹ نہ دے رہے ہوں...... ہوسکتا ہے ڈاکٹر صاحبہ رو ما کی کالج پروگریس سے مطمئن نہ ہوں اور سوچتی ہوں کہ تم دونوں فضول باتوں میں وقت ضائع کرتی ہو۔''

''کوئی نہیں...... بہت اچھا رزلٹ ہوتا ہے ہمارا......'' اس نے فوراً شاہ عالم کی بات کاٹ دی... بلکہ رو ما کے نمبر تو ہمیشہ مجھ سے زیادہ ہی آتے ہیں'' وہ مزید گویا ہوئی۔

شاہ عالم نے گہری سانس لی...... ان کے سینے میں بھی برسوں سے بہت سے سوالات پل رہے تھے مگر وہ بچوں سے شیئر نہیں کر سکتے تھے۔ پوتی کے دکھ نے پھر کوئی سوچ دی تھی۔ یہ تو انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ فی الحال کائناز کا موڈ ٹھیک کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

''بیٹا...... اپنے پیارے دادا کی بھوک کا خیال ہی کر لو جو تمہاری وجہ سے مجبوراً بھوک ہڑتال کرے گا...... اور گناہ تمہیں ملے گا۔''

''آپ کھانا کھالیں۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''آج تک تمہارے بغیر میں نے کھانا کھایا ہے؟'' انہوں نے پیارے سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''بیٹا...... جہاں انسان کا اختیار نہیں چلتا وہاں پر کمپرومائز کرتے ہیں۔ عام زبان میں صبر کہتے ہیں۔ صبر کے معنی رک کے ٹھہرنے کے ہیں مگر جل کڑھ کر نہیں مکمل رضامندی اور سکون سے...... ہوسکتا ہے رو ما کی ماں وقتی طور پر غصے میں ہوں...... وقت کے ساتھ غصہ ہلکا ہو جاتا ہے۔'' وہ محبت سے کائناز کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

''مجھے تو لگتا ہے آنٹی جتنی دیر جاگتی ہیں غصے ہی میں رہتی ہیں...... رابی آپا اور رو ما تو ہر وقت ڈرتی رہتی ہیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے؟'' کائناز کے لہجے میں اب رابی اور رو ما کے لیے ترحم اور ہمدردی کا تاثر تھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ ان کی ماں ہیں...... ہم ان سے کتنی ہی محبت کیوں نہ کریں...... ایک ماں کی محبت کی برابری نہیں کر سکتے...... چلو اب اٹھو...... شاباش...... بوڑھے دادا پر بھی رحم کرو جس کی آنتیں قل ھو اللہ کے ساتھ دوسری آیات پڑھنا بھی شروع کر چکی ہیں۔'' شاہ عالم نے اٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھڑی ہوگئی کیونکہ دادا نے رحم کی اپیل کی تھی اور وہ بے رحم ہرگز نہیں تھی۔ دادا بھی وہ جو بیک وقت ماں، باپ اور دوست کا کردار نباہ رہے تھے۔

☆☆☆

رابی دوپہر کا کھانا کھائے بغیر اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی تھی۔ گل جان کو پتا تھا کہ اس کا موڈ صبح ہی سے خراب ہے مگر وہ خود کو زیادہ دیر نہ روک سکی اور رابی کے پاس چلی آئی۔

''بیٹا...... اب تو چار بجنے والے ہیں تھوڑی دیر بعد شام ہو جائے گی...... تھوڑا سا کھانا کھالو۔'' وہ محتاط انداز میں بات کر رہی تھی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے...... جب بھوک لگے گی کھالوں گی...... آپ ٹینس نہ ہوں کھاتے ہوئے لوگوں کو آسانی سے مرتے دیکھا ہے۔ بھوکے اتنی آسانی سے نہیں مرتے۔'' رابی دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بالکل چت لیٹی تھی۔ آنکھیں بند تھیں گل جان کی آواز پر اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور کسی روبوٹ کی طرح بے تاثر لہجے میں بولی۔

''توبہ اللہ...... مردہ بولے کفن پھاڑ کر بولے......'' گل جان مرنے مرانے کی باتیں سن کر دہل گئی۔ ''بیٹا...... موت زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے...... بھوک پیاس تو ہر جاندار کو لگتی ہے...... ہوتے ہوئے بھوک سہنا ناشکری ہے۔ میں نے آج سبزیوں کا پلاؤ بنایا ہے۔ تمہیں تو بہت پسند ہے نا۔'' گل جان جیسے اب اس کی منت خوشامد کرنے لگی تھی۔

''زندگی بے شک اللہ کے اختیار میں ہے مگر حرام موت اس نے انسان کے اختیار میں کر دی ہے۔'' رابی نے شعلہ بار نظروں سے گل جان کو گھورا۔

''نعوذ باللہ...... توبہ استغفار...... ایسی باتیں تو سوچتے بھی نہیں ہیں اور تم منہ سے نکال رہی ہو...... جلدی سے توبہ کرو، اچھی امید کے سہارے ہی زندگی آگے بڑھتی ہے جو آج ہے ضروری نہیں کہ وہ کل بھی ہو۔''

''خالہ! آپ کی زندگی کس امید کے سہارے آگے بڑھ رہی ہے؟ آپ کے پاس کیا ہے۔ ساری عمر گزر گئی۔ کس خوشی کا انتظار کر رہی ہیں جو مجھے امید کے لیکچر پلا رہی ہیں۔'' رابی بری طرح پھٹ پڑی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گل جان نے جھک کر رابی کو سینے سے لگالیا...... بھرا ہوا دل آنکھوں کے راستے چھلکنے لگا۔

''میں تو اللہ سے اپنی بخشش کی امید پر زندگی گزار رہی ہوں...... مجھے یقین ہے کہ میری ہر اذیت، سختی، تکلیف میری غلطیوں کا کفارہ بن رہی ہے۔ میں ایک بہت لمبی اذیت ناک زندگی چاہتی ہوں تا کہ اپنی آخری آرام گاہ میں سکون سے میٹھی نیند سوتی رہوں۔'' گل جان کا لہجہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

''پتا نہیں آپ کس غلطی کی بات کرتی ہیں۔ ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے آپ کو اماں کے سامنے زرخرید کنیز کی طرح ہاتھ باندھے ہی دیکھا ہے۔'' رابی کی ہر سانس زہر زہر ہو کر باہر آرہی تھی۔

''اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے کوئی قتل کر کے بھی شرمندہ نہیں ہوتا اور کوئی اپنی آواز کی سختی پر بھی شرمندہ ہو جاتا ہے۔''

''تو پھر مجھے غلطیاں کرنے کی چھوٹ دی جائے تا کہ میں اس تکلیف دہ اور اذیت ناک زندگی سے کمپرومائز کرلوں......'' رابی نے زبردستی خود کو گل جان سے الگ کیا اور بستر سے اترنے لگی۔

''بھول چوک کو غلطی کہتے ہیں بیٹا...... جان بوجھ کر غلطی کرنے کو جرم کہا جاتا ہے۔'' گل جان درد کی لہر دبا کر بہت تحمل سے بولی۔

''ہاں تو جرم ہی کرنے دیں...... تا کہ اس مصیبت بھری زندگی کو گلے پڑے ڈھول کی طرح بجاتے رہیں۔''

''دیکھو...... میں تمہیں کئی دن سے یہی سمجھا رہی ہوں۔''

''کہ میں سہراب خان سے شادی کرلوں اور اماں سے کہوں کہ آپ کے لیے میری جان بھی حاضر ہے...... مرضی ہے گدھوں کے سامنے پھینکیں یا سہراب خان جیسے عیاش کے سامنے۔'' رابی نے گل جان کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

''بات تو تمہیں ماں کی ماننا پڑے گی۔ سہراب جو ہے جیسا ہے، تمہیں عزت سے لے جا رہا ہے۔ تمہاری ماں کی ہر شرط منظور کی ہے اس نے...... سب کچھ پکے کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ جو بھی ہمیں عزت دے گا ہم اسے مایوس نہیں کریں گے۔'' گل جان اس وقت کمزور لہجے میں نہیں بولی تھی بلکہ اس کے لہجے میں مہر جان کے لہجے

کی آہٹیں تھیں۔

''سہراب خان کی شادی آپ سے بھی ہو سکتی ہے، آپ کرلیں۔'' رابی خالہ کو ماں کے انداز میں بولتا جیسے غصے سے پاگل ہوگئی۔

''میری شادی ہو چکی ہے اور جس سے ہوئی ہے وہ لاپتا ہے.....'' رابی ششدر سی گل جان کی شکل دیکھ لگی تھی۔

''یہ بڑی انوکھی نرالی نئی کہانی شروع ہوئی ہے، صرف اس لیے کہ آپ بہن کا ساتھ دینے کے ہزاروں جھوٹی کہانیاں سنا سکتی ہیں۔ ویسے کہتی ہیں کہ خالہ کی جان بھی حاضر ہے۔'' رابی نے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکوک کے واضح رنگ تھے اسے گل جان کی بات پر ذرہ برابر اعتبار نہیں تھا۔

''فرض کرلیں کوئی لاپتا بھی ہو جاتا ہے تو کیا اس کی خاطر اپنی ساری جوانی برباد کرلیتے ہیں؟'' رابی بری طرح الجھ کر سوال کر رہی تھی۔

''کرلیتے ہیں اگر اس جیسا کوئی دوسرا کبھی نظر ہی نہ آئے.....تم اس کہانی کو نہ چھیڑو.....بس اپنا ذہن بنالو کہ تمہیں اپنی ماں کا فیصلہ ہر صورت ماننا ہے۔ سہراب خان جو عزت ہمیں دے رہا ہے وہ ہمارا سرمایہ ہے۔'' گل جان نے اتنا کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ رابی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر یوں تھاما جیسے چکر آرہے ہوں۔

☆☆☆

شبینہ کی مسلسل بے چینی اور پریشانی دیکھ کر فائزہ نے اسے مزید رکنے کے لیے نہیں کہا.....شبینہ کا بار بار کہنا کہ فائزہ تم نہیں جانتیں۔ فائزہ کو سوچنے پر مجبور کر رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ حالانکہ فائزہ کی ماں شائستہ نے بہت پُراخلاق طریقے سے اسے خوش آمدید کہا تھا بہت پیار سے کھانا کھلایا تھا۔ فائزہ کا ڈرائیور پورچ میں منتظر تھا۔ جیسے ہی وہ شبینہ کو لے کر پورچ میں پہنچی اس کا بھائی احمر نئے ماڈل کی چم چم کرتی کار تیزی سے چلاتا پورچ میں داخل ہوا۔ فائزہ، شبینہ کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے ایک طرف ہوگئی تھی۔

جس تیزی سے احمر کار اندر لایا تھا اتنی ہی تیزی سے دروازہ کھول کر باہر آگیا تھا۔ فائزہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تھا۔

''گھر میں گاڑی اس طرح لاتے ہیں.....روڈ پر کس طرح چلاتے ہیں؟'' وہ بولی۔

''ایمبولینس کی طرح.....ہٹو، بچو، میرا مطلب ہے ہوٹر آن کر کے.....'' وہ شوخی سے بولا۔ نظریں شبینہ پر تھیں۔ جو اپنی گھبراہٹ وکم اعتمادی کی وجہ سے لگے ہاتھوں اپنی ''کلاس'' بھی بتا رہی تھی۔ اگرچہ یونیفارم میں تھی جو کلاس کا فرق چھپانے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔

''بتاؤں گی پاپا کو.....جب آپ نے پاپا سے نئی کار مانگی تھی تو وعدہ کیا تھا کہ زندگی بھر سکسٹی (60) کی اسپیڈ سے چلائیں گے۔ رش میں 30 رکھیں گے اسکول روڈ پر 20 رکھیں گے ......اور.....''

''اسپتال کے باہر ٹریفک جام رکھوں گا.....قبرستان سے ہمیشہ 100 کلومیٹر دور رکھوں گا.....تاکہ ابدی نیند سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو۔'' احمر نے برجستہ کہا تو فکر و پریشانی سے نڈھال شبینہ کی بھی ہنسی چھوٹ گئی.....فائزہ کی بات کٹ گئی تھی۔ اسے بھی ہنسی تو آرہی تھی مگر وہ بڑے کمال سے ضبط کر رہی تھی۔

''گھر کے پورچ میں 80 کی اسپیڈ سے گاڑی لائے تھے۔ آج تو پاپا کو بتا کر ہی دم لوں گی۔'' فائزہ نے دھمکی دی۔

''کل تک سانس روکنی پڑے گی کیونکہ پاپا ایک دن کے لیے اسلام آباد چلے گئے ہیں۔ کل شام کو واپس آئیں گے۔ خبردار جو اس سے پہلے دم لیا۔'' وہ یہ کہہ کر کی رنگ اچھالتا اندر کی طرف چلا گیا۔

''یہ ہیں احمر بھائی جن کی شرارتوں کے قصے میں تمہیں سناتی رہتی ہوں۔ آج دیکھ لیا ناں.....؟'' فائزہ نے شبینہ کو بتایا۔ بھائی کی محبت اس کی نظر سے مترشح ہو رہی تھی۔

''میں نے تو انہیں سلام بھی نہیں کیا۔'' شبینہ کار میں بیٹھتے ہوئے شرمندہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

''ہم نے تمہیں موقع ہی نہیں دیا..... پتا نہیں کیا مسئلہ ہے بھائی کو دیکھتے ہی میری زبان میں کھجلی ہونے لگتی ہے۔'' فائزہ نے بڑی بے بسی سے حقیقت کا اعتراف کیا۔

''ماشاء اللہ کتنی رونق ہے تمہارے گھر میں.....'' شبینہ نے بڑے رشک سے فائزہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

کار کا دروازہ بند ہوا اور ڈرائیور نے چابی انجن میں گھمائی۔ فائزہ بیک ہوتی ہوئی کار کے ساتھ ساتھ چلتی ہاتھ ہلا رہی تھی۔

☆☆☆

جھلسانے والی دھوپ نے برہان کا حشر کیا ہوا تھا، وہ بہت نڈھال انداز میں گھر میں داخل ہوا تھا۔ صابرہ حسبِ معمول سارے کاموں سے فارغ ہو کر گھر لوٹنے والے بچوں کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ دوپہر دو بجے تک وہ سارے کاموں سے فارغ ہو کر ظہر کی نماز پڑھتی پھر پنکھا چلا کر برآمدے میں پڑے تخت پر لیٹ جاتی تھی۔

برہان پسینے میں یوں بھیگا ہوا تھا گویا بارش میں نہاتا گھر میں داخل ہوا ہو۔

''ماں صدقے..... چہرہ کیسا لال انگارہ ہو رہا ہے۔'' صابرہ سلام دعا کے بعد برہان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر مامتا سے چور لہجے میں بولی۔

اسی وقت ستارہ دوپٹا درست کرتی باہر آگئی تھی۔ برہان گرنے کے انداز میں تخت پر بیٹھ گیا اور کتابیں

فائل وغیرہ ایک طرف رکھ دیں۔

''السلام علیکم بھائی!'' وہ سنجیدگی سے سلام کرتی کچن میں چلی گئی۔

''بھائی کے لیے کھانا نکال دو بیٹا.....شبینہ تو اپنی سہیلی کے گھر سے کھا کر آئے گی.....منہ ہاتھ دھولو بیٹا۔ کھانا گرم ہے۔''

برہان ماں کی بات سن کر چونکا تھا۔

''کس سہیلی کے گھر کھانا کھانے گئی ہے شبینہ.....؟'' وہ الجھ کر سوال کر رہا تھا۔

''کھانا کھانے نہیں گئی، اس کی سہیلی کا گھر کالج کے پاس ہی ہے وہ زبردستی اپنے گھر لے گئی ہے۔ مجھے فون کر کے پوچھا تھا.....دل تو نہیں مانتا مگر بچی نے اتنا اصرار کیا کہ میں انکار نہیں کر سکی۔'' صابرہ نے بڑی وضاحت سے جواب دیا۔

''امی آپ کو پتا بھی ہے.....ابا جان تو پڑوس میں آنا جانا پسند نہیں کرتے، آپ نے کیوں اجازت دی۔ دن رات کے ہنگاموں سے آپ کا دل نہیں گھبراتا.....ابا جان کو پتا چل گیا تو کالج جانا بند کر دیں گے۔'' برہان تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

''میری تو سیدھی بات پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔ آپا کو سہیلی کے گھر جانے کی اجازت مل جاتی ہے۔'' ستارہ کچن سے ہی تلملا کر احتجاج کر رہی تھی۔

''اچھا بس.....خاموش رہو.....اس سے پہلے کبھی سہیلی کے گھر گئی ہے؟ وہ تو مجھے اکثر فائزہ کا بتاتی رہتی ہے۔ دو چار مرتبہ میری فون پر اس بچی سے بات بھی ہوئی ہے۔ اس لیے اجازت دے دی.....آج کے بعد اسے اچھی طرح سمجھا دوں گی۔''

''ستارہ تم سوچ سمجھ کر بات کرنا سیکھ لو.....میں روز روز ابا جان کے سامنے کھڑے ہو کر تمہاری سائڈ نہیں لے سکتا۔''

''کسی کو ضرورت نہیں میری سائڈ لینے کی.....مجھے نہیں پڑھنا وڑھنا، دن رات کا احسان لینے سے تو بہتر ہے جاہل ہی مر جائیں۔'' وہ ٹرے اٹھائے باہر آ گئی۔ برہان اب واش بیسن کے قریب جا کر کھڑا ہو چکا تھا اس نے پلٹ کر ستارہ کی طرف دیکھا۔ غصہ آیا تھا مگر اس نے بڑے کمال سے ضبط کر لیا۔

''ستارہ! دل کی ہر بات زبان پر لانے سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ بچوں کو تو مارجن مل جاتا ہے مگر تمہاری عمر کے بچوں کو رعایت نہیں دی جاتی۔ تمہیں ابا جان کے وقت بے وقت غصہ کرنے پر غصہ آتا ہے۔ تمہارے غصے پر بھی بہت سے لوگوں کو غصہ آ سکتا ہے۔'' برہان پانی کے چھپکے منہ پر مارتے ہوئے بہت بردباری سے سمجھا رہا تھا۔

''دیکھا.....کتنا سمجھدار ہے بھائی.....یہ بھی اسی باپ کی اولاد ہے جس کی تم ہو۔'' صابرہ نے اپنے صابر، پُروقار بیٹے کو بڑی ستائش اور فخریہ نظروں سے دیکھا۔

''بھئی ہم میں نہیں ہے یہ خوبی.....غلط بات تو غلط ہی ہوتی ہے۔ چاہے چھوٹا کہے یا بڑا۔'' ستارہ نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دی اور آف موڈ میں کمرے کی طرف جانے لگی۔

''جنگیں اور جھگڑے کبھی مسئلے کا حل نہیں بنے اور نہ بنیں گے۔ ہم انسان اپنی انا کی وجہ سے جھگڑے

کرتے ہیں.....حالانکہ جھگڑا نہ کرنے میں روحانی سکون ہے۔ خوش رہا کرو ستارہ.....'' برہان نے بہت شفقت و نرمی سے بہن کو سمجھایا وہ اسے بہت سی تکلیفوں سے محفوظ دیکھنا چاہتا تھا۔

''آپ خوش ہیں.....؟'' ستارہ نے پلٹ کر بھائی کی طرف دیکھا۔

''ہاں.....اداس بھی نہیں ہوں.....پیٹ بھر کر کھانے کو مل رہا ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہوں، دن رات دعائیں دینے والی ماں کا ساتھ ہے۔ خوش نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے میرے پاس۔'' برہان نے تولیا اسٹینڈ سے کھینچ کر چہرہ پونچھتے ہوئے بہت سکون سے جواب دیا۔

صابرہ تو بیٹے پر جیسے قربان ہی ہو گئی۔ آگے بڑھ کر برہان کا چہرہ تھاما اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''اللہ نظرِ بد سے بچائے۔ کس زبان سے مالک کا شکر ادا کروں جس نے مجھے نیک اولاد دی۔ میں تو جابر علی کی پہلے سے زیادہ دل سے خدمت کرتی ہوں جو میرے جگر کے ٹکڑوں کا باپ ہے۔'' صابرہ کی آنکھوں میں آنسو اُتر رہے تھے۔

''ہونہہ.....آپ جیسے غلامانہ ذہن تو اس دنیا سے ظلم کا خاتمہ نہیں ہونے دے رہے۔'' ستارہ کو تو یہ سب سن کر گویا بھڑیں چمٹ گئی تھیں۔ وہ بڑبڑائی تھی اسی وقت کال بیل گھر میں گونج اٹھی۔

''لو شبینہ بھی آ گئی۔ شکر ہے وقت سے آ گئی۔'' ستارہ نے کمرے میں صابرہ کی پُرجوش آواز سنی۔

''امی ابھی شبینہ سے کوئی بات مت کیجیے گا۔ کسی وقت موقع دیکھ کر سمجھا دیجیے گا۔'' برہان نے ماں کو تاکید کی۔

''کاش ابا جان برہان بھائی جیسے ہوتے تو ہمارا گھر جنت ہوتا۔'' ستارہ پلنگ پر لیٹ کر سوچ رہی تھی۔ برہان کی قوتِ برداشت نے اتنا کمال تو دکھایا تھا کہ ستارہ بھی سکون سے سوچ رہی تھی۔ طوفانی ہواؤں نے خطرے کے نشان سے کچھ پہلے رخ تبدیل کر لیا تھا۔

☆☆☆

گل جان لاؤنج میں بیٹھی روما کے کُرتے پر شیشے اور ریشم سے کڑھائی کر رہی تھی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی وہ بڑی گہری سوچ سے چونک کر باہر آئی۔ سوئی کپڑے میں پھنسا کر آگے بڑھی اور سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔

''اوہ، بی بی جان۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور اسی بے ساختگی سے اس نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

''السلام علیکم بی بی جان۔''

''وعلیکم السلام، لڑکیاں گھر آگئیں؟'' مہر جان اپنے مخصوص تحکمانہ لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''جی کافی دیر ہوگئی۔ کھانا کھا کر آرام کر رہی ہیں۔'' گل جان نے بتایا۔

''تم کیا کر رہی ہو؟'' مہر جان کا انداز سپاٹ تھا۔

''میں تو وہی روما کا کرتہ کاڑھ رہی ہوں۔ کل تک انشاء اللہ مکمل ہو جائے گا۔ نوکر بھی اپنے کوارٹروں میں ہیں۔'' گل جان کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا تھا۔ اسے خود بھی سمجھ نہیں آئی کہ اس وضاحت کی کیا ضرورت تھی۔

''وہ مجھے پتا ہے۔ جس کی کوئی عزت ہی نہ ہو تو اسے عزت کی حفاظت کی ٹینشن بھی نہیں ہوتی۔ جانوروں جیسی زندگی...... کھایا، پیا، سو گئے۔ بندہ جتنا زیادہ عزت دار ہو اس کی فکریں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بی بی جان۔'' گل جان نے گھبرا کر ہاں میں ہاں ملائی۔ اسے معلوم تھا اس وقت گھر کے تمام نوکر نشانے پر ہیں جن کے دن میں آرام فرمانے پر مہر جان ہمیشہ مشتعل ہو جاتی تھیں۔

''عزت میری وراثت ہے گل جان...... جو مجھ سے ڈاکوؤں لیٹروں نے چھینی ہے۔ میں اپنی وراثت حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی جنگ کروں گی۔ آج ڈنر پر بہت اہتمام چاہیے۔ سہراب خان ہمارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ اس کی جاگیر میں 100 گاؤں ہیں۔ رابی کو اپنی ملکہ بنا رہا ہے۔ سہراب خان کو اپنے گھر تک لانے کے لیے میں نے بہت محنت کی ہے گل جان۔''

''میں جانتی ہوں بی بی جان۔'' گل جان اپنی طرف سے بات ختم کر کے فون نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس کی مجال نہیں تھی۔

سالوں پہلے اس نے کسی بات پر خوف زدہ ہو کر فون بند کر دیا تھا تب مہر جان نے گھر آ کر اس کی کمر پر ہنٹر برسا دیے تھے۔

''یہ وہی سہراب خان ہے گل جان جس کو بابا غیرت دار اور نکھٹو کہتے تھے۔ آج اتنا معزز ہے کہ ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر معزز ہو جائیں گے۔'' مہر جان نے اپنی بات کے اختتام پر ہذیانی انداز میں قہقہہ لگایا تھا۔ گل جان کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا۔

شہر شہر گھومتی آوارہ گھٹائیں
کہیں آنکھ بچا کر گزریں
کہیں شرارت سے گنگنائیں
پیاسی دھرتی سر اٹھائے دیکھ رہی ہے
گھٹا تو ساگر سے ملن کو جا رہی ہے
کوئی ساتھ بھی ہو تو کتنی دیر کا ساتھ
مایا کو کھینچے مایا کر کر لمبے ہاتھ

جاری

امانت

رفعت سراج

قسط 3

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سائے دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر
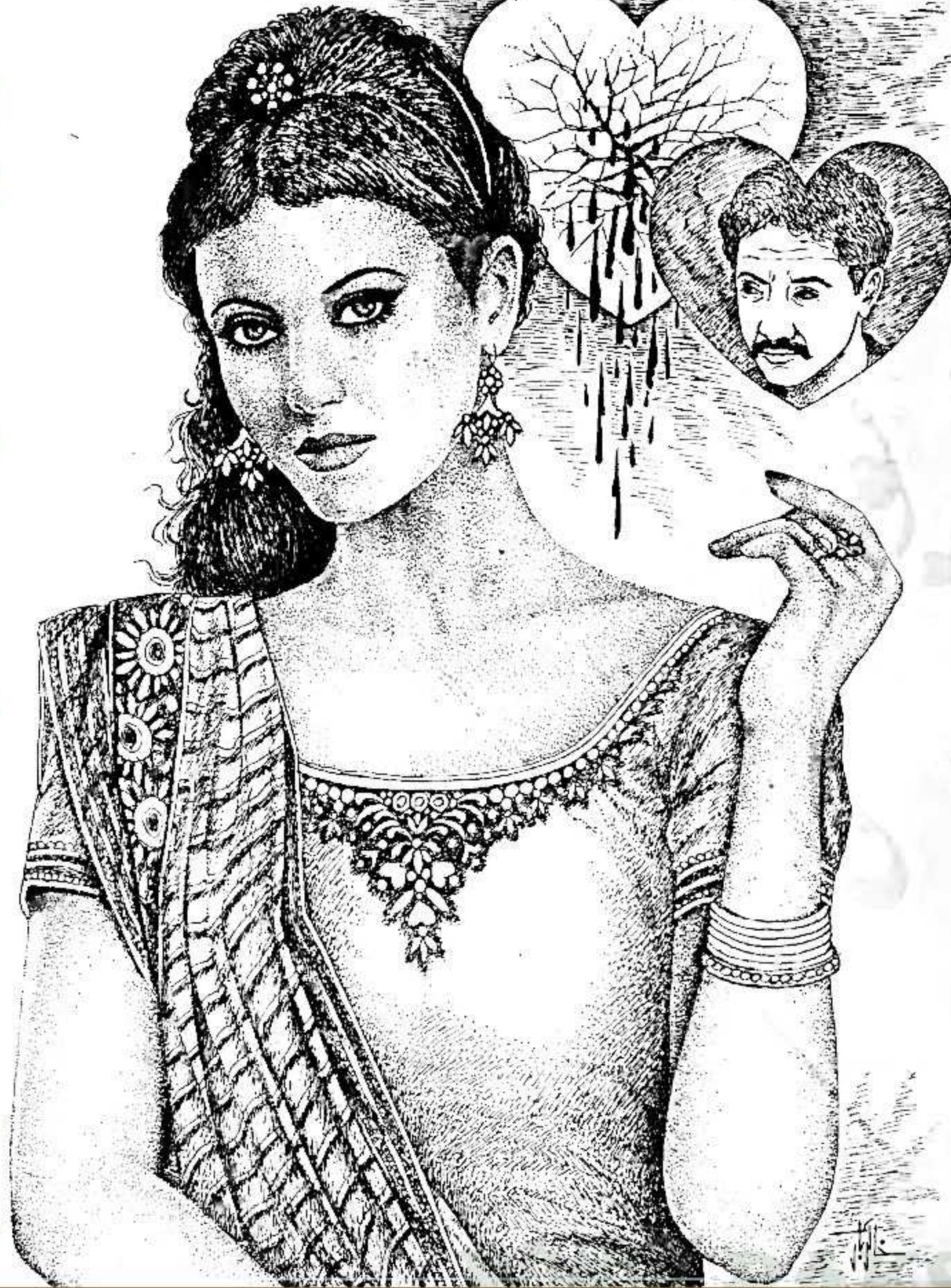
کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی..... بہت چپ تھی اس کا موڈ بہت خراب دکھائی دے رہا تھا۔

''خیریت تو ہے بیٹا..... آج کیا چپ کا روزہ رکھا ہے.....؟'' شاہ عالم چند لمحے توگاہے گاہے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ آخرکار بول ہی پڑے۔

''کچھ نہیں دادا جان آپ آرام سے کھانا کھائیں۔'' وہ خفا خفا انداز میں شاہ عالم کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولی۔

''لیکن بیٹا موڈ خراب ہونے کی کوئی وجہ بھی تو ہوناں..... مجھے تو بہت ٹینشن ہو جاتی ہے، میں تو اپنی بیٹی کو ہمیشہ ہنستا کھیلتا اور talky doll کے طور پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو میں نے تمہارا نام بچپن میں talky doll ہی رکھ دیا تھا۔'' انہوں نے شگفتہ انداز میں کہا۔

کائناز نے ایک گہری سانس لی، چمچ پلیٹ میں رکھ دیا..... جیسے بہت اہتمام سے بات کرنے جا رہی ہو۔

''بتائیں بے چاری روما کی بھی کوئی زندگی ہے۔ ایک میں ہی اکیلی اس کی دوست ہوں اور اس کی اماں جان کو اس واحد دوستی پر بھی اعتراض ہے۔'' وہ دل گرفتہ تھی۔

''ارے بیٹا بری بات ہے، ذرا ذرا سی باتوں پر موڈ خراب نہیں کرتے، بہر حال وہ روما کی ماں ہیں، زیادہ بہتر جانتی ہیں، ان کو دوستی پر اعتراض نہیں ہوگا، اصل میں روما کے مارکس کم آگئے ہوں گے تو اس لیے انہوں نے پابندی لگائی ہوگی..... کہ پہلے اپنی پڑھائی پر دھیان دو بعد میں دوستیاں کرنا۔'' دادا نے اسی لطیف انداز میں کائناز کو بہلانے کی کوشش کی۔

''چھوڑیں دادا جان، ایسی کوئی بات نہیں ہے، بہت اچھے مارکس لیتی ہے وہ..... مجھ سے تو ہمیشہ اچھے ہی لیتی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ اب وہ نہیں پڑھے گی اور وہ جان بوجھ کر ایسا کرے گی..... اس کی اماں جان، ان کا بس نہیں چلتا..... کہ آتی جاتی سانسوں کی بھی counting کریں۔ اب وہ انہیں تنگ کرے گی..... اور کرنا بھی چاہیے۔ بتائیں وہ اپنی دوست سے بات کرے تو اسے سزائیں ملنا شروع ہو جاتی ہیں یعنی کہ حد ہوگئی زیادتی کی.....'' کائناز بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

''بری بات ہے بیٹا..... اپنے دوستوں کو ان کی ماں کے خلاف نہیں کرتے..... یہ ایک بہت بڑا اخلاقی جرم ہے.....'' کائناز نے روٹھے، روٹھے انداز میں شاہ عالم کی طرف دیکھا۔

''بس دادا جان..... سب اس کی اماں جان ہی کی حمایت کریں گے اس لیے کہ سب کو حقیقت کا پتا ہی نہیں ہے، وہ تو اس کی سگی ماں ہی نہیں لگتیں.....'' یہ کہہ کر طوہاً کرہاً اس نے کھانا کھانا شروع کر دیا۔

شاہ عالم نے بھی جیسے اسے مزید چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔

☆☆☆

اصیل خان لان میں عشا کی نماز پڑھ رہا تھا۔ وہ بہت انہماک سے اللہ کی عبادت میں مصروف تھا مگر مین گیٹ پر اتنی زور سے ہارن بجا کہ اس کا انہماک بری طرح سے ٹوٹا تھا۔ اس نے جلدی جلدی رکعات پوری کیں..... سلام پھیرا اور گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

گارڈ گیٹ کھول چکا تھا ایک luxurious land cruiser گیٹ سے داخل ہوئی تھی۔

اصیل خان اس لینڈ کروزر کی طرف بہت غور سے دیکھنے لگا۔ پہلے دو گن مین گاڑی سے نیچے اترے پھر

انہوں نے بیک ڈور کھولا۔ ڈور کھلتے ہی جو شخص گاڑی سے باہر آیا اسے دیکھ کر اصیل خان کی آنکھیں جیسے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''سہراب خان۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا تھا۔ پھر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور بڑی تیزی سے سہراب خان کی طرف آیا تھا۔

سہراب خان اپنی دُھن میں اندر جانے کے لیے اپنے قدم بڑھا چکا تھا۔ اس نے اصیل خان کو اپنی طرف آتے دیکھا..... تب بھی نہیں رکا اس لیے کہ وہ شاید اسے پہچانا نہیں تھا۔ اصیل خان نے جیسے دوڑ لگا کر اس کا راستہ روکا..... تب سہراب خان کو اس کی اس غیر معمولی حرکت پر توجہ دینا پڑی، وہ اپنی جگہ پر رک گیا..... اور الجھی الجھی نظروں سے اصیل خان کی طرف دیکھنے لگا..... پھر اس کی نظروں میں پہچان کے رنگ نمایاں ہوئے..... اس نے بہت حیرت اور تعجب سے سر سے پاؤں تک اصیل خان کو دیکھا۔

''اصیل خان..... کیا واقعی تم اصیل خان ہو؟'' وہ بولا تو اصیل خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے آہستہ بات کرنے کے لیے کہا اور فکرمند انداز بلکہ محتاط انداز میں اِدھر اُدھر نظر بھی دوڑائی۔

سہراب خان اس کی طرف اسی طرح حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

اصیل خان نے اپنے دونوں ہاتھ سہراب خان کے سامنے جوڑ دیے۔

''خدا کے لیے سہراب خان جن قدموں سے اس گھر میں داخل ہوئے ہو انہی قدموں سے واپس چلے جاؤ۔''

اصیل خان کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی اور وہ سہراب خان سے التجا کر رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کوئی باپ کے دلدل میں دھنسنے کے بعد ضمیر کی ملامت سے نڈھال ہو کر دیوتا کے سامنے اپنے وجود کو ریت کی طرح بچھا رہا ہو۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو اور یہ تم نے کیا حال بنایا ہوا ہے، میں تو تمہیں پہلی نظر میں پہچانا ہی نہیں..... اصیل خان ہی ہو نا؟'' سہراب خان اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت الجھی الجھی کیفیت میں سوال کر رہا تھا۔

''سہراب خان تم میرے حال پر نظر نہ کرو، مجھے مت دیکھو..... تم ظلم کے اس راستے سے پلٹ جاؤ..... ظلم کسی کو راس نہیں آتا، وہ بہت کم عمر اور معصوم ہے.....'' اصیل خان جیسے گڑگڑایا تھا۔

''مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آ رہی..... بلکہ مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی..... تمہیں کیا ہوا ہے.....؟ تم نے اپنا کیا حال بنایا ہوا ہے؟'' سہراب خان بہت بہترین اور قیمتی ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا اس کے اور اصیل خان کے حال میں زمین اور آسمان کا فرق تھا..... اصیل خان تو کسی خریدے ہوئے غلام سے بھی بدتر حلیے میں تھا۔ اس سے بیشتر کہ اصیل خان کے منہ سے کچھ نکلتا..... ڈاکٹر مہرجان ذرا فاصلے پر آ کھڑی ہوئیں..... انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لیا تھا بلکہ اصیل خان اور سہراب خان کے آخری جملے وہ سن چکی تھیں۔

اصیل خان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ مہرجان کے اندر اس وقت طوفانی آندھیاں اٹھ رہی تھیں۔ تھکی ہاری وحشتیں از سرِ نو تازہ دم ہو گئی ہیں۔ وہ بڑی مشکل سے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں اور ان کے منہ سے کچھ نکل نہیں پا رہا تھا..... مگر وہ پوری قوت سے چیخنا چاہ رہی تھیں۔ ابھی تک سہراب خان کی نظر مہرجان پر نہیں پڑی تھی اس لیے وہ اصیل خان سے مخاطب تھا۔

''اصیل خان تم کیوں میری منتیں کر رہے ہو؟ میں خود سے نہیں آیا..... بلکہ میں تو تمہاری بات سن کر پریشان ہو گیا ہوں۔''

اسی وقت ڈاکٹر مہرجان خود کو سنبھال کر پوری قوت مجتمع کر کے بلند آواز سے سہراب خان سے مخاطب

ہوئی تھیں......ان کے انداز میں حکم بھی تھا اور آواز میں گرج بھی۔

''سہراب خان وہاں کیوں رک گئے......اندر کیوں نہیں آئے؟'' اصیل خان......مہر جان کی آواز سن کر بری طرح سٹپٹا گیا تھا اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی......سہراب خان نے اصیل خان کو نئے سرے سے سر سے پاؤں تک گھورا اور مہر جان کی طرف قدم بڑھا دیے......مہر جان شعلہ بار نظروں سے اصیل خان کو گھورتی ہوئی سہراب کو لے کر اندر جا رہی تھیں۔

اور اصیل خان یوں کھڑا تھا......جیسے اچانک طوفانی بارش میں بھیگنے لگا ہو......اور آس پاس اس بارش سے بچنے کے لیے کوئی چھپر سایہ نہ ہو۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان، سہراب خان کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں۔ سہراب خان بہت الجھی الجھی کیفیت میں مہر جان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مہر جان جیسے اس کی نظروں کا سوال سمجھ رہی تھیں۔

''دیکھو سہراب خان، تم اس وقت میری بیٹی کے رشتے کے لیے آئے ہو، ہم نے بہت ساری تفصیلات طے کرنی ہے۔ اس سے ہٹ کر ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوگی۔'' انہوں نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر سہراب خان سے کہا تھا۔

سہراب خان ان کی یہ بات سن کر بہت زیادہ الجھ گیا مگر مہر جان کا انداز اتنا قطعی اور فیصلہ کن تھا کہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ بولنے کی جیسے اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔

ایک کنواری، خوب صورت کم عمر لڑکی......ڈاکٹر مہر جان اسے اس کے نکاح میں دینے کے لیے تیار تھیں۔ اس کا دماغ خراب تھا جو وہ ڈاکٹر مہر جان کا موڈ خراب کر کے پورا ماحول خراب کر دیتا۔

''ہاں، ہاں مہر جان......میں وہی بات کروں گا جو بات کرنے آیا ہوں۔''

''تم سے اب اس گھر کا بڑا مضبوط رشتہ استوار ہو رہا ہے......بہت مضبوط رشتے داری بن رہی ہے......تمہارا اس گھر میں آنا جانا ہوتا رہے گا......جو جس حال میں نظر آ رہا ہے......اسے دیکھ کر ایسے انجان بن جاؤ، جیسے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ آہستہ آہستہ پردے اٹھیں گے مگر میرا خیال ہے کہ تمہیں رابی کے علاوہ پردے اٹھنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' مہر جان بڑے معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو مہر جان......مجھے اٹھتے جھکتے پردوں سے کوئی دلچسپی نہیں......میں تو کافی دیر پہلے پہنچ چکا ہوتا......مگر ایک فون آ گیا تھا......بہت اہم فون تھا، تقریباً ایک گھنٹا اس سے بات چیت میں لگ گیا......پتا ہی نہیں چلا۔'' سہراب خان، مہر جان کی یہ بات سن کر مسکرا دیا۔

مہر جان کسی خیال میں گم صم سہراب خان کی طرف دیکھ رہی تھیں......وہ ذہنی طور پر کہیں اور پہنچی ہوئی تھیں۔ جیسے سہراب خان کی بات یا وضاحت سنی ہی نہ ہو......بس اُن کے منہ سے دھیرے سے......''ہوں'' نکلا تھا۔

سہراب خان چند لمحے مہر جان کی طرف دیکھتا رہا......پھر خود کو آخر کار سنبھال لیا......وہ اصیل خان سے اپنا ذہن ہٹا کر مطلب کی بات کرنا چاہتا تھا......لیکن جانے کیوں بار بار اصیل خان سامنے آ کھڑا ہو رہا تھا۔

''آپ مجھے بتائیں کہ اب کیا کرنا ہے......؟ بات تو تقریباً طے ہے، کچھ روایات نبھانے کی نیت سے حاضر ہو گیا ہوں۔ میری طرف سے تو سب کچھ او کے ہے......اور کوئی شرط بھی نہیں......البتہ جو شرائط آپ نے

طے کی ہیں میں کوشش کر رہا ہوں کہ وہ سب کی سب پوری کروں۔''

''مجھے پتا ہے سہراب خان تم کیا کر سکتے ہو......اور کیا نہیں کر سکتے۔ میں تو اپنی بیٹی کی بات پکی ہو جانے کے بعد بہت سارے لوگوں کو مٹھائی بانٹ دینا چاہتی ہوں۔ اطلاع دے دینا چاہتی ہوں......کہ میری بیٹی کا رشتہ ایک بہت بڑے خاندان، بہت اونچے خاندان میں ہو گیا ہے۔ اور میرا داماد......اس ملک کے گنے چنے رئیسوں میں سے ایک ہے۔ جس کا بہت بااثر لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔'' مہر جان اسی طرح معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

سہراب خان بڑے فخر اور غرور سے مہر جان کی طرف دیکھ کر مسکرایا......جیسے مہر جان کی تعریفوں نے اُسے سر سے پاؤں تک نہال کر دیا ہو۔

''مٹھائی تو میں لے آیا ہوں، گاڑی بھری پڑی ہے، کم پڑے تو بتایئے گا......مٹھائی بہت......''

''چلو مٹھائی تو دوسروں کے لیے ہے، میری بیٹی کے لیے کیا لائے ہو؟'' مہر جان دھیرے سے ہنس دیں۔

سہراب خان ان کی بات سن کر مسکرایا......اس نے اپنا ہاتھ کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا......پھر ایک چھوٹی سی ڈبیا نکال کر پہلے خود کھولی......انگوٹھی پر ایک نظر ڈالی......اور پھر مہر جان کی طرف وہ ڈبیا بڑھا دی۔

''اس میں سات ڈائمنڈز لگے ہیں، مہر جان اسپیشلی اس انگوٹھی کی وجہ سے میں نے اپنا روٹ چینج کیا۔ ہالینڈ سے خریدی ہے۔'' سہراب خان بڑے فخریہ انداز میں کہتے ہوئے مہر جان کے چہرے پر ان کے تاثرات جانچنے کی بھی کوشش کر رہا تھا۔

مہر جان نے ایک پُرشوق نظر انگوٹھی پر ڈالی......پھر مسکرا کر سہراب خان کی طرف دیکھا۔

''بس ایک ہیرے کی انگوٹھی......ارے میں تمہیں اپنا کوہِ نور......ہیرا دے رہی ہوں۔'' انہوں نے انگوٹھی دیکھ کر سہراب خان سے کہا۔

سہراب خان نے یہ سن کر قہقہہ لگایا۔

''ڈاکٹر صاحبہ! یہ تو بسم اللہ ہے، شگون ہے، آپ کی بیٹی کو سونے میں تول دوں گا......یہ میرا وعدہ ہے۔''

ڈاکٹر مہر جان نے یہ سن کر انگوٹھی پر دوبارہ ایک تفصیلی نظر ڈالی اور پھر ڈبیا بند کر کے سہراب خان کی طرف دیکھنے لگیں۔

''چلیں دیکھ لیں گے، فی الحال تو میں نے تمہارے لیے بہت شاندار ڈنر کا اہتمام کیا ہے۔ باقی باتیں ہم ڈائننگ میں کریں گے۔'' یہ کہہ کر ڈبیا اپنی مٹھی میں دبا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

سہراب خان بھی ان کی تقلید میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

گل جان بڑے عجلت بھرے انداز میں کپڑے ہینگر کر کے وارڈروب میں لٹکا رہی تھی۔

رابی اپنے بیڈ پر لیٹی کوئی کتاب پڑھنے میں محو تھی۔ گل جان نے ایک نظر رابی پر ڈالی......پھر اس کے برابر میں پڑے ہوئے ہینگر شدہ کپڑوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بیٹا! میں ڈائننگ میں جا رہی ہوں، کھانا لگ گیا ہے۔ بی بی جان نے بلایا ہے، تم ذرا یہ دو تین سوٹ ہیں وارڈروب میں لٹکا دینا......ٹھیک ہے؟''

''اچھا۔'' رابی نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر بیزاری سے جواب دیا تھا۔

"خالہ جانی آپ جائیں، مجھے تو بالکل بھوک نہیں ہے۔"

"بی بی جان نے صرف مجھے بلایا ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر رابی کی طرف دیکھا...... پھر آہستہ سے بولی۔

"کیا مطلب ہے خالہ جانی...... آج اماں نے ہمارا حقہ پانی بھی بند کردیا ہے؟ اب کھانے پر بھی نہیں بلائیں گی۔" رابی نے ایک دم چونک کر اپنے چہرے کے سامنے سے کتاب ہٹائی اور گل جان کی طرف دیکھا۔

"یہ بات نہیں ہے بیٹا، مہمانوں کے ساتھ کھانا کھارہی ہیں، شاید مہمانوں کے سامنے تمہیں بلانا نہیں چاہتی ہوں۔" گل جان کے چہرے پر ایک دکھ کی کیفیت لمحے بھر کو نمودار ہوئی مگر اس نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔

"مہمان؟ اچھا پھر کوئی آگئے ہوں گے... اماں کے خاص رشتے داروں میں سے، میرا مطلب ہے کولیگ وغیرہ...... کیونکہ اماں کے کولیگز ملنے جلنے والے ہی اُن کے رشتے دار ہیں، ہمارے رشتے دار تو اس گھر میں آتے نہیں......" رابی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"سہراب خان آیا ہے، رابی۔" گل جان نے جاتے جاتے پلٹ کر رابی کی طرف دیکھا۔

رابی پر جیسے کوئی آسمان سا ٹوٹا تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر گل جان کی طرف دیکھا۔

"سہراب خان؟ اسے آج اماں نے ڈنر پر بلایا ہے؟"

"ہاں، وہ ایسا گیا گزرا نہیں کہ بن بلائے ڈنر پر آجائے، ظاہر ہے بی بی جان...... نے ہی بلایا ہوگا۔" گل جان یہ کہتے ہوئے آگے بڑھی۔

"ٹھیک ہے خوب ڈنر کرائیں سہراب خان کو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا...... مجھے جو کرنا ہے وہ میں کرکے دِکھادوں گی۔"

"بس بیٹا! بس اس سے آگے نہ بولنا...... تم بولتی ہو تو میرے پورے وجود پر لرزا طاری ہوجاتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے گر پڑوں گی۔" گل جان جو تقریباً دروازے سے باہر نکل چکی تھی، بڑی تیزی سے پلٹ کر رابی کے قریب آئی اور اس نے رابی کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بڑی بے بسی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کھانے پر جائیں خالہ جانی اور مجھ سے مزید کوئی بات نہ کریں کیونکہ آپ بات کریں گی تو پھر میں بھی بات کروں گی۔" رابی نے بڑی پُرسکون مسکراہٹ کے ساتھ بلکہ بڑے اعتماد سے گل جان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ رابی کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے گل جان کے قدم من من بھر کے ہوگئے۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان بڑے پُراخلاق انداز میں سہراب خان کو ڈشز پیش کررہی تھیں اور معنی خیز لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"سہراب خان گھر کی بھیدی ہوں، کم از کم تمہیں سوال جواب نہیں کرنے چاہئیں۔" وہ ابھی اتنا ہی بول پائی تھیں کہ ان کی نظر ڈائننگ میں داخل ہوتی گل جان پر پڑی۔

"آؤ، آؤ گل جان، بہت دیر کردی تم نے...... ہم کب سے تمہارا انتظار کررہے ہیں۔"

"السلام علیکم۔" گل جان نے نظر جھکا کر آہستہ سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام...... کیسی ہو گل جان؟" سہراب خان نے گل جان کو بڑی معنی خیز نظروں سے سر سے پاؤں

تک تولا تھا۔ گل جان کی نظریں اسی طرح جھکی ہوئی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کھانا شروع کیجیے۔" یہ کہہ کر وہ ڈاکٹر مہر جان کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"گل جان۔" مہر جان نے گل جان کی طرف دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"جی بی بی جان۔" گل جان جانے کس دھیان میں تھی...... اچانک چونک پڑی۔

"سہراب خان رابی کے لیے انگوٹھی لایا ہے، بہت خوب صورت انگوٹھی ہے، ایسی انگوٹھی جو کوئی رئیس، کسی رئیس کی بیٹی کو پیش کرسکتا ہے، مجھے تو بہت پسند آئی۔"

"شکریہ......" سہراب خان بہت جلدی سے بولا تھا۔ ساتھ ہی اس نے گل جان کی طرف بھی دیکھا۔

"لگتا ہے گل جان کو اس خوش خبری سے خوشی نہیں ہوئی۔"

مہر جان ایک بڑا طنزیہ قہقہہ لگا کر ہنس دی تھیں۔

"نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں...... بی بی جان کی خوشی میری خوشی ہے، میں...... میں بہت خوش ہوں۔" گل جان نے یہ کہہ کر ایک ڈش اٹھائی اور مہر جان کے سامنے رکھ دی۔

ڈاکٹر مہر جان نے ڈش پر ایک نظر ڈالی . اور بہن کی طرف دیکھا۔

"یہ میری بہن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری ہوچکی ہے، اس کی طرف سے مجھے کوئی خوف اور خطرہ نہیں...... اور یہ میری کسی بات سے اختلاف نہیں کرتی۔" وہ سہراب خان سے مخاطب تھیں۔

"بہت اچھی بات ہے اور بڑے کمال کی بات ہے۔ بلکہ کمال حیرت کی بات ہے کہ گل جان آج بھی آپ کے ساتھ ہے۔" سہراب خان کے لہجے کی معنی خیزی دونوں بہنوں نے پوری شدت کے ساتھ محسوس کی۔

"یہ ہمیشہ میرے ساتھ تو رہے گی...... اس وقت تک جب تک میں زندہ ہوں یا یہ زندہ ہے۔" ڈاکٹر مہر جان ڈش سے سالن اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"مہر جان آپ جیسی بہن کی مثال نہیں ملتی۔" سہراب خان نے فورک میں ایک فش کا ٹکڑا پھنساتے ہوئے تعریفی نظروں سے مہر جان کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی بات سن کر ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھیں۔ ان کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے...... جیسے ذہن کی اسکرین پر بڑی تیزی سے منظر بدل رہے ہوں۔

"جن حادثوں سے ہم گزرے ہیں سہراب خان وہ حادثے بھی ہر کسی کا مقدر نہیں ہوا کرتے...... ہماری ہی طرح بے مثال کہہ لیجیے......" مہر جان بول رہی تھیں...... اور گل جان کے سینے میں دل یوں کانپ رہا تھا جیسے موسلادھار بارش اچانک شروع ہوگئی ہو اور سہمی ہوئی چڑیا کانپتی جارہی ہو۔

☆☆☆

روما اپنے کمرے سے نکلی تو اسے ڈائننگ ٹیبل سے برتنوں کے کھنکنے کی آواز سنائی دی...... وہ چونک پڑی۔

"شاید کوئی مہمان آیا ہے، اسی لیے ڈائننگ میں آج ہمیں نہیں بلایا گیا......" وہ یہ سوچتی ہوئی رابی کے کمرے میں صرف یہ جاننے کے لیے چلی آئی تھی کہ آج کون مہمان آیا ہے؟ اتنی سی بات ہے، روٹین سے ہٹ کر معاملہ تھا...... مدتیں ہوگئی تھیں وہ دونوں بہنیں خالہ اور ماں کے ساتھ ہی رات کا کھانا کھاتی تھیں...... اور آج کھانا ان کے بغیر ہورہا تھا۔

"یہ ڈائننگ سے چمچوں اور پلیٹوں کی آوازیں آرہی ہیں، لگتا ہے کوئی خاص مہمان آیا ہے، اسی لیے آج ہمیں ڈائننگ میں نہیں بلایا گیا۔" روما...... رابی کے کمرے میں بولتے ہوئے داخل ہوئی۔

رابی اپنی وارڈ روب میں کپڑے لٹکا کر پلٹی تو اور اس نے سر سے پاؤں تک روما کا جائزہ لیا۔

''اچھا، تمہیں بھی کھانے پر نہیں بلایا اماں نے...... تم تو سہراب خان کے سامنے جاسکتی تھیں!'' روما نے آنکھیں پھاڑ کر رابی کی طرف دیکھا۔

''او گاڈ آپا...... سہراب خان آیا ہے؟'' پھر ایک دم اس نے اپنی آواز خود ہی بغیر کسی تنبیہہ کے دھیمی کرلی۔

''کیا بارات لے کر آیا ہے؟''

رابی اپنے بیڈ کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئی۔

''وہ بارات لے کر آئے یا باراتیں...... تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

روما دھپ سے اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

''کیوں......؟ مجھے کیوں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے آپا...... آپ میری بہن ہیں، میں پریشان نہیں ہوں گی تو کوئی کالا چور پریشان ہوگا۔''

رابی اسی طرح کھڑے کھڑے روما کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ہاں...... کالے چور کو ہی پریشان ہونے دو...... تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... میں تو اس بات پر پریشان ہوں کہ اماں نے تمہیں ڈائننگ میں کیوں نہیں بلایا...... چلو مجھے نہ بلانے کی وجہ تو سمجھ آتی ہے۔''

روما کے چہرے پر ایک دم خفگی کے تاثرات نمودار ہوئے تھے۔

''اچھا ہوا نہیں بلایا...... وہ بلاتیں بھی تو کون سا میں چلی جاتی۔'' اس نے آف موڈ میں جواب دیا تھا۔

''کیوں، تمہیں بھوک نہیں لگی؟'' رابی نے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''آپا پتا ہے میں کیوں پریشان ہوں؟'' اس نے بھوک کی شدت کو نظر انداز کرتے ہوئے بہن سے کہا۔

''بتا دو کیوں پریشان ہو...... ویسے تم پریشان کبھی ہوتی نہیں، آج کیا ہوا؟''

''میں تو اس وجہ سے پریشان ہوں آپا...... کہ آپ پریشان نظر نہیں آرہیں...... سہراب خان آج گھر میں آکر بیٹھ گیا ہے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، آپ کہتی ہیں کہ میں شادی نہیں کروں گی...... اور وہ ہمارے یہاں کھانے کھا رہا ہے؟''

رابی یہ سن کر مسکرائی...... چند لمحے روما کی طرف دیکھتی رہی...... پھر ایک دم قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ بڑا عجیب سا قہقہہ تھا...... جیسے کوئی ہوش و خرد سے بیگانہ ہوکر...... دنیا و مافیہا سے بے خبر جانے کس دُھن میں چلا جارہا ہو۔

روما نے گھبرا کر رابی کی طرف دیکھا...... مگر وہ کچھ بول نہیں پائی...... رابی اتنا ہنسی کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے چھلک پڑے۔ اس نے ہنستے ہنستے اپنی انگلی کی پور سے چھلکتے ہوئے آنسوؤں کے قطرے صاف کیے اور گہری سانس لے کر روما کی طرف دیکھا۔

''بے وقوف...... میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ صرف پریشان ہو کر اپنی توانائیاں ضائع کروں...... مجھے پتا ہے مجھے کیا کرنا ہے، یہ تو طے ہے کہ میری شادی سہراب خان سے نہیں ہوگی...... اب تم جاؤ اور نوکر سے کہو کہ وہ تمہیں تمہارے کمرے میں ہی کھانا پہنچا دے...... آج تو ہمارے گھر میں سہراب خان کی دعوت ہے، بڑے مزے کی چیزیں تیار ہوئی ہوں گی۔ جاؤ، مزے لے کر دعوت اڑاؤ۔'' رابی اتنا کہہ کر کھڑکی کی طرف بڑھ گئی اور پردے سرکانے لگی۔

روما اپنی جگہ پر سکتے کی کیفیت میں بیٹھی تھی۔ درحقیقت اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

☆☆☆

''روما کی اماں بہت ظالم ہیں، اب انہوں نے لیٹ آورز میں ہمارے فون کرنے پر بھی پابندی لگادی ہے، آگے آگے دیکھیں مجھے تو یہ ڈر ہے کل کو سانسیں لینے پر پابندی نہ لگادیں۔'' کائنا ز منہ پھلائے شاہ عالم کے کندھوں سے سر لگائے ان کے کمرے میں ان کے بیڈ پر بیٹھی ہوئی کہہ رہی تھی۔

''بیٹا دوستوں میں، سہیلیوں میں، پیار محبت ہوتا ہے اور اچھی بات تو یہ ہے کہ پیار اور خلوص سے ہی دوستی مضبوط ہوتی ہے اور چلتی ہے لیکن جس طرح سے تم اور روما ایک دوسرے کے لیے سوچتی ہو پاگل ہو، یہ دوستی سے زیادہ انتہا پسندی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب سے بہترین راستہ درمیانی راستہ ہے، ہر چیز میں اعتدال ہونا چاہیے۔'' شاہ عالم بڑی شفقت سے اسے سمجھانے لگے۔

''اچھا اب بس بھی کریں، آپ تو پھر نصیحتیں لے کر بیٹھ گئے۔ میں کیا کروں، دادا جان میں اپنے دل کے سامنے مجبور ہوں، میرے دل میں تو ہر وقت روما کا خیال رہتا ہے۔ جب میں اکیلی بیٹھی ہوتی ہوں ناں تو ایسا لگتا ہے کہ روما میرے ساتھ بیٹھی ہے، میں جب بھی اسے یاد کرتی ہوں تو وہ مجھے اپنے بالکل قریب محسوس ہوتی ہے بلکہ اکثر تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ بول رہی ہو، میں سن رہی ہوں۔''

شاہ عالم نے اتنا سنا اور اپنا ہاتھ بڑی زور سے پیشانی پر مارا۔

''لاحول ولاقوۃ...... بھئی دوستیاں تو ہم نے بہت دیکھی...... بڑی بڑی مثالی دوستیاں...... لیکن یہ پاگلوں والی دوستی آج تک نہیں دیکھی...... بس اسی تجربے کی کمی تھی ہماری زندگی میں...... الحمدللہ وہ بھی پوری ہوگئی......'' وہ مزاحیہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

''دادا جان میں سیریس ہوں، مذاق نہیں کررہی ہوں۔'' کائنا ز نے خفا خفا نظروں سے دادا کی طرف دیکھا۔

''تو بیٹا میں بھی مذاق نہیں کررہا ہوں، سمجھا رہا ہوں، بہت سمجھدار ہوگئی ہو، عقل، سمجھ سے کام لو، اسی طرح تم اپنی سہیلی کے عشق میں مبتلا رہیں تو تمہاری اسٹڈیز بھی متاثر ہوں گی...... اور تم جانتی ہو نا کہ تمہیں اپنے ٹارگٹ تک جانا ہے، میں تمہیں انجینئر کے روپ میں دیکھتا ہوں ...... ایک کامیاب انجینئر۔'' شاہ عالم نے اپنے کندھے پر اس کا رکھا سر بڑی محبت سے تھپتھپانے لگے۔ ''بیٹا حقیقت پسند لوگ زندگی میں بہت آرام سے جی لیا کرتے ہیں اور جو لوگ تصورات اور خوابوں میں کھوئے رہتے ہیں وہ قدم قدم پر دکھ اٹھاتے ہیں، ہرٹ ہوتے ہیں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر اسے سمجھانے لگے۔

''آخر ہرج ہی کیا ہے اگر میں اور روما ایک دوسرے سے سچا پیار کرتے ہیں تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارا پیار کسی کو تکلیف تو نہیں دیتا ناں۔'' کائنا ز کا موڈ اب بھی اسی طرح تھا۔

''بیٹا میں نے کہا ناں پیار، محبت بہت اچھی بات ہے لیکن انتہا پسندی ہمیشہ سے غلط سمجھی جاتی ہے اور ہمیشہ غلط سمجھی جاتی رہے گی...... اب تم دونوں چھوٹی بچیاں تو ہو نہیں۔ بڑی ہوچکی ہو، پہلے میں تمہاری ان بے سبب باتوں کا نوٹس نہیں لیتا تھا۔ سمجھاتا بھی نہیں تھا...... لیکن اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں روک ٹوک کی ضرورت ہے۔''

کائنا ز نے ان کے کندھے سے سر اٹھا کر ایک نظر ان کی طرف دیکھا پھر دوبارہ وہیں سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

''یہ نصیحتیں میرے اوپر کوئی اثر نہیں کریں گی دادا جان۔ دل تو ہر وقت روما، روما پکارتا ہے۔''

ان کے چہرے پر بڑی عجیب سی بے بسی تھی مگر وہ مسکرا رہے تھے۔ جیسے کائناز کی معصومیت نے سب کچھ بُھلا دیا ہو، وہ کیا کرتے پوتی تو انہیں جان سے زیادہ پیاری تھی...... کہ متاعِ حیات تھی، ان کی جمع پونجی تھی، کل کائنات تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی ان کے چہرے سے لگتا تھا جیسے اندر قیامتیں برپا ہوں ان کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔ ان کے ٹہلنے کے انداز میں بڑی بے قراری تھی۔ اسی وقت اصیل خان دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوا۔

مہر جان اپنے دھیان سے چونک کر پلٹیں۔ اصیل خان آگے بڑھنے کے بجائے جس قدر اندر آیا تھا بس اسی جگہ رک گیا۔ ”آپ نے یاد کیا ڈاکٹر صاحبہ؟“

”اصیل خان تم اپنی کمٹ منٹ سے پھر رہے ہو۔“ مہر جان نے اس کی بات سن کر جیسے اپنی پُھنکاروں پر قابو پانے کی کوشش کی۔

اصیل خان جیسے لرز کر ان کی طرف دیکھا۔ ”بھول ہوگئی ڈاکٹر صاحبہ معاف کردیں۔“ مہر جان یہ سن کر مزید بھڑک اٹھیں۔ انہوں نے پوری قوت سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

”تم بہت شاطر ہو اصیل خان اور انتہائی ناقابلِ اعتبار بھی سب کچھ کر جاؤ گے...... ایک مرتبہ پھر سب کچھ کر جاؤ گے اور معصوم بن کر...... معصوم شکل بنا کر مجھ سے معافی مانگنا شروع کردو گے مگر میں قیامت تک تمہیں معاف نہ کرنے کا اپنے آپ سے عہد کرچکی ہوں۔“ ڈاکٹر مہر جان کے لہجے میں جیسے شعلے بھڑک رہے تھے۔

”میں پھر بھی آپ سے معافی مانگتا رہوں گا۔ سنا ہے پتھر پر پانی کا قطرہ مسلسل گرتا رہے تو پتھر میں بھی سوراخ ہوجاتا ہے۔ کیا خبر ایسی کون سی نیک گھڑی نصیب میں لکھی ہو کہ آپ مجھے معاف کر ہی دیں۔“

”بند کرو یہ تقریر......“ ڈاکٹر مہر جان دہاڑیں۔ ”تم سہراب خان کے سامنے آئے ہی کیوں؟“

”میں آنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحبہ! بس پتا نہیں مجھے کیا ہوا، یقین کریں...... میں آنا ہی نہیں چاہتا تھا آپ خود سوچیں مجھے تو خود اس بات کا احساس ہے کہ مجھے سہراب خان کے سامنے کسی بھی صورت میں نہیں آنا چاہیے۔ نہ جانے مجھے ایک دم سے کیا ہوا۔ آپ یقین کریں میں کسی پلاننگ سے یا سوچ سمجھ کر اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔“

مہر جان اس کی طرف دیکھتی رہیں پھر آگے بڑھیں، اور ایک زور کا تھپڑ اصیل خان کے گال پر رسید کیا۔

”سب بے بس ہیں۔ سب کی مجبوریاں ہیں، ایک میں ہی خود مختار اور آزاد ہوں، میرے پاؤں کی طرف دیکھو...... دیکھو میرے پاؤں کی طرف۔“ وہ زور سے چلّائیں...... اصیل خان سر جھکائے نیچے ہی دیکھ رہا تھا۔

”میں آپ کے پاؤں کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا۔ ڈاکٹر صاحبہ...... سنا ہے پاؤں تو دشمن کے دیکھے جاتے ہیں۔“

یہ سن کر مہر جان ایک جھٹکے سے اس سے پیچھے ہٹ گئیں۔ وہ غصے سے بری طرح کانپ رہی تھیں۔ غصے کی شدت کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ بول نہیں پا رہی تھیں۔

”دشمن...... تو کیا ہم کبھی دوست تھے؟ لعنت ہے تم پر، آج بھی دوستی دشمنی کا فلسفہ بگھارتے ہو، میں تمہیں اپنے پاؤں کی طرف دیکھنے کے لیے اس لیے کہہ رہی تھی کہ شاید تمہیں میرے پاؤں میں پڑی ہوئی وہ بھاری بھاری زنجیریں دکھائی دیں۔ تم سب بے بس اور مجبور ہو اور میں ان بھاری بھاری زنجیروں کے ساتھ آزاد اور

خود مختار ہوں۔ دفع ہوجاؤ، چلے جاؤ یہاں سے، پتا نہیں میں نے تمہیں کیوں باندھ رکھا ہے، جی چاہتا ہے کہ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے رخصت کردوں لیکن اگر تمہیں اس گھر سے رخصت کردیا تو میرے اندر کی بھڑکی ہوئی آگ کبھی نہیں بجھے گی۔ چلے جاؤ یہاں سے، غرق ہوجاؤ یہاں سے۔“ اتنا کہہ کر انہوں نے اپنا چکراتا ہوا سر تھاما اور لڑکھڑاتی ہوئی اپنے بیڈ کی طرف بڑھیں۔

اصیل خان اسی طرح مودبانہ انداز میں ان کے بیڈ روم سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

صابرہ نے ناشتا لگا دیا تھا۔ جابر علی یونیفارم میں ملبوس اپنے کندھوں پر میڈل سجائے بڑے افسرانہ انداز میں ناشتا کرنے میں مشغول تھا۔

صابرہ اپنے محدود بجٹ میں پوری کوشش کرتی تھی کہ جابر علی کو روزانہ ناشتے میں ورائٹی ملے کیونکہ وہ اس کی بیوی ہونے کے ناتے بخوبی جانتی تھی کہ وہ کھانے کی اچھی چیزیں دیکھ کر ذرا نرم پڑ جاتا ہے اور آج تو اس نے ستارہ کی سفارش کرنی تھی اس لیے انڈوں کا حلوا، آملیٹ اور اس کی پسندیدہ نمکین سویاں بھی بنائی تھیں۔ جو وہ اکثر فرمائش کر کے بنواتا تھا۔

”وہ میں کچھ کہہ رہی تھی، سن رہے ہیں؟“ صابرہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

جب سے جابر علی نے ستارہ کے کالج جانے پر پابندی لگائی تھی صابرہ کی راتوں کی نیندیں اُڑ گئی تھیں۔ وہ سیدھی سادی عورت تھی مگر اتنا سمجھتی تھی کہ آج کل کے زمانے میں لڑکیوں کی پڑھائی، لکھائی کتنی ضروری ہوگئی ہے۔

”ہاں، بولو بہرہ...... نہیں سن رہا ہوں......“ جابر علی نے پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے بڑی ناگواری کی کیفیت میں کہا تھا۔

”دیکھیں، غلطی تو کسی سے بھی ہوسکتی ہے۔“ صابرہ نے ڈرتے ڈرتے بہت مختصر الفاظ میں اپنا عندیہ پیش کیا تھا۔

”لڑکیوں کی پڑھائی کوئی اتنی ضروری نہیں ہوتی، کیا نوکریاں کروائے گی۔ ابھی اتنا پڑھایا ہے تو اتنی زبانیں چل پڑی ہیں، تھوڑا سا اور پڑھ جائے گی تو وہاں چوراہے پر ہمیں بیچ کر کھا جائے گی۔ بس جو میں نے ایک دفعہ کہہ دیا تو کہہ دیا۔“ جابر علی نے یہ کہہ کر نوالہ منہ میں ڈالا اور چائے کے کپ کی طرف گھورنے لگا۔ جیسے وہ شعوری طور پر صابرہ کی طرف دیکھنے سے پرہیز کر رہا ہو۔

”اب یہ تو مقدر کی باتیں ہیں، میں تو بس سوچتی ہوں کہ لڑکی تھوڑی بہت پڑھی لکھی ہو تو گھر کو ذرا اچھی طرح چلاتی ہے۔“ جابر علی نے اب بیوی کو شعلہ باز نظروں سے گھورا۔

”بے وقوف عورت، ارے وہ گھر کو کیا چلائے گی، اس نے تو ابھی سے ہمیں چلانا شروع کردیا ہے، احتجاج کرنا آگیا ہے اسے۔ میں خطرے کی گھنٹی سن رہا ہوں، تم اپنے کانوں پر اور آنکھوں پر پردے ڈال کر آرام سے سوتی رہو۔“ اتنا کہہ کر جابر علی نے چائے کا کپ اٹھایا...... اور سُڑپ سُڑپ کی آواز کے ساتھ دو تین گھونٹ بھرے۔

”ٹھیک ہے ایک دفعہ غلطی ہوگئی ہے، دوسرا موقع تو دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ صابرہ بہت صلح جو انداز میں اور بڑے صبر و ضبط سے کہہ رہی تھی۔ ”میں گارنٹی دیتی ہوں۔“ اس کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ جابر علی نے ہاتھ بلند کیا اور اسے مزید بات کرنے سے روک دیا۔

''نہیں چاہیے کوئی گارنٹی وارنٹی...... اور جو خود سروں کی گارنٹی دیتا ہے، وہ تو ان سے بھی بڑا بے وقوف ہے۔ آج عقل سے کام نہیں لوگی تو کل سر پکڑ کر روؤ گی۔''

''ستارہ میری اولاد ہے اور ایک ماں اپنی اولاد کو اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہے۔''

''اچھا تو پھر یہ تمہاری ہی ٹریننگ ہوگی، خوب جان کر سمجھ کر اس کو ٹرین کر رہی ہو۔'' جابر علی نے چائے کا کپ رکھ کر اب نیا نوالہ توڑا اور ساتھ ہی پھر بھی پھوڑے...... صابرہ نے جان لیا تھا کہ اب اس کا بولا گیا کوئی اور نیا جملہ ایک قیامت برپا کر دے گا وہ جیسے ہار مان کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

جابر علی نے اس کو اٹھتا پا کر اس کی طرف دیکھنے کا تصور بھی گوارا نہیں کیا...... اتنی محنت سے ناشتا بنا کر دینے والی بیوی اس کی نظر میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتی تھی کہ وہ ایک نگاہ غلط بھی اس پر ڈال لے۔

☆☆☆

برہان اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے کی طرف آ رہا تھا کہ اس کے کانوں میں ماں کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے اپنی جگہ پر رکا اور سننے کی کوشش کرنے لگا کہ صبح صبح اس کی ماں کس موضوع پر باپ سے بات کر رہی ہے تا کہ وہ اسی حساب سے اپنا موڈ بنا کر باپ کے سامنے آئے جب اس نے سنا کہ ستارہ کے مسئلے پر بات ہو رہی ہے تو وہ آگے بڑھنے کے بجائے چپ چاپ ستارہ اور شبینہ کے مشترکہ کمرے میں چلا آیا۔

ستارہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ شبینہ کالج جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ستارہ بھائی کو دیکھ کر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی...... برہان بولے بنا چپ چاپ ایک طرف پڑی کرسی پر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''خیریت تو ہے بھائی؟'' شبینہ نے بڑی غائر نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں، ہاں خیریت ہے وہ امی...... ابا جان سے ستارہ والے مسئلے پر بات کر رہی ہیں، میں نے سوچا اس طرف جانے کے بجائے تھوڑی دیر یہاں بیٹھ جاؤں۔ فضول میں کوئی بات نکل گئی تو ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔'' پھر ستارہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابا جان کا غصہ ٹھنڈا ہو جانے دو پھر میں خود بات کروں گا ... فی الحال وہ جیسا کہتے ہیں تم ویسا کرو۔''

''مجھے نہیں پڑھنا بھائی، بس رہنے دیں۔ جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا۔''

''دیکھ رہے ہیں بھائی؟ اس کی وجہ سے گھر میں مسئلے چل رہے ہیں اور اس کے طور طریقے وہی ہیں۔'' شبینہ نے بھائی کی طرف دیکھا۔

برہان نے گہری سانس لی اور ستارہ کی طرف دیکھ کر بڑے صبر و تحمل سے گویا ہوا۔ ''دیکھو ستارہ ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے، ہو جاتی ہے لیکن باپ کے سامنے انا، ضد فضول چیزیں ہیں، ماں، باپ آخر ماں، باپ ہوتے ہیں، کوئی غلطی ہو جائے تو معافی مانگ لینی چاہیے۔'' وہ سمجھانے کے انداز میں کہہ رہا تھا اور ستارہ کا غصہ جیسے سوا نیزے کو چھونے لگا۔ اس نے بڑے بھائی کے احترام میں ایک دم پھٹ پڑنے کا انداز اختیار نہیں کیا مگر پھر بھی خاصی برہمی سے گویا ہوئی۔

''غلط بات کروں گی تو سو دفعہ معافی مانگوں گی، میں نے کیا غلط بات کی ہے، چوری کی ہے ڈاکا ڈالا ہے؟''

''آہستہ بولو، پتا ہے کیا ہو رہا ہے، اس کے باوجود۔'' شبینہ نے ایک دم گھبرا کر ستارہ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر اپنی کتابیں سمیٹنے لگی۔ ''پھر کوئی فضول بات ابا جان نے سن لی تو چیخیں گے۔''

''شبینہ ٹھیک کہہ رہی ہے، اچھی بات نہیں کر سکتیں تو خاموش رہو۔'' برہان نے بھی ستارہ کو ٹوک دیا۔

''ابا جان کب نہیں چیختے، ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے ہماری صبح تو بس، چیخ و پکار سے ہی ہوتی ہے۔ سب کچھ ابا کی مرضی سے ہوتا ہے پھر بھی انہیں ہر وقت غصہ آتا رہتا ہے۔'' ستارہ بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔

''تمہیں کہہ رہے ہیں ناں ستارہ خاموش ہو جاؤ...... ابا جان کو گھر سے جانے دو، اس کے بعد تمہارے دل میں جو آئے بول لینا اور اس طرح سے بولنا کہ پھر آئندہ یہ باتیں دہرانے کی گنجائش نہ رہے۔ میں فی الحال اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔'' برہان بھی ناراضی سے کہتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

ستارہ ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ دوبارہ بستر پر لیٹ گئی۔ شبینہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا...... پھر جیسے ٹھنڈی سانس بھری چپ چاپ کتابیں اٹھائیں اور کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان اور گل جان دونوں ناشتے کی ٹیبل پر تھیں...... ڈاکٹر مہر جان چائے کا کپ اٹھاتے اٹھاتے ایک دھیان سے جیسے چونک پڑیں، انہوں نے گل جان کی طرف دیکھا۔

''گل جان، رُوما آج کالج نہیں جا رہی؟ رابی تو خیر لیٹ ہی جاتی ہے۔ روما کا تو ٹائم ہو رہا ہے۔ اس نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا؟'' گل جان نے اپنا جھکا ہوا سر ایک لقمے کے لیے اٹھایا اور دوبارہ جھکا لیا۔

''بی بی جان روما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا۔ آج میں کالج نہیں جاؤں گی۔''

''خیریت ہے، کیا ٹیمپریچر ہے اسے؟'' ڈاکٹر مہر جان کے چہرے پر ایک دم گہری فکر مندی کے تاثرات نمودار ہوئے تھے۔

''پتا نہیں، میں نے پوچھا تھا کہ کالج کیوں نہیں جا رہیں تو بس یہی بولی کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' گل جان نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

''تو رابی کیا کر رہی ہے، اسے تم نے بتایا نہیں کہ میں نے کہا ہے کہ جب میں گھر پر ہوتی ہوں تو میرے ساتھ ناشتا، کھانا ہوگا۔ جاؤ جا کر دیکھو اسے وہ کیا کر رہی ہے۔''

''وہ بی بی جان میں نے رابی سے پوچھا تھا، وہ کہہ رہی ہے میں صرف دودھ پیوں گی، اس نے رات دیر سے کھانا کھایا تھا اسے بھوک نہیں ہے۔''

ڈاکٹر مہر جان نے یہ سن کر ایک گہری سانس لی اور سلائس پر بٹر لگانے لگیں پھر بڑی رسانیت اور حیران کن نرمی سے گل جان کی طرف دیکھ کر بولیں۔ ''ٹھیک ہے آج مجھے ویسے بھی اسے شاپنگ کے لیے لے کر جانا ہے، کوشش کرو کہ اس کا موڈ ٹھیک رہے۔''

''شاپنگ کے لیے؟'' گل جان نے چونک کر مہر جان کی طرف دیکھا۔

''ہاں اس کی پسند سے کچھ کپڑے وغیرہ لے لیتی ہوں، باقی تو مجھے کوئی تیاری نہیں کرنی...... سب کچھ سہراب خان خود ہی کر رہا ہے اور میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ میں جہیز میں ساز و سامان نہیں دوں گی بس کچھ کیش دوں گی...... اور ایک DHA میں پلاٹ ہے وہ دے دوں گی۔'' مہر جان اب سلائس کا ایک بائٹ لے کر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے گل جان کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

گل جان انہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''وہ DHA والا پلاٹ......؟ بی بی جان وہ تو بہت بڑا ہے اور بہت قیمتی ہے سہراب خان کو زمین جائداد

کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے اپنے پاس بہت کچھ ہے۔'' لاشعوری طور پر گل جان کے لہجے میں ایک محسوس ہونے والی تلخی ابھر آئی تھی۔ جو مہر جان جیسی حساس عورت کے لیے بہت چونکا دینے والی تھی۔

مہر جان نے گھور کر گل جان کی طرف دیکھا۔

''تو کیا بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت کر دوں....؟ جتنے تماشے بننے تھے بن چکے...... جو میں کر رہی ہوں مجھے کرنے دو، مجھے تمہارے مشوروں کی ویسے بھی ضرورت نہیں ہے۔'' مہر جان کا انداز ایسا تھا جیسے کسی بچے کو ڈانٹ رہی ہوں۔

''بی بی جان...... جیسی آپ کی مرضی...... منہ سے ایسے ہی نکل گیا تھا۔'' گل جان نے اپنی ناشتے کی پلیٹ مزید آگے سرکائی اور آہستہ سے بولی۔

''یہ دل اور زبان اگر سنبھالے نہیں جائیں تو بڑے مسئلے ہو جاتے ہیں۔ یہ نصیحت نہیں ہے اس لیے کہ اب تم نصیحت کی حدود سے باہر آ گئی ہو، میری طرح تجربہ کار ہو۔'' مہر جان نے اس کی طرف دیکھا اور طنزیہ مسکرائیں۔ اتنا کہہ کر مہر جان چائے کے گھونٹ بھرنے لگیں۔

گل جان نے جیسے اپنے ہونٹ سی لیے تھے۔

☆☆☆

روما اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ وہ جاگ رہی تھی اور خیالات میں الجھی ہوئی تھی۔ اس کے کمرے کا دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا تو اس نے چونک کر کروٹ بدلی...... ماں کو سامنے دیکھ کر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر مہر جان اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟ طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ٹیمپریچر ہے؟'' یہ کہہ کر مہر جان نے آگے بڑھ کر روما کی پیشانی چھوئی پھر الجھن بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''تمہارا ٹیمپریچر تو نارمل ہے۔ پھر کیا مسئلہ ہے؟''

''وہ میرے سر میں درد ہے، اماں جان...اور آج پتا نہیں کیوں بستر سے اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا......''

''سر میں کیوں درد ہے۔ زیادہ پڑھ رہی ہو؟'' مہر جان کے لہجے میں عجیب سی محسوس ہونے والی تلخی اتر آئی۔ ''صرف سر کے درد کی وجہ سے تم کالج کی چھٹی کرو گی۔ یہ سکھایا ہے میں نے تمہیں؟ میں تمہیں شروع سے بتاتی آئی ہوں کہ ٹیمپریچر بھی ہو تو ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔ ناغے کے لیے کوئی بہت بڑی بات ہونی چاہیے۔''

روما نے یہ سن کر ماں کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔ ''بہت بڑی بات ہونی چاہیے۔ مثلاً قیامت ہونی چاہیے، گھر میں آگ لگ جانی چاہیے۔'' وہ دل ہی دل میں کھولتے ہوئے سوچ رہی تھی مگر مجال نہیں تھی کہ وہ یہی جملے زبان پر لے آتی۔

''اماں آج چھٹی کرنے دیں، آئندہ نہیں کروں گی۔''

''آخر کوئی وجہ بھی تو ہو، ضرور کوئی وجہ ہے، بتاؤ مجھے، کیا مسئلہ ہے؟'' مہر جان جیسے راشن پانی لے کر چڑھ دوڑی تھیں۔

''اماں جان کوئی مسئلہ نہیں ہے، ریئلی میرے سر میں درد ہو رہا ہے، اس وجہ سے میرا دل نہیں چاہ رہا اور کوئی بات نہیں ہے۔''

''یہ دل کیا ہوتا ہے، تم اسٹوڈنٹ ہو، تمہیں اپنی اسٹڈی سے ہٹ کر کچھ نہیں سوچنا چاہیے۔'' مہر جان نے گھور کر روما کی طرف دیکھا تھا۔

"تو کیا اسٹوڈنٹ انسان نہیں ہوتے، ان کا دل نہیں ہوتا؟" بلا ارادہ بے اختیار روما کے منہ سے نکل گیا تھا۔
مہر جان ہکا بکا سی ہو کر روما کی طرف دیکھنے لگیں کیونکہ روما جی ہاں سے زیادہ ان سے بات ہی نہیں کرتی تھی۔ آج تو باقاعدہ اس نے پورا قاعدہ پڑھ دیا تھا۔
"کیا ہوا ہے تمہیں، کس وجہ سے تمہارا دل نہیں چاہ رہا...... میرا مطلب ہے تمہارے دل کو ہوا کیا ہے؟"
"میں بھی انسان ہوں اماں، بس کبھی کبھی نہیں چاہتا دل۔" روما نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔
"تو کیا میں نے تمہیں بکریوں کے چھپر کے نیچے رکھا ہوا ہے، ہر طرح کی facilities دی ہوئی ہیں اور کیا چاہیے تمہیں؟" مہر جان کی آنکھوں میں غصے کے ساتھ ساتھ حیرت بھی تھی کیونکہ روما نے پہلی بار ان کے سامنے ان کی بات کے سامنے کوئی بات کی تھی۔
روما سر جھکائے بیٹھی رہی کچھ نہیں بولی۔
"تم برسوں بھی محنت کرو تو وہ عزت نہیں پا سکتیں جو تمہیں ڈاکٹر مہر جان کی بیٹی کی حیثیت سے حاصل ہے۔"
مہر جان نے بڑی ذہانت کے ساتھ صورت حال کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے اپنی ٹون بدلی لیکن ان کی آنکھوں سے جھلکتی حیرت کم ہونے کے بجائے بڑھ رہی تھی۔ وہ مسلسل پلکیں جھپکائے بغیر روما کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔
"مجھے یہ عزت وزت نہیں چاہیے۔ میں انسان ہوں، میرا بھی ایک دل ہے اور پھر اماں جان ایک قانون سب کے لیے نہیں ہوتا......" مہر جان جو ابھی ایک حیرت سے چھٹکارا نہیں پا سکی تھیں ان کی آنکھیں مزید پھٹ کر رہ گئیں...... یہ روما بول رہی تھی؟ روما جس کے منہ سے آج تک جی اماں، جی اماں کے علاوہ انہوں نے کوئی دوسرا لفظ نہیں سنا تھا...... ان کی تو جیسے اوپر کی سانس اوپر...... اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔
"بہت بڑی بڑی باتیں کر رہی ہو، کیا مسئلہ ہے؟" روما بول تو گئی تھی پھر جیسے اسے خود ہی احساس بھی ہو گیا تھا کہ اس نے گویا اپنی شامت کو بلایا ہے، وہ بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی کہ جب مہر جان کے سامنے کوئی زبان کھولتا ہے تو پھر اس کے بعد مہر جان جو اس کا حشر کرتیں اسے عجیب سے خوف نے آ لیا...... اگرچہ اس نے اپنے دل کی بات بہت ادب اور تہذیب سے کی تھی، بدتمیزی یا غصے کے عنصر کو ہر ممکن چھپانے کی کوشش کی تھی...... مگر بہرحال اس نے ماں کی بات کے سامنے اپنی بات تو رکھی تھی ناں اسے اب پچھلا تاثر مٹانے کے لیے کچھ اس طرح بات کرنی تھی کہ مہر جان کا آسمان کو چھوتا ہوا غصہ ٹھنڈا ہو جائے...... وہ بڑی آہستگی سے بولی۔
"اماں ہم آپ کی ہر بات مانتے ہیں، آپ جو حکم دیتی ہیں ویسا ہی کرتے ہیں لیکن ہماری اپنی بھی تو زندگی ہے، ہمیں اپنی زندگی جینے دیں۔"
مہر جان چند لمحے ششدر سی روما کی شکل دیکھتی رہیں پھر جیسے اُن کے پورے وجود میں آگ بھڑک اٹھی اور آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ انہوں نے ایک زنّاٹے دار تھپڑ روما کے داہنے رخسار پر جڑا تھا۔ روما بری طرح خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا تھپڑ تھا۔ مہر جان نے کبھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ شروع ہی سے بہت خاموش طبع اور سہمی سہمی سی بچی تھی، ایسا کچھ کرتی ہی نہیں تھی کہ ایسی نوبت آتی۔
"یہ سب تم نے کہیں سے سیکھا ہے۔ زبان تمہاری ہے مگر الفاظ کہیں اور سے آ رہے ہیں، یہ تمہارے خیالات نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں کالج بھیج کر اور کلاس فیلوز سے دوستی کی اجازت دے کر بہت بڑی غلطی کر رہی ہوں، تمہارے گلے میں پھندا ڈالا ہوا ہے، میں نے تمہارا جینا مشکل کیا ہوا ہے، اپنی عمر دیکھو، اس عمر میں لڑکیوں کو اپنا اچھا برا پتا نہیں ہوتا۔ یہ ان کے ماں، باپ بتاتے ہیں، ان کے گارجین بتاتے ہیں کیونکہ انسان تجربہ ایک دم حاصل نہیں کرتا۔

روزانہ کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا ہے جو انسان کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔ تمہیں اپنی زندگی جینے سے کون روکتا ہے مگر پہلے جینے کے انداز تو سیکھ لو، لوگوں کو سمجھنا تو شروع کرو، میں تمہیں گائے، بھیڑ، بکریوں کی طرح انسانوں کے ہجوم میں نہیں پھینک سکتی۔ میں تمہیں جس طرح کہتی ہوں اسی طرح کرو فی الحال یہی تمہارے تجربات ہیں۔" اتنا کہہ کر مہر جان بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گئیں۔ روما ابھی تک اپنے رخسار پر ہاتھ رکھے دم بخود کیفیت میں بیٹھی تھی۔

☆☆☆

جابر علی اپنے سینئر شیر زمان خان کے کمرے میں داخل ہوا اور پیشانی تک ہاتھ لے جا کر اسے سلیوٹ کیا۔
"سر آپ نے یاد فرمایا...... ایمرجنسی ہو گئی ہے؟"
شیر زمان خان نے جابر علی کی طرف بڑی گہری نظروں سے دیکھا اور معنی خیز انداز میں مسکرا کر اپنی سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔
جابر علی بڑے مؤدبانہ انداز میں اس کے سامنے بیٹھ گیا اور نظریں اٹھائیں جن میں سوال ہی سوال تھے۔
"بھئی جابر علی ایمرجنسی تو زندگی کا حصہ بن گئی ہے۔ اس کو ایک طرف ہٹا کر مجھے صرف اتنا بتاؤ تم نے اپنی بیگم سے بات کی۔" جابر علی نے الجھن بھری نظروں سے شیر زمان خان کی طرف دیکھا۔
"وہ سر ابھی ایسا موقع نہیں ملا......" آہستگی سے سر جھکا کر بولا۔
"یار بیوی سے بات کرنے کے لیے بھی موقع نکالتے ہو۔" شیر زمان خان قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔
"نہیں سر وہ ایسا ہے کہ میں گھر کافی لیٹ پہنچ رہا تھا اور تھکاوٹ کی وجہ سے لیٹتے ہی نیند آ جاتی ہے۔"
"خیر کوئی بات نہیں۔" شیر زمان خان مسکرا کر جابر علی کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"آج بات کرنے کی کوشش کرو، دیکھو بہت اچھا رشتہ ہے کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے......"
"جی سر، آپ نے بہت تعریف کی ہے، آپ ماشاء اللہ دنیا کو پہچانتے ہیں، بھانت بھانت کے لوگ آپ سے ملتے ہیں، آپ کہہ رہے ہیں تو وہ رشتہ اچھا ہی ہوگا، مجھے کوئی شک نہیں۔"
"ہاں جابر علی، ایسے رشتے بڑی قسمت سے ملتے ہیں، بندہ تمہارے مطلب کا ہے، نمازی، پرہیزگار، عابد و زاہد، ساری زندگی اس نے بڑی احتیاط سے گزاری ہے کیونکہ اس شہر میں نیا نیا ہے، لوگوں سے جان پہچان نہیں ہے۔ برادری میں شادی نہیں کرنا چاہتا، اس لیے اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کروں اور بلکہ اس نے مجھے تاکید کی ہے کہ کسی دین دار گھرانے کی لڑکی کا انتخاب کروں۔"
"سر یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا...... میں کہاں کا دین دار، بس کوشش کرتا ہوں کہ کلمہ پڑھا ہے تو کچھ حق بھی ادا کروں۔" جابر علی یہ سن کر جیسے خوشی سے کھل اٹھا۔
"سبحان اللہ، سبحان اللہ۔" شیر زمان خان نے یوں سبحان اللہ کہا جیسے کسی بہترین شعر پر داد دے رہا ہو۔ "تمہاری یہی عاجزی اور انکساری تو مجھے اچھی لگتی ہے۔ جابر علی بس یوں سمجھو پورے ڈیپارٹمنٹ میں صرف ابھی تک ایک بندے سے متاثر ہوا ہوں اور وہ تم ہو......" اپنی اتنی تعریف اور مداح سرائی سن کر جابر علی کا سر یوں جھک گیا جیسے پھلوں، پھولوں کے بوجھ سے ڈالی جھکی جاتی ہو۔
"یہ تو میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے شریف، نیک، نمازی پرہیزگار داماد ملے اور اس سے زیادہ تو میں سوچتا بھی نہیں ہوں اور سر بندہ نماز نہ پڑھے تو کیا زندگی ہے۔" جابر علی نے اب سر اٹھا کر بڑی سنجیدگی سے بات کی۔ اس کے لہجے میں شکرگزاری کا تاثر بہت گہرا تھا۔

www.paksociety.com

''تم ٹھیک کہتے ہو جابر علی...... تمہیں دیکھ کر تو میں بھی تمہارے زیرِ اثر آ گیا...... پہلے میں نماز پڑھتا تھا لیکن بس کبھی پڑھ لی کبھی چھوڑ دی لیکن اب تو میں...پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں۔'' شیر زمان خان نے بہت اعتماد سے جابر علی کی طرف دیکھ کر قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

''ماشاء اللہ ماشاء اللہ سر بہت خوشی ہوئی سن کر ہم نے تو یہی سنا ہے کہ نماز جنت کی کنجی ہے۔'' جابر علی تو جیسے مارے عقیدت کے دُہرا ہو گیا۔

''جنت کا تصور بڑا خوشگوار ہے۔ جابر علی سنا ہے کہ وہاں حوریں ہوں گی، دودھ کی نہریں ہوں گی، بس ہر طرف امن ہی امن، چین ہی چین ہوگا۔'' شیر زمان خان معنی خیز انداز میں مسکرا کر جابر علی کی طرف دیکھنے لگا۔

''جی سر یہ دنیا تو مسائل کا گورکھ دھندا ہے، جنت میں جا کر ہی سکون ملے گا۔'' جابر علی نے ایک نظر اپنے سینئر کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر بولا۔

ایس پی نے نہ جانے کیوں ایک زوردار قہقہہ بلند کیا۔

''جابر علی لوگ مرنے کے بعد مُردے کے لیے کہتے ہیں کہ اللہ اسے جنت نصیب کرے اور مجھے تو دنیا ہی میں پتا چل رہا ہے کہ تم جنتی آدمی ہو...... پورے ڈیپارٹمنٹ میں تمہارے جیسا بندہ نظر نہیں آتا......'' جابر علی......اتنی تعریف سن کر پھر شرمندہ ہو گیا۔ شاید اس نے زندگی میں پہلی بار اتنی زیادہ تعریف سنی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی......حواس باختہ سا ہو گیا تھا۔

''آپ کی محبت اور عزت افزائی ہے سر ورنہ بندہ کس قابل ہے۔''

''بس اب دیر نہ کرو جابر علی......ایک اچھا انسان تمہاری ہاں کا منتظر ہے، یوں سمجھو کہ وہ تمہاری کی گئی کسی نیکی کا بہت خوب صورت صلہ ہے۔ تمہاری بیٹی کی زندگی سنور جائے گی۔'' ایس پی نے جیسے جابر علی کے اندر جوش و جذبات بھڑکانے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کی اور اس کا وار خالی نہیں گیا۔

''میں آج ہی بات کرتا ہوں سر۔ آپ فکر نہ کریں، میری گھر والی میری بات کے سامنے اپنی بات نہیں رکھتی پھر بھی وہ بچی کی ماں ہے، اس کے ساتھ بھی بات چیت کرنا ضروری ہے۔'' جابر علی اپنے اندر بڑی توانائی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے بڑے وثوق اور اعتماد سے کہا۔

''ہاں، ہاں جابر علی، وہ تمہاری بیوی ہے، تمہارے بچوں کی ماں ہے، اس کے بڑے حقوق ہیں، جب تم اسے یہ سب کچھ بتاؤ گے تو وہ یقیناً تمہاری ہاں میں ہاں ملائے گی۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

جابر علی اٹھا اور بڑے جوش و خروش سے ایس پی کو سلیوٹ کیا اور ایڑیوں کے بل گھوم کر کمرے سے باہر چلا گیا......ایس پی شیر زمان خان اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بہت معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اب اس کی آنکھوں میں صرف مسکراہٹ کی چمک نہیں تھی بلکہ آنکھوں سے ایک شاطرانہ چال چلنے والے کا بھرپور عکس جھلک رہا تھا۔

☆☆☆

رابی آئینے کے سامنے کھڑی اپنے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی بلکہ اپنی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ اس کا چہرہ کسی بُت کے مانند بالکل جذبات سے عاری تھا۔ سپاٹ، سرد، کسی سنگی مجسمے کی طرح پتھریلا......اسی وقت اس کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک ہوئی وہ بری طرح چونک کر پلٹی تھی۔

''کون ہے؟'' اس نے پوچھا، چہرے کی طرح اس کی آواز بھی سپاٹ تھی۔ دروازے کا ہینڈل حرکت میں آیا۔ دروازہ کھلا اور ڈاکٹر مہر جان اندر داخل ہوئیں۔ ماں کو سامنے پا کر رابی ایک دم سنبھل گئی اور اس نے اپنے چہرے اور لہجے دونوں میں شعوری طور پر نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''آیئے اماں......آج آپ لیٹ ہو گئیں؟''

''ہاں، ہاں لیٹ ہو گئی......لیکن تم بھی تو لیٹ ہو۔'' وہ رابی کو سر سے پاؤں تک تول رہی تھیں۔

''نہیں، میں لیٹ نہیں ہوں اماں۔ آج میں نہیں جا رہی......روزانہ پریکٹیکل کی وجہ سے اتنی دیر ہو جاتی تھی کہ بس ٹھیک سے سو نہیں پائی۔ سوچ رہی ہوں آج ریسٹ کروں۔''

''چلو ٹھیک ہے، یہ بھی اچھا ہے تم ریسٹ کر لو، دو ڈھائی بجے کے قریب میں تمہارے لیے گاڑی بھیجوں گی۔''

''گاڑی......؟'' رابی نے چونک کر مہر جان کی شکل کی طرف دیکھا۔

''ہاں، ہاں مجھے تمہیں ساتھ لے کر کچھ شاپنگ کرنی ہے، تمہاری پسند کے کچھ ڈریسز وغیرہ لینے ہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کچھ نہ کچھ تو تیاری کرنا ہوگی......شادی میں اب زیادہ دن نہیں ہیں۔'' رابی کے اندر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ یوں لگا ہر طرف سے بے ترتیب آوازیں سماعتوں کو نڈھال کر رہی ہوں۔ اس نے کمالِ مہارت سے اپنے تاثرات چھپائے اور ایک بڑی خوب صورت مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی اور مہر جان کو تقریباً حیرت زدہ کر دیا۔

''ٹھیک ہے اماں، آپ جب گاڑی بھیجیں تو مجھے ایک کال کر دیجیے گا۔''

''تم نے تو مجھے حیران کر دیا رابی......اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ماں کا فیصلہ قبول کر لیا۔ اچھی بات ہے، وہ تو تمہیں کرنا ہی تھا۔'' مہر جان اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھرپور خوشی کے جذبات کے ساتھ گویا ہوئی تھیں۔ مہر جان ایک دم بہت زیادہ ریلیکس نظر آنے لگیں۔

''اماں جان آپ تو ہماری ماں ہیں، ظاہر ہے ہمارے لیے اچھا ہی سوچا ہوگا۔'' رابی نے خالی خالی نظریں اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا اور بہت مؤدبانہ انداز میں بولی۔

''شاباش فیصلہ تو تمہیں میرا ماننا ہی تھا لیکن تم نے اپنے دل کی آمادگی کے ساتھ اس فیصلے کو قبول کر لیا۔ یہ بہت اچھی بات ہے، میں تم سے بہت خوش ہوں رابی ویسے بھی ماشاء اللہ تم بہت سمجھدار ہو۔'' مہر جان آگے بڑھیں اور انہوں نے رابی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''جی اماں جان! آپ کی تربیت ہی ایسی ہے، سب لوگ مجھے اسکول اور کالج میں بوڑھی روح کہتے ہیں کہ میں اپنی عمر سے بہت بڑی بڑی باتیں کرتی ہوں، بہت سیریس ہوں۔'' رابی بظاہر بہت نرم اور محبت بھرے لہجے میں ماں سے مخاطب تھی لیکن جو کچھ اس کے اندر تھا مہر جان کے فرشتے بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

''ٹھیک ہے رابی، ٹھیک ڈھائی بجے گاڑی تمہیں لینے آ جائے گی۔ تیار رہنا، میں تمہاری پسند کے ڈریس دلواؤں گی اور میچنگ جیولری، شوز وغیرہ تم جس چیز پر ہاتھ رکھو گی، وہ چیز تمہاری ہوگی، آخر میں دن رات محنت کرتی ہوں تو تم دونوں بہنوں کے لیے ہی کرتی ہوں۔'' مہر جان اب بہت خوشگوار موڈ میں رابی سے بات کر رہی تھیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے رابی کے سر پر اپنا ہاتھ پھر سے رکھا دھیرے سے دبایا پھر اس کا گال چھو کر آہستہ خرام چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں......رابی مسکرا رہی تھی۔ بڑی عجیب پُراسرار مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

☆☆☆

''باپ کے پاؤں چھو کر معافی مانگ لو۔'' صابرہ، ستارہ کو سمجھا رہی تھی ستارہ کے چہرے پر خفگی بلکہ شدید خفگی کے تاثرات تھے۔ جس سے صابرہ کو بہت خوف آتا تھا۔

''لیکن امی یہ بتا دیجیے کس بات کی معافی مانگوں ؟'' صابرہ نے گھور کر ستارہ کی طرف دیکھا۔

''پھر وہی ہٹ دھرمی...... وہ باپ ہے تمہارا، معافی مانگنے سے ناک نہیں کٹ جائے گی تمہاری۔''

''لیکن میں نے کیا ہی کیا ہے؟ مجھے پتا تو چلے نا تا کہ میں معافی مانگ لوں۔''

''بہت زبان چلتی ہے تمہاری، کچھ تو بولا ہوگا جو وہ سن کر غصے میں آگئے۔'' صابرہ نے ناراض نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''انہیں غصہ کب نہیں آتا امی؟ ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے باپ کو ٹھو کرسے دروازہ کھولتے دیکھا ہے۔''

''پھر وہی بدتمیزی، ارے وہ اس گھر کے مالک ہیں، ان کی عزت ہماری عزت ہے، دن رات محنت کر کے ہمارے دوزخ بھرتے ہیں۔'' صابرہ نے اب اپنی جگہ سے اٹھ کر ہاتھ بلند کیا۔ جیسے وہ ستارہ کو تھپڑ لگانا چاہتی ہو۔

''لوگوں کے باپ تو نہ جانے کیا، کیا کرتے ہیں۔ کاریں، کوٹھیاں، عیش آرام دیتے ہیں، ابا جان اگر تین وقت ہمارا پیٹ بھر دیتے ہیں تو کون سی بڑی بات ہے، فرض ہے ان کا۔''

صابرہ تو جیسے اس کی بات سن کر بری طرح چکرا کر رہ گئی۔ اتنی لمبی زبان کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ آنکھیں پھاڑ کر وہ چند لمحے بیٹی کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے یوں لگا اس کا علاج غصہ نہیں ہے، اس کو تو بڑی مہارت سے سنبھالنا ہوگا۔ اس نے بڑی سمجھداری سے خود کو سنبھال کر ستارہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''شکر کرو بیٹا، اللہ نے ہمیں حلال روزی دی ہے، ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہے، کسی کا حق مار کر نہیں کھاتے......'' ستارہ پر صابرہ کی نرمی اور پیار بھرے لہجے کا رتی . برابر اثر نہیں ہوا۔

''آپ کرتی رہیں شکر...... میرا تو اس گھر میں اب دم گھٹتا ہے، ہر وقت کی چخ چخ......''

صابرہ یہ سن کر مزید خوف زدہ ہوگئی۔ اسے یوں لگا جیسے بس ایک قیامت ہے جو برپا ہو چکی ہے، ان کے خاندان میں شاید کسی لڑکی نے ماں، باپ کے سامنے اتنے دلائل دے کر بات نہیں کی ہوگی، بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور بڑے وقار سے گویا ہوئی۔

''دیکھو بیٹا، اب یہ بات دوبارہ نہ دُہرانا، اچھی اور نیک بچیاں وہ ہوتی ہیں جو اپنے ماں باپ کے بتائے ہوئے راستے پر خوشی خوشی چلتی ہیں، سوال جواب نہیں کرتیں۔ سوال، جواب کرنا تو بدتمیزی ہے اور وہ کہتے ہیں ناں کہ باادب بانصیب۔ بے ادب بے نصیب۔''

''امی! قانون اور محاورے سب کے لیے ایک جیسے نہیں ہوتے، آپ تو اتنی ادب تمیز والی ہیں پھر آپ کی شادی......''

صابرہ نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بڑے صبر و تحمل سے گویا ہوئی۔ ''ستارہ آگے کچھ نہ بولنا بیٹا...... جو بیٹی اتنا بولتی ہے تو الزام ماں پر آتا ہے۔ بیٹا، ماں کی ساری عمر کی محنت برباد نہ کرنا۔ بس چپ ہو جاؤ، اب میں کچھ نہیں سنوں گی۔'' صابرہ اندر سے بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی اولاد ایک دن اسے اتنی بڑی آزمائش میں ڈالے گی۔

☆☆☆

شبینہ اور فائزہ کینٹین میں بیٹھی کولڈ ڈرنک پی رہی تھیں۔ فائزہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔

''شبینہ پرسوں ماما، پاپا کی Anniversary ہے۔ بہت دھوم دھام سے منا رہے ہیں۔ اس لیے کہ میری ایک فرسٹ کزن دبئی سے آرہی ہے۔ اصل میں تو یہ سارا پروگرام اسی نے بنایا ہے ورنہ ہم تو ہر سال چپ چاپ ممی، پاپا اور بھائی کے ساتھ منا لیتے ہیں۔ بھائی بھی کہتے ہیں یار پیرنٹس کو سال میں ایک بار تو تمیز سے وش کرنا چاہیے۔''

شبینہ یہ سن کر جیسے گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی اور بالکل خاموش ہوگئی تھی۔

''کہاں پہنچ گئیں میں تو اینورسری کی بات کر رہی ہوں۔ تم پتا نہیں کہاں چلی گئیں۔ کیا کہتی ہو آؤ گی ناں؟'' فائزہ نے ٹیبل پر انگلی سے جیسے دستک دے کر اسے چونکایا۔

''وہ...... فائزہ، اصل میں تمہیں تو پتا ہی ہے ناں کہ ہمارے ابا جان یہ دوستوں کے ہاں آنا جانا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے میں تم سے پرامس نہیں کر سکتی۔ البتہ امی سے بات کر کے دیکھتی ہوں کیونکہ امی ہی ابا جان سے اجازت دلوا سکتی ہیں اور جو انہوں نے انکار کر دیا تو نہ میں اصرار کر سکتی ہوں اور نہ امی۔''

''لو بتاؤ میں تو اتنا خوش ہو رہی تھی کہ میری ساری فرینڈز مل کر اس مرتبہ Anniversary سیلی بریٹ کریں گی۔ اتنا مزہ آئے گا۔ خوب ہلا گلا ہوگا اور میری بیسٹ فرینڈ تو تم ہی ہو۔ تم نے تو میرا سارا مزہ ہی خراب کر دیا، اچھا ایسا کرتی ہوں کہ میں خود شام کو آکر آنٹی سے اجازت لیتی ہوں۔''

''نہیں، نہیں اصل میں پہلے مجھے بات کرنے دو پتا نہیں ابا جان گھر میں ہوں۔ ان کو اچھا نہ لگے پہلے مجھے بات تو کر لینے دو۔'' شبینہ نے گھبرا کر فائزہ کی طرف دیکھا اور بہت سہمے سہمے خوفزدہ انداز میں کہا۔

فائزہ نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ دل تو اس کا بھی بہت چاہ رہا تھا کہ وہ فائزہ کی اس خوشی میں شریک ہو، وہ تو تقریبات کو ترستی تھی۔ خاندان کی بہت قریبی شادیوں میں ماں کے ساتھ ہی جانے کی اجازت ملتی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی زندگی میں پکنک اور پارٹی کا تصور ہی نہ تھا اور ابھی تک اس نے فائزہ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ستارہ کے کالج نہ آنے کی کیا وجہ ہے۔ فائزہ نے اس سے پوچھا تھا اس نے یہی بتا دیا کہ اس کی طبیعت

ٹھیک نہیں ہے۔ بخار کی وجہ سے نہیں آپا رہی۔ اس نے مصلحتاً یہ جھوٹ اس لیے بولا تھا کہ شاید دو تین دن میں جابر علی کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور وہ خود ہی ستارہ کو کالج جانے کا کہہ دیں۔

''یعنی تم مجھ سے پکی بات نہیں کر رہی ہو؟'' فائزہ نے پیار بھری خفگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں جھوٹے وعدے بھی تو نہیں کر سکتی نا تم سے۔ فی الحال میں تمہیں کوئی آس نہیں دلا رہی ہوں۔ جب تک میری امی سے بات نہیں ہو جاتی۔ کل صبح بتا دوں گی میں تمہیں۔''

''نہیں، نہیں تم مجھے رات کو فون کر کے بتا دینا۔'' فائزہ نے فوراً اس کی بات کاٹ کے کہا تھا۔

''فون......؟'' شبینہ اب پہلے سے بھی زیادہ گھبرا گئی۔ ''وہ میں رات کو فون نہیں کر سکتی۔ وہ ابا جان گھر پہ ہوتے ہیں۔''

''یا اللہ میری توبہ۔ تمہارے ابا جان پولیس آفیسر ہیں۔ ان کو پتا ہے کہ وہ نیٹ کے زمانے میں رہ رہے ہیں۔ کالج میں تو بلکہ آج کل تو اسکول میں لڑکیوں کے پاس موبائل ہوتے ہیں اور وہ تمہیں پی ٹی سی ایل لائن پر بات نہیں کرنے دیتے۔ کمال ہے یار......'' فائزہ نے اپنی ڈرنک ٹیبل پر رکھی اور بڑے زور سے دونوں ہاتھ اپنے سر پر مارتے ہوئے حیرت اور افسوس سے بولی۔ شبینہ خاموشی سے سر جھکائے اسٹرا ہونٹوں میں دبائے ڈرنک کے گھونٹ لے رہی تھی جو کچھ اس نے فائزہ سے کہہ دیا تھا اس کے بعد اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ باقی بچا نہیں تھا۔

☆☆☆

ایس پی شیر زمان خان اپنے شریک کاروبار وارث علی کے ساتھ بہت خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہا تھا۔

''جابر علی کو قابو میں کر لیا ہے وارث علی، اب انشاء اللہ تعالیٰ تمہارا کام بہت جلد ہو جائے گا۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ تم بہت نمازی پرہیزگار ہو۔ آج سے بس تم نمازیں پڑھنا شروع کر دو اور وہ بھی جماعت سے۔''

''سرکار کہیں سچ مچ نیک نہ ہو جاؤں۔'' وارث علی نے معنی خیز مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔

ایس پی نے اس کی بات سن کر ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

''ارے بھئی تمہارے خمیر میں ایسا کوئی ہنر نہیں ہے، تم جس راہ پر چل رہے ہو وہی تمہاری راہ ہے، تمہارے جیسے لوگ اتنی آسانی سے راہیں نہیں بدلتے۔ یار بال وال ٹھیک سے ڈائی کروالو، مونچھوں کی نوکیں کاٹو، مالش والش کرو۔'' ایس پی شریر انداز میں مسکراتے ہوئے وارث علی کو مشورے دے رہا تھا۔

''سرکار شریفوں کے گھر گئے ہوئے زمانے گزر گئے، بہت ڈر لگ رہا ہے۔ آپ تو ساتھ چلیں گے ناں؟'' وہ مصنوعی گھبراہٹ طاری کر کے بات کر رہا تھا۔

''یار ان پھولوں کی تو کچھ عزت کرو، ایک معمولی سے کام کے لیے میں اپنے جونیئر کے گھر جاؤں؟ اس کی بیٹی کے لیے رشتہ بھجوا رہا ہوں۔ اس کے لیے اس سے زیادہ کیا عزت کی بات ہوگی۔'' ایس پی نے اس کی بات سن کر اپنے کندھوں پر لگے ہوئے میڈل کی طرف اشارہ کیا۔

''تو پھر کیا مجھے اکیلے جانا ہوگا؟'' وارث علی نے اب سنجیدگی سے پوچھا۔ ''اماں تو ہے نہیں اور باقی گھر والے اب ساتویں شادی میں میرا ساتھ نہیں دیں گے۔''

''یار آہستہ آواز میں بات کرو، سنا نہیں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ ساتویں شادی بھئی تم نے سات شادیاں کی ہیں، بیوی ایک بھی نہیں ہے تمہارے پاس، سب کو فارغ کر دیا تم تو اکیلے ہو، تنہا بالکل ایسے ہی جیسے

کوئی کنوارا لڑکا۔ اپنے گھر والوں کو منانے کی کوشش کرو۔'' ایس پی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے آہستہ بولنے کے لیے کہا اور پھر خود بھی سرگوشی میں سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''کیسے سمجھاؤں، وہ سب تو مجھ سے بہت ناراض ہیں، کہتے ہیں تمہارا بس یہی کام ہے۔''

''ویسے یار گھر والے تمہارے کہتے تو ٹھیک ہیں، تمہارا یہی کام ہے کیا؟'' ایس پی نے دونوں کہنیاں ٹیبل پر جما کر وارث علی کی آنکھوں میں جھانکا اور شریر مسکراہٹ لیے بولا۔

وارث علی مسکرا کر ایس پی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے ماضی کے کچھ مناظر چل رہے تھے۔ آنکھیں اس کی ایس پی کے چہرے پر تھیں لیکن دماغ کہیں اور پھر ایک دم اپنے ہی دھیان سے چونک کر گویا ہوا۔

''سرکار ہم نے آج تک وہ شادی ہی کب کی ہے جو گھر بسانے کے لیے کی جاتی ہے ابھی تک ساری شادیاں کاروباری تھیں، کاروباری فائدہ ہوا مطلب نکلا شادی ختم ہوگئی اور پھر جتنے مطلبی ہم تھے اتنی ہی مطلبی وہ تھیں۔ جنہوں نے نکاح نامے پر اپنے خوب صورت ہاتھوں سے دستخط فرمائے تھے۔'' وارث علی کے لہجے میں صاف خباثت جھلک رہی تھی۔ ایس پی شیر زمان اس کی باتوں کو بہت انجوائے کر رہا تھا۔

''یار شادی تو تمہاری یہ بھی کاروباری ہے۔'' ایس پی شیر زمان نے کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''شیر زمان صاحب اس شادی سے فائدہ تو کافی لوگ اٹھائیں گے لیکن فی الحال الٹی چھری اس بکرے کی گردن پر چل رہی ہے۔'' اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن سب سے اونچی چھلانگیں بھی یہی بکرا مارے گا کیونکہ اصل بزنس تو تمہارا ہی ہے۔'' شیر زمان بولا۔

''چلو خیر مان لیتے ہیں اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ زندگی بھر تمہارا احسان یاد رکھیں گے۔ سر پولیس ڈیپارٹ منٹ میں اتنا زیادہ ایماندار بندہ ہونا ہی نہیں چاہیے۔ پتا نہیں کتنوں کے راستے کھوٹے کرتا ہے۔'' وارث علی کو اس کی ایمانداری کھل رہی تھی۔

''یار یہ شخص اتنے کارنامے انجام دے چکا ہے، اتنا زیادہ ہائی لائٹ ہو چکا ہے اپنی ایمانداری اور کارناموں کی وجہ سے کہ میں تو جبراً اس کا ٹرانسفر بھی نہیں کرا سکتا۔ میرے مخبر نے بتایا ہے کہ میرے سینئرز اس سے ڈائریکٹ انفارمیشن لیتے ہیں اگر ان کو ہمارے کاروبار کی ذرا بھی بھنک مل گئی تو ففٹی پرسنٹ حصہ ان کو پہنچانا

ہوگا۔اس لیے سینئرازسینئر۔ففٹی پرسنٹ اگران کو پہنچادیں گے تو ہماری اتنی محنت کرنے کا فائدہ کیا؟''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔بس اس ایماندار شخص کی بیٹی کو گھر میں آنے دیں پھر یہ شیر گیدڑ بن جائے گا۔ اپنے داماد کو اپنے ہی ہاتھوں کوئی پھانسی نہیں دلواتا۔کسی میں اتنا حوصلہ نہیں ہوتا۔''وارث علی نے شاہ زمان کی بات سن کر بہت اعتماد سے کہا تھا۔

ایس پی بھی آنے والے خوب صورت دنوں کے تصور میں کھو چکا تھا۔اسے چاروں طرف نیلے، ہرے، نئے،کورے کرنسی نوٹ بکھرے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

''وارث علی آنکھ کتنی ہی بڑی ہو، پلک سے بال ٹوٹ کر آنکھوں میں چلا جائے تو بہت تنگ کرتا ہے۔نکالو اس بال کو۔''

''آج ہی نکالتا ہوں سر......''وہ مودبانہ انداز میں کھڑے ہوکر بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اور ہاں سنو......عشا سے پہلے چلے جانا اس کے گھر اور اذان سن کر فوراً کھڑے ہو جانا کہ جماعت کا وقت ہوگیا ہے۔جماعت نکل جاتی ہے تو رات بھر نیند نہیں آتی۔''شیر زمان نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔

وارث علی نے اپنا دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر بڑی تابعداری سے سر جھکایا۔

''سر میں نے سبق یاد کرلیا۔نہیں بھولوں گا، اب مجھے اجازت۔''اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔''اور ہاں کیا یہ بھی بول دوں کہ مجھے جلدی ہے گھر جانے کی۔صبح نفلی روزہ بھی رکھنا ہے۔''ایس پی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''تمہاری صحت دیکھ کر اسے یقین نہیں آئے گا فی الحال نماز تک رکھو۔''یہ کہہ کر اس نے وارث علی کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی گرم جوشی سے دبایا۔

☆☆☆

فائزہ اور احمر دونوں بہن، بھائی گرم گرم پوپ کارن جو ابھی ابھی لے کر احمر گھر میں داخل ہوا تھا کھاتے ہوئے ایل سی ڈی پر ایک دلچسپ فلم دیکھ رہے تھے۔

فائزہ کیونکہ شروع سے دیکھ رہی تھی اس کی دلچسپی گہری تھی جبکہ احمر درمیان میں شامل ہوا تھا۔اس لیے ابھی تک وہ فلم کی طرف پوری طرح سے متوجہ نہیں ہو پایا تھا اور صرف فائزہ کی خاطر وہاں بیٹھ گیا تھا۔فلم دیکھنے کا موڈ ہی نہیں تھا اس لیے اس نے وہ بات شروع کردی جو بات کرنے کے لیے وہ موقع کی تاک میں تھا۔شبینہ اسے بہت منفرد اور آج کی لڑکیوں سے بہت مختلف دکھائی دی تھی۔وہ اسکول سے لے کر یونیورسٹی لیول تک کو ایجوکیشن میں ہی پڑھتا رہا تھا اور اس نے ان تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی تھی جہاں پوش ایریاز سے لوگ آتے تھے۔جن میں نوے فیصد بڑی فیملیز سے تعلق رکھتے تھے۔

''وہ فائزہ یار! ایک بات تو بتاؤ؟''اس نے فائزہ کی توجہ اسکرین سے ہٹانے کے لیے بڑے اہتمام سے بات شروع کی۔

''سن رہی ہوں بولیے ناں۔''

''وہ جو ایک دیہاتن سی لڑکی تمہارے ساتھ آئی تھی، وہ کہاں ملی تمہیں۔وہ تمہاری دوست کیسے بن گئی؟''اس نے فائزہ کو بالآخر چونکا ہی دیا تھا۔

''شبینہ کی بات کررہے ہیں بھائی کیونکہ وہی آئی تھی اس کے بعد تو میری کوئی دوست نہیں آئی۔''اس کی

توجہ فوراً اسکرین سے ہٹ گئی۔اس نے حیرت سے احمر کی طرف دیکھا تھا۔

”پتا نہیں بھئی وہ شبینہ ہی ہوگی، میں نے نام تو نہیں پوچھا تھا ناں۔بس دور سے ہی دیکھا تھا۔“

”تو آپ کو کیا مطلب ہے اس دیہاتن لڑکی سے؟“ فائزہ نے شریر انداز میں احمر کی طرف گھور کر پوچھا۔

”ارے نہیں، نہیں، مجھے کیا مطلب ہونے لگا۔بھئی، میں تو صرف دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔تمہاری تو ساری دوستیں ماڈرن ڈریسنگ کرتی ہیں اسے دیکھ کر ایسا لگا تھا جیسے کون سے گاؤں گوٹھ سے اٹھ کر آ گئی ہو۔“

فائزہ نے حیرت سے احمر کی طرف دیکھا۔

”کیوں، اس نے کون سے دیہاتی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔وہ تو یونیفارم میں تھی۔“

”ہاں۔لیکن چہرہ تو یونیفارم میں نہیں تھا ناں۔“ احمر نے کھسیا کر سر کھجاتے ہوئے کہا۔

”بی کیئر فل، پولیس افسر کی بیٹی ہے وہ۔“ فائزہ نے اب وارننگ کے انداز میں شریر مسکراہٹ چھپا کر احمر کی طرف گھورا۔

”اف......اف پ... پ پولیس یعنی کہ بادشاہوں کی اولاد ہے۔“ احمر نے خوفزدہ ہونے کی بھرپور کوشش کی اور جیسے ہکلاتے ہوئے بولا۔

”بادشاہوں کی نہیں صرف بادشاہ کی۔“ فائزہ نے زور سے احمر کے گھٹنے پر ہاتھ مارا۔

”مروا دیا......شکر ہے میں نے کوئی الٹی سیدھی کوئی بات نہیں کی اس کے سامنے۔پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے؟“ احمر نے اسی طرح اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

”پہلے پوچھا کیوں نہیں تھا؟“ فائزہ نے برجستہ کہا پھر ایک دم گھور کر بولی۔”بلکہ اب بھی کیوں پوچھا، کیا مسئلہ ہے، کیوں یاد کر رہے ہیں اسے؟“ احمر نے مسکرا کر فائزہ کے سر پر ایک چپت لگائی۔

”ارے بھئی میں کیوں پوچھنے لگا، میرا دماغ خراب ہے؟ وہ تو مجھے کافی مختلف لگی اس لیے پوچھ لیا۔بھئی چینج نظر آیا تھا ناں۔“ فائزہ نے اب لمبی سی ہوں، منہ سے نکالی تھی پھر مسکرا کر احمر سے پوچھنے لگی۔

”ویسے بھائی کیوٹ تو ہے ناں؟“ احمر نے فوراً اپنے ہاتھوں سے کانوں کی لوؤں تک کو چھوا۔جیسے توبہ تلّا کر رہا ہو۔

”میں کچھ نہیں بولوں گا، یار اس کا باپ پولیس افسر ہے، مجھ پر تم نے اچھی خاصی دہشت بٹھا دی ہے۔“ احمر کی ایکٹنگ دیکھ کر فائزہ زور زور سے ہنسنے لگی۔اس کے ساتھ احمر بھی ہنس دیا تھا۔

☆☆☆

سہراب خان کی دی ہوئی ڈائمنڈ کی انگوٹھی رابی کی درمیانی انگلی میں چمک رہی تھی اور وہ بہت غور سے انگوٹھی کی طرف دیکھ رہی تھی۔جانے کس دھیان میں تھی کہ اسے کمرے میں گل جان کی آمد کا بھی پتا نہیں چلا۔گل جان اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی دیکھ رہی تھی۔رابی بہت غور سے انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔رابی کے چہرے کے تاثرات تو وہ سمجھ نہیں پائی لیکن اسے تھوڑا تجسس ضرور ہوا۔

”رابی انگوٹھی کو اتنی غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟“ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے رابی کے قریب آئی اور بڑی نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔رابی ایک دم چونک پڑی۔اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

”او خالہ جان! ارے آپ کب آ گئیں مجھے تو پتا ہی نہیں چلا!“

”کس دھیان میں ہو، یوں لگتا تھا جیسے تم کہیں دور پہنچی ہوئی ہو، کیا سوچ رہی تھیں؟“ رابی نے ایک گہری

سانس لی اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ انگوٹھی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بہت خوب صورت انگوٹھی ہے، اتنی خوب صورت انگوٹھی کہ بس جو بھی دیکھے تو دیکھتا رہ جائے۔ آپ نے دیکھی ہے؟'' رابی نے اپنا ہاتھ اونچا کر کے انگوٹھی گل جان کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔

''ہاں، بی بی جان نے دکھائی تھی مجھے...... بہت خوب صورت ہے اور بہت قیمتی بھی۔''

''خالہ جان! اتنے سارے ڈائمنڈز لگے ہیں اس میں، قیمتی تو لازمی ہوگی۔ ویسے میں نے سنا ہے اگر ہیرا پیٹ میں چلا جائے یا ہیرے کی کنی بھی پیٹ میں چلی جائے تو بندہ فوراً مر جاتا ہے۔''

''خبردار آئندہ ایسی بات مت کرنا۔ دیکھو بیٹا تم کوئی الٹی سیدھی حرکت مت کر بیٹھنا۔'' گل جان نے فوراً خوفزدہ ہو کر رابی کی شکل دیکھی۔ وہ اس کے لہجے سے کچھ نہیں سمجھ پائی تھی۔

''توبہ توبہ خالہ جانی، آپ تو ڈر رہی ہیں، خودکشی تو بزدل لوگ کرتے ہیں اور میں بزدل نہیں ہوں۔'' رابی ایک دم سے ہنس دی۔

''شاباش، بیٹا جینے کے لیے ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی کسی کے لیے بھی آسان نہیں ہے، ہر انسان کی زندگی کے امتحان مختلف ہوتے ہیں۔'' گل جان نے جیسے سکون کی گہری سانس لی۔

''میں تو انگوٹھی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوں، سہراب خان نے میری کتنی عزت افزائی کی ہے، کتنی قیمتی انگوٹھی لے کر آیا میرے لیے...... آگے تو پتا نہیں کیا کیا انتظامات کیے ہوں گے۔ اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں۔'' رابی بول رہی تھی اور گل جان آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ رابی نے جیسے گل جان کی فلسفیانہ بات یکسر نظر انداز کر دی تھی۔

''رابی بیٹا کیا واقعی تم بہت خوش ہو؟'' اسے جیسے یقین نہیں آرہا تھا۔ رابی گل جان کی بات سن کر جیسے ہنس دی۔

''خالہ جانی اتنی خوش ہوں کہ میں بتا نہیں سکتی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ دل کھول کر قہقہے لگاؤں، ہر کسی کو بتاؤں کہ مجھے دیکھو کہ میں کتنی خوش ہوں، اتنی خوش ہوں کہ مجھے سمجھ ہی نہیں آرہی کہ آخر میں اتنی خوش کیوں ہوں۔'' ہنستے ہنستے رابی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ گل جان نے تڑپ کر رابی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

''مجھ سے تو سچ بولو بیٹا۔ میں تو تمہاری بات دیواروں سے بھی نہیں کرتی۔ بیٹا میرے سامنے یہ سب کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے...... میرے سامنے تو صرف اپنے دل کی بات کیا کرو، مجھے تو تمہاری ہنسی سے بہت خوف آرہا ہے۔'' رابی جبراً گل جان کے سینے سے الگ ہوئی اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں خالہ جانی، میں بہت خوش ہوں، میری ماں سے زیادہ میری خوشی کا خیال کوئی رکھ ہی نہیں سکتا۔ میں نے یقین کر لیا۔'' گل جان دم بخود سی رابی کی شکل دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت الجھ گئی تھی۔ رابی کے لب و لہجے میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کی صداقت اور سچائی پر گل جان آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی۔ رابی نے تو اسے بری طرح الجھا دیا تھا۔

☆☆☆

صابرہ گہری نیند سو رہی تھی لیکن جابر علی جاگ رہا تھا وہ کئی مرتبہ اپنے بستر سے اٹھا خود ہی اپنی عادت کے برخلاف جگ میں سے پانی نکال کر گلاس میں ڈالا اور پیا۔ گلاس رکھنے کے بعد اس نے پھر ایک ٹہل لگائی اور اس کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں صابرہ سو رہی تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا اور صابرہ کی طرف بڑی گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔ جیسے سوچ رہا ہو کہ اتنی گہری نیند سوئی ہوئی بیوی کو اٹھائے یا رہنے دے۔ اس کے ذہن

میں آج ایس پی سے ملاقات کی پوری فلم چل رہی تھی۔ وہ آمادہ ہونے کے باوجود الجھا ہوا تھا۔ اسے ایک اندیشہ ستا رہا تھا کہ لڑکے کی عمر زیادہ ہے شاید صابرہ اس بات پر احتجاج کرے...... یا سننے سے انکار کر دے، ویسے تو اسے خود پر یقین تھا کہ وہ اپنی بات منوا لیتا ہے لیکن پہلی بار اسے صابرہ کی اہمیت کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ ماں ہے، اپنی بیٹی کے لیے اس کے سامنے کھڑی ہو سکتی ہے، اس سے لمبی لمبی بحث کر سکتی ہے۔ اب وہ وقت نہیں رہا۔ جہاں وہ صابرہ کو طلاق کی دھمکی دے کر خاموش کر کے ایک کونے میں بٹھا دے۔ اب وہ جوان بیٹے کی ماں تھی اور اس نے محسوس کیا تھا برہان اپنی ماں پر تنقید پسند نہیں کرتا۔ ایک دو بار اس نے لب کشائی بھی کی...... بس اسی وجہ سے وہ بہت زیادہ الجھا ہوا تھا...... سوچتے سوچتے جب دماغ شل ہو گیا تو بالآخر اس نے صابرہ کو جگانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ وہ صابرہ کے قریب آیا۔ اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے کندھے کو چھونا چاہا پھر ایک دم سیدھا ہو گیا...... اور وال کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ شبینہ اور ستارہ تو یقیناً سو چکی ہوں گی لیکن برہان ضرور جاگ رہا ہوگا اگر صابرہ نے بحث شروع کی تو یقیناً برہان بھی آسکتا ہے اور وہ چاہتا تھا کہ دونوں میاں بیوی کی بات چیت کے دوران برہان مداخلت نہ کرے، وہ چند لمحے اسی طرح کھڑا رہا پھر جیسے اپنا ارادہ خود ہی بدل ڈالا اور تھکے تھکے انداز میں اپنے بستر کی طرف چل دیا۔

آج کا دن پھر گزر گیا تھا اور رات بھی گزرنے والی تھی۔

☆☆☆

انتہائی رات گزر چکی تھی۔ ڈاکٹر مہر جان کے سر میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ انہوں نے ٹیبلٹ کھانے کے بجائے گل جان کو اپنے کمرے میں بلوایا۔

''گل جان میرے سر میں بہت اچھا سا مساج کرو۔ پتا نہیں کیوں لگ رہا ہے جیسے دماغ پھٹ جائے گا۔'' گل جان تو یہ سنتے ہی لشتم پشتم دوڑی ہیئر ٹانک کی شیشی اٹھا لائی تھی اور بہت پیار سے مہر جان کے سر میں مساج کرنے لگی۔ اس نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی تھی، یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ کیا آج کام بہت زیادہ تھا جس کی وجہ سے سر میں آج شدید درد ہے۔ وہ بالکل گونگی، بہری بنی تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔

''تم مساج کرتی ہو گل جان تو میرے روم روم میں ایک تراوٹ سی اتر جاتی ہے۔ تم سے اچھا مساج تو کوئی کر ہی نہیں سکتا۔'' ڈاکٹر مہر جان نے بالآخر گہری خاموشی کو توڑا۔

''بہت بہت شکریہ بی بی جان۔'' گل جان بس یہی کہہ سکی اور پھر خاموش ہو گئی۔

''گل جان میں اب بہت ہلکی پھلکی ہو چکی ہوں، میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے، نہ جانے پھر بھی کیوں سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''آپ کسی دن بہت زیادہ تھک جاتی ہیں اور مصروفیت کی وجہ سے کھانے پینے کا خیال بھی نہیں رکھتیں۔ اس وجہ سے سر میں درد ہو جاتا ہوگا۔'' دونوں بہنوں کے درمیان پھر ایک بے معنی سی خاموشی حائل ہو گئی رات کے اس پہر گل جان اپنی طرف سے کوئی بات چھیڑنے یا کہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی کیونکہ مہر جان کے موڈ کا دم بھر کا بھروسا نہیں تھا۔ ایک دم سے ایسا پلٹا کھاتی تھیں جیسے اچانک سورج گرہن کے باعث رات ہو گئی ہو اور روشن چمکتا دن پلک جھپکتے میں غائب ہو گیا ہو۔

''گل جان!'' مہر جان نے اس کو بڑی کھوئی کھوئی سی کیفیت میں مخاطب کیا۔

''جی بی بی جان۔'' گل جان کے انداز میں بہت احتیاط تھی۔

''یہ تم ہروقت ایسی کیوں نظر آتی ہو، جیسے بہت سارا رو کر اپنے کمرے سے نکلی ہو، کیا واقعی تم ہروقت روتی رہتی ہو؟'' گل جان کے ہونٹوں پر بڑی اداس سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''بی بی جان وہ کہاوت ہے ناں کہ روتے کیوں ہو، کہا صورت ہی ایسی ہے، ایسی کوئی بات نہیں، ہم آپ کی خوشی میں خوش ہیں۔'' ڈاکٹر مہر جان نے ایک دم گردن گھمائی اور بڑی شک بھری نظروں سے بہن کو دیکھا

''ہم، ہم سے کیا مطلب ہے تمہارا؟'' گل جان ان کے انداز پر ایک دم ٹپٹا گئی۔

''وہ میرا مطلب ہے میں اور رابی ٹھیک ہیں، خوش ہیں، آپ کو بھی اندازہ ہو گیا کہ اب رابی بالکل سیٹ ہو چکی ہے اور جیسا آپ چاہ رہی ہیں وہ اس پر خوش ہے۔''

ڈاکٹر مہر جان اسی طرح گردن موڑے ہوئے گل جان کو بڑی حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہیں۔ ''یہ تم ایک دم سے رابی کا ذکر بیچ میں کیوں لے آئیں، میں نے تو رابی کی کوئی بات نہیں کی۔''

''وہ میں آپ کو تسلی دینا چاہ رہی تھی ریلیکس کرنا چاہ رہی تھی تاکہ آپ کو اطمینان ہو جائے کہ رابی نے آپ کا فیصلہ بڑی خوشی سے قبول کر لیا ہے۔'' گل جان نے جلدی سے گھبرا کر وضاحت کی...... مہر جان کے چہرے پر گہری سوچ کے تاثرات نمایاں ہو گئے۔ پیشانی پر موجود موہوم سی لکیریں گہری ہو گئیں۔

''لیکن گل جان جانے کیا بات ہے، رابی کا خوش ہونا مجھے خوش نہیں کر رہا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی بی بی جان؟'' گل جان جیسے ایک دم سے بھونچکا سی رہ گئی۔

''بھئی سیدھا سا مطلب ہے یہ جو ایک دم سے رابی کے اندر تبدیلی آئی ہے وہ بڑی پُراسرار لگ رہی ہے۔ میرا مطلب ہے حیران کن لگ رہی ہے۔ کہاں تو وہ ہتھے سے اُکھڑی ہوئی تھی۔ کہاں بالکل جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ یقین کرو آج جب میں اسے شاپنگ کے لیے لے کر گئی اس نے اتنی خوشی سے آگے بڑھ بڑھ کر اپنے لیے ڈریسز اور میچنگ کی چیزیں سلیکٹ کیں کہ میں خوش ہونے کے بجائے حیرت زدہ ہو رہی تھی۔'' مہر جان الجھے الجھے لہجے میں بولتی جا رہی تھیں اور گل جان اندر ہی اندر واقعی پریشان ہو رہی تھی لیکن اس نے پھر بھی وہ بات کی جو اس کے دل میں نہیں تھی اور مہر جان کو بہلانے لگی۔

''تو بی بی جان یہ پریشان ہونے والی بات تو نہیں ہے، یہ تو خوشی کی بات ہے کہ رابی کو آخر یقین آ گیا کہ آپ اس کی بہتری چاہتی ہیں۔ جو کچھ کر رہی ہیں اس میں اُسی کا بھلا ہے۔''

''ہاں لیکن اس خوشی کے بیچ کچھ کچھ ہے، بس مجھے کچھ محسوس ہو رہا ہے میں اسے الفاظ نہیں دے پا رہی۔'' مہر جان اسی طرح کھوئی کھوئی کیفیت میں گویا ہوئیں۔

گل جان اب کچھ نہیں بولی تھی کیونکہ اس کی خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بڑی بہن کی اس بات کے جواب میں کیا کہے۔ مہر جان نے چند لمحے توقف کے بعد پھر متوجہ کیا۔

''گل جان تمہیں ایک بات بتاؤں......''

''جی بی بی جان۔'' وہ بڑے احترام سے بولی۔

''تمہیں پتا ہے میں رابی کے نکاح پر اس کے باپ کا کیا نام لکھواؤں گی؟'' گل جان جیسے پتھر کی بن گئی تھی۔ بات کرنے کے قابل نہیں رہی تھی...... چند لمحے گہرا سناٹا طاری رہا۔ وہ مہر جان کی طرف ٹکٹکی باندھے سہمی سہمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

جاری ہے

امانت

رفعت سراج

قسط 4

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا۔ دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

www.paksociety.com

”اس کے نکاح نامے میں باپ کے خانے میں بنتِ آدمؑ لکھواؤ، آخر سب لوگ آدمؑ کی ہی اولاد ہیں۔“ مہر جان یہ کہہ کر گل جان کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ یہ ایسی مسکراہٹ تھی جس کو سہنا، برداشت کرنا ایسا ہی تھا جیسے پُل صراط پر چلنا۔

”ارے، تم تو بالکل خاموش ہوگئیں، تمہیں میری یہ بات پسند نہیں آئی۔ بھئی ڈاکٹر مہر جان کی بیٹیاں ہیں، ان کے لیے مہر جان کا نام ہی کافی ہے۔ جس باپ کو انہوں نے دیکھا نہ سنا اس کا ذکر کرنے سے بھی کیا فائدہ ؟“

”بی بی جان یہ کان تو مرتے دم تک کُھلے رہیں گے۔ زبان کاٹ کر پھینک دی ہے آپ کی بات کے سامنے میری کوئی بات نہیں۔“ گل جان نے جھکی ہوئی نظریں آہستہ سے اٹھائیں اور مہر جان کی طرف دیکھ کر بولی۔

”ہاں ظاہری بات ہے۔“

”بھئی دیکھو ناں، میں نے تو بچپن سے لے کر آج تک ان کو باپ کے ذکر سے دور ہی رکھا ہے اور ایسے باپ کا ذکر کرنے کا کیا فائدہ اگر غلطی سے بچیوں کو پتا چل جائے تو وہ باپ کے نام سے ہی شرمندہ ہونے لگیں۔“ مہر جان بڑی معنی خیز سے انداز میں مسکرائیں اور گردن ہلانے لگیں۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بی بی جان، بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، میں ذرا سالن دیکھ لوں کہیں جل نہ جائے۔ محرم خان کو آپ نے کسی کام سے بھیجا ہوا ہے ؟“ گل جان اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

”ہاں، ہاں ہانڈی جلنی نہیں چاہیے، دل کا کیا ہے اس کمبخت کو تو جلنا ہی راس آگیا ہے، جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔“ گل جان آہستہ قدموں سے کچن کی طرف بڑھنے لگی۔

مہر جان گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھیں...... ان کی آنکھوں میں عجیب سا ایک خالی پن تھا، یوں جیسے وہ ماحول سے اب کٹ سی گئی تھیں اور اُن کا ذہن کہیں دور پہنچا ہوا تھا۔

☆☆☆

”آج تو آپ بہت جلدی گھر آگئے اور آتے ہی سو گئے تھے۔ کیا رات کو پھر ڈیوٹی پر جانا ہے؟“ صابرہ، جابر علی کا یونیفارم ہینگر کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ جابر علی ابھی ابھی نیند سے جاگا تھا۔ وہ بھی شاید صابرہ نے الماری کھولی تھی تو کھٹکے سے اس کی آنکھ کُھل گئی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس طرح سے سر جھٹکنے لگا۔ جیسے نیند کا تاثر مٹانے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس نے دو چار لمبی لمبی جمائیاں لیں اور منہ پر ہاتھ رکھ کر صابرہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”نہیں ڈیوٹی پر تو نہیں جانا ہے، بس تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے، موقع ہی نہیں مل پاتا، رات کو دیر اتنی ہو جاتی ہے سوچتا ہوں کل کرلوں گا۔“ جابر علی الجھے الجھے انداز میں خود کلامی کر رہا تھا۔

صابرہ نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا کیونکہ لہجہ بھی آج بدلا ہوا تھا اور آواز بھی آہستہ تھی جو اس گھر میں ایک بہت غیر معمولی واقعہ تھا۔

”خیریت تو ہے، کیا بات ہے جو آپ اتنی سوچ بچار کر رہے ہیں؟“ صابرہ الماری کا پٹ بند کر کے جابر علی کے قریب چلی آئی...... جو ابھی تک یونیفارم کی پینٹ اور بنیان میں ملبوس تھا۔ آتے ہی لیٹ گیا تھا اور نیند آگئی تھی یوں بھی اس پُرآشوب دور میں ایک ایماندار پولیس آفیسر کی نیندیں کہاں پوری ہو سکتی ہیں۔

”اِدھر میرے پاس بیٹھو اور میری بات بہت صبر و تحمل سے سننا۔ شور مچا کر اپنی اولاد کو اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں، یہ صرف میری اور تمہاری بات ہے۔“

جابر علی نے تمہید باندھی تو صابرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے سہمی سہمی نظروں سے جابر علی کی طرف دیکھا...... طرح طرح کے اندیشے اسے ستانے لگے۔ ”اولاد سے چُھپ کر بات ہو رہی ہے، اللہ رحم کرے، ایسی کیا انہونی ہوگئی کیا خاص بات کرنے لگے ہیں۔“ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

”آپ کہیں، میں سن رہی ہوں۔“ صابرہ نے جیسے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا کہ وہ جابر علی کو بہت صبر سے سنے گی اور حتی الامکان کوشش کرے گی کہ اس کی کسی بات سے جابر علی غصے میں نہ آئے۔

جابر علی نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹیبل پر رکھی سگریٹ کی ڈبیا سے سگریٹ نکال کر سلگائی، دو چار کش لیے فضا میں دھواں بکھیرا اور کن انکھیوں سے بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔ صابرہ ہمہ تن گوش تھی۔

”وہ...... میں شبینہ کے رشتے کی بات کر رہا ہوں۔“ جابر علی، صابرہ کے قریب آیا۔ وہ بہت ہی آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا...... صابرہ نے گردن اٹھا کر جابر علی کو یوں دیکھا جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا ہو، ایک دم سے اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک نظر آنے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے بے اختیار کھڑی ہوئی تو جابر علی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ صابرہ پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی...... جابر علی دو تین کش لگا کر دھواں اُڑا کر خود بھی پھر صابرہ کے برابر میں بیٹھ گیا۔

”یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔ آپ نے بہت اچھا سوچا۔ جوان بیٹی جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔“ صابرہ بڑی بے تابی سے جلدی جلدی اپنے دل کی بات کہنے لگی۔

جابر علی نے ہاتھ اٹھا کر اسے جیسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ”ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی صابرہ...... لڑکا بہت اچھا ہے، دین دار ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اور لوگ اس کی شرافت کی بہت تعریف کرتے ہیں اور کیا چاہیے ہمیں، دین کے بغیر کیا دنیا...... آج کل کے زمانے میں دین دار داماد ملنا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔“ جابر علی نے اب جیسے اپنی بات مکمل کی اور صابرہ کی طرف سے کسی جواب کی توقع کرنے لگا۔

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، جو دین دار ہوتا ہے۔ اس میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور جس میں اللہ کا خوف ہوتا ہے وہ زیادتی نہیں کرتا، اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔“ صابرہ کو تو جیسے خوشی کے مارے الفاظ نہیں سوجھ رہے تھے ایک عجیب شادیِ مرگ کی کیفیت اس پر طاری ہوگئی۔

”ہاں پڑھا لکھا ہے، پیسے والا ہے لیکن......!“ جابر علی یہاں تک کہہ کر رک گیا تھا۔ اس لیکن نے صابرہ کو نئے سرے سے اندیشوں کے طوفان میں لا کھڑا کیا تھا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکنے لگا۔ بے ساختہ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جابر علی کی طرف دیکھا۔

”لیکن کیا......؟ بولیں ناں، بات تو مکمل کریں رک کیوں گئے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔

”بات یہ ہے کہ صابرہ لڑکے کی عمر اور شبینہ کی عمر میں خاصا فرق ہے، اب تم ماں ہو، ماں اپنے حساب سے سوچتی ہے۔“

”کتنا فرق ہے......؟“ صابرہ کی آواز اندیشوں کے طوفان میں ڈوب ڈوب گئی۔

”یہی کوئی پندرہ یا بیس سال کا......“ اب تو صابرہ کو جیسے بری طرح کسی ان دیکھے بچھو نے ڈنک مارا تھا، بدک کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“ صابرہ بہت پریشان کُن کیفیت میں جابر علی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”پندرہ، بیس سال بڑا لڑکا...... وہ تو پورا آدمی ہوا، کیا دوسری شادی کر رہا ہے؟“ صابرہ نے اپنی آواز

دبالی کیونکہ تینوں بچے گھر پر ہی تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس بے نتیجہ بات چیت کی وجہ سے فضول میں کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے۔ اتنا سنتے ہی دل نے انکار تو کر ہی دیا لیکن ابھی بات ادھوری تھی۔ جابر علی کی طرف سے کوئی جواب آنا تھا۔ اب وہ خود مزید بات کرنے کا جذبہ بھی کھو چکی تھی۔ بڑی بے دلی سے اپنی جگہ کھڑی تھی۔

''بھئی مرد کی عمر بھی کسی نے دیکھی ہے، وہ کہتے ہیں ناں کہ مرد تو ساٹھا پاٹھا...... ساٹھ سال کا نہیں ہے، اب اپنا ہم عمر داماد تو بنانے سے رہا بے وقوف عورت، بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ عورت ذات کی یہ بے عقلی کی انتہا ہے، آدھی بات سن کر بری طرح شروع ہو جاتی ہے۔'' جابر علی، صابرہ کے بے ساختہ اعتراض پر تلملا کر رہ گیا۔

''کمال کرتے ہیں آپ...... بیٹی ہے آپ کی، آپ سے زیادہ بہتر کون سوچ سکتا ہے لیکن بیس، اکیس سال کی بیٹی کو آپ چالیس، بیالیس سال کے آدمی سے بیاہنے جا رہے ہیں۔ اب ایسی بھی مجبوری نہیں۔ ابھی تو رشتے آنا شروع ہوئے ہیں، اللہ نے چاہا تو اس کے نصیب سے اس کے جوڑ کا کوئی مل ہی جائے گا۔ اب مجھے اتنی بھی جلدی نہیں ہے۔'' صابرہ نے گویا حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔ جابر علی، صابرہ کا یہ فیصلہ کن انداز دیکھ کر جیسے غصے سے ناچ ناچ گیا۔ ایک تو یہ اس کی عادت کے خلاف بات ہوئی کہ اس نے بات مکمل کی اور سامنے والے نے فوراً فیصلہ صادر بھی کر دیا۔

''او بھئی کوئی آج ہی نکاح نہیں ہو رہا ہے، تم اس لڑکے کو دیکھ لو...... جب تک تم اس لڑکے کو نہیں دیکھو گی۔ تمہاری بیٹی کی بات پکی نہیں ہو گی ....'' جابر علی کے اس جملے نے گویا سوکھے دھانوں پر پانی چھڑک دیا۔ اسے ایک ہلکی سی امید نے پھر توانائی فراہم کرنا شروع کر دی۔ اس نے جابر علی کی طرف دیکھ کر بس اتنا کہا۔

''میں اس پر غور کروں گی لیکن آپ یاد رکھیے کہ میں آپ کے بچوں کی ماں ہوں، ان بچوں پر کچھ میرا بھی حق ہے۔ آپ اس لڑکے سے ملا دیجیے جو میرے حساب سے تو مرد ہے لیکن آپ کے حساب سے لڑکا ہے، دیکھ لیتی ہوں کیونکہ دیکھے بغیر میں نے انکار کیا تو شاید پھر......'' صابرہ یہاں تک بولتے بولتے رک گئی۔ صابر علی کی بھی جیسے سانسیں بحال ہو گئیں۔ اس نے اپنی تابعدار، فرنبردار اور شکر گزار بیوی کی طرف دیکھا اور اس کا دل اسے حوصلہ دینے لگا۔

''اس عورت نے ہمیشہ میری بات مانی ہے، ابھی نیا نیا معاملہ ہے، سنتے ہی بدک گئی ہے، آہستہ آہستہ رام ہو جائے گی۔ میرے خلاف کیوں چلے گی۔ آخر زندگی تو اسے میرے ساتھ گزارنی ہے۔'' وہ سوچ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، آپ اپنی مرضی سے کوئی دن طے کر لیں اور ہمیں ملوا دیں۔''

''ہمیں...... ہمیں کیا مطلب......؟'' جابر علی نے ایک ابرو چڑھا کر صابرہ کو گھورا۔

''وہ میرا مطلب ہے کہ مجھے اور برہان کو...... ظاہر ہے جوان بھائی ہے اس کا بھی تو حق بنتا ہے۔ اس کے مشورے کی بھی تو اہمیت ہے۔ آنے والے دنوں میں وہ آپ کا بازو ہے۔''

صابرہ کے انداز میں جیسے التجا تھی...... وہ پل پل محتاط تھی، کہیں غلطی سے بھی منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے کہ جابر علی جو اس وقت بہت پرسکون ہو کر بیٹھا ہوا ہے پھر اپنے اصل پر لوٹ آئے۔

''ہاں، ہاں ٹھیک ہے، یہ بھی کوئی مجھے بتانے کی بات ہے، بیٹے کو نہیں ملواؤں گا تو کیا محلے والوں کو ملواؤں گا۔ پتا ہے مجھے کیا کرنا ہے، کیا کرنا چاہیے مجھے اور کیا نہیں...... جاؤ ذرا میرے لیے ایک کپ گرم گرم چائے لے آؤ۔''

صابرہ کی جیسے جان چھوٹی وہ اب مسلسل سوچنا چاہتی تھی، جابر علی کے ادا کیے ہوئے ایک، ایک لفظ کو کئی بار اپنے ذہن میں دُہرانا چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اب بات شروع ہو گئی ہے اور آگے معاملہ بات سنبھالنے کا

ہے، وہ اس کے لیے چائے بنانے باہر نکل گئی۔

جابر علی نے تنی ہوئی ابرو کے ساتھ اسے جاتے ہوئے دیکھا اور یوں مسکرا دیا جیسے بیوی پر ہنس رہا ہوں اور دل ہی دل میں کہہ رہا ہو...... ''اس بے چاری کی اوقات ہی کیا ہے۔''

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ ان کے چہرے سے لگتا تھا جیسے وہ کوئی گتھی سلجھا رہی ہوں۔ اپنے آپ سے بے خبر کسی اور جہان میں کھوئی ہوئی...... دروازے پر دستک ہوئی تو وہ یوں چونک پڑیں جیسے کہیں دور سے پلٹ کر آئی ہوں۔

''ہاں کون اصیل خان......؟ آ جاؤ اندر......'' مہر جان نے اس الجھی، الجھی کیفیت میں کہا تھا۔ دروازہ کھلا...... اصیل خان اندر داخل ہوا، اپنے مخصوص انداز میں دونوں ہاتھ ناف پر باندھے ہوئے سر جھکائے ہوئے۔ مہر جان نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور سر کو یوں جھٹکا دیا...... جیسے وہ خیالات کے طوفان سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی کیفیت ابھی تک ایسی تھی جیسے وہ اپنے ماحول میں موجود نہیں۔

''آپ نے یاد فرمایا بیگم صاحبہ؟'' اصیل خان نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''ہاں، ہاں اصیل خان تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں، یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ رابی کی تاریخ طے ہو گئی ہے، میرے سر پر بہت کام ہیں، اسپتال میں بھی دو ڈاکٹروں کے جانے کے بعد بڑا برڈن آ چکا ہے، مینج کرنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''آپ حکم کیجیے......'' اصیل خان نے ایک نظر مہر جان کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

مہر جان نے اصیل خان کی طرف دیکھے بغیر اپنا رخ موڑ لیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے بیڈ کی طرف بڑھیں۔

''سہراب خان کی طرف کے اور ہماری طرف کے ملا کر کل پندرہ سو مہمان ہوں گے، یہ اس شہر کی ایک بہت بڑی شادی ہو گی۔ سن رہے ہو اصیل خان......؟'' بولتے بولتے مہر جان نے اسے مخاطب کیا...... جو سر جھکائے ہمہ تن گوش تھا بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے تو اپنی سانس تک روکی ہوئی ہے۔

''وہ میں سوچ رہی ہوں کہ ڈنر بھی بہت شاندار ہونا چاہیے کچھ ڈفرنٹ ہونا چاہیے۔ سہراب خان کے ساتھ تو زیادہ لوگ نہیں ہوں گے۔ ایسے ہی ہوں گے پندرہ بیس یا زیادہ سے زیادہ پچاس...... اصل میں تو ہمارے مہمان ہیں۔''

مہر جان بول رہی تھیں۔ اصیل خان اسی طرح ساکت وصامت سر جھکائے سن رہا تھا۔ مہر جان پھر کسی خیال میں کھو گئیں۔

اصیل خان ان کے ہم کلام ہونے کا منتظر تھا۔

سوچتے سوچتے مہر جان نے سر اٹھایا...... اور پلٹ کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔

''وہ کل سہراب خان کی طرف سے دو بندے آئیں گے، میرا مطلب یہ ہے کہ جو دلہن کے تحائف وغیرہ ہوتے ہیں جسے عام طور پر بری کہا جاتا ہے، وہ لے کر آئیں گے۔ شاید میں کل وقت پر گھر نہ پہنچوں تو میری غیر موجودگی میں وہ سارا سامان سنبھالنا...... حفاظت سے رکھنا تمہاری ڈیوٹی ہو گی...... کیونکہ وہ اپنے ساتھ ایک بریف کیس بھی لائیں گے۔ جس میں صرف جیولری ہو گی......'' انہوں نے خاصی تفصیل سے بتایا۔

''جی بیگم صاحبہ آپ فکر نہیں کریں، وہ میں سنبھال کر رکھ دوں گا۔''

"میں بہت خوش ہوں اصیل خان...... میرا بہت بڑا مسئلہ حل ہوگیا۔" مہر جان کھوئی کھوئی کیفیت میں بولنے لگیں۔ "میں سوچا کرتی تھی کہ میں اس شہر میں اتنا نام اتنی عزت بنا چکی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے اپنی بیٹیوں کی شادی چوروں کی طرح کرنی پڑے لیکن قدرت کو مجھ پر رحم آگیا۔ اس نے انتظام کر ہی دیا...... تم دیکھنا میں رابی کی شادی کتنی دھوم دھام سے کروں گی۔ سارا شہر اس شادی کو مدتوں یاد رکھے گا۔ میری بیٹی اتنی شاندار دلہن بنے گی کہ لوگ دیکھ کر واہ واہ کریں گے۔" یہ کہہ کر مہر جان نے اصیل خان کو سر سے پاؤں تک جیسے نظروں ہی نظروں میں تولا۔

اصیل خان کا سر اتنا زیادہ جھکا ہوا تھا کہ وہ اس کے چہرے کے تاثرات ٹھیک سے دیکھ نہیں سکتی تھیں۔ البتہ اس نے مہر جان کی ساری بات سن لینے کے بعد جی ضرور کہا تھا۔

"سہراب خان کا رشتہ قبول کر کے مجھے بہت سہولت ہوگئی ہے۔ اصیل خان میں رابی کے نکاح نامے پر اس کے باپ کا نام نہیں دے رہی کیونکہ میں نہیں چاہتی زندگی کے اس موڑ پر میری بیٹیوں کو کوئی ذہنی دھچکا لگے۔ میں اس کے باپ کے خانے میں بنتِ آدمؑ لکھواؤں گی۔ آخر ہم سب آدمؑ ہی کی تو اولاد ہیں۔ کیوں ٹھیک ہے ناں اصیل خان......؟" بولتے بولتے مہر جان کے لہجے میں خنجر کی سی کاٹ ابھری تھی۔ ایسی کاٹ جو ہر کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا...... اصیل خان بھی جیسے اپنی جگہ تڑپ کر رہ گیا تھا مگر وہ اسی طرح پتھر کا بت بنا خاموش کھڑا رہا۔

"ٹھیک ہے ناں اصیل خان کوئی مسئلہ تو نہیں ہے، لوگوں کو اعتراض تو نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اعتراض ہونا تو نہیں چاہیے کیونکہ اس ملک میں تو بڑے سے بڑا کام...... میرا مطلب ہے دو نمبر کام اتنی آسانی سے ہو جاتا ہے، جتنی آسانی سے ایک نمبر نہیں ہوتا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟" مہر جان نے ایک شیشی اٹھائی اس میں سے ایک ٹیبلیٹ نکال کر منہ میں رکھی اور پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

اصیل خان اسی طرح سے ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا تھا...... مہر جان نے ٹیبلیٹ نگلنے کے بعد گلاس رکھنے سے پہلے اصیل خان کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی نظر کی کیفیت بدل گئی۔ ان کی آنکھوں میں جیسے درندوں کی سی سفاکی تھی۔

اصیل خان نے اب جی بھی نہیں کہا تھا...... یوں خاموش ہوگیا تھا جیسے کسی نے زبان ہی کاٹ کر پھینک دی ہو۔

"تم بولتے کیوں نہیں اصیل خان...... کیوں اتنی خاموشی سے سنتے رہتے ہو...... جانور تو نہیں ہو انسان ہو، میں تم سے اتنی باتیں کر جاتی ہوں تمہارے پاس میری کسی بات کے جواب میں کوئی بات نہیں ہوتی......؟" مہر جان کی آنکھوں کی سفاکی ایک پل میں اُن کے لہجے میں اتر آئی۔

"بیگم صاحبہ کس کی مجال ہے کہ آپ کے سامنے آپ کی بات کے سامنے اپنی بات کرے۔ آپ مجھ نوکر کو اتنی اہمیت دیتی ہیں کہ اپنی ساری باتیں مجھ سے کرتی ہیں، یہ تو آپ کا بڑا پن ہے، آپ کا ظرف ہے اور آپ کے ظرف کو تو شک کی نگاہوں سے تو دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ آپ نے تو وہ کچھ کیا جو مردوں کے بس کی بات بھی نہیں۔" اصیل خان نے جیسے خوفزدہ ہو کر نظریں اٹھائیں اور گہری سانس لے کر بولا۔ اصیل خان یوں بول رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہی ہو۔

مہر جان نے پوری قوت سے اپنی مٹھیاں بھینچیں۔۔ اور اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئیں۔ چند لمحے تک گہری گہری سانسیں یوں لیں جیسے ضبط کے مرحلے سے بخیر و خوبی گزرنا چاہتی ہوں۔ آخر کار پھر خود کو سنبھال لیا۔ اب ان کی آنکھوں کی سفاکی لہجے سے ہوتی ہوئی کہیں دور بھٹک رہی تھی۔ واپس پلٹ آنے کے لیے مگر

اس وقت انہوں نے خود کو سنبھال کر ایک دم سے ہی پینترا بدلا تھا۔ بڑے خوشگوار لہجے میں وہ اصیل خان سے گویا ہوئی تھیں۔

"اصیل خان میں تمہیں ایک بہت خوب صورت سی کہانی سناتی ہوں، کیا کروں چوبیس گھنٹے میں صرف یہی وقت ملتا ہے جو کسی سے بات کر سکتی ہوں اور اس وقت تمہارے علاوہ کوئی ہاتھ نہیں لگتا۔" اصیل خان نے نظر اٹھائی نہ سر...... وہ یوں کھڑا تھا جیسے دربارِ اکبری میں سب سے زیادہ خوشامدی درباری...... جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو، کہنے کے علاوہ کچھ اور بولنا ہی نہ آتا ہو۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے اصیل خان...... ایک بہت خوب صورت پیاری لڑکی تھی جو بہت حسین دنیا میں بستی تھی جس کے آس پاس صرف اور صرف خوشیوں کے گیت گانے والے پرندے چہچہاتے تھے۔ کسی قسم کی کی نحوست اس کے آس پاس نہیں تھی۔ صبح...... دوپہر...... شام سب کچھ اس کی مرضی کا تھا وہ جس شے پر ہاتھ رکھتی ...... اس کی ہو جاتی تھی۔ وہ جو خواب دیکھتی پورا ہو جاتا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ بدصورتی کیا ہوتی ہے۔ نہ اسے لہجوں کی بدصورتی کا پتا تھا نہ کردار کی بدصورتی کا شعور...... نہ دھوکے، فریب اور نہ خیانتوں کا...... پھر ایک دن ایسا ہوا کہ سارے خوب صورت گیت گانے والے پرندے کہیں ہجرت کر گئے چاروں طرف چمگادڑیں لٹک گئیں...... اُلّو بولنے لگے...... صبح بھی یوں ہوتی تھی جیسے رات ہو رہی ہو...... نحوست کے اندھیرے تھے جیسے کہ سیاہ گھنے بادل...... نہ پرتہ لگائے...... جو موسلا دھار بھی برسیں تو خالی نہ ہوں...... بالکل اسی طرح سے اس حسین دنیا پر نحوستوں کے بادل چھا گئے اور ایسے برسے کہ بس حد ہی ہوگئی اور پھر...... اور پھر کیا ہوا اصیل خان! آگے سنو گے......؟" اصیل خان جو بہت ضبط کیے ہوئے کھڑا تھا ایک دم تڑپ کر آگے بڑھا تھا اور اس نے جھک کر مہر جان کے پاؤں پکڑ لیے تھے...... اور جیسے گڑگڑایا تھا۔

"بس کر دیں بیگم صاحبہ...... بس کر دیں...... مجھے تو کچھ نہیں ہوگا مگر آپ کی حالت بگڑ جائے گی اور دیکھیں اب بہت ضروری ہے کہ آپ خود کو سنبھالیں...... یہ زخم یہ روگ، خدانخواستہ آپ کی جان لے سکتے ہیں۔ معاف کر دیں...... جو گزر گیا ہے اس کو نہ یاد کریں، چھوڑ دیں، جانے دیں۔"

"مجھے تم سے گھن آتی ہے اصیل خان...... خبردار جو تم نے آئندہ میرے پیروں کو ہاتھ لگایا۔ تم مجھے چھوتے ہو تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شمشان گھاٹ میں کوئی مردہ جل رہا ہو...... گوشت جلنے کی چراند میرے چاروں طرف پھیل جاتی ہے، دفع ہو جاؤ اسی وقت...... غرق ہو جاؤ...... کہیں ایسا نہ ہو...... میں آج رات تمہاری جان ہی لے لوں...... دور ہو جاؤ یہاں سے...... شکل گم کرو اپنی...... پتا نہیں میں نے تمہیں کیوں بلایا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا......" مہر جان نے ایک جھٹکے سے اصیل خان کے ہاتھ سے اپنے پاؤں چھڑائے...اور اتنا کہہ کر مہر جان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چکراتا ہوا سر تھام لیا اور بہ مشکل بیڈ کے کنارے پر ٹک گئیں۔ وہ بڑبڑا رہی تھیں۔

"میں نے تمہیں کیوں بلایا اصیل خان......؟ میں تمہیں بلانا ہی نہیں چاہتی...... تم میرے کمرے میں کیوں آئے اصیل خان...... مجھے یاد ہی نہیں آ رہا میں نے تمہیں کیا کہنے کے لیے بلایا تھا۔" وہ بڑبڑانے لگیں...... اور اصیل خان دبے پاؤں کمرے سے باہر جا رہا تھا...... مہر جان کو اپنا بیڈ روم اپنی قبر محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان، گل جان اور روما ناشتے کی ٹیبل پر تھیں۔ روما کا موڈ ہنوز آف تھا۔ وہ بالکل خاموشی سے ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔

ڈاکٹر مہر جان نے ایک دو مرتبہ اس کی طرف دیکھا تھا مگر اس سے کوئی بات نہیں کی۔ اس سے پیشتر کہ وہ گل جان سے کوئی بات کرتیں رابی اندر آ گئی۔

''السلام علیکم ایوری باڈی......'' رابی نے حیرت انگیز طور پر بڑی گرم جوشی اور خوشگوار کیفیت میں سلام کیا تھا۔

ڈاکٹر مہر جان نے چونک کر رابی کی طرف دیکھا...... وہ مسکرا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ جو ڈاکٹر مہر جان کے بالکل قریب رکھی تھی۔

''کیا بات ہے اماں جان آپ نے ابھی تک ناشتا شروع نہیں کیا...... کیا میرا انتظار کر رہی تھیں؟''

گل جان، مہر جان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن بھی تھی اور حیرت بھی...... یوں جیسے اسے رابی کی ذہنی حالت پر شک ہو رہا ہو۔

مہر جان کی نظر میں بھی گہری سوچ کا تاثر تھا۔ وہ رابی کو بغور دیکھنے لگیں۔

رابی نے جلدی سے سلائس اٹھا کر مارجرین لگانا شروع کر دیا۔

''روما تم بہت خاموش ہو...... خیریت تو ہے یا ابھی تک تمہارا موڈ خراب ہے؟'' رابی، روما سے یوں باتیں کرنے لگی جیسے اس کے اور روما کے علاوہ کوئی اور موجود نہ ہو۔

''تم اس کی فکر نہیں کرو رابی...... اس کا دماغ خراب ہے، جو خود بخود ٹھیک ہو جائے گا، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تم اپنی بات کرو'' ڈاکٹر مہر جان نے ٹوکا تو رابی جلدی جلدی سلائس پر مارجرین لگانے لگی۔ وہ بہت مطمئن اور پُرسکون دکھائی دے رہی تھی اور اس کا یہی اطمینان مہر جان کو نہ جانے کیوں کھٹک رہا تھا۔ ایک چبھن تھی جو اُن کے دماغ کو نہ جانے کیوں کھٹک رہی تھی۔ رابی کی اتنی زیادہ مثبت تبدیلی واقعی حیران کن تھی۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ آج تمہاری شادی کے کارڈ چھپنے کے لیے چلے جائیں گے، شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے، اب ہمارے پاس تیاریوں کے لیے بہت تھوڑا وقت ہے۔'' مہر جان نے چند لمحے سوچا اور بولیں۔

رابی نے یہ سب سن کر کسی قسم کا کوئی چونکا دینے والا ردِعمل نہیں ظاہر کیا۔ وہ اطمینان سے اپنے سلائس پر مارجرین لگا کر چھوٹے چھوٹے بائٹ لینے لگی۔

''تم میری بات سن رہی ہو ناں رابی؟'' مہر جان نے رابی کو متوجہ کیا۔

گل جان کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ اس کے حلق سے تو آواز نکلنی ہی محال تھی۔ البتہ روما نے بڑے طنزیہ انداز میں رابی کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو رابی......؟'' مہر جان نے پھر رابی کو ٹوکا۔

''نہیں، نہیں اماں میں کچھ نہیں سوچ رہی۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اب کالج جانا تو فضول ہے، آج سے ہی کیوں نہ چھٹی کر لوں۔'' رابی نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا اور مسکرا دی۔

''چھٹی ہی نہیں بلکہ خدا حافظ...... بالکل چھٹی...... بس اب اپنا گھر بساؤ اور پریکٹیکل لائف گزارو...... آخر کار عورت کو یہی کچھ کرنا ہوتا ہے۔''

''چلیں آپا، آپ کی تو جان چھوٹی...... مزے آ گئے۔'' روما کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

''تم اگر زبردستی پڑھ رہی ہو اور کالج جانا اتنی بڑی مصیبت ہے تو تم بھی چھوڑ دو کیونکہ پڑھائی شوق سے ہوتی ہے اور تمہیں تو بس ایک ہی شوق رہ گیا ہے کہ سہیلیوں سے گھنٹوں فضول باتیں کرو اور وقت ضائع کرو۔ میری طرف سے تم بھی کالج چھوڑ دو، مجھے کوئی پروا نہیں۔'' مہر جان نے گھور کر روما کی طرف دیکھا۔

''روما بری بات ہے بیٹا...... ایسی بات کیوں کرتی ہو کہ بی بی جان کو غصہ آ جائے؟'' گل جان نے گھبرا کر روما کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بہت آہستہ سے روما کو سمجھانے لگی۔

''تم چھوڑو گل جان...... اسے اپنی من مانی کرنے دو، یہ کتنی بھی من مانی کر لے، ماننی میری ہی پڑے گی، میں نے رسی زمین پر ڈالی ہوئی ہے۔ جب چاہے کھینچ لوں...... یہ جانے کس ہوا میں ہے اور تم دیکھ رہی ہو غلط صحبت کا رنگ اس نے کتنی جلدی پکڑا ہے، اپنی ماں سے سوال جواب کرنے لگی ہے۔'' مہر جان برہمی سے بول رہی تھیں۔

''اماں جان چھوڑیں بے وقوف ہے یہ، کچھ دنوں میں خود ہی سب کچھ سمجھ جائے گی۔'' رابی نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر ماں کو روک دیا۔ پھر روما سے مخاطب ہوئی۔

''روما ٹھیک سے اپنی پڑھائی پر توجہ دو تمہارا مقصد صرف تعلیم حاصل کرنا ہونا چاہیے۔ اپنا قیمتی وقت برباد کرنے سے تو بہتر ہے کہ تم اپنی کوالیفکیشن بڑھاؤ...... اور پھر ابھی تک تمہاری پروگریس بہت اچھی ہے۔ تمہارا کیریئر بن سکتا ہے۔ اماں جان تمہیں فل سپورٹ کر رہی ہیں۔ چھوڑ دو وہ تمام باتیں جن سے اماں جان کو غصہ آتا ہے۔''

گل جان آنکھیں پھاڑے رابی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ راتوں رات اتنی تبدیلی...... اسے یقین نہیں آ رہا تھا...... مہر جان بھی رابی کی اس تبدیلی پر خوش ہونے کے بجائے فکر مند تھیں مگر ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔

''آپا آپ رہنے دیں، میرے لیے اماں جان ہی کافی ہیں۔'' روما نے غصے بھری نظریں اٹھا کر رابی کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹا ٹھیک سے ناشتا تو کر لو۔'' گل جان نے جیسے تڑپ کر کہا تھا۔

''کر لیا ہے ناشتا خالہ جانی...... سنتے آئے ہیں کہ اتنا ہی کھانا پینا چاہیے جتنا زندہ رہنے کے لیے کافی ہو۔'' یہ کہہ کر وہ بڑی تیزی سے ڈائننگ ہال سے نکل گئی تھی۔

مہر جان کی آنکھوں میں غصے کے انگارے تو دہکنے لگے تھے مگر وہ بہت ضبط کر رہی تھیں۔ گل جان کو بڑی بہن کی اس ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ تھا۔ اس لیے اس نے اب مکمل خاموشی اختیار کرنے کا تہیہ کر لیا تھا...... کیونکہ اس وقت سیدھی بات بھی مہر جان کو الٹی ہی لگنا تھی۔

''یہ لڑکی تو جیسے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے...... کائناز کے دادا نے کائناز کے غیر ضروری لاڈ پیار کر کے اسے بگاڑ دیا ہے۔ اس لیے میں کہتی ہوں کہ اس کا کائناز کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ٹھیک نہیں مگر گھر کی حد تک میں اسے روک سکتی ہوں۔ کالج کا کیا کروں۔ جیسے تیسے یہ سال تو پورا کرنا ہے۔'' مہر جان بڑبڑانے کے انداز میں بول رہی تھیں۔

''چھوڑیں بھی اماں...... بے وقوف ہے اور بزدل بھی آپ سے بہت ڈرتی ہے۔ آپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرے گی آپ اطمینان رکھیں۔'' رابی آج بہت نارمل انداز میں ماں سے بات کر رہی تھی۔ بلکہ ماں کو سمجھا بجھا رہی تھی۔

گل جان پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے وہ بہت پریشان نظر آنے لگی تھی۔ رابی کو یوں تک رہی تھی جیسے کسی حقیقت کا سراغ لگانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہو۔

☆☆☆

''سر میں نے گھر والوں سے بات تو کی ہے لیکن ابھی ذرا سا مسئلہ ہے۔'' جابر علی بہت مؤدبانہ انداز میں

اور قدرے ہچکچاتے ہوئے ایس پی سے بات کر رہا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے جابر علی۔ کھل کر بات کرو، ہمارے تمہارے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ سنیارٹی اپنی جگہ لیکن میں تمہیں اپنا دوست جانتا ہوں۔'' ایس پی نے ایک خاص زاویے سے جابر علی کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''سر وہ میرا ایک ہی بیٹا ہے، ماں کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے ابھی اس کی ماں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوئی۔ اس لیے میں نے اس پر دباؤ نہیں ڈالا۔'' جابر علی اسی طرح اٹک اٹک کر اپنی بات ایس پی تک منتقل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ جملے جو اس کے ذہن میں سرگرداں تھے وہ انہیں باہر آنے سے روکنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب کچھ کہہ دینے سے بہت کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اسے اپنی بے وقوف بیوی پر غصہ تو بہت تھا لیکن فی الحال صبر و تحمل سے کام لینا وقت کا تقاضا تھا۔

''سر وہ بات یہ ہے کہ جوان لڑکے کو سنبھالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ آج کل لڑکے جانے کون سی ہوا میں رہتے ہیں، ماں باپ کے احسانات یاد نہیں رکھتے۔ بس ذرا سا بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔ سینہ تان کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے لگتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ناں اپنی عزت اپنے ہاتھ...... اب جوان اولاد کے منہ کون لگے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ گھر والی کی سمجھ میں میری بات آجائے، وہ ہاں کہہ دے گی تو سمجھیں مسئلہ حل ہو گیا۔'' جابر علی نے سر جھکا کر بہت آہستہ آواز میں اپنی بات کہی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو جابر علی، آج کل کے لڑکے تو لڑکے، لڑکیاں ہاتھ سے نکلی جا رہی ہیں۔ لیکن وارث علی کو بہت جلدی ہے۔ اپنے گاؤں سے بہت دور پڑا ہے، گھر کا سکون نہیں ہے عورت آجاتی ہے تو آدمی بہت بے فکری سے باہر کے کام کرتا ہے۔'' ایس پی اپنی بات کرتے ہوئے جابر علی کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر مجھے پتا ہے کہ آپ میرے لیے جو بھی سوچیں گے اچھا ہی سوچیں گے۔ ایک مدت ہو گئی آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے...... میں تو آنکھیں بند کر کے آپ کی بات پر اعتبار کرتا ہوں۔ مسئلہ گھر والی کا ہے۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت دیں۔ انشاء اللہ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس کی ماں کو سمجھاؤں گا تو وہ سمجھ جائے گی اور جب وہ سمجھ جائے گی تو وہ اپنے بیٹے کو خود ہی سنبھال لے گی۔ مجھے اس سے بات کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہو گی......''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، جابر علی۔ بالکل ٹھیک تم کسی طرح اس کی ماں کو کنونس کر لو، باقی معاملہ تو وہ خود ہی سنبھال لے گی...... جوان بیٹے کی ماں میں بڑا دم ہوتا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر جب بچے چھوٹے تھے تو جیسے اس عورت کے منہ میں زبان ہی نہیں تھی۔ جب سے بیٹا جوان ہوا ہے سوال جواب کرنے لگی ہے۔ میں تو خود پریشان ہو جاتا ہوں۔ ایسا لگتا ہے بیٹا ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ کوئی بھی بات ہو، سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اب آپ بتائیں آپ تو جانتے ہیں، میں کتنی ایمانداری سے کام کرتا ہوں۔ اپنی اولاد کو حلال روزی کما کر کھلاتا ہوں پھر بھی اولاد سامنے آکر کھڑی ہو اور... بدزبانی کرے تو غصہ تو آئے گا۔'' جابر علی اپنے دکھڑے رونے لگا۔

''بالکل غصہ آئے گا اور غصہ کرنا تمہارا حق ہے......'' ایس پی نے بہت گہری تجزیاتی نگاہ سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جیسے اس کا اپنا ذہن بڑی تیزی سے کسی دوسری طرف کام کرنے لگا ہو... گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

''وہی تو میں انہیں کہتا ہوں...... بھئی ہم نے تو اپنے بڑوں سے یہی سنا ہے۔ کھلاؤ سونے کا نوالہ دیکھو شیر

کی نظر سے...... اب سونے کے نوالے تو نہیں کھلائے مگر اللہ نہ کرے کوئی چٹنی روٹی بھی نہیں کھلائی۔ سب کچھ اللہ نے دیا ہے۔ اپنے حساب کتاب سے چل رہے ہیں۔'' جابر علی مزید گویا ہوا...... ایس پی، جابر علی کا ایک ایک لفظ جیسے کسی ان دیکھے ترازو میں تول رہا تھا۔ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کامیابی کے کتنے فیصد امکان ہیں۔ ایس پی کی خاموشی دیکھ کر جابر علی پھر بولا۔

''میں کسی رکاوٹ کو نہیں مانتا سر...... جب میں سوچ لیتا ہوں تو بس پھر مجھے کسی کی کوئی آواز نہیں آتی۔ کان بند ہو جاتے ہیں جو سوچتا ہوں اس پر عمل کرتا ہوں......'' جابر علی کا اتنا کہنا تھا کہ جیسے ایس پی خوشی سے کھل اٹھا۔

''کیا بات ہے تمہاری جو لوگ فیصلہ کُن ہوتے ہیں وہ مضبوط کردار کے ہوتے ہیں اور ان کی بات ایک ہوتی ہے۔ مر جاتے ہیں مگر اپنی زبان سے نہیں پھرتے۔ میں تو وارث علی کو یہی کہہ رہا تھا کہ تمہیں اتنا بہترین سسر دے رہا ہوں کہ دور دور تمہیں ایسا بندہ نہیں ملے گا۔'' ایس پی کی یہ بات سن کر جابر علی تو جیسے عقیدت سے دُہرا ہو گیا۔

''آپ کی بڑی عنایت، بڑی نوازش ہے سر۔ میں کسی قابل نہیں ہوں، آپ مجھے جو عزت دیتے ہیں، سچ پوچھیں تو مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے، میں اس لائق نہیں ہوں۔'' جابر علی نے بہت مہربان نظروں سے ایس پی کی طرف دیکھا۔

''جابر علی میں بہت شدت سے تمہاری ہاں کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ وارث علی نے مجھے پریشان کر دیا ہے...... صبح، دوپہر، شام مجھے فون کر کے پوچھتا ہے، تم سے تو بہت ہی زیادہ متاثر ہو چکا ہے۔ کہتا ہے آج کے زمانے میں اتنا نیک شریف اور دین دار شخص میں نے نہیں دیکھا۔ اس خاندان میں رشتہ کر کے مجھے ذہنی سکون مل جائے گا...... اور میں نے تمہیں بتایا ہے ناں وہ خود بہت نیک اور عبادت گزار بندہ ہے۔'' ایس پی بہت شاطرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور اندر سے اُبل اُبل کر آنے والی مسکراہٹ کو بہ مشکل چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''جی سر، میں آج موقع دیکھ کر گھر والی سے دوٹوک بات کرتا ہوں...... بلکہ اپنا فیصلہ سناتا ہوں کیونکہ اس گھر میں میرا ہی سکہ چلتا ہے۔ اول آخر بات تو میری ہی مانی جائے گی۔ آپ اطمینان رکھیے......'' جابر علی کا جواب انتہائی حوصلہ افزا تھا...... ایس پی کھل کر مسکرانے لگا۔ جیسے اسے اپنی کامیابی کا سو فیصد یقین ہو چکا ہو۔

☆☆☆

روما ایک گھنے درخت کے سائے کے نیچے منہ لٹکائے بیٹھی تھی اور کائناز اس کے برابر میں اس کو کندھوں سے تھامے بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''روما، رات دادا جان نے مجھے بہت اچھی طرح سمجھایا۔ تم بھی اگر وہ باتیں سمجھ لوگی جو دادا جان نے میرے ذریعے تمہیں کہی ہیں تو مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا موڈ بھی اچھا ہو جائے گا اور تم ہر وقت comfortable feel کرو گی۔'' کائناز کی بات سن کر روما نے دھیرے سے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا مگر اس کی اداسی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

''کیا باتیں کی ہیں دادا جان نے......؟'' وہ سابقہ انداز میں گویا ہوئی۔

''دادا جان کہہ رہے تھے ضد کرنے سے بات بگڑ جاتی ہے اور ماں باپ کے سامنے تو ویسے بھی ضد نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اگر ماں باپ کا کہنا مان لو تو وہ ویسے ہی نرم پڑ جاتے ہیں تم چونکہ ضد کر رہی ہو...... موڈ آف

کر رہی ہو...... تو آنٹی اسے بدتمیزی سمجھ رہی ہیں۔ تم ضد کرنا چھوڑ دو گی تو آنٹی خود بخود تمہارا خیال کریں گی۔ نارمل ہو جائیں گی بلکہ خود ہی کہہ دیں گی کہ انہیں ہماری دوستی پر کوئی اعتراض نہیں......‘‘ روما پر کائناز کی بات کا ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔

’’چھوڑو کائناز، اماں تو ہر وقت یہی کہتی رہتی ہیں کہ تم مجھے بگاڑ رہی ہو، تم نے مجھے بگاڑ دیا ہے۔ تمہاری کمپنی میں، میں غلط باتیں سیکھ رہی ہوں......‘‘ اس طرح خفا خفا لہجے میں گویا ہوئی۔

روما کی یہ باتیں سن کر تو جیسے کائناز کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ انتہائی صدمے کی کیفیت میں دکھائی دی۔

’’او مائی گاڈ...... ایسا کہتی ہیں آنٹی! میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ میرے بارے میں اس طرح بھی سوچ سکتی ہیں۔ ہاں غلطی میری بھی ہے۔ میں نے دو مرتبہ انہیں جواب دے دیا تھا ناں تو شاید اس وجہ سے انہوں نے کہہ دیا ہوگا۔ وہ تو یہی سمجھ رہی ہوں گی کہ میں تمہیں سکھاتی پڑھاتی ہوں کیونکہ تم میری دوست ہو۔ میرے ساتھ بہت زیادہ وقت گزارتی ہو۔‘‘ وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔

’’مجھے تو خود سمجھ نہیں آتا کائناز۔ پہلے ہفتے میں دو تین بار تمہاری طرف چلی جاتی تھی تو چینج آ جاتا تھا سب کچھ بہت اچھا لگنے لگ جاتا تھا۔ اب تو انہوں نے جیسے مجھے پنجرے کے اندر بند کر دیا ہے۔ کائناز وہ گھر ایک گہرا کنواں ہی تو ہے۔‘‘ بولتے بولتے روما کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔ کائناز تڑپ کر رہ گئی۔ اس نے روما کو ایک دم اپنے لگا لیا۔

’’کوئی بات نہیں روما۔ تم بس اُن کے سامنے خاموش رہا کرو۔ وہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی۔ پتا نہیں اُن کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ اُن جیسا تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیتا۔ میں تو خود سوچتی ہوں تمہاری اماں نہ جانے اتنی سخت کیوں ہیں۔ مجھے تو اپنی ماں یاد ہی نہیں لیکن دادا جان کہتے ہیں کہ میں ہی تمہاری ماں ہوں اور میں ہی تمہارا باپ ہوں بلکہ وہ کہتے ہیں ماں، باپ کے علاوہ تمہارا دوست بھی ہوں۔ سب کچھ مجھ سے شیئر کیا کرو۔ ان کو دیکھ کر تو مجھے یہی خیال آتا ہے کہ ماں کتنی نرم، کتنی مہربان ہوتی ہے۔‘‘ کائناز گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی بولتی جا رہی تھی۔ روما اس کا ایک ایک لفظ دل میں اترتا محسوس کر رہی تھی۔ کائناز کے جملوں نے اسے مزید احساسِ محرومی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی گہری سانس کھینچی اور کتابیں اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

’’ہمارے گھر میں تو ایک ڈکٹیٹر کی آواز گونجتی رہتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ کہہ رہی ہوں اسے بھی پھانسی پر لٹکا دو، اسے بھی پھانسی پر لٹکا دو...... کوئی زندہ نظر نہ آئے۔‘‘ کائناز جو اپنا بیگ اور کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ اٹھتے اٹھتے گرنے کے سے انداز میں دوبارہ بیٹھ گئی اور اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔ وہ ہنس رہی تھی۔ ہنستے ہنستے بہ مشکل گویا ہوئی۔

’’یار اسی لیے تو کہتی ہوں دادا جان نے جیسا کہا ہے ویسا کرو، بڑوں کی بات میں کوئی نہ کوئی حکمت چھپی ہوتی ہے، دادا جان نے یہ بات جو تمہیں سمجھانے کے لیے کہی ہے ناں اس پر تمہیں عمل کرنا چاہیے کیونکہ دادا جان نے یہ گارنٹی دی ہے اور مجھے بھی تمہاری بات کی سمجھ آ گئی ہے، تم نے اپنی اماں جان کے سامنے جواب دینا شروع کر دیے اسی لیے انہیں غصہ چڑھتا ہے۔‘‘ روما اپنا بیگ لٹکاتے ہوئے اب اس کے قریب کھڑی تھی۔

’’میں کیا کروں، پتا نہیں مجھے اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رہتا۔‘‘ وہ بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہہ رہی تھی...... کائناز نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اب وہ اپنی کلاس روم کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

☆☆☆

’’بھائی جان ایک بات سنیں!‘‘ احمر پورچ کی طرف بڑھ رہا تھا فائزہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑی تھی۔

’’خیریت کیا ہوا۔ پھر بلا کی طرح میرے سر پر نازل ہو گئیں۔ آخر کب جان چھوڑو گی میری......‘‘ احمر اپنی جگہ پر رک گیا اور پلٹ کر فائزہ کی طرف دیکھنے لگا۔

’’بھائی جان آپ اپنے کام سے جا رہے ہیں ناں۔ پانچ دس منٹ میرے لیے بھی نکال لیں۔‘‘ اس نے التجا کی۔

’’سوری میری جیب خالی ہے، پانچ دس منٹ تو کیا ان میں تو دو منٹ بھی نظر نہیں آ رہے۔‘‘ احمر اپنی ٹی شرٹ کی جیب میں بظاہر جھانکتے ہوئے بولا۔

’’آپ کے پاس تو میرے لیے ٹائم ہی نہیں ہوتا۔ میں کون سا ہر وقت آپ کو اپنے کام بتاتی رہتی ہوں۔ آپ گھر میں نظر آتے ہیں جو کوئی اپنا کام کہے۔‘‘ اس کے شریر انداز پر فائزہ نے بڑی خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

’’اچھا چلو جلدی سے بتاؤ کیا کام ہے اگر میرے پاس وقت ہوا تو کر دوں گا ورنہ سوری۔‘‘

’’کوئی ایسا بھی کام نہیں ہے۔ جس کے لیے آپ کو خاص طور پر ٹائم نکالنا پڑے۔ آپ جا تو رہے ہیں ناں راستے میں مجھے ڈراپ کر دیجیے گا۔‘‘

’’لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو ڈراپ کرنا کہاں ہے اگر تم کہو گی مجھے سی ویو ڈراپ کر دیں تو میں مخالف سمت میں نہیں جا سکتا کیونکہ اس طرح تمہارے لیے مجھے دو منٹ نہیں پورے ڈیڑھ دو گھنٹے نکالنے پڑیں گے۔‘‘ احمر اب اس کی بات سمجھ گیا اور گہری سانس لے کر بولا۔

’’بھائی جان اس کا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔ ہمارے کالج سے وہ پوائنٹ میں بیٹھتی ہے ناں تو بتاتی ہے کہ آدھا گھنٹا لگتا ہے......‘‘ وہ پھر التجائیہ انداز میں بولی۔

’’تم تو دو منٹ کی بات کر رہی تھیں......‘‘

’’وہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ کالج سے چلتی ہے تو اسے آدھا گھنٹا لگتا ہے، آپ تو مجھے راستے میں ڈراپ کریں گے......‘‘ فائزہ نے اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔

’’لیکن تم نے مجھے بتایا نہیں ہے کہ تمہیں جانا کہاں ہے...... میں تو نارتھ کی طرف جا رہا ہوں۔‘‘

’’بھائی جان تھوڑا سا دائیں بائیں ہو جائیں گے، پانچ دس منٹ سے زیادہ فرق تو نہیں پڑے گا۔‘‘ فائزہ یہ سن کر کچھ سوچنے لگی۔ سوچتے سوچتے ایک دم سر اٹھا کر بولی۔

’’افوہ...... تو یہ تو بتا دو ناں کہ جانا کہاں ہے؟‘‘

’’وہ کریم آباد کی طرف۔‘‘

احمر نے اپنی گھڑی دیکھی...... پھر فائزہ کی طرف دیکھا۔

’’کریم آباد میں کیا کرنے جانا ہے تمہیں؟ وہاں تو ہمارا کوئی رشتے دار بھی نہیں رہتا۔‘‘

’’میری دوست تو رہتی ہے۔ میرا مطلب ہے مجھے شبینہ کے گھر جانا ہے۔‘‘ شبینہ کا نام سن کر احمر کے تاثرات ایک دم تبدیل ہو گئے...... وہ نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

’’بھائی جان کیا سوچ رہے ہیں، جلدی سے بتائیں ناں اگر آپ مجھے چھوڑ دیں گے تو بہت بڑا احسان ہوگا۔‘‘

''کوئی تقریب ہے وہاں......؟'' احمر نے پوچھا۔
''نہیں، نہیں وہ آج کالج نہیں آئی تھی۔ مجھے بہت ٹینشن ہو رہی ہے۔''
''اب کالج نہیں آئی تھی تو کیا ہوا...... آج نہیں تو کل آ جائے گی۔ کبھی کبھی طبیعت خراب بھی ہو جاتی ہے بندے کی۔'' احمر اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بظاہر بڑی بیزاری سے گویا ہوا تھا۔ حالانکہ اسے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ شبینہ کا نام سن کر اسے کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ دل دھڑکنے کا انداز بدل گیا ہے۔
''اچھا وہ شبینہ...... وہ بے وقوف سی لڑکی جو تمہارے ساتھ اس دن کھڑی ہوئی تھی یہاں پر......'' اس نے چڑانے والے انداز میں فائزہ سے کہا اور آگے بڑھنے لگا۔
''بھائی جان سنیں تو! آپ تو چلتے چلے جا رہے ہیں، بتائیں ناں آپ مجھے چھوڑ دیں گے یا نہیں؟'' وہ مُصر تھی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔
''تمہیں اس کے گھر کا ایڈریس تو کنفرم ہے ناں......؟''
''نہیں، مجھے اس کے گھر کا ایڈریس تو معلوم نہیں۔ اس کا فون نمبر ہے میرے پاس...... جب ہم کریم آباد پہنچیں گے تو میں اسے فون کر کے گھر کا پتا معلوم کرلوں گی۔ آپ چلیں تو سہی......''
''اس طرح سے میں نہیں جا سکتا۔ پہلے تم ایڈریس کنفرم کرو۔ یہ کیا بے وقوفی ہے، گھر کا پتا معلوم نہیں اور ملنے چل پڑیں۔''
''اچھا، اچھا ایک منٹ میں اپنا بیگ بھی لے کر آتی ہوں اور اس سے ایڈریس بھی کنفرم کرلیتی ہوں آپ جب تک گاڑی باہر نکالیں۔ میں آتی ہوں۔'' فائزہ نے اتنا کہا اور عجلت بھرے انداز میں اندر دوڑ پڑی، احمر کے ہونٹوں پر لاشعوری طور پر ایسی مسکراہٹ ابھر آئی جس مسکراہٹ کی وجہ اسے خود بھی معلوم نہیں تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان، سہراب خان کی طرف سے آئی ہوئی بری کو بہت پُرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر ایک خوشی اور فخر تھا جبکہ گل جان کھڑی ہوئی جیسے ان کے کسی حکم کی منتظر تھی۔ اصیل خان لاؤنج سے باہر گم صم سی کیفیت میں کھڑا دونوں بہنوں کی بات چیت سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرے رنج کی کیفیت نمایاں تھی۔ یوں جیسے وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر کسی اور جہاں میں پہنچا ہو۔
''گل جان تم نے دیکھا کتنے شاندار تحائف لے کر آیا ہے سہراب خان اور ہمارے اسٹیٹس کے مطابق...... گل جان ہم بہت عزت دار لوگ ہیں، سات پشتوں سے ہمارا شمار اس ملک کی ہائی کلاس میں ہوتا ہے اور اس کلاس میں مال و دولت کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ عزت کی بھی ضرورت ہوتی ہے...... مال و دولت تو طوائفوں کے پاس بھی ہوتی ہے میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا......؟'' مہر جان، گل جان سے کہہ رہی تھیں۔
''جی، جی بی بی جان...... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بلکہ آپ ٹھیک ہی کہہ رہی ہوتی ہیں اور واقعی سہراب خان آپ کے اسٹیٹس کے حساب سے ہی سب کچھ کر رہا ہے۔'' گل جان ایک دم سے گڑبڑا گئی اور جلدی سے بولی۔
''تم خوش ہو ناں گل جان......؟'' مہر جان نے کپڑے سمیٹ کر سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے ایک نظر گل جان کی طرف دیکھا۔
''جی، جی بی بی جان...... آپ کی خوشی میری خوشی ہے، جب آپ خوش ہیں تو میں کیوں خوش نہیں ہوں گی؟''
''ہوں......'' مہر جان نے ہنکارا بھرا...... ''اور ہاں گل جان تم یہ زیورات دیکھ رہی ہو، یہ لاکھوں کی

مالیت کے ہیں اور شاید تم جانتی ہو کہ یہ تمام زیورات رابی کے مہر میں لکھے جائیں گے۔ رابی کی ملکیت ہوں گے۔ خدانخواستہ کوئی بات ہو جاتی ہے تو سہراب خان کی طرف سے رابی کو اتنا کچھ ملے گا کہ اسے کسی دوسرے شوہر کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''
''دوسرا شوہر!'' گل جان کے وجود میں ایک زبردست دھماکا ہوا...... اس کے منہ سے بلا سوچے سمجھے بے اختیار نکل گیا تھا۔
''دوسرا شوہر کیا مطلب؟ عورتیں تو پتا نہیں کیا، کیا کرتی رہتی ہیں اگر کوئی عورت ایک شوہر کو چھوڑ کر دوسرا شوہر کرلے تو کوئی گالی کی بات تو نہیں ہے۔ نکاح ایک مقدس بندھن ہے، جتنی مرتبہ بھی بندھے مقدس ہی کہلائے گا......'' مہر جان نے بڑی سخت نظروں سے اس کی طرف گھورا۔ گل جان کے پاؤں تلے گویا زمین ہلی۔
''آپ یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں بی بی جان......؟ جہاں بھی رابی کی شادی ہو رہی ہے، دعا کریں کہ اللہ اسے اس گھر میں آباد رکھے اور کسی امتحان میں نہ ڈالے۔'' گل جان آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔
''تم تو ہو ہی روتی صورت، زندگی جینے کے لیے بڑا دل، بہت بڑے حوصلے چاہئیں۔ تم لفظوں سے ڈر جاتی ہو اور ہم آج تک آگ کے دریا میں تیر رہے ہیں۔ ارے کیا ہم انسان نہیں ہیں، تم مجھے بچوں کی طرح بہلا رہی ہو، کیا میں سمجھ نہیں سکتی۔ سہراب خان کی طرف سے آئے ہوئے یہ تحفے بہت تکلیف پہنچا رہے ہیں اور تم ایک منافق کی طرح میری ہاں میں ہاں ملا رہی ہو۔ جی اچھا کہے جا رہی ہو، تمہاری اس منحوس صورت پر مجھے صاف لکھا ہوا نظر آ رہا ہے کہ تم اندر سے مر رہی ہو، رو رہی ہو۔'' مہر جان نے جیسے ایک دم پینترا بدلا تھا۔
گل جان تو بدحواس ہو کر ایک دم پیچھے ہٹ گئی اور سہمی سہمی نظروں سے مہر جان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
''بی بی جان ایسا نہیں ہے، میں واقعی آپ کی خوشی میں خوش ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ اب تو عزت کسی بھی کونے میں پڑی ہوئی ملے، کسی کنویں میں دفن ہو، کسی اونچے پہاڑ کو سر کرنے کے بعد ہاتھ لگے چھوڑنا نہیں ہے، کچھ تو ہے ہمارے پاس سوائے عزت کے اور یہ لاپتا عزت آخر کار بھٹکتی ہوئی ہمارے دروازے تک آ ہی گئی ہے۔ میں کیوں اداس ہوں گی بی بی جان...... میں آپ کی خوشی میں خوش ہوں، آپ مجھ سے جو مرضی قسم لے لیں، آپ جو کہتی ہیں وہ میرے لیے پتھر پر کھینچی ہوئی لکیر ہے۔'' گل جان کی بولتے بولتے آواز بھرا گئی...... اور جیسے آنسوؤں کے پھندے نے اسے مزید بولنے سے روک دیا تھا۔
فاصلے پر کھڑا ہوا اصیل خان یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے پاؤں زمین پر نہ ہوں، کسی ایسے لکڑی کے تختے پر ہوں جو تیز دھارے پر بہہ رہا ہو اور اسے جان بچانے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارنا پڑ رہے ہوں۔

☆☆☆

''بھئی تم تو کہتی ہو روما کی اماں جان کو روما اور تمہاری دوستی پر اعتراض ہے مگر یہ دیکھو انہوں نے کتنا خوب صورت انویٹیشن بھیجا ہے......'' شاہ عالم کائناز کو رابی کی شادی کا کارڈ دکھا رہے تھے جو کچھ دیر پہلے اصیل خان دے کر گیا تھا۔
''اچھا رابی آپا کی شادی کا کارڈ آ گیا۔ روما نے ہی ضد کی ہوگی۔ حالانکہ میں نے اسے سمجھایا بھی تھا۔ دیکھو تم اپنی اماں سے ضد نہ کرو۔ دادا جان کہتے ہیں جتنی زیادہ ضد کرو گی اتنا زیادہ وہ غصہ کریں گی۔'' کائناز نوٹس بنانے میں مصروف تھی۔ ایک دم چونک پڑی اور کارڈ کی طرف دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔
''ایسی بات نہیں ہے بیٹا آخر ہم پڑوسی ہیں، جب کسی گھر میں شادی ہوتی ہے تو اڑوس پڑوس میں بھی

انوٹیشن جاتے ہیں بلکہ پڑوسیوں کے تو حق ثابت ہیں۔ ہر خوشی غم کے موقع پر سب سے پہلے پڑوسی ہی تو موجود ہوتے ہیں۔'' شاہ عالم نے کارڈ کھول کر پڑھتے ہوئے بڑے مصروف انداز میں کائناز کی بات کا جواب دیا تھا۔

''دادا جان دکھائیں۔'' کائناز اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

''دو دن بعد شادی ہے، چلو اچھی بات ہے۔ڈاکٹر صاحبہ ایک بیٹی کے فرض سے فارغ ہو جائیں گی۔ یہ بہت بھاری ذمے داری ہوتی ہے اور بیٹیاں تو اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں۔''انہوں نے کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''تو یہ گھر میرا نہیں ہے، میں یہاں پر مہمان ہوں؟'' کائناز نے برا مان کر دادا جان کی طرف دیکھا۔

''بالکل! بیٹیاں تو ماں باپ کے پاس اللہ کی امانت کے طور پر آتی ہیں، جن کا بہت اچھی طرح خیال رکھنا چاہیے اور بہت خوش اسلوبی سے ان کی شادی کا فرض ادا کرنا چاہیے۔''

''یہ لیجیے، آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے شادی زندگی کا مقصد ہوتی ہے۔'' کائناز نے اپنے دادا سے شکوے کے انداز میں کہا تھا جیسے اسے دادا کے خیالات سے اختلاف ہو۔

''شادی زندگی کا اس لیے مقصد ہے کہ شادی کے بعد ہی زندگی کے تمام مقاصد کا تعین ہے۔'' شاہ عالم نے مسکرا کر بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے سوچ رہے ہوں کہ ان کی پوتی بھی تو ان کے پاس مہمان ہے۔

''یہ تو خیر کوئی بات نہ ہوئی یعنی شادی سے پہلے کچھ بھی کریں ایسا ہی ہے جیسے جھک مارنا ہو، کام ہوں گے تو شادی کے بعد ہوں گے۔'' کائناز بے ساختہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

وہ اس کی بات سن کر بے اختیار ہنس دیے تھے۔ انہوں نے بہت پیار سے اپنی پوتی کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں سوچنے لگے۔ ''یہ تو ابھی تک بچی بنی ہوئی ہے، کتنی معصومیت ہے اس میں، شاید اس وجہ سے کہ یہ صرف اور صرف اپنے دادا تک محدود ہے۔ اس کی زندگی میں رشتوں کا ہجوم نہیں۔''

''کارڈ تو بہت پیارا ہے لیکن آپ کو ایک بات بتاؤں...دادا جان۔'' کائناز نے کارڈ پڑھ کر لفافے میں رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''ایک نہیں بیٹا دو باتیں بتاؤ، آخر مجھ سے باتیں کرنے والا تمہارے علاوہ اور ہے ہی کون......؟''

''رابی آپا کی شادی ہو تو رہی ہے مگر روما بتا رہی تھی کہ کسی بڈھے سے ہو رہی ہے۔''

شاہ عالم کو یہ سن کر جیسے ایک زوردار دھچکا لگا تھا اور ان کے چہرے سے مسکراہٹ کا تاثر ختم ہوگیا...... بڑی سنجیدگی سے وہ کائناز کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ انہوں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا جو اُن کی تجربے کاری اور ذہنی پختگی کا مظاہرہ تھا۔ وہ خاموشی سے کائناز کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''دادا جان آپ بتائیے کون کہے گا کہ روما کی ماں سگی ماں ہیں، دادا جان ان کی تو ایک، ایک حرکت سے لگتا ہے کہ وہ سوتیلی ماں ہیں۔''

''بری بات ہے بیٹا۔'' دادا جان نے فوراً پوتی کی بات کاٹ دی۔ ''اس طرح سے نہیں سوچتے۔ اصل میں ان دونوں بچیوں پر باپ کا سایہ نہیں ہے اور ڈاکٹر صاحبہ ایک تجربہ کار عورت ہونے کی وجہ سے جانتی ہیں کہ انہیں ماں کے ساتھ ساتھ باپ کا کردار بھی ادا کرنا ہے اور بچیاں بدگمان ہو جائیں تو وہ ان کی لاعلمی اور نا تجربہ کاری ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ اتنے اہتمام سے بیٹی کی شادی کر رہی ہیں، فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر دے رہی ہیں تو اسی

سے اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بیٹی کو کتنی محبت اور عزت سے رخصت کر رہی ہیں اور اپنے تمام فرائض ادا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہیں۔ بیٹا روما کی یہ باتیں سن کر اسے سمجھایا کرو۔ اس طرح تو وہ بچی ذہنی مریضہ بن سکتی ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں نہ ملایا کرو، اچھا خیر تم شادی کی تیاری کرو، اگر تمہیں اس سلسلے میں کچھ چاہیے تو مجھے بتا دینا اور ڈرائیور کے ساتھ جا کر لے آنا۔'' شاہ عالم کے لہجے کی کچھ دیر پہلے والی شگفتگی رخصت ہو چکی تھی۔

کائناز کا یہ جملہ بار باران کے ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ رابی کی شادی کسی بڈھے سے ہو رہی ہے، وہ سوچ رہے تھے آخر روما نے یہ بات کہی ہے اس بات میں کچھ نہ کچھ تو حقیقت ہوگی۔ اس سے آگے ان کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔

☆☆☆

''بیوٹیشن پانچ بجے تک پہنچ جائے گی، تم شاور وغیرہ لے کر فارغ ہو جانا کیونکہ کافی ٹائم لگ جائے گا۔ نکاح تو گھر پر ہی ہوگا۔ نکاح کے بعد ہم سب ہوٹل چلے جائیں گے۔ ٹھیک ہے؟'' ڈاکٹر مہر جان، رابی کے کمرے میں آ کر رابی کو شادی والے دن کا پورا پروگرام سمجھا رہی تھیں۔

''اماں جان آپ بالکل فکر نہ کریں، جیسا آپ چاہ رہی ہیں ویسا ہی ہوگا۔ آپ کو ویٹ نہیں کرنا پڑے گا......'' رابی نے نظریں اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا کر ہلکے سے گویا ہوئی۔ ڈاکٹر مہر جان کی آنکھوں میں حیرت آمیز خوشی بہت واضح تھی، وہ آگے بڑھیں شاید زندگی میں پہلی بار یا پھر رابی کی یادداشت میں پہلی بار انہوں نے بہت نرمی اور محبت سے رابی کے سر پر ہاتھ رکھا اور گہری سانس لے کر گویا ہوئیں۔

''رابی تم نے ماں کی بات مان کر ایک بہت بڑے عذاب کو ٹال دیا ہے اور میری بے سکونی کو جیسے سکون کے سمندر میں کنارہ مل گیا ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں، تمہارا خیال رکھوں گی، تم کہیں بھی رہو کسی بھی جگہ ہو، میں تم سے بے خبر نہیں رہوں گی۔ تم اپنی ہر بات ہر پرابلم ماں سے شیئر کر سکتی ہو......''

رابی کا سر اتنا زیادہ جھکا ہوا تھا کہ مہر جان اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتی تھیں لیکن رابی کی خاموشی بھی ان کے لیے بہت تھی۔ انہوں نے اس کے سر پر سے اس نرمی اور آہستگی سے اپنا ہاتھ ہٹایا۔

''تمہاری ساری چیزیں تمہارے کمرے میں پہنچ جائیں گی۔ بیوٹیشن تمہیں تمہارے کمرے میں ہی تیار کرے گی، یہ پارلر وغیرہ جانا مجھے ویسے بھی پسند نہیں اور میری نظر میں دلہن کی تیاری گھر پر ہی اچھی لگتی ہے.... بہرحال اپنی اپنی سوچ ہے۔'' یہ کہہ کر وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اب رابی نے گردن موڑ کر جاتی ہوئی ماں کو دیکھا تھا لیکن اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا...... خوشی نہ غم...... خفگی نہ غصہ...... یوں لگتا تھا جیسے اس نے اپنے سارے جذبات کسی کونے میں دبا دیے تھے اور اتنی اچھی طرح کہ وہ بار بار سر نہ ابھار سکیں۔

☆☆☆

جابر علی آتے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ جیسے کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ صابرہ سلائی مشین پر کچھ پرانے کپڑے مرمت کر رہی تھی۔

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر غور کرو، ہمیں جلدی شادی کرنا ہوگی۔''

''لیکن ہم نے کون سا اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے ہاں کہا ہے، جب ہاں ہو جائے گی پھر دیکھی جائے گی یہ تو پھر تاریخ رکھتے وقت ہی سوچا جائے گا، کتنی جلدی کرنی ہے اور کتنی دیر......'' صابرہ نے چلتی ہوئی مشین کو

روک کر شوہر کی طرف دیکھا اور بڑے وقار سے گویا ہوئی۔ صابرہ کو لڑکے کی عمر کا اندازہ ہو جانے کے بعد بہت احتیاط سے بات کرنا تھی۔

جابر علی کے اندر جیسے طیش غصے کا طوفان برپا ہو گیا۔ وہ برہان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر جلد سے جلد یہ معاملہ نپٹا دینا چاہتا تھا۔

''بھئی آخر ایک دن لڑکی کی شادی کرنی ہے، خود ہی تو ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی تھیں کہ لڑکیاں بڑی ہو گئی ہیں، کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں آ رہا۔ میں نے فلانی سے کہا ہے، ڈھمکانی سے کہا ہے اب جبکہ رشتہ آ گیا ہے تو پتا نہیں تمہارے دماغ میں کیا بھر گیا ہے۔''

''میرے دماغ میں کوئی فتور نہیں بھرا...... لیکن اتنی جلد بازی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ انسان دو روپے کی مٹی کی ہانڈی لیتا ہے تو اسے بھی ٹھوک بجا کر دیکھتا ہے کہیں چٹخی ہوئی تو نہیں ہے، لڑکا دیکھا، نہ لڑکے کا خاندان اور شادی کی جلدی ہو رہی ہے، آپ یقین کریں میری تو سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ یہ کیا ہونے جا رہا ہے۔''

''بھئی تم ٹھنڈے دماغ سے غور کرو گی تو بات ہو گی۔ تم نے تو جیسے اپنا ذہن بنا لیا ہے، اِدھر میں نے کچھ کہا اُدھر تم نے انکار کیا۔'' جابر علی نے اب ذرا تحمل کا مظاہرہ کیا کیونکہ اتنی تو سمجھ وہ بھی رکھتا تھا کہ صابرہ سے ضد، بحث یا سختی اس کے لیے اور مشکلات کھڑی کر دے گی اور وہ اپنے ایس پی کو جو اس پر فدا تھا ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں کون سا انکار کر رہی ہوں، آپ خواہ مخواہ مجھ سے بدگمان ہو جاتے ہیں، آپ لڑکے کو گھر بلا لیجیے، دیکھ لیتے ہیں۔ اتوار کا دن مناسب رہے گا کیونکہ برہان بھی گھر میں ہوتا ہے۔'' صابرہ نے بھی بہت تحمل، پُروقار انداز میں ایک منطقی بات کی۔

''بھئی تم ماں ہو، مجھے تم سے رائے لینی ہے، رہی برہان کی بات تو وہ ہوتا کون ہے......'' جابر علی نے بیوی کی طرف دیکھا۔ برہان کے نام پر اس کے ماتھے پر گہری شکنیں نمودار ہو گئیں۔

''کمال کرتے ہیں آپ! برہان آپ کا اپنا بیٹا ہے، ہماری بچیوں کا بڑا بھائی ہے، جوان ہے، گھر کے معاملے میں اپنی رائے دینے کے قابل ہے۔'' صابرہ نے فوراً ہی شوہر کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ اس کے دل پر ایک بوجھ سا آ پڑا تھا کہ آخر جابر علی، برہان کے پیچھے ہاتھ دھو کے کیوں پڑا ہے کہ اس سے ہر وقت خفا خفا رہنے لگا ہے۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، بڑا بھائی ہے مانتا ہوں لیکن ابھی رائے دینے کا اختیار نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ میں زندہ ہوں۔ میرے مرنے کے بعد میری سیٹ پر بیٹھے گا' فیصلے بھی کرے گا...... اور مشورے بھی دے گا۔ ابھی فی الحال میری طرف سے اجازت نہیں ہے۔'' جابر علی نے بڑے دوٹوک انداز میں گویا اپنا فیصلہ سنا دیا کہ وہ بیٹے کے مشورے کو اہمیت نہیں دیتا...... صابرہ کپڑے مشین کے اوپر رکھ کر کھڑی ہو گئی اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے پاس آئی جو ابھی تک بیٹھا نہیں تھا...... اتنی دیر سے کھڑا ہی تھا بلکہ ٹہل ٹہل کر صابرہ سے بات کر رہا تھا۔

''آپ غصہ تھوک دیں، برہان صرف میرا بیٹا نہیں، آپ کا اپنا خون ہے، آپ کی اپنی اولاد ہے اور جوان بیٹا باپ کا بازو ہوتا ہے۔'' صابرہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

''ابھی ان بازوؤں میں بڑا دم ہے، مجھے کسی کے بازو کی ضرورت نہیں، ہاں البتہ تم بیٹے کی جوانی پر اِترائی رہو وہ الگ بات ہے مگر اولاد پر زیادہ بھروسا کرنا بہت بڑا دھوکا ہے، جو انسان خود اپنے آپ کو دیتا ہے۔

اری باہر نکل کر دیکھو، دنیا میں کتنے پیار سے بچوں کو پالا، لاکھوں روپے لگا دیے ان کی تعلیم پر...... باہر نکل گئے مڑ کر ماں باپ کی طرف دیکھا نہیں، میموں سے شادیاں کر کے لائف انجوائے کر رہے ہیں، یہ ہے آج کل کی اولاد......''

جابر علی نے کڑے تیور کے ساتھ بیوی کی طرف دیکھا......اور اپنی طرف سے بڑی طاقت ور دلیل دی تھی۔

''میرا بیٹا ایسا نہیں ہے، وہ مجھے یا آپ کو کبھی مشکل میں تنہا نہیں چھوڑے گا......'' صابرہ نے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔

''تم کسی اور ہوا میں ہو، اس لیے کہ کچن سے لے کر سبزی والے اور گوشت والے تک تمہاری آمد و رفت ہے۔ یہ دو چار منٹ میں تم کیا دنیا دیکھوگی، صابرہ بیگم ہوش کے ناخن لو، بیٹے کو اتنا زیادہ سر پر نہ چڑھاؤ......'' جابر علی مسلسل برہان کے خلاف بول رہا تھا یہ جاغصے کا اظہار کر رہا تھا۔ صابرہ سے کیسے برداشت ہوتا یوں تو وہ ہر صورت شوہر کو قائل کرنا چاہتی تھی کہ ہر معاملے میں اسے بیٹے سے مشورہ لینا چاہیے۔

''چلیں چھوڑیں، آپ لڑکے کو بلوائیں، پہلے اسے تو دیکھ لیں، اس سے تو مل لیں، یہ تو بعد کی بات ہے اور رہی یہ بات کہ آپ سمجھتے ہیں کہ برہان بلاوجہ آپ کی مخالفت کرے گا۔ ایسا نہیں ہے اگر لڑکا پسند آگیا اور وہ واقعی اس قابل ہو کہ پسند کیا جائے تو وہ میرے اور آپ کے خلاف نہیں جائے گا اور آپ کے فیصلے پر سر جھکائے گا۔ اس کی طرف سے کسی قسم کی کوئی مخالفت نہیں ہوگی۔'' صابرہ نے جیسے اسے تسلی دی تھی۔ جس پر اس کی بات کا الٹا ہی اثر ہوا تھا۔

''وہ میرے خلاف جائے گا بھی کیسے......؟ جسے اس گھر میں رہنا ہے اسے میری بات ماننا ہوگی۔'' وہ صابرہ کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے مخاطب تھا۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں، آپ کا بیٹا ہے، آپ کا خون ہے...... آپ کیوں اتنے بدگمان ہو رہے ہیں جی۔''

''اچھا، اچھا......بس...... مجھ سے یہ چکنی چپڑی باتیں نہ کرو، یہ جو اتنا بگاڑ پھیل رہا ہے ناں یہ سب تمہی ماؤں کا کیا دھرا ہے، جاؤ اپنا کام کرو، میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا......'' جابر علی نے روایتی بے مروتی کا مظاہرہ کیا۔ صابرہ چپ چاپ باہر چلی گئی۔

☆☆☆

شبینہ، صابرہ کے کہنے پر جلدی جلدی باپ کے لیے چائے بنانے میں مصروف تھی۔ باپ کی بے وقت اور دن کی روشنی میں آمد نے اس کے اپنے ہاتھ پاؤں پھلا رکھے تھے۔

جابر علی دن کی روشنی میں کم ہی دکھائی دیتا تھا۔ آج وہ گھر آیا تھا تو یقیناً بڑی غیر معمولی بات تھی......شبینہ چائے نکالنے میں مصروف تھی کہ ستارہ بڑی خاموشی سے کچن میں داخل ہوئی اور شبینہ کے برابر میں جا کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے گردن موڑ کر بہن کی طرف دیکھا۔ جیسے اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ اخذ کرنا چاہ رہی ہو۔

''مبارک ہو۔'' ستارہ نے اس کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہا۔

شبینہ نے چائے کی چھلنی اور برتن ایک طرف رکھتے ہوئے ستارہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن اور سوال تھے۔

''کس بات کی مبارک باد دے رہی ہو؟ کیا کوئی لاٹری نکل گئی ہے، ویسے اس گھر میں ایک لاٹری ضرور نکلنی چاہیے۔ بہت سارے دلدّر دور ہو جائیں گے۔'' وہ اپنی الجھن کو مسکراہٹ کی آڑ میں چھپا کر ستارہ سے

مخاطب ہوئی۔

''بھئی تمہاری شادی ہو رہی ہے، امی کہہ رہی تھیں کہ لڑکے کو بلاؤ، لڑکا دیکھنا ہے تم بتاؤ دیکھنا ہے......؟''

شبینہ نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

''مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کیا کرو، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے لڑکا وڑکا دیکھنے کی۔''

''کیا بغیر دیکھے ہی چلی جاؤ گی اس کے گھر؟ ابا جان نے تو جیسے ٹھان لی ہے، مجھے لگ رہا ہے کہ دو چار دن میں ہی تمہاری شادی ہو جائے گی۔'' ستارہ اب شوخ انداز میں اسے چھیڑ رہی تھی......شبینہ کی نظریں جھک گئیں۔

''بھئی میں نے تمہیں کہا ہے ناں مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کرو، مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''شادی کی باتیں بھی اچھی نہیں لگتیں۔ ارے میں تو اس بات کی مبارک باد دے رہی ہوں کہ جان چھوٹ رہی ہے تمہاری......بس اب اپنے گھر میں جا کے اپنی مرضی کی زندگی گزارنا......صبح فجر سے لے کر عشا تک تمہارے کانوں میں ابا جان کی آواز نہیں آئے گی۔''

''میں اس طرح سے نہیں سوچتی ستارہ اور ابا جان کی باتوں کا برا بھی نہیں مانتی۔ وہ ہمارے باپ ہیں، ہمارے لیے دن رات محنت کرتے ہیں، ان کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنی پسند اور اپنی مرضی کے مطابق چلائیں۔'' اس نے چائے میں دودھ ملاتے ہوئے بڑی سنجیدگی اور اعتماد سے ستارہ سے بات کی تھی۔

''ہاں تم نے اور امی نے اس گھر کے ماحول کو زہر آلود کیا ہوا ہے۔ ہر جائز ناجائز بات میں، جی ہاں...... جی ہاں کرتے کرتے دوسرے لوگوں کا بھی بیڑا غرق کر دیا ہے۔ یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بندہ ٹھیک بات کرے گا اور دوسرے لوگ جب کریں گے غلط ہی کریں گے۔''

شبینہ نے ستارہ کی اس ناگوار بات کے جواب میں کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا اور چائے کا کپ لے کر کچن سے باہر جانے لگی۔

''تم واقعی میرے مقابلے میں بہت شکر گزار ہو، میرا دل کہتا ہے ابا جان تمہارے لیے کوئی ہیرا ہی چن کر لاتے ہیں۔'' ستارہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تو وہ بولی۔ شبینہ نے ستارہ کی اس بات کے جواب میں اب بھی کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے کچن سے باہر چلی گئی۔

''چلو یہ بھی بہت ہے، گھر کا کوئی ایک بندہ تو کھلی فضاؤں میں سانس لے گا۔'' اس نے ایک گہری سانس

لی اور جیسے اپنے آپ سے کہا۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان، گل جان اور روما کے ساتھ ڈائننگ میں موجود تھیں۔ رابی ابھی تک نہیں آئی تھی۔

''رابی کو نہیں بتایا کہ کھانے پر اس کا انتظار ہو رہا ہے۔'' ڈاکٹر مہر جان، گل جان کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''وہ شاید سو رہی ہیں آپا۔'' روما نے جلدی سے بولی۔

اب گل جان کے سمجھانے بجھانے سے اتنا اثر تو ہوا تھا کہ اس کا کئی دن کا خراب موڈ کچھ کچھ ٹھیک ہوتا جا رہا تھا۔

''یہ بے وقت کیسے سو گئی...... یہ کوئی سونے کا ٹائم ہے، اسے معلوم نہیں کہ اس وقت سب ڈائننگ میں ہوتے ہیں اور میرے گھر میں ہر کام وقت پر ہوتا ہے، کتنی بار بتانا پڑے گا۔''

''چھوڑیں اماں جان، اب آپا کو تھوڑی سی من مانی کرنے دیں۔ کل تو ...ویسے بھی وہ چلی جائیں گی۔'' روما نے صلح جو انداز میں ماں سے بات کی اور ساتھ ہی یہ تاثر بھی منتقل کرنا چاہا کہ وہ اب ان سے ناراض نہیں ہے کیونکہ اسے احساس تھا کہ اب گھر میں شادی ہو رہی ہے، اس کی بہن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے جا رہی ہے، خود بخود اس کے اندر صبر و سکون کی اور سمجھوتے کی کیفیت اتر آئی تھی۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' یہ کہہ کر گل جان اپنی جگہ سے کھڑی ہونے لگی۔

''میں نے آتے ہوئے دیکھا تھا خالہ جانی، آپا کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے، اس لیے میں کہہ رہی ہوں کہ آپا سو رہی ہیں۔''

''نہیں، نہیں اسے اٹھاؤ اور کہو کہ کھانے پر اس کا انتظار ہو رہا ہے، کل اس کی شادی ہے اور اسے اپنے کھانے پینے کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔'' ڈاکٹر مہر جان نے گل جان کو جیسے جانے کی اجازت دی۔ وہ خاموشی سے ڈائننگ سے باہر چلی گئی۔

''چلو تم تو شروع کرو، رابی بھی آ ہی جائے گی۔'' مہر جان نے اس سے کہا اور اپنی پلیٹ میں بڑے نپے تلے انداز میں تھوڑا سا سالن نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ اس نے ماں کی بات سنی اور آہستگی سے سالن کا ڈونگا اپنی طرف سرکایا اور چمچ ڈال کر ہلانے لگی۔

''سالن ٹھنڈا ہو جائے گا یہ کیا کر رہی ہو...... کھاتی کیوں نہیں؟'' انہوں نے اسے ٹوکا۔

''وہ میں آپا کا انتظار کر رہی ہوں، ساتھ میں شروع کرتے ہیں، وہ آ ہی رہی ہوں گی۔''

''گل جان گئی تو ہے اسے اٹھانے، تم شروع کرو......'' روما نے ماں کی بات سنی اور تابعداری کے انداز میں سالن اپنی پلیٹ میں نکالنے لگی۔ گل جان الٹے پاؤں واپس آ گئی۔ اس کے چہرے پر فکر و تشویش تھی۔ مہر جان نے نظریں اٹھا کر گل جان کی طرف دیکھا اور پھر اس طرف دیکھا جہاں سے گل جان گزر کر آئی تھی۔ جیسے وہ اندازہ لگا رہی ہوں کہ رابی اس کے پیچھے پیچھے آئی ہے کہ نہیں۔

''وہ بی بی جان...... میں نے دروازے پر دستک بھی دی، آوازیں بھی دیں۔ رابی دروازہ ہی نہیں کھول رہی۔''

''تم ذرا زور سے دروازہ بجاتیں، کیا پتا گہری نیند میں ہو۔'' انہوں نے عجیب انداز میں کہا۔ ''ہو سکتا ہے کچھ زیادہ ہی تھکی ہوئی ہو، رات کو ٹھیک سے نہ سوئی ہو، ورنہ وہ بے وقت سوتی تو نہیں ہے۔''

''بی بی جان...... میں نے کافی زور سے دستک دی تھی اور کئی آوازیں بھی دیں اندر سے کوئی آواز نہیں

آ رہی۔'' گل جان ہچکچاتے ہوئے گویا ہوئی۔ مہر جان نے یہ سن کر جیسے چند لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''میں دیکھتی ہوں، یہ بڑا مسئلہ ہے، آج کل کے بچوں کو وقت کی قدر و قیمت کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی ڈائننگ روم سے نکل گئیں تو گل جان بھی واپس سیٹ پر بیٹھنے کے بجائے ان کے پیچھے ہی چل پڑی۔ روما نے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھا اور گہری سانس لی۔

☆☆☆

''رابی دروازہ کیوں نہیں کھول رہی ہو؟'' گل جان دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹتے ہوئے رابی سے مخاطب تھی۔

ڈاکٹر مہر جان دروازے کے سامنے بنی ہوئی راہداری میں بڑی بے قراری سے ٹہل رہی تھیں۔ انہوں نے خود دستک نہیں دی تھی۔ جیسے یہ ان کی انا کے خلاف تھا کہ وہ گل جان یا کسی ملازم کے ہوتے ہوئے خود کچھ کریں۔ گل جان کی اس آواز اور دستک کے بعد بھی اندر سے کوئی آواز کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا۔ جب وہ دو چار بار زور زور سے دروازہ پیٹ چکی تو مہر جان نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

''ایک منٹ رکو گل جان...... اصیل خان سے کہو چابیاں لے کر آئے...... سارے گھر کی چابیاں اس کے پاس ہوتی ہیں۔''

گل جان بہن کا حکمیہ انداز دیکھ کر سوچتے ہوئے راہداری سے باہر چلی گئی۔

ڈاکٹر مہر جان اسی طرح بڑی بے چینی اور بے قراری سے ٹہل رہی تھیں۔ چند منٹ ہی گزرے تھے کہ گل جان اور اصیل خان دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے راہداری میں داخل ہوئے۔

اصیل خان نے لاشعوری طور پر نظر اٹھا کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔ مہر جان اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

اصیل خان نے جلدی سے نظریں جھکا لیں اور دروازے کی طرف بڑھا۔

''دروازہ کھولو اصیل خان، دیکھو اس میں اس دروازے کی چابی ضرور ہو گی کیونکہ سارے گھر کی چابیاں اس میں ہیں۔''

اصیل خان چابیوں کا گچھا لے کر دروازے کے قریب گیا اور ایک، ایک چابی لگا کر وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ سات آٹھ چابیاں وہ گھما چکا تب کہیں جا کر ایک چابی لگی۔ دروازہ کھٹاک کی آواز سے کھل گیا۔

ڈاکٹر مہر جان تیر کی طرح دروازے کی طرف بڑھیں۔ اصیل خان ان کو تیزی سے آتا ہوا دیکھ کر ایک سائڈ پر ہو گیا۔ مہر جان نے دروازے کا ہینڈل خود کھولا تھا۔ دروازہ کھلا، کمرے میں تاریکی تھی۔

مہر جان نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی اور دروازہ پورا کھول دیا۔

اصیل خان اپنی جگہ کھڑا رہا جب کہ گل جان ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئی۔ جیسے اسے خود بہت بے چینی اور بے قراری تھی۔ یہ جاننے کے لیے آخر کیا ہوا ہے، رابی دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھی اور دروازہ کھلنے کے بعد بھی اندر کسی کی موجودگی کا احساس کیوں نہیں ہو رہا۔ وہ پورے جاگتے ہوئے حواس کے ساتھ سب کچھ محسوس کر رہی تھی۔ اس وقت اس کے حواس پرندوں کے حواس کی طرح بہت تیزی سے کام کر رہے تھے۔

کمرے میں روشنی پھیل چکی تھی۔ کمرا خالی تھا...... دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف یوں دیکھا جیسے ان کے سر پر کوئی آسمان ٹوٹ پڑا ہو پھر بھی گل جان نے مہر جان سے پہلے خود کو سنبھال لیا تھا۔

''شاید واش روم میں ہے۔'' وہ آہستگی سے بولتے ہوئے آگے بڑھی اور واش روم کے دروازے پر اپنی انگلی سے دستک دی۔

مہر جان کی نظریں باہر لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر تھیں، سارے سوئچ آف تھے۔ اس نے مہر جان سے کچھ نہیں کہا۔ البتہ خود بڑی بدحواسی میں واش روم کے دروازے کا ہینڈل دبا کر دروازہ کھولا تھا واش روم میں تاریکی تھی۔ گل جان نے واش روم کی لائٹ آن کی۔ واش روم بھی خالی تھا۔ اس نے جیسے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور دہل کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔ جو سکتے کی کیفیت میں اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں اور جیسے پلکیں جھپکانا بھول چکی تھیں۔

گل جان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ بہن سے کیا بات کرے۔ وہ اپنی جگہ پتھر سی بن کر کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر مہر جان جیسے اپنے تمام حواس مجتمع کر کے اس سے مخاطب ہوئیں۔ جیسے وہ کسی کنویں میں اتری ہوئی ہوں اور ان کی آواز بہ مشکل کنوئیں کے باہر آ رہی ہو۔

''دروازہ صرف بند ہی نہیں تھا locked بھی تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ رابی دروازہ لاک کر کے باہر گئی ہے مگر کہاں گئی ہے؟'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

گل جان کو تو اپنی ٹانگیں بالکل بے جان محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کے اندر حرکت کرنے کی سکت نہیں تھی۔ ڈاکٹر مہر جان نے گل جان کی طرف گھورا۔

''اصیل خان اندر آؤ......'' مہر جان نے بڑی بلند آواز میں اصیل خان کو لتاڑا۔

اصیل خان جو راہداری میں ہی ٹہل رہا تھا اور شاید کسی اندیشے کے سبب ابھی تک آس پاس ہی تھا۔ اسے بھی کھوج تھی کہ اندر کیا ہوا ہے، رابی کا کمرا locked ہے تو رابی اندر کیا کر رہی ہے۔ جب مہر جان کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے آواز کے زیر و بم سے ہی اندازہ لگا لیا کہ کوئی قیامت برپا ہوئی ہے۔ وہ فوراً ہی اندر آ گیا تھا۔

''تم اس گھر کی چوکیداری پر مامور ہو، ٹھیک ہے گارڈ کی اپنی ڈیوٹی ہوتی ہے لیکن گارڈ پر نظر رکھنا بھی تمہارے فرائض میں سے ہے۔'' مہر جان نے اس کی طرف دیکھا اور بالکل سپاٹ لہجے میں گویا ہوئیں۔

اصیل خان کی تو قوتِ گویائی ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ وہ گونگے بہرے انسان کی طرح مہر جان کی طرف دیکھ

رہا تھا۔

”میں تم سے مخاطب ہوں اصیل خان...... رابی کا کمرا locked تھا، تم کہاں مرے ہوئے تھے، تمہیں اس گھر میں رہنے والوں کے آنے جانے کا پتا نہیں ہوتا۔ رابی کا بیڈ روم لاکڈ تھا تو اس کا کیا مطلب ہوا کہ رابی گھر میں نہیں ہے۔ وہ کس کو بتا کر باہر گئی ہے؟“ ڈاکٹر مہر جان نے اپنی نظروں کا رخ موڑ کر گل جان کی طرف گھورا۔

گل جان کے پورے وجود میں جیسے کپکپی طاری ہوگئی۔

”بی بی جان...... شام کو رابی سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش، مطمئن اور پُرسکون نظر آرہی تھی بلکہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ خالہ جانی میں اماں کی بات مان کر مطمئن ہوگئی ہوں۔ میں جو غلطی کر رہی تھی اس پر مجھے بہت شرمندگی ہے کہ میں نے اپنی ماں کو اتنا مینٹلی ٹارچر کیا اب زندگی بھر اماں کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ گل جان کانپتے ہوئے جیسے رابی کا بیان پڑھ کر سنا رہی تھی۔

”یہ سب کچھ کہا تھا تم سے رابی نے...... بے وقوف عورت! وہ ہم سب کو بے وقوف بنا رہی تھی۔ وہ بہت تیز ہے اس نے کوئی بہت بڑا اقدم اٹھالیا ہے۔“

”اصیل خان...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میں نے تم پر بہت رحم کھایا، تم نے جو درخواست پیش کی میں نے وہ منظور کی، تم نے جو کہا میں نے کرلیا۔ اب...... اب تیار ہو جاؤ اب تمہیں میری طرف سے کوئی رعایت نہیں ملے گی۔ اس خاندان کی عزت کے جنازے پر جنازے اٹھ رہے ہیں...... ارے، میں انسان ہوں، میری برداشت کی کوئی حد ہوگی؟ ہر چیز کی حد ہوتی ہے کیا میں انسان نہیں ہوں؟ کیا میرے اندر روح نہیں ہے؟ کیا میں فولاد سے ڈھلی ہوں، کیا میرے کندھے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں؟ اب میں یہ سارے بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ میں آج ہی سارے بوجھ اٹھا کر پھینک دوں گی۔ میں تمہیں...... میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی، یہ سب کچھ تمہاری مرضی سے ہوا ہوگا۔ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی تم اس گھر میں ہر طرف نظر رکھتے ہو، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس گھر میں کچھ ہو اور تمہیں خبر نہ ہو۔“

اصیل خان مہر جان کا یہ سفاکانہ انداز دیکھ کر بھی اسی طرح پُرسکون اور خاموش کھڑا ہوا تھا جب اس نے دیکھا کہ ڈاکٹر مہر جان کی بات پوری ہوگئی ہے تو بڑی آہستگی سے گویا ہوا۔

”میں مغرب کی نماز پڑھ کر صبح کے ناشتے کے لیے سودا سلف لینے کے لیے باہر نکلا تھا۔ مجھے زیادہ سے زیادہ بیس منٹ لگے ہوں گے، اتنی دیر میں گھر سے دور ضرور رہا ہوں اس کے بعد میں نے گھر کے کسی فرد کو نہیں دیکھا۔“ اس نے جیسے اپنی صفائی پیش کی۔

”مکار انسان، تو نے آخر کار مجھ سے بدلہ لے لیا۔ اگر رابی اس گھر میں نظر نہیں آئی تو یاد رکھو اب کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ ہر طرف آگ لگے گی اور میں خود لگاؤں گی۔ جاؤ اسے ڈھونڈ کر لاؤ...... وہ کہاں گئی ہے، بغیر بتائے کہاں چلی گئی، میرا دماغ بالکل کام نہیں کر رہا...... گل جان مجھے کچھ ہو رہا ہے۔ گل جان میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے مگر میں...... مگر میں تم دونوں کو...... تم دونوں کو نہیں چھوڑوں گی میں...... میں تمہارا حشر کیے بغیر نہیں مروں گی۔“ ڈاکٹر مہر جان تیر کی طرح آگے بڑھیں اور انہوں نے اصیل خان کا گریبان دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زور زور سے کئی جھٹکے دیے۔

مہر جان جیسے لڑکھڑانے لگیں...... گل جان نے آگے بڑھ کر بہن کو تھاما اور اپنے سینے سے لگالیا۔

”بی بی جان...... پلیز ہوش کریں۔ شاید رابی یہیں کہیں گئی ہو، اتنی ہمت نہیں ہے اس گھر کی لڑکیوں میں

کہ وہ رات کی تاریکی میں گھر کی دہلیز پھلانگ جائیں۔ بی بی جان...... خود کو سنبھالیں یہی کہیں گئی ہوگی، ہوسکتا ہے چھت پر ہو، بی بی جان...... خود کو سنبھالیں کچھ بھی نہیں ہوا...... کچھ بھی نہیں ہوا۔'' وہ بول رہی تھی لیکن ڈاکٹر مہرجان دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے لڑکھڑاتی ہوئی گل جان کے اوپر سارا وزن ڈال رہی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ بے ہوش ہوچکی ہیں، ان کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔

گل جان نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں اصیل خان کی طرف دیکھا تھا جیسے اس سے مدد طلب کی تھی۔ مہرجان کا پورا بوجھ گل جان پر تھا۔

اصیل خان آگے بڑھا۔ اس نے ڈاکٹر مہرجان کو اپنے بوڑھے مگر مضبوط بازوؤں میں تھام لیا اور وہیں رابی کے بستر پر لٹا دیا۔

''آپ ڈاکٹر صاحبہ کا خیال رکھیں میں...... میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں، ڈاکٹر صمد، ڈاکٹر مہرجان کے ساتھ کام کرتے ہیں اور قریب بھی ہیں، میں انہی کو بلاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اصیل خان تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

گل جان، مہرجان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اور ان کی ہتھیلیوں کو اپنی ہتھیلیوں سے رگڑ رہی تھی۔ اس کا اپنا ذہن بالکل ماؤف ہوچکا تھا۔ جیسے آخری سانسیں گن رہی ہو۔

☆☆☆

برہان اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا نوٹس بنا رہا تھا وہ بڑی تیزی سے قلم چلا رہا تھا۔ قلم چلاتے چلاتے اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے کمرے کا دروازہ بڑی آہستگی سے کھلا ہے۔ اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو ستارہ دبے پاؤں چوروں کی طرح اندر آرہی تھی۔ ستارہ کو دیکھ کر اس نے پین رکھ دیا۔ ستارہ نے اندر داخل ہوکر بہت محتاط انداز میں دروازے کو بند کیا اور بھائی کے قریب چلی آئی۔

''خیریت......؟ ابھی تک جاگ رہی ہو پھر کوئی الٹی سیدھی حرکت تو نہیں کی، لگتا ہے ابا جان کی جھاڑیں کھا کر آرہی ہو۔'' وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ابا جان اتنی آہستہ آواز میں نہیں جھاڑتے اگر مجھے جھاڑیں پڑتیں تو آپ کے کمرے تک آوازیں آتیں۔'' ستارہ بہت آہستہ آواز میں بات کررہی تھی۔

''تمہارا انداز بڑا پُراسرار ہے، خیریت تو ہے؟''

''ایک خبر آپ کو سنانے آئی ہوں بھائی جان۔''

''خبر......؟'' اس نے بہن کی طرف کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''وہ بھائی جان آج ابا جان بڑی جلدی آگئے تھے اور امی سے شبینہ کی شادی کی باتیں کررہے تھے۔ شبینہ تو کچھ نہیں بولتی۔ وہ تو بہت اچھی بیٹی ہے، بس میں ہی خراب ہوں۔''

''اصل بات کرو...... کہاں سے کہاں چلی جاتی ہو، کیا کہنے آئی تھیں، کیا خبر ہے تمہارے پاس؟'' برہان الجھن میں پڑ گیا تھا اور شبینہ کی شادی کی بات پر تو ظاہر ہے اس نے چونکنا ہی تھا۔

''میں یہ کہنے آئی ہوں بھائی جان کہ ابا جان...... امی سے شبینہ کی شادی کی بات کررہے تھے، پتا نہیں کہیں اپنے ہی جیسا کوئی نہ ڈھونڈ لیا ہو۔''

''کیا مطلب اپنے ہی جیسا؟ ستارہ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''بھائی جان میں یہ کہہ رہی ہوں، وہ جو کوئی بھی بندہ ہے، آپ ضرور دیکھ لیں، پتا نہیں کس سے شبینہ کی

شادی کررہے ہیں ابا۔''

''پاگل ہو تم...... ایسے ہی شادی ہوجائے گی، ظاہر ہے وہ جو بھی ہے امی بھی دیکھیں گی، میں بھی دیکھوں گا، تم کیوں اتنی ٹینشن میں ہو۔''

''میں تو صرف آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ خدا کے لیے آنکھیں بند کر کے شبینہ کی شادی نہ کردیجیے گا۔ ابا جان کو تو جو بھی پسند آئے گا اپنے ہی حساب سے پسند آئے گا۔''

''ضروری نہیں ہے ستارہ، ہوسکتا ہے ابا جان کوئی بہت ہی اچھا رشتہ لے کر آئے ہوں۔ ان کے کسی ملنے جلنے والے نے بتایا ہوگا۔ تم فضول میں ٹینس ہورہی ہو، جا کر آرام سے سو جاؤ، جب دیکھنے دکھانے کی نوبت آئے گی تو دیکھ لیں گے۔''

''بھائی جان بس آپ سے اتنی ریکوئسٹ ہے کہ اگر کوئی یونہی سا بندہ ہے تو آپ کو اسٹینڈ لینا پڑے گا۔ دیکھیں شبینہ تو کچھ نہیں بولے گی، ظاہر ہے میں بھی ابا جان کے سامنے نہیں بول سکتی صرف آپ ہیں جو غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہہ سکتے ہیں۔''

''میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں ستارہ لیکن میری بھی ایک حد ہے، میں باپ کے سامنے ایک حد تک ہی بات کرسکتا ہوں، ان کے ساتھ جنگ نہیں کرسکتا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بھائی جان لیکن آپ دیکھ لیں، مجھے تو پتا نہیں کیوں فکر سی ہوگئی ہے، پتا نہیں کون ہے وہ۔''

''تم اپنی فکر کرو، شبینہ کی فکر چھوڑو اور اپنی پڑھائی لکھائی پر توجہ دو، میرے اور امی کے ہوتے ہوئے تمہیں اس طرح سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابا جان بھی باپ ہیں، وہ اپنی بیٹی کے لیے کوئی غلط سلط بندے کا انتخاب نہیں کریں گے۔ اتنی زیادہ بدگمانی بھی اچھی نہیں ہوتی۔''

''بات بدگمانی کی نہیں ہے، بھائی میں تو یہ کہہ رہی ہوں۔''

''تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ستارہ، کوئی بات ہوگی تو امی ڈائریکٹ بات کریں گی مجھ سے اور کوئی بھی انسان اپنی سگی اولاد کو کنوئیں میں دھکا نہیں دیتا۔ ابا جان جو کچھ کریں گے ظاہر ہے سوچ سمجھ کر ہی کریں گے۔ ان کو شبینہ سے کوئی دشمنی تو نہیں ہے ناں کہ وہ اسے کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دیں گے...... جاؤ جا کر سو جاؤ، جب امی مجھ سے بات کریں گی تو پھر میں دیکھ لوں گا۔'' برہان نے قطعی اور دوٹوک انداز میں ستارہ سے کہا تو اس نے خود کو مزید کوئی بات کرنے سے روک لیا اور سر جھکا کر کمرے سے چلی گئی۔

☆☆☆

وہ ہوش میں آچکی تھیں، انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بیڈ کے کنارے پر یوں ٹکایا ہوا تھا جیسے اپنا سارا بوجھ ہاتھوں پر ڈالا ہوا تھا۔

اصیل خان اور گل جان مجرموں کی طرح سر جھکائے ان کے سامنے کھڑے تھے۔ مہرجان نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔

''اصیل خان مجھے رابی چاہیے، صبح ہونے سے پہلے' پہلے مجھے رابی چاہیے اور تم رابی کو لے کر آؤ گے۔ جہاں کہیں بھی گئی ہے۔''

''ڈاکٹر صاحبہ میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں' میں اس قسم کی حرکت نہیں کرسکتا۔'' اصیل خان نے سر جھکا کر بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا تھا۔ اس کے لب ولہجے اور چہرے پر خوف یا کسی قسم کی سراسیمگی نہیں تھی۔

"تم ایک شیطانی دماغ کے مالک ہو، اصیل خان...... سازشی انسان، تم نے پھر میری پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے، میں نے...... میں نے تمہاری درخواست قبول کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ میں آج تک ایک سانپ کو دودھ پلا رہی تھی۔" یہ کہہ کر مہر جان نے گہری گہری سانسیں لیں۔

گل جان کانپ رہی تھی...... مگر بالکل خاموش تھی، اسے پتا تھا کہ کسی بھی لمحے مہر جان کی طرف سے اس پر بھی وار ہوگا۔

"تم نے میرے پاؤں پڑ کر ایک کمٹمنٹ کی تھی اصیل خان...... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تم اتنا بھرپور نیا وار کرو گے......" وہ پھر اصیل خان سے مخاطب تھیں۔

"میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں ڈاکٹر صاحبہ، آپ جو مرضی قسم لے لیں، جب بھی حلف اٹھوائیں اس سے آگے میں اپنی صفائی میں کچھ بھی نہیں کہہ سکوں گا۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں تو گولی مار دیں مجھے، میں اپنی جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر نہیں بھاگوں گا۔ آپ جو سلوک میرے ساتھ کرنا چاہیں...... میں حاضر ہوں۔"

"کب تک مقابلہ کروں میں، کب تک...... تم لوگ نہیں تھک رہے، میں تھکتی جا رہی ہوں۔" مہر جان جیسے بستر سے اٹھ نہیں پا رہی تھیں ان کے سارے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے۔ لہجے میں عجیب سی شکستگی تھی جو بہت واضح محسوس ہو رہی تھی۔ روما کافی دیر انتظار کے بعد بڑی بے قراری ہو کر اپنے کمرے سے باہر آئی تھی کیونکہ اس کے اپنے اندر بڑی قیامت خیز دھکڑ پکڑ ہو رہی تھی لیکن وہ وہیں کمرے کے دروازے کے باہر ہی رک گئی تھی اور اندر ہونے والی باتیں باہر کھڑی ہو کر سننے لگی تھی۔

"گل جان تم یہاں کھڑی ہوئی تماشا دیکھ رہی ہو، تم نے بھی مجھ سے آج زبردست انتقام لے لیا۔ میری نظروں کے سامنے سے ہٹ جاؤ کیونکہ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔"

وہ یہ سن کر بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ یونہی کھڑی رہی جیسے مہر جان کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں اور وہ چن رہی ہو۔ ڈاکٹر مہر جان نے شعلہ بار نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا تم سے زبانی کلامی رشتہ نہیں ہے گل جان اور کاغذی رشتہ بھی نہیں ہے، تم تو میرا خون ہو، سگی بہن ہو میری، روزِ محشر اپنے پرکھوں سے شاید میں بہت سے سوال کروں لیکن کیا کروں روزِ محشر آ کر نہیں دے رہا اور میرے اندر روز حشر اٹھتے ہیں وہ حشر برپا ہونے سے پہلے، پہلے نہ جانے میرے اندر کتنے حشر برپا ہو چکے ہوں گے۔" مہر جان بہت آہستہ آواز میں گل جان سے مخاطب تھیں...... وہ یہ سن کر جیسے تڑپ گئی...... آگے بڑھی اور اس نے ان کے پاؤں پکڑ لیے۔

"بی بی جان...... اب تو اعتبار کر لیں، ایک عمر کٹ گئی آپ کے ساتھ، میرا آپ سے خون کا رشتہ ہے، اب اتنی اندھیر نگری بھی نہیں۔"

"اندھیر نگریوں سے تو میں گزر آئی گل جان پھر یہ میرا نئے سرے سے کیسا امتحان ہے، کہاں ہے رابی...... رابی کو لاؤ...... مجھے کچھ نہیں سننا...... تم لوگوں سے قسمیں نہیں لینی۔ حلف نہیں اٹھوانے، مجھے صرف اور صرف رابی لاؤ، صبح ہونے سے پہلے، پہلے مجھے رابی کی شکل دکھاؤ، ورنہ اپنی شکلیں گم کرو۔" مہر جان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ایک جھٹکے سے اپنے پاؤں اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیے۔

اصیل خان الٹے پاؤں چلتا ہوا کمرے سے باہر جانے لگا۔

گل جان بدحواس ہو کر اصیل خان کی طرف دیکھنے لگی۔ جیسے خاموشی کی زبان میں کہہ رہی ہو کہ اصیل خان ہمیں اکیلا چھوڑ کر مت چلے جانا۔

"میں نے آس پاس رابی کی سب سہیلیوں کے گھر پتا کر لیا ہے، ڈاکٹر صاحبہ...... میں جاتا ہوں، ہو سکتا ہے کسی سہیلی کے گھر گئی ہو، راستے میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہو، آپ حوصلہ رکھیں، رابی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ گھر سے بہت دور جا سکے۔" اصیل خان جیسے انہیں تسلی دے رہا تھا۔

"تم اس صدی کے سب سے بڑے شیطان ہو، مت بہلاؤ مجھے، رابی کو لے کر آؤ۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں سننا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھے تسلی دینے کی۔ مجھے صرف رابی چاہیے۔ دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔"

اب ڈاکٹر مہر جان پوری قوت سے حلق پھاڑ کر چیخی تھیں۔ وہ کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔

گل جان یوں سر جھکائے کھڑی تھی جیسے پھانسی کا پھندا اس کے گلے میں آ چکا ہو اور جلاّد لیور گھمانے ہی والا ہو، موت اور زندگی کے درمیان لمحوں کا فاصلہ رہ گیا ہو۔

☆☆☆

"شام کو تین چار بندے چائے پر ہوں گے کچھ گھر میں بنا لینا کچھ منگوا لینا۔" جابر علی اپنا یونیفارم پہننے کے بعد بیلٹ کستا ہوا صابرہ کے پاس چلا آیا تھا۔

صابرہ کچن کی طرف اس کا ناشتا لینے جا رہی تھی۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ نماز کے بعد وہ جابر علی کی تیاری میں اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ اس کا یونیفارم نکال کر دینا اور دیگر ضروری چیزیں جوتے وغیرہ نکال کر سامنے رکھنا، یہ سارے کام کرنے کے بعد پھر وہ کچن میں آتی تھی اور اس کا ناشتا تیار کرتی تھی۔ ستارہ اور شبینہ کے کمرے سے کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ وہ فی الحال ان دونوں کو مخاطب نہیں کرنا چاہتی تھی، نہ یہ چاہتی تھی کہ وہ کالج جائیں کیونکہ اس کا ذہن مسلسل ایک ہی جگہ اٹکا ہوا تھا کہ جابر علی شبینہ کا رشتہ لے آیا ہے، اس رشتے سے خوش بھی ہے اور شادی بھی جلدی کرنا چاہتا ہے، لڑکیوں کی پڑھائی لکھائی سے اس کا ذہن بالکل ہٹ گیا تھا۔ ایک عجیب سی بیزاری اور سرد مہری اس کے اندر اتر رہی تھی لیکن منظر دھندلائے ہوئے تھے، کچھ بھی تو واضح نہیں تھا۔ درحقیقت اسے صبح سویرے آج گھر میں یہ خاموشی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کافی عرصے بعد جابر علی کی تیز گرجتی برستی آواز سے سماعتیں محروم تھیں اور آج تو جابر علی خود بھی بہت محتاط تھا، کوئی متنازع بات نہیں چھیڑی تھی۔ بڑی پُرسکون سی صبح تھی۔ صابرہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ اس گھر میں اسی طرح سکون ہو، خوشی ہو، محبت ہو، سب کام بخیر و خوبی ہو جائیں اور اب جبکہ جابر علی نے کہہ دیا تھا کہ شام کو لڑکا آ رہا ہے تو بات بہت قریب آ چکی تھی۔ اب لڑکا دیکھنے سے پہلے اس موضوع پر بات چیت کرنا مناسب لگ ہی نہیں رہا تھا۔

"وہ میں یہ پوچھ رہی تھی کہ لڑکے کی ماں یا اس کی بہن وغیرہ بھی اس کے ساتھ آئیں گی؟" صابرہ نے کچن سے ذرا اونچی آواز میں جابر علی کو متوجہ کر کے پوچھا تھا۔

"نہیں، نہیں بھئی بتایا تو تھا کہ ماں باپ نہیں ہیں اس کے اب وہ جعلی رشتے تو بنا کر لانے سے رہا۔ بہت نیک انسان ہے، نمازی پرہیزگار، آج کل کے دور میں پیسے والے کے پاس دین داری کہاں...... جس کے پاس زیادہ پیسہ آ جاتا ہے، وہ تو جیسے اپنے پیسے کو نعوذ باللہ معبود بنا لیتا ہے، یہ ہماری خوش قسمتی ہے یا پھر تمہاری دعائیں قبول ہو گئیں جو تم اپنی اولاد کے لیے کرتی ہو، بہت اچھا رہن سہن ہے اس کا۔ اتنا بڑا کاروبار ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے اور ہمیں کیا چاہیے۔"

جابر علی اپنے شولڈر پر اسٹار وغیرہ جماتے جماتے پھر کمرے سے آ کر کچن کے دروازے سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہو کر بیوی سے بڑے دوستانہ انداز میں بات کر رہا تھا...... اور صابرہ کا جی چاہ رہا تھا کہ یہ وقت رک جائے۔

''تو پھر ساتھ کون لوگ ہوں گے؟'' صابرہ نے یونہی پوچھ لیا۔ بیٹی کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔ اتنا کچھ پوچھنا تو ایک قدرتی سا عمل تھا۔

''لڑکے کے ساتھ اس کا رشتے دار جو مجھے معلوم نہیں کہ ماموں ہے یا بڑا بھائی ہے وہ ہوگا اور ایک دو اس کے دوست ہوں گے جو یہیں کے رہنے والے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ کاروبار کرتا ہے۔ روز کا ملنا جلنا ہے۔'' جابر علی بہت پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ جیسے اسے کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو۔

صابرہ نے دل ہی دل میں سوچا' یہ تو خود پولیس والے ہیں سیدھی سادی باتوں میں بھی شک کرتے ہیں اور پورا ایکسرے نکالتے ہیں اب بیٹی کے معاملے میں تو ظاہر ہے انہوں نے اچھی طرح اپنی تسلی کی ہوگی۔'' اس کے اپنے اندر ایک خوشگوار سا جذبہ کروٹیں لینے لگا۔ آخر کار جوان بیٹی کی شادی کی بات شروع ہو چکی تھی اور وہ بھی جابر علی کی طرف سے جب وہ اس کی توجہ لڑکیوں کی طرف دلاتی تھی تو وہ غصے میں کہا کرتا تھا۔

''کون سا عمر نکلی جا رہی ہے۔''

اب صابرہ اسے یہ نہیں کہہ پاتی تھی کہ لڑکیوں کی عمر کے نکلنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جوان ہونے کے بعد ان کی ذمے داری کو محسوس کرنا چاہیے اور اس ذمے داری کو نبھانے کے لیے کوشش بھی کرنی چاہیے۔ باقی تو سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تقدیر اس نے لکھ دی وہ طے ہے۔

''آپ فکر نہ کریں آپ کو سب کچھ تیار ملے گا۔ میں تو دعا کر رہی ہوں کہ اللہ میری دونوں بیٹیوں کے بھاگ جگا دے، ان کو اچھے بر مل جائیں اور ایسے گھروں میں جائیں جہاں اللہ ان کو ہر طرح کا سکون دے...... آمین۔'' صابرہ نے کہا اور جلدی جلدی پراٹھے بیلنے لگی۔

جابر علی دوبارہ کمرے میں جا چکا تھا۔

☆☆☆

رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ اب ڈاکٹر مہر جان جیسے عملی اقدام کی طرف آ گئی تھیں۔ ان کا موبائل کان سے لگا تھا۔ گل جان کارپٹ پر بیٹھی تھی...... اصیل خان، مہر جان سے کافی فاصلے پر ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔

''واسطی صاحب یوں سمجھ لیں کہ میرے لیے وہ لڑکی بہت اہم ہے، وہ میری خاندانی نوکرانی کی بیٹی ہے۔'' ڈاکٹر مہر جان فون پر بات کر رہی تھیں۔

گل جان نے چونک کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔ مگر فوراً ہی نظریں جھکا لی تھیں۔ مہر جان دوسری طرف کی بات سن رہی تھی۔ پھر بات سننے کے بعد سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

''واسطی صاحب پلیز کچھ کریں۔ میں نے ساری زندگی کبھی آپ کو اپنے کسی ذاتی کام کے لیے نہیں کہا۔ یہ بہت اہم ہے اور یہ کام آپ ہی کو کرنا ہے، مجھے کچھ نہیں پتا۔'' اتنا کہہ کر وہ رک گئیں... اور دوسری طرف کی بات سننے لگیں۔

''آپ اس کی تفصیلات لکھ لیں، پولیس سے رابطہ کرنا، پولیس سے کام لینا، یہ سب آپ کا کام ہے، میں پولیس اسٹیشن نہیں جاؤں گی، مجھے تو صرف وہ لڑکی چاہیے ہر قیمت پر، ہر صورت اور آپ سے ریکویسٹ

کروں گی یہ کام اگر آج ہی کی تاریخ میں ہو تو بہت اچھا ہے۔ میں اسے اپنی زندگی میں آپ کا سب سے بڑا احسان مانوں گی۔'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا اور باری باری گل جان اور اصیل خان کی طرف دیکھا پھر ایک مدہم سی پُراسراری مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ وہ بڑی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ گل جان سے مخاطب ہوئی تھیں۔ اصیل خان کو انہوں نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

''مجبوری ہے گل جان...... دنیا کو کیسے کہہ دوں کہ میری بیٹی بھاگ گئی ہے، اس گھر کی نوکرانی کی بیٹی بتانے سے لے کر کسی کیمپ سے خریدی ہوئی لڑکی کہنے تک کو تیار ہوں مگر اخباروں میں یہ خبر نہیں چھپنے دوں گی کہ ڈاکٹر مہر جان کی بیٹی گھر سے بھاگ گئی ہے۔''

گل جان نے اپنا جھکا ہوا سر یوں اٹھایا۔ اس کا سارا وجود جیسے کان بنا ہوا تھا۔ وہ ایک' ایک حرف اپنے اندر اتار رہی تھی جو مہر جان کے منہ سے نکل رہا تھا۔ گل جان کی خاموشی دیکھ کر مہر جان پھر بولیں۔

''گل جان جو ایک مرتبہ ذلیل ہو جائے، ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جاتا ہے کیونکہ ذلت کی انتہا سے گزر کر بندہ بے خوف ہو جاتا ہے۔ سارے خوف ختم ہو جاتے ہیں، ذلت کا ذائقہ چکھنے کے بعد لوگ عزت کے مستحق نہیں رہتے اور پھر عزت کی تمنا کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں لیکن کیا کریں جس نے آج تک عزت کو سنبھال کر رکھا ہو اس کے لیے تو ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔''

یہ جملہ سن کر گل جان نے گھبرا کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔ جواَب براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔ ان کا لہجہ بالکل بے تاثر اور سپاٹ تھا۔

''مگر میں اپنی جان نہیں لوں گی اور نہ ہی یہ کہوں گی کہ میری بیٹی بھاگ گئی ہے، دنیا کوئی چھان بین کرنے تو نہیں آ رہی۔ تمہیں پتا ہے ناں کہ تمہاری بہن اس شہر میں کتنی عزت دار ہے، لوگ اس کا کتنا احترام کرتے ہیں اور اس بہن کی اس عزت کے صدقے میں تمہیں بھی عزت مل جاتی ہے۔''

گل جان اور اصیل خان اپنی جگہ پر ساکت اور جامد مہر جان کا ایک، ایک لفظ سن رہے تھے مگر ان کے چہروں پر مہر جان کی کہی باتوں کا ردِعمل ظاہر نہیں تھا۔ یوں جیسے کنویں میں سکے گر رہے ہوں۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان نے روما کو کالج جانے سے منع کر دیا تھا اور وجہ نہیں بتائی تھی۔ وجہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ گھر میں موت سے بھی بڑا حادثہ ہوا تھا۔ وہ تو اتنی محتاط ہو گئی تھیں جیسے روما کے اٹھتے قدموں کو بھی تول رہی ہوں۔ انہوں نے براہِ راست روما کو نہیں کہا تھا کہ وہ کالج نہ جائے، یہ پیغام گل جان کے توسط سے اس تک پہنچا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری تھی۔ پریشانی، دکھ، صدمہ حیرت کیا کچھ نہیں تھا۔ ذہن بار بار ایک ہی نقطہ پر آ کر ٹھہر جاتا تھا کہ آخر اس کی آپا کہاں چلی گئی اور ان کی اتنی ہمت کیسے ہوئی۔ جب تک رات باقی تھی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ اچھا ہو جائے گا۔ رانی اچانک کہیں سے آ جائے گی اور پتا چلے گا کہ اس کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ ہو گیا تھا کہ وہ گھر دیر سے لوٹی ہے لیکن رات گزر گئی تھی صبح کا نور تیز دھوپ کے اجالے میں گم ہو چکا تھا۔ اور رانی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، وہ بھی انسان تھی کچھ کہنا سننا چاہتی تھی لیکن مہر جان، گل جان اس کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کرتی تھیں۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مہر جان اسے اس کے کمرے میں جانے کا کہہ رہی تھیں۔ آخر کار اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا راستہ ڈھونڈ ہی لیا۔

کارڈلیس لے کر چھت پر آ گئی، وہ کائنات سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اسے پتا تھا کہ کائنات اکیلی کالج پہنچی

ہوگی اور اسے نہ پا کر اسے کس قدر ٹینشن ہو رہی ہوگی۔ اس نے جیسے ہی کائناز کا نمبر ڈائل کیا' پہلی رنگ پر ہی کال ریسیو ہوگئی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کائناز کتنی بے تابی سے اس کے بارے میں سوچ رہی تھی یا اس کی کال کا انتظار کر رہی تھی۔

''ہیلو کائناز میں گھر پر ہی ہوں، آج کالج نہیں آؤں گی۔'' روما کے لہجے میں جو شکستگی اور ٹوٹ پھوٹ تھی وہ کائناز نے پوری قوت سے اپنے حواس میں اترتی ہوئی محسوس کی اور اس کا دل ڈوبنے لگا۔

''خیریت تو ہے روما کیا ہوا ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''کائناز میں تم سے لمبی چوڑی بات نہیں کر سکتی ہوں، میں بہت ٹینشن میں ہوں، پتا نہیں کب اماں جان میرے کمرے میں آجائیں اور مجھے نہ پا کر ڈھونڈنے لگیں، اب تو بہت ڈر لگ رہا ہے پہلے سے بھی زیادہ......'' روما بے ربط انداز میں جلدی جلدی بولنے لگی۔

''لیکن آخر ہوا کیا ہے، یہ تو بتاؤ ناں تم تو بہت پریشان لگ رہی ہو، ویسے تو پریشان رہتی ہی ہو لیکن اس وقت تمہارے انداز میں مجھے کچھ خاص محسوس ہو رہا ہے؟'' کائناز بڑی دل سوزی سے تڑپ کر پوچھ رہی تھی۔

''میں نے تمہیں یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے کائناز کہ رابی آپا گھر چھوڑ کر چلی گئی ہیں، رات تک تو ہم یہ سمجھتے رہے کہ شاید وہ کہیں گئی ہوں، کچھ مسئلہ ہوگیا ہو، پھنس گئی ہوں، دیر سے واپس آئیں لیکن اب دیکھو کیا ٹائم ہو رہا ہے، ان کا دور دور تک پتا نہیں ہے، نہ کوئی فون آیا ہے، نہ ان کی دوستوں کے گھر سے کچھ پتا چلا ہے۔''

روما بول رہی تھی اور کائناز کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ یہ تو جیسے ایک پورے وجود کو ریزہ ریزہ کر دینے والا دھماکا تھا۔ وہ تو یہ سب کچھ سن کر بولنے کے قابل ہی نہیں رہی۔ بڑی مشکل سے اس کے حلق سے آواز نکل رہی تھی۔

''اوہ میرے خدایا...... یہ تو بہت سیریس معاملہ ہے، خدانخواستہ کہیں ایسا تو نہیں رابی آپا کو کسی نے کڈنیپ۔ کرلیا ہو؟''

''کچھ نہیں کہہ سکتے کائناز...... اماں جان رات سے کوششیں کر رہی ہیں، دعا کرو، رابی آپا گھر آجائیں، ورنہ تو سمجھو بس ہم تو گئے۔ میں تم سے پھر بعد میں بات کروں گی۔''

اتنا کہہ کر روما نے جلدی سے فون بند کر دیا تھا اور کائناز اپنی جگہ پر یوں کھڑی رہ گئی تھی جیسے اس کا وجود روح سے خالی ہوگیا ہو۔

☆☆☆

ائرپورٹ کے ڈپارچر لاؤنج میں کافی رش تھا۔ وہ بڑی سی چادر میں خود کو چھپائے ایک صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا بریف کیس اور ایک ہینڈ بیگ تھا۔ اس نے اوڑھی ہوئی چادر سے اپنے چہرے کو بہت اچھی طرح چھپایا ہوا تھا اور آنکھوں پر سن گلاسز لگے ہوئے تھے۔ ڈپارچر لاؤنج میں فلائٹ کے لیے اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔

''جانے والی پرواز پی کے 309...... روانگی کے لیے تیار ہے۔'' اتنا سننے کے ساتھ ہی وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے بیگ کندھے پر لٹکایا اور بریف کیس کا ہینڈل مضبوطی سے تھام لیا اب رابی اس طرف بڑھ رہی تھی جس طرفِ اسلام آباد جانے والے مسافر جہاز میں سوار ہونے کے لیے رواں دواں تھے۔

(جاری ہے)

امانت

رفعت سراج

قسط 5

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُر درد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اسمٰعیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ مہر جان، رابی کی شادی سہراب خان سے طے کرتی ہیں جو عمر میں رابی سے کافی بڑا ہے۔ اس شادی پر رابی تیار نہیں ہوتی۔ کا ئناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈ ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ سب انسپکٹر جابر علی نے آج تک کبھی رشوت نہیں لی تھی۔ رزق حلال کی کمائی سے اپنے گھر کو چلایا اس کی بیوی صابرہ، بیٹا برہان اور بیٹیاں شبینہ اور ستارہ اسی کمائی میں گزارہ کررہے تھے لیکن کبھی کبھی ستارہ اپنے حالات سے تنگ آجاتی ہے۔ شبینہ اپنے والد جابر علی سے چھپ کر اپنی دوست فائزہ کے گھر جاتی ہے وہاں اس کی ملاقات فائزہ کے بھائی احمر سے ہوتی ہے۔ احمر کو وہ بہت اچھی لگتی ہے۔ ایس پی شیر زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے۔ جابر علی، صابرہ سے رشتے کی بات کرتا ہے تو صابرہ اسے گھر بلانے کو اور بیٹے برہان سے مشورے کا کہتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

ڈاکٹر مہر جان کافی دیر سے فون پر مسلسل مصروف تھیں۔ ایک کال سے فارغ ہوتیں تو دوسری ملانے لگتیں۔ ابھی وہ چھٹی یا ساتویں کال کرکے فارغ ہوئی تھیں کہ ریسیور رکھتے ہی گھنٹی بجنے لگی۔ انہوں نے بڑی بے تابی سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے ان کی اسسٹنٹ ڈاکٹر ناز بات کررہی تھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ کیا آپ آج لیٹ ہیں؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''نہیں، آج میں نہیں آرہی ڈاکٹر ناز...... بہت بزی ہوں، آپ دیکھ لیں کوئی نیا پیشنٹ تو نہیں آیا۔'' ڈاکٹر مہر جان نے بڑی بیزاری کی سی کیفیت میں ڈاکٹر ناز کو جواب دیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ایک مریض آیا ہے، اس کی بہت بری حالت ہے، یوں سمجھ لیں بالکل پاگل ہوچکا ہے، اس کے گھر والے اسے زبردستی پکڑ کر اسپتال تک لائے ہیں، اتنا چیخ رہا تھا کہ پورا اسپتال گونج رہا تھا۔''

ڈاکٹر ناز بتارہی تھی، انہوں نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

''کیوں، کیا اس کی بیٹی بھاگ گئی ہے؟'' ڈاکٹر ناز، مہر جان کا یہ جملہ سن کر بری طرح سے سٹپٹا گئی اور بولی۔

''جی ڈاکٹر صاحبہ......'' ڈاکٹر مہر جان نے اس کی بات سن کر فوراً ہی خود کو سنبھالا۔

''وہ پیشنٹ پاگل خانے کا مسئلہ ہے، میں نیورو سرجن ہوں، اس کے اٹینڈنٹ سے کہیں کہ وہ اس مریض کو پاگل خانے لے جائیں۔ ویسے بھی میں کسی سیریس پیشنٹ کو ٹائم نہیں دے پاؤں گی......'' انہوں نے فقط اتنا ہی کہا۔

''اوکے میم!'' ڈاکٹر ناز نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔ ڈاکٹر مہر جان چند لمحے ریسیور کی طرف گھورتی رہیں پھر آہستگی سے اسے کریڈل پر رکھ دیا۔

''پتا نہیں کون بدنصیب ہے، شاید مجھ سے بھی بڑی افتاد اس پر ٹوٹی ہے، میں تو ابھی پاگل نہیں ہوئی۔'' وہ جیسے اپنے آپ سے باتیں کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆

وارث علی اپنے دو دوستوں کے ساتھ بَردِکھوے کے لیے جابر علی کے گھر پہنچ گیا تھا۔

جابر علی نے اسے بڑی عزت کے ساتھ اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اس کی عمر اس کے چہرے سے صاف پتا چل رہی تھی۔ اسی ایک نکتے پر جابر علی سوچ میں بھی پڑ گیا تھا لیکن بہت جلد ہی وہ ایس پی کے جملوں کی زد میں آگیا۔ اس کے کانوں میں ایس پی کے جملے گونجنے لگے۔

''بہت نیک، پرہیزگار، دین دار...... ٹھیک ہے عمر سے کیا فرق پڑتا ہے، انسان کے اخلاق کے ساتھ زندگی گزرتی ہے۔ اب کسی جوان لڑکے سے کردیں، اس کا کیا بھروسا کیسی بیٹھک ہے، کیا پتا چھپ چھپ کر نشہ کرنے والا ہو، کم از کم اس بندے کے بارے میں ہمیں سب پتا تو ہے۔'' وہ اپنے آپ کو خود ہی سمجھانے لگا۔

اس نے برہان اور صابرہ کو مطلع کردیا تھا اس لیے برہان وقت سے پہلے ہی گھر آچکا تھا۔ اسے خود بھی کھوج لگ رہی تھی کہ اس کا باپ کیا کرنے جارہا ہے، اس کی بہن کی تقدیر کا فیصلہ ہونے جارہا تھا۔ ایک بے چینی نے اسے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

جب وارث علی گھر میں داخل ہوا تو برہان اپنے کمرے میں تھا...... اور ستارہ اسے بتانے آئی تھی کہ مہمان آگئے ہیں، یہ سنتے ہی وہ بڑی سرعت سے تقریباً زینہ پھلانگتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آیا تھا اور ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑا ہو کر مہمانوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے فی الحال یہ سمجھ نہیں آئی کہ ان تینوں میں سے امیدوار کون ہے۔ جابر علی کی نظر جیسے ہی بیٹے پر پڑی وہ بڑی گرم جوشی سے اس سے مخاطب ہوا۔

''آؤ...... آؤ بھئی وہاں کیوں رک گئے، دیکھو تو سہی اتنے معزز مہمان آئے ہیں، بس تمہارا ہی انتظار ہورہا تھا۔ میں نے بتایا تھا، میرا بیٹا NED یونیورسٹی میں پڑھتا ہے، ماشاء اللہ بہت قابل اور لائق بچہ ہے، بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوتا رہا ہے۔'' اب وہ تعارف کروا رہا تھا۔

''یہ ہیں، وارث علی۔'' وارث علی اپنا نام سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھا اور بڑی گرم جوشی سے مصافحے کے لیے برہان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ وارث علی کا اٹھنا تھا کہ برہان کو جیسے چکر آگئے۔ ایک اچھی عمر کا پختہ مرد اس کے سامنے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا ئے کھڑا تھا۔ برہان کی حالت غیر ہونے لگی۔ جی تو یہی چاہا کہ اس شخص سے مصافحہ کیے بغیر ڈرائنگ روم سے باہر چلا جائے اور واپس پلٹ کر ادھر نہ آئے لیکن صورتِ حال اتنی نازک تھی کہ اسے سیکنڈوں میں فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے، اس نے طوعاً و کرہاً وارث علی کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور آپ کے والد صاحب نے تو آپ کے سامنے ہی آپ کی اتنی تعریف کی ہے کہ بس طبیعت خوش ہوگئی۔'' وارث علی نے بھی شاید اس کی بے دلی کو محسوس کرلیا تھا۔ زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولا۔

وہ بات کررہا تھا اور برہان ایک ٹک اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ وارث علی اس کی نظروں سے خاصا گھبرا سا گیا تھا۔ برہان نے جیسے پوری قوت اکٹھی کرکے وارث علی کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

''تشریف رکھیے......'' وارث علی جلدی سے بیٹھ گیا۔ برہان کا تو اب بیٹھنے کا پروگرام ہی نہیں تھا۔ وہ تو الٹے پاؤں وہاں سے چلے جانا چاہتا تھا۔ جابر علی نے ہی اس کی مشکل آسان کردی۔

''برہان جاؤ اپنی ماں سے کہو کہ وہ چائے بھجوادیں۔ میرا مطلب ہے کہ اگر چائے تیار کرلی ہے تو چائے لے آؤ۔'' برہان یہ سنتے ہی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ باہر آیا تو صابرہ اس کی منتظر کھڑی تھی اور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ جس وقت برہان ڈرائنگ روم میں گیا تھا تب سے ہی وہ اس کے باہر آنے کا انتظار کررہی تھی۔ وہ کچھ کہتا یا نہ کہتا...... صابرہ نے اس کے چہرے سے ہی سب کچھ پڑھ لیتا تھا کہ وہ اس کی ماں تھی۔

برہان ماں کو سامنے دیکھ کر رکا نہیں بلکہ تیزی سے چلتا ہوا شبینہ اور ستارہ کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ صابرہ کا دل بیٹھ گیا۔ برہان کے چہرے پر جو لکھا تھا وہ اس نے پڑھ لیا تھا۔ وہ ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھالتی ہوئی برہان کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' اس کی آواز میں کمزوری نمایاں تھی۔

''امی، آپ ابا جان سے کہیں کہ ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔'' برہان نے پلٹ کر ماں کی طرف دیکھا اور بڑے سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

صابرہ کے دماغ میں جیسے ایک زبردست دھماکا ہوا یعنی اس کے اندیشے درست نکل آئے، کوئی گڑ بڑ تو ضرور تھی جو مستقل دل میں ایک کھٹک سی ہو رہی تھی۔

''کیوں بیٹا، ایسی کیا بات ہے کہ بغیر سوچے سمجھے، بغیر چھان بین، اس رشتے سے انکار کر دیں۔'' پھر بھی اس نے پوچھا۔

''امی میں کہہ رہا ہوں ناں کہ بس آپ منع کر دیں۔ یوں سمجھیں کہ وہ مشکل سے ابا جان کا چھوٹا بھائی لگتا ہے اور مجھے کوئی خاص پڑھا لکھا بھی محسوس نہیں ہوا۔ ایک خاص اعتماد جو اچھا کام کرنے والے پڑھے لکھے انسان میں ہوتا ہے وہ مجھے اس میں نظر نہیں آیا۔ ہاں ابا جان نے چائے کے لیے کہا ہے، وہ تو میں اندر لے جاؤں گا۔ اس سے زیادہ میں آپ سے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔''

صابرہ تو جیسے دُھلے ہوئے کپڑے کی طرح نچڑ کر رہ گئی تھی۔ اعصاب جواب دے رہے تھے۔ چائے تو ستارہ تیار کر رہی تھی۔ اس نے کیا کرنا تھا لیکن اسے یوں محسوس ہوا کہ قدم اٹھانا بھی ایک بھاری کام ہے۔

''عمر زیادہ ہے بیٹا...... کیا پتا کوئی بہت نیک بندہ ہو ایک دم سے کیسے انکار کر دوں...... تمہیں اپنے ابا جان کا تو پتا ہی ہے۔'' صابرہ اسی کمزور آواز میں بیٹے سے مخاطب ہوئی تھی۔

''امی اب قیامت آئے بلکہ آہی جائے ہم نے یہاں شادی نہیں کرنی۔ اگر آپ کو اپنی اولاد سے تھوڑی سی بھی محبت ہے تو آپ بھی یہ رشتہ منظور نہیں کریں گی۔ آپ مجھے چائے دے دیجیے۔ میں چائے رکھ کر آجاتا ہوں۔''

صابرہ نے جیسے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔ اب اس میں مزید کچھ پوچھنے اور بات کرنے کی ہمت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ تقریباً خود کو گھسیٹتی ہوئی کمرے سے باہر جا رہی تھی۔

''آجاؤ بیٹا چائے تو تیار ہے، لے جاؤ۔'' اس نے کمرے سے نکلتے نکلتے اتنا ضرور کہا تھا۔

برہان ماں کے پیچھے ہی چل پڑا تھا۔

☆☆☆

گل جان، ڈاکٹر مہر جان کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دے کر اندر چلی آئی تھی کیونکہ بہت دیر ہو گئی تھی، اس نے مہر جان کی آواز نہیں سنی تھی...... نہ انہیں دیکھا تھا۔ ایک تشویش کی لہر اس کے اندر اٹھنے لگی تو وہ رہ نہ سکی اور سوچا پتا تو کرے کہ آخر بی جان کیا کر رہی ہیں، اتنی خاموشی کیوں ہے؟

دروازہ کھولتے ہی اس کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی تھی کیونکہ اس کے سامنے ڈاکٹر مہر جان بے ہوش و حواس آدھی صوفے پر اور آدھی کارپٹ پر گری ہوئی دکھائی دی تھیں۔ گل جان دیوانہ وار بھاگتی ہوئی ان کے قریب پہنچی۔

''بی بی جان...... بی بی جان کیا ہو گیا آپ کو...... اس طرح سے کیوں لیٹی ہوئی ہیں، اٹھیے بی بی جان۔''

وہ ایک دم حواس باختہ سی ہو کر مہر جان کو جھنجوڑنے لگی لیکن ان کے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ تب اس نے اپنے ڈوبتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا اور زور زور سے روما کو آواز دی۔

''روما...... روما کہاں ہو تم، بیٹا خدا کے لیے جلدی سے آؤ۔ دیکھو...... دیکھو تو سہی آکر بی بی جان...... کو کیا ہو گیا ہے۔'' وہ اتنی زور سے چلائی تھی کہ یوں لگتا تھا کہ اس کی آواز گھر کی اونچی اونچی دیواروں کو چیرتی ہوئی باہر تک چلی گئی ہو گی اور اس وقت روما کے بجائے اصیل خان کمرے میں حواس باختہ سا داخل ہوا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی جو منظر اس نے دیکھا اسے دیکھ کر جیسے وہ چکرا کر رہ گیا۔

''کیا ہوا گل جان بی بی...... ڈاکٹر صاحبہ بے ہوش ہیں؟'' وہ تیزی سے ان کے قریب آکر بولا۔

''ہاں اصیل خان، لگتا ہے بی بی جان بے ہوش ہو گئی ہیں۔ میں نے ان کی نبض چیک کی ہے۔ شکر ہے نبض تو چل رہی ہے بس جلدی سے انہیں اسپتال لے کر چلو۔ مجھے تو...... مجھے تو طرح طرح کے وہم آرہے ہیں۔'' گل جان گھبرائے ہوئے انداز میں بہن کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہمت سے کام لیں گل بی بی...... بیگم صاحبہ کے ذہن پر شاید بوجھ بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ برداشت نہیں کر سکیں۔''

''اصیل خان ایک منٹ کی دیر نہیں کرو، جلدی سے کسی بھی طرح انہیں گاڑی میں لٹاؤ، فوراً اسپتال لے کر چلو، میں بھی ساتھ چلتی ہوں، مجھے یہاں چین کیسے آئے گا۔''

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے، میں نذیر محمد کو کہتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ آکر ڈاکٹر صاحبہ کو اٹھائے، آپ حوصلہ رکھیں انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اصیل خان یہ کہہ کر بڑی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ گل جان...... ڈاکٹر مہر جان کی ہتھیلیوں کو سہلانے لگی۔ وہ آنسو بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''بی بی جان...... بی بی جان آپ کے بغیر میں بالکل اکیلی ہوں، خود کو سنبھالیں دیکھیں تو سہی بی بی جان...... میری طرف دیکھیں تو سہی۔'' وہ پاگلوں کی طرح بے ہوش مہر جان سے باتیں کرنے لگی۔

☆☆☆

جابر علی بستر پر لیٹا تھا۔ سرہانے پیڈسٹل فین چل رہا تھا۔ وہ بہت پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

''ارے بھئی برہان کی ماں کہاں ہو تم...... ایک گلاس ٹھنڈا پانی تو پلاؤ۔'' اس نے صابرہ کو آواز دے کر پانی لانے کے لیے کہا۔

''یہ پانی لے لیں۔'' چند لمحوں بعد ہی صابرہ ایک گلاس ہاتھ میں لیے اس کے قریب آئی تھی۔

جابر علی اس کی آواز سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا کیونکہ واقعی اسے شدید پیاس لگی تھی۔ صابرہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر اس نے شرعی طریقے سے تین سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

''یہ گلاس رکھ کر میرے پاس آؤ...... تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ خالی گلاس صابرہ کو تھماتے ہوئے بولا۔

صابرہ جو غیر حاضر دماغی کی کیفیت میں کوئی روبوٹ محسوس ہو رہی تھی خالی خالی آنکھوں سے جابر علی کی طرف دیکھنے لگی۔ جیسے جابر علی کی بات کے کوئی معنی ہی نہیں ہوں اور وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پائی کہ اس سے کیا کہا گیا۔

''ارے بھئی یہ ٹکر ٹکر کیا میری شکل دیکھ رہی ہو؟ جاؤ گلاس رکھ کر آؤ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے......'' اس نے ذرا بلند آواز میں کہا تو صابرہ اپنے دھیان سے چونک پڑی اور چپ چاپ گلاس رکھنے چلی گئی۔ وہ بستر پر دوبارہ لیٹ گیا تھا۔

صابرہ واپس آکر خاموشی سے اس کے پاؤں دبانے لگی۔

''وہ...... پھر تم نے برہان سے بات کرلی ناں...... لڑکا تو اچھا ہے اور بھئی آج کے زمانے میں ایک نیک، شریف اور دین دار رشتہ ملنا بہت مشکل ہوگیا ہے، سمجھ نہیں آتی کہ ان لڑکوں کو ہو کیا گیا ہے، ہاتھ میں کڑا پہنتے ہیں، کان میں بالی...... عورتوں کی طرح چٹیا باندھتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ...... اللہ نے مرد بنا کر دنیا میں بھیجا ہے تو مرد کو مرد نظر آنا چاہیے۔ ماشاء اللہ وارث علی میں مردانگی بھی ہے اور محنتی بھی ہے اور یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے نمازی پرہیزگار بھی ہے۔''

جابر علی بول رہا تھا۔ صابرہ سر جھکائے خاموش بیٹھی سن رہی تھی۔ جب صابرہ جواب میں کچھ نہیں بولی تو جابر علی نے اپنی بند آنکھیں کھول کر بیوی کی طرف دیکھا۔

''میں کیا کہہ رہا ہوں، ایسا لگ رہا ہے تمہیں تو سانپ سونگھ گیا۔ کچھ بولتی کیوں نہیں، جاتے ہوئے میں نے تمہیں اس کی ایک جھلک دکھائی تھی ناں......''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن شبینہ کی عمر ابھی بہت کم ہے، اس کی عمر کے حساب سے وارث علی کی عمر بہت زیادہ ہے۔'' صابرہ نے آخر ڈرتے ہوئے دل کی بات کہہ ہی دی۔

''دس بارہ سال تو تم بھی چھوٹی ہو مجھ سے۔'' جابر علی کی پیشانی پر لاتعداد گہری شکنوں کا جال بچھ گیا۔ وہ بڑے کڑے تیوروں کے ساتھ بیوی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''دس بارہ سال کا فرق تو چل جاتا ہے کیونکہ عورت جلدی ڈھل جاتی ہے۔'' صابرہ نے جلدی سے جابر علی کی بات کاٹ کر کہہ دیا۔ بہرحال وہ ایک ماں تھی جو اولاد کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہتی ہے۔ اب تو اس کی بیٹی کے مستقبل کا سوال تھا اور ساری زندگی ڈرتے رہنے سے اسے ملا ہی کیا تھا۔ اب اولاد کے حصے کا معاملہ تھا اسے یوں لگتا تھا کہ تیر چل چکا ہے آر پار کچھ تو ہونا چاہیے۔

''تم کم عقل، ان پڑھ، بے وقوف عورت ہو، باہر نکل کر دنیا دیکھو تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ کتنی بڑی نعمت اللہ پاک نے تمہارے گھر میں اتاری ہے اور تم ناشکری کر رہی ہو۔ عمر کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا اور تم نے ابھی خود ہی کہہ دیا کہ عورت، مرد کے مقابلے میں جلدی ڈھل جاتی ہے اور وہ کہتے ہیں ناں کہ مرد تو ساٹھا اور پاٹھا ہوتا ہے۔''

''میں یہ کب کہہ رہی ہوں کہ آپ کی بات غلط ہے لیکن ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی کا جوڑ اچھا بنے جو بھی اس کے ساتھ ہو سج جائے۔''

''ہاں بس تم انہی سجاوٹوں کے چکر میں رہنا کوئی ایسا ویسا ڈیکوریشن پیس مل گیا ناں ساری زندگی روتے گزر جائے گی، میں کوئی اپنی اولاد کا دشمن ہوں؟''

''آپ باپ ہیں، میں ماں ہوں۔ دونوں کے سوچنے کا انداز مختلف ہے، دیکھیے ناں شبینہ تو اپنے منہ سے کچھ نہیں کہے گی یوں سمجھیں میری اس بچی کے منہ میں تو زبان ہی نہیں ہے...... لیکن میں اپنی بیٹی کے جذبات کو سمجھ سکتی ہوں اس کی پسند اور ناپسند کو پرکھ سکتی ہوں۔'' صابرہ بہت نرمی سے شوہر کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اُدھر الٹ ہی معاملہ ہوا تھا۔

''چلی جاؤ تم یہاں سے تم سے مشورہ کرنا بیکار ہے اور وہ جو کہتے ہیں ناں کسی بے وقوف سے مشورہ کرنا تباہی ہے۔ چلو جاؤ مجھے نہیں کرنا تم سے کوئی مشورہ وشورہ...... بس جو میں نے طے کرلیا ہے اب وہی ہوگا۔ میں تمہاری بے وقوفیوں کی وجہ سے اپنی اولاد کو غلط ہاتھوں میں نہیں پہنچا سکتا۔ جاؤ جا کر آرام کرو، سو جاؤ۔ شادی کی

تاریخ طے ہوجائے گی تو تیاریاں شروع کردینا۔'' جابر علی ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور اس نے انگلی کے اشارے سے صابرہ کو جانے کے لیے کہا۔

''شادی تو نہیں ہوگی...... میرا مطلب ہے وارث علی سے نہیں ہوگی۔'' صابرہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا تھا۔

جابر علی کا پورا وجود شدید غصے کی زد میں آکر کسی تنکے کی طرح لرزنے لگا اس نے شعلہ بار نظریں صابرہ کے چہرے پر جما دیں۔ چند لمحے خون کے گھونٹ پیتا رہا پھر گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا جس طرف برہان کا کمرا تھا اور دبی ہوئی آواز میں گویا ہوا۔

''جوان بیٹے پر اترا رہی ہے، تیرا وہ بیٹا بھی اس وقت تک اس گھر میں ہے جب تک میری مرضی ہے۔''

''یہ ظلم ہوگا، برہان نے آپ کا کیا بگاڑا ہے...... گھر کے لوگ آپس میں صلح مشورہ کرتے ہی ہیں۔ سب کی بات ایک نہیں ہوتی لیکن جس پر زیادہ کا اختلاف ہو وہ بات خود بخود ختم ہوجاتی ہے۔''

''ارے تم لوگ ہوتے کون ہو اختلاف کرنے والے۔ میں اس وقت کو کوستا ہوں جب میں نے تمہیں مشورے کے قابل سمجھا تھا۔ جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔'' جابر علی اب ضبط نہ کرسکا۔ بری طرح دھاڑ کر بولا تھا.. اور اس کے دھاڑتے ہی برہان سامنے آگیا۔ ''لے جاؤ اپنی ماں کو یہاں سے دماغ خراب کردیا ہے تم لوگوں نے......'' جابر علی نے غصے بھری نظریں برہان کے چہرے پر جمائیں اور بولا۔

''کیا ہوگیا ہے ابا جان......؟ ایسا کیا کہہ دیا ہے ہم نے کہ آپ اتنی رات کو اتنی بلند آواز سے چیخ رہے ہیں۔ آس پڑوس کا ہی خیال کرلیا کریں۔'' برہان کو باپ کے دھاڑنے پر غصہ تو بہت آیا ہوا تھا لیکن معاملہ کنٹرول بھی اسی نے کرنا تھا۔ اسی لیے وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہا تھا۔

''تمہاری شہ پر تمہاری ماں مجھ سے ٹکرا رہی ہے، میرے فیصلوں سے اختلاف کر رہی ہے۔'' برہان نے باپ کی فقط اتنی بات سنی تھی اور فوراً ہی برجستہ گویا ہوا تھا۔

''اس لیے اختلاف کر رہی ہیں کہ ماں ہیں، ان کا بھی حق ہے۔''

''جاؤ...... جاؤ اپنی ماں کو بھی یہاں سے لے جاؤ۔ تم دونوں آئندہ مجھے نظر نہ آنا۔ میری بیٹیاں ہیں، میری ذمے داریاں ہیں، میں خود نپٹ لوں گا۔ میں خود دیکھ لوں گا۔ مجھے تم دونوں کی...... کسی سہارے کی کسی تعاون کی کوئی ضرورت نہیں، چلو نکلو یہاں سے۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' صابرہ تو جیسے بھونچکی رہ گئی۔ ''کتنی آسانی سے گھر کے باہر کا راستہ دکھا دیا۔'' یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی فیصلہ کُن پوزیشن اختیار کرے گا اور پچیس چھبیس سال کے تعلق کا بھی لحاظ نہیں کرے گا۔

''جاؤ بیٹا، جاؤ تم آرام کرو، بعد میں بات ہوجائے گی تمہیں اپنے باپ سے سوال جواب کرنے کی ضرورت نہیں۔'' صابرہ نے برہان کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

''رہنے دیں امی، بات آج ہی ختم ہوگی۔ چاہے اس کا نتیجہ ہمارے حق میں ہو یا ہمارے خلاف۔ اب یہ روزانہ کی چخ چخ نہیں چلے گی۔ مجھے ابا جان سے بات کرلینے دیں۔'' برہان اپنا بازو پوری قوت سے ماں سے چھڑاتے ہوئے بولا۔

جابر علی نے برہان کے تیور بھانپ لیے تھے۔ اندر سے تو وہ کافی پریشان ہوا لیکن فوراً ہی اس کا اپنا اعتماد

بحال ہوگیا جو اسے اپنی عقل اور اپنے اختیارات پر تھا۔

''کرسی لے آؤ اور میرے سامنے بیٹھ کر مجھ سے بات کرو، میں خود بھی چاہتا ہوں کہ آج جو بھی بات ہو وہ اپنے انجام کو پہنچے۔ چلو بیٹا کرسی لا کر اِدھر بیٹھو، آرام سے بات کرتے ہیں۔ دیکھتا ہوں کتنے پانی میں ہو تم۔ میری اولاد پر مجھ سے زیادہ اختیار...... یہ تو میں برداشت نہیں کروں گا۔'' جابر علی اب بہت ٹھہر ٹھہر کر چبا چبا کر ایک، ایک لفظ ادا کر رہا تھا۔

''امی جائیں آپ آرام کریں۔ ضروری نہیں ہے جب میری اور ابا جان کی بات ہو تو آپ بھی اس میں حصہ لیں۔'' برہان نے صابرہ کی طرف دیکھا۔

''بیٹا میں کیا کہہ رہی ہوں؟ مجھے سننے تو دو کہ تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو۔''

''امی آپ نے صرف سننا ہی ہے ناں، اس سے زیادہ آپ کچھ نہیں کرسکتیں اور صرف سننے سے آپ کی ٹینشن ہی بڑھے گی۔ حاصل کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میرے کہنے سے آپ جائیں۔ آرام کریں پلیز...... ویسے بھی ابا جان کو غصہ آجاتا ہے۔ جب آپ میری بات سے اتفاق کرتی ہیں بہتر یہی ہے کہ میرے اور ابا جان کے درمیان جو بات ہونے جا رہی ہے آپ درمیان میں نہ بولیں۔''

صابرہ نے اپنے جوان، پُراعتماد بیٹے کی طرف دیکھا پھر جابر علی کی طرف ایک نظر دوڑائی جو اپنے دونوں ہاتھوں کا بوجھ بستر پر ڈالے سر جھکائے حیرت انگیز طور پر بڑی خاموشی سے برہان کی بات سن رہا تھا۔

''جائیں امی...... پلیز جائیں مجھے ابا جان سے بات کرنے دیں۔ آپ بیچ میں بولتی ہیں تو اس وجہ سے معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔''

''اچھا بیٹا ٹھیک ہے لیکن دیکھو آرام سے بات کرنا، باپ ہیں تمہارے۔''

''امی میں نے کبھی ابا جان سے بدتمیزی نہیں کی، ہاں کوئی بات کرنے کا موقع ملا تو بات ضرور کی ہے، بات کرنے اور بدتمیزی کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے، جائیں آپ جا کر سو جائیں۔''

صابرہ نے ایک گہری سانس لی اور جیسے اپنے وجود کو گھسیٹتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ دل کو طرح، طرح کے اندیشوں نے گھیر لیا تھا۔

''یااللہ مجھ پر رحم کرنا اب میرے اندر سہارا نہیں ہے مجھے کسی بڑی مشکل میں نہ ڈالنا۔''... وہ دعا کر رہی تھی۔

صابرہ کے جاتے ہی برہان نے دور پڑی ہوئی ایک کرسی گھسیٹی اور باپ کے قریب بلکہ اس کے عین مقابل بیٹھ گیا۔ جابر علی اب بالکل خاموش تھا۔ جیسے وہ برہان کی پہل کرنے کا منتظر تھا۔

''ابا جان مجھے آپ سے کوئی بہت لمبی چوڑی بات نہیں کرنی لیکن آپ سے اتنا ضرور کہنا ہے کہ لوگ دشمنیوں میں تو ظلم کرتے ہیں، محبتوں میں ظلم کرنا تو بہت بڑی قیامت ہے، شبینہ آپ کے سامنے کبھی نہیں بولے گی۔ وہ کوئی بُزدلانہ حرکت بھی نہیں کرے گی۔ میرا مطلب ہے زہر بھی نہیں کھائے گی، آپ کے ہر فیصلے پر سر جھکا دے گی لیکن ایک سسکتی ہوئی زندگی اس کا مقدر بن جائے گی۔ میں اپنے ہر معاملے کو آپ پر چھوڑتا ہوں، چاہے میری گزر اوقات کا معاملہ ہو، میری فیسوں کا معاملہ ہو، میرے مستقبل، میری شادی بیاہ کا معاملہ ہو۔ آپ جو فیصلہ کریں گے میں کبھی اختلاف نہیں کروں گا۔ چاہے وہ میرے دل کو اچھا لگے یا نہیں لگے لیکن ابا جان ایک بے زبان مگر جذبات اور احساسات رکھنے والی بیٹی پر آپ کو رحم کرنا ہوگا۔ آپ نے اس شخص کی بہت تعریف کی جو مجھے اس کے سراپے میں کہیں جھلکتی ہوئی نظر نہیں آئی۔'' اتنا کہہ کر برہان خاموش ہو گیا۔

''ختم ہوگئی تمہاری تقریر؟ اور تم کون سا تجربے کی اس عمر میں پہنچ گئے ہو جہاں بندے پر ایک نظر ڈالو اور پورا ایکسرے نکال کر رکھ دو۔ جا کر آرام کرو، میں نے جو فیصلہ کیا ہے تمہاری ماں کو سنا دیا ہے۔'' جابر علی نے نظریں اٹھا کر برہان کی طرف دیکھا۔ اور خلافِ توقع بہت نرمی سے بات کی تھی۔

''کوئی فیصلہ نہیں ہوا ابا جان، آپ کا فیصلہ ہے کہ شادی وارث علی سے ہوگی میرا اور امی کا فیصلہ ہے کہ شادی وارث علی سے نہیں ہوگی۔''

جابر علی نے غضبناک نظروں سے برہان کی طرف دیکھا مگر چلّایا نہیں صرف اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ برہان کا بازو پکڑا اور اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔ ''مرضی ہے اپنے بستر پر جا کر سو جاؤ، مرضی ہے اسی وقت کہیں اور اپنا ٹھکانا بنا لو۔ اب تم سے کوئی بات نہیں ہوگی' میں نے تمہارا ارمان پورا کر دیا۔ جو تم نے کہنا چاہا وہ میں نے سن لیا۔ اب بات ختم......''

''ابا جان آپ کو دوسروں کی بات اتنی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، اپنے گھر والوں کی' اپنی ہی اولاد کی بات آپ کو سمجھ میں نہیں آتی۔'' برہان اسی طرح نرمی اور ادب سے بات کر رہا تھا۔

''کہہ دیا ناں نہیں آتی، کرلو جو کرنا ہے، شبینہ کی شادی کے بعد مجھ پر تیل چھڑک کر آگ لگا دینا۔ ٹھیک ہے؟ یہ شادی تو ہوگی۔''

''تو ٹھیک ہے ابا جان! میں اپنی موجودگی میں تو یہ ظلم ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا اور ایک باپ کے فیصلے سے ٹکرا کر دور تک کوئی تباہی بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ شبینہ آپ کی بیٹی ہے، مجھ سے زیادہ آپ ہی کا اس پر حق ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ زندگی بھر آپ کو اپنی شکل نہ دکھاؤں۔'' یہ کہہ کر برہان اپنی جگہ سے اٹھا اور باپ کے تاثرات دیکھنے کے لیے صرف چند لمحے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ایک مضبوط با قوت رشتے نے تھوڑی سی آس بندھائی تھی کہ شاید باپ اسے جاتے ہوئے روک لے مگر ایسا نہیں ہوا۔

جابر علی بالکل خاموش سر جھکائے یوں بیٹھا تھا جیسے اس کی سماعت کام نہ کر رہی ہو اور جو کچھ برہان نے کہا ہے وہ ہوا میں اُڑ گیا ہو۔

برہان نے باپ کی یہ بے نیازی دیکھی تو دکھ کی لہر کو ضبط کرتا ہوا چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ چند ضروری چیزیں سمیٹ کر اس نے اس گھر کو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنے کا فیصلہ آخرکار کر ہی لیا تھا۔

☆☆☆

روما نے ماں کو اس حال میں دیکھا کہ اصیل خان اور ڈرائیور انہیں بہ مشکل اٹھائے پورچ کی طرف جا رہے تھے۔ اس کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ چند لمحے کے لیے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آئی۔ دوڑتی ہوئی وہ باہر کی طرف بھاگی۔ دیکھا تو گل جان پہلے سے وہاں موجود تھی اور بڑی بے قراری سے اپنی گھڑی پر نظر ڈال رہی تھی۔ اس کی بے قراری اور بے تابی کا اندازہ اس بات سے تھا کہ وہ دروازہ کھولے ہوئے بالکل تیار کھڑی تھی۔ ڈرائیور نذیر محمد اور اصیل خان نے گل جان کو کار کی بیک سیٹ پر لٹا دیا۔

''گل جان بی بی آپ اس طرف سے آجائیں اور ڈاکٹر صاحبہ کا سر اپنی گود میں رکھ لیں۔'' اصیل خان گل جان سے مخاطب ہوا تھا۔ گل جان بہت سراسیمگی کی کیفیت میں گاڑی کے اندر بیٹھ گئی اور بہت محبت اور احتیاط سے بے ہوش، بے خبر مہر جان کا سر آہستگی سے اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا...... ڈرائیور اور اصیل خان پلک جھپکتے میں اگلی سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔

چوکیدار اور گن مین دروازہ کھولے منتظر تھے۔ ڈرائیور نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر گاڑی اسٹارٹ کی اور ایکسیلیٹر دبا کر تیزی سے پورچ سے باہر نکل گیا۔

روما دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ یہ منظر دیکھ کر بری طرح سہم گئی تھی جیسے قوتِ گویائی ہی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ جب گاڑی باہر نکل گئی اور چوکیدار نے گیٹ بند کر دیا تو روما ایک دم جیسے اپنے حواسوں میں واپس آ گئی۔ وہ اندر کی جانب بڑھی اور لاؤنج میں پہنچتے ہی شاہ عالم کا نمبر ملایا تھا اور حسنِ اتفاق تھا کہ فون شاہ عالم نے خود ہی ریسیو کیا تھا۔

''دادا جان...... دادا جان، اماں جان کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے،، وہ بالکل بے ہوش تھیں ابھی ہمارا ڈرائیور اور اصیل خان ان کو اسپتال لے کر گئے ہیں، خالہ جان بھی ان کے ساتھ گئی ہیں۔ میں تو خالہ جان سے کوئی بات بھی نہیں کر سکی۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ یہ کیا ہو گیا ہے، اماں جان ایک دم سے بے ہوش کیسے ہو گئیں۔ دادا جان میں بہت پریشان ہوں، میں کیا کروں؟'' روما اتنے تواتر سے بولی کہ دل کے مریض شاہ عالم نے بے ساختہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ جیسے انہیں خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا ہو پھر بھی اپنی تمام توانائی اکٹھی کر کے وہ بہ مشکل گویا ہوئے۔

''بیٹا...... بیٹا مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی، آپ آرام سے بات کریں، بیٹا میں کچھ سمجھا نہیں۔''

''دادا جان میں کہہ رہی ہوں کہ میری اماں جان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے، وہ بے ہوش تھیں۔ خالہ جان انہیں اسپتال لے کر گئی ہیں۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے انہیں...... مجھے، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کروں؟'' روما اتنا کہتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کیونکہ واقعی اس وقت تو اس پر قیامت ہی گزری تھی ایک تو رابی گھر سے غائب تھی، دوسرے اب مہر جان بھی بے ہوشی میں گھر سے جا چکی تھیں۔ گھر میں سوائے دو چار نوکروں کے اور اس کے کوئی نہیں تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا تو آپ ایسا کریں میرے پاس آ جائیں۔ کوئی زیادہ دور تو نہیں گھر، آپ دوڑتی ہوئی میرے پاس آ جائیں اور گھبرانے کی ضرورت نہیں، بندہ بیمار بھی ہو جاتا ہے، کوئی بات نہیں بیٹا، آپ کی اماں جان بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔'' دادا جان نے اسے تسلی دی۔

''دادا جان گھر پر کوئی نہیں ہے... اگر اسپتال سے فون وغیرہ آیا تو مجھے کیسے پتا چلے گا کہ وہاں کیا سچویشن چل رہی ہے؟'' روما کی یہ بات سن کر شاہ عالم سوچ میں پڑ گئے۔ بات تو روما نے ٹھیک کی تھی۔ اتنی خطرناک سچویشن میں گھر میں کسی فرد کا ہونا بہت ضروری تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا...... میں آ جاتا ہوں، آپ بالکل پریشان مت ہونا، آپ اکیلی نہیں ہیں۔ میں صرف کا ناز کا دادا نہیں آپ کا بھی دادا ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے آپ کو بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

شاہ عالم اگرچہ خود بہت گھبرائے ہوئے تھے مگر روما کو سنبھالنا اپنی اخلاقی ذمے داری بھی سمجھ رہے تھے ان کے اعصاب تو خود ان کا ساتھ چھوڑ رہے تھے کیونکہ روما نے جس انداز میں بات کی تھی اور پھر جس طرح سے وہ روئی تھی یہ سب کچھ ان کے لیے بہت ناقابلِ برداشت تھا۔ انجیو پلاسٹی ان کی ہو چکی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر ان کے اعصاب جواب دینے لگتے تھے۔ وہ جلدی سے ریسیور رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ وال کلاک کی طرف دیکھا پھر نوکر کو آواز دی۔

''شبیر میں تھوڑی دیر کے لیے گھر سے باہر جا رہا ہوں۔''

☆☆☆

رابی مری کے ایک خوب صورت ہوٹل کے کمرے میں بیٹھی اپنے موبائل سے سم نکال رہی تھی۔ موبائل سے سم نکال کر اسے ایک کاغذ میں لپیٹ کر اپنے بیگ میں ڈالا پھر موبائل کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی اور خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

''اب یہ موبائل میرے کس کام کا۔ اللہ میاں سے رابطہ تو بغیر موبائل کے ہو جاتا ہے۔ باقی دنیا میں اب کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہے، تعلق اور رابطے تو ایک بوجھ ہوتے ہیں جو میں نے اتار کر پھینک دیے ہیں۔ آج تو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے اس مٹی کے جسم کا لباس بھی کہیں اتار کر پھینک دیا ہے اور میں صرف روح ہوں جو فضاؤں میں اُڑتی پھر رہی ہے۔ یہ سارے بوجھ اتار کر میں کتنی خوش اور مطمئن ہوں، کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا...... چھوڑ دیا سب کچھ...... توڑ دیا وہ گلاس جس میں مجھے زہر پیش کیا جا رہا تھا۔ اب میں محسوس کر سکتی ہوں کہ میں زندہ ہوں اور ایک وجود رکھتی ہوں...... میرے پاس خوشی ہے، نہ کوئی غم، اس وقت جو میری کیفیت ہے وہ تو کوئی غلام ہی سمجھ سکتا ہے اور ایسا غلام جس نے اپنے مالک کو منہ مانگی قیمت ادا کر کے آزادی حاصل کر لی ہو...... ڈاکٹر صاحبہ میں نے بھی آپ کو قیمت ادا کی ہے لیکن ایسی قیمت ایسی نقدی جس سے زندگی بھر آپ اپنے اس دکھ کی دوا خریدیں گی اور کوئی بھی ایسی دوا نہیں ملے گی جو آپ کے دکھ کا مداوا کر سکے، آپ لاعلاج ہی رہیں گی۔'' رابی کی آنکھوں میں ایک سفاکی کا تاثر تھا۔ جیسے اس کے زخم نئے سرے سے ہرے ہو رہے ہوں، اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی اور وہ چونک پڑی تھی۔

''کون ہے؟'' خاصی بدحواس ہو کر اس نے پوچھا تھا۔

''جی... روم سروس' چائے لے کر آیا ہوں۔'' رابی نے ویٹر کی آواز سن کر سکون کی سانس لی اور بیڈ سے اتر کر دروازہ کھول دیا۔ ویٹر اندر داخل ہوا کر ٹیبل پر چائے لگا رہا تھا اور وہ ہنوز اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑی تھی اور ویٹر کے واپس جانے کا انتظار کر رہی تھی۔

☆☆☆

شبینہ، جابر علی کے سامنے ناشتا رکھ چکی تھی۔ یہ خلافِ معمول عمل تھا۔ اس لیے جابر علی نے چونک کر پوچھا تھا۔

''تمہاری ماں کہاں ہے؟''

''امی کچن میں ہیں ابا جان۔''

''اچھا تو کیا تم آج لیٹ نہیں ہو گئیں۔ کالج جانے کا ارادہ نہیں ہے؟''

''وہ ابا جان کیا میں کالج چلی جاؤں؟'' شبینہ نے باپ کی بات سن کر سر اٹھایا پھر نظریں اٹھا کر بہت آہستگی سے سوالیہ انداز میں بولی۔ جابر علی کو جیسے اس کے سوال کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ اس نے الجھی الجھی نظروں سے شبینہ کی طرف دیکھا۔

''کیوں' آج مجھ سے پوچھ کر کالج جاؤ گی؟ مجھے تمہاری بات کی سمجھ نہیں آئی۔'' جابر علی نے الجھی الجھی کیفیت میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ ابا جان میں سمجھی کہ شاید مجھے بھی کالج نہیں جانا۔'' شبینہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''بھئی وہ میں نے تمہارے کالج جانے پر پابندی نہیں لگائی۔ مجھے تم سے کوئی شکایت ہے نہ تم پر کوئی غصہ...... سچی بات ہے مجھے تو تم ہی اپنی اولاد لگتی ہو۔'' جابر علی کو جیسے اب سب کچھ سمجھ آ گیا وہ بڑا بدمزہ سا ہو کر بولا۔

صابرہ کچن میں کھڑی سن رہی تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔ یوں جیسے بھرے بازار میں اس کے سر سے چادر اتار کر پھینک دی ہو۔ اس نے درد کی ٹیسوں کو دبا کر پھر اپنا کام شروع کر دیا اور سوچنے لگی... یہ تو میرا مقدر ہے۔ آخر میں اپنے مقدر پر کب سمجھوتا کروں گی؟

باہر خاموشی چھا گئی تھی اس کا مطلب تھا کہ شبینہ، جابر علی کو ناشتا دینے کے بعد وہاں سے چلی گئی ہے۔ صابرہ کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ جابر علی کے سامنے سے گزر کر برہان کے کمرے میں جائے اور پتا کرے کہ آخر وہ ابھی تک ناشتا کرنے کے لیے نیچے کیوں نہیں آ رہا پھر اس نے آخر کار ہمت کر ہی لی اور کچن کے دروازے میں کھڑی ہو کر ستارہ کو آواز دینے لگی۔

''ستارہ دیکھو بیٹا...... بھائی ابھی تک نیچے نہیں آیا، دیر ہو جائے گی تو ناشتے کے بغیر ہی چلا جائے گا۔''

''جی امی...... میں دیکھتی ہوں، میرا خیال ہے آج بھائی کا یونیورسٹی جانے کا پروگرام نہیں ہے، ورنہ وہ تو اس ٹائم تک تو چلے جاتے ہیں۔'' ستارہ کی آواز اس کے کمرے سے آئی تھی۔

''لیکن پھر بھی بیٹا پتا تو کرو ناں، کہیں ایسا تو نہیں اس کی طبیعت خراب ہو......''

وہ جابر علی پر نظر ڈالے بغیر کچن میں آ کر اپنا کام کرنے لگی۔

''بہت فکر رہتی ہے اپنے لاڈلے کے ناشتے کی۔ ارے کھاتے ہوئے مرتے دیکھا ہے، آج تک کسی بھوکے کو مرتے نہیں دیکھا۔'' جابر علی ناگواری سے بڑبڑا رہا تھا۔ صابرہ پھر ضبط کے کڑے مرحلے سے گزری اور ایک ٹھنڈی سانس سینے سے خارج کی۔

''امی میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ بھائی جان چلے گئے ہوں گے۔ وہ چلے گئے ہیں، کمرے میں نہیں ہیں۔'' چند لمحوں بعد ہی ستارہ تقریباً بھاگتے ہوئے کچن میں آ گئی تھی۔ صابرہ کے ہاتھ میں چائے کا برتن تھا۔ جو اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ وہ تو اندھیرے سے اٹھی بیٹھی تھی۔ برہان اس کے سامنے سے گزرے بغیر کیسے جا سکتا تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر ستارہ کی طرف دیکھا۔

''ارے بیٹا وہ شاید نہا رہا ہوگا۔ تم کمرا خالی دیکھ کر چلی آئیں۔''

''امی واش روم کا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا۔ اوپر بھائی جان نہیں ہیں۔'' صابرہ نے کانپتے ہاتھوں سے چائے کا برتن رکھا اور بڑی مشکل سے اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھالا۔ یہ بہت انہونی بات تھی۔ برہان اسے خدا حافظ کہے بغیر کیسے جا سکتا تھا؟

''میں خود دیکھتی ہوں۔ تم ہر وقت جلدی میں رہتی ہو۔'' وہ پریشانی کی کیفیت میں کچن سے باہر نکل گئی اور بڑی تیزی سے جابر علی کے سامنے سے گزر گئی۔

جابر علی نے جاتی ہوئی صابرہ کی طرف گردن موڑ کر دیکھا تھا اور ایک بڑی تلخ مسکراہٹ اس کی طرف روانہ کی تھی۔

صابرہ نے برہان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے باتھ روم میں جھانکا، باتھ روم تو واقعی خالی تھا۔ وہ بدحواس سی ہو کر چاروں طرف کمرے میں نظر دوڑانے لگی۔

برہان اپنے کمرے کے علاوہ کہاں جا سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ شبینہ اور ستارہ کے کمرے میں لیکن ستارہ تو خود اپنے کمرے سے تھوڑی دیر پہلے باہر آئی تھی اگر وہ اس کے کمرے میں ہوتا تو وہ اسے بتاتی کہ برہان اس کے کمرے میں ہے لیکن وہ تو اس کی آواز سنتے ہی اوپر دوڑ گئی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ ستارہ کو بھی نہیں پتا کہ وہ کس

وقت گھر سے نکلا ہے۔

صابرہ کی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ گرنے کے انداز میں برہان کے بستر پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کوئی مسئلہ ہو گیا ہے۔ یہ بات بہت ہی انوکھی اور نرالی تھی کیونکہ جب سے برہان نے اسکول جانا شروع کیا تھا آج تک کوئی دن ایسا نہیں گزرا تھا جب اس نے ماں کو خدا حافظ نہ کہا ہو۔

''مجھے بتائے بغیر برہان کب چلا گیا، کیسے چلا گیا، میں تو نیچے کام کرتی پھر رہی ہوں۔ وہ وہاں سے گزرتا تو میں اسے دیکھتی' دروازہ کھلتا تو مجھے آواز آتی۔ کہیں وہ رات کو تو کہیں نہیں چلا گیا۔ کہیں جابر علی نے تو اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ اسے گھر سے تو نہیں نکال دیا۔'' یہ خیال آتے ہی جیسے اس کے پورے وجود میں بجلیاں سی دوڑنے لگیں۔ ایک صدمے اور غم کی قوت تھی جس نے اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا تھا۔ وہ گرتی پڑتی نیچے آئی تھی۔

جابر علی ناشتا ختم کر کے اٹھ چکا تھا اور واش بیسن پر کھڑا ہاتھ دھو رہا تھا۔ صابرہ کو اب ہر مصلحت سے نجات مل چکی تھی۔ وہ دیوانہ وار دوڑتے ہوئے جابر علی کے پاس آئی تھی۔

''برہان کہاں ہے؟'' اس کے انداز سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ذہنی توازن کھو چکی ہے۔

''مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو؟ مجھے کیا بتا کر جاتا ہے؟ اس نے جیتے جی باپ کو تو مار ہی دیا ہے بس اب تو اس کی ماں ہے اور وہ ہے۔'' جابر علی نے بڑے غصے سے اس کی طرف گھورا تھا۔

''وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے جابر علی۔''

''تو نخرے دکھا رہا ہوگا، ناشتا کیے بغیر چلا گیا یونیورسٹی۔'' جابر علی نے اسی اکھڑپن سے جواب دیا اور تولیے سے ہاتھ پونچھنے لگا۔

''میں تو یہیں ہوں صبح سے...... جو بھی اِدھر سے جائے گا تو مجھے نظر آئے گا وہ میرے سامنے سے گزرے گا۔'' صابرہ بدحواس ہو کر جلدی جلدی بول رہی تھی۔ اس پر تو جیسے ایک وحشت سی طاری تھی۔ دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

''بھئی ہو سکتا ہے تم واش روم میں ہو، ہو سکتا ہے تم نماز پڑھ رہی ہو اس ٹائم چلا گیا ہو۔'' جابر علی نے جیسے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

''پھر گیٹ کھلتا ہے بند ہوتا ہے، آواز تو آتی ہے ناں!''

''اپنے دماغ کا علاج کراؤ، پتا نہیں کہیں پہنچی ہوئی ہوگی۔ اب اتنا پریشان ہونے کی ضرورت کیا ہے، اس کے موبائل پر فون کرو پتا چل جائے گا کہاں ہے وہ۔ پوچھ لینا کہ ناشتے کے بغیر کیوں چلا گیا۔'' وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا جہاں سے اس نے اپنی چھڑی، ٹوپی اور ضروری چیزیں اٹھانا تھیں۔

صابرہ کو اس نے تسلی یا دلاسا نہیں دیا تھا مگر ایک راستہ سجھا دیا تھا۔ جو مارے بدحواسی کے اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا۔ وہ جلدی سے ستارہ کے کمرے کی طرف بھاگی کیونکہ اسے برہان کا موبائل نمبر زبانی یاد نہیں تھا۔

''ستارہ بیٹا جلدی سے بھائی کا نمبر ملاؤ، پوچھو تو وہ کس وقت چلا گیا اور بغیر بتائے کیوں چلا گیا۔ ایسی بھی کیا مصیبت آ رہی تھی۔''

ستارہ نے ماں کی طرف دیکھا اور خاموشی سے لاؤنج میں چلی آئی۔ جہاں فون سیٹ رکھا ہوا تھا کیونکہ ان دونوں بہنوں اور ماں کے پاس موبائل نہیں تھا۔ جابر علی کی اجازت نہیں تھی کہ وہ موبائل فون استعمال کریں۔ ستارہ نے برہان کا نمبر ملایا، دوسری طرف موبائل کے پاور آف ہونے کی ریکارڈنگ چل رہی تھی۔

''امی بھائی جان کا موبائل تو آف ہے۔'' ستارہ نے فکر مند سی ہو کر ماں کی طرف دیکھا۔

''ہائے میں مرگئی۔ کہاں ہے میرا بچہ......'' صابرہ نے دو ہتڑ سینے پر مارے۔

جابر علی نے گھر سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھا دیے تھے۔ صابرہ کی آواز سنی تو وہیں سے آواز لگائی۔

''لڑکیوں اپنی ماں کو ٹھنڈا پانی پلاؤ، ایسا نہ ہو بیٹے کے غم میں آج ہی دنیا سے رخصت ہو جائے۔'' یہ کہہ کر وہ گیٹ پار کر گیا تھا۔ ستارہ، شبینہ اور صابرہ نے گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی۔ جیسے رکی ہوئی سانسیں اپنے سینے سے خارج کیں۔

''امی آپ پریشان نہ ہوں، بھائی جان اتنے غیر ذمے دار نہیں ہیں، ہوسکتا ہے ان کے فون میں بیٹری ختم ہوگئی ہو کیونکہ جب بیٹری ختم ہو جاتی ہے تو فون خود بخود آف ہو جاتا ہے۔ آپ تھوڑی ہمت سے کام لیں، بھائی جان آپ کو خود فون کریں گے۔''

صابرہ کے پاس شبینہ کی بات کا جیسے کوئی جواب نہیں تھا۔ اسے تو اندیشے اور وسوسوں نے اس بری طرح سے گھیر لیا کہ جیسے وہ کسی گھنے جنگل میں راستہ بھٹک گئی ہو اور اب اس اندھیرے جنگل سے نکلنے کے لیے دیوانہ وار اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھی۔

☆☆☆

برہان ایک سستے سے خستہ حال ہوٹل میں بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر دکھ کے سائے بھی تھے اور گہری سوچ کا عکس بھی...... وہ سوچ رہا تھا۔ ''امی کو بتا کر نکلتا تو کبھی اس گھر سے نہ نکل پاتا۔ جب میں اپنی بہنوں کے لیے کچھ کر نہیں سکتا تو مجھے ان کے سامنے رہنے کا کوئی حق بھی نہیں ہے اور میں جانتا ہوں کہ ابا جان کے فیصلے کو بدلنے کے لیے قوت میرے پاس نہیں...... زیادہ مزاحمت کرتا تب بھی یہی ہونا تھا، آخر کار گھر سے تو نکلنا تھا۔'' اس نے چائے کے دھبوں سے اَٹے ہوئے کپ پر نظریں جما دیں، اب اسے سوچنا تھا کہ اسے کس راستے پر چلنا ہے اور منزل کہاں ہے۔

☆☆☆

گل جان بڑی بے قراری سے اسپتال کے کاریڈور میں ٹہل رہی تھی۔ مہر جان کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹرز یہی کہہ رہے تھے کہ اُن کے دماغ کی کوئی نس پھٹ گئی ہے اور خون جم گیا ہے۔ انہیں برین ہیمرج ہوا ہے، صورتِ حال بہت نازک اور خطرناک تھی۔ اسی لیے گل جان ایک سیکنڈ کے لیے بھی کرسی پر بیٹھ نہیں پا رہی تھی۔ مسلسل کھڑے کھڑے اور ٹہلتے ٹہلتے اس کے پاؤں سن ہو کر بے جان ہو رہے تھے۔ اصیل خان اسے سامنے سے آتا دکھائی دیا تو وہ بھاگ کر اس کے قریب گئی۔

''وہ رپورٹ آگئی؟ کچھ اور رپورٹس بھی تو آنا تھیں ناں......!''

''نہیں بس سی ٹی اسکین کی رپوٹ آگئی ہے۔ وہی کافی ہے۔ آپریشن ہی ہوگا۔''

''آپریشن!'' گل جان نے دہل کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔ ''میں نے سنا ہے کہ دماغ کے آپریشن میں بہت خطرہ ہوتا ہے، بہت نازک آپریشن ہوتا ہے۔''

''جی گل جان بی بی...... میں نے بھی یہی سنا ہے لیکن اس آپریشن کے بعد بے پناہ لوگ دوبارہ سے زندگی کی دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں، اچھے ہو جاتے ہیں۔ آپ اللہ سے اچھی امید رکھیں۔'' یہ کہہ کر اس نے آئی سی یو کی طرف قدم بڑھا دیے۔

گل جان اپنی جگہ بے حس وحرکت کھڑی رہ گئی۔ دماغ تو جیسے اس کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ سامنے کوئی رنگ کوئی منظر نہیں تھا۔ یہاں سے لے کر وہاں تک تاریکی کی چادر تن گئی تھی۔

☆☆☆

روما، شاہ عالم کے پہلو میں بیٹھی ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ شاہ عالم کا ہاتھ اس کے سر پر تھا اور چہرے پر انتہائی دکھ کے تاثرات۔

''بیٹا گھر میں کوئی تو ایسی بات ہوئی ہوگی۔ جس کا ان کے ذہن پر بہت برا اثر پڑا ہے۔ یہ برین ہیمرج وغیرہ اتنی آسانی سے نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسا حملہ ہوتا ہے جس کے سامنے بعض اوقات انسان بے بس ہوجاتا ہے۔ جو اس کی برداشت سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور انسان کے حواس ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔''

روما نے ہچکیاں لیتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر وہ صرف دادا جان، دادا جان کر کے ہی رہ گئی۔ شاہ عالم نے بڑی ہمدردی سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ روما انہیں بہت عزیز تھی کیونکہ روما میں ان کی پوتی کی جان اٹکی رہتی تھی۔

''بیٹا اب بس کردو، اس طرح سے نہیں روتے اور نا امیدی کو کفر کہا گیا ہے۔ حالات کیسے بھی ہوں ہمت سے کام لینا چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی اماں جان بالکل ٹھیک ہو کر اپنے پاؤں سے چلتی ہوئی گھر واپس آئیں گی۔'' ان کے لہجے میں یقین کی وہ کیفیت تھی جو انہوں نے لمحے بھر میں روما کے وجود میں منتقل کردی تھی۔

''دادا جان سچ بتائیں برین ہیمرج ہونے والے کو کوئی خطرہ تو نہیں ہوتا۔ میرا مطلب ہے وہ...... سروائیو survive تو کر جاتے ہیں ناں؟'' روما نے جلدی سے آنسو پونچھے اور بھیگی بھیگی آنکھوں سے شاہ عالم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ارے بیٹا یہ تو اب معمول کی بات ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر تو اسے اب کوئی کام ہی نہیں سمجھتے۔ ہاں پرانے وقتوں میں کیونکہ میڈیکل نے ترقی نہیں کی تھی اور وسائل بھی محدود تھے۔ تب یہ چھوٹے چھوٹے حادثے بڑے حادثے بن جاتے تھے۔'' انہوں نے بہت محبت بھری نظروں سے روما کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ وہ قوتِ یقین کے بل بوتے پر روما کے اندر امید کے بے شمار چراغ روشن کرنا چاہ رہے تھے۔

''دادا جان، اماں جان بہت غصہ کرتی ہیں، ہمیں ڈانٹتی ہیں، سب کچھ کرتی ہیں، انہوں نے ہمیں سب کچھ دیا بھی تو ہے۔ کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی...... حتیٰ کے باپ کی بھی نہیں۔'' وہ سسکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں بیٹا تمہاری ماں خاتونِ آہن ہیں، مردوں کے لیے لفظ جواں مردی استعمال ہوتا ہے، میں تمہاری ماں کے لیے یہ لفظ استعمال کرتا ہوں۔ آفرین ہے ڈاکٹر صاحبہ پر کتنا بڑا اسپتال چلا رہی ہیں اور پورے گھر کی ذمے داریاں ان کے کندھوں پر ہیں...... بہرحال کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس سے انہیں بہت صدمہ پہنچا...... ورنہ اتنی باہمت خاتون اس طرح سے گرنے والی نہیں۔'' روما نے اب کسی حد تک اپنے حواس کنٹرول کرلیے تھے۔ اور کچھ شاہ عالم کی قوتِ یقین نے اس کے اندر توانائی بھر دی تھی اب اس کے اپنے ذہن نے کام کرنا شروع کردیا تھا۔ اس نے چوری، چوری شاہ عالم کی طرف دیکھا اور بہت جھجکتے ہوئے بولی۔

''دادا جان......! وہ رابی آپا ناں...... گھر سے چلی گئی ہیں تو شاید اس وجہ سے اماں جان کو شاک لگا ہے۔''

روما نے بڑے عام سے انداز میں بہت بڑا دھماکا کیا تھا...... وہ تو اس کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہی رہ گئے۔

''کیا کہہ رہی ہو بیٹا......؟ رابی کہاں چلی گئی ہے؟ بتا کر تو گئی ہوگی ناں؟'' وہ بہ مشکل اتنا ہی کہہ سکے۔

''دادا جان اگر بتا کر جاتی تو اماں کی یہ حالت کیوں ہوتی۔ سارا مسئلہ یہی ہے۔ میں نے کائناز کو تو بتادیا تھا اور اسے کہا تھا کہ وہ آپ کو نہ بتائے کیونکہ آپ بھی تو بوڑھے ہیں ناں اور آپ کی انجیو پلاسٹی بھی ہوچکی ہے...... تو کائناز نے اس وجہ سے آپ کو نہیں بتایا ہوگا۔''

شاہ عالم نے حیرت سے روما کی طرف دیکھا اُن کے لیے یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی کہ کائناز اُن سے اتنی بڑی خبر چھپا گئی۔ اس کے پیٹ میں تو کچھ رکتا ہی نہیں ہے۔ البتہ انہیں یاد آرہا تھا کہ صبح وہ بہت چپ، چپ تھی اور ناشتا بھی اس نے برائے نام کیا تھا...... انہوں نے پوچھا بھی تھا لیکن وہ ٹال مٹول کے انداز میں جواب دے کر کالج چلی گئی تھی۔

''یہ تو بہت بڑا حادثہ ہے، شاید ہی اس سے بڑا کوئی حادثہ ہوتا ہوگا۔ جب بیٹی بغیر بتائے گھر کی دہلیز پھلانگتی ہے تو یہ حادثہ موت سے بڑا حادثہ ہوتا ہے۔ حد ہوگئی...... ڈاکٹر صاحبہ کتنی ہی مضبوط اور دل گردے دار... سہی انسان بھی ہیں اور ایک عورت بھی اور پھر تنہا عورت...... میں نے تو آج تک آپ کے گھر میں کسی مرد رشتے دار کو نہ آتے دیکھا نہ جاتے۔''

''دادا جان ہمارا... تو کوئی ہے ہی نہیں تو ہمارے گھر کون آئے گا؟'' روما نے بڑی برجستگی اور بے ساختگی سے کہا تھا۔

شاہ عالم روما کی معصومیت پر دیکھتے ہی رہ گئے۔ کچھ ایسے سوالات ذہن میں ابھرے تھے جو وہ سمجھتے تھے کہ روما سے کیے جائیں تو بہت معیوب بات ہوگی۔ انہوں نے ایک طویل سانس اپنے سینے سے آزاد کی اور اپنے دکھ کو ضبط کرتے ہوئے روما سے گویا ہوئے۔

''بیٹا جب ہم کسی حادثے کے بعد زندہ نظر آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حادثہ ہماری قوت سے بڑا نہیں۔ ہمیں اس موقع پر اللہ سے رحم کی بھیک مانگنی چاہیے۔ خدا کرے کوئی معجزہ ہوجائے اور بات سنبھل جائے۔'' وہ بڑی دلسوزی سے خود کلامی کی کیفیت میں کہہ رہے تھے۔ روما نے تو بیٹھے بٹھائے ان سے سکون اور چین کی بچی کھچی گھڑیاں بھی چھین لی تھیں۔ ان کا بوڑھا ذہن تو برف ہو رہا تھا۔ ساکن وجامد۔

☆☆☆

رابی شام ہونے سے ذرا پہلے ہوٹل سے باہر آئی تھی۔ اس کا رخ مری کے پنڈی پوائنٹ کی طرف تھا۔ دور، دور تک لوگوں کا جمِ غفیر نظر آرہا تھا۔ ٹولیوں، گروپوں میں بکھرے ہوئے لوگ یوں نظر آرہے تھے جیسے یہاں آنے کے بعد ان کی ساری فکریں ہلکے پھلکے اڑتے بادلوں کے ساتھ ہی اُڑ گئی ہوں۔ وہ بے سوچے سمجھے سیدھی روڈ پر چلتی چلی جارہی تھی۔ دائیں بائیں مختلف اشیا فروخت کرنے والے پتھارے لگائے بیٹھے تھے۔ کوئی خالص شہد لیے بیٹھا تھا کسی کے پاس ہاتھوں کے رنگین پنکھے، ٹوکریاں اور چھابیں تھیں کہیں کوئی طوطے سے فال نکال رہا تھا۔ کہیں کوئی شکرے کو کندھے پر بٹھا کر تصویریں کھنچوا رہا تھا۔ ایک عجیب گہما گہمی تھی۔ چاروں طرف لوگ مست و مگن نظر آرہے تھے۔ رابی چلتے چلتے نسبتاً ایک ڈھلوانی جگہ پر پہنچ گئی جہاں جگہ جگہ بے ترتیب گھاس اگی ہوئی تھی۔ وہاں اس نے ایک ضعیف عورت کو چادر بچھا کر کچھ ثقافتی شاہکار لیے بیٹھے دیکھا۔ بڑھیا کے پاس مٹی کے برتن ہاتھ کے پنکھے، شیشے کے کام کے خوب صورت بیگ، بچوں کے کھلونے وغیرہ نظر آرہے تھے۔

رابی کو جانے اس ضعیف عورت میں کیا نظر آیا تھا کہ وہ کشاں، کشاں اس کی طرف کھنچی چلی آئی تھی۔

بڑھیا اب تک کی ہونے والی سیل گن رہی تھی۔ ہاتھ میں کچھ نوٹ تھے اور چادر پر کافی سارے سکے۔

''اماں یہ پنکھا کتنے کا دے رہی ہو، ویسے آج کل تمہارے پنکھے تو بہت بکتے ہوں گے، لوڈشیڈنگ جو اتنی ہو رہی ہے۔''

''دو سو روپے کا۔'' بڑھیا نے جو اپنے کام میں بے انتہا مستغرق تھی، چونک کر سر اٹھایا پھر بڑی بے نیازی سے بولی۔

''اتنا مہنگا؟'' رابی نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

بڑھیا نے دور پھیلے ہوئے پنکھے ہاتھ بڑھا کر قریب کر لیے یوں جیسے اسے یہ خطرہ ہو کہ رابی کوئی پنکھا بغیر قیمت دیے اٹھا کر بھاگ جائے گی۔

''میں تو بہت سستے دیتی ہوں، آپ اِدھر اُدھر گھوم کر دیکھ لو۔ اس سے کم پیسوں کا ملے تو مجھ سے آ کر کہنا، میں زیادہ منافع نہیں لیتی اس پنکھے پر مجھے دس پندرہ روپے ملیں گے۔ لینا ہے لو ورنہ راستہ دیکھو۔'' بڑھیا نے دکانداروں والی مصنوعی خوش اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا بلکہ ایک طرح سے پتھر پھوڑے تھے۔

رابی دوسری چیزیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ اسے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے چہرے سے لگتا تھا کہ وہ کچھ اور سوچ رہی ہے۔ بڑھیا نے دیکھا کہ اس کی گاہک تو اس کی جھاڑ سن کر بھی اسی طرح سے بلکہ بڑی تسلی سے بیٹھی ہے اس نے خود بخود اپنے لہجے میں نرمی پیدا کر لی۔

''بیٹا جو بھی چیز لو گی بہت مناسب دام لگیں گے۔ میں اپنے روز کا خرچہ نکالتی ہوں، میں نے کون سا بینکوں میں مال جمع کرنا ہے۔ آج مری کل دوسرا دن......''

''اماں تم بہت خوش قسمت ہو، تمہیں تو مزید جینے کی فکر ہی نہیں اور نہ سرمایہ ختم ہونے کی۔'' رابی نے بڑھیا کی طرف بڑی ستائش بھری نظروں سے دیکھا۔ بڑھیا رابی کی بات سن کر مسکرا دی۔ جیسے اسے رابی کی بات بہت اچھی لگی ہو۔

''بیٹا اکیلی گھوم رہی ہو، ماں، باپ کے ساتھ آئی ہو یا بال بچوں کے ساتھ؟''

رابی ایک دم گڑبڑا گئی مگر اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔ ''اماں اکیلا ہی سمجھیں۔ میرا دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں۔'' رابی کی بات سن کر بڑھیا نے یوں سر اٹھا کر رابی کی طرف دیکھا جیسے اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے بم پھوڑ دیا ہو۔

وہ رابی کو بہت حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک خوب صورت جوان لڑکی جو دیکھنے سے لگتا تھا کہ کسی بہت امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

''کوئی نہیں ہے......؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے بیٹا ماں، باپ نہیں رہتے تو دنیا میں اور بھی رشتے ہوتے ہیں، چچا، تایا پھوپی، ماموں کوئی تو ہو گا ناں!''

''کوئی نہیں ہے اماں یقین کرو۔'' رابی کے اس جواب پر بڑھیا نے پھر فکر مندی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے حلق سے نیچے یہ بات اتر نہیں رہی تھی مگر جز بز ہو کر رہ گئی اور خود کو مزید سوال کرنے سے روک لیا۔

''اماں تم کہاں رہتی ہو؟'' اس نے بڑھیا کی گم صم سی کیفیت دیکھ کر نئی بات شروع کر دی۔

''بیٹا زیادہ دور نہیں رہتی۔ یہ سامنے پہاڑی پر گھر نظر آ رہے ہیں ناں وہیں پر میری جھونپڑی ہے۔'' بڑھیا نے ایک گہری سانس لے کر گہری نظروں سے رابی کی طرف دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''جھونپڑی؟'' رابی کی بات سن کر بڑھیا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بیٹا زمین پر چادر بچھا کر یہ چیزیں بیچ رہی ہوں، تمہارا کیا خیال ہے میں کسی محل میں رہتی ہوں گی۔''

''نہیں، نہیں اماں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میرا مطلب تھا یہاں تو بڑا خراب موسم ہوتا ہے، آپ کو تو بڑا مسئلہ ہوتا ہو گا۔'' اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

''نہیں بیٹا، مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا کیونکہ میں نے پیسے جمع کر کے اپنا گھر کچا پکا کر لیا، اب بارش آندھی سے بچت ہو گئی ہے، ہاں پہلے ذرا سی بارش سے سارے گھر میں پانی پانی نظر آتا تھا۔'' بڑھیا نے جواب دیا۔

''اماں تم کب سے اکیلی ہو اور تم نے یہ گھر اور سب کچھ اکیلے ہی بنایا ہے؟''

''نہیں بیٹا! شوہر مر گیا، کچی جھونپڑی تو اسی نے بنا کر دی تھی بعد میں میں نے محنت مشقت کر کے گھر پکا کر لیا۔''

''تو کیا آپ اب بالکل اکیلی ہیں؟'' رابی پتا نہیں کیوں سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔ ایک کمزور تنہا بوڑھی عورت اسے انجانے میں بہت حوصلہ بخش رہی تھی۔

''بیٹا اب تو شام ڈھل رہی ہے، تم اکیلی جوان جہان لڑکی اِدھر اُدھر گھوم رہی ہو، اِدھر طرح طرح کے لوگ گھومتے ہیں، تمہارا اپنا ٹھکانا کہاں ہے؟'' رابی بڑھیا کے سوال پر چونک پڑی اور زمین سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اماں یہ لو تم دو سو روپے بلکہ ایسا کرو یہ دو پنکھے دے دو اور پانچ سو روپے لے لو۔'' رابی نے خواہ مخواہ ہی بڑھیا سے دو پنکھے لے لیے۔ اسے بھلا پنکھوں کی کیا ضرورت تھی اور اس کا کون سا گھر تھا۔ جہاں وہ یہ ڈیکوریشن پیس کے طور پر ہی سجا لیتی۔ بڑھیا کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اس نے لپک کر پانچ سو کا نوٹ پکڑا اور بولی۔

''بیٹی بہت بڑا دل ہے تمہارا، پیسہ تو بہت سوں کے پاس ہوتا ہے لیکن اللہ دل کسی کسی کو دیتا ہے۔ میں تم سے فالتو میں منافع نہیں لوں گی۔ لو یہ پکڑو اپنے باقی کے پیسے۔'' بڑھیا نے بڑی زبردست خودداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک ان پڑھ بوڑھی ضعیف عورت، رابی کو پتا نہیں کیوں اتنا متاثر کر رہی تھی۔ وہ اس کی طرف کئی لمحے دیکھتی رہی۔ یوں جیسے اس کا ذہن کہیں دور چلا گیا ہو، کتنی خوش قسمت ہے یہ عورت...... جبر اور دباؤ سے دور مکمل خودمختاری کی زندگی...... یہ تو دنیا ہی میں جنت میں رہتی ہے۔ رابی نے سوچا اور قدم بڑھانے لگی۔ بڑھیا نے پھر اسے ٹوکا۔

''بیٹا یہ اپنا سو کا نوٹ پکڑو۔'' رابی اس سے کئی گز کے فاصلے پر پہنچ چکی تھی۔ اس نے بڑھیا کی طرف مڑ کر دیکھا اور بولی۔

''اماں میں نے کہا ناں یہ تم رکھ لو، یہ سمجھو تمہارا آج کا منافع ہے۔ میں کل پھر آؤں گی تمہارے پاس۔''

رابی یہ کہہ کر اس راستے پر چل پڑی جو اسے ہوٹل کی طرف لے جا رہا تھا۔

بڑھیا حیرت کی تصویر بنی اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

☆☆☆

صابرہ کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ شبینہ اور ستارہ اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اُن کے چہروں پر ایسی بے بسی نظر آ رہی تھی جیسے وہ اس بات سے مایوس ہوں کہ وہ ماں کو سنبھال لیں گی۔ صابرہ کبھی لیٹتی تھی کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتی اور پاگلوں کی طرح ہذیانی انداز میں بولنا شروع کر دیتی تھی۔

''وہ مجھے بتائے بغیر کبھی گھر سے نہیں گیا...... وہ پانچ منٹ کے لیے بھی گھر سے جاتا ہے تو مجھے بتا کر جاتا ہے۔ مجھے...... مجھے اس کے پاس لے کر جاؤ، مجھے اس کے پاس لے کر جاؤ، ورنہ میں مر جاؤں گی۔ اپنے باپ کو فون کرو، ارے وہ پولیس کے محکمے میں ہے کس دن کام آئے گا تمہارا یہ محکمہ، اپنے باپ کو فون کر کے کہو

مجھ سے ملیے

میرا نام کاجل شاہ ہے، میرا جنم دن سات جولائی ہے۔ میں نے ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے ساتھ عربی ٹیچر ٹریننگ کورس کیا ہے۔ شادی سے پہلے دو سال تک ملتان کے ایک پرائیویٹ اسکول میں ٹیچنگ کی پھر شادی کے بعد ملازمت چھوڑ دی۔ میرے مشاغل میں اچھی کتابیں پڑھنا، تصویریں بنانا یعنی مصوری، کہانیاں لکھنا، مختلف اسٹارز کے بارے میں جاننا، ہاتھ کی ریکھاؤں کے بارے میں معلومات رکھنا، ڈیکوریشن پیس بنانا شامل ہیں۔ ہنر میں سلائی، کڑھائی، بُنائی، کٹائی، صفائی کھانا بنانا اور گھر کے دوسرے کام وغیرہ۔ میں نے دیوانگی کی حد تک گلاب، موتیا اور خوشبو میں کچے آنگن کی مٹی کے علاوہ کسی بھی چیز کی خوشبو کو محسوس نہیں کیا۔ پسندیدہ لباس ساڑی اور شلوار قمیص ہیں، موسم مجھے خزاں کا پسند ہے۔ پسندیدہ شہر اپنا ملتان ہے۔ میری زندگی کا خوب صورت ترین لمحہ جب میں پہلی مرتبہ براڈ کاسٹنگ ہاؤس، ملتان گئی، میری ایک خواہش ہے کہ میرے بال بہت لمبے ہوتے۔ اپنی پسندیدہ عادت

میرے بچے کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ ورنہ میں جان دے دوں گی شبینہ۔“

”امی بات تو سنیں، بھائی کوئی چھوٹے سے بچے تو نہیں ہیں۔ ماشاءاللہ جوان ہیں، اپنے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں اور وہ ان پڑھ جاہل بھی نہیں ہیں۔ آپ کیوں اتنی ٹینشن لے رہی ہیں۔“

شبینہ جیسے بولتے بولتے رو دی۔

”بیٹا اس نے تو گھر سے نکل کر ماں کو فون تک نہیں کیا۔ ارے میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔ خدانخواستہ کچھ ہو نہ گیا ہو ورنہ وہ فون تو کرتا ضرور...... دیکھو موبائل تو اس کے پاس ہوتا ہے۔ بتا کر نہیں گیا بعد میں فون کر دیتا۔ بتا تو دیتا وہ ہے کہاں۔ مجھے ایک پل چین نہیں آ رہا۔ میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں ننگے پاؤں، ننگے سر اس گھر سے نکل جاؤں، ارے کس کام کی ایسی زندگی کہ اولاد کی شکل کو ترستی رہوں۔“

ستارہ نے ایک دم ماں کے ہاتھ تھام لیے اور بہت محبت سے ہاتھ پر بوسا دیا۔

”امی خود کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے اور اچھا ہوا بھائی چلے گئے یہاں سے۔ یہاں تو صبح، دوپہر، شام صرف ظلم کی کہانی ہے، وہ اس ماحول سے دور رہیں گے تو کچھ کر کے دکھا ہی دیں گے۔“ صابرہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے تھپڑ مارنے کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر ستارہ کو گھورا تھا۔

”تیری اس زبان نے گھر میں آگ لگا دی ہے۔ خاموش ہو جا، بالکل باپ پر گئی ہے کچھ نہیں سوچتی بولتے ہوئے۔“

ستارہ احتیاط کے ضمن میں ماں کے قریب سے اٹھ گئی کہ کہیں واقعی صابرہ اس کے تھپڑ ہی رسید نہ کر دے مگر وہ بولنے سے باز نہیں آئی۔

”امی، بچہ باپ پر ہی جاتا ہے، ظاہری بات ہے ماں پر جائے گا یا باپ پر ہی جائے گا۔“

”ستارہ تم یہاں سے چلی جاؤ، دیکھ رہی ہو کہ امی کی حالت کتنی خراب ہے پھر بھی بولے چلے جا رہی ہو بولے جا رہی ہو۔“ شبینہ، ستارہ کی بات سن کر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور بڑی بے بسی کی کیفیت میں بولی۔ ستارہ نے غصے بھری نظروں سے شبینہ کی طرف دیکھا اور باہر جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔ جاتے ہوئے بھی وہ بڑبڑا رہی تھی۔

”سب کو غصہ آ رہا ہے، سب اپنا اپنا غصہ اتار رہے ہیں، میں اپنا غصہ اتارتی ہوں تو یہ غیر قانونی ہو جاتا ہے۔ جیسے باقی تو سب قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کام کر رہے ہیں۔“

”بیٹا اس لڑکی کی وجہ سے آج میرا بیٹا گھر سے بے گھر ہو گیا، دیکھو تم اسے سمجھا لو، اس کو بتا دو کہ ماں مر گئی

یہ ہے کہ دوسروں کے معاملات میں دخل نہ دینا اور خواہش یہ کہ دوسرے بھی میرے ذاتی معاملات میں دخل نہ دیں۔ 90ء سے لکھنا شروع کیا اور مختلف ڈائجسٹوں میں شائع ہوتی رہی ہوں اور اب پاکیزہ کی اتنی تعریف سنی ہے کہ اب اس میں بھی آغاز کر رہی ہوں اور اس تعارف سے ہی میرا آغاز ہو رہا ہے، میں آزاد نظمیں لکھتی ہوں، کہانیاں ملتان کے اخبار سنگ میل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ مجھے غصہ بہت کم آتا ہے، غصے کی حالت میں خاموش رہتی ہوں اور خود کو مصروف رکھتی ہوں، دوسری صورت میں، میں بولتی ہوں اور دوسروں کو خاموش رہنا پڑتا ہے، میں اکثر لوگوں کی زیادتیاں بھول جاتی ہوں۔ گھر میں مجھے بلّو کہا جاتا ہے، مادری زبان سرائیکی ہے، عزیز ترین ہستی ایک تو چھوٹی بہن اور میری بیٹی پاکیزہ کوئی مجھے کچھ کہہ دے تو اسے شاید معاف کر دوں لیکن اگر کوئی میری بہن یا بیٹی کے متعلق کچھ کہے تو میں بہت مشکل ہے کہ اسے معاف کروں۔

کاجل شاہ، ملتان

تو اس کی یہ بدزبانی برداشت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ ماں سے بڑا دل کسی کا نہیں ہوتا اور ماں کے سوا اتنی باتیں کوئی سن بھی نہیں سکتا۔ یہ دنیا بڑی بے مروت ہے، ذرا لحاظ نہیں کرتی۔“ صابرہ نے شبینہ کی طرف دیکھا اور بڑی بے بسی کی کیفیت میں بولی۔

”امی آپ تو سمجھتی ہیں ناں کہ آپ ہمارے لیے کتنی ضروری ہیں، خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو ہمارا کیا بنے گا۔ آپ خود کو سنبھالیں‘ میرا دل کہتا ہے بھائی جان آپ کو تھوڑی دیر میں ضرور فون کریں گے۔ انہیں خود بھی احساس ہو رہا ہوگا۔ انہیں اندازہ ہوگا کہ اس وقت آپ کتنی تکلیف سے گزر رہی ہوں گی۔“ شبینہ نے صابرہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گال سے لگاتے ہوئے بڑے پیار سے بولی۔

”بیٹا اسی بات کا تو دکھ ہے کہ رات سے اگر گیا ہوا ہے تو اب تک اسے ماں کا خیال نہیں آیا۔ اسے احساس نہیں ہوا کہ جس ماں کو اُدھر چھوڑ کر آیا ہوں وہ جیتے جی مر جائے گی۔ اتنا سنگدل تو میرا بچہ نہیں ہے۔ مجھے تو طرح، طرح کے وہم آ رہے ہیں۔ مجھے خدا کے واسطے...... خدا کے واسطے مجھے اس کی آواز تو سنا دو...... اس کا نمبر ملاؤ کیا پتا اب اس نے بیٹری چارج کر لی ہو، دیکھو ہو سکتا ہے اس وقت اس کا فون کام کر رہا ہو، جلدی کرو۔“

”امی آپ لیٹی رہیں، میں دیکھتی ہوں اگر بھائی نے فون اٹینڈ کر لیا تو میں آپ کو بلا لوں گی۔ آپ بس آرام کریں۔“ شبینہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بہت زیادہ فکرمند نظروں سے ماں کو دیکھتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

جابر علی، ایس پی کے کمرے میں بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔ ایس پی کے چہرے پر پورے اطمینان کی کیفیت تھی۔ جیسے اسے اپنی کامیابی پر یقین ہو رہا ہو۔

”وہ سر آپ سے ایک ریکویسٹ ہے۔“ جابر علی چائے کے گھونٹ بھرتا ہوا سوچ رہا تھا سوچتے سوچتے اس نے اپنا سر اٹھا کر ایس پی کی طرف دیکھا اور ہچکچاتے ہوئے گویا ہوا۔

”بولو، بولو، جابر علی۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ تکلف ہے؟ ایسی کیا بات ہے جو ہچکچاتے ہوئے بول رہے ہو۔“ ایس پی جو بڑی گہری نظروں سے اس کے تاثرات جانچ رہا تھا۔ جلدی سے بولا۔۔۔ بلکہ ایس پی نے جابر علی کا ایک طرح سے حوصلہ بڑھایا۔

”سر میں ایک تنخواہ دار آدمی ہوں اور ابھی تک بچوں کی شادی کے لیے کچھ نہیں جوڑ پایا۔“

"اچھا تم اس وجہ سے فکر مند ہو، بھئی تم نے یہ بات مجھ سے پہلے کیوں نہیں کر ڈالی۔ وارث علی کو تمہارے گھر کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہے، وہ تو تمہارے گھر سے تنکا اٹھانا بھی پسند نہیں کرے گا۔ ارے اس کا گھر بھرا پڑا ہے، اسے آنے والی کے جہیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم اتنی نیک کردار بیٹی اسے دے رہے ہو، کوئی بڑے سے بڑا جہیز بھی اس بچی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جو بندہ اپنی نیک خصلت، نیک کردار بیٹی کسی کو دے دیتا ہے۔ وہ تو سمجھو اپنا خزانہ خالی کر دیتا ہے۔" ایس پی ایک قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ اس کے قہقہے نے جابر علی کو الجھا سا دیا۔

ایس پی کی بات سن کر جابر علی نے جیسے ایک سکون کی گہری سانس کھینچی۔ بات بہت مختصر تھی اور اختصار میں ہی اس کے لیے بے پناہ آسانیوں کی خوش خبری تھی۔ وہ جیسے اندر سے کھل اٹھا۔ ایک بہت بڑا بوجھ اس کے سر سے سرکا تھا۔

"بہت بہت شکریہ، سر آپ نے مجھے بالکل ریلیکس کر دیا ہے۔"

"بھئی تم جہیز کی بات کر رہے ہو، اب میری سنو وارث علی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں تم سے یہ بھی کہہ دوں کہ تم کھانے وانے کے چکر میں بھی مت پڑنا۔ ہم خود کسی ہوٹل میں بندوبست کر لیں گے۔ نکاح گھر پر ہوگا۔ ڈنر کسی ہوٹل میں اور وہ بھی نام تمہاری طرف سے ہوگا۔"

جابر علی نے چونک کر سر اٹھایا جیسے اس کی خودداری بلبلا کر رہ گئی تھی۔

"سر میں جھوٹے نگینوں کے تاج اپنے سر پر سجانا نہیں چاہتا۔ آپ وارث علی سے کہیں کہ وہ ولیمے کا ڈنر جدھر مرضی دے۔ بڑے ہوٹل میں دے یا چھوٹے ہوٹل میں دے اس کی مرضی لیکن میں اس کا اتنا بڑا احسان لے کر بیٹی نہیں دے سکتا۔ کچھ تو میری خودداری کا خیال کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس محکمے میں میری عمر گزر گئی ہے۔ آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ میں نے کبھی کسی سے دس روپے بھی لیے ہوں۔ مجھے تو کوئی یہاں بھی چائے پلا دیتا ہے تو میں چائے کے پیسے خود دے دیتا ہوں۔" وہ بڑی آہستگی سے گویا ہوا۔

"جابر علی میں تمہاری انا اور خودداری کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ تم اطمینان رکھو۔ میں تمہیں پورا محکمہ اور جہاں جہاں تم آج تک ٹرانسفر ہو کر گئے ہو وہ سب لوگ تمہاری ایمانداری کو جانتے ہیں اور اس وجہ سے پورا محکمہ تمہاری عزت کرتا ہے۔" ایس پی جابر علی کی بات سن کر مسکرا دیا اور اپنے شاطرانہ انداز چھپاتے ہوئے بڑی ہمدردی سے گویا ہوا۔

جابر علی نے انکساری کے انداز میں سر جھکا لیا۔

"تم فکر نہ کرو میں وارث علی سے کہہ دوں گا کہ بھئی جابر علی نکاح والے دن شربت پلائے یا ہائی ٹی...... یا اپنے حساب سے کھانا کرے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"سر آپ کے تعاون سے اتنا بڑا مرحلہ بہت آسان دکھائی دے رہا ہے، اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو، سب کام بخیر و خوبی انجام پا جائیں۔" جابر علی کے چہرے پر سکون اور خوشی کی کیفیت جھلکنے لگی اس نے چائے کا خالی کپ پرچ میں رکھا اور ایس پی کی طرف دیکھ کر مسکرایا جیسے شکریہ ادا کر رہا ہو۔

ایس پی نے بہت دل سے آمین کہا تھا...... جابر علی اٹھنے لگا تو ایس پی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کے لیے کہا۔ جابر علی اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا اور سوالیہ نظروں سے ایس پی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ جابر علی جب ساری باتیں طے ہو چکی ہیں تو نکاح کی تاریخ بھی دے دو۔"

"نکاح کی تاریخ؟" جابر علی چونک کر ایس پی کی شکل دیکھنے لگا۔ "سر وہ نکاح کی تاریخ تو میں گھر والوں

سے مشورہ کر کے ہی آپ کو بتا سکوں گا۔"

"جانے دو جابر علی، چلتی تو تمہاری ہے۔ تم فضول میں گھر والوں کو مشورے کے لیے تکلیف دیتے ہو۔ جہاں تم انہیں اتنی تکلیفوں سے بچا رہے ہو، اس تکلیف سے بھی بچا لو۔ یہیں آج کی تاریخ میں یہ معاملہ بھی ایک طرف ہو جائے۔" ایس پی ہنس دیا اور شریرانہ انداز میں بولا۔

"پھر بھی سر، اطلاع تو گھر میں ہونی چاہیے ناں۔ تھوڑی بہت تیاری تو ہمیں بھی کرنا ہوگی۔" اس نے ذرا جھجکتے ہوئے جواب دیا حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا کہ کہہ دے کل آ جائیں میں نے کون سا بازاروں میں بچی کو لے کر پھرنا ہے یا خریداری کرنا ہے۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے جابر علی میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا کیونکہ میرے فون کا انتظار وارث علی کر رہا ہوگا۔"

"جی سر انشاء اللہ تعالیٰ آج یہ تمام معاملات طے ہو جائیں گے۔ آپ فکر نہیں کریں۔"

"او کے چلو پھر اب ہم اپنا، اپنا کام کرتے ہیں...... ٹھیک ہے۔" جابر علی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ایس پی کو سلیوٹ کیا اور ایڑیوں کے بل دروازے کی سمت گھوم گیا۔ اس کی پیٹھ ہوتے ہی ایس پی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

☆☆☆

شاہ عالم ہنوز روما کے ساتھ اس کے گھر میں موجود تھے۔ کائناز بھی کالج سے آنے کے بعد وہیں چلی آئی تھی۔ وہ اپنی سہیلی کے غم پر اس سے زیادہ نڈھال نظر آ رہی تھی لگتا تھا کہ وہ رو دے گی۔

روما کا تو پہلے ہی رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ دو حادثے یکے بعد دیگرے اس گھر پر قیامت بن کر ٹوٹے تھے۔ رابی کا بغیر بتائے گھر سے چلے جانا اور پھر اس کے بعد ڈاکٹر مہر جان کا کومے میں چلے جانا۔ وہ تو یہ محسوس کر رہی تھی جیسے کسی اجنبی جگہ پر تنہا کھڑی ہو اور گھر تک جانے والا راستہ سمجھ نہیں آ رہا ہو۔ شاہ عالم اور کائناز اسے بڑی ہمدردی سے سنبھالنے کی مسلسل کوشش کر رہے تھے۔

"روما دیکھو، رونے سے کچھ نہیں ہوگا تمہارے رونے کی وجہ سے میرا دل چاہ رہا ہے بس میں بھی رونا شروع کر دوں۔ روما مجھ سے تمہارا رونا دیکھا نہیں جا رہا۔ خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔" کائناز اسے گلے سے لگائے چپ کرا رہی تھی مگر اس کی ہچکیاں تھم کے نہیں دے رہی تھیں۔ اسی وقت پورچ میں کار کے ہارن کی آواز گونجی تھی اور روما نے چونک کر کائناز کے کندھے سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک لہرائی تھی۔

"مجھے لگتا ہے اماں جان آ گئی ہیں۔" یہ کہہ کر روما دیوانہ وار پورچ کی طرف دوڑی تھی۔

شاہ عالم نے کائناز کی طرف دیکھا مگر اس سے پیشتر کہ وہ کوئی بات کرتے وہ روما کے پیچھے سرپٹ بھاگی تھی۔

پورچ میں کھڑی کار سے گل جان اتر رہی تھی۔ روما نے گل جان کی پشت پر دیکھا اسے گل جان کے سوا اور کوئی دکھائی نہیں دیا۔ نہ اصیل خان، نہ مہر جان...... وہ بھاگتے ہوئے گل جان کے گلے سے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپ اکیلی کیوں آئی ہیں، اماں کہاں ہیں؟ کیسی طبیعت ہے ان کی؟" گل جان نے بہت محبت اور نرمی سے روما کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"بیٹا آپ کی اماں جان اسپتال میں ایڈمٹ ہیں، سب لوگ دعا کر رہے ہیں، آپ بھی دعا کریں۔" وہ

ایک ٹھنڈی آہ بھر کے بولی۔

کائناز ان کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی تھی اور وہ بھی بڑی آس بھری نظروں سے گل جان کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن گل جان کے چہرے پر چھائی مایوسی اور تشویش نے اسے ہراساں کر دیا۔

"خالہ جان کیا اماں جان بے ہوش ہیں، ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں، خدانخواستہ کوئی سیریس بات تو نہیں یہ رابی آپا نے کیا کر دیا، اب...... اب دیکھیں تو سہی کیا ہوگا، اس گھر پر پہلے ہی کون سی خوشیاں برس رہی تھیں ہماری قسمت میں یہی رہ گیا ہے، خالہ جان...... ہم زندگی بھر اسی طرح روتے رہیں گے۔" یہ کہہ کر روما پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ گل جان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے اگرچہ اس نے چاہا تھا کہ روما کے سامنے کمزور نہ پڑے اس کی آنکھیں نہ بھیگیں...... مگر روما کی بات سن کر اس کے دل پر زبردست چوٹ پڑی تھی۔ اختیار کھو بیٹھی تھی۔ بھرائی ہوئی آواز میں صرف اتنا بولی۔

"بیٹا بارہ برس بعد تو گھوڑی کے دن بھی پھرتے ہیں، یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ جو آج ہے وہ ہمیشہ ایسا رہے گا۔ تم اپنا مقدر لکھوا کر لائی ہو، ضروری نہیں جو رابی کا، میرا تمہاری اماں جان کا مقدر تھا وہ تمہارا ہو، ہر بچہ اپنا نصیب لکھوا کر لاتا ہے۔" وہ روما کو سمجھانے کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے خالہ جان میرا مقدر سب سے زیادہ خراب ہو۔" روما ہچکیاں روک کر بولی۔

گل جان نے دہل کر روما کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا...... کائناز آگے بڑھی اور روما کو گل جان سے الگ کرنے لگی۔

"کیا بے وقوفی کر رہی ہو روما، خالہ جان تو خود پہلے ہی اتنی پریشان ہیں، تم ایسی باتیں کر کے انہیں مزید پریشان کرو گی۔ خدانخواستہ ان کی بھی طبیعت خراب ہو گئی تو پھر کیا ہوگا۔ خود کو سنبھالو۔"

"ماشاء اللہ تم چھوٹی سی عمر میں کتنی سمجھدار ہو کائناز...... اسے بھی کچھ عقل کی باتیں سمجھاؤ، یہ تو بچوں سے بھی گئی گزری ہے۔ ایسی الٹی سیدھی باتیں کرتی ہے کہ دل بیٹھ، بیٹھ جاتا ہے۔ میں دعائیں مانگ، مانگ کر تھک گئی ہوں کہ یا اللہ اس کی زندگی کو خوشیوں سے بھر دے، یا اللہ اس کے حال کو بدل دے۔" گل جان نے کائناز کی طرف دیکھا اور بڑے شفیق لہجے میں بولی۔

"خالہ جان بس آپ اپنے آپ کو ایسے ہی بہلاتی رہیں، کہاں سے آئیں گی خوشیاں؟ اب تو رابی آپا بھی اس گھر سے چلی گئی ہیں، ساری زندگی کے لیے مسئلہ چھوڑ کر...... اب ہمارا کام ہی کیا رہ گیا ہے۔ بس بیٹھ کے روتے رہیں گے۔" روما کہہ رہی تھی۔ کائناز نے پیار بھرے انداز میں ایک دھپ روما کی کمر پر لگائی۔

"تمہیں سمجھ نہیں آ رہی، اپنی پریشانی کم کرنے کے بجائے خالہ جان کی پریشانیاں بڑھا رہی ہو کیوں مایوس کر رہی ہو، خود بھی حوصلہ کرو اور خالہ جانی کو بھی حوصلہ دو۔"

"کہاں سے لاؤں حوصلہ؟ کسی اچھی خبر کی امید بھی تو ہو۔ دیکھ تو رہی ہو، کیا ہو رہا ہے اس گھر میں۔" روما نے اپنے آنسو پونچھے اور کائناز کی طرف دیکھا۔ گل جان نے روما کا بازو پکڑا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

"بیٹا کیا خبر کل کچھ اچھا ہو جائے۔ رابی کو تلاش تو کر رہے ہیں اور تمہیں پتا ہے، تمہاری اماں جان کا بڑا اثر رسوخ ہے، انہوں نے پورے ملک میں ٹیلیفون گھما دیے تھے۔ آج کل میں رابی کا پتا چل جائے گا، انشاء اللہ۔"

"بس بھی کریں خالہ جان اب تو ہم خود کو بہلا بہلا کر بھی تھک گئے۔ آج تک اس ملک میں کسی مجرم کو سزا ہوتے دیکھی ہے آپ نے، کوئی سچ مچ کا مجرم پکڑا ہوا دیکھا ہے، خبریں آ جاتی ہیں کہ مجرم پکڑا گیا اگر پکڑ لیتے

ہیں تو سزا کیوں نہیں دیتے ہیں، کچھ نہیں ہوتا یہاں، فضول میں اپنے آپ کو بہلانا اور سمجھانا ہے۔''

''خدا کے لیے خالہ جان کا پیچھا چھوڑو، چلو آؤ میرے ساتھ تمہیں میں کچھ کھلاتی ہوں، تمہارا نوکر بتا رہا تھا کہ تم رات سے بھوکی بیٹھی ہو، چلو آؤ۔'' کائناز نے اب روما کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بہت دلسوزی سے گویا ہوئی اور پھر گل جان کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

''خالہ جانی، دادا جان بھی آ گئے تھے۔ میں تو کالج گئی ہوئی تھی اور کالج سے میں نے روما کو فون بھی کیا تھا مگر اس کا سیل فون آف تھا تو میں سمجھ گئی کہ شاید یہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی سو رہی ہوگی اس لیے میں نے لینڈ لائن نمبر پر فون نہیں کیا وہ تو جب میں گھر آئی تو پتا چلا کہ روما نے دادا جان کو فون کیا تھا اور دادا جان، روما کے پاس ہیں، بس میں بھی کپڑے چینج کر کے یہاں آ گئی اگر آپ کو اسپتال میں رہنا ہے اور آنٹی کو آپ کی ضرورت ہے تو آپ بڑی بے فکری سے وہاں رہ سکتی ہیں، میں اور دادا جان، روما کے پاس ہیں۔''

گل جان نے کائناز کی طرف دیکھا، بزرگوں کے انداز میں تسلی دیتی ہوئی کم عمر اور معصوم سی لڑکی جیسے گل جان کے دل میں اتر گئی۔ اسے یوں لگا کہ جیسے اس بحرانی وقت میں ان دادا پوتی کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔

''جیتی رہو بیٹا...... اللہ تمہیں ہر طرح کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔'' وہ آگے بڑھی اور اس نے کائناز کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ اب وہ تینوں اندر کی طرف جا رہی تھیں۔ جہاں شاہ عالم ان کا انتظار کر رہے تھے۔

☆☆☆

برہان اپنے کلاس فیلو اور اپنے بہترین دوست نعمان کے ساتھ اس کے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا بات کر رہا تھا۔ وہ نعمان کو اپنا سارا دکھ درد کہہ کر ہلکا ہو گیا تھا۔ نعمان کے چہرے پر دوست کے لیے ہمدردی، اپنائیت اور فکر مندی کے تاثرات نقش تھے۔ وہ ایک ٹک برہان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یار اس ملک میں تو پولیس افسروں کے بچے شہزادوں کی طرح زندگی گزارتے ہیں، من مانیاں کرتے پھرتے ہیں یوں لگتا ہے کہ جیسے سارا شہران کی جیب میں ہو اور تم اپنے آپ کو دیکھو، کچھ بھی نہیں ہے تمہارے پاس، ایک چھت تھی وہ بھی نہیں رہی۔'' چند لمحے سوچنے کے بعد وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

''لیکن میں ان میں سے نہیں ہوں نعمان جو خود پر ترس کھا کر زندگی گزار دیتے ہیں اور آتے جاتے لوگوں کی طرف یوں دیکھتے ہیں جیسے ان میں سے کوئی نجات دہندہ کوئی فرشتہ نکل کر باہر آئے گا اور اس کے سارے مسئلے پلک جھپکتے میں حل کر دے گا۔ ایسا نہیں ہوتا میری امی کہتی ہیں ہنستے کے ساتھ دنیا ہوتی ہے رونے والا اکیلا ہوتا ہے، میں وہ اکیلا انسان بن کر اس دنیا میں زندگی نہیں گزاروں گا۔''

نعمان کی آنکھوں میں ستائشی تاثرات بہت واضح تھے۔ اب اس نے برہان کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی بے ساختگی سے کہا تھا۔

''یار تمہاری باتوں نے تو مجھے ایک نئی سوچ دی ہے اور تمہاری خودداری نے مجھے متاثر کیا ہے، تمہیں دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ زندگی کتنی مشکل ہے، تم تو جانتے ہی ہو میں چار بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہوں، سب لوگ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میری زندگی میں تو فی الحال کوئی مشکل نہیں آئی کہ کوئی مجھے حوصلے اور ہمت کا سبق دے لیکن تمہاری دوستی میں بہت جلدی میں نے بڑا قیمتی تجربہ حاصل کر لیا۔''

برہان بے معنی سے انداز میں مسکرایا۔

''ہاں نعمان، ہمیں زندگی فرمائش سے یا بھیک میں نہیں ملی ہے۔ میں کیوں کسی کو اتنا اختیار دوں کہ وہ

میری تمام صلاحیتوں کو زنگ لگا دے۔ مجھے جیتے جی مار دے اور میرے انسان ہونے کا حق چھین لے۔ سچی بات یہ ہے نعمان...... مجھے اپنی آخرت بھی بہت عزیز ہے۔ میں اپنے باپ کے سامنے ایک حد تک اپنی آواز بلند کر سکتا ہوں لیکن اپنے باپ کو باپ کے حق سے محروم کرنے کا حق نہیں رکھتا۔"

"وری گڈ...... تمہاری سوچ بہت پوزیٹو ہے برہان......" نعمان نے بے ساختہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"بس اسی لیے میں اس گھر سے چلا آیا اگر امی کے سامنے نکلتا تو وہ جان دے دیتیں مگر مجھے گھر سے قدم باہر نہیں نکالنے دیتیں اور میں واضح طور پر سمجھ رہا تھا کہ میں ابا جان کو نہیں روک سکتا، نہیں روک پاؤں گا، آخر میں ان کا بیٹا ہوں کیونکہ میں ان کے مزاج کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں، وہ فارمیلٹی کی حد تک تو صلح مشورہ کر سکتے ہیں لیکن وہ اپنا ذہن پہلے ہی بنا چکے ہوتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان کا فیصلہ کیا ہوگا۔ اس لیے میں نے وہ گھر چھوڑ دیا۔ جب میں ابا جان کے کسی عمل کو روکنے کی طاقت، قدرت نہیں رکھتا اور آخرت کا خوف مجھے باپ کے ساتھ انتہا پر جانے سے منع کرتا ہے تو میرا اپنی ماں بہنوں کے سامنے رہنا بڑا بے معنی سا ہے۔ میں کیوں ان کو جھوٹی آس دلاؤں کہ جوان بیٹا اور جوان بھائی ان کے ساتھ ہے جبکہ میں ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

"برہان تمہارے حالات سن کر اتنا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اگر تم خود نہ نکلتے تو نکال دیے جاتے۔" نعمان نے بہت آہستہ آواز میں اپنے دل کی بات برہان تک پہنچائی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو نعمان لیکن میں سچ مچ اپنی مرضی اور اپنے فیصلے سے گھر سے نکلا ہوں، اس خوف سے نہیں کہ میں نکال دیا جاؤں گا کیونکہ میرا باپ بری طرح سے نکالتا تو میری ماں مرجاتی۔"

"تم نے اپنی امی کو فون کر کے بتا دیا کہ تم خیریت سے ہو؟" برہان، نعمان کی یہ بات سن کر چونک پڑا اور اس کی توجہ اپنے موبائل کی طرف گئی جو ابھی تک بند تھا۔

"نہیں، میں نے جان بوجھ کر انہیں فون نہیں کیا تھا۔ پتا نہیں کیوں میرے اندر حوصلہ نہیں ہو رہا کہ میں اپنی ماں کو کہوں کہ اب میں اس گھر میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ وہ میرا انتظار نہ کریں۔"

"لیکن برہان اتنا تو سوچو ماں پر کیا بیت رہی ہوگی، کم از کم انہیں یہ اطلاع تو ضرور پہنچ جانی چاہیے کہ تم خیریت سے ہو الحمدللہ۔"

"ہاں صبح، صبح مجھے خیال آیا تھا پھر میں نے سوچا تھا کہ گھر والے سمجھ رہے ہوں گے میں بغیر بتائے یونیورسٹی کے لیے نکل گیا ہوں لیکن امی کو پتا ہے کہ میں امی کو بتائے بغیر گھر سے نہیں جاتا۔"

برہان نے یہ بات خود کلامی کے انداز میں کہی تھی۔

"تو پھر دیکھو ناں ماں کتنی پریشان ہوگی۔ تم آنٹی کو فون کر کے بتاؤ کہ تم میرے پاس ہو اور تم نے ناشتا بھی کر لیا ہے اور دوپہر کا کھانا بھی کھا لیا ہے۔"

"میں اس ردِعمل کو کیسے فیس کروں گا جب امی سنیں گی کہ میں نے وہ گھر چھوڑ دیا ہے، کہیں انہیں کچھ ہو نہ جائے۔" برہان چند لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ بہت اندیشے اور وسوسے اس کے لفظوں میں سرائیت کیے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"اگر تم انہیں بتا دو گے ناں تو انشاء اللہ وہ خود کو سنبھال لیں گی اگر تمہاری طرف سے انہیں کوئی اطلاع

نہیں گئی تو خدانخواستہ انہیں کچھ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، میں امی کو فون کرتا ہوں۔" موبائل جیب سے نکالتے ہوئے برہان نے الجھی الجھی کیفیت میں نعمان کو تسلی دی تھی کہ وہ اس کی بات مان رہا ہے۔ اس نے اپنا موبائل نکال کر آن کیا۔

نعمان جان بوجھ کر وہاں سے اٹھ گیا تاکہ وہ اپنی ماں سے کھل کر بات کرے۔

☆☆☆

صابرہ اپنے بستر سے اٹھ چکی تھی لیکن کمرے میں اس طرح سے ٹہل رہی تھی جیسے وہ کسی بجلی کے تار سے بندھی ہوئی ہو اور برقی رو اُسے اِدھر سے اُدھر دوڑا رہی ہو، ٹہلتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ بھی مسلتی جا رہی تھی۔ بڑی اضطراری کیفیت تھی۔ شبینہ اس کے لیے فریش جوس نکال کر لائی تھی کیونکہ گھنٹوں گزر گئے تھے اور صابرہ کے منہ میں کوئی کھیل تک نہیں گئی تھی۔

"امی میری چھوٹی سی بات مان لیں، اس کے بعد میں آپ سے ضد نہیں کروں گی، بس یہ جوس پی لیں۔ دیکھیں امی جس طرح بھائی جان آپ کے لیے ضروری ہیں اسی طرح آپ بھی ہمارے لیے ضروری ہیں، ہمارا بھی تو خیال کریں ناں!"

صابرہ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور انکار کے انداز میں ہلانے لگی۔

"خدا کے واسطے شبینہ چلی جاؤ یہاں سے مجھے اکیلا چھوڑ دو، میں، میں اپنے حواسوں میں نہیں ہوں، میرا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا۔ بیٹا بھوک محسوس ہو تو منہ میں کچھ ڈالوں ناں میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں مجھے بھوک پیاس کچھ نہیں لگ رہی...... بلکہ مجھے تو کسی چیز کا بھی احساس نہیں، ڈر، خوف، بھوک، پیاس سب سے میری جان چھوٹ گئی ہے، میرا ذہن تو صرف اپنے بچے میں لگا ہوا ہے۔ اب مجھے مزید نہ ستاؤ۔" اسی وقت فون کی گھنٹی بجی صابرہ کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی اس نے شبینہ کی طرف بڑی بے ساختگی سے دیکھا تھا۔

"جلدی سے جاؤ، دیکھو شاید برہان کا فون ہے۔" شبینہ ایک سائڈ پر رکھی ہوئی چھوٹی سی ٹیبل پر جوس کا گلاس رکھ کر دوڑ گئی۔

ستارہ اپنے کمرے میں تھی۔ فون تو وہ بھی دیکھ سکتی تھی لیکن بے صبری اور بے قراری نے شبینہ کے پیروں میں بجلیاں سی باندھ دی تھیں۔ اس نے بھاگ کر ریسیور اٹھا لیا تھا۔ دوسری طرف سے واقعی برہان بات کر رہا تھا۔

"بھائی جان آپ خیریت سے تو ہیں ناں؟ آپ بغیر بتائے کہاں چلے گئے امی اس وقت...... امی اس وقت بہت زیادہ پریشان ہیں، یوں سمجھیں کہ وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہیں، کسی کی بات نہیں سن رہیں۔ صبح سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔ آپ کو امی کا خیال تو کرنا چاہیے تھا۔ امی کو تو بتا کر چلے جاتے۔" شبینہ کو تو جیسے ایک لمحے کے لیے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔

صابرہ کے کان تو جیسے آنے والی فون کال پر ہی لگے ہوئے تھے۔ جیسے ہی اس نے شبینہ کے منہ سے یہ الفاظ سنے اور اسے یقین ہوا کہ واقعی شبینہ کی بات برہان سے ہو رہی ہے۔ وہ دیوانہ وار، بھاگتے ہوئے باہر آئی تھی اور اس نے جھپٹ کر شبینہ کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا تھا۔

"برہان، میرا بچہ، ماں صدقے، ماں واری، بیٹا...... بیٹا ماں سے اتنی ناراضی کہ مرنے کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔" اس نے اتنی بے ساختگی اور بے ربطی سے بات کی تھی کہ برہان کے ذہن سے تمام الفاظ پرندوں کی طرح اُڑنے لگے اور اسے لفظوں کو سنبھالنا، پکڑنا، ترتیب دینا دشوار ہو گیا سمجھ ہی نہیں آئی کہ بات کس طرح

سے شروع کرے۔

''بیٹا چپ کیوں ہو؟ بات کیوں نہیں کرتے۔''

''امی میں بالکل خیریت سے ہوں، ٹھیک ٹھاک ہوں، آپ یقین کریں میں آپ سے ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں نے ناشتا بھی کیا تھا اور میں نے دوپہر کا کھانا بھی کھالیا اور اب اپنے دوست کے گھر بیٹھ کر بہت آرام سے آپ سے بات کر رہا ہوں، آپ خود کو سنبھالیں کیونکہ آپ صرف میری ہی نہیں شبینہ اور ستارہ کی بھی ماں ہیں، میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں آپ کے لیے اپنی بہنوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتا اس لیے امی کہ جو آپ نے مجھے تعلیم دی ہے کہ باپ کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے، میرا باپ اپنے عمل کا جواب دے گا اور میں اپنے عمل کا، میں جوان بیٹا ضرور ہوں مگر زندہ باپ کے ہوتے ہوئے ان کی جگہ نہیں لے سکتا میں ایک حد تک ان کو روک سکتا ہوں مزاحمت کر سکتا ہوں لیکن خدانخواستہ ان کا اٹھتا ہوا ہاتھ نہیں روک سکتا اور نہ خود ان پر اپنا ہاتھ اٹھا سکتا ہوں، میرے ہوتے ہوئے بھی ابا جان کے فیصلے پر عمل درآمد ہونا تھا اور میرے نہ ہونے کے بعد بھی انہی کا فیصلہ صادر ہوگا۔'' صابرہ آنکھیں پھاڑے برہان کی بات یوں سن رہی تھی جیسے برہان کی طرف سے لفظ نہ آ رہے ہوں کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ اتارا جا رہا ہو۔

''بیٹا ماں کا ذرا خیال نہیں کیا، یہ نہیں سوچا ماں پر کیا بیتے گی' ماں پر کیا گزرے گی۔''

''امی آپ کو مزید مشکلوں میں ڈالنے سے بچانے کے لیے میں نے وہ گھر چھوڑا ہے۔ میں بزدل نہیں ہوں، بے ہمت بھی نہیں ہوں لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ سامنے باپ ہے، کوئی غیر ہوتا تو اچھی طرح پوچھ لیتا۔''

''بیٹا بس کرو، ماں پر رحم کرو، ذرا سوچو ماں تمہارے بغیر کیسے وقت گزارے گی، جوان بیٹے سے بڑی آس بڑی امید ہوتی ہے، بڑا حوصلہ رہتا ہے، مجھ پر رحم کرو میرا بیٹا، رحم کرو اس ماں پر۔''

''امی میں نے آپ پر رحم ہی کیا ہے کیونکہ خدانخواستہ میری برداشت جواب دے جاتی تو ایک چھوٹی قیامت بڑی قیامت میں تبدیل ہو جاتی اور پھر کچھ ایسے نقصان بھی ہو سکتے تھے شاید جن کا ازالہ ہی نہ ہو پاتا۔ میری دنیا بھی برباد ہو جاتی اور آخرت بھی...... امی میں بالکل خیریت سے ہوں' ٹھیک ہوں، بھوکا پیاسا بھی نہیں ہوں اور میں اپنا کوئی آرام دہ ٹھکانا بنا لوں گا ہوم ٹیوشن کر کے اپنا گزارہ کر لوں گا۔ آپ میری بالکل فکر نہ کریں اور میں آپ سے فون پر بات بھی کرتا رہوں گا، میں آپ سے دور نہیں ہوں امی۔'' برہان ماں کو بہلانے لگا۔

''نہیں بیٹا نہیں، میں کوئی بچی نہیں ہوں کہ تم مجھے بہلا لوگے۔ ارے یہ ایک ماں کا دل ہے، اپنی اولاد پر نظر نہ پڑے تو چین قرار نہیں آتا۔ میں تو صبح، صبح تمہیں خدا حافظ کہتی ہوں تمہاری پیشانی چومتی ہوں تو سارا دن میرے اندر ایک قوت ایک طاقت دوڑتی رہتی ہے، میں گھر میں بھاگتے دوڑتے کام کرتے نہیں تھکتی اور ہر وقت گھر سے گئے بچوں کی آہٹوں پر میرے کان لگے رہتے ہیں، یہی تو میری زندگی ہے.....'' صابرہ بلک بلک کر رو دی تھی۔

جاری ہے

امانت

رفعت سراج

قسط نمبر 6

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کر دیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُر درد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ مہر جان، رابی کی شادی سہراب خان سے طے کرتی ہیں جو عمر میں رابی سے کافی بڑا ہے۔ اس شادی پر رابی تیار نہیں ہوتی۔ کائنازاپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈ ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ سب انسپکٹر جابر علی نے آج تک کبھی رشوت نہیں لی تھی۔ رزقِ حلال کی کمائی سے اپنے گھر کو چلایا اس کی بیوی صابرہ، بیٹا برہان اور بیٹیاں شبینہ اور ستارہ اسی کمائی میں گزارہ کررہے تھے لیکن کبھی کبھی ستارہ اپنے حالات سے تنگ آجاتی ہے۔ شبینہ اپنے والد جابر علی سے چھپ کر اپنی دوست فائزہ کے گھر جاتی ہے وہاں اس کی ملاقات فائزہ کے بھائی احمر سے ہوتی ہے۔ احمر کو وہ بہت اچھی لگتی ہے۔ ایس پی شیر زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے۔ جابر علی، صابرہ سے رشتے کی بات کرتا ہے تو صابرہ اسے گھر بلانے کو اور بیٹے برہان سے مشورے کا کہتی ہے۔ برہان، وارث علی کو دیکھتا ہے تو صابرہ سے کہتا ہے کہ وہ جابر علی سے کہے کہ ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔ مہر جان کو کمرے میں بے ہوش دیکھ کر گل جان، اصیل خان کے ساتھ انہیں اسپتال لے کر جاتی ہے۔ جابر علی، برہان کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تو برہان گھر سے چلا جاتا ہے۔ رابی گھر چھوڑ کر مری چلی جاتی ہے۔ جابر علی ایس پی سے جہیز کے بارے میں بات کرتا ہے تو ایس پی کہتا ہے کہ وہ اس بارے میں پریشان نہ ہو۔ گل جان کو کائناز اور شاہ عالم سے بہت ڈھارس ہوتی ہے، مہر جان کو ڈاکٹر آپریشن بتاتے ہیں، برہان اپنے کلاس فیلو نعمان کے پاس چلا جاتا ہے اور اس کے سمجھانے پر صابرہ کو فون کرتا ہے۔

اب آگے پڑھیں

''بیٹا تم بچوں سے ہی تو مجھے قوت اور طاقت ملتی ہے۔ بیٹا تم ماں کو نہیں سمجھ رہے آجاؤ بیٹا! خدا کے واسطے آجاؤ، مجھے اتنا نہ آزماؤ بلکہ میری ممتا کو اتنا نہ آزماؤ۔''

''امی پلیز، آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں ابا جان کے سامنے رہوں گا تو ابا جان بھی یہی سمجھیں گے کہ میں کسی بھی وقت ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کھڑا ہوسکتا ہوں اور وہ خواہ مخواہ آپ لوگوں کو مزید ٹینشن دیں گے۔ آپ یقین کریں میرے اس گھر سے چلے آنے سے ابا جان میں بھی بہت تبدیلی آئے گی کیونکہ اب میں نہ تو ان سے کوئی پیسہ لوں گا اور نہ ہی فیس مانگوں گا اور نہ ہی بس کے کرائے کی مد میں انہیں پیسے دینا پڑیں گے۔ آپ دیکھیے گا ان میں کتنی تبدیلی آئے گی اور پھر آپ تو جانتی ہیں ناں کہ شبینہ کی شادی کا فیصلہ وہ کرچکے ہیں۔ شادی وہیں ہوگی جہاں انہوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' برہان ماں کو سمجھانے والے انداز میں ٹھہر ٹھہر کر لفظ ادا کررہا تھا۔

صابرہ نے اذیت اور کرب کی لہریں اپنے وجود میں یوں محسوس کیں جیسے رگ، رگ میں تلوار کے گھاؤ لگ رہے ہوں۔ وہ مسلسل انکار میں گردن ہلا رہی تھی کیونکہ الفاظ اس کے قابو میں نہیں آرہے تھے لیکن احساسات اور جذبات انکار کی فضاؤں میں اُڑ رہے تھے۔ جو دور بیٹھا ہوا برہان دیکھ نہیں سکتا تھا بس وہ ماں کی تڑپ کو محسوس کررہا تھا۔ ماں کی خاموشی نے اسے فکر مند سا کردیا۔

''امی...... امی آپ میری بات سن رہی ہیں ناں؟'' وہ بڑی بے قراری سے پوچھنے لگا۔

''سن رہی ہوں بیٹا! جیتے جی ماردیا ایک ماں کو......'' صابرہ نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں یہ جملہ کہا تھا۔

''نہیں امی...... آپ خود کو سنبھالیں، جب میں کچھ نہیں کرسکتا تو میں اپنی بہنوں کے سامنے نظریں جھکا کر

شرمندہ، شرمندہ رہ کر زندگی کیوں گزاروں؟ میں ابا جان کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور ان سے بات کرنے کی بھی ایک حد ہے۔ میں اس حد کو کراس کرکے اپنی دنیا اور آخرت برباد نہیں کرسکتا۔'' وہ پھر سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''رحم کردو بیٹا، رحم کردو بیٹا...... رحم کردو ماں پر...... کیسے رہوں گی میں تمہیں دیکھے بغیر......''

''امی یہ سب وقتی ہے، ابا جان پر میرے گھر چھوڑ کے جانے کا کچھ نہ کچھ تو فرق ضرور پڑے گا اور دیکھیں شبینہ کی شادی تو ہونی ہی ہے، میں اپنی بہن کے سامنے نظریں نہیں اٹھا سکوں گا۔ البتہ اس ظلم سے نجات کا ایک راستہ ہے مگر میں جانتا ہوں کہ وہ بھی آپ کو قبول نہیں ہوگا اور اسی وجہ سے مجھے گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرنا پڑا۔''

''بیٹا وہ راستہ بتاؤ تو سہی، بولو بیٹا کون سا راستہ ہے...... جس راستے پر تم مجھے کھڑے نظر آؤ...... میں تمہاری پیشانی چوم لوں تمہیں دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلوں......'' صابرہ ایک دم سے بے تابی سے بولی تھی۔

''ایک ہی راستہ ہے امی...... کہ آپ ابا جان کو چھوڑ دیں۔ میں آپ کو اور دونوں بہنوں کو سنبھال لوں گا، اللہ نے مجھے بہت ہمت اور بہت حوصلہ دیا ہے۔''

''تمہارے ابا جان کو چھوڑ دوں...... اس عمر میں خاک ڈال کر باہر نکل جاؤں؟ پچیس سال کی گرہستی کو آگ لگا دوں؟ یہ تم نے کیسی بات کی بیٹا......؟'' صابرہ تو صدمے کی کیفیت میں پہلے سے بھی زیادہ نڈھال دکھائی دینے لگی، یہ کیسا بیٹا تھا جو ماں کو طلاق لینے کا کہہ رہا تھا۔

''دیکھا امی آپ سنتے کے ساتھ ہی کیسی جذباتی ہوگئیں۔ آپ ابا جان کو نہیں چھوڑیں گی اور آپ کو ان سختیوں سے نجات بھی نہیں ملے گی۔ جب آپ ابا جان کے ساتھ رہنے کا حوصلہ رکھتی ہیں تو پھر ان کے ہر فیصلے کو سہنے کا حوصلہ بھی پیدا کرلیں، میں آپ سے فون پر رابطے میں رہوں گا۔ میں نے آپ کو نہیں چھوڑا۔ میرا مطلب ہے میں نے اپنی ماں اور دونوں بہنوں کو نہیں چھوڑا، میں ایک پل کے لیے آپ کو نہیں بھول سکتا، نظر انداز نہیں کرسکتا۔ بس مجھے گھر سے دور رہ کر اپنے آپ کو سنبھالنے اور کچھ کر دکھانے کا موقع ملا ہے، میں آپ سے بعد میں بات کروں گا امی۔ میرا نمبر وہی ہے آپ جب مرضی مجھ سے فون پر بات کرسکتی ہیں۔ وہ تو بس غلطی سے فون بند رہ گیا تھا لیکن میں اب یہ غلطی دوبارہ نہیں کروں گا۔ آپ جس وقت مناسب سمجھیں مجھ سے بات کرلیں آدھی رات کو بھی یہ نہ سوچیں کہ میں سویا ہوا ہوں گا، خدا حافظ۔'' برہان نے یہ کہہ کر فون بند کردیا تھا...! اور صابرہ کے اوپر کڑی گھڑی گزر گئی تھی۔ شوہر فیصلے سناتا چلا آرہا تھا آج بیٹے نے بھی فیصلہ سنا دیا تھا۔

شبینہ نے ماں کی کیفیت دیکھی تو آگے بڑھ کر بڑی آہستگی سے ریسیور اُن کے ہاتھ سے لے لیا اور کریڈل پر رکھ دیا۔ ستارہ دور کھڑی ماں بیٹی کے انداز دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ تو نہیں پتا تھا کہ برہان نے ماں سے کیا بات کی ہے لیکن اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ برہان کا فیصلہ کیا ہے، وہ بنا بات کیے جہاں کھڑی تھی وہیں پلٹ گئی شبینہ نڈھال اور صدمے سے چور ماں کو بڑے پیار سے تھامے ہوئے اس کے بستر کی طرف لے کر جارہی تھی۔

☆☆☆

گل جان، شاہ عالم کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی اس کے چہرے سے لگتا تھا کہ وہ شاہ عالم کی بہت شکر گزار ہے۔ جنہوں نے اس کی غیر موجودگی میں روما کا بہت خیال رکھا تھا۔

''بی بی جان کو اچانک ہی کچھ ہوگیا تھا اور وہ بے ہوش ہوگئی تھیں۔ اسپتال لے گئے تو بتایا کہ شاید دماغ کی کوئی نس پھٹ گئی ہے، خون جم گیا ہے، آپریشن ہوگا......'' گل جان، شاہ عالم کو بتا رہی تھی۔ شاہ عالم کے

چہرے پر انتہائی اذیت کے تاثرات نمودار ہوئے۔ وہ بڑے افسوس کے انداز میں گویا ہوئے۔
''کیا ستم ظریفی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ خود لوگوں کے دماغ کا آپریشن کرتی ہیں، آج ڈاکٹر ان کے دماغ کا آپریشان کرنے کا کہہ رہے ہیں۔ قدرت کے کھیل بھی نرالے ہیں۔'' اتنا کہہ کر انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔
''بس شاہ عالم صاحب ہونی تو ہو کر رہتی ہے۔ بیٹھے بٹھائے کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے اور انسان کو پتا بھی نہیں چلتا۔'' گل جان بہت کرب کے ساتھ کہہ رہی تھی۔
''آپ فکر نہ کریں گل جان بی بی...... تسلی رکھیں انشاءاللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحبہ ٹھیک ہو جائیں گی۔''
روما جو خالہ کے ساتھ چپکی ہوئی بیٹھی تھی بالکل گم صم تھی۔ شاہ صاحب نے اس پر ایک نظر ڈالی اور کہنے لگے۔
''روما بیٹا آپ کی خالہ آ گئی ہیں، اب میں چلوں گا لیکن آپ سے فون پر خیر خیریت پوچھتا رہوں گا۔ بیٹا ہمت سے کام لیتے ہیں جو لوگ ہمت سے کام لیتے ہیں، ان کا مشکل وقت آسانی سے گزر جاتا ہے۔ کائناز آپ کے پاس ہی رہے گی اور میں اس سے کہوں گا کہ وہ آپ کا خیال رکھے۔ وہ بھی بچی ہی ہے لیکن اس کے یہاں ہونے سے کم از کم آپ تنہائی محسوس نہیں کریں گی۔ گل جان بی بی تو ظاہری بات ہے بہت مصروف رہیں گی۔ گھر کا کوئی بندہ اسپتال میں داخل ہو جائے تو چک پھیریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اللہ سب کو ہمت دے، ٹھیک ہے بیٹا۔''
اسی وقت کائناز چائے کا کپ ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوئی تھی۔
''دادا جان آپ گھر جا رہے ہیں، کیا میں روما کے پاس رک جاؤں؟'' وہ انہیں کھڑا ہوتا دیکھ کر پوچھنے لگی۔
''بیٹا میں تو آپ کے کہنے سے پہلے ہی گل جان بی بی سے کہہ چکا ہوں کہ کائناز، روما کے ساتھ ہی رہے گی اور تم یہ چائے کس کے لیے لائی ہو، میں نے تو تمہیں منع کر دیا تھا۔'' وہ مسکرائے۔
''دادا جان یہ تو میں خالہ جان کے لیے لے کر آئی ہوں۔ خالہ جانی نے تو کھانا کھانے سے منع کر دیا ہے، میں نے سوچا ان کو اپنے ہاتھوں سے چائے ہی بنا کر پلا دوں۔ پتا نہیں کتنی تھکی ہوئی ہوں گی۔'' شاہ عالم نے بہت محبت سے اپنی پوتی کی طرف دیکھا۔
''اچھی بات ہے بیٹا، آپ کو اسی لیے یہاں پر چھوڑے جا رہا ہوں کہ آپ یہاں سب کا خیال رکھیں اور میں دو تین گھروں کے فاصلے پر تو بیٹھا ہوں کوئی بات ہو تو بلوا لینا، ٹھیک ہے۔''
کائناز نے اثبات میں گردن ہلائی اور گل جان کے قریب پہنچ کر اسے چائے پیش کی۔ گل جان نے بہت محبت بھری نظروں سے کائناز کی طرف دیکھا اور چائے کا کپ تھام لیا۔
''بہت شکریہ بیٹا...... اللہ آپ کو جزا دے۔ نیک نصیب بنائے، خداوند آپ کو خوشیاں دکھائے۔'' وہ بڑے دل سے کائناز کے لیے دعا کر رہی تھی اور شاہ عالم کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چاروں طرف نرم اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوں۔

☆☆☆

رابی آج پھر ٹہلتی ہوئی بڑھیا کے پاس آ گئی تھی جو اپنا سامانِ تجارت قرینے سے سجائے دنیا کی پُرسکون

ترین عورت دکھائی دے رہی تھی۔ رابی کو اس پر بہت رشک آیا۔ ''یہ تنہا بوڑھی کمزور عورت کتنی مطمئن اور پُرسکون ہے۔ نہ اس کی زندگی میں امتحان ہیں اور نہ خوف...... کتنے آرام اور کتنے سکون سے بیٹھی ہے۔ شام ہو جائے گی تو اپنے گھر چلی جائے گی۔ اپنا پیٹ بھرے گی اور سکون سے سو جائے گی۔'' وہ سوچتے ہوئے اس کے قریب چلی گئی بڑھیا نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں پہچان کے سائے لہرائے۔ اس نے جلدی سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک بیگ واپس رکھ دیا اور بولی۔
''آ گئی بیٹا......؟ پتا نہیں میں رات کو گھر جا کر تیرے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ تو نے بتایا تو بالکل اکیلی ہے۔ میں نے سوچا، جوان لڑکی اتنی اکیلی کیوں ہے......؟ بیٹا تو کہاں رہتی ہے؟''
''اماں میں یہیں پاس ہی ڈاک بنگلے میں رہتی ہوں۔''
''کیا تیرا باپ ڈاک بنگلے میں کام کرتا ہے؟'' بڑھیا نے پوچھا۔ رابی پر جیسے کوئی بوجھ سا آ گرا۔ وہ گرنے کے سے انداز میں گھاس پر ہی بیٹھ گئی اور گہری سانس لے کر بڑی اداسی سے مسکرائی۔
''باپ...... یہ کیا ہوتا ہے؟'' اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ بڑھیا کی تو حیرت سے آنکھیں پھٹ گئیں۔ آنکھیں پھاڑ کر وہ ایک ٹک رابی کی طرف دیکھنے لگی۔
''بیٹا باپ تو موت اور زندگی کی طرح بہت بڑی سچائی ہے، اس دنیا میں آنے والا ہر شخص اپنے باپ کے ہونے کا اعلان کرتا ہوا آتا ہے، یہ اللہ کا نظام ہے۔'' رابی نے حیرت سے اس بوڑھی عورت کی طرف دیکھا جو بڑی فلسفیانہ بات کر رہی تھی۔
''اماں...... تمہاری عمر کیا ہے؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔
''بیٹا ہمارے وقتوں میں عمریں کاغذ پر نہیں لکھی جاتی تھیں لیکن جب پاکستان بنا تو میرے چار بچے تھے اور چاروں جوان ہو رہے تھے۔'' بڑھیا مسکرا دی۔
''چار بچے، چار جوان بچے...... اور وہ بھی اس وقت......'' رابی نے آنکھیں پھاڑ کر بڑھیا کی طرف دیکھا۔
''ہاں بیٹا چار جوان بچے......'' بڑھیا مسکرا دی۔
''تو اماں تمہارے بچے کہاں ہیں؟''
بڑھیا کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے اداسی کے سائے لہرائے مگر اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا ایک پھیکی اور بے معنی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔
''بیٹا انہوں نے میرا ٹھیکا تھوڑی لیا تھا۔ ان کی اپنی زندگی ہے۔ بس اس دنیا کی بھیڑ میں گم ہو گئے۔''
''میرے خدایا کتنی ہمت ہے اس بوڑھی عورت کی......'' رابی کے دل پر منوں بوجھ آ پڑا۔
''کیا سوچ رہی ہو بیٹا......؟''
''اماں تمہاری اردو کتنی صاف ہے، یہاں پر میں جس کے پاس بھی گئی ہوں، اسے ٹھیک سے اردو بولنا نہیں آتی......'' بڑھیا بڑے نرم اور شفیق انداز میں مسکرائی۔
''بیٹا میں ایران سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہمارے گھر میں فارسی بولی جاتی تھی میرا پورا خاندان پاکستان بننے سے پہلے یہاں آ کر آباد ہو گیا تھا وہاں ہماری خاندانی جنگ چل پڑی تھی یوں سمجھ لے میرے باپ، دادا جان بچا کر یہاں آ کر بیٹھ گئے تھے پھر میری شادی ہوئی اور میں نے پچیس سال کراچی میں گزارے۔'' وہ رابی کو بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''پچیس سال آپ کراچی میں رہیں۔ اوہ...... میرے خدایا اور اب یہاں بیٹھی آپ چیزیں بیچ رہی ہیں؟'' اب تو رابی پر جیسے حیرت کے پہاڑ ہی ٹوٹ پڑے۔

''بچے یہ سب تقدیر کا لکھا ہے، میرا خاوند فوج میں تھا۔ بہت بڑا افسر نہیں تھا ایک سپاہی تھا۔ ایک دن میں نے اس کو رو لیا اور فارغ ہوگئی کیونکہ شہید کے لیے رویا نہیں کرتے......'' بڑھیا نے اب بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اچھا اماں تو تمہارا شوہر شہید ہوگیا تھا......؟'' بڑھیا جواب میں خاموش رہی۔

''پھر میں کراچی سے واپس آگئی کیونکہ میرا وہاں دل نہیں لگتا تھا۔ چار بچوں کو لے کر پھر اسی جگہ آکر بیٹھ گئی جہاں میرے باپ، دادا نے وقت گزارا تھا لیکن پھر مجھے اس گھر سے بھی نکلنا پڑا۔ میرے چاروں بیٹوں کی بیویاں کہتی تھیں کہ یہ بڑھیا کب مرے گی۔ میں نے سوچا میں ان کو اپنے مرنے کے انتظار پر کیوں لگاؤں، بس میں یہاں آکر بیٹھ گئی۔'' صبر اور ہمت کی چٹان رابی کے سامنے تھی جسے قدرت نے قوتِ گویائی عطا کی تھی وہ حیران ہو کر سوچ رہی تھی۔ اس دنیا میں یہ سب کچھ بھی ہوتا ہے اولاد سے زیادہ مضبوط اور قوی رشتہ کون سا ہوتا ہے۔ یہ بوڑھی عورت اتنی خوددار ہے، اسے یہ بھی خوف نہیں کہ کل کو تنہائی میں اس کا دم نکل گیا تو کیا ہوگا۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر بڑھیا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اِدھر اُدھر بے ترتیب پڑی ہوئی اپنی چیزیں قرینے سے لگانے میں مصروف تھی جو گاہک دیکھ، دیکھ کر خریدے بغیر اِدھر اُدھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ بڑھیا نے رابی کی طرف دیکھا اس کی جہاندیدہ آنکھوں میں رابی کے لیے بہت تجسس تھا مگر اس نے بڑے پُروقار انداز میں اپنے تجسس کو دبا لیا۔

''بیٹا آج کچھ نہیں خریدے گی......؟'' اس نے مزید بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔ رابی نے جلدی سے بیگ کھولا اور پانچ سو کا نوٹ نکال کر بولی۔

''اماں دو بیگ اور دے دو۔ مجھے بہت اچھے لگے ہیں، بہت خوب صورت شیشے کا کام ہے۔'' بڑھیا نے ایک سوچتی ہوئی نگاہ رابی کے چہرے پر کی اور پانچ سو کے نوٹ کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

''مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں، میں اتنا کما لیتی ہوں کہ اچھی گزر بسر ہو جاتی ہے۔ میرے اللہ نے کسی رات مجھے بھوکا نہیں سلایا۔ قربان جاؤں اس کے......''

''نہیں اماں، میں تو ویسے ہی سوچ رہی تھی کہ بہت اچھے بیگ ہیں اپنی دوستوں کو ہی گفٹ کر دوں گی۔ خوش ہو جائیں گی......'' رابی قدرے شرمندہ سی ہوگئی۔

''تو، تو یہاں ڈاک بنگلے میں رہتی ہے۔ تو تیری سہیلیاں بھی یہیں ہوں گی۔ تحفے تو دور پار رہنے والوں کے لیے، لیے جاتے ہیں۔'' بڑھیا نے بڑا زبردست حملہ کیا تھا اور رابی بری طرح گھبرا کر بغلیں جھانکنے لگی تھی۔ ایک لمحے کو تو اسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ بڑھیا کی اس بات کا کیا جواب دے پھر بھی اس نے بڑی مہارت اور ذہانت سے خود کو سنبھال لیا۔

''وہ اماں اِدھر سے لاہور وغیرہ تو جانا ہوتا ہے ناں...... میرا مطلب ہے، لاہور، پنڈی، اسلام آباد......''

''تُو وہاں کیا کرنے جاتی ہے؟ تیرا تو کوئی نہیں ہے......؟'' رابی اب بری طرح سے گڑبڑا گئی۔

''وہ اماں میں ان لوگوں سے ملنے جاتی رہتی ہوں جو کبھی میرے مرحوم ماں باپ کے ملنے جلنے والے تھے۔ ان لوگوں نے مجھ سے تعلق نہیں توڑا۔ وہ فون کرتے رہتے ہیں خود بھی آتے رہتے ہیں۔'' رابی نے کمال

ذہانت سے بات بنائی تھی لیکن بڑھیا کی آنکھوں سے لگتا تھا کہ رابی کل سے لے کر آج تک اسے مطمئن نہیں کر پائی۔ اب رابی نے سوچا کہ اسے یہاں سے چھوٹ لینا چاہیے کیونکہ یہ ذہین اور عمر رسیدہ عورت اس کے منہ سے کچھ نکلوا کر ہی دم لے گی۔

''اچھا اماں، ٹھیک ہے میں کل پھر آجاؤں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے پانچ سو کا نوٹ بڑھیا کی بچھی ہوئی چادر پر اس طرح سے رکھ دیا جیسے گل دان میں پھول سجا رہی ہو۔

''لے بیٹا مزدور عورت ہوں خیرات نہیں لیتی۔'' بڑھیا نے دو بیگ اٹھائے اور اس کی طرف بڑھا دیے۔

رابی نے جلدی سے دونوں بیگ تھام لیے اور زبردستی مسکرا کر خدا حافظ کہنے کے انداز میں ہاتھ ہلاتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر آگے بڑھ گئی۔ بڑھیا سے دور ہوتے ہی جیسے اس کی جان میں جان آئی۔

''یہ بوڑھی عورت تو بہت خطرناک ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے اس طرف جا رہی تھی جہاں اس کی قیام گاہ تھی۔

☆☆☆

جابر علی رات کا کھانا کھا رہا تھا جو شبینہ نے اس کے سامنے لا کر رکھا تھا۔ صابرہ دوسری چارپائی پر جو صحن کے بیچوں بیچ پڑی ہوئی تھی بالکل سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ خاموش جیسے سکتے کی کیفیت میں ہو۔ جابر علی نے کھانا کھانے کے دوران کئی مرتبہ اس پر نظر ڈالی تھی۔ ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے۔

شبینہ نے احتیاط کے ضمن میں باپ کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ بہت روئی ہیں، شاید جابر علی کو پچیس سال کی رفاقت نے تھوڑی دیر کے لیے بامروت بنا دیا تھا۔

''میں کہہ رہی ہوں کسی پر رحم کریں یا نہ کریں مجھ پر کر دیں۔ میرے بچے کو گھر لے آئیں۔'' صابرہ وہیں سے بڑی آہستہ آواز میں مخاطب ہوئی...... یہ سنتے ہی جابر علی کے تو ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔

''ختم کرو یہ ڈراما، تمہارا دو سال کا بچہ گھر سے نہیں گیا ہے، خوب باپ کا مال کھا کر اچھی طرح پل کر باپ کو آنکھیں دِکھا کر گھر سے نکلا ہے۔ بس اب اس پلنگ کو چھوڑو بہت سوگ منا لیا۔''

''جابر علی بس کریں۔ خدا کے لیے جابر علی بولتے ہوئے کچھ تو سوچ لیا کریں۔ ارے ایک ہی ایک بچہ ہے میرا...... اور صرف میری اولاد نہیں ہے، آپ کا بھی بیٹا ہے۔ خدا نہ کرے کچھ ہو۔ یا اللہ میرے بچوں کو ہرا بھرا رکھنا، ان کے باپ کے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے معاف کر دینا......'' صابرہ ایک دم دہل کر اٹھ کر بیٹھ گئی اور بڑی بے بسی اور بے چارگی سے بولی۔ جابر علی نے ٹیبل ایک طرف دھکیل دی اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''کوئی ضرورت نہیں مجھ پر رعب جمانے کی۔ اللہ تمہارا بھی اور میرا بھی۔ میں خود معافی مانگ لوں گا۔ تمہیں میرے حصے کا کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں۔ بیٹا چلا گیا ہے اس کا اسے چھوڑ کر...... پڑ گئی ہے سارے کام دھندے چھوڑ کر کہیں بیٹھا ہوا کھا پی رہا ہوگا، دوستوں کے ساتھ گپیں لڑا رہا ہوگا۔'' اس نے اسی ٹون میں شبینہ کو آواز دی تھی۔

''شبینہ......!'' شبینہ تو جیسے گرتی پڑتی آئی۔

''جی ابا جان......!''

''بیٹا اپنی ماں کی خدمت کرو، اس کے سر میں تیل ڈالو۔ اسے کچھ کھانے پینے کو دو، یہ مر مرا گئی تو میرے لیے اور مسئلہ ہو جائے گا۔ میں دو جوان بیٹیوں کی پہرے داری کروں گا یا ڈیوٹیاں بھگتاؤں گا۔ اٹھا کر کھڑا کرو اسے۔

میں ذرا باہر جارہا ہوں گھر میں بیٹھوں گا تو اور دماغ خراب ہوگا۔'' یہ کہہ کر اس نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

صابرہ کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے...... جابر علی گھر سے باہر نکلا اور دروازہ بند ہونے کی آواز گھر میں گونجی تو کسی کونے میں بیٹھی ستارہ بھی باہر نکل آئی اور ایک سکون کی سانس لے کر شبینہ سے گویا ہوئی۔

''دعا کرو ابا جان آج کی رات باہر ہی گزار دیں......'' صابرہ نے پوری قوت اکٹھی کی اور زور سے چلائی۔

''ارے شبینہ اس کے منہ پر میرا دوپٹا باندھ دے۔ یا اللہ یہ لڑکی ہے، یا میرا امتحان...... بیٹا تجھے کیوں ڈر نہیں لگتا؟ بیٹا اتنا سب کچھ ہوگیا ہے، کب عقل آئے گی تجھے؟ کوئی سبق نہیں ملا تجھے؟ ارے بھائی گھر سے بے گھر ہوگیا، اب تو چپ ہوجا......'' شبینہ نے ایک خفا خفا اور شکایتی سی نظر بہن پر ڈالی اور ٹیبل سے کھانے کے برتن اٹھانے لگی۔

ستارہ منہ بنا کر دوبارہ اندر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

برہان ایک وسیع وعریض پارک میں سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ٹھنڈی بینچ پر چت لیٹا ہوا تھا۔ آنکھیں آسمان پر یوں جمی تھیں... جیسے ستارے گن رہا ہو، وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اپنی گزر بسر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ تو اس نے گھر سے نکلتے ہی سوچ لیا تھا کہ وہ کسی پوش ایریا میں دو تین ٹیوشن پکڑ لے گا، اچھے پیسے مل جائیں گے۔ اس کی پڑھائی اور رہائش کا خرچ نکل آئے گا۔ اس کا ایک کلاس فیلو گوہر خان جو مینگورہ سے انجینئرنگ پڑھنے کراچی آیا ہوا تھا اور ہاسٹل میں رہتا تھا۔ بہت با اثر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ برہان اس کے ساتھ ہی ہاسٹل میں رہنے کا پروگرام بنا چکا تھا۔ وہ اسی شہر کا تھا۔ اس بنا پر اسے ہاسٹل میں رہنے کی اجازت ملنی بہت مشکل تھی لیکن گوہر خان کے باپ کی ایک فون کال سے مسئلہ حل ہوسکتا تھا۔ آج کی رات تو اس نے نعمان کے گیسٹ روم میں گزارنا تھی۔ اسے نعمان کے گھر جاتے ہوئے عجیب سی جھجک آرہی تھی۔ اگرچہ نعمان کے گھر میں واقع گیسٹ روم تک جانے کا راستہ الگ تھلگ تھا پھر بھی اس کے دل کا چور اس میں جھجک پیدا کررہا تھا کہ اگر نعمان کے بھائیوں میں سے کسی نے یا اس کے باپ نے اس سے بات چیت کی اور کوئی کھوج کی تو وہ کیا بتائے گا۔ یہی کہ اس نے اپنے باپ کا گھر چھوڑ دیا ہے پھر وجہ بھی بتانا پڑے گی اور وجہ ایسی ہے جو ناقابلِ بیان ہے۔ بس اسی وجہ سے اس نے نعمان کے گیسٹ روم میں رہنے کے بجائے گوہر خان کے ساتھ ہاسٹل میں رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ جانے کب تک سوچوں میں الجھا رہتا کہ اسی وقت ایک پولیس مین نے آکر اسے چونکا دیا۔

''اِدھر کیوں لیٹے ہو، تمہیں پتا نہیں پارک کا ٹائم ختم ہوچکا ہے۔''

''اوہ سوری...... شاید میری آنکھ لگ گئی تھی۔'' برہان ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

پولیس مین اس کو سر سے پاؤں تک شک کی نظروں سے تول رہا تھا۔

''آوارہ گرد دکھائی دیتے ہو، اس ٹائم تو وہ لڑکے باہر نظر آتے ہیں جو اپنے گھر والوں کو بے وقوف بنا کر مستیاں کرنے باہر نکلتے ہیں۔''

''لاحول ولاقوۃ......'' برہان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

''انکل جی...... تھکا ہوا تھا، ٹھنڈی بینچ پر لیٹا ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے سلا دیا۔ آپ کی مہربانی کہ آکر اٹھا دیا۔''

''یار تو نے مجھے انکل بول دیا...... پولیس والے کسی کے انکل نہیں ہوتے، چل تلاشی دے۔''

''تلاشی......؟'' برہان نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر پولیس مین کی طرف دیکھا۔

''اوئے ہمیں آنکھیں دِکھاتا ہے، تلاشی کا مطلب نہیں سمجھتا۔'' برہان اس کے سامنے سیدھا کھڑا ہوگیا۔

''چاچا جی لے لو تلاشی بس میری یونیورسٹی کا کارڈ نہ نکال لینا صبح بڑا مسئلہ ہوجائے گا۔ باقی میرے پرس میں پچاس روپے سے زیادہ نہیں ملیں گے۔ مرضی ہے رکھ لو۔''

''یونیورسٹی میں پڑھتا ہے، کون سی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے؟ اوئے پولیس والوں کو ٹوپی پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔'' برہان اتنی دیر میں اپنا والٹ نکال چکا تھا جو اس نے پولیس مین کی طرف بڑھا دیا۔

''چاچا جی اچھی طرح دیکھ لیں، اس میں میری یونیورسٹی کا کارڈ بھی ہے، میرا شناختی کارڈ بھی ہے، اس سے آپ کی تسلی بھی ہوجائے گی کہ میں اسی شہر کا ہوں۔ بم چھوڑنے نہیں آیا تھا یہاں۔''

''بم......!'' پولیس مین کی تو ایک منٹ کے لیے جیسے گھگی بندھ گئی۔ وہ والٹ مٹھی میں دبوچ کر بینچ کے نیچے جھانکنے لگا پھر ایک دم کھسیا کر مسکرایا۔

''یار یہ تم لڑکے بڑے تیز ہوتے ہو، ذرا سی دیر میں ڈرا کر رکھ دیتے ہو۔ یہ رکھو اپنا بٹوا اور نکل یہاں سے۔'' برہان نے اپنا والٹ پینٹ کی پچھلی جیب میں ٹھونسا اور معنی خیز انداز میں مسکرا کر پولیس مین کی طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گیا...... پولیس مین اس کی طرف کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا پچاس روپے لے کر کیا کرنا بھئی میں نے، کہیں اور جا کر ''توڑی'' مارتے ہیں۔

☆☆☆

ستارہ، صابرہ کا سر دبا رہی تھی۔ اس وقت اس نے ماں کی حالت کے پیشِ نظر خود کو بہت کنٹرول کیا ہوا تھا اور اپنے آپ سے وعدہ کرلیا تھا کہ اب ایک لفظ منہ سے نہیں نکالے گی۔ خود بخود ہی اسے احساس ہوگیا تھا کہ بہت سارے بگاڑ کی اصل وجہ وہی ہے۔

''اماں کچھ آرام ملا......؟'' وہ بڑی انسانیت کے جامے میں نظر آرہی تھی۔ صابرہ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں کھول کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور دوبارہ آنکھیں بند کرتے ہوئے ہلکا سا کراہتے ہوئے بولی۔

''ہاں بیٹا...... اللہ تجھے ہدایت دے، بہت آرام ملا، جا اب تو جا کر سوجا۔'' اسی وقت شبینہ ماں کے پاس چلی آئی تھی۔

''اماں، آپ کہیں تو ایک پیالی چائے بنا دوں۔''

''نہیں بیٹا رات کو چائے پی لی تو تھوڑی بہت جو نیند کا آسرا رہ گیا ہے اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں گی۔ اب تم جا کر سوجاؤ، آرام کرو۔'' شبینہ ماں کی ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے اس کی چارپائی کی پٹی سے ٹک کر بیٹھ گئی اور بڑی محبت سے ماں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''امی آپ میری وجہ سے اتنی تکلیف مت اٹھائیں، مجھے اپنے باپ کا ہر فیصلہ منظور ہے، آخر وہ میرے باپ ہیں، میرا برا تو نہیں چاہیں گے۔ جب میں راضی ہوں تو آپ انکار نہ کریں۔'' شبینہ نے بڑی ہمت کر کے

وہ بات کہہ دی تھی۔ جس بات کو کہنے کے لیے اس نے گھنٹوں خود کو ذہنی طور پر تیار کیا تھا۔

صابرہ کے سر پر تو جیسے دھماکا ہوا تھا۔ ساری نقاہت اور کمزوری صحن کی چلتی ہوئی ٹھنڈی ہوا میں اُڑ گئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور شبینہ کا بازو دبوچ لیا۔

''کیا کہہ رہی ہے شبینہ ہوش میں تو ہے، ارے اس بات کے پیچھے میرا بچہ گھر چھوڑ کر چلا گیا......''

''یہی تو میں چاہتی ہوں کہ برہان بھائی گھر آجائیں، جس بات کی وجہ سے وہ گھر سے دور ہوئے ہیں وہ بات ہی ختم ہو جائے گی تو پھر سارے مسئلے بھی ختم ہو جائیں گے۔''

''بیٹا یہ تو...... یہ تو جانتے بوجھتے کنویں میں چھلانگ لگانے والی بات ہے اگر کوئی قباحت نہ ہوتی تو میں تیرے باپ کے سامنے زبان کیوں کھولتی۔ تیرا بھائی بات کیوں کرتا؟'' صابرہ نے آنکھیں پھاڑ کر شبینہ کی طرف دیکھا اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر یوں بولی جیسے ساتھ ساتھ ڈوبتے دل کو بھی سنبھال رہی ہو۔

''امی ایک بلاوجہ کا مسئلہ بنالیا گیا ہے، دنیا میں بے شمار شادیاں ہوتی ہیں، جنہیں دنیا بے جوڑ کہتی ہے پھر بھی بنادی جاتی ہیں پھر شادی کی کوئی گارنٹی ہے چاہے جوڑ والی ہو یا بے جوڑ......بس شادی کو نبھانے کے لیے قربانی عورت کو ہی دینا ہوتی ہے۔ فرض کریں اگر میں یہ سب کچھ کروں گی تو کون سا نیا کام کروں گی۔'' شبینہ بول رہی تھی اور صابرہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے برابر انکار میں سر ہلائے جارہی تھی، پلکیں جھپکنا دشوار تھا۔ اس کے دل پر گہری چوٹ لگی تھی۔ وہ بہت اچھی طرح سمجھ سکتی تھی کہ اس کی کم گو سلجھی ہوئی اور معاملہ فہم بیٹی یہ فیصلہ کیوں کر رہی ہے۔

''نہیں بیٹا، اب انجانے میں کچھ ہو جائے یا مجبوری میں ہو وہ الگ بات ہے، میں تو یہ آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتی۔'' اسی وقت ستارہ اندر بیٹھی جو اِن دونوں ماں بیٹی کی باتیں سن رہی تھی بے اختیار کمرے سے باہر نکل آئی تھی کیونکہ اس کی زبان میں کھجلی ہو رہی تھی۔ چپ رہنا محال تھا۔

''آپ کی بہت سخت مجبوری ہے امی......آپ جابر علی کی بیوی ہیں، نام کی بیگم، ہم جانتے ہیں کہ ہماری ماں کا اس گھر میں کیا کردار ہے، وہی جو ایک خریدی ہوئی کنیز کا ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ سے یہی دیکھا ہے کہ ہماری ماں نے ہمارے باپ کی ہر بات مانی ہے، کبھی ان سے ضد بحث نہیں کی۔ پہلی مرتبہ اپنا حق لیا ہے، اولاد کی خاطر بولی ہے تو ان کو مینٹلی ٹارچر کیا جارہا ہے۔ سیدھی سی بات ہے۔'' ستارہ کا بولنا تھا کہ صابرہ کا جسم جیسے غصے سے کانپنے لگا۔ اس نے شدتِ غضب کو مٹھیاں بھینچ کر بہ مشکل کنٹرول کرنے کی کوشش کی اور بڑی مشکل سے آواز دبا کر اس کی طرف گھورتے ہوئے بولی۔

''خدا کے واسطے تم تو اپنا منہ بند ہی رکھو اگر تمہارے ابا کی آنکھ کھل گئی اور کان میں کچھ پڑ گیا تو پھر نئے سرے سے قیامت برپا ہو جائے گی۔ سب جانتی ہے پر باز... ہی نہیں آتی۔''

''ہاں ستارہ تم خاموش رہو، بالکل مت بولو۔'' شبینہ نے بھی گھبرا کر فوراً اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے ستارہ کو خاموش رہنے کی تاکید کی۔

''میں اس شادی کے لیے تیار ہوں، کسی کو میرے لیے نئی جنگ شروع کرنے کی ضرورت نہیں اور ابا جان کا فیصلہ مان کر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، سب کو سکون مل جائے گا۔'' شبینہ بہت آہستہ اور دھیمے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

''سب کو سکون مل جائے گا سوائے میری بیٹی کے......'' صابرہ نے بیٹی کی طرف دیکھا اور برجستہ انداز

میں گویا ہوئی۔

''نہیں امی ایسا نہ کہیں...... ہو سکتا ہے جو بات اس وقت ہمیں بہت ناگوار گزر رہی ہے، اس میں ہمارا ہی کوئی بھلا ہو۔''

صابرہ نے شبینہ کی یہ بات سنی تو جیسے تڑپ کر رہ گئی۔ اس نے بے اختیار شبینہ کو اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔ چند بے آواز آنسو اس کے رخساروں پر لڑھک آئے، اس نے شبینہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیا پھر اس کی پیشانی چوم لی۔

''جانتی ہوں میں میری بیٹی ہے، صبر، ضبط، قربانی اور سہنے والا یہ دل تو شاید میں نے تمہیں وراثت میں دیا ہے۔''

ستارہ جو جانے کے لیے پلٹ رہی تھی۔ جاتے جاتے رک گئی۔ چند لمحے دونوں کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریب آگئی اتنا قریب آنا بھی اس لیے ضروری سمجھا کہ دور سے بولنے میں آواز بلند کرنا پڑتی ہے اسے تاکید کی جارہی تھی کہ وہ آہستہ آواز میں بات کرے۔

''آپا ظلم کا ساتھ دینے والوں کو بھی ظالم کہا جاتا ہے اور ہم انسان صبح سے لے کر شام تک اپنی جان پر ویسے تو ظلم کرتے ہی رہتے ہیں اور تھوڑی بہت جو بچت ہو جاتی ہے وہ تم اس طرح سے پوری کر دو۔'' صابرہ نے ستارہ کی طرف گھورا۔

''تم چلی جاؤ ستارہ یہاں سے مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت ہے نہ تمہاری ہمدردی کی۔ تم وہ نادان دوست ہو جو معاملہ سنبھالنے کے بجائے بگاڑتا ہے۔ سیدھے کام کو الٹا کر دیتا ہے، مجھے نہیں کرنی تم سے کوئی بات چلی جاؤ یہاں سے۔'' شبینہ نے اس دفعہ ستارہ کو بری طرح سے ڈانٹ دیا۔ ''مجھے تمہاری تو کیا کسی کی بھی ہمدردی کی ضرورت نہیں جو میری قسمت میں لکھا ہے اسے میں قبول کرلوں گی۔ بالکل اسی طرح جیسے میری ماں نے قبول کیا تھا۔ تمہیں میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں اور زندگی کے کسی موڑ پر اگر تمہارا مسئلہ ہوا تو میں بھی تمہارے معاملے میں نہیں بولوں گی۔ جاؤ تم یہاں سے۔'' شبینہ مزید غصے سے گویا ہوئی۔

ستارہ کو غصہ تو بہت آیا تھا لیکن اسے یہ خطرہ تھا کہ بحث بڑھ گئی تو واقعی باپ اٹھ کر باہر نہ آجائے وہ طوعاً کرہاً وہاں سے چلی گئی۔ صابرہ نے شبینہ کو پھر اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔

''امی بس میں...... میں ابا جان کو خود کہہ دوں گی۔ سامنے کھڑی ہو کر نہیں کہہ سکتی۔ ان کو ایک خط لکھ دوں گی کہ وہ بے فکر رہیں، ان کی بیٹی ان کے فیصلے کے ساتھ ہے۔'' یہ کہہ کر وہ آہستگی سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

صابرہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے جیسے اپنا کلیجا پکڑ لیا تھا۔

☆☆☆

مہر جان کا ایمرجنسی آپریشن ہو چکا تھا۔ اصیل خان اور گل جان باہر کاریڈور میں ان کا اسٹریچر باہر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ دونوں اپنی، اپنی جگہ خاموش تھے......اصیل خان، گل جان کی طرف سے پشت کیے ہوئے کھڑا تھا اور گل جان فرش پر نظریں جمائے ہوئے، اسی وقت کھڑ پٹر کی آواز ماحول میں پیدا ہوئی تو گل جان نے گڑبڑا کر سر اٹھایا۔ دیکھا تو اسٹریچر پر مہر جان بے سُدھ لیٹی ہوئی تھیں۔ ایک نرس گلوکوز کا بیگ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھی۔ ایک ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ دو وارڈ بوائے اسٹریچر کو پُش کرتے ہوئے آئی سی یو کی طرف لے کر

جار ہے تھے۔ گل جان دیوانہ وار اس طرف دوڑی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے بی بی جان کی، بے ہوش ہیں؟'' نرس نے گل جان کی طرف دیکھا۔

''جی ظاہر ہے...... ابھی ابھی آپریشن ہوا ہے، ابھی تو بے ہوش ہیں، امید ہے کہ جلد ہی ہوش میں آ جائیں گی۔''

''آپ کے خیال میں کتنی دیر میں ہوش آ جانا چاہیے مریض کو......؟'' گل جان نرس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

''اندازہ تو یہ ہے کہ چھ سے سات گھنٹے تک پیشنٹ ہوش میں آ جاتا ہے لیکن آٹھ گھنٹے بھی ہو جائیں تو گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہوتی۔ مریض ہوش میں تو ہوتا ہے لیکن بات کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے اگلے دن یہ بات کرنے کے قابل ہو جائیں گی۔'' نرس اسٹریچر کے ساتھ تیز تیز چلتے ہوئے جواب دے رہی تھی، گل جان اپنی جگہ رک گئی نرسیں، وارڈ بوائے اسٹریچر کو لیے ہوئے آگے بڑھ گئے اصیل خان آہستہ آہستہ چلتا ہوا گل جان کے قریب آیا۔

''وہ گل جان بی بی! آپ چاہیں تو گھر چلی جائیں کیونکہ ڈاکٹر صاحبہ ابھی ہوش میں نہیں ہیں، آپ کے یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ گھر پر ہوں گی تو روما بی بی کو بھی حوصلہ رہے گا۔'' گل جان نے اصیل خان کی طرف نگاہ کی اور پھر نگاہوں کا رخ موڑ لیا۔

''اصیل خان مجھ سے گھر میں وقت نہیں کٹے گا، بی بی جان کو ہوش آ گیا تو میں ان کی آواز سننا چاہوں گی۔ میں چاہوں گی کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد کوئی بات مجھ سے کریں۔''

''وہ آپ ہی سے کہیں گی۔ ظاہر ہے مجھ سے تو کرنے سے رہیں، میں تو آپ کے آرام کے خیال سے کہہ رہا تھا اسپتال میں بڑی بے آرامی ہوتی ہے اُدھر روما بی بی بھی پریشان ہوں گی۔'' اصیل خان سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''روما کو کائناز کے دادا سنبھال رہے ہیں، شکر ہے کہ اس مشکل وقت میں اچھے پڑوسی ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ اصیل خان تم چلے جاؤ مجھے یہیں چھوڑ دو۔ پتا نہیں کیوں مجھے طرح طرح کے اندیشے ستا رہے ہیں اور پھر وہ رابی کے لیے بی بی جان نے اتنے فون کیے تھے کوئی نہ کوئی اطلاع تو آ ہی جائے گی۔ میرا دل کہتا ہے کہ کوئی اچھی خبر ہی آئے گی۔''

''اگر رابی بی بی کے آنے کی خبر کو آپ اچھی خبر کہہ رہی ہیں تو میرا خیال ہے کہ یہ ہماری زندگی کی بہت بُری خبر ہوگی۔ اللہ ڈاکٹر صاحبہ کو زندگی اور صحت دے، آمین...... میں جاتا ہوں۔'' اصیل خان نے سر اتنا جھکا لیا جیسے رکوع میں کھڑا ہوا اور بڑی آہستگی سے اتنا کہہ کر باہر جانے والے راستے کی طرف پلٹ گیا تھا۔ گل جان حیرت سے منہ کھولے آنکھیں پھیلائے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''بری خبر...... رابی کا آنا اب بری خبر بن جائے گا؟'' وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگی۔

☆☆☆

رابی آج اس بوڑھی عورت کے ساتھ اس کے چھوٹے سے کچے پکے گھر میں آ گئی تھی۔ کشاں کشاں جانے کس ان دیکھی قوت کے تحت کھنچی ہوئی بڑھیا اس کی اتنی مہربانیوں پر دل ہی دل میں حیران تو تھی۔ ہزاروں سوال ذہن میں اٹھ رہے تھے لیکن سن رسیدگی نے اسے کسی قدر محتاط کر دیا تھا۔ جیسے مسلسل حادثوں کے بعد کسی

انجانے حادثے کے اندیشے سے ذہن جاگتا رہتا ہے اور ہر قدم احتیاط سے اٹھاتا ہے۔

''اماں جب تک میں یہاں ہوں صبح تمہارا سامان اٹھا کر میں لے جایا کروں گی۔'' بڑھیا نے بڑی گہری نظروں سے رابی کی طرف دیکھا اور بولی۔

''تو یہاں کب تک ہے بیٹا؟'' سوال اتنا برجستہ اور غیر متوقع تھا کہ رابی ایک لمحے کے لیے چکرا کر رہ گئی مگر اس نے کمالِ مہارت سے خود کو سنبھال لیا۔

''جب تک بھی ہوں اماں ابھی تو فی الحال کچھ نہیں پتا......''

''بیٹا اتنی اوپر پہاڑی پر چڑھ کر تو میرے گھر آئے گی، دو چار دن میری مدد کر دے گی لیکن اس کے بعد......اس کے بعد کیا ہوگا جتنی لکھی ہے اتنے دن تو مجھے اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا ہے، کیوں میری عادتیں خراب کرتی ہے۔'' بڑھیا بڑی شفقت سے کہہ رہی تھی۔

''پتا نہیں کیوں اماں مجھے تم پر بہت ترس آتا ہے، تمہارے آس پاس کتنے سچے رشتے ہیں پھر بھی تم تنہا ہو۔'' رابی بڑی دلسوزی سے کہہ رہی تھی۔ اندر ہی اندر ایک بے عنوان دکھ اس کا جگر چیرتا ہوا چلا گیا۔

''یہ سب قسمت کے کھیل ہیں، نصیب کا لکھا ہے بیٹا۔ میں اپنے مالک سے شکوہ نہیں کرتی۔ اس نے میرے ہاتھ پیروں کو قوت دی۔ دن رات یہی دعا مانگتی ہوں کہ یا اللہ مجھے چلتے ہاتھ پیروں سے اٹھا لینا۔ کسی کی محتاجی میں نہ دینا۔ بس اپنا محتاج بنا کر رکھنا۔'' بڑھیا بڑے جذب کے عالم میں دعا مانگ رہی تھی اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک بھی تھی۔ رابی نے اسی خود دار مضبوط اور باہمت بوڑھی عورت کو دیکھا تو دل ہی دل میں بے حد متاثر ہوئی۔ بڑھیا تو جیسے اس کے لیے رول ماڈل بنتی جا رہی تھی۔

''اماں زندگی بڑی بے اعتبار ہے، کل کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ وہ کون سا جذبہ ہے جو تمہارے اندر اتنی توانائی بھر دیتا ہے؟'' رابی کے ہونٹوں سے ایک سوال بڑی بے ساختگی سے پھسل گیا۔

''زندگی سے پیار اور زندگی جیسی نعمت کی قدر دانی سے بڑھ کر کیا جذبہ ہو سکتا ہے، جتنے دن جیتی رہوں گی اپنے بچوں کے لیے دعا کرتی رہوں گی۔ بیٹا ماں کی دعائیں بچوں کے سر پر سایہ ہوتی ہیں۔ میں اکیلی رہتی ہوں مگر اسی خیال سے خوش رہتی ہوں کہ میرے بچے بے سایہ نہیں ہیں۔ ماں کی دعائیں ان کے سر پر چھپر چھاؤں بنی رہتی ہیں۔''

رابی نے بوڑھی عورت کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے عقیدت کی روشنی چمکنے لگی۔ اس کمزور ضعیف عورت نے تو اس کے اندر توانائیاں سی بھر کر رکھ دی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ تنہائی کوئی شے نہیں ہے۔ اکیلا انسان بھی بہت مضبوط ہوتا ہے۔ دو چار دن میں بڑھیا سے اس نے یہی سیکھا تھا۔ اب بوڑھی عورت چٹائی پر بیٹھی ہوئی رابی کو بہت گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ جوان اور خوب صورت لڑکی میری طرح تنہا کیوں ہے۔ اس عمر میں تو میرے پاس تنہائی نہیں تھی بلکہ فرصت کی اتنی کمی تھی کہ سوچا کرتی تھی کہ تنہائی کیسی ہوتی ہوگی اور کیسے کٹتی ہوگی۔ رابی رات کے سائے بڑھتے دیکھ کر ایک دم کھڑی ہو گئی تھی۔

''اچھا اماں اب میں چلوں پھر صبح تم سے ملنے آؤں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے قدم بڑھا دیے۔ بڑھیا کی آنکھوں میں گہری سوچ کے سائے یوں تھرک رہے تھے جیسے ٹمٹماتے چراغ کی روشنی میں گھر کے در و دیوار کے سائے۔

☆☆☆

روما رہ نہ سکی تھی۔ شاہ عالم اور کائناز کو لے اسپتال آ ہی گئی تھی حالانکہ شاہ عالم نے اسے سمجھایا بھی تھا کہ

ڈاکٹر صاحبہ آپریشن کے بعد ابھی بے ہوش ہوں گی۔ بات کرنے کے قابل نہیں ہوں گی۔ اسپتال جانے کا فی الحال کوئی فائدہ نہیں لیکن روما نے ضد کی تھی کہ وہ اپنی ماں کو شیشے کے پار سے ہی دیکھ کر پُرسکون ہو جائے گی اور اسے کم از کم اتنا یقین تو ملے گا کہ چند دنوں بعد اس کی ماں واپس گھر آ جائے گی۔ ابھی تو اسپتال سے آنے والے فون اسے دل کے بہلاوے لگتے تھے اور یوں محسوس ہوتا کہ جیسے خالہ جان اسے جھوٹی تسلیاں دے رہی ہوں۔ انجانے اندیشوں سے گھبرا کر اس نے اسپتال آنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا، گھر پر ڈرائیور اور گاڑی نہیں تھی۔ اس لیے وہ بھاگتے ہوئے شاہ عالم کے پاس گئی تھی۔ شاہ عالم اس کی بے قراری اور بے تابی کو دیکھ کر اس کے ساتھ اسپتال چلنے پر آمادہ ہو گئے تھے اور یہ کیسے ہو سکتا تھا شاہ عالم اور روما اسپتال آتے اور کائناز ان کے ساتھ نہ آتی۔

روما اسپتال میں داخل ہوئی تو اسے سامنے ہی گل جان نظر آ گئی۔ وہ دوڑتی ہوئی گل جان کے سینے سے لگ گئی تھی۔

''خالہ جانی کیسی طبیعت ہے اماں کی۔ میرا تو گھر پر دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آپ مجھے بس ویسے ہی تسلیاں دے رہی ہیں۔ آپ ایک نظر مجھے اماں جان کو دکھا دیں۔'' وہ ایک تواتر سے بولتی چلی گئی۔

شاہ عالم اور کائناز بھی ان کے قریب آ چکے تھے۔

''بیٹا میں تم سے کیوں جھوٹ بولوں گی۔ اللہ نہ کرے کہ جھوٹ بولنے کی نوبت آئے۔ آپریشن تو کامیاب ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ ہوش بھی آ جائے گا۔''

''آپا نے ایسا کیوں کیا...... ان کو کیا اندازہ نہیں تھا کہ اماں جان پر کیا گزرے گی۔ وہ اتنی بے رحم کیوں ہو گئیں۔ ذرا سا بھی خیال نہ آیا؟'' اتنا کہہ کر وہ رو پڑی۔

''ہم اسی لیے نہیں چاہتے تھے کہ تم اسپتال آؤ۔ خدانخواستہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہوئی جو تم رو رہی ہو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ آنٹی کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے ان کا ٹریٹمنٹ چل رہا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آ جائیں گی اور تم سے باتیں بھی کریں گی۔'' کائناز نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر گل جان سے الگ کیا اور ڈانٹنے والے انداز میں بولی۔

''انشاء اللہ بیٹا! کائناز ٹھیک کہہ رہی ہے۔ زندگی میں مشکلیں آتی ہیں لیکن اس لیے نہیں آتیں کہ انسان گر جائے اور مریض کے ساتھ خود مریض بن جائے۔ بیٹا جب گھر میں کوئی مریض ہوتا ہے تو اسے ایک صحت مند اٹینڈنٹ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اس کا اچھی طرح خیال رکھ سکے اگر اس کا خیال نہیں کیا جائے گا تو وہ کیسے ٹھیک ہو گا۔ ایک مریض کو اچھا کرنے کے لیے ہمیشہ ایک اچھے صحت مند تیماردار کی ضرورت ہوتی ہے۔'' شاہ عالم نے پوتی کی تسلی آمیز باتیں سنی تو بے ساختہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''شکر ہے اللہ کا کہ آپریشن کامیاب ہو گیا۔ جب تک بی بی جان تھیٹر میں رہیں۔ میری جان سولی پر لٹکی رہی۔ وہ تو ہمارے گھر کا ایک مرد ہیں۔ ہمیں ان سے بہت ڈھارس رہتی ہے۔'' گل جان اپنی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بول رہی تھی اور اس کے لفظوں سے لگتا تھا کہ اس کا مخاطب شاہ عالم ہیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، ڈاکٹر صاحبہ بہت باہمت خاتون ہیں، میں تو ان کو شاباشی دیتا ہوں۔''

''کائناز میں خالہ جان کے پاس رکوں گی۔ پتا نہیں اماں کو کب ہوش آ جائے۔ اماں سے باتیں کر لوں گی

تو مجھے پوری تسلی ہو جائے گی تم دادا جان کے ساتھ گھر چلی جاؤ۔'' وہ جلدی جلدی کائناز سے کہنے لگی کہ کہیں خالہ اسے گھر نہ واپس بھیج دیں۔

''تم بھی گھر چلی جاؤ روما بیٹا یہاں بے آرام ہی ہو گی۔ صبح آ جانا اور اماں جان سے باتیں کر لینا۔ انشاء اللہ۔''

مگر روما نے انکار میں سر ہلا دیا۔

''نہیں خالہ جانی مجھے رات بھر نیند نہیں آئے گی، میں یہیں ٹھیک ہوں۔ آپ کے ساتھ رہوں گی تو آپ کا بھی دل لگا رہے گا۔ ہم دونوں باتیں ہی کرتی رہیں گی۔ پتا ہے مجھے اسپتال میں تو نیند کسی کو نہیں آتی۔''

''بیکار کی ضد نہ کرو بیٹا...... اب سخت مرحلہ تو گزر گیا ہے اب تو تمہاری تسلی ہو جانی چاہیے۔'' شاہ عالم پھر سمجھانے لگے۔

''چلو ٹھیک ہے تم باہر سے آنٹی کو دیکھ لو اور پھر میرے ساتھ گھر چلو۔'' کائناز نے روما کا بازو پکڑ لیا اور اتنا کہہ کر وہ گل جان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''خالہ جانی ہم روما کو اپنے گھر لے جائیں گے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''بیٹا اعتراض کیسا...... میں تو آپ لوگوں کی شکر گزار ہوں کہ آپ لوگ میرا بوجھ بٹا رہے ہیں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اچھا ہے یہ تمہارے ساتھ تھوڑا سا سو تو جائے گی۔ اکیلے گھر میں تو اسے نیند بھی نہیں آئے گی۔''

''چلو روما بس اب جلدی سے چلو، ایک نظر ذرا آنٹی کو دیکھ لو۔'' وہ روما کا بازو پکڑ کر آئی سی یو کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''ہم آپ پر کوئی احسان نہیں کر رہے ہیں گل جان بی بی۔ یہ ہمارا فرض ہے۔'' شاہ عالم نے گل جان کی طرف دیکھ کر کہا۔ گل جان نے بڑی شکر گزار نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆

جابر علی وہ خط پڑھ رہا تھا جو اس کی بیٹی شبینہ نے اس کے نام لکھ کر جانے کس وقت اس کے موبائل کے نیچے رکھ دیا تھا۔ اس نے موبائل کے نیچے تہ شدہ کاغذ دیکھا تو بڑے تجسس سے اٹھا کر دیکھا اور کھولا۔ چند لمحے کے لیے تو اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا اس نے جلدی جلدی سطور پر نظریں دوڑائیں اور ایک، ایک لفظ جیسے تولنے لگا۔ شبینہ نے لکھا تھا۔

''ابا جان آپ میرے والد ہیں، آپ سے بہتر میرا کوئی نہیں سوچ سکتا۔ آپ گھر میں غصہ نہ کریں، امی کو، ستارہ کو، بھائی کو کچھ نہ کہیں۔ آپ جیسے کہیں گے میں ویسا کروں گی۔ آپ خوش ہیں تو سمجھ لیں کہ میں بھی خوش ہوں۔ مجھے آپ کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ کبھی ہو گا۔ آپ جو بھی حکم دیں گے میں بجا لاؤں گی۔ میں اپنے باپ کے فیصلے پر کیوں شک کروں، کوئی باپ اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتا۔ بس آپ اب گھر میں کسی کو کچھ نہیں کہیں۔

''شبینہ!''

خط کے الفاظ بڑے جادو اثر تھے۔ بیٹی نے اس کمالِ تابعداری کا فیصلہ کیا تھا جو تابعداری اس نے اپنے بچوں میں دیکھنا چاہی تھی۔ کوئی اس کے فیصلوں کے سامنے چُوں تک نہ کرے اور سب اس پر اعتبار کریں۔ شبینہ کا خط پڑھ کر اس کے رگ و پے میں ایک طمانیت سی اتر گئی تھی۔ کامیابی کے احساس نے اس کے ذہن کے جالے کاٹ دیے۔ اب اسے کسی پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ اتنا پُرسکون ہو چکا تھا کہ جیسے زندگی میں اس نے

پہلی بار سکھ کی سانس لی ہو...... یا سکون کی لذت حاصل کی ہو۔

☆☆☆

اصیل خان باہر لان میں سنگی بینچ پر بیٹھا تھا کہ گھر میں فون کی گھنٹی کی آواز گونجنے لگی۔ گہرے سناٹے میں فون کی گھنٹی کی آواز کسی ایمبولینس کے ہارن کی طرح محسوس ہوئی تھی۔ وہ گرتا پڑتا لاؤنج کی طرف بھاگا اور بڑی بے قراری اور بے تابی سے ریسیور اٹھایا تھا۔

''ہیلو......!'' اس کی آواز میں محسوس ہونے والی لرزش تھی۔ یوں جیسے دل میں کوئی اندیشہ کانپ رہا ہو۔ دوسری طرف سے واسطی صاحب بات کر رہے تھے۔ واسطی صاحب ڈاکٹر مہر جان کے حلقۂ احباب میں شامل تھے۔ ان کی بیوی کافی عرصہ ڈاکٹر مہر جان کے زیرِ علاج رہی تھی۔ دو جڑواں بچوں کی موت نے ان کی بیوی کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔ کافی عرصہ اسپتال میں ایڈمٹ رہنے کی وجہ سے ڈاکٹر مہر جان کے واسطی صاحب سے خود بخود مضبوط تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ وہ ڈاکٹر مہر جان کو اپنی بہن کہنے لگے تھے اور ان کے بہت شکر گزار تھے کہ ڈاکٹر صاحبہ کی وجہ سے ان کا ٹوٹتا ہوا گھر بچ گیا تھا۔ اب ڈاکٹر مہر جان نے انہیں ایک کام کہا تھا، وہ کیسے نظر انداز کر سکتے تھے یا ٹال سکتے تھے۔

''واسطی بات کر رہا ہوں، ڈاکٹر صاحبہ سے بات کرائیں۔'' اصیل خان ایک دم پُرجوش سا نظر آنے لگا۔ واسطی صاحب کے فون آنے کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے ڈاکٹر مہر جان کو کوئی اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے، وہ ایک دم حواس باختہ سا ہو کر بولا۔

''جی جو بھی میسج ہے دے دیں، میں ڈاکٹر صاحبہ تک پہنچا دوں گا۔''

''کیا مطلب ڈاکٹر صاحبہ گھر پر نہیں ہیں؟'' واسطی صاحب دوسری طرف سے پوچھ رہے تھے۔

''نہیں جی...... وہ گھر پر نہیں ہیں، اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔'' اصیل خان جلدی میں کہہ گیا۔

''اوہ......!'' واسطی صاحب نے بے ساختہ کہا۔ ''کیا ہوا ڈاکٹر صاحبہ کو... وہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔''

''جی وہ بس ان کے دماغ پر شاید بہت زیادہ اثر ہو گیا تھا یا انہوں نے بہت زیادہ سوچا تھا۔ ان کے دماغ کا آپریشن کرنا پڑا۔'' اصیل خان مغموم لہجے میں بتا رہا تھا۔

''دماغ کا آپریشن......؟'' واسطی صاحب بری طرح چونک کر پوچھنے لگے۔ ''اتنی سیریس بات ہو گئی تھی کہ ان کے دماغ کا آپریشن کرنا پڑا۔ اوہ میرے خدایا! یہاں تک تو میری سوچ بھی نہیں گئی تھی۔ بہر حال میں... انشاءاللہ تعالیٰ ان کی عیادت کے لیے ضرور حاضر ہوں گا۔ فی الحال تو میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ تقریباً تقریباً ہم لڑکی تک پہنچ گئے ہیں اور کسی بھی وقت وہ لڑکی ڈاکٹر صاحبہ کے سامنے حاضر کر دی جائے گی۔'' اصیل خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''لڑکی تک پہنچ گئے ہیں۔'' وہ دل ہی دل میں دہرانے لگا۔ ''مطلب یہ کہ رابی مل گئی ہے۔'' اس کے ہاتھ پاؤں جیسے کانپنے لگے۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ اب جواب میں کیا کہے۔

''وہ سر اگر آپ بتا دیں کہ اب کہاں ہے تو ہم خود جا کر لے آتے ہیں۔'' وہ بڑی بے تابی سے کہہ رہا تھا۔

''نہیں نہیں یہ کام پولیس کا ہے، آپ وہاں نہیں جا سکتے۔'' واسطی صاحب نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''پولیس......؟'' اصیل خان کے سر پر جیسے ایک اور بم پھٹا تھا۔ ''کیا مطلب وہ پولیس کی حراست میں ہے؟''

''ظاہری بات ہے جو لڑکی... خاموشی سے بغیر بتائے گھر سے نکل جاتی ہے آخر اس نے پولیس کے ہی

ہتھے چڑھنا ہوتا ہے اور ڈاکٹر صاحبہ نے زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی کام کہا تھا۔ یقین کریں جب تک اس لڑکی کی سُن گُن نہیں مل گئی میں چین سے سویا ہوں نہ میں نے ٹائم سے کھانا کھایا ہے لیکن الحمدللہ ہم کافی حد تک کامیابی کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔''

اصیل خان کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی پھر ایک دم ہی اس کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔

''رابی کے ملنے کی خبر پر خوش ہونا چاہیے یا خوف زدہ...... میرا خیال ہے کہ رابی کا ملنا اس کی بدنصیبی پر مُہر ہے۔ اب ڈاکٹر صاحبہ اس کے ساتھ جو کریں گی اور جو کر سکتی ہیں...'' اس کے آگے اصیل خان کی سوچ نے جیسے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کا دماغ ایک نقطے پر ٹھہر گیا۔ تخیل کی اڑان رک گئی۔ جیسے پرندے کے پر کٹ گئے ہوں اور وہ زمین پر پھڑ پھڑا رہا ہو اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہیں سکتا تھا۔

''آپ کون بات کر رہے ہیں؟'' واسطی صاحب دوسری طرف سے پوچھ رہے تھے یا شاید انہیں یوں محسوس ہوا کہ رابطہ منقطع ہو گیا ہے کیونکہ اصیل خان کی خاموشی نے طوالت اختیار کر لی تھی۔

''جی، میں اس گھر کا سب سے پرانا نوکر بات کر رہا ہوں۔ میرا نام اصیل خان ہے۔'' اصیل خان نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

''اوہ...... اچھی بات...... اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے درست بندے سے بات کی ہے۔ یقیناً آپ ڈاکٹر صاحبہ کو یہ خوش خبری سنا دیں گے۔'' واسطی صاحب کو جیسے تسلی ہو گئی۔

''جی سر، انشاءاللہ جیسے ہی ڈاکٹر صاحبہ کو ہوش آتا ہے۔ سب سے پہلی خبر ان تک یہی جائے گی۔''

''او کے خدا حافظ، میں ڈاکٹر صاحبہ کی عیادت کے لیے کل صبح چکر لگاؤں گا انشاءاللہ، خدا حافظ۔'' خدا حافظ کہہ کر اور اسپتال کی بابت دریافت کرتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔ اصیل خان کے ہاتھ میں ابھی تک ریسیور تھا اور ایک بازگشت چاروں طرف کسی وحشت کی طرح ناچ رہی تھی۔ رابی کا سراغ مل گیا۔ رابی تک پولیس پہنچ گئی۔ رابی مل گئی۔ اب کیا ہو گا؟

☆☆☆

''دادا جان میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ رابی آپا نے آخر اتنی غلط حرکت کیوں کی۔ کیا ان کو اندازہ نہیں تھا کہ ان کی ماں پر کیا گزرے گی اور چھوٹی بہن کا کیا ہو گا۔'' کائنات بہت غمزدہ اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دور، دور تک نیند کا نام و نشان نہیں تھا۔ کمرے کی تنہائی کاٹنے لگی تو وہ بے اختیار دادا کے کمرے میں چلی آئی۔

وہ آج کتاب پڑھنے کے بجائے بستر پر لیٹے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ سونے سے پہلے وہ اپنی کسی پسندیدہ کتاب کے چند صفحے پڑھا کرتے تھے لیکن آج کوئی کتاب ان کی توجہ اپنی جانب کھینچ نہیں پائی۔ کائنات کی طرح ان کا ذہن بھی مسلسل ڈاکٹر مہر جان کے گھر کی طرف لگا ہوا تھا۔ کائنات نے جو بات کی وہی بات ان کے دل میں بھی تھی۔ کائنات کہہ بیٹھی وہ کہہ نہیں سکے۔

''بیٹا اسی لیے کہتے ہیں کہ بیٹی بہت بھاری ذمے داری ہوتی ہے۔ بالکل بلوریں کانچ کا برتن...... ذرا سی ٹھیس لگی اور گیا۔ لڑکیوں کو اگر اپنی ذمے داریوں کا احساس نہ ہو تو وہ پورے معاشرے کے لیے مسئلہ بن جاتی ہیں۔ صرف ایک گھر کے لیے نہیں۔'' شاہ عالم بڑے افسردہ انداز میں کہہ رہے تھے کہ لگے ہاتھوں پوتی کو سمجھانے کا موقع بھی مل رہا تھا۔ حفظِ ماتقدم کے تحت انہوں نے کائنات کو بھی سبق پڑھانے کی کوشش کی۔

''دادا جان میں...... میں تو اس طرح کی حرکت کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں تو آپ کی بغیر اجازت روما کے گھر بھی نہیں جا سکتی اور میں تو کبھی پسند نہیں کروں گی کہ میری وجہ سے آپ کو ایک ذرہ برابر بھی تکلیف پہنچے۔'' وہ بہت محبت بھرے لہجے میں اپنے دادا سے مخاطب تھی۔ شاہ عالم کو اس پر ڈھیروں پیار آ گیا۔ بے اختیار انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور محبت بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

''مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی ایسی ہی ہے۔ بیٹا احساسِ ذمے داری انسان کی اصل قیمت ہے۔ ذمے داری کے احساس کے بغیر کوئی انسان، انسان کہلانے کا حق نہیں رکھتا۔ انسان کو عقل ہی اس وجہ سے ملی ہے کہ اسے اپنی ذمے داریوں کا شعور ہو۔ وہ تمام مخلوقات میں اشرف اپنی سمجھ بوجھ کی وجہ سے ہے۔ دعا کرو کہ تمہاری سہیلی کے گھر میں خوشیاں اتریں۔ اللہ پاک ان کے مسائل حل کر دے۔ ڈاکٹر صاحبہ اچھی ہو کر گھر آ جائیں۔'' وہ بڑی دل سوزی سے دعائیہ انداز میں بولے۔

''جی دادا جان بس میں تو یہی دعا کر رہی ہوں کہ کسی طرح رابی آپا مل جائیں اور آنٹی ٹھیک ہو جائیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو روما...... روما پھر کالج کیسے جائے گی۔ اتنے ٹینشن والے حالات میں وہ اسٹڈی جاری کیسے رکھے گی۔ اگر اس نے کالج چھوڑ دیا تو میرا کیا ہو گا؟'' وہ بڑی معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ شاہ عالم نے ایک گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔

''تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں اپنی فکر پڑی ہوئی ہے۔'' وہ شگفتہ انداز میں یوں گویا ہوئے جیسے ماحول کا افسردہ تاثر مٹانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

''نہیں، نہیں دادا جان ایسی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے وہ میری دوست ہے، وہ پریشان ہو گی تو مجھے بھی پریشانی ہو گی۔ میرا ذہن بھی الجھا رہے گا۔ ہر وقت اسی کی طرف لگا رہے گا۔ اس وجہ سے کہہ رہی تھی۔'' کائناز نے جلدی سے وضاحت کی۔

''بیٹا! زندگی کسی خوب صورت سپنے کا نام نہیں...... یوں سمجھو یہ تو ایک ڈراؤنا خواب ہے۔ بس ہر انسان کسی نہ کسی طرح اپنے حصے کی آزمائش اور سزا سے گزر رہا ہے۔ پلک جھپکتے میں یہ کھیل ختم ہو جاتا ہے اور دنیا بدل جاتی ہے۔ زندگی ایک بہت بڑی نعمت ہے بلکہ ایک مہلت ہے اور انسانوں کو یہ مہلت اس لیے دی گئی ہے کہ وہ اپنے رب کے فرمانبردار بنیں۔ جس مقصد کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے یعنی ایک رب کی عبادت کریں۔ برے کاموں سے بچیں اور خود نیکی کا کام کرتے ہوئے ایک مثال بنیں۔ یہ ہمیں اس لیے نہیں ملی کہ وقتی طور پر آنے والی پریشانیوں کی وجہ سے گھبرا کر ہم اس زندگی کو ہی ٹھکرا دیں یا کسی کونے میں بیٹھ کر زندہ لاش کی طرح وقت گزاریں۔ خوشی کا وقت ہو یا دکھ کا گزر جانے کے لیے ہی آتا ہے۔ ٹھہرتا نہیں ہے۔ آئندہ ایسی کم ہمتی کی باتیں مت کرنا بیٹا۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ میرا مطلب ہے کہ مایوسی کو گناہ کہا گیا ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ جو وقت سامنے آ کھڑا ہوتا ہے وہ پتھر کی طرح جمتا نہیں ہے۔ گزرنے کے لیے آتا ہے۔'' وہ بڑی شفقت سے کائناز کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھا رہے تھے۔ ''تم خود بھی ہمت سے کام لو اور اپنی دوست کو بھی ہمت دلاؤ اور اسے بھی سمجھاؤ کہ جینے کے لیے صرف ٹھنڈی ہوائیں نہیں ملتیں۔ کبھی کبھی بڑا حبس بھی ہوتا ہے اگر موت کا وقت طے ہو جائے تو بندہ ٹھنڈی چھاؤں میں بھی مر جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ برے حالات یا حادثے اس لیے نہیں آتے کہ ہم مر جائیں بلکہ اس لیے آتے ہیں کہ ہم ان سختیوں سے گزر کر زندگی کو بہت توجہ اور گہری نگاہ سے دیکھیں اور حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیں کیونکہ جتنی زیادہ ہماری سوچ گہری اور

باریک ہوتی ہے اتنے ہی ہم اپنے رب کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔'' کائناز نے شاہ عالم کی انتہائی گہری اور مدبرانہ بات سنی تو نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

''دادا جان آپ کتنے بہادر ہیں۔ میرا مطلب ہے ماشاءاللہ آپ کتنے ہمت والے ہیں۔ آپ کسی بات سے ڈرتے ہیں نہ گھبراتے ہیں۔'' شاہ عالم بے اختیار مسکرا دیے۔

''بیٹا تمہارے دادا نے کیا نہیں دیکھا اپنی اولاد کے دکھ دیکھے۔ اپنی شریکِ حیات کی جدائی جھیلی اور ایک چھوٹی سی بچی کو ماں اور باپ کا پیار دینے کی کوشش کرتے ہوئے زندگی کو ایک مشن، ایک مقصد سمجھا اور ہر آن اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس نے مجھے اتنی قوت دی کہ میں اس کی ایک معصوم سی بندی کو خوش رکھنے کی کوشش کروں۔ اس کا خیال کروں اور اسے ہنستا مسکراتا ہوا دیکھوں۔'' کائناز نے اتنا سنتے ہی بے اختیار اپنا سر شاہ عالم کے سینے سے لگا لیا۔

''دادا جان آپ بالکل یہی باتیں روما سے کہیے گا۔ تاکہ اسے حوصلہ ملے تاکہ وہ خوش رہے۔ دادا جان میں اس کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتی۔ جب وہ اداس ہوتی ہے ناں تو میرا کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا۔'' وہ آنکھیں بند کیے ہوئے کسی خواب کے مانند بول رہی تھی۔ شاہ عالم بے اختیار مسکرا اٹھے۔

''بھئی جو باتیں میں نے تم سے کہی ہیں، وہ باتیں تم اپنی دوست سے کہہ دینا۔ تمہارے کہنے سے اس پر زیادہ اثر ہو گا کیونکہ جس طرح تم اسے پیار کرتی ہو وہ بھی تم سے اسی طرح پیار کرتی ہے۔ وہ بھی چاہے گی کہ وہ ہمیشہ تمہاری کمپنی انجوائے کرے...... بیٹا کون سا ایسا انسان ہے جو اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ غم کو گلے کا ہار بنانا پسند کرے گا؟ تمہاری ذرا سی کوشش سے اس میں ہمت اور حوصلہ پیدا ہو سکتا ہے اور دوست وہی ہوتا ہے جو اپنے دوست کے مشکل وقت میں اسے سہارا دے، اس کی ہمت بڑھائے، اس کے آنسو پونچھے۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں کہتے ہوئے کائناز کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ کائناز کو یوں محسوس ہوا کہ شاہ عالم کی ہتھیلیوں سے کوئی برقی توانائی پھوٹ رہی ہے اور اس کے جسم و روح میں سرائیت کر رہی ہے۔ اس لیے کہ کچھ دیر پہلے وہ خود کو جتنا تھکا ہوا اور نڈھال محسوس کر رہی تھی۔ اب صورتِ حال اس کے برعکس تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دنیا کے طاقتور اور صحت مند لوگوں میں شامل ہو۔

☆☆☆

جابر علی بہت دیر سے کسی گہری سوچ میں تھا۔ یوں جیسے وہ کوئی باریک قسم کا حساب کتاب کر رہا ہو یا ناپ تول کر رہا ہو۔ کبھی نگاہ ترازو کے پلڑوں کی طرف اور کبھی کانٹے کی طرف جاتی ہو۔

صابرہ دور، دور سے گزرتے ہوئے کئی مرتبہ اس پر نظر ڈال چکی تھی۔ وہ ہنوز ایک سی کیفیت میں دکھائی دیا تھا۔ انجانے اندیشوں سے صابرہ کا دل دھک، دھک کر رہا تھا کیونکہ جابر علی جاگ رہا ہو اور گہری خاموشی ہو تو اس کی خاموشی کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہوتی۔ زندگی میں ایک یہی تو تجربہ اس کے ہاتھ لگا تھا۔ باقی تو پتا ہی نہیں چلا کیسے صبح، دوپہر، شام ہوئے اور وہ صبح سے رات تک کسی کٹھ پتلی کی طرح اپنی آنکھ، کان اور سوچ کے دروازے بند کیے ہوئے اس گھر میں مصروفِ عمل رہی۔ وہ نماز پڑھ چکی تھی۔ خود سے جا کر جابر علی کو چھیڑنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اسے بڑا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اتنا تو اسے اندازہ تھا کہ کچھ دیر بعد وہ اسے خود ہی آواز دے گا۔ کیونکہ یہ اس کے شاہانہ مزاج کے خلاف تھا کہ اس کی بیوی اس کے سونے سے پہلے سو جائے اور وہی ہوا۔ جابر علی نے اپنے مخصوص انداز میں اسے آواز نہیں دی تھی بلکہ آج لہجہ دھیما اور آواز خاصی آہستہ تھی۔

''صابرہ کیا کررہی ہو۔ ایک منٹ کے لیے اِدھر آؤ، بات سنو۔'' صابرہ جو کچن میں خود کو خوامخواہ مصروف رکھے ہوئے تھی۔ ایک دم چونک پڑی۔ ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔

''یا اللہ آج تو انداز ہی نیا ہے، رحم کردینا مجھ پر۔ مجھے میری طاقت سے زیادہ نہ آزمانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی ایسی بات ہو جائے کہ زندگی کا سفر بس اسی رات میں تمام ہو جائے۔'' وہ اندیشوں سے کانپتے ہوئے اس کے قریب چلی آئی اور پلنگ کے کنارے پر یوں بیٹھ گئی جیسے اشارہ ملتے ہی بھاگ کھڑی ہوگی۔

''جی کیا کہہ رہے ہیں۔ چائے لے کر آؤں......؟''

''ارے نہیں......اب تو سوؤں گا۔ چائے وائے نہیں چاہیے بلکہ تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ سوچا موقع اچھا ہے۔ لڑکیاں بھی سوگئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جو بات میں تم سے کہنے جارہا ہوں۔ فی الحال اس کی بھنک کسی تیسرے کے کان میں نہ پڑے۔'' جابر علی کی تو پیش بندی نے صابرہ کو اور زیادہ ہولا دیا۔ وہ بولی کچھ نہیں بدحواس ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''مجھے اپنی بیٹی شبینہ پر بڑا فخر ہے۔ اس نے تو چند لمحوں میں زندگی بھر کی تھکن اتار دی۔ انسان اللہ سے ایسی ہی فرمانبردار اولاد کی دعائیں مانگتا ہے۔'' جابر علی نے خلافِ معمول اور خلافِ توقع آج اپنی اولاد میں سے کسی کے لیے تو تعریفی کلمات کہے تھے۔ بس صابرہ کچھ کہہ نہ سکی۔ ہکا بکا سی اس کی شکل ہی دیکھتی رہ گئی۔

''میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میری بیٹی نے میری پگ نہیں اچھالی جس طرح سے تمہارے دو بچے سوال جواب کرتے ہیں یہ خراب عادت میری اس بیٹی میں نہیں آئی۔''

صابرہ کو یہ سن کر ایک گونہ سکون تو محسوس ہوا کہ شکر ہے جابر علی کے لیے کوئی بات باعث اطمینان تو ہوئی۔

''اچھی بات ہے......میرے لیے بھلا اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ آپ اپنی اولاد سے خوش ہوں۔ میرے دونوں بچے بھی باغی نہیں ہیں بس تھوڑا سا پڑھ لکھ گئے ہیں کوئی بات ذہن میں آتی ہے تو فوراً بول جاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ تجربہ بھی بڑھے گا اور عقل بھی......ہوسکتا ہے آج جن باتوں پر آپ کو شکایت ہورہی ہے وہ کل نہ ہو۔'' صابرہ نے لگے ہاتھوں اس کے موڈ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں بچوں کی وکالت کرنا بھی ضروری خیال کیا۔

''اچھا بس، بس، میرے سامنے اس ناہنجار کا نام مت لو۔ بڑی مشکل سے میرا موڈ ٹھیک ہوا ہے۔'' صابرہ نے جیسے خوف زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا یہاں تو صورتِ حال جوں کی توں تھی۔ وہ تو سوچ رہی تھی اتنے اچھے ماحول میں بات ہورہی تھی۔ برہان کے گھر واپس آنے کی بات بھی ہو ہی جائے گی لیکن یہاں تو دروازہ بند ملا تھا اور اس طرح سے کہ اس میں تو بھاری قفل پڑا ہوا تھا۔

''شبینہ کے لیے میں نے چاہا تھا کہ وہ ایک اچھے گھر میں چلی جائے بڑی ہے ظاہر ہے حق پہلا اسی کا بنتا ہے۔''

''لیکن بڑا تو برہان ہے۔'' صابرہ کے منہ سے یونہی نکل گیا۔

جابر علی نے بڑے کڑے تیور کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

''ارے بھئی لڑکیوں میں تو شبینہ بڑی ہے ناں......! میں کیا پاگل ہوں مجھے یاد نہیں ہے کہ کون بڑا ہے اور کون چھوٹا۔ جب گھر میں ایک سے زیادہ لڑکیاں جوان ہوں تو پہلے ان کی شادیوں کے بارے میں سوچا جاتا ہے اور نمبر سے کرنے کا سوچا جاتا ہے۔''

صابرہ جواب میں کچھ نہ بولی اور انتظار کرنے لگی کہ اب آگے جابر علی کیا کہنے جارہا ہے۔

''بھئی وہ تیرا شیر جوان بیٹا تو ہمیشہ تیرا بازو بن کر رہے گا، تجھے تو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' جابر علی کے لہجے میں ہلکا سا طنز اتر آیا۔

''کیسی باتیں کررہے ہیں۔ جوان بیٹا باپ کا بازو کہلاتا ہے۔ ماں کی تو ڈھال ہوتا ہے۔''

''اچھا، اچھا بس ٹھیک ہے۔ میری استانی بننے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو تمہیں ایک خاص بات کرنے بلکہ خاص اطلاع دینے کے لیے بلا کر بٹھایا ہے تاکہ تم میری بات بڑے دھیان اور توجہ سے سنو۔''

صابرہ نے سوالیہ نظریں اٹھا کر جابر علی کی طرف دیکھا۔ جس نے اس کی بات تیزی سے کاٹ کر جیسے اسے بالکل خاموش ہی کردیا تھا۔

''میں شبینہ سے پہلے ستارہ کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' جابر علی نے گویا صابرہ کے سر پر جیسے بم پھوڑا تھا۔

''لیکن ستارہ تو بہت چھوٹی ہے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟''

''بے وقوف عورت تو شبینہ کی عمر کون سی بہت زیادہ ہے۔ ڈھائی تین سال کا ہی تو فرق ہے دونوں میں اور جب لڑکی جوان ہو جاتی ہے تو جوان لڑکی کہلاتی ہے کوئی چھوٹی بڑی نہیں ہوتی۔'' جابر علی نے بڑی تیزی کے ساتھ صابرہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہنے کا......''

''کوئی مطلب وطلب نہیں جانتا، پہلے تم مجھ سے وجہ سن لو کہ میں نے یہ فیصلہ کیوں کیا ہے۔'' جابر علی نے ایک مرتبہ پھر صابرہ کی بات کاٹ دی تھی۔

صابرہ خاموش ہو کر انتظار کرنے لگی کہ وہ کیا وجوہات بتانے جارہا ہے۔ آخر اس نے یہ ظالمانہ اور بے رحمانہ فیصلہ کیا سوچ کر کیا ہے۔

''مسئلہ یہ ہے صابرہ بیگم تمہارے دونوں بچے اب سمجھو ہاتھوں سے گئے جن بچوں کو باپ کے سامنے کھڑے ہو کر سوال جواب کرنا آجائے تو یہ ایک بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے۔ یعنی کہ انہیں زمانے کی ہوا لگ گئی ہے۔ بھئی ہم سفید پوش لوگ ہیں، کہنے کو تو پولیس والے بادشاہ لوگ کہلاتے ہیں مگر تم گواہ ہو کہ میں نے آج تک تمہارے ہاتھ میں سوکھی تنخواہ کا لفافہ دیا ہے اوپر سے کبھی پانچ دس روپے بھی لاکر نہیں دیے۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کرسکتا۔ شبینہ سے مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں اس کی شادی انشاء اللہ تعالیٰ بہت اچھی

جگہ ہی کروں گا اور دیکھ بھال کر کر دوں گا۔ ستارہ کے لیے بھی کوئی غلط آدمی نہیں چُنا ہے لیکن اس لڑکی کا اپنے گھر کی ہو جانا سب کے حق میں بہتر ہوگا۔''

صابرہ آنکھیں پھاڑے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا تو ذہن جیسے برف ہو چکا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھی ہے۔

''اور دوسری بات یہ کہ تم اپنے بیٹے کے اس گھر سے چلے جانے کا ذمے دار مجھے نہ ٹھہراؤ۔ تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ تمہاری غلط تربیت اور بے پروائی کی وجہ سے آج تمہارا بیٹا گھر سے دور ہوا۔ تم اگر اپنے بیٹے کی تربیت اور روک ٹوک کا خیال رکھتیں تو یہ نوبت ہی نہ آتی۔'' ایک لمحے میں جابر علی نے کچرے سے بھرا ہوا ٹوکرا صابرہ کے سر پر الٹ دیا۔

''یہ...... یہ نہ کریں میں آپ سے درخواست کرتی ہوں۔ میں تو شبینہ کی شادی بھی اس بندے سے نہیں کرنا چاہتی۔ ستارہ سے تو وہ اور بڑا ہو جائے گا۔ کچھ تو سوچیں جابر علی۔ آپ کی اپنی اولاد ہے۔ میں جہیز میں تو لے کر نہیں آئی تھی۔ یہ آپ کا اپنا خون ہے۔''

''بس فیصلہ ہو چکا اور تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ میں اپنے فیصلے کے بعد دوسرے کا فیصلہ نہیں سنتا اور کیوں سنوں۔ کیا میں کسی سے احسان لے رہا ہوں۔ بہت کچھ دیتا ہوں تو دو وقت کی روٹی تمہارے ہاتھ سے کھانے کو مل جاتی ہے۔'' جابر علی نے بڑی سفاک بات صابرہ سے یوں کہی جیسے پھولوں کی پتیاں نچھاور کر رہا ہو۔

''میں کب کہتی ہوں کہ دو وقت روٹی دے کر میں آپ پر احسان کرتی ہوں یہ تو میرا فرض ہے۔ اللہ نے آپ کے وسیلے سے ایک چھت دی جس کے نیچے عزت سے بیٹھی ہوں۔''

''بس میں یہی چاہتا ہوں کہ عزت کو سنبھال کر رکھو۔ مجھے خوف ہے وہ چڑیا کا بچہ جو ابھی گھونسلے میں اِدھر اُدھر کروٹیں لے رہا ہے پر نکلتے ہی تمہیں اور مجھے ہاتھ دِکھا جائے گا۔ اُڑ جائے گا کہیں...... وہ جو کہتے ہیں ناں بیاہ نہیں کیا، باراتیں تو دیکھی ہیں، ہم بھی اڑتی چڑیا کے پر گننا جانتے ہیں صابرہ بیگم۔ ستارہ کا باپ پولیس ڈپارٹمنٹ میں سینئر افسر ہے۔ زندگی گزر گئی ہمیں بھانت بھانت کے لوگوں کو پرکھتے ہوئے۔ اپنی اولاد کے اٹھتے قدم کو نہیں پہچانیں گے کیا؟ تم بے وقوف عورت اس چار دیواری میں زندگی کٹ گئی...... تمہیں کیا پتا دنیا کس طرف جا رہی ہے اور جب لڑکے اور لڑکیاں پڑھنے کے لیے گھروں سے باہر نکلتے ہیں تو کیا، کیا کچھ دیکھتے ہیں اور کیا، کیا کچھ سیکھتے ہیں۔'' جابر علی کے انداز میں وہی اٹل پن تھا۔ اس نے حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔ صابرہ کو پتا تھا کہ جابر علی اتنی جلدی میں کیوں ہے، وہ جانتا تھا کہ حق بات کہنے والا یا غلط کو غلط کہنے والا بیٹا اب سامنے نہیں ہے۔ وہ بے دھڑک اپنی پسند کے فیصلے کر سکتا ہے پھر تاخیر کیوں کرے۔

''مجھے تھوڑا سا سوچنے کا موقع تو دیں۔ آپ تو یوں فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ جیسے بس آپ کو فرشتہ سب کچھ لکھ کر دے گیا ہے۔'' صابرہ نے ڈرتے ڈرتے دل کی بات کہہ ہی دی۔

''ہاں بھئی، آج کے زمانے میں فرشتے پرچیاں لے کر آسمان سے نازل نہیں ہوں گے۔ جب اولاد قدم اٹھاتی ہے ناں تو جہاندیدہ ماں باپ ان کے اٹھتے قدموں سے آنے والے وقت کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ جاؤ تم جا کر سو جاؤ اور شادی کی تیاریاں کرو۔ میں نے ان لوگوں سے بڑی بیٹی کی بات کی تھی۔ اب میں ہی چھوٹی بیٹی کی بات ان لوگوں سے کر لوں گا۔ بتا دوں گا کہ بڑی بیٹی ڈاکٹر بننے جا رہی ہے۔ پڑھائی میں بہت اچھی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنی پڑھائی مکمل کر لے۔ چھوٹی البتہ پڑھائی میں دلچسپی نہیں لیتی۔ گھر کے کاموں

میں لگی رہتی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ اسے بٹھا کر کیوں رکھوں، اپنے گھر کا کر دوں۔'' جابر علی نے یہ کہہ کر ایک زور کی جمائی لی جیسے صابرہ کو اشارہ دے رہا ہو کہ اب وہ سونے لگا ہے۔

صابرہ نے اپنے دل میں کدورت کے غبار اٹھتے ہوئے محسوس کیے۔ حالانکہ اس کا معمول تھا کہ وہ جب رات میں تنہائی میں جابر علی کے پاس آکر بیٹھتی تھی۔ باتیں کرتے ہوئے اس کے پاؤں ضرور دباتی تھی لیکن جب معاملہ اولاد کا آجائے تو عورت صرف ماں بن کر سوچا کرتی ہے۔

جابر علی کی طرف سے اس کے دل میں جو غبار بھر گیا تھا وہ صرف ایک ماں ہی محسوس کر سکتی تھی۔ جس کی اولاد کی زندگی داؤ پر لگائے جانے کے فیصلے سنائے جا رہے ہوں اور وہ بے بسی سے سنے جا رہی ہو۔

وہ بوجھل دل کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جابر علی نے اسے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ اس کی گہری خاموشی کو محسوس بھی کیا مگر اس طمطراق سے گویا ہوا۔

''اگر تمہیں میرے فیصلے پر اعتراض یا دکھ ہے تو میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ تم اپنے بیٹے کے پاس جا سکتی ہو۔'' صابرہ جاتے جاتے پلٹ کر جابر علی کی طرف دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی یہ شخص جو پانچ وقت خدا کے حضور کھڑا ہوتا ہے۔ آخر خوفِ خدا سے کیوں عاری ہے۔ اسے اپنے علاوہ دوسرے لوگ کیوں انسان محسوس نہیں ہوتے مگر ایک لفظ بولنے میں مزید تباہی تھی۔ وہ چپ چاپ آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

اصیل خان آئی سی یو کے ٹھنڈے شیشے سے ناک لگائے کھڑا اندر جھانک رہا تھا۔ مہرجان کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا اور اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ وہ دعا کر رہا تھا کہ مہرجان کو جلد سے جلد ہوش آجائے۔ اور وہ انہیں واسطی صاحب کا پیغام پہنچا دے۔ کیا خبر یہ سنتے ہی مہرجان کے ہوش و حواس تیزی سے بحال ہونا شروع ہو جائیں۔ وہ مہرجان پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ جو کسی مومی مجسمے کی طرح آنکھیں بند کیے لیٹی یوں محسوس ہو رہی تھیں جیسے قدیم مصر کی کوئی ممی...... اس وقت اس نے دیکھا کہ ایک ڈاکٹر تیزی سے پیچھے سے آئی اور آئی سی یو میں داخل ہونے لگی۔

اصیل خان نے اس سے بھی زیادہ سرعت سے اس کو جا لیا۔

''ڈاکٹر صاحبہ۔ ایک منٹ کے لیے کیا آپ سے بات ہو سکتی ہے؟'' ڈاکٹر نے بہ مشکل تمام اپنی تیزی کو

کنٹرول کیا اور سوالیہ نظروں سے اصیل خان کی طرف دیکھنے لگی بلکہ اسے سر سے پاؤں تک نظروں سے تولا بھی۔

''فرمائیں!''

''وہ میں یہ پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ ڈاکٹر صاحبہ کو کب تک ہوش آجائے گا؟''

''میرا خیال ہے کہ ایک آدھ گھنٹے بعد ان کو ہوش آجانا چاہیے۔'' ڈاکٹر سوچتے ہوئے جواب دینے لگی ''کیونکہ اس سے زیادہ اگر ٹائم لگتا ہے تو یہ بہت خطرے کی بات ہوگی۔ آپ چونکہ مرد ہیں اس لیے میں یہ بات آپ سے کہہ رہی ہوں اگر ڈاکٹر صاحبہ کی بہن ہوتیں تو شاید میں کسی اور طرح سے بات کرتی۔''

''تو کیا آپ کو یقین ہے۔ میرا مطلب ہے آپ کو امید ہے کہ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک انہیں ہوش آجائے گا۔''

''انشاء اللہ تعالیٰ...... اس وقت صورتِ حال کنٹرول میں جارہی ہے۔'' ڈاکٹر نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر ایک نظر دوڑائی اور سوچتے ہوئے بولی۔

''وہ صرف آپ تسلی تو نہیں دے رہی ہیں ناں؟'' ڈاکٹر نے اب اصیل خان کی طرف بڑی سنجیدگی سے دیکھا۔

''تسلی مریض کو دی جاتی ہے۔ آپ مریض نہیں ہیں۔'' اس دفعہ وہ چڑ کر گویا ہوئی تھی۔

اصیل خان ایک دم ڈبک گیا۔

''آپ کی بہت مہربانی ڈاکٹر صاحبہ۔ آپ نے اچھی خبر سنائی آپ کا اللہ بھلا کرے۔'' ڈاکٹر نے آئی سی یو کے دروازے کو پش کرنے کے لیے ہاتھ رکھا پھر جیسے ہی اسے کچھ سوچ آئی۔ اس نے گردن موڑ کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔

''آپ ڈاکٹر صاحبہ کے کیا لگتے ہیں؟'' اصیل خان پہلے تو چونکا پھر ایک دم سر جھکا لیا۔

''جی میں ان کا ملازم ہوں۔''

ڈاکٹر نے بڑی حیرت سے اصیل خان کی طرف دیکھا تھا۔ شاید اس نے اپنی زندگی میں اتنا پُرخلوص اور خون کے رشتوں کی طرح تڑپنے والا ملازم پہلی بار دیکھا تھا۔

☆☆☆

''اماں میں ڈاک بنگلے سے صبح ہی صبح تمہارے پاس آجایا کروں گی اور تمہارا سامان اٹھا کر تمہارے ساتھ جایا کروں گی... کیونکہ بوڑھوں کے کام آنا اور ان کا بوجھ اٹھانا تو بہت بڑی نیکی ہے ناں۔'' رابی، بڑھیا کی جھونپڑی سے نکلنے لگی تھی اور بڑھیا اس کے پیچھے پیچھے آرہی تھی۔

''مجھے تو، تُو بالکل پاگل لگتی ہے۔ بھلا تجھے مجھ بڈھی سے کیا ملتا ہے۔ روز آجاتی ہے میرے پاس کبھی اُدھر کبھی میرے گھر۔ اتنا بڑا ڈاک بنگلا چھوڑ کر۔'' بڑھیا رابی کو بہت محبت سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جانے کیوں اسے اس پر رہ رہ کر پیار آنے لگا تھا جو گھنٹوں اس کے ساتھ اس طرح باتیں کرتی تھی جیسے وہ ہمیشہ ہمیشہ سے اس کے ساتھ رہتی چلی آئی ہو۔

''بیٹا مجھے تو حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ڈاک بنگلے میں تُو اکیلی رہتی ہے۔ کوئی دور پار کا رشتے دار تو ہوگا ناں ایسا کون سا انسان ہے اس دنیا میں جس کا کوئی ایک آدھ رشتہ بھی نہ ہو۔''

رابی نے اب بڑی سنجیدگی سے پلٹ کر بڑھیا کی طرف دیکھا۔

''اماں بتایا ناں کہ سب مرگئے۔ ایک بھی نہیں بچا۔'' اس کے انداز میں ایک عجیب سی سفاکی اور بے رحمی کا عنصر نمایاں تھا۔ بڑھیا نے الجھی الجھی کیفیت میں اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''سب مر گئے ایک بھی نہیں بچا۔ یقین کرو اماں ایک نہیں بچا سب مر گئے۔ جنت میں پہنچ گئے سب خوش ہیں۔ بہت مزے سے گزر رہی ہے ٹھنڈی چھاؤں میں... اچھا خدا حافظ۔'' یہ کہہ کر وہ اپنا شولڈر بیگ کندھے پر لٹکا کر تیزی سے اس کی جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔

بڑھیا اس کی طرف بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ ''ماننے والی بات ہی نہیں ہے۔ کیسے مان لوں کہ سب مر گئے ایک بھی نہیں بچا۔''

☆☆☆

''یار تم اس زبردستی کے مہمان کی اتنی خاطر مدارات کیوں کر رہے ہو۔'' برہان بہت شرمندہ، شرمندہ لہجے میں نعمان سے کہہ رہا تھا۔

''کیا خاطر مدارات کی ہے میں نے، جو کھانا ہم نے کھایا۔ وہی تمہارے لیے آ گیا۔''

''نہیں یار، شام کو بھی چائے کے ساتھ آنٹی نے کافی چیزیں بھجوا دی تھیں۔ میں اتنا کھانے پینے والا نہیں ہوں۔ یہ تو تمہیں بھی پتا ہے۔''

''حالانکہ تم کھانے پینے والوں کی اولاد ہو۔'' نعمان اس کی طرف دیکھ کر بڑے شریر انداز میں مسکرایا۔

''نہیں یار نعمان! باپ سے چاہے جتنی شکایتیں ہوں لیکن ایک بات ہے کہ ابا جان گھر میں کبھی اوپر کی کمائی لے کر نہیں آئے... بلکہ جب میں کبھی اسکول، کالج میں بتایا کرتا تھا کہ میں ایک پولیس افسر کا بیٹا ہوں تو سب لوگ یہی سمجھتے تھے کہ میں شیخی مار رہا ہوں۔'' برہان، نعمان کی اس شوخی پر ایک دم سنجیدہ ہو گیا اور انکار میں سر ہلاتے ہوئے بڑی بے ساختگی سے بولا تھا۔

''ہاں لیکن مجھے تو کنفرم ہے کہ تم ایک پولیس افسر کے بیٹے ہو۔ یار کیا پولیس افسر گھر میں بھی پولیس افسر ہوتے ہیں؟'' نعمان نے یونہی پوچھ لیا تھا۔

''لگتا تو یہی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ہماری پوری زندگی پولیس ڈپارٹمنٹ میں ہی گزری ہے۔'' برہان نے اتنی برجستگی سے کہا تھا کہ نعمان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''یار نعمان میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری بات ہوئی ہے دوست سے انشاء اللہ کل میں ہاسٹل شفٹ ہو جاؤں گا۔ تھوڑا سا جھوٹ ووٹ تو بولنا پڑا لیکن کیا کریں مجبوری ہے۔''

''میں کہہ رہا ہوں ناں کہ تم یہاں رہ سکتے ہو۔ اگر تمہاری انا پر اتنا بوجھ پڑ رہا ہے تو تم پے اِنگ گیسٹ کے طور پر رہ سکتے ہو۔ میں ممی سے بات کر لوں گا۔ میرا خیال ہے وہ راضی ہو جائیں گی۔ ویسے بھی یہ کمرا تو خالی ہی پڑا رہتا ہے۔ اس پورے گھر میں تین گیسٹ روم ہیں۔ اب ہر وقت تو گیسٹ آ کر نہیں رکتے ناں!''

''نہیں، نہیں یار اچھا نہیں لگتا۔ مجھے پتا ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے لیکن ہاسٹل ہی صحیح ہے۔''

''مرضی ہے تمہاری، میں تو تمہارے ساتھ بہت خوش ہوں بلکہ میں تو سوچتا ہوں کہ ہم کمبائن اسٹڈی بھی کر لیا کریں گے۔ بہت ساری باتیں بھی کیا کریں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔'' برہان نے نعمان کی بات کاٹ دی۔ ''دیکھو میں کسی اور حالات میں تمہارے گھر آ کر رکتا وہ الگ بات تھی لیکن جب تمہارے پیرنٹس کو پتا چلے گا کہ میں اپنے باپ سے ناراض ہو کر گھر سے نکلا ہوا ہوں تو ان کی نظر میں میری کوئی عزت نہیں رہے گی اور یار صحیح بات پر بے عزتی کیوں برداشت کریں۔'' نعمان نے اتنا سن کر اپنا کان کھجایا پھر سوچتے ہوئے بولا۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ جب کوئی ایسا سنتا ہے تو ماں باپ کو کبھی کچھ نہیں کہتا ہمیشہ بچوں کو قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہی ہمارے معاشرے کا دستور ہے جو چلا آرہا ہے۔'' برہان نے نعمان کو قائل کر ہی لیا۔

☆☆☆

روما، گل جان کے کمرے میں اس کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جو دائیں بائیں لڑھک کر گل جان کے کپڑوں میں جذب ہو رہے تھے۔

''خالہ جانی! آپا کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' روما بہت غمزدہ سی کیفیت میں کہنے لگی۔ ''کچھ بھی سہی اماں ہماری ماں ہیں۔ ماں باپ کو اتنا بڑا دکھ نہیں دیتے۔ مجھے تو خود بہت گلٹی فیل ہو رہا ہے کہ میں اماں سے ضد کر رہی تھی اور اُدھر آپا بھی انہیں بہت دُکھ دے رہی تھیں۔ شاید اماں کے ذہن پر بہت زیادہ بوجھ ہو گیا تھا۔ تبھی ان کے دماغ کے آپریشن کی نوبت آئی۔''

''تمہارا کوئی قصور نہیں ہے بیٹا اور نہ رابی کا۔ قصوروار تو کوئی اور ہے۔'' گل جان بہت نرمی اور محبت سے روما کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ گل جان کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا کہ روما نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور گل جان کی طرف دیکھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ آپا گھر سے چلی گئیں، میں اماں سے فضول میں ضد کر رہی تھی کسی اور نے تو اماں جان سے کچھ نہیں کہا۔ آپ تو ان کے سامنے بولتی ہی نہیں ہیں اور ان کی اتنی خدمت بھی کرتی ہیں۔ مجھے اور آپا کو غصہ آجاتا ہے مگر آپ کو نہیں آتا۔ آپ تو اماں جان کا ہر حکم ایسے مانتی ہیں جیسے ان کی چھوٹی بہن نہ ہوں اس گھر کی کوئی ملازمہ ہوں۔'' گل جان کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''بیٹا بڑی بہن، بڑی بہن ہوتی ہے اور ماں نہ ہو تو بڑی بہن ماں کی جگہ ہوتی ہے۔ تمہاری اماں تو ہم سب کے سروں پر سائبان کی طرح ہیں۔ یہ اتنا بڑا گھر انہوں نے اکیلے ہی تو سنبھالا ہوا ہے۔ ساری دنیا میں ان کی عزت ہے اور ان کی وجہ سے ہماری بھی سب عزت کرتے ہیں۔ ہم نے تو کچھ کیا ہی نہیں بیٹا۔ ہم تو مفت کی روٹیاں توڑ رہے ہیں۔'' گل جان نے اتنا کہا اور ایک گہری سانس لے کر روما سے نظر بچاتے ہوئے اپنی آنکھوں میں آئے آنسو صاف کرنے لگی۔

''خالہ جانی یہ تو آپ کی بڑائی ہے جو آپ اس طرح سوچتی ہیں۔ ہم اماں کی بات مانتے مانتے تھک جاتے مگر آپ کبھی نہیں تھکتیں آدھی رات کو بھی اماں جان بلاتی ہیں تو آپ سوتے سے اٹھ کر چل پڑتی ہیں۔ آپ جیسی بہن تو میں نے کسی کی بھی نہیں دیکھی۔ میں خود بھی آپا کی ایسی بہن نہیں ہوں اور نہ ہی ہو سکتی ہوں۔'' گل جان بے معنی سا ہنس پڑی تھی۔

''مجھ جیسی بہن ہاں مجھ جیسی بہن..... چھوڑو بیٹا کوئی اور بات کرو۔ بلکہ اللہ سے دعا کرو کہ رابی کا پتا چل جائے۔ رابی نے غلطی ضرور کی ہے لیکن اگر وہ گھر آگئی تو بی بی جان اسے معاف کر دیں گی۔ اس لیے کہ اگر معاف نہیں کریں گی تو پھر کیا کریں گی۔ بیٹی ذات ہے۔''

''دعا تو میں بہت کر رہی ہوں خالہ جانی اور میں تو یہی دعا کر رہی ہوں کہ اللہ میاں آپا کو عقل دے۔ وہ مجھ سے بڑی ہیں مگر انہوں نے بہت بڑی بے وقوفی کی ہے۔ لڑکیوں کو اس طرح سے گھر سے تھوڑی جانا چاہیے ہے ناں۔'' وہ بولتے بولتے گل جان کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھنے لگی۔ گل جان نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''بس دعا ہی ہمارا ہتھیار ہے بیٹا اور دعا ہی کا سہارا اور آسرا ہے۔ اللہ بہت رحیم اور کریم ہے۔ نہ جانے کس گھڑی ہماری سن لے۔'' گل جان نے اتنا کہا اور جھک کر روما کی پیشانی چوم لی۔ اس کے چومنے کے عمل میں اتنی اپنائیت اور اتنا فطری پن تھا کہ روما کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔ وہ کئی دنوں سے ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی۔ اب اس کی آنکھیں خود بخود بند ہوئی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

برہان یونیورسٹی کی لائبریری میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا اس کی نظریں ''ضرورت ہے'' کے کالم پر مرکوز تھیں اشتہارات کی ایک لمبی قطار تھی وہ ایک کے بعد ایک اشتہار پر نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک دم چونک پڑا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ ہوم ٹیوشن وہ بھی صرف ایک لڑکی کے لیے۔ وہ جلدی جلدی اشتہار پڑھنے لگا۔ اشتہار پڑھنے کے بعد اس کے چہرے پر ایک اطمینان کی کیفیت سی جھلکنے لگی۔

''جگہ اچھی ہے مطلب ہے فیس بھی اچھی مل جائے گی۔ اگر اس طرح کی ایک یا دو ٹیوشنز اور مل گئیں تو پھر کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔'' اس کے اندر ایک جوش و جذبہ بیدار ہو چکا تھا۔

''دو ٹیوشنز بھی کافی ہو جائیں گی۔ وہ اندازہ لگانے لگا۔ ''بس فاصلہ تھوڑا زیادہ ہے آنے جانے میں ٹائم لگے گا۔'' یہاں تک سوچ کر اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور وقت کا اندازہ لگانے لگا۔ اشتہار میں انٹرویو کا وقت شام پانچ بجے کا تھا۔ اس کے پاس کافی ٹائم تھا وہ آرام سے اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ سکتا تھا۔ اس نے اخبار تہ کرتے ہوئے بہت سا سکون اپنے اندر اترتا محسوس کیا۔ جیسے اس کا کوئی بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہو۔ نہ جانے کیوں اسے یقین تھا کہ بات بن جائے گی۔

☆☆☆

ایس پی اپنے کمرے میں وارث علی کے ساتھ اپنی کامیابی کا جیسے جشن منا رہا تھا۔ دونوں بات بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔

''پورے دو کروڑ بلکہ سوا دو کروڑ کا سودا خراب کیا تھا اس شخص نے...... ارے ایسے کہ ہم دیکھتے ہی رہ گئے۔ جیسے ہمارے ہاتھ میں کبوتر تھے اور وہ اڑ گئے۔'' ایس پی کو اپنا گمشدہ نقصان یاد آیا تو مسکراہٹ غائب ہو گئی اور لہجے میں جیسے کوئی درندہ غرانے لگا۔

''سر جی! اب دو کروڑ کے غم کو بھلا بھی دیں۔ اب دو کروڑ کی بات نہیں ہو گی۔ اب تو اربوں کی باتیں ہوں گی۔ کروڑوں تو مہینے میں گنیں گے۔'' وارث علی نے جیسے ایس پی کو تسلی دی تھی اور اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی تھی مگر ایس پی ابھی تک ماضی کے کسی منظر میں گم تھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں کھنچی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں انتہائی نفرت کے تاثرات تھے۔

''اس دن سے مجھے اس شخص کی ایمانداری سے نفرت ہے۔ یاد ہے ناں کتنی محنت کی تھی ہم نے۔ دن کو سوتے تھے نہ رات کو..... خیر اب وقت آگیا ہے کہ اپنے نقصان بھی پورے کیے جائیں اور اس شخص سے گن گن کر بدلے بھی لیے جائیں۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ اب اپنا موڈ ٹھیک کر لیں۔ اچھا وقت بالکل پاس آکر کھڑا ہو گیا ہے جو گیا سو گیا۔ آنے والے وقت کا سوچیں جو اتنا نزدیک نظر آرہا ہے کہ ہاتھ بڑھاؤ اور لے لو......''
ایس پی اب جیسے خود کو سنبھال کر مسکرایا۔ بڑی مشکل سے اس نے ماضی کے تاثرات سے جان چھڑائی تھی۔

''خیر تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اب تو تم جابر علی کے داماد بننے جا رہے ہو۔ ہر سودے میں ففٹی پرسنٹ کے پارٹنر بنو گے ہمارے۔ دیکھتے ہیں جابر علی اب ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ یٹی سے تو ہاتھ دھوئے گا نوکری سے بھی جائے گا۔ بس بہت ہوگئی۔'' ایس پی کے انداز میں شدت اور انتہا پسندی تھی۔

''سر جی اتنے بڑے ایماندار بندے کا داماد بنتے ہوئے ڈر بھی بہت لگ رہا ہے۔'' وارث علی کے انداز میں شرارت تھی۔ بظاہر وہ سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔

''تم کب سے ڈرنے لگے۔'' ایس پی نے چونک کر وارث علی کی طرف دیکھا تھا۔

''سر جی میں بندوں کی بات نہیں کر رہا، ایمانداری کی بات کر رہا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس خاندان سے رشتہ جوڑتے ہی مجھے بھی ایمانداری کے جراثیم تنگ کرنے لگیں۔ سنا ہے اس کا علاج بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو بڑا لاعلاج مرض ہوتا ہے یہ......'' ایس پی اس کی بات سن کر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''یار کتنی دیر کی دامادی ہوگی۔ اتنی ہی دیر کی ناں کہ اس کے گھر دولھا بن کر جاؤ گے اور اس کی بیٹی کو لے آؤ گے پھر تمہارا اور اس کا کیا واسطہ۔'' ایس پی نے جیسے اسے دلاسہ دیا تھا۔

''بات تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں سر جی...... کہنے لگا بڑی کے ساتھ مسئلہ ہے، وہ پڑھائی میں اچھی ہے۔ میں چاہتا ہوں اس کی پڑھائی نہ رکے اس لیے چھوٹی سے رشتہ کر رہا ہوں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔'' سر جی میں نے کون سا رشتے داری پکی کرنے کے لیے شادی کرنی ہے جو میں کہوں کہ مجھے بڑی چاہیے یا مجھے چھوٹی چاہیے۔ بس ایک ڈیکوریشن پیس گھر میں لا کر سجانا ہے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔'' ایس پی سر جھکا کر مسکرانے لگا۔

''اس نے بڑے دکھ دیے ہیں سر جی۔''

''اب اتنی ہائی پوٹینسی کی دوا بھی تو دے رہا ہے۔ سمجھو سارے جھگڑے ہی ٹھک گئے۔ میں تو کہتا ہوں بڑی والی سے آپ کرلیں۔ ہم دونوں اس کے داماد بن جائیں گے تو زیادہ پریشر میں آجائے گا......'' ایس پی نے سٹپٹا کر وارث علی کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔

''یار آہستہ بات کرو، میری بیوی مجھ سے زیادہ پولیس والی ہے۔ بس بھائی میں تو ایک ہی سے بھر پایا۔'' اس نے اتنا کہہ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ وارث علی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

برہان ٹھیک پانچ بجے بلکہ چند منٹ پہلے ہی شاہ صاحب کے گھر پہنچ گیا تھا اور شاہ صاحب نے بھی اس کو زیادہ انتظار نہیں کرایا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بس پہنچا ہی تھا کہ شاہ صاحب تشریف لے آئے تھے۔ انہوں نے برہان کو سر سے پاؤں تک دیکھا، آنکھوں میں پسندیدگی کا عنصر نمایاں تھا۔ برہان نے بہت مہذب انداز میں انہیں سلام کیا تھا۔ شاہ عالم اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگے...... لیکن برہان جیسے پہلے ان کے بیٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ شاہ عالم کے بیٹھتے ہی وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا اور جھجکتے ہوئے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ یہ سوچ کر کہ جانے وہ کیا سوال کرنے جا رہے ہیں۔

''بیٹا آپ کا فون آیا تو آپ کی آواز سے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ماشاء اللہ آپ بہت ہونہار بچے ہو۔ ظاہری بات ہے این ای ڈی میں پڑھ رہے ہو۔ میرٹ پر وہاں گئے ہو۔ قابل تو ہو گے۔ اصل میں میری پوتی پری انجینئرنگ پڑھ رہی ہے۔ فرسٹ ایئر میں کوئی خاص مسئلہ نہیں آیا لیکن اب وہ بہت تنگ کر رہی ہے۔ کہہ رہی ہے بہت مشکل ہے۔ میتھس میں الجھ جاتی ہے اور باقی سبجیکٹ میں ماشاء اللہ ٹھیک ہے۔ کیا یہی ٹائم ہو

گا آپ کے آنے کا اگر آپ کو اس وقت آنے میں کوئی مسئلہ یا پریشانی ہے تو آپ مجھے بتا دیجیے تو ٹائم کی تبدیلی کے بارے میں سوچ لیتے ہیں۔''

''نہیں، نہیں یہ ٹائم بالکل ٹھیک ہے۔ میں تین بجے تک آجاتا ہوں یونیورسٹی سے...... تھوڑا آرام کر کے آسکتا ہوں۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' برہان نے جیسے اپنی طرف سے شاہ عالم کو بھرپور تسلی دی۔

''ویری گڈ۔ یہ تو بہت اچھا ہوگیا اور بیٹا کیا آپ اپنے بارے میں مزید کچھ بتانا پسند کریں گے؟ میرا مطلب ہے اپنے بیک گراؤنڈ کے متعلق۔ آپ کے فادر کیا کرتے ہیں؟ آپ کی رہائش کہاں ہے؟'' شاہ عالم کا سوال سن کر تو ایک لمحے کے لیے برہان تھوڑا چکرا سا گیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ شاہ عالم کے سامنے سچ بولے گا تو یہ جاب اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی۔ جھوٹ بولنے کا اسے تجربہ نہیں تھا مگر بہرحال جواب تو دینا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنا اعتماد بحال کیا اور بولا۔

''جی، وہ میرے والد صاحب پولیس ڈپارٹمنٹ میں ہوتے ہیں۔ والدہ ہیں۔ مجھ سے چھوٹی دو بہنیں ہیں۔''

''اوہ پولیس ڈپارٹمنٹ میں ہیں تمہارے والد...... بڑی بات ہے۔ بھئی پولیس والے تو بادشاہ لوگ ہوتے ہیں ھذا من فضلِ ربی ہوتا ہے۔ آپ کو کیا مصیبت پڑی ہے اتنی محنت کرنے کی؟'' شاہ عالم نے بڑے شگفتہ انداز میں اور بڑی برجستگی سے کہا تھا۔ برہان پہلے تو ذرا سٹپٹایا۔ پھر جلدی سے اس نے مسکراہٹ کے پردے میں اپنی گھبراہٹ چھپائی کیونکہ شاہ عالم کی بھرپور شخصیت کے سامنے وہ بار بار اپنا اعتماد کھو رہا تھا۔ جو اس سے بات کرتے ہوئے مسلسل گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔

''جی وہ آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن میرے والد صاحب ایک بہت ایماندار آفیسر ہیں۔ یقین کیجیے ان کی ایمانداری کی وجہ سے تو ہم لوگوں نے بہت پریشانی اٹھائی ہے۔''

''پریشانی...... ایمانداری کی وجہ سے؟'' شاہ عالم کو برہان کی بات جیسے ہضم نہیں ہوئی۔ بہت حیرت سے پوچھنے لگے۔

''جی وہ میرے فادر کیونکہ کھانے پینے والے نہیں تھے۔ اس لیے ان کے کولیگز کچھ ایسا کر دیتے تھے کہ ان کی ٹرانسفر ہو جاتی تھی اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ ایک سال میں ان کی چار مرتبہ ٹرانسفر ہوئی۔''

''یہ تو بہت فخر کی بات ہے۔ بیٹا آپ کے لیے تو بہت بڑا اعزاز ہے کہ آپ ایک ایماندار ڈیوٹی فل شخص کے بیٹے ہیں۔ یہ فخر، یہ عزت...... یہ تو آپ کا سرمایہ ہے۔'' شاہ عالم نے اب بہت دلچسپی بلکہ بڑی محبت سے برہان کی طرف دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

برہان، شاہ عالم کی یہ بات سن کر ایک لمحے کے لیے خاموش سا ہوگیا۔ اندر جو کہانیاں بکھری پڑی تھیں وہ اِدھر اُدھر سے سر اٹھا کر مسکرانے لگیں۔ لیکن یہ وہ کہانیاں تھیں جو صرف اپنے لیے تھیں۔ پردے میں رکھنے کے لیے تھیں۔ سنانے کے لیے نہیں تھیں۔

''بھئی مجھے تو بے انتہا خوشی ہوئی جب باپ اتنا ایماندار ہے...تو یقیناً بیٹا بھی اتنا ہی ایماندار اور محنتی ہوگا۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ جیسا بچہ میرے گھر آئے اور میری بیٹی کو تعلیم دے۔ مجھے تو عجیب بے فکری سی ہوگئی۔ ماشاء اللہ بہت خوشی ہوئی بلکہ اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ یعنی آپ پہلے بندے ہیں جن کا اشتہار چھپنے کے بعد میرے پاس پہلا فون آیا اور انٹرویو کے لیے آنے والے بھی پہلے ہیں حالانکہ آپ کے بعد بھی میں نے ایک صاحب کو ٹائم دیا ہوا ہے، ان کو میں نے ساڑھے چھ بجے بلایا ہے لیکن بس اب وہ ایک فارمیلٹی رہ گئی

ہے۔ سلیکشن تو ہو چکا۔ کل آپ اسی ٹائم پڑھانے کے لیے آجائیں۔''

برہان کو تو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اسے یوں لگا جیسے واقعی ماں کی دعائیں سایہ بن کر ساتھ چل رہی ہوں۔ ایک ہی دن میں اس کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ اندر ایک سکون اور خوشی کی کیفیت نے بسیرا کر لیا وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔ کم از کم اتنا تو ہو گیا تھا کہ اب اسے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور اس نے مصافحے کے لیے شاہ عالم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''مجھے اجازت دیجیے سر، اور آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں بیٹا آپ؟ شکریہ تو ہمیں آپ کا ادا کرنا چاہیے۔ آپ جو کچھ ہماری پوتی کو دیں گے وہ تو اس کا زندگی بھر کا سرمایہ ہوگا۔ اس کی تو کوئی قیمت ہی نہیں دی جاسکتی۔'' انہوں نے بہت گرم جوشی سے برہان کا ہاتھ تھام کر ساتھ ہی اس کا کندھا بھی دبایا تھا۔ محبت اور پیار کے ساتھ ان کی ایک، ایک حرکت سے لگ رہا تھا کہ وہ اپنے سلیکشن پر مطمئن اور خوش ہیں۔

☆☆☆

رابی ہوٹل کے کمرے میں اپنے بالوں میں برش چلاتے ہوئے گہرے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کا ذہن مسلسل ایک ہی نقطے پر مرکوز تھا کہ ہوٹل سے نکل کر اب اسے کدھر جانا چاہیے۔ ہوٹل میں چند دن قیام کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچے، طے کرے کہ اب اسے کیا کرنا ہے؟ یہ تو طے تھا کہ اب ڈاکٹر مہر جان اور وہ گھر قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔ ان راستوں پر پلٹ کر تو اب نہیں جانا آگے دیکھنا ہے، آگے کا سوچنا ہے اس گھر میں رشتے تھے لیکن احساس تنہائی قیامت تھا۔ اب اگر احساسِ تنہائی ہے...... کم از کم اتنا تو ہے کہ رشتوں کا بوجھ نہیں۔ جو رشتے بوجھ کی طرح محسوس ہوں ان سے تو لاکھ درجے بہتر ہے کہ انسان تنہا رہے...... بوجھل رشتوں کے ساتھ زندگی نہیں ہر پل کی موت وابستہ ہوتی ہے۔ یہ احساس بھی کتنا دلفریب اور خوش کُن سا ہے کہ اب رشتے نہیں ستائیں گے، بوجھ اٹھا کر نہیں جینا پڑے گا۔'' اس نے گہری سانس لے کر وال کلاک کی طرف دیکھا اور باہر نکلنے کا سوچنے لگی۔ بالوں کو سمیٹا آئینے میں خود کو دیکھا اپنا تنقیدی جائزہ لیا۔ وہ بہت فریش اور پُرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔ وہ اپنے دھیان سے چونک پڑی۔

''کون آسکتا ہے۔ ویٹر؟ لیکن میں نے تو کوئی آرڈر نہیں دیا۔ شاید کسی اور کام سے آیا ہو۔ وہ سوچتی ہوئی آگے بڑھی اور دروازہ کھول دیا لیکن دروازہ کھلتے ہی اسے ایک زوردار جھٹکا لگا تھا جیسے اس نے بجلی کے ننگے تاروں کو چھو لیا ہو.. کیونکہ اس کے سامنے تین چار پولیس مین ہمراہ ایک لیڈی پولیس کھڑے ہوئے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک پولیس مین جو اپنے اسٹائل اور انداز سے کوئی آفیسر دکھائی دے رہا تھا۔ اپنی ہتھیلی پر چھڑی مارتے ہوئے رابی سے مخاطب ہوا۔

''مس رابعہ خان؟'' رابی نے خوف اور دہشت سے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس کیں۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں تھی۔ بس آنکھیں پھاڑے ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

(جاری ہے)

امانت

رفعت سراج

قسط 7

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں......اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ مہر جان، رابی کی شادی سہراب خان سے طے کرتی ہیں جو عمر میں رابی سے کافی بڑا ہے۔ اس شادی پر رابی تیار نہیں ہوتی۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈ ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ سب انسپکٹر جابر علی نے آج تک کبھی رشوت نہیں لی تھی۔ رزقِ حلال کی کمائی سے اپنے گھر کو چلایا اس کی بیوی صابرہ، بیٹا برہان اور بیٹیاں شبینہ اور ستارہ اسی کمائی میں گزارہ کر رہے تھے لیکن کبھی کبھی ستارہ اپنے حالات سے تنگ آجاتی ہے۔ شبینہ اپنے والد جابر علی سے چھپ کر اپنی دوست فائزہ کے گھر جاتی ہے وہاں اس کی ملاقات فائزہ کے بھائی احمر سے ہوتی ہے۔ احمر کو وہ بہت اچھی لگتی ہے۔ ایس پی شیر زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے۔ جابر علی، صابرہ سے رشتے کی بات کرتا ہے تو صابرہ اسے گھر بلانے کو اور بیٹے برہان سے مشورے کا کہتی ہے۔ برہان، وارث علی کو دیکھتا ہے تو صابرہ سے کہتا ہے کہ وہ جابر علی سے کہے کہ ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔ مہر جان کو کمرے میں بے ہوش دیکھ کر گل جان، اصیل خان کے ساتھ انہیں اسپتال لے کر جاتی ہے، جابر علی، برہان کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تو برہان گھر سے چلا جاتا ہے۔ رابی گھر چھوڑ کر مری چلی جاتی ہے۔ جابر علی ایس پی سے جہیز کے بارے میں بات کرتا ہے تو ایس پی کہتا ہے کہ وہ اس بارے میں پریشان نہ ہو۔ گل جان کو کائناز اور شاہ عالم سے بہت ڈھارس ہوتی ہے، مہر جان کو ڈاکٹر آپریشن بتاتے ہیں، برہان اپنے کلاس فیلو نعمان کے پاس چلا جاتا ہے اور اس کے سمجھانے پر صابرہ کو فون کرتا ہے۔ گل جان، شاہ عالم کی شکر گزار ہوتی ہے کہ انہوں نے روما کا خیال رکھا۔ رابی مری میں.... چیزیں فروخت کرنے والی ایک عورت سے بہت متاثر ہوتی ہے کہ وہ اس بڑھاپے میں اپنا بوجھ خود اٹھائے ہوئے ہے۔ اس عورت کے پوچھنے پر رابی اسے بتاتی ہے کہ وہ ڈاک بنگلے میں رہتی ہے اور اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ صابرہ، جابر علی سے کہتی ہے کہ وہ برہان کو واپس لے آئے۔ مہر جان کا آپریشن ہو گیا لیکن انہیں ہوش نہیں آتا تو گل جان بہت پریشان ہوتی ہے لیکن نرس اسے تسلی دیتی ہے۔ روما، کائناز اور شاہ عالم کے ساتھ اسپتال آجاتی ہے۔ شبینہ، جابر علی پر خط کے ذریعے شادی کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کر دیتی ہے۔ واسطی صاحب فون پر اصیل خان کو بتاتے ہیں کہ وہ لڑکی تک پہنچ گئے ہیں اور اب کسی بھی وقت وہ پولیس کی حراست میں ہوگی۔ جابر علی کہتا ہے کہ اب شادی شبینہ کی نہیں ستارہ کی ہوگی۔ برہان اخبار میں اشتہار دیکھ کر شاہ عالم کے پاس انٹرویو کے لیے جاتا ہے اور وہ اسے کائناز کو پڑھانے کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ رابی ہوٹل میں اپنے کمرے میں ہوتی ہے کہ دروازے پر دستک ہوتی ہے وہ دروازہ کھولتی ہے تو سامنے پولیس کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

گل جان اور اصیل خان لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ گل جان بڑی بے نیازی اور الہڑپن سے اپنے بالوں میں شیشے جڑا پراندہ باندھ رہی تھی اور اصیل خان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اصیل خان ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس کی بے قرار نگاہیں اِدھر اُدھر مہر جان کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ شاید گل جان نے اس کی تڑپ جان لی تھی بھی چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔

”خان اب بی بی جان کو جلدی سے لے جاؤ......“

اصیل خان، گل جان کی بات سن کر چونک پڑا۔ حیرت کے ساتھ ساتھ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی کھیل رہی تھی۔ اس نے بڑی دلچسپی سے گل جان کی طرف دیکھا۔

”کیوں بھئی تمہیں کیوں اتنی جلدی ہے؟ جلدی تو مجھے ہونی چاہیے اور مجھے بالکل بھی جلدی نہیں ہے۔“

گل جان اس کی بات سن کر ہنس پڑی۔

”خان مجھے ڈر لگتا ہے۔ بی بی جان کہیں مجھے بھی بہت سارا پڑھا لکھا نہ بنا دیں......“ اصیل خان نے مسکرا کر گل جان کی طرف دیکھا پھر اپنی بے قرار نگاہیں اِدھر اُدھر دوڑاتے ہوئے مسکرانے لگا۔

”کیوں بھئی، تمہیں پڑھا لکھا ہونے سے کیوں ڈر لگتا ہے؟“

”بس بھئی میرا اتنا دماغ کھپانے کو دل نہیں چاہتا۔ بی بی جان کہتی ہیں بارہ جماعت پڑھنا بھی کوئی پڑھنا ہے۔ اس سے تو اچھا ہے نہ ہی پڑھے۔ چناں آن پڑھ ہی رہے۔“ گل جان نے برا سا منہ بنایا۔

اصیل خان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”پڑھائی زور زبردستی سے نہیں ہوتی، گل جان بی بی۔ یہ تو اپنے، اپنے شوق اور دلچسپی کی بات ہوتی ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے تمہاری بی بی جان کی ڈاکٹری پڑھنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ اس نے تو مجھے انتظار کی سولی پر لٹکا دیا ہے۔“

گل جان نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر شرارت آمیز انداز میں اصیل خان کی طرف جھک کر بولی۔

”خان بابا سے بات کریں۔ بابا سے کہیں مجھے بہت ضروری کام ہے۔ شادی کی جلدی ہے۔ باہر جانے کا بہانہ بنا دینا......“

”بے وقوف اگر میں نے باہر جانے کا نام بھی لے لیا تو چاچا سائیں کہیں گے یہ تو بہت اچھا ہے...... مہر جان باہر پڑھائی کرے گی ویسے بھی وہ بولتے رہتے ہیں کہ میں اسے پڑھنے کے لیے باہر بھیجوں گا۔“ اصیل خان نے گل جان کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

اسی وقت مہر جان کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ جدید تراش خراش کے خوب صورت لباس کے ساتھ تراشیدہ بال جو شانوں سے ذرا اوپر تھے۔ پنکھے کی ہوا میں ہلکورے لے رہے تھے۔ مہر جان نے اندر آتے ہی بڑی غصے بھری نگاہ اصیل خان پر ڈالی اور اسے نظر انداز کر کے گل جان سے مخاطب ہوئی۔

”تمہارے پاس بہت ٹائم ہے فضول لوگوں سے فضول باتیں کرنے کا...... چلو جاؤ اپنا کام کرو۔“

اصیل خان کی پیاسی نظریں مہر جان کے سراپے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ گل جان بڑی بہن کی جھاڑ کھا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور منہ بسورنے لگی۔

”بی بی جان گھر میں کوئی مہمان آتا ہے تو اس سے کوئی بات بھی کرنا پڑتی ہے۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے بات وات کرنے کی اور کون سا مہمان...... کس بن بلائے مہمان کی بات کر رہی ہو۔ جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔ میں بھی لیٹ ہو رہی ہوں۔ بابا جان کو بتا دینا میں ڈی سی ہاؤس جا رہی ہوں۔“

گل جان نے اپنی شریر مسکراہٹ بڑی مشکل سے دباتے ہوئے چوری، چوری اصیل خان کی طرف دیکھا اور اپنا پراندہ لہراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

مہر جان نے بھی قدم بڑھائے اور اسی اثنا میں اصیل خان نے لپک کر مہر جان کا بازو پکڑ لیا۔ خوب صورت، صحت مند اور گرم جوش اصیل خان کی گرفت اس کے اندر کے جذبوں کی قوت کا مظہر تھی۔ مہر جان نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر چھڑا نہ سکی۔ اس نے اصیل خان کی طرف بڑی غصے بھری نظر سے دیکھا۔ وہ خود دراز قامت تھی مگر اصیل خان اس سے بھی ایک ہاتھ اونچا تھا۔

”کیوں ناراض ہو؟ جب آتا ہوں ناراض ہی ملتی ہو۔ کبھی ہنس کے بھی بات کر لیا کرو۔“

مہر جان نے جواب دینے کے بجائے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ اصیل خان نے اس کے بازو کو زور سے جھٹکا دیا اور مہر جان کو اپنی طرف موڑتے ہوئے شریر انداز میں گویا ہوا۔

”مہر جان سچی پوچھو تمہارا نام مجھے دل سے پسند ہے۔ جب میں تمہیں مہر جان کہتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں میری جان کہتا ہوں۔ ہو ناں میری جان؟“ وہ اس کا بازو پکڑے اس سے پوچھ رہا تھا۔ مہر جان نے پوری قوت کے ساتھ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی۔

”جاتے ہو یا بابا کو بلاؤں؟“ اس نے گویا دھمکی دی۔

”یہ تم مجھے بابا کی دھمکیاں نہ دیا کرو۔ یہ یاد رکھنا شادی کے بعد ان دھمکیوں کا حساب ایک ہی دفعہ میں لے لوں گا۔“

”اصیل خان تم حساب لے سکتے ہو ناں تو میں خود تم سے حساب لینے والی ہوں۔ چھوڑو میرا بازو اور مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ فون کرتی ہوں تو اٹھاتے نہیں ہو۔ گھر آجاتے ہو تو ایسے شو کرتے ہو جیسے فدا ہوئے جا رہے ہو مجھ پر......“

”تو کیا شک ہے کہ فدا نہیں ہوں تم پر؟ ارے تم شہر میں آکر دیکھو۔ دس میرے آگے ہوتی ہیں، بیس میرے پیچھے لیکن میں.. میں صرف مہر جان کا ہوں......“ اصیل خان زیر لب مسکرایا۔ اب اس نے مہر جان کو دونوں کندھوں سے تھام لیا اور اس کے چہرے کو بہت غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”کسی اور کو بے وقوف بناؤ جا کر...... آجاتے ہیں دو مہینے بعد فدا ہونے کے لیے۔“ اس نے اصیل خان کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکیلا اور پاؤں پٹختی، بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

”یار بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ ایک تو اس کا غصہ جلدی نہیں اترتا۔ کچھ کرنا پڑے گا۔“ اصیل خان نے اس کے جاتے ہی ایک گہری سانس لی اور شریر انداز میں مسکراتے ہوئے اپنے آپ سے مخاطب ہوا۔

اصیل خان نہ جانے کب تک ماضی کے حسین منظر میں گم رہتا کہ اچانک گل جان کی آواز نے ماحول کا سارا جادو ہوا میں اُڑا دیا۔

”اصیل خان...... اصیل خان۔“ گل جان اسے دور سے پکارتی آرہی تھی۔ اصیل خان ہڑبڑا کر فرش سے اٹھا اور اس طرف دیکھنے لگا جہاں سے آواز آرہی تھی۔ گل جان بڑی تیزی سے اس کی طرف آرہی تھی۔

”کیا کر رہے ہو اصیل خان، میں تمہیں کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ بڑی اچھی خبر ہے۔ بی بی جان کو ہوش آگیا ہے لیکن ڈاکٹر نے ابھی اُن کے پاس جانے اور بات کرنے سے منع کیا ہے۔ میرا خیال ہے میرے اسپتال جانے کا ابھی کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے سوپ بنایا ہے۔ وہ اسپتال لے جاؤ۔ اگر ڈاکٹر اجازت دیں تو نرس کو دے دینا۔“

”جی ٹھیک ہے چلا جاتا ہوں۔“

”ہاں مگر دیکھ لو ڈرائیور ہے بھی یا کہیں باہر نکلا ہوا ہے۔ ایک تو اس کم بخت کو ہر وقت گھر سے باہر جانے کی پڑی رہتی ہے۔ عین کام کے وقت اسے ڈھونڈنا پڑتا ہے۔“ گل جان کچن کی طرف جاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

اصیل خان نے خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر سر جھکا کر کسی خیال میں کھو گیا۔

☆☆☆

شبینہ اپنے پرانے سوٹ میں کچھ جدت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی وقت سلائی مشین کی موٹر کی آواز کے ساتھ ساتھ صابرہ کی آواز بھی سنائی دی۔

”کیا سی رہی ہو شبینہ؟ ایک گھنٹے سے لگی ہوئی ہو؟“

”امی، میرا یہ سوٹ رکھا ہوا تھا کب سے۔ آؤٹ آف فیشن تھا اس لیے میں تھوڑا سا اس کے دامن وغیرہ میں بارڈر لگا رہی ہوں۔ دیکھیں تو سہی بالکل نیا ہو گیا ہے۔“ اس نے موٹر سے اپنا ہاتھ ہٹایا تو کمرے میں ایک سکوت سا طاری ہو گیا۔ صابرہ قریب چلی آئی تھی۔ اس نے جھک کر شبینہ کی شرٹ اٹھائی اور اسے پھیلا کر دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں ستائش تھی۔

”ماشاء اللہ بہت ہنر مند ہے میری بیٹی۔ اللہ نصیب اچھا کرے۔“ اس نے بیٹی کو ممتا بھرے لہجے میں دعا دی۔

شبینہ ماں کی دعا پر کسی پھول کی طرح کھل اٹھی۔ دعا کا اثر ہی ایسا ہوتا ہے اور ماں کی دعا میں تو عجیب ہی جادو ہوتا ہے۔ وہ ایک سرشاری کی کیفیت میں صابرہ سے اپنی شرٹ لے کر ادھورا کام مکمل کرنے لگی۔ اس نے جیسے ہی کام شروع کیا صابرہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ذرا رکنے کے لیے کہا۔

شبینہ اپنا کام چھوڑ کر ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ صابرہ عجیب شش و پنج میں نظر آئی۔

”کیا بات ہے امی! اب کیا پریشانی ہے۔ پھر کوئی نئی بات ہو گئی ہے کیا؟“

”ہاں بیٹا بس قسمت کی بات ہے روز ہی کوئی نئی بات ہو جاتی ہے۔“ صابرہ نے اِدھر اُدھر دیکھا اور بڑی گہری سانس لے کر بڑے افسردہ انداز میں مسکرائی۔

”اب کیا ہو گیا؟“ شبینہ نے عجیب نڈھال سے لہجے میں پوچھا۔ جیسے خبر سے پہلے ہی کسی بری خبر کا یقین ہو۔

”ستارہ کہاں ہے اتنی دیر سے نظر نہیں آئی؟“ صابرہ نے اِدھر اُدھر دیکھا اور سرگوشی کے انداز میں پوچھنے لگی۔

شبینہ نے ماں کے انداز پر چونک کر دیکھا تھا کیونکہ صابرہ کے انداز سے لگتا تھا کہ کوئی خاص بات ضرور ہے۔ معمول سے ہٹ کر پھر کچھ ہوا ہے۔

”تھوڑی دیر پہلے میں کمرے میں گئی تھی تو وہ لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اب پتا نہیں کیا کر رہی ہوگی۔ کافی دیر سے خاموش ہے، ہوسکتا ہے سو گئی ہو۔“ شبینہ نے اپنی سماعتوں کو پوری چوکسی کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے خاصے یقین سے جواب دیا۔

”امی بتائیں ناں کیا ہوا ہے؟“ اس سے پیشتر کہ صابرہ کچھ بولتی شبینہ نے خود ہی پوچھ لیا۔ کیونکہ ایک زبردست قسم کا تجسس اس کے اندر بیدار ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل پنا پلکیں جھپکائے ماں کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

”وہ مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے بیٹا اور میں چاہتی ہوں کہ جو بات تم سے کرنے جا رہی ہوں وہ ابھی ستارہ کو پتا نہ چلے۔“ صابرہ بہت ہی آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی۔

”ایسی بھی کیا بات ہے امی، گھر میں کوئی بات ہوتی ہے تو وہ گھر والوں سے کتنی دیر چھپی رہ سکتی ہے۔“ شبینہ نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔

”ہاں، یہ تو مجھے بھی پتا ہے کہ بات چھپی نہیں رہ سکتی اور یہ بات چھپنے والی ہے بھی نہیں...... لیکن میں

چاہتی ہوں جتنی دیر تک اس سے چھپائی جاسکے چھپائی جائے۔"

"امی بتائیں ناں آخر ہوا کیا ہے؟ ایسی کیا بات ہے جو آپ اتنی احتیاط سے بات کررہی ہیں بلکہ ستارہ سے ڈر رہی ہیں؟"

صابرہ نے اپنا ہاتھ پیشانی پر زور سے مارا۔

"بیٹا! اس کی زبان سے ڈرتی ہوں۔ اس سے کیوں ڈرنے لگی۔ وہ ہے ناں مردہ بولے کفن پھاڑ کر بولے۔ دیکھو بیٹا میں تم سے صرف اپنے دل کی بات کررہی ہوں...... کیونکہ میرے دل پر بوجھ ہے...... لے دے کے اب تم ہی تو ہو جس سے میں اپنے دل کی بات کرسکتی ہوں۔"

"بولیں امی جان!" شبینہ بولی تو تھی لیکن اس کی آواز سے لگتا تھا جیسے اس کا دل ڈوبا جارہا ہو۔ انجانے وسوسے اور اندیشے اسے ستانے لگے تھے۔

"بات یہ ہے بیٹا کہ گھر میں تمہاری شادی کی بات ہورہی تھی لیکن اب تمہاری شادی نہیں ہورہی......"

شبینہ نے حیرت سے ماں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو امی اتنی افسردہ اور دکھی کیوں ہیں۔ امی تو اس شادی کی سب سے بڑی مخالف تھیں۔ انہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ اس نے سوچا ضرور مگر بولی کچھ نہیں اور ماں کے مزید کچھ کہنے کا انتظار کرنے لگی۔

"بیٹا! تمہارے ابا جان نے فیصلہ کیا ہے کہ تم سے پہلے ستارہ کی شادی ہوگی۔" صابرہ نے بالآخر کہہ دیا۔ صابرہ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ جیسے بارود کے گولوں کی طرح شبینہ کے دائیں بائیں پھٹے تھے۔ اس نے بے یقینی کی کیفیت میں ماں کی طرف دیکھا۔ سمجھ ہی نہیں آئی کہ جواب میں کیا کہے۔ کیا ردِعمل ظاہر کرے۔ ابا جان نے اگر فیصلہ کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پتھر پر لکیر کھنچ گئی ہے جو کہہ دیا ہے وہ تو اب ہوگا۔

ابا جان کے منہ سے نکلا ہوا لفظ دو ہی طریقوں سے ٹل سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جس کے لیے فیصلہ سنایا گیا ہے وہ دنیا سے رخصت ہو جائے یا پھر کل کی آتی قیامت ابھی آجائے۔ وہ ماں کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ یوں جیسے قوتِ گویائی سے محروم ہوگئی ہو یا الفاظ اس کی گرفت میں آکر نہ دے رہے ہوں۔

"بس یہی بات بتانے تمہیں آئی تھی بیٹا اور وہ ہے ناں کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟ کیسے اسے بتائیں کہ تمہارا یہ بے دھڑک بولنا کیسے عذاب لے کر آیا ہے۔ بتاؤ کہاں وارث علی کہاں ستارہ...... کوئی جوڑ ہے۔ اس لڑکی نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے گڑھا کھودا ہے۔ کیا کروں میں، کچھ سمجھ نہیں آرہی مجھے۔" صابرہ نے عجیب بے بسی کی کیفیت میں کہتے ہوئے شبینہ کی طرف دیکھا تھا جس نے فوراً ہی ماں سے نظریں چرالی تھیں کیونکہ جو حال ماں کا تھا وہی اس کا تھا۔

"اب کیا ہوگا امی جان! کون بات کرے گا ستارہ سے...... اور کیا وہ مان جائے گی۔ اگر نہیں مانے گی تو پھر کیا ہوگا......؟"

"تو پھر کیا ہوگا بیٹا! کچھ بھی کرے آخر کار اسے باپ کے فیصلے کے سامنے سر تو جھکانا ہے ناں۔ وہ جتنا بولے گی ان کا غصہ بڑھے گا۔ اگر انہوں نے ایک ہفتے بعد کی شادی کی تاریخ دی ہے تو ہوسکتا ہے اس کی زبان کی وجہ سے اس کا نکاح کل ہی پڑھوادیں۔"

شبینہ نے بے اختیاری کی کیفیت میں اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا جیسے اپنے پھڑکتے ہوئے دل کو سنبھال رہی ہو۔

"میں تو یہ کہہ رہی ہوں بیٹا کہ ستارہ کو کسی طرح سمجھاؤ کہ اپنے باپ کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لے۔ ایک دفعہ رو رو کر پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لے گی تو بہت بچت ہو جائے گی۔ باپ ہیں۔ کیا خبر بیٹی کے آنسو اور معافی ان کا دل موم کردے اور کوئی معجزہ ہو جائے۔ اب تو اس کی جان بچانے کا ایک یہی راستہ ہے......"

"جی امی راستہ تو یہی ہے مگر آپ کو پتا ہے ناں اس کی طبیعت، جب وہ اپنے آپ کو ٹھیک کہتی ہے تو پھر دوسری بات نہیں کرتی۔ بالکل ابا جان پر گئی ہے۔ اَڑ جاتی ہے اور اسی وجہ سے تو آج اس پر برا وقت آیا ہے۔"

"پھر بھی بیٹا، میں کہتی اچھی نہیں لگتی۔ تم بڑی بہن ہو۔ تھوڑا سا بہلا پھسلا کر تھوڑا سے چمکار کر اسے سمجھانے کی کوشش تو کرو۔ زندگی بھر کسی دوزخ میں جلنے سے بہتر نہیں ہے کہ دو منٹ باپ کے سامنے اس کے قدموں پر سر رکھ کر آنسو بہالے۔ ہوسکتا ہے دلیل ہار جائے بیٹی کے آنسو جیت جائیں۔" صابرہ بڑے شکستہ لہجے میں کہہ رہی تھی اور آنے والے وقت کا سوچ کر شبینہ کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔ بڑی بے بسی کی کیفیت میں وہ ماں کی طرف بس دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"دادا جان آپ نے ٹھیک سے انٹرویو تو کرلیا تھا ناں...... کوئی ایسے ہی تو ادنگے بونگے سے ٹیوٹر نہیں رکھ لیے۔ آپ تو کہہ رہے ہیں وہ کوئی مرد ٹیچر ہے۔" کائناز تو مشکل سے مطمئن ہورہی تھی۔

"ہاں بیٹا لڑکا سا ہے۔ وہ بھی انجینئرنگ کا اسٹوڈنٹ ہے اور تمہاری لائن بھی انجینئرنگ کی ہے۔"

"او مائی گاڈ! ابھی تو وہ خود اسٹوڈنٹ ہیں مجھے کیا پڑھائیں گے......؟" کائناز نے آنکھیں پھاڑ کر شاہ عالم کی طرف دیکھا اور دھپ سے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

شاہ عالم بے ساختہ مسکرا دیے۔

"بیٹا بعض اوقات پروفیشنل ٹیوٹر سے یہ لڑکے اچھی ٹیوشن دے سکتے ہیں کیونکہ یہ ضرورت مند ہوتے ہیں تو وقت نکالتے ہیں۔"

"لیکن جب ان کا مجھ پر رعب ہی نہیں ہوگا تو خاک پڑھوں گی۔ دیکھیے ناں لڑکے کا بھی کوئی رعب ہوگا؟ میں تو سوچ رہی تھی کوئی موٹے موٹے گلاسز لگائے ہوئے آپ کی عمر کا بندہ آئے گا اور بڑے رعب سے کہے گا۔ "چلو بی بی پڑھنا شروع کرو" اور میں ڈر کے مارے پڑھنا شروع کردوں گی۔"

"بیٹا! جو شخص بھی آپ سے سینئر ہوتا ہے۔ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے اس کا تو ویسے ہی رعب ہوتا ہے جو بھی اپنے سے زیادہ قابل ہو اس کی عزت کرنی چاہیے۔ یہ رعب دعب کچھ نہیں ہوتا اصل چیز تو وہ عزت ہے جو ہم دوسرے کو دیتے ہیں یا دوسروں سے لیتے ہیں۔" شاہ عالم بہت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھانے لگے۔

"چلیں خیر، یہ تو ٹھیک ہوگیا۔ میرا ایک مسئلہ تو حل ہوگیا۔ تھوڑا سا ریلیکس فیل کررہی ہوں لیکن دادا جان کچھ بھی ہو اب میں خوش نہیں ہوسکتی۔" کائناز نے بڑی اداسی سے منہ لٹکا کر کہا تو شاہ صاحب فکرمند سے ہوگئے۔

"یا اللہ خیر! کیوں بیٹا، خدانخواستہ کیا ہوگیا؟ جو آپ خوش نہیں ہوسکتیں۔ خوش ہونے پر کوئی پابندی لگی ہے؟"

"دادا جان آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ میری اتنی پیاری دوست پریشان ہے۔ مجھے تو اس کی فکر زیادہ

ہے۔ اگر وہ فیل ہوگئی تو وہ جونیئر ہو جائے گی میں سینئر...... اور پھر ہمارا ملنا جلنا بھی بہت کم ہو جائے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے نقصان پر مجھے دکھ تو ہوگا ناں...... آپ خود بتائیں۔'' کائناز بڑی معصومیت سے دادا سے پوچھنے لگی۔

شاہ صاحب نے ایک گہری سانس لی اور جیسے خود کو سنبھالا انہیں بھی بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ ڈاکٹر مہر جان کے گھر پر کیسی قیامت برپا ہے۔ ظاہر ہے روما متاثر ہے تو کائناز پر تو اثر ہوتا ہی ہے۔ وہ ایسے الفاظ تلاش کرنے لگے جو اتنے مناسب تو ہوں کہ کائناز بہل جائے۔

''بتائیں ناں دادا جان، ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟'' کائناز نے انہیں خاموش پا کر پھر پوچھا۔ شاہ صاحب کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''بیٹا! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن جس دوست کی فکر آپ کو تنگ کر رہی ہے۔ اس دوست کو ایک بہت مضبوط دوست کی اس وقت ضرورت ہے جو اس کا حوصلہ بڑھائے، اسے گرنے نہ دے اور اس کے اندر اتنی توانائی بھر دے کہ وہ اتنے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ میں تو بہت دل سے دعا کر رہا ہوں بیٹا اس کے لیے مجھے بھی ان کے دکھ پر بہت دکھ ہے۔''

''اللہ تعالیٰ آپ ہی کی دعا سن لے دادا جان، مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اگر روما خوش نہیں ہوئی تو میری ساری زندگی اداس ہو جائے گی۔''

''خدا نہ کرے۔'' شاہ صاحب نے تڑپ کر بے ساختہ کہا تھا اور کائناز کو ہاتھ بڑھا کر اپنے قریب لے آئے۔

''بری بات ہے بیٹا ایسی مایوسی کی باتیں اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ آپ روما کا حوصلہ بڑھائیں بلکہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ آپ روما کو بھی ٹیوشن کے لیے بلالیں آپ دونوں ساتھ پڑھیں گی تو دونوں کا فائدہ ہوگا۔ وہ ہوتا ہے ناں کمبائن اسٹڈی کا بھی بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ آپ بھول گئیں تو وہ یاد دلائے گی۔ وہ کچھ بھول جائے گی تو آپ اس کی ہیلپ کر دینا۔'' یہ بات سن کر کائناز کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے دادا جان۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ اس طرح روما بزی ہو جائے گی۔ میں ابھی روما سے بات کرتی ہوں۔'' کائناز ایک دم پُرجوش ہو کر اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور اس نے یوں چٹکی بجائی تھی جیسے اس کا کوئی بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہو۔

شاہ صاحب دیکھ رہے تھے کہ وہ روما سے بات کرنے کے لیے فون کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

ستارہ، شبینہ کی شرٹ ہاتھ میں پکڑے بڑی تنقیدی نگاہ سے دیکھ رہی تھی پھر اس نے شرٹ کا گولا سا بنایا اور بیڈ کی طرف اچھال دیا۔

''پرانے کپڑے سی سی کر پہننے کی کیا ضرورت ہے؟ اب تو تمہاری ایک امیر آدمی سے شادی ہو رہی ہے۔ کتنے اچھے، اچھے مہنگے کپڑے آئیں گے اور پھر وہ تمہیں شادی کے بعد شاپنگ کے لیے بھی تو لے کر جائے گا ناں، اپنی پسند کے کپڑے خریدو گی جو مرضی خرید لینا۔ سنا ہے نئی نئی شادی ہوتی ہے تو دولہا بڑی اچھی شاپنگ کراتا ہے۔ وہ تو جب شادی پرانی ہو جاتی ہے۔ تب آٹے دال کے بھاؤ کی باتیں چلتی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے ستارہ بڑی شوخی سے مسکرا رہی تھی۔

شبینہ بیڈ پر سر جھکائے بہت خاموش، خاموش بیٹھی تھی۔ ستارہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ شاید وہ اتنی جلدی شادی ہونے اور گھر چھوڑ کے جانے کے خیال سے اداس ہو رہی ہے۔ وہ بہن کے برابر آ کر بیٹھ گئی اور بازو پھیلا کر اسے کندھے سے تھام لیا اور بڑے پیار سے اس کے سر سے اپنا سر ٹکا کر بولی۔

''تم نے تو بڑے دل و جان سے ابا جان کا فیصلہ مان لیا۔ اب کیوں اداس نظر آ رہی ہو؟''

شبینہ نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔

''اب تم چلی جاؤ گی ناں تو میرا کام ڈبل ہو جائے گا...... لیکن شکر ہے تمہاری جان تو چھوٹے گی یہ ہر وقت کی چیخ پکار...... توبہ کام سے پہلے ہی بندہ تھک جاتا ہے۔''

''اچھا بس اب چپ ہو جاؤ، بولے چلی جاتی ہو۔'' شبینہ نے چڑ کر اسے ٹوک دیا۔ ستارہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''بھئی زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے خود پر ظلم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فرمانبردار، تابعدار بیٹیوں کو سرٹیفکیٹ نہیں ملتے۔ زندگی بھر کا معاملہ ہے اب بھی سوچ لو۔'' ستارہ اپنے اسی.... بے ساختہ انداز میں گویا ہوئی۔

''خدا کے لیے ستارہ خاموش ہو جاؤ۔'' شبینہ نے..... دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ یوں جیسے کہ اسے چکر آ رہے ہوں۔

''سب مجھے ہی بس خاموش کراتے رہتے ہیں۔ میں بھی خاموش ہوگئی تو یہ گھر قبرستان لگے گا شہرِ خموشاں۔ ایک میں ہی تو بولتی ہوں۔'' ستارہ نے یہ کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھی، پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

شبینہ کے چہرے سے لگتا تھا جیسے اس کے اعصاب شل ہو رہے ہوں۔ بے بسی کی انتہا پر چند آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپکے اور گالوں سے پھسلتے ہوئے گریبان میں جذب ہو گئے۔ وہ ایک آنے والی قیامت کے خوف سے لرزاں تھی۔

☆☆☆

گل جان، بی بی جان کے کمرے کی صفائی کر وا رہی تھی۔ اس نے مہر جان کی پسندیدہ بیڈ شیٹ بیڈ پر بچھائی اور غور سے دیکھنے لگی۔ سرخ بڑے بڑے گلاب سفید زمین پر بکھرے ہوئے بہت حسین دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سرخ گلاب کے پھولوں کو بہت غور سے دیکھنے لگی اور جیسے ماضی کا ایک بند دریچہ کھل گیا تھا۔

☆☆☆

مہر جان لان سے بہت سارے گلاب توڑ کر اندر آ رہی تھی اور اصیل خان بڑی تیزی سے باہر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ گلاب کے پھولوں میں اتنی محو تھی کہ اپنی دُھن میں اصیل خان سے ٹکرا گئی۔ اصیل خان کو تو جیسے اس سے قریب ہونے کا بہانہ چاہیے تھا۔ اس نے مہر جان کو دونوں کندھوں سے تھام لیا۔

''ڈارلنگ دیکھ کے چلو، ضروری نہیں ہر دفعہ اصیل خان سے ٹکر ہو جائے۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے اس.... بے چارے کا دل نیچے پڑا ہو اور تمہارے قدموں تلے آ کر کچلا جائے۔'' وہ بہت مخمور و مدہوش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ تم نے ڈارلنگ کسے کہا؟'' مہر جان اس کی طرف دیکھ کر دانت پیس کے بولی۔

''اپنی ڈارلنگ کو اور کسے...... کسی اور کی ڈارلنگ کو تو اپنی ڈارلنگ نہیں کہا جاسکتا ناں......؟ جوتے کھانے کا شوق نہیں ہے مجھے۔'' وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔

''بات سنو...... میرے ساتھ اس طرح کے بیہودہ مذاق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھے یہ چیپ باتیں بالکل پسند نہیں سمجھے تم؟'' مہرجان نے سارے گلاب کے پھول کارپٹ پر پھینک دیے اور دونوں ہاتھوں سے اصیل خان کا ہاتھ دبوچ لیا اور اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے بولی۔

''کیوں، تم میری ہونے والی بیوی نہیں ہو؟ مجھے صرف مذاق ہی کرنا ہوگا تو میں کہیں اور کسی محلے کی لڑکی کو چھیڑوں گا۔''

''پتا نہیں کتنوں کو چھیڑتے ہوگے۔ یہاں پر بڑے آجاتے ہیں پارسا بن کر۔''

''ابھی تک ناراض ہو؟ مہرجان اتنا غصہ نہیں کرتے۔ میں صحیح بتا رہا ہوں یار میں بہت برا پھنسا ہوا تھا۔ دیکھو معاف کردو۔ جب تک تمہارا موڈ ٹھیک نہیں ہوگا، مجھے ٹھیک سے نیند آئے گی نہ بھوک لگے گی۔ ایک ہفتے میں ہی لمبا بیمار پڑ جاؤں گا۔ پھر خود ہی کو بیٹھ کر تیمارداری کرنا پڑے گی...... چلو خیر کسی بہانے ہی سہی میرے پاس کئی دن بیٹھی تو رہوگی۔''

''میں تمہاری ان چکنی چپڑی باتوں میں آنے والی نہیں اصیل خان...... پتا نہیں کیوں تم جو کچھ کہتے ہو مجھے یقین نہیں آتا۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے لگی۔ اصیل خان نے اس کا بازو پکڑ کر روک لیا تھا اور اس کے گال کو انگلی سے چھو کر کہا تھا۔

''بہت مزہ آتا ہے مہرجان تمہیں...... تڑپتا ہوا بہت اچھا لگتا ہوں کیا میں...... ویسے ہی کہہ دو۔''

مہرجان نے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

''تم ہمیشہ خاص مواقع پر غائب ہوتے ہو اصیل خان۔ جب مجھے تمہارے فون کا انتظار ہوتا ہے۔ تبھی تمہارا فون نہیں آتا۔ جب کراچی چلے جاتے ہو تو تمہارا کوئی پتا نہیں چلتا کہ تم کہاں ہو، کیا کر رہے ہو۔ ہفتہ دس دن میں فون آتا ہے۔ وہ بھی ایسا فارمل سا...... جیسے پتا نہیں پورا پاکستان تم ہی چلا رہے ہو۔''

''یار یقین کرو، میں بہت بزی ہوتا ہوں۔ نیا نیا سیٹ اپ ہے۔ دن رات کام کرنا پڑتا ہے لیکن سارا الزام مجھ پر نہیں ہے۔ میں تو جب یہاں فون کرتا ہوں تو پتا چلتا ہے کہ تم ویک اینڈ پر بھی گھر نہیں آئیں۔ ہاسٹل میں مزے کر رہی ہو۔''

''میں وہاں مزے نہیں کرتی، پڑھتی ہوں سمجھے۔'' مہرجان نے اسے غصے سے گھورا اور ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر آگے بڑھ گئی۔ وہ لاؤنج سے باہر نکلی تبھی گل جان اندر آگئی۔ اس نے اصیل خان کو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھا تو شرارت سے کھنکھارتے ہوئے بولی۔

''کیا ہوا ہے، آج پھر مذاکرات ناکام ہوگئے؟''

''تم بہت مذاق اڑاتی ہو۔ ایک دن تم سے بھی گن گن کر بدلے لوں گا۔ تم میری وکیلِ صفائی نہیں بن سکتیں کیا؟''

''جی نہیں، مجھے سرکاری وکیل بننے کا کوئی شوق نہیں اور سرکاری وکیل کو تو پھر بھی کچھ فیس مل جاتی ہے، مجھے مفتے کا وکیل بننے کا کوئی شوق نہیں۔''

''بولو کیا فیس ہے تمہاری؟ یہی دو چار شیشے اور گھنگرو والے پراندے اور دس پندرہ کلو آئس

کریم......'' اصیل خان دھپ سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور اس نے قریب کھڑی گل جان کی چوٹی کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا تھا۔

''ہاں جیسے بڑی آئس کریم کھلاتے ہو۔'' گل جان نے یہ سن کر اصیل خان کے بال بکھرا دیے تھے اور بناوٹی غصے سے بولی تھی۔

''لا رہا تھا کراچی سے باہر ہی پھینکنی پڑی ساری پگھل گئی تھی۔'' وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔

''ارے، یہ اتنے سارے گلاب کے پھول یہاں کس نے پھینک دیے؟'' گل جان ہنستی ہوئی اس کے برابر میں ہی بیٹھ گئی اور بیٹھتے ہی اس کی نظر کارپٹ پر پڑے ہوئے پھولوں پر پڑی۔

''اسی ظالم نے جسے کسی کے پھول جیسے دل کا کوئی خیال نہیں۔'' اصیل خان نے ٹھنڈی آہ بھر کر جواب دیا تھا۔

گل جان ہنس ہنس کر لوٹ رہی تھی۔

☆☆☆

ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ گل جان ایک دم اپنے خیالات سے باہر آگئی۔ اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور خود کلامی کی کیفیت میں بولتی تیزی سے باہر کی طرف بڑھی۔

''اوہ میرے خدایا! شاید اسپتال سے ہی فون ہوگا۔ اللہ کرے اچھی خبر ہو۔'' وہ لاؤنج میں آئی تھی پھر اس نے دیکھا اصیل خان اس سے پہلے لاؤنج میں آکر فون اٹھا چکا تھا۔ وہ جہاں تک آئی تھی وہیں رک گئی اور رک کر اصیل خان کی طرف دیکھنے لگی۔ جو ٹیلی فون پر بات کرنے میں مصروف تھا۔

''جی، جی واسطی صاحب میں ڈاکٹر صاحبہ کے گھر سے ہی بات کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کو پہچان لیا۔ آپ سے پہلے بھی بات ہوئی تھی۔'' اتنا کہہ کر وہ جیسے دوسری طرف کی بات سننے لگا۔

گل جان کا پورا وجود سماعت بنا ہوا تھا۔ وہ ایک دم چوکس ہو کر اصیل خان کے منہ سے نکلنے والے ایک، ایک لفظ کو سن رہی تھی۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں...... کراچی پہنچ گئی۔ گرفتار کر کے لائے ہیں...... جی، جی...... جی ہاں...... جی ہاں وہ ڈاکٹر صاحبہ کی ملازمہ ہی ہے۔ جی وہ ڈاکٹر صاحبہ تو ابھی تک اسپتال میں ہی ہیں۔ بہرحال میں ان کو یہ اچھی خبر سنا دوں گا۔ آپ کی بہت مہربانی۔'' اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ ریسیور رکھ کر پلٹا تو گل جان کو اپنی طرف دیکھتا پا کر نظریں جھکا لیں۔

''کس کا فون تھا اصیل خان؟ اور کس کی گرفتاری کی بات ہو رہی تھی؟'' گل جان سکتے کی کیفیت میں اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''وہ گل جان بی بی، رابی کو پولیس گرفتار کر کے کراچی لے آئی ہے...... یا لا رہی ہے، مجھے ٹھیک سے سمجھ نہیں آئی۔''

گل جان نے آنکھیں پھاڑ کر اصیل خان کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے اصیل خان کی بات سمجھ ہی نہ آئی ہو۔ پھر ایک دم جیسے چونک پڑی تھی۔ آنکھوں میں خوف کے سائے متحرک تھے۔

☆☆☆

صابرہ کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ ستارہ اور شبینہ اپنے کمرے میں تھیں۔ جابر علی کافی دیر پہلے دفتر سے گھر

WWW.PAKSOCIETY.COM

آچکا تھا اور رات کا کھانا کھا کر صحن میں اب ٹھنڈی ہوا کھا رہا تھا۔ صابرہ کو تو اس طرف سے گزرتے ہوئے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا جیسے جابر علی اسے دیکھے گا اور کوئی ایسی بات بولے گا جو اس کی رات کی نیند اُڑا کر رکھ دے گی۔ اسی لیے وہ چپ چاپ اپنے کاموں میں مصروف تھی۔ برتن بھی اتنی احتیاط سے دھو رہی تھی کہ کھڑپڑ کی آواز باہر نہ جائے مگر اسی وقت گھر میں پھیلا ہوا جامد سناٹا کال بیل کی آواز سے ٹوٹ گیا۔

''یا اللہ، اب رات کو کون آ گیا۔ ہوسکتا ہے کوئی جابر علی سے ملنے آیا ہو۔ اب برہان کو پوچھنے والے تو نہیں آئیں گے۔'' برہان کا خیال آتے ہی اس کے سینے میں جیسے ایک ہوک اٹھی تھی۔ وہ کچن میں ہی سن رہی تھی کہ جابر علی اٹھ کر دروازہ کھولنے گیا ہے۔ اس کے کان باہر ہی کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ بہرحال، ایک تجسس تو تھا کہ کون آیا ہے پھر اس نے جابر علی کی بڑی گرم جوش آواز سنی۔ یہ انداز، یہ آوازا تنے کم ہو گئے تھے کہ جب کبھی جابر علی کی طرف سے مظاہرہ ہوتا تھا تو وہ بے یقینی کی کیفیت میں ڈوب جاتی تھی کہ آیا وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا جگ آہستگی سے رکھ دیا اور اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھنے لگی۔ اس وقت جابر علی کی آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''بھئی وہ شبینہ کی ماں کہاں ہو، کیا کر رہی ہو؟'' وہ غالباً اسے اِدھر اُدھر تلاش کر رہا تھا۔ صابرہ جلدی سے آگے بڑھی اور کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

''جی، میں اِدھر کچن میں کام کر رہی ہوں۔''

''وہ وارث علی آیا ہے۔ چائے پانی کا بندوبست کر لو۔'' جابر علی نے بالکل مشینی انداز میں کہا اور جانے کے لیے واپس پلٹ گیا۔

''وہ بات سنیں کیا وارث علی...... وارث علی میں سمجھی نہیں۔'' صابرہ جتنا کچھ سمجھ گئی تھی وہ اسے خوف زدہ کر رہا تھا۔ وہ جابر علی کے منہ سے یہ سننا چاہتی تھی کہ آنے والا مہمان وہ نہیں ہے جس کے آنے کے خیال سے وہ سہم گئی ہے لیکن یہ تو خود کو دھوکا دینا ہی تھا۔ اگر وہ اس وقت نہیں آیا تھا مگر کبھی نہ کبھی آنے والا تو تھا، جابر علی نے اس کا الجھا ہوا سوال دیکھ کر گھور کر دیکھا تھا اور بہت آواز دبا کر بولا تھا۔

''بھئی وارث علی جس سے ستارہ کی شادی کر رہا ہوں۔'' صابرہ کی رہی سہی جان بھی جیسے نکل گئی تو یعنی اب آنا جانا شروع ہو گیا۔ اس کا دل بیٹھنے لگا اس بھیانک حقیقت کو پھر قبول تو کرنا ہی تھا۔ کاش وہ کھڑے کھڑے مر جاتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا کچھ سہنے کی ابھی طاقت باقی ہے۔ آخر ایسا کیا ہوتا ہوگا کہ انسان کھڑے کھڑے مر جاتا ہوگا لیکن کسی کو آج تک کھڑے کھڑے مرتے نہیں دیکھا۔ اسی لیے اللہ نے کہا ہے کہ وہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ نہیں ڈالتا۔

''یا اللہ سہہ تو رہے ہیں لیکن کس طرح یہ تو جانتا ہے۔ مجھ پر رحم کر دے۔'' اس کی آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہنے لگے اس نے یوں قدم بڑھائے جیسے من من بھر کے ہو رہے ہوں، بہرحال چائے تو بنانا تھی۔

ستارہ تو شاید چھت پر تھی۔ شبینہ البتہ اپنی عادت کے مطابق کوئی مصروفیت نکالے بیٹھی تھی۔ شاید آج پرانے کپڑے الگ کرنے کا کام لے کر بیٹھ گئی تھی۔ زندگی کو ہلکا پھلکا تو کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

یوں بھی اس معاشرے میں جس عورت کی پشت کمزور ہو اسے تو اپنا انسان ہونا بھی یاد نہیں رہتا۔ ماں مر گئی تو دن رات خوش قسمت عورتوں پر رشک کرنے اور کڑھتے رہنے والی تائی نے تایا کے خوف سے پرورش کی۔

اس کا اتنا خیال رکھا کہ سال میں تین چار مرتبہ ڈائریا ہو جاتا تھا کسی معصوم بچے پر ڈائریا کے جلدی جلدی حملے جنت میں پہنچنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔

مگر پھر جابر علی کا کیا ہوتا۔ ایک سہمی ہوئی کنیز کیسے میسر آتی؟ کنیز بھی ایسی کہ قدیم یونان کی غلامی کی مکمل پروفائل۔ آدابِ غلامی اتنے مکمل کہ تہذیب شرمائے۔

ماں بننے کا عمل اس کی زندگی میں پہلا ٹھنڈی ہوا کا خوشگوار جھونکا تھا۔ تین جگر کے ٹکڑے، آنکھوں کا نور، کلیجے کی ٹھنڈک۔ انہیں پا کر اتنی مصروف و مگن ہوئی کہ بختی، ظلم، بدنصیبی جیسے الفاظ بے معنی ہو کر رہ گئے۔

مگر پانی ڈھلان کی طرف ہی بہتا ہے۔ دکھوں کو بھی ایک ڈھلوانی رستہ چاہیے ہوتا ہے اور شاید وہ بہترین ڈھلان تھی۔ اِدھر اُدھر سے دکھ لڑھکتے اس تک پہنچ ہی جاتے تھے۔

''امی کون آیا ہے۔ ابا کس کی بات کر رہے تھے......؟'' صابرہ جیسے ہی کچن میں آئی فوراً ہی شبینہ اس کے پیچھے چلی آئی اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے آواز دبا کر ماں سے بولی۔

''وہی آیا ہے وارث علی......'' شبینہ کے سوال پر صابرہ نے اس کی طرف دیکھا اور سمجھ گئی کہ شبینہ نے شاید ماں باپ کی بات سن لی ہے۔ اس نے گہری سانس لی اور بہت افسردہ سے انداز میں گویا ہوئی۔

''اوہ...... آپ کا مطلب ہے وہ وارث علی جس سے رشتے کی بات چل رہی ہے۔''

صابرہ نے شبینہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کیتلی میں چائے بنانے کے لیے پانی ڈالنے لگی۔

''امی آپ جائیں آرام کریں۔ میں بناتی ہوں چائے۔'' شبینہ نے ماں کے ہاتھ سے کیتلی لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹا بنا لیتی ہوں چائے، تم جاؤ پڑھائی کرو۔'' صابرہ نے خالی خالی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''امی کہہ رہی ہوں ناں میں بنا لیتی ہوں۔ آپ جائیں پتا نہیں اتنی رات کو کیا ضرورت تھی آنے کی۔ عجیب شخص ہے۔ شام کو بھی تو آ سکتا تھا۔'' شبینہ چولھا جلا کر بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔

صابرہ اپنی جگہ گم صم کیفیت میں کھڑی تھی جیسے اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ شبینہ کی بات سن کر بھی اس نے کوئی ردِعمل نہیں ظاہر کیا اور بدستور اپنی جگہ کھڑی جانے کیا سوچتی رہی۔

''امی چپکے سے جا کر سنیں تو سہی کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ اتنی رات کو کیوں آیا ہے؟'' شبینہ نے کیتلی چولھے پر رکھی اور مڑ کر ماں کی طرف دیکھا پھر اس کے قریب آ کر سرگوشی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''بیٹا چھپ کر سنیں یا سامنے جا کر کوئی فرق پڑتا ہے؟ یہ بتاؤ ستارہ کیا کر رہی ہے سو گئی ہے کیا؟'' صابرہ نے خالی خالی آنکھوں سے شبینہ کی طرف دیکھا اور بڑی اداسی سے مسکرائی۔

شبینہ نے بے اختیار دروازے کی طرف نظر اٹھائی اور انکار میں سر ہلا دیا۔

''جاگ رہی ہے امی، کوئی ناول وغیرہ پڑھ رہی ہے شاید۔'' صابرہ نے زور سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''ارے یہ ناول وغیرہ کہاں سے اٹھا کر لے آئی پھر سے۔ تمہارے ابا کی نظر پڑ گئی تو پھر مسئلہ شروع۔ انہوں نے تو بڑی سختی سے پابندی لگائی ہوئی ہے کہ گھر میں کوئی رسالہ، ناول نہیں آئے گا۔ ان کا خیال ہے کہ یہ رسالے، ناول پڑھ کر لڑکیاں خراب ہو جاتی ہیں۔ کیا اسے پتا نہیں ہے کہ اس کا

باپ منع کرتا ہے۔ کیا کروں اس لڑکی کا۔'' صابرہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے جانے لگی اور شبینہ چائے کے کپ ٹرے میں لگانے لگی۔

☆☆☆

وارث علی زیورات کے کئی ڈبے کھولے جابر علی کے سامنے بیٹھا تھا اور بڑے فخریہ انداز میں اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر اس کے تاثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ آپ نے بہت تکلف کیا وارث علی! میں نے آپ سے کوئی ڈیمانڈ کی نہ فرمائش۔ میری طرف سے آپ دو کپڑوں میں نکاح کر کے بچی کو لے جائیں۔ میں یہ نمود و نمائش اور دکھاوے کا قائل نہیں ہوں۔'' جابر علی تو زیورات کا ڈھیر دیکھ کر جیسے اپنے حواس ہی کھو بیٹھا تھا۔ اس نے بہرحال خود کو سنبھال کر بہت پُروقار انداز میں وارث علی کو اتنا تو احساس دلا دیا تھا کہ مادیت کے اس اظہار سے وہ بالکل بھی متاثر نہیں ہوا۔

''آپ نے کیا بات کی جناب! میں یہ سب کچھ اس لیے تو نہیں لایا کہ آپ دنیا کو دکھائیں اور بتائیں کہ لڑکی کی سسرال سے اتنا زیور آیا ہے، یہ تو میں آپ کے لیے لایا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کی بیٹی کے لیے ہے۔ آپ کی بیٹی کی ملکیت ہے۔'' وارث علی نے بہت مؤدبانہ اور مہذبانہ انداز میں کہا تھا۔

اس کی سادگی اور عاجزی پر جابر علی تو جیسے مر ہی مٹا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کتنے بے وقوف ہیں اس کے گھر والے خبر ہی نہیں انہیں کہ اللہ نے کتنی بڑی نعمت سے نواز دیا ہے۔ شکر کرنا چاہیے اس دور میں تو اچھے رشتے ملنا ویسے ہی ایک مسئلہ ہے۔ پتا نہیں ہزاروں لڑکیاں باپ کی دہلیز پر بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں مگر ان لوگوں کو اللہ کا شکر ادا کرنا نہیں آتا۔

''تو انکل آپ یہ سنبھال لیجیے۔ میرا مطلب ہے کہ امی کے حوالے کر دیجیے تاکہ وہ سنبھال کر رکھ دیں۔'' وارث علی بہت ننھا بن کر یوں کہہ رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی اٹھارہ بیس سال کا لڑکا ہو۔

جابر علی نے لاشعوری طور پر اس پر ایک نگاہ کی۔ اس سے عمر میں بہ مشکل چار یا پانچ سال ہی چھوٹا تھا۔ یہ بھی زندگی کا انوکھا تجربہ تھا کہ ہم عمر دکھائی دینے والا اسے انکل کہہ رہا تھا بلکہ اب تو اس نے کہتے ہی رہنا تھا۔

وارث علی نے تمام زیورات کے ڈبے بند کیے پھر اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر بہت ادب، تمیز اور عاجزی کے ساتھ جابر علی کو پیش کیے۔ جابر علی نے وہ ڈبے تھام لیے، جانے کیوں ڈبے تھامتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ شاید دولت میں بہت قوت تھی جو اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھی۔ اس کے ہاتھ یہ بوجھ بہ دقت سنبھال رہے تھے۔

''میں ابھی گھر والی کے حوالے کر کے آتا ہوں اور چائے بھی لاتا ہوں۔ میرا خیال ہے تیار ہو گئی ہوگی۔''

وہ ڈبے لے کر کمرے سے باہر نکلا تو وارث علی نے ایک زوردار انگڑائی لی اور صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ ''دولت اچھے اچھوں کے پول کھول دیتی ہے۔ ہاتھ آئی دولت کو ٹھکرانا کوئی آسان نہیں۔'' وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

جابر علی زیورات کے ڈبے اٹھائے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں ہی اس کی نظر صابرہ پر پڑ گئی۔ اس نے صابرہ کو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کے لیے کہا۔

صابرہ بھی زیورات کے ڈبے دیکھ چکی تھی۔ اتنے سارے ڈبے دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا۔ طرح،

طرح کے وہم ستانے لگے۔ ''یہ کون ہے، کیوں ہم پر اتنی مہربانی کر رہا ہے۔ اتنا سارا زیور...... اس کے خاندان کا کوئی شخص ہمارے گھر آیا ہے۔ نہ کوئی ماں، بہن، خالہ، پھوپی، تائی، چچی۔ یا اللہ میرا دل کیوں گھبرا رہا ہے۔'' وہ جابر علی کی تقلید میں اس کے پیچھے چلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو جابر علی نے پلٹ کر صابرہ کی طرف دیکھا۔

''یہ سنبھال کر رکھ دو...... بلکہ رکھنے سے پہلے کھول کر دیکھ لو۔ ویسے تو یہ ہمارے پاس امانت ہیں مگر تمہاری بیٹی کی لاٹری نکل آئی ہے۔ دیکھو تو سہی کس قدر زیور لے کر آیا ہے۔ تم عمر کو رو رہی تھیں۔ ارے مرد کماؤ ہونا چاہیے شریف ہونا چاہیے اور ان دونوں باتوں کے ساتھ ساتھ اگر وہ پانچ وقت نماز بھی پڑھتا ہے تو سمجھو کہ ہمارے بھاگ کھل گئے۔ خوش نصیبی نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔ ایسے نیک داماد تو نصیب سے ملتے ہیں۔'' وہ صابرہ کو ڈبے پکڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''چائے ابھی تک نہیں تیار ہوئی ہے'' وہ کمرے سے باہر نکلنے لگا تو اچانک خیال آیا کہ صابرہ تو چائے بنانے گئی تھی۔

''ہاں، وہ میرا خیال ہے شبینہ نے بنا لی ہوگی۔''

جابر علی یہ سن کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ یقیناً اس کا رخ کچن کی طرف تھا جہاں سے اس نے چائے کی ٹرے اٹھانا تھی۔ اس کے نکلتے ہی ستارہ اندر آئی تھی۔ شاید وہ جاننا چاہتی تھی کہ گھر میں کون مہمان آیا تھا اور اس کا اندازہ تھا کہ ماں یا تو کچن میں ہوگی یا کمرے میں اس لیے وہ اپنے کمرے سے نکل کر پہلے ماں کے کمرے میں چلی آئی تھی لیکن ماں کے ہاتھ میں اتنے سارے زیورات کے ڈبے دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ حیرت اور خوشی کا تاثر بہت واضح تھا۔

''امی اتنا سارا زیور؟'' صابرہ نے ڈبے ایک دم پیچھے کر لیے۔

''اچھا چھوڑو، جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔''

''امی آپ دکھائیں تو سہی۔ زیور دیکھنے کا تو سب کو شوق ہوتا ہے۔ واہ بھئی واہ۔ شبینہ کی تو لاٹری نکل گئی۔ ایک دم سے اتنا سارا زیور...... یہ سارا گولڈ کا ہے؟ آرٹیفشل تو نہیں ہے؟ کھول کر تو دکھائیں۔''

''ابھی مہمان گھر میں ہیں۔ آواز نیچی کرو کیوں مری جا رہی ہو۔ یہیں پڑے ہیں دیکھ لینا، دیکھتی رہنا۔'' صابرہ نے دانت پیس کر ستارہ کی طرف گھورا اور دبی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔

صابرہ نے پٹخنے کے انداز میں وہ تمام ڈبے بیڈ پر رکھ دیے۔ ستارہ کو ماں کے انداز پر تھوڑی سی حیرت تو ہوئی مگر زیورات دیکھنے کی لگن نے اسے کچھ اور سوچنے کی مہلت نہیں دی۔ اس نے ماں کے تاثرات یکسر نظرانداز کر کے جلدی جلدی ڈبے کھول کر دیکھنا شروع کیے جو جو ڈبا کھولتی جاتی تھی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جاتی تھیں۔

''امی دیکھیں تو سہی آپ نے تو شاید ابھی تک دیکھے ہی نہیں ہیں کس قدر خوب صورت سیٹ ہیں اور امی یہ جھومر...... او میرے خدایا کتنا بڑا جھومر، یہ تو پتا نہیں کتنے لاکھ کا ہوگا۔ آج کل سونا بھی کتنا مہنگا ہو رہا ہے۔''

''میں کہہ رہی ہوں بس بند کرو۔ گھر میں مہمان ہیں اگر سن لیا تو کیا سوچیں گے کہ کتنے بھوکے ہیں ہم لوگ زیور، کپڑے کے، بند کرو جب مہمان چلے جائیں گے دیکھ لینا، لاؤ مجھے دو اٹھا کر رکھتی ہوں۔'' صابرہ نے پھر اس کی طرف گھورا۔

''امی پلیز دیکھنے تو دیں مجھے، یہاں کون آ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ یہ بندہ تو کہیں سے ڈاکا مار کر

ہمارے گھر زیور چھپانے لے آیا ہے۔''

صابرہ نے اپنا ہاتھ اب یوں بلند کیا جیسے ستارہ کو تھپڑ لگا دے گی۔

اس نے جلدی سے اپنا سر جھکا لیا اور ڈبے بند کر دیے۔

''امی اب بہت زیادہ چھپا کر نہ رکھ دیجیے گا۔ سب نہیں دیکھے ہیں میں نے، مہمان چلے جائیں تو تب دیکھوں گی۔'' وہ یہ کہہ کر بڑے آرام سے مسکراتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

صابرہ نے اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا تھا گویا اپنی بے بسی پر مہر لگائی تھی۔

☆☆☆

وارث علی چائے پی کر فوراً ہی چلا گیا تھا۔ شبینہ کچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں آئی تو اس نے دیکھا کہ ستارہ بے چینی سے اس کی منتظر ہے اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ چہرہ تمتما رہا تھا۔

''ارے یہ تو سچ مچ بہت امیر آدمی ہے۔ تم نے دیکھا کتنا زیور لے کر آیا ہے۔ ارے واہ، ہم تو ایک رات میں ہی امیر ہو گئے اسے کہتے ہیں اوور نائٹ چینج...... واقعی تم بہت لکی ہو۔''

''اچھا بس کرو۔ تمہارے پاس یہ فضول باتیں کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اتنی رات ہو گئی ہے۔ سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔ صبح کالج بھی جانا ہے۔''

''کالج جانے کی کیوں فکر ہو رہی ہے اور کالج جا کر تمہیں کیا ملے گا جو ملنا تھا وہ تو مل گیا۔ بھئی میرا مطلب ہے اتنا امیر آدمی۔ فالتو میں کیوں اپنی جان کھپاتی ہوں۔''

''ستارہ تم بس بولے چلی جاتی ہو۔ کوئی بیماری ہے تمہیں کیا...... بہت رات ہو گئی ہے۔ صبح کو آنکھ نہیں کھلی ناں نماز کے وقت تو دیکھنا اباجی کی صلواتیں سن کر ہی اٹھو گی۔'' شبینہ نے آف موڈ میں اس کو ایک طرح سے ڈانٹ دیا۔ وہ بہت الجھی ہوئی تھی۔ ایک بہت بڑا پہاڑ سر کرنا باقی تھا۔ اس میں تو بہرحال اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ستارہ کو لے کر بیٹھتی اور بتاتی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے۔ لیکن اتنا اہم مرحلہ طے ہونا باقی تو تھا اور ظاہر ہے اس کی بے چاری مجبور سی ماں نے ہی یہ مرحلہ طے کرنا تھا۔ اب بعد میں جو بھی ردِعمل آئے۔ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کے مترادف ہوگا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' ستارہ نے شبینہ کو بڑی گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر بے ساختگی سے پوچھا تھا۔

''بھئی میں کچھ بھی سوچوں، تم سے مطلب اور میں جو کچھ بھی سوچوں گی ناں تم سے شیئر نہیں کروں گی۔ چبھ رہی ہے میرے کانوں میں تمہاری آواز...... بندے کو ایک دفعہ بول دیتے ہیں تو مان بھی لینا چاہیے۔'' شبینہ یہ کہہ کر دھپ سے بستر پر اوندھی لیٹ گئی یوں جیسے وہ اپنے چہرے کے تاثرات بھی چھپا رہی ہو۔ وہ دکھ جو امنڈ امنڈ کر اس کی آنکھوں سے جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ستارہ کو اس کا شائبہ بھی محسوس ہو۔

''اتنا دل چاہ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر وہ سارے زیور دیکھوں گی مگر تم تو بہت بور ہو۔ اتنے سارے زیور دیکھ کر تو لڑکیاں پاگل ہو جاتی ہیں۔ چلو ای کے بقول عمر کا زیادہ ہے تو کیا ہوا۔ امیر بندہ تو ہے۔ امیر بندے کی بیوی کی اپنی ہی ٹور ہے۔ کیا شان ہوتی ہے...... کون دیکھتا ہے جب ایک عورت لگژری کار سے نیچے اترتی ہے کہ اس کا میاں بڈھا ہے کہ جوان۔'' ستارہ عادت سے مجبور تھی۔ بولے بنا رہ نہ سکی لیکن شبینہ نے بھی بڑے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ کیونکہ اس کا کلیجا دکھ سے پھٹ رہا تھا۔ وہ ستارہ پر غصہ نہیں ہو رہی تھی یہ تو بظاہر غصہ

تھا درحقیقت تو بہن کے غم سے ٹوٹ رہی تھی۔

ستارہ نے کوئی جواب نہ پا کر برا سا منہ بنایا اور تیز روشنی بجھا کر اپنے بستر پر چلی آئی۔ اسے تو یہی محسوس ہوا تھا کہ شبینہ اس بڑے عمر کے آدمی سے شادی پر خوش نہیں ہے۔ اس لیے اتنا چڑ کر بات کر رہی ہے۔

☆☆☆

اصیل خان رات کے آخری پہر عالمِ استغراق میں دعائے نیم شب کے عمل سے گزر رہا تھا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ دعا کر رہا تھا۔ ''یا اللہ جو ایک نئی قیامت آنے والی ہے۔ مجھے وہ منظر دکھانے سے پہلے موت دے دے۔ میں اس لائق تو نہیں ہوں کہ میری سزا مختصر ہو مگر میرے گناہ سے بڑا تو تیرا رحم ہے۔ مجھے معاف کر دے میرے مالک...... شاید وہ منظر دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں۔ تو رحمٰن اور رحیم ہے اور میں ازل سے خطا کا پتلا۔ تجھے تو سزا دینے کے لیے کوئی اور بھی مل جائے گا میرے رب مگر مجھے معاف کرنے والا مجھے بخشنے والا تیرے سوا اور کون ہے؟'' یہیں تک وہ دعا مانگ سکا۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ الفاظ ذہن میں تو تھے لیکن لبوں تک آنے سے قاصر تھے۔ اس کا وجود ہچکیوں کی زد میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی شکستہ کشتی گرداب میں پھنسی ہوئی ہو۔

☆☆☆

''روما مجھے کچھ نہیں پتا، آنٹی کو اب ہوش آ گیا ہے۔ اب تمہیں ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں۔ انشاء اللہ وہ دو چار روز میں گھر آ جائیں گی۔ بس آج تم میرے ساتھ ٹیوٹر سے پڑھو گی۔'' کائناز کالج سے سیدھی روما کے پاس چلی آئی تھی۔

''لیکن کائناز اب پتا نہیں اماں جان ٹیوٹر سے پڑھنے کی اجازت دیں گی یا نہیں، میں ان سے پوچھے بغیر کیسے ٹیوشن لے سکتی ہوں۔ تم خود ہی سوچو تمہیں تو سب پتا ہے ناں۔'' روما ڈبل مائنڈڈ سی ہو کر کہہ رہی تھی۔

کائناز ایک لمحے کے لیے خاموش ہو کر رہ گئی۔ جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو پھر ایک اچھی امید کے ساتھ روما کی طرف دیکھ کر بولی۔

''دیکھو میرا خیال ہے کہ آنٹی اب پہلے والی سختی نہیں کریں گی اور تم کون سا غلط کام کر رہی ہو۔ تم پڑھائی تو کرو گی ناں۔ وہ پڑھنے سے کیوں منع کریں گی۔'' کائناز نے اصرار کے انداز میں کہا تھا جیسے اب روما کو اس کی بات ماننا ہی پڑے گی۔

''میرا خیال ہے کائناز، اماں جان اجازت نہیں دیں گی۔ آج تک انہوں نے ٹیوشن پڑھنے کے بارے میں کبھی کوئی بات ہی نہیں کی اور نہ کبھی میں نے ان سے کہا کہ مجھے کسی سبجیکٹ میں ٹیوشن کی ہیلپ کی ضرورت ہے۔ یہ ان کے لیے ذرا نئی سی بات ہوگی۔''

''بس تم چھوڑو نئی بات ہوگی۔ کبھی تو نئی بات ہوتی ہے ناں، کہہ دینا تم کہ بھئی تمہیں میتھ بڑا مشکل لگ رہا ہے۔ تمہیں ڈر ہے کہ تمہاری پرسنٹیج اچھی نہیں آئے گی۔ ابھی وقت ہے کچھ اچھا ہو سکتا ہے۔'' کائناز نے ایک وکیل کے انداز میں اس سے جرح کی۔

روما کا تو بہت دل چاہ رہا تھا کہ کائناز کے ساتھ کا یہ موقع ہاتھ سے نہ جائے لیکن جو کچھ چند دنوں پہلے گھر میں ہوا تھا۔ وہ اتنی زیادہ محتاط ہو چکی تھی کہ خود سے کچھ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جب پہلے بھی فیصلہ نہیں سنایا، ضد نہیں کی تو اب تو صورتِ حال بہت نازک تھی۔

''کائنات میں اماں جان سے بات کر کے پھر تمہیں کچھ بتا سکتی ہوں اور جو کچھ تم ٹیوٹر سے پڑھو گی میں اسے فالو کر لوں گی۔ کالج میں تم سے پوچھ لوں گی۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی اور یہ ہچکچاہٹ اس وجہ سے تھی کہ وہ واقعی کائنات کے ساتھ ٹیوشن لینا چاہتی تھی۔ گھنٹا دو گھنٹا اس بہانے اس کے ساتھ بیٹھنا چاہتی تھی۔ اس کے قریب رہنا چاہتی تھی۔ یہ تو ایک بہت ہی اچھا راستہ نکل رہا تھا مگر مہر جان کی وجہ سے وہ الجھ رہی تھی اور کائنات سے وہ بات کر رہی تھی جو اس کے دل کی بات نہیں تھی۔ کائنات نے اس کی طرف دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''تم نے تو غبارے سے ساری ہوا ہی نکال دی۔''

''تمہیں پتا تو ہے پھر اس خوش فہمی کی کوئی وجہ نہیں تھی۔'' رومابولی۔

''زندہ رہنے کے لیے خوش فہمیوں کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ ہر وقت مایوسی اور برا سوچنے سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ جب سوچنا ہی ہے تو اچھا ہی سوچ لیں۔ خوش فہم ہونے میں کوئی خرچہ آتا ہے کیا؟'' کائنات نے لاابالی پن سے جواب دیا تھا۔

''تم کتنی لکی ہو کائنات جو دل میں آتا ہے کہہ دیتی ہو، اچھا، اچھا سوچ سکتی ہو مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔ اچھا سوچنے کے لیے بھی کوئی بیس (Base) ہونی چاہیے۔ اماں جان کی اجازت کے بغیر تو آج تک کبھی کچھ نہیں کیا تو اب کیسے سوچ سکتی ہوں۔'' روما نے بڑی اداسی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے، آنٹی گھر آجائیں ناں تو تم خالہ جانی کے ذریعے بات کرنا، ڈائریکٹ نہ کرنا۔ خالہ جانی اپنے انداز میں ان سے بات کر لیں گی۔ میرا خیال ہے کہ پڑھائی کے معاملے میں آنٹی اتنی Strict نہیں ہوں گی۔ پرمیشن دے دیں گی تمہیں۔'' روما نہ جانے کس سوچ کے تحت بڑی خالی خالی نظروں سے کائنات کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ذہنی طور پر غیر حاضر تھی۔ کیونکہ اس کے مدنظر سب کچھ تھا اور کائنات کے سامنے صرف اس کی خواہش تھی۔

☆☆☆

''او میرے دل کے چین
چین آئے میرے دل کو دعا کیجیے''

اصیل خان ڈائننگ ٹیبل پر انگلیوں سے یوں میوزک بجا رہا تھا جیسے پیانو بجا رہا ہو۔ اس کی آواز بہت دلکش تھی۔ بھاری، پُرسوز اور بھرپور مردانہ پُرکشش آواز...... مہر جان ہاف بوائل انڈا کانٹے میں پھنسا کر منہ تک لے کر ہی گئی تھی کہ اس نے کانٹا واپس باؤل میں رکھ دیا اور اصیل خان کی طرف گھور کر دیکھنے لگی۔

اصیل خان اس کی طرف دیکھنے کے بجائے ٹیبل پر انگلیاں چلاتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

''یوں تو اکیلا بھی اکثر گر کر سنبھل سکتا ہوں میں
تم جو پکڑ لو ہاتھ میرا دنیا بدل سکتا ہوں میں
مانگا ہے تمہیں دنیا کے لیے
اب خود ہی صنم فیصلہ کیجیے
او میرے دل کے چین''

اصیل خان گنگناتے ہوئے شریر نظروں سے مہر جان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو غبارے کی طرح منہ پھلائے

بیٹھی تھی۔

''یہ موڈ کبھی اچھا بھی ہوتا ہے؟ یار تم تو ابھی سے بیویوں کی طرح اکڑی رہتی ہو۔ مجھے تو فکر ہو گئی ہے کہ شادی کے بعد میرا کیا بنے گا؟'' وہ مہر جان سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

''مجھ سے یہ فضول باتیں نہ کیا کرو۔ کون کر رہا ہے تم سے شادی......؟''

''میں فضول باتیں کرتا ہوں؟ ارے یہ فضول باتیں سننے کے لیے تو لڑکیاں مرتی ہیں۔'' اصیل خان نے پھر کہا۔ ابھی تک اس کے ایک، ایک انداز میں شرارت جھلک رہی تھی۔ پتا نہیں کیوں اسے مہر جان کو چھیڑنے میں مزہ آتا تھا۔

''نہ جانے وہ کون سی فضول اور نامعقول لڑکیاں ہوتی ہیں جو یہ باتیں سن کر خوش ہوتی ہیں اور اس طرح کی باتیں سننا چاہتی ہیں۔ مجھے تو ایسی باتیں سن کر بہت غصہ آتا ہے۔''

اصیل خان اس کی طرف دیکھے بغیر پھر مسخرے انداز میں ٹیبل بجاتے ہوئے گنگنانے لگا۔ مہر جان نے اب غصے سے باؤل ایک طرف سرکا دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اتنی دور سے یہ بیکار باتیں کرنے کے لیے آتے ہو؟'' وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھی مگر اصیل خان بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر اس کی راہ میں حائل ہو گیا یوں جیسے مہر جان کے سامنے کوئی دیوار کھڑی ہو گئی۔

مہر جان نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''یہ غصہ کیسے اترے گا؟ یار اتنے دن ہو گئے؟ مسلمان تین دن سے زیادہ ناراض نہیں رہتے۔ منع کیا ہے؟'' وہ شریر ہوا۔

''پتا ہے کتنے پکے مسلمان ہو تم، ہٹو میرے راستے سے اور میں نے نہیں کہا تھا یہاں آؤ۔'' مہر جان نے اس کی طرف گھورا۔

''تم نے نہیں کہا تھا...... لیکن تمہاری خفگی تو کہہ رہی ہے کہ مجھے یہاں جلدی جلدی آنا چاہیے۔ جب بھی دیر کروں گا تو ایسی ہی سزا ملے گی۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے مہر جان کے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ ''اچھا یار اب مسکرا بھی دو۔ بہت سخت سزا کاٹ لی۔ اب تو رحم کر دو۔ مسکرا دو میری جان۔''

اصیل خان نے اس کی ٹھوڑی کو انگلی سے چھو کر چہرہ اونچا کیا۔ مہر جان کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو چمک رہے تھے۔ اصیل خان اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حیران رہ گیا بلکہ اچھا خاصا پریشان ہو گیا۔

''کیا ہوا مہرو......؟ کیوں رو رہی ہو؟ تمہاری آنکھوں میں آنسو۔ یار تم تو رُلانے والوں میں سے ہو۔ رونے کب سے لگیں؟''

''تم مجھے شروع سے ہی ستا رہے ہو اصیل خان۔ تمہیں پتا ہے ناں میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو بہانے، بہانے سے اپنے دل کی بات کہہ دیتی ہیں۔ تمہارے فون کا انتظار کرتی ہوں مگر تمہیں میرا بالکل بھی احساس نہیں۔ پتا نہیں کس دنیا میں رہتے ہو؟ کہاں تو اتنے، اتنے دن پوچھتے نہیں۔ آتے ہو تو جان چھڑکنے لگتے ہو۔ پھر یہ سب کچھ مجھے ڈراما لگتا ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔ آخر اپنی انا کو بھی تو سنبھالنا تھا۔

''یار! میں نے تمہیں بتایا ناں، بزنس پھیل رہا ہے۔ کراچی جاتا ہوں تو سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی تم تو اتنے دنوں سے آئی نہیں۔ آؤ ناں دیکھو میرے صبح، دوپہر، شام کیسے گزرتے ہیں؟ میں تو تم سے آج شادی

کرنے کے لیے تیار ہوں مہرو! مگر تم نے ہی روکا ہوا ہے۔ تمہیں ہی شوق ہے ڈاکٹر بننے کا۔ باہر جا کر پڑھنے کا۔ یہ تو میں ہی جانتا ہوں کہ انتظار کی یہ گھڑیاں میں کیسے گزار رہا ہوں۔ چھوڑو یار! یہ پڑھائی وڑھائی۔ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ جینا ہے۔ ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جینا ہے۔ ڈاکٹر بن جاؤ گی تو یہاں ہوتے ہوئے بھی مجھ سے دور ہو جاؤ گی پھر تم ہو گی اور تمہارے پیشنٹ ...... نہ بابا نہ......''

مہر جان نے اس کی طرف دیکھا اور اپنے گالوں پر آنے والے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کیا۔

''یہ بابا جان کا خواب ہے اصیل خان! وہ بچپن ہی سے کہتے چلے آئے تھے کہ مجھے ڈاکٹر بنانا ہے اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ وہ بیٹا نہ ہونے کی محروی کو اس طرح سے مٹانا چاہتے ہوں گے۔ وہ بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے۔ بہت مان ہے انہیں مجھ پر۔ بس ان کی خواہش اب میری بھی خواہش بن گئی ہے۔ تھوڑے سے دنوں کی بات ہے۔'' مہر جان اب بہت دوستانہ اور صلح جُو انداز میں اصیل خان سے بات کرنے لگی تھی۔

''تم بچپن سے سنتی چلی آ رہی ہو کہ تمہیں ڈاکٹر بننا ہے لیکن تم بچپن سے یہ بھی تو سنتی آ رہی ہو ناں کہ تم اصیل خان کی منگ ہو۔ اصیل خان کے نام کے ساتھ تمہارا نام وابستہ ہے۔ اصیل خان نے تو دنیا میں ہوش سنبھالنے کے بعد یہی سنا کہ وہ ایک بہت خوب صورت بندھن میں بندھا ہوا ہے، آزاد نہیں ہے۔ تم سے کتنی ہی دور چلا جاؤں ایک زنجیر میرے پاؤں میں کھن کھن بجتی ہے۔ وہ کھن کھن نہیں ایک مدھر موسیقی ہے۔ جس کے سُروں میں تمہارا نام گونجتا ہے۔'' اصیل خان بہت مخمور و سرشار لہجے میں کہہ رہا تھا اور نظروں ہی نظروں میں اس پر نثار ہو رہا تھا۔

مہر جان کو یوں محسوس ہوا کہ زندگی میں کوئی کمی نہیں ہے۔ مال، دولت، حسن، جوانی اور ایک چاہنے والا مرد ایک جوان لڑکی کو اس عمر میں اور کیا چاہیے ہوتا ہے؟

اصیل خان کی نظروں میں اتنی تپش اور گرم جوشی تھی کہ مہر جان جیسی مضبوط کردار کی لڑکی اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ یوں بھی وہ ہمیشہ سے محسوس کرتی تھی کہ اصیل خان کے سامنے آ کر وہ کمزور پڑنے لگتی ہے۔ وہ اس کے سامنے ہوتا ہے تو جیسے پورا چاند ہوتا ہے جس کی روشنی میں اس کا وجود دھندلانے لگتا ہے۔ وہ کمال کی باتیں کرتا تھا۔ ایسی باتیں جنہیں سن کر الف لیلوی داستانوں کا شہزادہ یاد آتا تھا۔ جس پر کسی شہزادی نے دل ہارا ہوتا تھا۔ لیکن اس شہزادی کو پانے کے لیے بڑی سخت شرائط کو پورا کرنا اس شہزادے کی مجبوری ہوتی تھی۔ ان شرائط کی خاطر کوہ قاف کے جنگلوں میں بھٹکنا اس کا مقدر ہوتا تھا اور جنگل بھی ایسا کہ جہاں پلٹ کر دیکھنا بھی منع تھا کیونکہ پلٹ کر دیکھنے والا پتھر کا بن جاتا تھا۔ مہر جان کی زندگی بھی الف لیلیٰ کی کسی ایک رات کے جیسی تھی۔

''اچھا اب سامنے سے ہٹو...... مجھے جانے دو۔'' مہر جان نے بڑے ناز سے کہا تھا اور اصیل خان کو دونوں ہاتھوں سے ایک طرف دھکیلنے کی کوشش کی تھی لیکن اصیل خان اپنی جگہ کسی چٹان کی طرح ڈٹا ہوا تھا۔ اس نے مہر جان کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

''نہیں پہلے یہ کہو کہ اب تم مجھ سے ناراض نہیں ہو...... بلکہ آئندہ کبھی مجھ سے ناراض نہیں ہو گی۔ ورنہ میں اپنی شکار والی گن سے خودکشی کر لوں گا بتا رہا ہوں۔''

''کتنے بے رحم ہو اصیل خان تم۔ بولتے ہوئے کچھ تو سوچ لیا کرو۔ آج تک جتنا بھی وقت گزرا ہے تمہیں

سوچتے ہوئے گزرا ہے اور یہ سارا گزرا ہوا وقت میری اصل کمائی ہے۔ اتنے آرام سے مرنے کی باتیں کرتے ہو۔ جیسے تم مر جاؤ گے تو میں زندہ رہوں گی۔'' مہر جان نے ایک دم اپنا ہاتھ اصیل خان کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ مہر جان کی آواز پر آنسوؤں کا تاثر غالب تھا۔ اسی وقت اصیل خان کی پشت سے گل جان کی کھنکھار اور شریر آواز سنائی دی۔

''بھئی یہ فلمی سین کسی بند کمرے میں ہونا چاہیے۔ ہائے اللہ مجھے تو بہت شرم آ رہی ہے۔'' اس کی آواز سن کر مہر جان ایک دم اچھل کر اصیل خان سے دور ہوئی تھی۔

''جب تم نے یہ حسین منظر دیکھ ہی لیا تھا تو اتنا پاس آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دور سے واپس نہیں جا سکتی تھیں؟ جیلس ہو رہی ہو تم اپنی بہن سے۔'' اصیل خان نے پلٹ کر گل جان کی طرف دیکھا۔ اصیل خان بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ گل جان کی مداخلت پر نہ وہ جھجکا اور نہ اسے کچھ محسوس ہوا۔ بہت ڈھٹائی سے مسکراتا ہوا وہ ایک طرف چل پڑا تھا۔ مہر جان چھوٹی بہن سے نظریں چرا رہی تھی۔ گل جان نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

☆☆☆

''ڈاکٹر صاحبہ آپ تھوڑا سا جوس پی لیجیے۔ گل جان بی بی ڈاکٹر سے بات کر رہی ہیں۔ بس ابھی آتی ہی ہوں گی۔'' اصیل خان جوس کا گلاس لیے ہوئے مہر جان سے مخاطب تھا۔ مہر جان کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں

جیسے پلکیں اٹھانا دوبھر ہو۔ ابھی وہ مکمل طور پر ہوش میں نہیں آئی تھیں۔ انہوں نے اصیل خان کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ بس ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر چند لمحے دیکھنے کے بعد آنکھیں بند کرلیں۔

''اصیل خان، گل جان کو بلاؤ۔'' ان کے ہونٹ کانپے۔

اصیل خان جوس کا گلاس ٹرالی میں رکھ کر تیزی سے باہر کی طرف بڑھا۔

مہر جان نے بہ مشکل اپنی آنکھیں کھول کر جاتے ہوئے اصیل خان کی طرف دیکھا تھا اور بہت آہستہ آواز میں بڑبڑائی تھیں۔

''اصیل خان! مجھے رابی چاہیے۔ اصیل خان پتا کرو رابی کہاں ہے۔ اگر رابی...... اگر رابی میرے سامنے نہیں آئی تو میں اپنی جان دے دوں گی۔ اس لیے کہ ذلت کی اس انتہا پر واپس زندگی کی طرف پلٹنا مجھے منظور نہیں۔'' ان کی آواز آہستہ آہستہ معدوم ہوتی گئی۔ چند لمحے بعد ہی گل جان ہانپتی کانپتی اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے روما بھی آرہی تھی۔ گل جان نے اصیل خان سے سنا تھا کہ مہر جان نے بات کی ہے۔ اسی لیے اس پر جوش و خروش سوار ہوگیا تھا۔ وہ بہت جذباتی ہورہی تھی۔ لیکن یہ کیا...... مہر جان تو پہلے کی طرح آنکھیں بند کیے یوں نظر آرہی تھیں جیسے موم کا کوئی مجسمہ...... اس نے بڑی ہمت کر کے مہر جان کو آواز دی۔ روما بھی اس کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی ہوگئی تھی اور ماں کی طرف بہت آس بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''بی بی جان!'' گل جان کی آواز سے ماحول میں ایک ارتعاش پیدا ہوا۔

مہر جان نے گل جان کی آواز سن کر بہت آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ یوں جیسے ان کی پلکوں پر منوں بوجھ دھرا ہو۔ روما ماں کو آنکھیں کھولتا دیکھ کر جیسے خوشی سے پاگل ہوگئی۔

''اماں جان آپ ٹھیک ہیں ناں، تھینک گاڈ آپ کو ہوش آگیا۔'' روما بڑی بے ساختگی سے اپنے دل کی خوشی کا اظہار کررہی تھی۔

انہوں نے روما کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تیر رہی تھی۔ روما نے زندگی میں شاید پہلی بار ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ تڑپ کر ماں کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبالیا۔

''اماں جان کیا بہت درد ہورہا ہے؟''

مہر جان نے آنکھیں بند کر کے سر نفی میں ہلایا۔

''بی بی جان یہ فریش جوس ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ کو تھوڑا سا جوس پلا دیا جائے۔ میں آپ کو سہارا دے کر تھوڑا سا بٹھانے کی کوشش کرتی ہوں۔ کیا آپ بیٹھ سکیں گی؟'' گل جان اُن کی طرف بڑی والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ بہن کو ہوش میں دیکھ کر اسے جیسے کوئی روحانی سکون مل گیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر زندگی کی رمق بھی تھی اور لہجے میں ایک جوش و خروش بھی۔

مہر جان نے آنکھ کے اشارے سے جوس پینے سے انکار کردیا۔

''کیوں بی بی جان تھوڑا سا تو پی لیں۔ دیکھیں ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ آپ کو تھوڑا سا جوس پی لینا چاہیے۔''

''ہاں اماں...... تھوڑا سا جوس تو پی لیں۔ میں پلاؤں آپ کو؟'' روما اور قریب ہو کر ماں سے پوچھنے لگی۔

مہر جان کی آنکھیں بند تھیں۔ انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''گل جان رابی کا کچھ پتا چلا؟'' پھر بہت آہستہ آواز میں مخاطب ہوئی۔

یہ سن کر جیسے روما نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ اس کے اندر تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مہر جان کے اعصاب پر رابی سوار تھی اور رابی ابھی تک گھر نہیں پہنچی تھی مگر گل جان نے کچھ اس طرح سے بات کی کہ مہر جان کو اچانک خبر سے کوئی شاک بھی نہ پہنچے اور بات بھی ہوجائے۔

''بی بی جان آپ بس اٹھ کر بیٹھ جائیں اور سمجھیں کہ رابی کہیں نہیں گئی۔ گھر میں ہی ہے۔ میں آپ کو صحیح بتا رہی ہوں۔''

مہر جان نے بے یقینی کی کیفیت میں گل جان کی طرف دیکھا پھر نظروں کا رخ روما کی طرف موڑ لیا۔ روما بھی بڑی حیرت سے مہر جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اصیل خان اور گل جان نے ابھی تک روما کو رابی کی گرفتاری کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس نے بڑی بے اختیاری کی کیفیت میں گل جان سے کچھ پوچھنے کے لیے منہ کھولا لیکن فوراً ماں کا خیال آگیا تو چپ ہوگئی۔

''بی بی جان ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ ذہن پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں اور زیادہ بات بھی نہ کریں۔ انشاءاللہ آپ ایک دو دن میں بالکل ٹھیک ہوجائیں گی اور آپ کو اچھی خبریں ہی ملیں گی سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔'' گل جان نے بولتے ہوئے روما کی طرف دیکھا اور نظروں ہی نظروں میں اسے کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

روما اگرچہ کچھ سمجھی تو نہیں لیکن جیسے اس نے گل جان کی بات ماننا بہتر سمجھا اور چپ چاپ کمرے سے باہر چلی گئی۔

مہر جان نے گل جان کی طرف پھر اسی انداز میں دیکھا۔ جیسے وہ بہت گہری نیند سے جاگی ہوں اور نیند کے غلبے کی وجہ سے آنکھیں بار بار بند ہوئی جارہی ہوں۔

☆☆☆

''سروہ ناں آپ کو ایک اور ٹیوشن پڑھانا پڑے گی۔ آپ ابھی سے اپنا مائنڈ میک اپ کرلیجیے۔'' کائناز اپنی نوٹ بک کھولتے ہوئے برہان کی طرف دیکھنے لگی۔ برہان نے بہت احتیاط سے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور فوراً ہی نظریں جھکالیں۔

''جی وہ مجھ سے شاہ صاحب نے تو اس طرح کی کوئی بات نہیں کی۔'' اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔ سر قدرے جھکا ہوا تھا۔

''سروہ تو ٹھیک ہے۔ دادا جان نے آپ سے بات نہیں کی تھی لیکن میں تو آپ سے بات کررہی ہوں ناں اور ہاں آپ یہ نہیں سمجھیے گا کہ میری فیس میں اسے بھی پڑھانا پڑے گا۔ اس کی فیس ہم الگ سے دیں گے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔''

کائناز کی بے ساختگی پر برہان نے بھی بے ساختہ نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا اور بہ مشکل اپنی مسکراہٹ کو دبایا تھا۔

''جی میں نے فیس کی تو بات ہی نہیں کی۔ میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ دادا جان نے بھی مجھے یہی کہا کہ اس

گھر میں مجھے ایک لڑکی کو ٹیوشن پڑھانا ہے۔''

''تو کیا ہوا سر!'' کائناز نے فوراً ہی برہان کی بات کاٹ دی تھی۔ ''اگر آپ کو پتا نہیں تو اب تو پتا چل گیا ناں اور آپ تو ٹیوٹر ہیں۔ ایک کو بھی پڑھا سکتے ہیں گیارہ کو بھی پڑھا سکتے ہیں اور پھر ہم دونوں تو ایک ہی کلاس میں پڑھتے ہیں پھر ہمارے سبجیکٹ بھی ایک ہی ہیں۔ آپ کو کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔'' کائناز نے جلدی جلدی وضاحت کی۔ یوں جیسے تسلی دے رہی ہو۔

''اوکے، اوکے جب وہ آئیں گی تو دیکھ لیں گے...... لیکن وہ ابھی میرا مطلب ہے آج ہی سے آپ کے ساتھ کیوں نہیں پڑھ لیتیں؟'' برہان نے ذرا ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔

''ایکچوئلی اس کی مدر سیریسلی بیمار ہیں۔ اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ جیسے ہی وہ اسپتال سے گھر شفٹ ہو جائیں گی وہ آنا شروع کر دے گی۔ تو سر آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں؟ آپ پڑھا دیں گے ناں اسے بھی؟ بات یہ ہے کہ میں ہر کام اس کے ساتھ ساتھ ہی کرتی ہوں اور ہے ناں میں بس چاہتی ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں۔ پھر ہم کوئی غلط کام تو نہیں کر رہے ناں۔ بچے جب پڑھتے ہیں تو سب خوش ہی ہوتے ہیں کوئی ناراض تو نہیں ہوتا ہے ناں سر!'' کائناز کے انداز میں اتنی بے ساختگی اور معصومیت تھی کہ برہان کا جی چاہا کہ اسے ایک نظر غور سے تو دیکھ لے۔ مگر نہ جانے کیوں اس کے چہرے کے سامنے ہی شاہ صاحب کا چہرہ نظر آنے لگتا تھا اور وہ مارے احتیاط کے نظر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اسے یوں لگا شاہ صاحب جیسے بزرگ نے اسے جو اعتماد دیا ہے۔ اس پر بھروسا کیا ہے۔ وہ ہر صورت قائم رہنا چاہیے۔

''آپ اپنی دوست کو پڑھنے کے لیے بلا لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میرے خیال میں ایک ہی گھر میں دو ٹیوشن مجھے بھی سوٹ کر رہی ہیں۔'' برہان کو بہر حال کچھ تو کہنا تھا۔

کائناز تو جیسے یہ سن کر خوشی سے پھولی نہ سمائی۔۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ آنے والا وقت بہت حسین ہے۔ وہ اور رومادونوں برہان سے ٹیوشن لے رہی ہیں۔

''سر ہمارے ایک ساتھ پڑھنے کا بہت فائدہ ہے۔ ہم ایک دوسرے کو ہیلپ آؤٹ کرتے ہیں۔ آپ یقین کریں وہ بہت ذہین ہے آپ کو زیادہ دماغ نہیں کھپانا پڑے گا۔ وہ تو بہت جلدی سمجھ جاتی ہے۔ بس مجھے ہی ذرا دیر لگتی ہے۔'' کائناز نے بڑی سادگی اور سچائی سے اپنی خامی کا لگے ہاتھوں اعتراف بھی کر لیا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے فی الحال آپ تو اسٹارٹ کریں۔ دکھائیں مجھے یہ شاید آج کا لیکچر آپ نے نکالا ہوا ہے۔'' اب برہان اپنی آنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کو نہیں روک سکا تھا لیکن اس نے اپنا جھکا ہوا سر بھی نہیں اٹھایا تھا۔

''جی سر۔'' کائناز نے فوراً ہی نوٹ بک برہان کی طرف بڑھا دی۔ برہان نوٹ بک پر لکھے ہوئے لیکچر پر نظر دوڑانے لگا۔

''بہت خراب رائٹنگ ہے آپ کی۔''

''سر میری رائٹنگ خراب نہیں ہے۔ اس میں ہماری لیکچرار کا قصور ہے۔ اتنی اسپیڈ میں بولتی ہیں۔ اتنی اسپیڈ میں بولتی ہیں کہ انہیں احساس ہی نہیں رہتا کہ ہم لوگ غور نہیں کر رہے لکھ رہے ہیں اور میرا بال پوائنٹ بھی صحیح

نہیں چل رہا تھا۔ بس وہ دیکھیے ناں میں آپ کو دوسری نوٹ بک دکھاتی ہوں۔ کتنا نیٹ اینڈ کلین کام ہے آپ کو لگے گا جیسے Composd ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں نے آپ کی بات پر اعتبار کرلیا۔ آپ کی رائٹنگ واقعی بہت خوب صورت ہوگی لیکن فی الحال اس لیکچر کو پڑھنا ایک بہت ہیوی ڈیوٹی ہے۔" برہان نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر اسے نوٹ بک بیگ سے نکالنے سے روک دیا۔ برہان نے یہ کہا اور دوبارہ اسی نوٹ بک پر نظر دوڑانے لگا۔

کائناز اس کی طرف بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ بہت خوب صورت، بہت محتاط اور کچھ ایسا خاص تھا جو محسوس تو ہو رہا تھا لیکن ان احساسات کو زبان دینے کے لیے اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ وہ برہان کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے آپ بک بھی نکال لیجیے۔" برہان اس کی نظروں سے ذرا کونشس (Concious) سا ہونے لگا۔

کائناز ایک دم سے جیسے سنبھلی اور بیگ سے بک نکالنے لگی۔

"اچھا اسٹوڈنٹ وہ ہوتا ہے کائناز جس کا پورا فوکس اپنی اسٹڈی اور نظریں اپنے ٹارگٹ پر ہوتی ہیں۔ آپ کو پتا ہے آپ کا ٹارگٹ کیا ہے؟"

"جی سر۔" برہان کے سوال کے جواب میں جلدی سے اس نے کہا تھا۔ "اے پلس تو لازمی ہے۔ ورنہ میرٹ پر ایڈمیشن نہیں ہوگا اور میرٹ پر ایڈمیشن نہ ہونا تو بہت بری بات ہوتی ہے، ہے ناں سر......؟"

"بہت زیادہ بولنا بھی اچھی بات نہیں ہوتی، ویسے تو سب ٹھیک ہے، میں تو یہ سوچ رہا ہوں آپ اکیلی اتنا بول رہی ہیں تو جب آپ کی دوست آپ کے ساتھ پڑھیں گی تو آپ دونوں مل کر کتنا بولا کریں گی۔" برہان نے بہر حال ہمت کر کے اسے ٹوک ہی دیا۔ تاکہ وہ سیریس ہو کر اپنی پڑھائی پر توجہ دے۔

"سر ایک بات تو بالکل پکی ہے۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ میری جو دوست ہے ناں اس کے حصے کا بھی میں ہی بول لیتی ہوں۔ اس کی پریزنس میں بھی اور... پیٹھ پیچھے بھی۔ آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ آپ تو خود اصرار کریں گے کہ خدا کے لیے بات کرو۔"

"اتنا کم بولتی ہیں یقین نہیں آرہا مجھے۔" برہان نے بڑی دلچسپی سے کائناز کی طرف دیکھا تھا مگر دیکھنے کے اس عمل میں لاشعوری پن اور بے ساختگی تھی۔

"جب وہ آپ سے پڑھے گی ناں تو آپ کو یقین آجائے گا۔ میں تو خود تنگ آجاتی ہوں اور پوچھنے لگتی ہوں کہ روما تمہارا دل نہیں گھبراتا۔ اتنی، اتنی دیر تک خاموش رہتی ہو......؟"

"اچھا تو آپ کی دوست کا نام روما ہے۔" برہان نے فوراً ہی اس کی بات پکڑ لی۔

"نہیں سر اس کا نام تو رومانہ ہے۔ بس سب لوگ اسے پیار سے روما، روما کہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اس کے فیملی ممبرز اور میں، دادا جان سب۔ اصلی نام تو کوئی بھی نہیں لیتا اس کا۔"

"چلیں ٹھیک ہے، اتنی دیر سے آپ اپنی دوست کی باتیں کر رہی ہیں۔ اب پڑھائی کی طرف توجہ دیجیے۔" برہان نے اب سنجیدگی سے کہا۔

"سر! آپ تو سر بھی نہیں لگتے۔ پھر بھی سر کی طرح ڈانٹ رہے ہیں۔ آج تو میرا فرسٹ ڈے ہے۔"

"بس ہوگئی ناں باتیں۔ اب پڑھائی شروع کریں۔" برہان نے کتاب کھولتے ہوئے کہا تھا۔

کائنا ز اب بھی غیر دماغی کی کیفیت میں تھی اور سوچ رہی تھی۔ ''اگر روما ہوتی تو شاید اچھی خاصی پڑھائی ہو جاتی۔ میرا دماغ تو اسی میں لگا ہوا ہے۔ لگتا ہے یہ سر تو بہت ڈانٹا کریں گے۔ دیکھنے میں ہی بہت reserve سے لگتے ہیں۔''

☆☆☆

اصیل خان اسپتال سے آ گیا تھا۔ گل جان البتہ وہاں رک گئی تھی۔ روما بھی اس کے ساتھ آ گئی تھی۔ گھر پہنچتے ہی مغرب کی اذان ہو گئی۔ اس نے مغرب کی نماز کے ساتھ ساتھ شکرانے کے دو نفل بھی ادا کیے۔ ابھی دعا مانگ رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ دل بڑی تیزی سے دھڑکا تھا۔ پولیس رابی کو لے کر آ رہی تھی۔ یقیناً رابی کراچی پہنچ گئی۔ یہ فون اسی سلسلے میں آیا ہو گا۔ اس کے دل میں یقین کی کیفیت اتر رہی تھی۔ کیونکہ اسپتال سے اب اسے کسی خطرناک فون کے آنے کا اندیشہ نہیں تھا۔

ڈاکٹر، مہر جان کی طرف سے بہت پُرامید تھا کہ اب وہ جلدی سنبھل جائیں گی۔

اصیل خان جانماز طے کرتا ہوا بڑی تیزی سے لاؤنج کی طرف آیا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا دور دور تک نہ کوئی نوکر نظر آیا نہ روما۔ اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا اور دھڑکتے دل کے ساتھ ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے جو آواز ابھری اس نے اس کے گمان کو حقیقت میں بدل دیا۔ فون واقعی پولیس اسٹیشن سے تھا۔ کوئی انسپکٹر بات کر رہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ سے بات ہو سکتی ہے؟''

''جی وہ تو اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ آپ مجھے بتا دیجیے کیا خبر ہے۔'' بولتے ہوئے اصیل خان کی آواز کانپ گئی۔

''خبر یہ ہے کہ لڑکی کراچی پہنچ گئی ہے۔ اس وقت پولیس اسٹیشن میں موجود ہے۔ بیگم صاحبہ کی طرف سے اس کو لینے کون آئے گا کیونکہ ضابطے کی کارروائی ہونا باقی ہے۔ گھر سے کوئی آئے گا تو لڑکی اس کے حوالے کر دی جائے گی۔''

''جی میں آ جاتا ہوں۔'' اصیل خان نے اسی طرح لرزتی کانپتی آواز میں خود کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

''تم کون ہو؟''

''جی میں ڈاکٹر صاحبہ کا ملازم ہوں۔ برسوں سے ان کے ساتھ اس گھر میں رہتا ہوں۔ میرا مطلب ہے ان کی خدمت کرتا ہوں۔''

''اچھا، اچھا اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کو تو تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ بھئی اب یہ ہے کہ کسی نہ کسی کو تو اِدھر آنا ہے۔ کہو تو حوالات میں بند کر دیتے ہیں۔ بیگم صاحبہ خود آنا چاہیں تو انتظار کر لیتے ہیں۔'' انسپکٹر اپنی ٹون میں بڑے پتھریلے انداز میں بات کر رہا تھا۔ ایک دم جذبات سے عاری سپاٹ لہجہ۔

''حوالات؟...... نہیں، نہیں...... میں واسطی صاحب سے بات کرتا ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا تھا۔

(جاری ہے)

امانت

رفعت سراج

قسط 8

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور..... چاند کی چاندنی امانت..... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمد خاص تھا۔ مہر جان، رابی کی شادی سہراب خان سے طے کرتی ہیں جو عمر میں رابی سے کافی بڑا ہے۔ اس شادی پر رابی تیار نہیں ہوتی۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈ ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ سب انسپکٹر جابر علی نے آج تک کبھی رشوت نہیں لی تھی۔ رزق حلال کی کمائی سے اپنے گھر کو چلایا اس کی بیوی صابرہ، بیٹا برہان اور بیٹیاں شبینہ اور ستارہ اسی کمائی میں گزارہ کر رہے تھے لیکن کبھی کبھی ستارہ اپنے حالات سے تنگ آ جاتی ہے۔ شبینہ اپنے والد جابر علی سے چھپ کر اپنی دوست فائزہ کے گھر جاتی ہے وہاں اس کی ملاقات فائزہ کے بھائی احمر سے ہوتی ہے۔ احمر کو وہ بہت اچھی لگتی ہے۔ ایس پی شیر زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریک کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے۔ جابر علی، صابرہ سے رشتے کی بات کرتا ہے تو صابرہ اسے گھر بلانے کو اور بیٹے برہان سے مشورے کا کہتی ہے۔ برہان، وارث علی کو دیکھتا ہے تو صابرہ سے کہتا ہے کہ وہ جابر علی سے کہے کہ ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔ مہر جان کو کمرے میں بے ہوش دیکھ کر گل جان، اصیل خان کے ساتھ انہیں اسپتال لے کر جاتی ہے، جابر علی، برہان کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تو برہان گھر سے چلا جاتا ہے۔ رابی گھر چھوڑ کر مری چلی جاتی ہے۔ جابر علی ایس پی سے جہیز کے بارے میں بات کرتا ہے تو ایس پی کہتا ہے کہ وہ اس بارے میں پریشان نہ ہو۔ گل جان کو کائناز اور شاہ عالم سے بہت ڈھارس ہوتی ہے، مہر جان کو ڈاکٹر آپریشن بتاتے ہیں، برہان اپنے کلاس فیلو نعمان کے پاس چلا جاتا ہے اور اس کے سمجھانے پر صابرہ کو فون کرتا ہے۔ گل جان، شاہ عالم کی شکر گزار ہوتی ہے کہ انہوں نے روما کا خیال رکھا۔ رابی مری میں ایک چیزیں فروخت کرنے والی ایک عورت سے بہت متاثر ہوتی ہے کہ وہ اس بڑھاپے میں اپنا بوجھ خود اٹھائے ہوئے ہے۔ اس عورت کے پوچھنے پر رابی اسے بتاتی ہے کہ وہ ڈاک بنگلے میں رہتی ہے اور اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ صابرہ، جابر علی سے کہتی ہے کہ وہ برہان کو واپس لے آئے۔ مہر جان کا آپریشن ہو گیا لیکن انہیں ہوش نہیں آتا تو گل جان بہت پریشان ہوتی ہے لیکن نرس اسے تسلی دیتی ہے۔ روما، کائناز اور شاہ عالم کے ساتھ اسپتال آ جاتی ہے۔ شبینہ، جابر علی پر خط کے ذریعے شادی کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کر دیتی ہے۔ واسطی صاحب فون پر اصیل خان کو بتاتے ہیں کہ وہ لڑکی تک پہنچ گئے ہیں اور اب کسی بھی وقت وہ پولیس کی حراست میں ہوگی۔ جابر علی کہتا ہے کہ اب شادی شبینہ کی نہیں ستارہ کی ہوگی۔ برہان اخبار میں اشتہار دیکھ کر شاہ عالم کے پاس انٹرویو کے لیے جاتا ہے اور وہ اسے کائناز کو پڑھانے کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ رابی ہوٹل میں اپنے کمرے میں ہوتی ہے کہ دروازے پر دستک ہوتی ہے وہ دروازہ کھولتی ہے تو سامنے پولیس کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ اصیل خان ماضی کے دنوں میں اپنے اور مہر جان کے گزرے یادگار لمحات میں گم ہوتا ہے کہ گل جان اسے مہر جان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دیتی ہے۔ صابرہ، شبینہ کو بتاتی ہے کہ اب شادی شبینہ کی نہیں ستارہ کی ہوگی اب مسئلہ یہ ہے کہ ستارہ کو یہ بات کیسے بتائی جائے۔ اصیل خان، گل جان کو بتاتا ہے کہ پولیس رابی کو کراچی لے کر آ رہی ہے۔ وارث علی زیورات لے کر جابر علی کے گھر آتا ہے۔ جابر علی اتنا کچھ دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ وہ زیورات شادی کے لیے دے کر چلا جاتا ہے...... ستارہ وہ زیورات دیکھنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ ستارہ زیورات دیکھ کر شبینہ کی قسمت پر رشک کرتی ہے۔ کائناز، روما سے کہتی ہے کہ اب وہ اس کے ساتھ ٹیوشن پڑھے کیونکہ وہ ٹیوٹر سے بات کر چکی ہے روما اس کی بات پر متردد ہوتی ہے۔ پولیس اسٹیشن سے فون آتا ہے وہ اصیل خان سے کہتے ہیں کہ لڑکی کراچی پہنچ گئی ہے اب اس کو آ کر لے جائیں۔

اب آگے پڑھیں

کائناز، برہان کے جانے کے بعد کھانا کھانے چلی گئی تھی۔ کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں گئی تو اسے خیال آیا کہ اس کی ساری کتابیں تو ڈرائنگ روم میں ہی ہیں۔ وہ فوراً ڈرائنگ روم میں آئی اور اپنی کتابیں اکٹھی کیں تو اس کی نظر برہان کے موبائل پر پڑی۔ اس نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر موبائل اٹھا لیا اور جیسے خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''یہ تو سر کا موبائل ہے، اوہ لگتا ہے جلدی میں بھول کر چلے گئے۔ بہت پریشان ہو رہے ہوں گے لیکن اب کل آئیں گے تبھی اُن کو یہ موبائل مل سکے گا۔'' اس نے سوچتے ہوئے موبائل کی طرف دیکھا اور اپنی کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''شاید دادا جان کے پاس سر کا کانٹیکٹ نمبر ہو، وہ یہ سوچ کر شاہ عالم کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ سونے کے لیے لیٹ چکے تھے نائٹ بلب کی ہلکی سی روشنی میں آنکھیں موندے گویا وہ نیند کا انتظار کر رہے تھے۔

کائناز ان کے قریب چلی آئی اور جھک کر دیکھنے لگی کہ وہ سو رہے ہیں یا ابھی تک جاگ رہے ہیں، انہیں شاید کمرے میں کسی کی آمد کا احساس ہو گیا تھا جبھی انہوں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں تو سامنے کائناز کھڑی انہیں بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک دم پریشان سے ہو گئے...... اور اٹھنے لگے۔

کائناز نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے لیٹے رہنے کو کہا۔

''دادا جان آپ لیٹے رہیے، میں تو بس آپ سے یہ پتا کرنے آئی ہوں کہ آپ کے پاس برہان سر کا کوئی کانٹیکٹ نمبر ہے؟''

''بیٹا اتنی رات کو تمہیں ان سے رابطہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی اگر کوئی مسئلہ ہے تو کل وہ آئیں گے تو پوچھ لینا۔'' شاہ عالم نے حیرت اور تعجب سے پوتی کی طرف دیکھا۔

''نہیں دادا جان! مجھے ان سے کانٹیکٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنا سیل فون ہمارے گھر ہی بھول گئے ہیں اور شاید انہیں یہ خیال ہی نہ ہو کہ وہ اپنا فون بھول گئے ہیں اور وہ پریشان ہو کر اسے ڈھونڈ رہے ہوں گے تو میں نے سوچا کہ انہیں فون کر کے بتا دیتی ہوں کہ ان کا سیل یہاں ہے۔''

''اوہ......'' شاہ عالم کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ ''ہاں تمہاری بات بھی ٹھیک ہے۔ مگر میرے پاس تو ان کا صرف یہی نمبر ہے۔''

''جی بس میں یہی پتا کرنے آئی تھی کہ اگر آپ کے پاس ان کا کوئی نمبر ہو تو میں انہیں فون کر کے بتا دیتی ہوں مگر اب نہیں ہے تو ظاہر ہے جب وہ آئیں گے تبھی انہیں موبائل مل سکے گا۔ چلیں ٹھیک ہے آپ سو جائیں، آرام کریں۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکلنے لگی۔

''ہاں بیٹا تم بھی جلدی سے سونے کی کوشش کرو، روما سے بات کرنے لگ جاتی ہو تو تمہیں وقت کا پتا نہیں چلتا۔ وہ آج کل بہت پریشان ہے اسے ڈسٹرب نہ کرو۔'' شاہ عالم نے اسے تاکید کی۔

''جی دادا جان!'' وہ کہہ کر سر جھکا کر ایک جھٹکے سے باہر نکل گئی۔ برہان کا موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔

☆☆☆

''یار قسمت سے ایک سستا موبائل مل گیا تھا وہ بھی ہاتھ سے گیا...... وہ کہتے ہیں ناں مصیبت اکیلی نہیں آتی۔'' برہان بڑی افسردہ سی کیفیت میں نعمان سے کہہ رہا تھا۔ نعمان اس کی طرف دیکھ کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے سوچتے سوچتے سر اٹھایا اور برہان کی طرف دیکھا۔ میرے پاس ایک ایکسٹرا موبائل رکھا ہوا ہے۔ میرے چاچو لاسٹ ائیر لے کر آئے تھے۔

''میرے پاس تو پہلے سے ہی بہت اچھا موبائل ہے۔ چاچو والا موبائل تو اسی طرح بالکل پیک پڑا ہوا ہے۔ میں نے تو اسے کھول کر بھی نہیں دیکھا۔ ایک منٹ رکو میں لے کر آتا ہوں۔'' نعمان اتنا کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تو برہان نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کے دباؤ ڈالا جیسے کہہ رہا ہو کہ وہ بیٹھ جائے۔ نعمان نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”یار مجھے اتنا expensive موبائل نہیں چاہیے۔“ نعمان اس کی بات سن کر مسکرا دیا۔

”یار کیسا مہنگا، مجھے تو مفت میں ملا ہے۔ میں نے کون سا اس کی پیمنٹ کی ہے۔ وہ تو چاچو نے گفٹ کیا تھا۔“ برہان مسکرا دیا۔

”یار چاچو نے تمہیں گفٹ دیا ہے، انہوں نے تو خریدا ہوگا ناں اور کتنے شوق اور کتنی محبت سے تمہارے لیے لے کر آئے ہوں گے۔ یقیناً وہ بہت اچھا ہوگا مگر میں وہ ہرگز نہیں لوں گا۔“

”یار یہ کمپلیکس انسان کو کھل کر جینے نہیں دیتے۔ بندے کو تھوڑا سا ڈھیٹ اور بے حس بھی ہونا چاہیے تو زندگی میں تھوڑی سہولت ہو جاتی ہے۔“ نعمان بیٹھ گیا اس نے برہان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے اور بہت محبت سے بولا۔

برہان اس کی بات سن کر بے اختیار ہنس دیا۔ اس نے نعمان کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی پھر بڑے اطمینان سے گویا ہوا۔

”میں کسی کمپلیکس کا شکار نہیں ہوں لیکن یہ سب کچھ اخلاقیات کے زمرے میں آتا ہے کہ اگر کوئی آپ کے ساتھ بہت اچھا چل رہا ہو تو اسے مزید نہیں آزمانا چاہیے اور دوستی میں تو ویسے بھی ایک دوسرے کو آزمانا بہت غلط بات ہوتی ہے، تم جو کچھ کر رہے ہو وہ بہت ہے۔ میں تمہارا موبائل نہیں لوں گا چاہے تم مجھے کمپلیکسڈ سمجھو، چاہے تم مجھے کچھ اور کہو۔“ برہان نے گویا اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا۔

”یار تمہیں اندازہ ہے ناں موبائل کے بغیر تمہیں کتنا مسئلہ ہو جائے گا۔“ نعمان نے ایک دفعہ پھر اسے اپنا موبائل لینے پر آمادہ کرنا چاہا۔

”کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔“ برہان نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میری کون سی رشتے داریاں، یار دوستیاں چل رہی ہیں۔ امی کو بھی ہر وقت فون نہیں کرتا، یہی سوچ کر کہ شاید ابا جان گھر پر ہوں گے اور میرے فون کی وجہ سے وہاں پھر کوئی ایک نئی بحث شروع ہو جائے۔ ہاں، امی موقع محل دیکھ کر خود فون کر لیتی ہیں۔“

”اس لیے تو کہہ رہا ہوں کہ تم میرے موبائل سے فون کر کے گھر پر بتا تو دو ناں کہ تمہارا فون گم ہو گیا ہے۔ آنٹی پریشان ہو رہی ہوں گی۔“ نعمان نے جیب سے سیل فون نکالتے ہوئے برہان کی طرف بڑھایا۔

برہان نے بھی موبائل لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر فوراً ہی ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ جیسے کسی خیال نے اسے روک دیا ہو۔ نعمان حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”نہیں یار اس وقت ابا جان گھر پر ہوں گے، میں فون نہیں کر سکتا۔“

”اوہ!“ نعمان کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس نے موبائل واپس اپنی جیب میں رکھ لیا۔ برہان کے چہرے پر تفکرات کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ وہ بہت فکر مند تھا لیکن کوشش کر رہا تھا کہ اس کی اندرونی کیفیت نعمان پر ظاہر نہ ہو۔

☆☆☆

رات گہری ہو چکی تھی لیکن صابرہ کی آنکھوں میں نیند کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ جابر علی کے خراٹے پورے گھر میں گونج رہے تھے۔ جو اس کی گہری نیند کی غمازی کر رہے تھے۔ لڑکیوں کے کمرے میں کافی دیر پہلے خاموشی طاری ہو چکی تھی۔ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سو رہی تھیں۔ صابرہ کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔ بیٹے کی یاد نے اسے بے کل کیا ہوا تھا۔ ایک پل دل کو قرار نہیں تھا...... وہ ماں جس

کا بیٹا آنکھوں سے دور ہو اور جو اس سے ہی بے خبر ہو کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے، اس نے پیٹ کا دوزخ ٹھنڈا کیا کہ نہیں...... اسے سونے کے لیے کوئی سکون کا بستر ملا کہ نہیں...... بستر پر لیٹ کر کیسے آنکھیں بند کر سکتی تھی۔ اس نے تڑپ کر جیسے برہان کو دل ہی دل میں صدائیں دیں۔ یوں جیسے کہ جواب آئے گا۔ کوئی ایسا جواب جس سے اس کا بے قرار دل سنبھل جائے گا لیکن جتنی خاموشی گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ اس کے دل میں تھی۔ چند لمحے وہ بیٹے کے خیال میں کھوئی رہی پھر اچانک ہی اس کے جسم میں...... توانائیاں سی دوڑنے لگیں۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے بیٹے سے بات کر کے اس کا حال پوچھ سکتی تھی۔ یہی سوچ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کمرے میں چلی آئی۔ اسے بھی کسی کا ٹیلیفون نمبر زبانی یاد نہیں ہوا تھا۔ برہان کا بھی نہیں۔ اس نے گھر میں استعمال ہونے والی ڈائری اٹھا کر اس کے صفحے پلٹے......

برہان کا نمبر نکالا اسے زیرِ لب دُہرایا مگر اعتماد نہ ہوا کہ وہ بغیر دیکھے ڈائل کر لے گی تو وہ ڈائری اٹھا کر باہر چلی آئی۔ برآمدے کی لائٹ جلائی کیونکہ وہاں گھپ اندھیرا تھا۔ لائٹ جلتے ہی وہ تمام حصے بھی روشن ہو گئے جو کچھ دیر پہلے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس نے چند لمحے رک کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ لائٹ جل جانے کے بعد کسی کو روشنی کا احساس تو نہیں ہوا بالخصوص جابر علی کی نیند میں خلل تو واقع نہیں ہوا۔ جب ہر طرح سے تسلی ہو گئی کہ سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا کچھ دیر پہلے تھا تو اس نے بہت محتاط انداز میں دیکھ دیکھ کر برہان کا نمبر ڈائل کیا۔ ریسیور کان سے لگا لیا نمبر ڈائل ہوتے ہی رابطہ قائم ہو گیا تھا، رنگ جا رہی تھی۔ اس کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ جیسے چند لمحے بعد برہان کی آواز گونجے گی اور اس کے مردہ وجود میں زندگی دوڑنے لگے گی لیکن چند لمحے بعد ہی اس کے چہرے پر مایوسی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ رنگ جاتے جاتے بند ہو گئی اور ریکارڈنگ شروع ہو گئی۔ آپ کے مطلوبہ نمبر سے اس وقت جواب موصول نہیں ہو رہا برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کیجیے۔

صابرہ کو ری ڈائل کرنا نہیں آتا تھا اس نے نئے سرے سے نمبر ملایا...... پھر وہی ہوا اور ریکارڈنگ شروع ہو گئی۔ صابرہ نے بھی جیسے ہمت نہ ہارنے کی ٹھان لی تھی۔ اس نے تیسری مرتبہ نمبر ملایا۔

☆☆☆

معمول کے مطابق آج کائنا زکی روما سے بات نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے شاید اسے آج نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر وہ تھک گئی تھی یوں لگا جیسے رات اسی طرح گزر جائے گی۔ دل تو بہت چاہ رہا تھا کہ روما کو کال کر لے لیکن اسے خود ہی خیال آیا کہ شاید روما سارا دن اسپتال میں مصروف رہی ہوگی۔ شاید اب تھک کر سو گئی ہوگی، وہ آنکھیں موند کر نیند کا انتظار کرنے لگی اور اسی لمحے برہان کے موبائل فون پر تیسری بار رنگ ہوئی۔... دو بار تو اس نے رنگ سن لی تھی۔ یہ سوچ کر برہان کے فون پر آنے والی کال سے اس کا کیا تعلق ہے، ویسے بھی طبیعت میں عجیب سی بیزاری بھری ہوئی تھی۔ چپ چاپ آنکھیں موند کر بستر پر لیٹے رہنے میں زیادہ مزہ آ رہا تھا۔

خاموشی اور تنہائی بہت اچھی لگ رہی تھی...... لیکن برہان کے فون سیٹ پر آنے والی کال نے اسے نئے سرے سے ڈسٹرب کر دیا تھا۔ وہ یہ سوچ کر اٹھی کہ جو بھی کال کر رہا ہے اسے بتا دے کہ برہان کا فون اس وقت اس کے پاس نہیں ہے۔ وہ یہاں بھول کر چلا گیا ہے پھر موبائل تک بڑھتے بڑھتے اچانک ہی اسے خیال آیا کہ کہیں برہان خود ہی فون کر کے چیک کر رہا ہو، اپنا فون ڈھونڈ رہا ہو۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے وجود میں بجلیاں سی بھر گئیں۔ وہ بڑی پھرتی سے آگے بڑھی اور اس نے فوراً دیکھے بغیر کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو......'' دوسری طرف تو صابرہ پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا۔ اس نے تو بہت دھیان سے برہان ہی کا نمبر ملایا تھا لیکن برہان کے نمبر سے کسی لڑکی کی آواز گویا وہ بری طرح چکرا کر رہ گئی۔ اس نے بے اختیار نفی میں اپنا سر ہلایا اور اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ ''میں نے تو برہان کا نمبر ملایا تھا یہ کس کا نمبر مل گیا۔'' اس سے پیشتر کہ وہ فون بند کرتی دوسری طرف سے کائناز بول پڑی۔

''جی آنٹی، یہ برہان سر کا ہی نمبر ہے، میں کائناز بات کر رہی ہوں۔ سر اپنا موبائل ہمارے گھر بھول کر چلے گئے ہیں۔''

''سر! بیٹا آپ کس کی بات کر رہی ہیں۔ میں اپنے بیٹے برہان کی بات کر رہی ہوں۔ یہ نمبر اسی کا ہے ناں......؟'' صابرہ کائناز کی آواز سن کر بے اختیار چونک پڑی اور بڑے الجھن بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

''جی آنٹی یہ برہان کا ہی نمبر ہے میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ وہ اپنا سیل ہمارے گھر بھول گئے ہیں۔''

''بیٹا آپ کے گھر...... برہان آتا ہے، آپ کہاں سے بات کر رہی ہیں۔'' وہ جیسے حواس باختہ ہوگئی تھی۔

''آنٹی میں کلفٹن سے بات کر رہی ہوں، برہان سر مجھے ٹیوشن پڑھانے روز شام کو ہمارے گھر آتے ہیں۔'' کائناز بولی تو دوسری طرف سے صابرہ نے بھی جلدی سے کہا۔

''اچھا...... اچھا بیٹا میں سمجھ گئی۔ آج برہان اپنا فون تمہارے گھر بھول گیا ہے...... ناں۔''

''جی...... جی آنٹی......''

''تو ٹھیک ہے بیٹا کل جب وہ آئے تو اسے کہنا مجھ سے بات کرلے میں اس کی امی صابرہ بات کر رہی ہوں' ٹھیک ہے بیٹا۔'' صابرہ بہت محبت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔ اس کی آواز میں جادو تھا کہ کائناز لمحے بھر کے لیے دم بخود رہ گئی تھی۔ ایسا جادو جو محبت' شفقت اور بے پناہ اپنائیت لیے ہوا تھا۔

''بیٹا آپ کو میری آواز آرہی ہے۔'' صابرہ کو کائناز کی خاموشی نے قدرے پریشان کیا۔

''جی...... جی آنٹی مجھے آپ کی آواز آرہی ہے اور میں نے آپ کی بات سن لی ہے، کل سر آئیں گے تو میں بتادوں گی کہ آپ کے سیل پر آپ کی مدر کا فون آیا تھا۔'' کائناز نے بہت اچھے طریقے سے صابرہ کو مطمئن کیا۔

''بہت بہت شکریہ بیٹا...... اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ کس کلاس میں پڑھتی ہیں۔'' صابرہ پوچھ رہی تھی۔ اس سے پیشتر کہ کائناز، صابرہ کو جواب دیتی۔ اس نے ائرپیس میں ایک مرد کے دہاڑنے کی زبردست آواز سنی۔

موبائل اس کے کان سے لگا تھا۔ آنکھیں حیرت سے پھیلتی جارہی تھیں۔

''یہ راتوں کو چھپ چھپ کر بیٹے کو فون ہوتے ہیں، سازشیں ہو رہی ہیں میرے خلاف، رپورٹیں دیتی ہو سارا دن کی۔'' جابر علی دہاڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا لیکن کائناز اپنی جگہ جیسے پتھر کا بت بن کر کھڑی رہ گئی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی کہ اتنی شفیق اور مہربان آواز کے بعد فوراً ہی اس نے کسی جلاد کے دہاڑنے کی آواز سنی تھی۔

☆☆☆

صابرہ، برہان کو فون کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اب تو جو بھی ہوتا کم تھا۔

''بیٹے سے مذاکرات ہوتے ہیں راتوں کو...... میرا کھاتی ہے، وفاداری اولاد سے نبھاتی ہے۔'' جابر علی نہایت طنطناتے ہوئے صابرہ کو گھور گھور کر کہہ رہا تھا۔ صابرہ کے اعصاب چیخ چیخ گئے۔

''میں ماں ہوں جابر علی، برہان میری اولاد ہے، یاد آرہا تھا، دو چار باتیں کرلیں تو کیا ہوگیا۔'' جانے

کہاں سے اس میں ہمت آگئی تھی' وہ بڑی بے اختیار کیفیت میں بولی تھی۔

''ارے اولاد اتنی پیاری ہے تو یہاں کیا کر رہی ہو، اسی کے پاس چلی جاؤ۔'' جابر علی نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی تھی۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں آپ، وہ تو گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔''

''پھر تم بھی چلی جاؤ، تمہیں کس نے روکا ہے۔'' جابر علی نے ایک مرتبہ پھر بڑی تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''جابر علی بات کرتے ہوئے کچھ تو سوچ لیا کرو، جوان بیٹیاں بیٹھی ہیں گھر میں۔'' صابرہ نے غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت میں شوہر کو ٹوکا تھا۔

''تجھ سے زیادہ خیال ہے مجھے اپنی بیٹیوں کا...... آئی سمجھ! سال میں صرف دو جوڑے کپڑے نہیں بناتا۔ جو کماتا ہوں تیری اولاد پہ خرچ کر دیتا ہوں اپنی ذمے داریوں کا اچھی طرح احساس ہے مجھے۔ میرے سامنے زیادہ افلاطون بننے کی ضرورت نہیں۔ خبردار جو میرے گھر سے آئندہ اپنے بیٹے کو فون کیا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' جابر علی نے دھمکی آمیز انداز میں بیوی سے کلام کیا اور اسی طرح غصے میں طنطناتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''یا اللہ کیسی نیند ہے اس شخص کی پتا ہی نہیں چلتا میں تو سوچ رہی تھی کہ شاید بہت گہری نیند سو رہے ہیں۔'' وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ ''ہائے میری قسمت۔'' صابرہ پلنگ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی اور اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

☆☆☆

رابی پولیس اسٹیشن میں بیٹھی ہوئی تھی...... اس نے چادر سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ ایک کانسٹیبل کرسی پر بیٹھا ہوا ایک ٹک اسے گھورے جا رہا تھا...... لیڈی کانسٹیبل رابی کے اردگرد ٹہل رہی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے ذرا دیر کو رکتی، رابی پر نظر ڈالتی پھر ٹہلنا شروع کر دیتی...... پھر جانے اسے کیا خیال آیا کہ رابی کے پاس آکر رک گئی اور اسے گھورتے ہوئے کہنے لگی۔

''یار کے ساتھ بھاگی تھی اور وہ تجھے چھوڑ کر بھاگ گیا ہوگا؟ یہی ہوتا ہے تم جیسی لڑکیوں کے ساتھ۔''

رابی نے ایک نظر لیڈی کانسٹیبل پر ڈالی اور اپنا سر جھکا لیا وہ بالکل خاموش تھی۔

''بہت مال لے کر بھاگی تھی تو ڈاکٹر صاحبہ کی نوکرانی نہ ہوتی تو تجھے پتا ہی لگ جاتا۔ وہ تو اوپر سے آرڈر ہے کہ تیرا خیال کیا جائے۔'' لیڈی کانسٹیبل سر ہلاتے ہوئے بڑے دھمکی آمیز انداز میں اس سے کہہ رہی تھی۔

رابی کی خاموشی اسی طرح تھی...... اس لیے کہ اس کے پاس کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

''یہ تو بتاؤ نوٹوں کے پیکٹ تم نے چرائے کیسے؟ بڑی ایکسپرٹ لگتی ہو، لگتا تو یہی ہے کہ پہلے ڈاکٹر صاحب کے گھر سے مال چوری کر کے اپنے یار کو سپلائی کر دیا ہوگا۔'' یہ کہہ کر لیڈی کانسٹیبل نے اپنے میل کانسٹیبل کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی جیسے اس سے تائید چاہ رہی ہو...... کہ اس نے بڑے پتے کی بات کی ہے۔ بڑا زبردست پوائنٹ اٹھایا ہے۔

''حلیہ اور شکل تو دیکھو، لگتا ہی نہیں ہے کہ نوکرانی ہو...... بڑا میں ٹین رکھا ہوا ہے اپنے آپ کو۔'' اس کی بات پر دوسرے کانسٹیبل نے مزید نظریں گاڑ دی تھیں اس کے اوپر۔

''خالی نوٹ لے کر بھاگی تھی یا زیور بھی اٹھایا تھا...... اگر اٹھایا تھا تو وہ غائب ہے...... اور زیور غائب ہے

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرا یار لے کر بھاگ گیا لیکن یہ تو بتا نوٹ کیوں چھوڑ گیا؟"

"بکواس بند کرو!" رابی کی جیسے اب قوتِ برداشت جواب دے رہی تھی۔ اس نے بہت کس کے اپنی مٹھیاں بھینچیں اور پوری قوت سے چلائی۔ دونوں نے ہکا بکا ہو کر رابی کی دیکھا تھا جیسے انہیں امید ہی نہیں تھی کہ وہ اتنی زور سے چلا بھی سکتی ہے۔

"پولیس والوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے، شرم تو بیچ کر کھا گئی...... عقل بھی ساتھ چھوڑ گئی کیا؟" لیڈی کانسٹیبل جو رابی کے قریب ہی کھڑی تھی اس نے ایک تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا۔

رابی اپنے گال پر ہاتھ رکھے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غصہ بھی تھا اور بے بسی کی کیفیت بھی...... لیڈی کانسٹیبل نے دانت پیس کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اوپر سے آرڈر ہے کہ تجھے لاک اپ میں نہیں رکھنا، ڈاکٹر صاحب کے گھر بھیجنا ہے ورنہ تو میں تجھے بتاتی اچھی طرح۔" رابی کو یوں لگا جیسے اسے چکر آ رہے ہوں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

☆☆☆

گل جان، ڈاکٹر مہر جان کے وی آئی پی وارڈ میں قریب ہی کرسی پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس وقت نرس نے آ کر اسے اطلاع دی کہ ریسپشن پر آ کر وہ اپنا فون ریسیو کر لیں۔

"فون......؟" گل جان اپنے خیال سے چونک پڑی تھی۔ اس نے نرس کی طرح الجھن بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی آپ کے گھر سے فون ہے۔" یہ کہہ کر نرس فوراً ہی نکل گئی تھی۔

گل جان نے بڑی فکر مندی سے ایک نظر بی بی جان کی طرف دیکھا اور سوچنے لگی کہ شاید روما کا فون ہوگا...... وہ الجھی الجھی کیفیت میں ریسپشن تک آئی ریسیور کاؤنٹر پر پڑا ہوا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ گل جان نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور بڑی کمزور سی آواز میں گویا ہوئی۔

"ہیلو......"

"گل جان بی بی میں اصیل خان بات کر رہا ہوں۔" دوسری طرف سے اصیل خان بات کر رہا تھا۔

"بولو اصیل خان۔" وہ پریشان ہو کر کہہ رہی تھی۔

"وہ بات یہ ہے کہ پولیس اسٹیشن سے فون آیا ہے۔" اس نے اٹک اٹک کر بتایا۔

"پولیس اسٹیشن......؟" گل جان کے چاروں طرف جیسے بم کے گولے گر گر کر پھٹنے لگے۔

"جی، فون تو رات بھی آیا تھا لیکن ابھی جو فون آیا ہے اس سے پتا چلا ہے کہ رابی اب اسی شہر میں ہے اور پولیس اسٹیشن میں بیٹھی ہے پولیس اس کو مری سے گرفتار کر کے لائی ہے۔"

"گرفتار کر کے لائی ہے۔" گل جان کا دل کسی ان دیکھی گہرائی میں ڈوبتا ہی چلا گیا۔ بڑی مشکل سے اس کے منہ سے آواز نکلی تھی۔

"جی، اب آپ بتائیں کیا کرنا ہے؟"

"میں بتاؤں کیا کرنا ہے؟" گل جان کو اصیل خان کا جواب کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"جی، میرا مطلب یہ ہے کہ پولیس والے کہہ رہے ہیں کہ آ کر لے جائیں۔"

گل جان نے اپنے تاریکیوں میں ڈوبتے ہوئے دل کو بڑی مشکل سے قابو کیا۔ "لانا تو ہوگا ناں اصیل

خان...... اور اسے کون لا سکتا ہے۔ ظاہر ہے تم ہی لے کر آؤ گے۔ جاؤ لے آؤ اسے ایک مرتبہ پھر روز مرنے کے لیے۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

وارث علی، ایس پی شاہ زمان کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں کے چہروں پر فتح مندی اور کامرانی کے تاثرات چمک رہے تھے اور جیسے وہ قہقہے لگانے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے۔

"سر جی آپ سین تو دیکھتے، زیور دیکھ کر تو جابر علی کے ہوش ہی گم ہو گئے۔" وارث علی بڑے ڈرامائی انداز میں منظر کشی کر رہا تھا۔

"سارا کا سارا نقلی ہے یا کچھ اصلی بھی لے گئے تھے۔" ایس پی شاہ زمان کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی ابھری۔

"تھوڑا سا اصلی بھی ڈالا ہے شاہ جی۔" وارث علی، شاہ زمان کی طرف جھک کر بڑی رازداری کے انداز میں بولا تھا۔

"میرا مطلب ہے چاندی پر سونے کی پالش کروائی ہے بھئی چاندی تو اصلی ہوئی ناں تو کہہ سکتے ہیں کہ زیور نقلی نہیں اصلی ہے۔" شاہ زمان نے یہ سن کر بڑا زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"واہ بھئی مان گئے تمہیں...... اور جو تم نے دلیل دی ہے ناں وہ بہت مضبوط ہے، میں ہارا تم جیتے......"

"ویسے یار کتنے سیٹ لے گئے تھے......؟"

"پورے پانچ سیٹ لے گیا تھا سر جی...... کوئی مائی کا لال ذرا کہہ دے اسے دیکھ کر کہ یہ اصلی زیور نہیں ایسا کندن کی طرح چمکتا ہوا بالکل پاسے کا سونا لگ رہا تھا۔"

"بہت خوب......" شاہ زمان نے جیسے وارث علی کو کوئی عظیم کارنامہ انجام دینے پر داد دی تھی۔

"یعنی کہہ سکتے ہیں کہ اب ہمارے اچھے دن بہت قریب آ رہے ہیں۔"

"آ رہے ہیں نہیں سر جی آ چکے ہیں، ایک ہفتے بعد تو شادی ہے، بس پھر سب کچھ اپنی جیب میں آ گیا سمجھو......"

"لیکن یار شروع، شروع میں تو تمہیں بہت احتیاط کرنا ہوگی۔ بیوی کے احساسات کا بھی بہت خیال رکھنا ہوگا۔ بیوی ہی بدک گئی تو پھر کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"آپ نے کیا مجھے اتنا بے وقوف سمجھا ہوا ہے سر جی...... ارے، پہلے بیوی ہی کو تو شیشے میں اتارنا ہے، بیوی شیشے میں اتری سمجھو ہم کیس جیت گئے...... پھر جابر علی ہمارا کچھ نہیں کر سکے گا۔" وارث علی نے بڑے اعتماد سے ایس پی کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تھا۔

"یار ویسے تمہیں آٹھویں شادی کرتے ہوئے کیسا لگ رہا ہے۔ سات شادیوں کا تجربہ کوئی مذاق نہیں، تم تو ڈیڑھ سو سال کے بوڑھے آدمی سے زیادہ تجربہ کار ہو چکے ہو۔ بندہ ایک شادی کے بعد تجربہ کار کہلانے لگتا ہے، یار تم تو تجربات کی حدیں پھلانگ گئے ہو۔" ایس پی شاہ زمان نے یہ کہہ کر زوردار قہقہہ لگایا۔ وارث علی بھی اتنی ہی اسپرٹ کے ساتھ قہقہہ لگانے میں اس کا ساتھ دینے لگا بہ مشکل دونوں نے قہقہوں کو کنٹرول کیا تھا۔

"ویسے یار تمہارے پاس ٹرک کیا ہے، عورتیں کیسے پھنس جاتی ہیں، ہم تو یار دوسری شادی کا نام لیں تو ہمارے گھر میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ میرا مطلب ہے مذاق میں بھی، سنجیدگی سے لینا تو بہت بڑی بات ہے۔ تم نے شاید سنا نہیں پولیس والے کی بیوی اس سے زیادہ پولیس والی ہوتی ہے۔"

وارث علی شاہ نے ایس پی کی بات سن کر بھرپور زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"سات شادیاں تو ہوئیں مگر پھر بھی نہیں ہوئیں یعنی پانچ کو تو میں فارغ کر چکا ہوں، ٹرک یہ ہے کہ چار ہو جاتی ہیں، دو کی جگہ خالی کرتا ہوں پھر دو آ جاتی ہیں...... پھر جو دو سینئر ہوتی ہیں وہ واپس کر دیتا ہوں دو جونیئر آ جاتی ہیں۔ کبھی غیر قانونی اور غیر شرعی کام نہیں کرتا...... ایک وقت میں چار سے زیادہ نہیں رکھیں۔" وارث علی ..... بڑے بھونڈے انداز میں اپنی کارکردگی بتا کر شاہ زمان کو تسلی دے رہا تھا۔

شاہ زمان پر جیسے ہنسی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ اتنا ہنسا کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھیں پونچھیں اور کہنے لگا۔

"تمہارا بھی جواب نہیں وارث علی، کہتے تو ہمیں سر جی ہو لیکن اصولی بات یہ ہے کہ سر جی تو تمہیں کہنا چاہیے۔"

وارث علی اب جھک کر آداب بجالانے لگا۔ جیسے خاکساری کا مظاہرہ کر رہا ہو۔

"یار وہ لوگ بہت تنگ کر رہے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ کے علاقے میں پاؤں رکھنے کے لیے جگہ چاہیے اور یہ آپ کا ایماندار افسر ہماری جان کو آ گیا ہے۔ ہر وقت دھندا خطرے میں ہے، ہم اس بندے سے بھی نبٹ لیتے، ایسا غائب کر دیتے جیسے پیدا ہی نہیں ہوا مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ آئی جی صاحب کا سر چڑھا ہوا ہے اور ان کے بہت قریب ہے۔ اِدھر اُدھر سے پتا چلتا ہے کہ آئی جی صاحب ڈائریکٹ اس سے انفارمیشن لیتے ہیں اس لیے کوئی رسک نہیں لیا جا سکتا اگر اسے کچھ ہوا تو آئی جی صاحب فوری investigation کروائیں گے۔"

شاہ زمان اب سنجیدہ ہو چلا تھا۔ وارث علی، ایس پی کی بات سن کر اسی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"سر جی آپ کو کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں ہے...... سمجھیں کام ہو گیا۔ لڑکی گھر میں آ گئی تو سمجھو اس کا باپ جیب میں آ گیا۔"

ایس پی شاہ زمان کے چہرے پر فتح مندی کے تاثرات بہت واضح نظر آ رہے ہیں۔ جیسے وارث علی کی باتوں سے اس کا حوصلہ بڑھا ہو۔

"ٹھیک ہے یار، تم شادی کی تیاری کرو، تمہاری شادی دھوم دھام سے ہوگی۔ تمہارے دوست احباب کم ہوں گے لیکن پچاس ساٹھ باراتی میری طرف سے۔ زیادہ تو نہیں ہیں......؟" وارث علی مسکرا دیا۔ شیطانی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

"پچھ سو بندے لے آئیں۔ ہم نے کون سا اپنی جیب سے کھلانا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی کنگھی نکالی اور اپنے بچے ہوئے بالوں پر پھیرنے لگا۔

شاہ زمان اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ اطمینان اور سکون کا وہ عالم تھا جیسے دنیا میں واحد یہ دو بندے ہوں...... جنہیں غم کے معنی ہی نہ پتا ہو۔

☆☆☆

کائناز آنکھیں پھیلائے حیران پریشان شاہ عالم کو بڑے رازدرانہ انداز میں بتا رہی تھی۔

"دادا جان میرا تو دل دھک سے رہ گیا۔ سر کی امی جب بات کر رہی تھیں تو ایک آدمی اتنی زور سے چیخا کہ بیٹے سے چھپ چھپ کر باتیں کرتی ہے۔ میرے خلاف سازشیں کر رہی ہے۔ دادا جان مجھے تو اتنا ڈر لگا کہ میں بتا نہیں سکتی۔ یہ سر کے گھر میں کون آدمی اتنی زور سے چیخ سکتا ہے۔" شاہ عالم بہت توجہ سے کائناز کی بات سن رہے تھے مگر ساتھ ساتھ ان کا اپنا ذہن اِدھر اُدھر قلابازیاں بھی کھا رہا تھا۔ اس کا سوال سن کر وہ زبردستی کے انداز میں مسکرائے کیونکہ ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

"بیٹا، ظاہر ہے تمہارے سر کی امی بات کر رہی تھیں اور ان سے کوئی شخص چلّا کر بات کر رہا تھا ممکن ہے وہ تمہارے سر کے فادر ہی ہوں گے لیکن تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" شاہ عالم نے کائناز کو تو تسلی دی لیکن خود اندر سے بری طرح فکر مند ہو گئے تھے کیونکہ یہ چند جملے یا چند الفاظ نہیں تھے۔ یہ پوری بائیوگرافی تھی برہان کی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کے گھر کا کیا ماحول ہے، کیا حالات ہیں، لفظ سازشیں اپنے اندر بہت گہرائی رکھتا تھا...... اور کچھ ایسے بھید دیتا تھا جس کی حقیقت کو تسلیم کرنے میں شاہ عالم کو بہت ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہارٹ پیشنٹ تھے۔ ان کے کمزور اور ناتواں دل کو ہر پل ہر لمحے کسی خود فریبی کی لاٹھی درکار تھی۔ اندر ہی اندر ایک دکھ ان کو کاٹنے لگا کیونکہ وہ برہان سے بہت متاثر تھے۔ اس کی شائستگی، اس کا رکھ رکھاؤ...... اس کی بات چیت...... کائناز نے انہیں ایک نئی سوچ دے دی تھی۔ ان کا ذہن جیسے برہان میں اٹک کر رہ گیا۔ انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ برہان کا ان کے گھر میں آ کر ٹیوشن پڑھانا صرف پارٹ ٹائم جاب نہیں ہے۔ شاید اس کی مجبوری ہے۔

"دادا جان آپ کیا سوچ رہے ہیں...... ہوں...... لگتا ہے آپ بھی یہ سن کر پریشان ہو گئے ہیں۔ میں بھی رات سے پریشان ہوں۔ دادا جان اس آدمی کی آواز اتنی تیز تھی، آپ یقین کریں ایسا لگا جیسے میرے کان کا پردہ پھٹ گیا ہو۔"

"بس بیٹا اب آپ خاموش ہو جائیں اور دیکھیں برہان کو یہ فون واپس کرتے ہوئے اتنا ضرور بتا دیں کہ ان کی مدر کی کال آپ نے ریسیو کی تھی لیکن آپ نے جو کچھ سنا وہ آپ اپنے سر سے شیئر نہیں کریں گی۔ انڈر اسٹینڈ!"

"yes I nder stand دادا جان مجھے پتا ہے کہ سر سے یہ والی بات نہیں کرنی ہے۔" کائناز نے انہیں تسلی دی اور شاہ عالم سوچ رہے تھے کہ اتنے ٹینس حالات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والا بچہ نہایت قابلِ ستائش ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان گہری نیند سے جاگ چکی تھیں اور انہوں نے گل جان سے پانی مانگا تھا۔ گل جان نے گلاس میں پانی ڈال کر انہیں سہارا دیا اور پانی پلانے لگی۔ مہر جان نے ایک سانس میں ہی گلاس خالی کر دیا یوں جیسے پتا نہیں وہ کب سے پیاسی تھیں۔

"بی بی جان اور پانی دوں؟" گل جان نے پوچھا۔

مہر جان نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا...... دوبارہ لیٹ گئیں اور بڑے تھکے تھکے انداز میں جھٹ سے آنکھیں موند لیں لیکن جانے کس خیال کے تحت انہوں نے پٹ سے فوراً آنکھیں کھول دیں...... ساری سستی، نقاہت، نیند آناً فاناً کہیں ہوا میں اُڑ گئی۔ وہ بڑی تیز نظروں سے دیکھنے لگیں۔

گل جان ان کی نظروں کے تاثر سے گھبرا سی گئی تھی۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس وجہ سے نہیں کہ مہر جان اسے برا بھلا کہیں گی تو برداشت کرنا پڑے گا۔ اس وجہ سے کہیں ان کا بی پی شوٹ نہ کر جائے۔ کہیں غصے کی شدت سے دوبارہ کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو جائیں مگر وہ کچھ بولی نہیں چپ چاپ مہر جان کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

"وہ میرا موبائل کہاں ہے گل جان؟" گل جان نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر جیسے یاد آیا۔

"بی بی جان وہ تو آپ کے بیگ میں ہے۔"

"اور میرا بیگ کہاں ہے؟"

"وہ یہ رکھا......" گل جان نے ہاتھ کے اشارے سے دور رکھے ہوئے شولڈر بیگ کی طرف دیکھا۔

"دیکھو، اس میں میرا موبائل ہوگا۔"

"جی......جی آپ کا موبائل اس میں ہے، مجھے پتا ہے مگر وہ آف ہے۔"

"تو آن کرو۔" مہر جان نے حکمیہ انداز میں کہا۔ گل جان جلدی سے آگے بڑھی، بیگ کھولا اور موبائل نکالا اور سوئچ آن کیا......کمرے میں جیسے ہی ٹون گونجی......مہر جان نے گل جان کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے کہہ رہی ہوں موبائل مجھے دو۔

گل جان نے موبائل انہیں تھما دیا۔ مہر جان نے موبائل پر نظر ڈالی یہ دیکھنے کے لیے کہ سگنل آرہے ہیں کہ نہیں......لیکن جیسے ہی انہیں تسلی ہوئی کہ رابطہ ہوسکتا ہے۔ انہوں نے فوراً ہی ایک نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو......" وہ موبائل کان سے لگا کر جانے کس سے بات کررہی تھی۔ دوسری طرف سے کال ریسیو ہوئی تھی۔

"ڈاکٹر مہر جان بات کررہی ہوں لڑکی کا کچھ پتا چلا؟" جیسے ہی مہر جان کے منہ سے یہ جملے ادا ہوئے گل جان بے قراری کی کیفیت میں بلکہ اضطراری کیفیت میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوسری طرف سے جو جواب ملا تھا اس جواب کا تاثر مہر جان کے چہرے پر موجود تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"اچھا، لڑکی پولیس اسٹیشن میں ہے۔"

"ہاں کیونکہ میں کافی دن بے ہوش رہی اس لیے مجھے کسی نے بتایا نہیں بہرحال آپ کا بہت شکریہ......میں آپ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ جی، جی ٹھیک ہے، بہت بہتر اگر آپ نے گھر اطلاع کردی تھی تو یقیناً اسے کوئی لینے پہنچ گیا ہوگا اگر نہیں پہنچا تو میں ابھی بھیجتی ہوں۔ بہت شکریہ، واسطی صاحب......اسپتال سے ڈسچارج ہوکر میں آپ کو اپنے گھر ڈنر پر انوائٹ کروں گی اور میرے لائق جو بھی کام ہو آپ بلاتکلف کہیں......بہت بہت شکریہ واسطی صاحب، بہت بہت شکریہ۔" مہر جان کے ایک، ایک لفظ میں اتنا جوش وخروش اور زندگی تھی کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ موت اور زندگی کی جنگ سے لڑکر سستا رہی ہیں۔ موبائل بند کرکے انہوں نے گل جان کی طرف بڑی کاٹ دار نظروں سے دیکھا، ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"پرندے کے پر کٹ گئے...ہے ناں گل جان......آ گئی واپس......اسے اپنی ماں کے اثر رسوخ کا شاید اندازہ نہیں تھا۔ underestimate کرگئی مجھے......چلو خیر......اسے ایک سبق تو ملا اب زندگی بھر کم سے کم ایک جگہ تو بیٹھے گی۔ اپنی اوقات پتا چلنے کے بعد آئندہ کبھی کوئی خطرہ مول نہیں لے گی۔ میں اصیل خان کو کہتی ہوں کہ وہ اسے لے کر سیدھا میرے پاس چلا آئے۔ میں اسے کچھ نہیں کہوں گی بس ایک منٹ کے لیے اس کی صورت دیکھوں گی اور اسے کہوں گی بس ایک بار ایک جملہ مجھ سے بول دے کہ ماں میں تم سے ہار گئی۔" یہ کہہ کر مہر جان موبائل پر گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔ گل جان اپنی جگہ یوں کھڑی تھی جیسے فرشتہ اس کی روح قبض کرچکا ہو اور وہ صرف اور صرف ٹھنڈا وجود بن کر رہ گئی ہو۔ خاک کا ڈھیر......مہر جان نمبر ڈائل کرچکی تھیں موبائل ان کے کان سے لگا تھا اور کہہ رہی تھی۔

"اصیل خان، رابی کو پولیس اسٹیشن سے جاکر لے آؤ لیکن اسے گھر لے کر مت جانا......سیدھے میرے پاس لے آنا۔" مہر جان نے صرف اتنا کہا اور فون بند کردیا۔

☆☆☆

"وہ بیگم صاحبہ اسپتال میں ایڈمٹ ہیں، ان کا حکم ہے کہ آپ کو لے کر سیدھا اسپتال پہنچوں۔" اصیل خان سر جھکائے بہت ادب سے رابی سے مخاطب ہوا تھا۔ دور کھڑی لیڈی کانسٹیبل حیرت سے دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ایک ملازم، ملازمہ سے کس انداز میں بات کررہا تھا۔ البتہ رابی کے سپاٹ چہرے پر کسی قسم کے کوئی تاثرات نہیں تھے۔ جس سے اندازہ ہوسکتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہے......پریشان ہے یا فکرمند......

"میں اسپتال نہیں جاؤں گی اصیل خان......تم مجھے گھر چھوڑ دو۔"

"نہیں رابی بی بی......میں بیگم صاحبہ کے حکم کے خلاف نہیں جاسکتا۔ انہوں نے مجھے خود فون کیا ہے کہ آپ کو لے کر اسپتال پہنچوں۔ آپ کو اسپتال ہی جانا ہوگا۔"

"میں تو اس خیال سے کہہ رہی تھی اصیل خان کہ اماں اسپتال میں ایڈمٹ ہیں کہیں مجھے سامنے دیکھ کر انہیں پھر کچھ نہ ہوجائے۔ ابھی تم نے خود ہی تو بتایا ہے کہ موت اور زندگی کی جنگ لڑکر فارغ ہوئی ہیں۔" اس مرتبہ رابی کے لہجے میں ہلکی ہلکی تلخی تھی۔

لیڈی کانسٹیبل بڑے اچنبھے کی کیفیت میں دیکھے جارہی تھی۔

"بڑے میاں اس آوارہ کو یہاں سے لے جاؤ۔ اکیلی ہی پکڑی گئی ہے۔ جو اس کا یار تھا وہ ہاتھ نہیں لگا۔ اب روپیہ، پیسہ تو تمہارا سمجھو گیا بس لڑکی مل گئی۔ شکرانہ پڑھو، جاؤ اسے لے جاؤ یہاں سے۔ ہمارا ٹائم خراب نہیں کرو گھر جاکر باتیں کرلینا۔" لیڈی کانسٹیبل نے بڑے اکھڑپن سے اصیل خان کو مخاطب کیا تھا۔

"بہت بولتی ہے تو......کسی دن یہ زبان تجھے مروادے گی۔" رابی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور دانت پیس کر بولی۔ لیڈی کانسٹیبل نے رابی کے منہ سے جو یہ جملہ سنا تو اس کی تو آنکھیں گویا چھت سے لگ گئیں۔

"ارے پولیس والوں سے اس طرح بات کررہی ہے اور وہ بھی پولیس اسٹیشن میں کھڑی ہوکر، اتنی ہمت تیری......میں کہہ رہی ہو بڈھے اس کو یہاں سے لے جا......اوپر سے آرڈر نہیں ہے ورنہ اس کی زبان نہیں دیکھتی۔ آوارہ......بے حیا......گھر سے بھاگی ہوئی بھگوڑی......میرے سامنے زبان کھولتی ہے۔"

اصیل خان نے ایک دم دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسے لیڈی کانسٹیبل کو بولنے سے روکا......اس کے چہرے پر انتہائی کرب اور اذیت کی لکیریں کھنچ گئی تھیں پھر اس نے رابی کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"رابی بی بی بس بات کو نہ بڑھائیں، جلدی سے چلیں یہاں سے۔" یہ کہہ کر وہ آگے کی طرف بڑھ گیا۔ رابی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ لیڈی کانسٹیبل نے ایک پاؤں زور سے دے کر زمین پر مارا۔

"سالی دو نمبر، ہم افسروں کے منہ لگتی ہے۔" رابی نے کس قیامت سے گزر کر اس کا یہ جملہ برداشت کیا تھا یہ وہی جانتی تھی۔

☆☆☆

پولیس اسٹیشن سے اسپتال تک کا راستہ رابی نے جس کیفیت میں طے کیا تھا اس کیفیت کو کوئی خاص نام نہیں دیا جاسکتا......لیکن محسوس یہ ہوتا تھا جیسے وہ ایک دنیا کا سفر طے کرنے کے بعد دوسری دنیا کی حدود میں داخل ہوگئی ہو اور آگے پل صراط کا مرحلہ ہو......اب جانے وہ کٹ کر اِدھر اُدھر کب گرتی ہے یا اس پل کو پار کرکے کسی ایک نئی دنیا میں داخل ہوتی ہے۔ جہاں موت کا شعور نہ ہو اور زندگی سزا کی صورت مسلط ہوجائے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے......ایسی زندگی جس کے دوسرے کنارے پر موت کے بجائے پھر ایک نئی زندگی کھڑی ہو......اور اس

زندگی کے بعد پھر ایک موت پھر زندگی در زندگی...... سزا در سزا...... محرومی در محرومی اور ایک لازوال خالی پن...... گاڑی بڑی اسپیڈ سے اسپتال کی طرف دوڑتی جارہی تھی۔

اصیل خان ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا...... رابی نے اپنے شل ہوتے ذہن کو بڑی مشکل سے سنبھالنے کی کوشش کی۔ اب موت راہِ نجات نہیں اور زندگی میں کوئی راہ فرار نہیں......

''اب زندگی سے کھیلوں گی اور جم کے کھیلوں گی...... ہار نہیں مانوں گی۔'' اس کی رگ رگ میں لہو کے بجائے ایک بے خوف عزم دوڑ رہا تھا۔ جس طرح اس نے موت کے احساس کو الوداع کہا تھا...... اسی طرح اس نے ہر قسم کے خوف کو بھی الوداع کہہ دیا تھا۔

☆☆☆

گل جان کے دل کو جیسے پنکھے لگے ہوئے تھے خوف سے اس کا رواں رواں کھڑا ہوا تھا۔ رابی، اصیل خان کے ساتھ کسی بھی وقت پہنچ سکتی تھی۔ آنے والے وقت کا سوچ، سوچ کر ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ خوف کے ساتھ ساتھ اندیشے بھی تھے کہ کہیں رابی پر نظر پڑتے ہی مہر جان کو پھر کچھ نہ ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو اس کے ذہن پر پھر کوئی شاک لگے اور بہت کچھ ہاتھ سے نکل جائے۔

مہر جان برابر گل جان کو دیکھے جارہی تھیں انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر گل جان کو پریشانی کیا ہے۔ وہ بیٹھتی کیوں نہیں ہے۔ اتنی بے قرار کیوں ہے۔

''گل جان تمہیں کیا مسئلہ ہے، بیٹھتی کیوں نہیں...... میں اتنی دیر سے دیکھ رہی ہوں کہ تم مسلسل ٹہل رہی ہو۔'' آخر کار وہ بول ہی پڑیں۔

''بی بی جان مجھے تو بس آپ کا خیال ہے، اتنی بڑی تکلیف سے گزری ہیں آپ''، گل جان نے سہمی سہمی نظروں سے مہر جان کی طرف دیکھا اور بڑی مشکل سے تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ اس سے پیشتر کہ اس کا جملہ مکمل ہوتا۔ مہر جان نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''اس کے باوجود مری نہیں، زندہ ہوں...... بچ گئی......''

''بی بی جان یہ جو انتقام کی آگ ہوتی ہے ناں اس میں بھی بڑی قوت ہوتی ہے۔ بارود بھرا ہوتا ہے اس میں...... یہ انسان کو جینے نہیں دیتی۔ اس کے اندر زندہ رہنے کی ضد پیدا کر دیتی ہے۔''

''یعنی کہ تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں انتقام کی آگ میں جل رہی ہوں اور مجھے اس انتقام کی آگ نے زندہ رکھا ہوا ہے۔''

مہر جان اس کی بات سن کر مسکرائیں۔

گل جان جواب میں خاموش رہی۔ اسی وقت دروازہ کھلا تھا...... دروازہ کھلنے کی آواز نے گل جان کی رہی سہی جان بھی نکال دی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے دروازے کی طرف دیکھا تو سامنے وہی حقیقت کھڑی تھی۔ جس کا سامنا ہونے کے احساس سے ہی اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔

اصیل خان، رابی کو لے کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ رابی چادر میں لپٹی ہوئی سر جھکائے اصیل خان کے پیچھے بہت آہستہ قدموں سے آرہی تھی۔

گل جان کا دل بیٹھ گیا...... اور اس نے خوفزدہ ہو کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔

ڈاکٹر مہر جان کی نظریں رابی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ پلکیں نہیں جھپک رہی تھیں۔ آنکھوں میں

گویا انگارے دہک رہے تھے۔ کمرے میں ایک گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے سانسوں کا زیر و بم ماحول میں گونج رہا ہو۔ اس کے علاوہ کوئی آواز نہ ہو...... رابی دروازے کے قریب ہی رک گئی تھی جبکہ اصیل خان ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔

مہر جان چند لمحے رابی کی طرف دیکھتی رہیں پھر اُن کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''آخر کار قدرت نے پھر تمہیں مجھ تک پہنچا دیا۔ دنیا میں روز سیکڑوں لوگ خودکشی کر کے مرجاتے ہیں، تجھے مرنے کے لیے کہیں سے چٹکی بھر زہر بھی نہیں ملا۔ مجھ سے جان چھڑانے کے لیے تو تیرا مرنا شرط ہے۔'' یہ کہتے ہوئے مہر جان بیڈ سے نیچے اتر آئیں۔

''بی بی جان آپ کھڑی مت ہوں، بیٹھ جائیں۔'' گل جان جلدی سے آگے بڑھی تاکہ انہیں سہارا دے۔

مہر جان نے ایک جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑایا اور آہستہ آہستہ رابی کی طرف بڑھی۔

اب اصیل خان نے بھی بہت خوفزدہ ہو کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا اور وہ صرف رابی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ رابی کا سر اسی طرح جھکا ہوا تھا۔ مہر جان آگے بڑھیں انہوں نے رابی کی ٹھوڑی کو انگلی سے چھوا اور اس کا چہرہ اونچا کیا پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''کیا پوچھ رہی ہوں میں تجھ سے...... اتنا کچھ لے کر بھاگی تھی۔ دو روپے کا زہر نہیں خرید سکی کہیں سے...... کیوں واپس آگئی۔ مجھے تو تیری لاش بھی مل جاتی تب بھی سکون مل جاتا...... اب جو میں تیرے ساتھ کروں گی تجھے اس کا اندازہ نہیں ہے۔'' رابی نے آہستگی سے پلکیں اٹھائیں اور مہر جان کی طرف دیکھا پھر بہت اطمینان سے ان کا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''اماں جان میں روز مرنے کے لیے آگئی ہوں...... لیکن سہراب خان کے گھر نہیں جاؤں گی۔''

''تجھے سہراب خان کے گھر میں ہی آباد ہونا ہے۔ ہاں اگر تجھے سہراب خان پسند نہ آئے تو اس کے گھر میں خودکشی کر کے مرجانا...... لیکن اب میری انا کا سوال ہے، میں نے سہراب خان کو بیٹی دینے کی حامی بھری ہے۔ بیٹی تو میں اسے دے کر رہوں گی۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے مجھے ذرہ برابر بھی پروا نہیں۔'' مہر جان نے یہ سنا اور جیسے ان کے اندر قیامت برپا ہو گئی۔

''اماں جان آپ کی یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔ ہوسکتا ہے آپ میری ڈیڈ باڈی ضرور دیکھیں...... لیکن یہ ڈیڈ باڈی آپ اپنے گھر میں ہی دیکھ سکیں گی...... پھر بھی آپ کی تسلی اور اطلاع کے لیے اتنا کہنا ضروری سمجھتی ہوں کہ میں بزدل نہیں ہوں آپ سے پہلے مرنا نہیں چاہتی۔'' رابی نے پھر مہر جان کی طرف دیکھا اور بہت اطمینان سے مسکرائی۔

گل جان ایک دم آگے بڑھی اور دونوں کے درمیان آکے کھڑی ہو گئی پھر دونوں ہاتھوں سے اس نے رابی کو پیچھے کی طرف دھکیلا اور آنسو بھری آواز میں گویا ہوئی۔

''بی بی جان، بچی ہے یہ چھوڑ دیں اسے۔ آپ کے پاس اختیار ہے، طاقت ہے، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ آپ خود کو سنبھالیں۔''

مہر جان نے دونوں ہاتھوں سے بہن کو ایک طرف دھکیل دیا، ان کی نظریں ابھی تک رابی پر جمی ہوئی تھیں۔

''زبان چلاتی ہے، سوال جواب کرتی ہے، حکم ماننے سے انکار کرتی ہے۔ میں نے تجھے بہت برداشت کر لیا رابی۔''

"اماں جان اگر آپ صرف نام کی ماں ہیں تو سن لیجیے میں نے بھی آپ کو بہت برداشت کرلیا۔"

اتنا سننا تھا کہ مہر جان چیل کی طرح اس پر جھپٹ پڑیں اور تابڑ توڑ رابی کے چہرے پر طمانچے مارنے شروع کر دیے۔

اصیل خان اور گل جان آگے بڑھ کر مہر جان کو رابی سے دور کرنے کی کوشش کرنے لگے...... لیکن جنون میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے پہلوان مقابلہ نہیں کرسکتے۔ مہر جان نے اسی جنونی کیفیت میں دونوں کو ایک ہی جھٹکے سے اِدھر اُدھر کر دیا تھا...... اور پھر رابی کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کر دیے تھے۔

"احسان فراموش، کہیں بھیک مانگ رہی ہوتی، میں نے تجھے اپنی عزت کے لیے عزت دی۔ اصیل خان بتادو اسے کہ یہ میری بیٹی نہیں ہے، کچرے سے اٹھا کر لائی تھی میں اسے۔" اتنا کہہ کر مہر جان کو جیسے چکر آنے لگے، انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور اِدھر اُدھر ڈولنے لگیں۔

"بی بی جان...... بی بی جان دیکھیں میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ رابی کو یہاں نہ آنے دیں، خدانخواستہ آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوسکتی ہے۔" وہ بڑی مشکل سے مہر جان کو کھینچتی ہوئی بیڈ تک لے جارہی تھی۔

اصیل خان نے رابی کو اشارے سے کمرے سے باہر جانے کے لیے کہا وہ اپنی چادر درست کرتے ہوئے اور اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں اور رابی کو گھر پہنچا دیتا ہوں، باقی جیسے آپ کہیں......" اصیل خان نے گل جان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں، ہاں اسے پہلی فرصت میں یہاں سے لے جاؤ، خدا کے لیے لے جاؤ اسے یہاں سے...... میری بہن مرجائے گی۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اصیل خان خاموشی سے کمرے سے نکلا اور گل جان، بی بی جان کے چہرے کو چھو چھو کر آواز دینے لگی۔

"بی بی جان...... بی بی جان...... بی بی جان آپ میری آواز سن رہی ہیں، خدا کے لیے بولیں، بی بی جان ہم اپنی سزا پر راضی ہیں اگر آپ نہ رہیں تو سزا ادھوری رہے گی پھر ہمارا کیا بنے گا۔ ہم تو روز اپنا بویا ہوا کاٹتے ہیں، اسی لیے زندہ ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اس دنیا کو چھوڑنے سے پہلے دھل کر پاک ہوجائیں، بی بی جان خدا کے لیے کچھ تو بولیں۔" وہ سسک سسک کر رونے لگی۔

مہر جان ہوش وحواس سے بیگانہ ہوچکی تھیں۔

☆☆☆

"کائنات تم سمجھنے کی کوشش کرو، تمہیں پتا ہے ناں آج کل کیا حالات ہیں، گھر کا ماحول کیا ہورہا ہے۔ اماں جان اسپتال میں ہیں، میں کیسے ٹیوشن لینے آسکتی ہیں۔" وہ کائنات سے کہہ رہی تھی۔

"لیکن اگر تم اسپتال جاؤ تو اپنی اماں جان سے اجازت لے لینا، دیکھو اب وہ حالات بھی نہیں ہیں جو پہلے تھے۔ رابی آپا کے جانے کے بعد اماں تمہارے ساتھ بہت زیادہ سختی نہیں کریں گی۔"

"لیکن اگر انہیں سنتے ہی غصہ آگیا اور ان کی طبیعت خراب ہوگئی تو مجھے بہت گلٹی فیل ہوگا۔ وہ تو شروع ہی سے کہتی ہیں کہ ٹیوشن پڑھنے والے بچے dependened ہوجاتے ہیں۔ کوئی اچھی پروگریس نہیں آتی۔ انہیں سہارے کی عادت پڑجاتی ہے۔"

"لیکن تم انہیں سمجھانے کی کوشش کرو کہ آج کل کالجز میں اس طرح سے پڑھائی نہیں ہوتی۔ جیسے پہلے

زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ اب ٹیچرز اپنے اسٹوڈنٹ کو ایکسٹرا ٹائم نہیں دیتے۔ ہمارے یہاں تو نہیں دیتے شاید کہیں اور دیتے ہوں۔" کائنات اسے قائل کرنے کی بھرپور کوشش کررہی تھی۔

"ٹھیک ہے اماں جان کا موڈ دیکھ کر بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں مگر تم سے وعدہ نہیں کررہی۔"

"روما ایسے نہ کہو، سچ مجھے اکیلے پڑھنے میں مزہ نہیں آرہا۔ میں نے تو ان سے تمہاری بات بھی کرلی ہے۔" کائنات نے ایک دفعہ پھر بتایا۔

"میری بات...... میری کیا بات کرلی تم نے؟" روما حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"بھئی یہی کہ میری ایک دوست بھی آپ سے ٹیوشن پڑھے گی، آپ اپنا ذہن بنالیں کہ آپ ایک کو نہیں دو کو ٹیوشن دیں گے۔" روما نے یہ سن کر ایک گہری سانس لی۔

"بھئی میں تو ہر وقت ہر کام تمہارے ساتھ کرنا چاہتی ہوں لیکن مجبوری یہ ہے کہ اس سلسلے میں اماں جان کی پرمیشن کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ تمہیں ویٹ کرنا ہوگا۔ اماں جان گھر آجائیں تو تبھی کچھ ہوسکتا ہے۔ فی الحال تو تم اکیلے ہی پڑھو۔" اسی وقت گھر میں گاڑی کے تیز ہارن کی آواز گونجی تھی۔ روما چونک پڑی۔

"کائنات مجھے لگتا ہے کہ شاید اماں ڈسچارج ہوکر آگئی ہیں۔ باہر گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی ہے۔ میں ذرا دیکھتی ہوں بعد میں تم سے بات کروں گی۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ ریسیور رکھ کر وہ دیوانہ وار باہر کی طرف بھاگی...... لیکن لاؤنج سے باہر آتے ہی جیسے نظر پورچ میں کھڑی کار پر پڑی۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا کیونکہ کار کے پچھلے دروازے سے رابی باہر آرہی تھی۔ اسے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا ہو۔ وہ پتھر کا بت بنی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ رابی نے کار کا دروازہ بند کرتے ہی روما کی طرف دیکھا تھا۔

روما کی کیفیت دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری۔ اصیل خان پہلے ہی اتر کر اپنی جگہ مستعد کھڑا تھا۔

رابی آگے بڑھی۔

"نذیر محمد تم آرام کرو، تھوڑی دیر بعد واپس اسپتال جانا ہے۔" اصیل خان نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔ رابی نے آگے بڑھتے ہوئے اصیل خان کا یہ جملہ سنا اور روما کی طرف دیکھنے لگی۔

روما کو جیسے جنبش کرنا محال تھا حیرت کا کوئی پہاڑ تھا جو اس پر ٹوٹا تھا۔ رابی نے آگے بڑھ کر آہستگی سے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو، اتنا حیران کیوں ہورہی ہو، اماں جان کو گھر آجانے دو پھر تمہیں بہت کچھ دیکھنے کو ملے گا۔ کتنا حیران ہوگی، لوگوں کو بیماری سے حادثے سے مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حیرت سے مرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ لہٰذا اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں زندہ رہنے کے لیے بے حسی کی ضرورت ہے، حیرانی کی نہیں......" یہ کہہ کر رابی بڑے اعتماد سے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

روما جو اس سے لپٹ جانا چاہتی تھی۔ چیخیں مار مار کر رونا چاہتی تھی۔ اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرسکی۔

☆☆☆

فائزہ نے بڑے جتن کر کے آخر کار ماں سے شبینہ کے گھر جانے کی اجازت لے ہی لی۔ پتا نہیں کیوں شروع ہی سے شائستہ بیگم کو فائزہ اور شبینہ کی یہ دوستی کچھ بھائی نہیں تھی۔ انہیں دبی دبی مسکین چہرے والی شبینہ پتا نہیں کیوں کھٹکتی تھی۔ بلکہ وہ حیران ہوتیں کہ فائزہ کو آخر اس میں ایسی کیا بات نظر آئی ہے جو اس کے پیچھے دیوانی

ہوئی جاتی ہے۔ اسٹیٹس کا بھی فرق تھا...... ماحول کا بھی...... پہننے اوڑھنے کا بھی...... دور دور تک کسی چیز میں بھی مماثلت یا مشابہت نہیں تھی۔ انہوں نے بیٹی کی خوشی کی خاطر اسے جانے کی اجازت دے تو دی تھی مگر ساتھ ہی شرط لگائی تھی کہ وہ اکیلی نہیں جائے گی۔ بھائی کے ساتھ جائے گی۔

فائزہ خوشی خوشی تیار ہونے چلی گئی تھی۔

شائستہ بیگم کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ ان کی بیٹی سے زیادہ تو ان کے بیٹے کو شبینہ کے گھر جانے کی جلدی تھی۔ احمر لاؤنج میں بیٹھا بہن کا انتظار کر رہا تھا جبھی شائستہ بیگم نے آ کر اسے خاص تاکید کی۔

''دیکھو بیٹا یہ تو بالکل پاگل ہے، کسی دوست کے ساتھ بیٹھ جائے تو اٹھنے کا دل نہیں چاہتا...... مگر تم دیر نہ کرنا، جلدی آ جانا۔''

''جی امی، اب یہ اس پر ہے آپ اس کو بھی تاکید کر دیں۔'' فائزہ نے برا سامنہ بنا کر ماں کی طرف دیکھا۔

''اتنے دنوں کے بعد اپنی دوست کے گھر جا رہی ہوں، کیا تھوڑی دیر اس کے ساتھ باتیں بھی نہیں کروں۔''

''ہاں، ہاں باتیں ضرور کرنا مگر بھائی کو ڈرائیور سمجھ کر انتظار نہ کروانا۔''

''ہاں تمہیں دیر ہوئی تو تم بس سے آتی رہنا۔'' احمر نے ہی گویا دھمکی دی۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے، اب ظاہر ہے یہ تو اندر بیٹھنے سے رہا۔ کتنی دیر باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کرے گا۔ دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ بیٹھنا۔ ویسے بھی اچھا خاصا فاصلہ ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں امی، جیسے ہی پندرہ منٹ پورے ہوں گے میں ہارن پر ہارن بجانا شروع کر دوں گا۔'' احمر نے فائزہ کی طرف شریر مسکراہٹ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں اگر بہت زیادہ ہارن بجا دیے ناں تو شبینہ کے ابو لاک اپ میں بند کر دیں گے۔ پتا ہے ناں پولیس والے ہیں۔''

''اتنا ڈراؤ گی تو میں نہیں لے کر جا رہا، اکیلی چلی جاؤ۔'' احمر نے اس کو جیسے دھمکی دی تھی۔

''ارے بیٹا کیوں بحث میں الجھ کر ٹائم ضائع کر رہے ہو، اب جلدی جاؤ تاکہ جلدی واپس آ جاؤ۔'' فائزہ اور احمر لاؤنج سے باہر جانے لگے تو شائستہ بیگم سوچنے لگیں۔

''یہ پولیس والے کی بیٹی، شکل سے تو کسی غریب مسکین آدمی کی بیٹی لگتی ہے، پتا نہیں اس لڑکی کو اس میں کیا دکھائی دیا ہے۔'' وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں۔

جابر علی حسبِ معمول بہت آف موڈ میں گھر میں داخل ہوا تھا اور آتے ہی بیوی کو آواز دی تھی۔

''ارے بھئی کہاں ہو، ایک گلاس ٹھنڈا پانی لے کر آؤ۔'' اس نے سر سے کیپ اتار کر بستر پر اچھال دی اور خود ایک کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا اور...... فرض شناس بیوی صابرہ ذرا سی بھی تاخیر کیے بغیر ٹھنڈے پانی کا گلاس لے کر حاضر ہو گئی تھی۔

جابر علی نے جوتے اتارے اور سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پانی کا گلاس لے کر ایک گھونٹ بھرا لیکن گھونٹ بھرتے ہی اپنے بائیں جانب کلی کر دی اور گلاس کا سارا پانی ایک طرف اچھال دیا۔

''دوزخ کا پانی نہیں مانگا تھا، ٹھنڈا پانی مانگا تھا۔'' صابرہ کو گھورتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''وہ...... پانی تو ٹھنڈا ہی تھا۔''

''یعنی میں جھوٹ بول رہا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں تو جیسے دیکھتے ہی دیکھتے خون اتر آیا۔ صابرہ ایک

دم سہم سی گئی۔

''میں پانی میں برف ڈال کر دیتی ہوں، فریج سے ہی لے کر آئی تھی۔''

''ہاں فریج سے لے کر آئی تھی تو ابھی کسی نے بھر کے رکھا ہوگا وہی اٹھا کر لے آئی۔ یہ تو خیال ہی نہیں ہوگا کہ دیکھ لوں کہ ٹھنڈا بھی ہے یا نہیں۔ سر سے بلا اتارتی ہے۔ پتا نہیں کس دل سے کام کرتی ہے۔ زور نہیں چلتا ورنہ بیٹے کی طرح آج ہی گھر سے چلی جائے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر...... وہ تو اللہ نے کھونٹا کمزور کیا ہوا ہے، آگے پیچھے کوئی ہے نہیں۔ مجبوری میں بیٹھی ہے اس گھر میں۔''

صابرہ کے دل پر ایک قیامت سی بیت گئی لیکن صبر اور برداشت کے مرحلے اسے شاید آخری سانس تک طے کرنا ہی تھے۔ چپ چاپ ٹھنڈا پانی لینے چلی گئی اور بہت احتیاط سے دیکھ بھال کر ٹھنڈا پانی لے کر آئی پھر جابر علی کو گلاس تھما دیا۔ اس نے ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا اور اس انداز میں گلاس واپس کیا کہ اگر صابرہ تھام نہ لیتی تو زمین پر گر کر چور چور ہو جاتا۔ گلاس لے کر جیسے ہی وہ جانے لگی جابر علی نے پیچھے سے پکارا۔

''کہاں جا رہی ہو ایک منٹ اِدھر بیٹھو میری بات سن لو۔''

صابرہ خالی گلاس گود میں رکھ کر اس کے سامنے پلنگ پر بیٹھ گئی...... کچھ بولنے کے بجائے صرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے پر اکتفا کیا۔

''ایک دو روز میں نیا چاند ہو جائے گا، میرے خیال میں بارہ تاریخ ٹھیک ہے، وہ تو اگلے ہی ہفتے کے لیے کہہ رہا تھا لیکن میں نے کہا بھئی مجھے اپنے دفتر سے قرضہ ورضہ بھی لینا ہوگا، ہفتہ دس دن تو لگ جاتے ہیں تو اس لیے میں نے دو چار دن تاریخ آگے کر دی ہے۔'' صابرہ نے بڑی مشکل سے جیسے تھوک نگلا تھا۔ یوں جیسے حلق میں کچھ پھنس گیا تھا۔

''بارہ تاریخ...... بارہ تاریخ تو بس پاس ہی کھڑی ہے، ان دو چار دنوں میں شادی کی تیاری کیسے ہوگی؟''

''ہمیں کوئی تیاری ویاری نہیں کرنی۔'' جابر علی نے صابرہ کی بات کاٹ کر کہا۔

''رات کو تمہیں کپڑے، زیور وغیرہ دے دیے ہیں اسی میں سے جو پہننے کے لیے سلوانا چاہتی ہو سلوا لو، خود سینا چاہتی ہو تو سی لو، ہمیں کوئی خریداری وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان لوگوں نے سختی سے منع کر دیا ہے۔''

''لیکن خالی ہاتھ بیٹی کو رخصت کرنا بھی تو اچھا نہیں لگتا۔ انہوں نے جو کہا وہ ٹھیک ہے لیکن ہمیں خود بھی تو کچھ سوچنا چاہیے۔'' صابرہ نے ہچکچاتے ہوئے کہہ دیا۔

''ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے سوچنے ووچنے کی...... جو سوچنا تھا سوچ لیا۔ اب خالی ہاتھ یا بھرا ہاتھ...... بس شادی تو ہو رہی ہے۔ مجھے یہ دوغلا پن پسند نہیں ہے، دل میں کچھ زبان پر کچھ...... کل کلاں کو کچھ کہیں گے تو کہہ دیں گے کہ بھئی تم نے تو خود ہی منع کیا تھا۔ ہمارا کیا قصور ہے، دے دیتے ہمیں مہینہ دو مہینہ شادی کے لیے، کچھ نہ کچھ کر ہی لیتے۔''

''تو آخر اتنی جلدی کیا ہے؟'' صابرہ نے ڈرتے ڈرتے کہہ دیا۔

''بھئی ہم کون ہوتے ہیں اُن سے پوچھنے والے کہ اتنی جلدی کیوں ہے، پتا نہیں ان کی کیا مجبوری ہو، کیوں جلدی میں شادی کرنا چاہ رہے ہوں۔'' جابر علی نے جیسے خون کا گھونٹ پیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اگر اُن کی کوئی مجبوری ہے تو ہماری بھی تو کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔ آپ انہیں کہہ دیں کہ ہمیں بھی تو ایک مہینہ دیں۔'' صابرہ نے بڑی ہمت کر کے بات کی۔

"بھئی میں کیوں کہوں...... مجھے اتنی فالتو باتیں کرنے کی عادت نہیں ہے۔ شادی پندرہ دن بعد بھی ہونی ہے اور ایک مہینے بعد بھی ہونی ہے۔ ایک مہینہ ہمیں مل جائے گا تو کیا ہم دو چار کروڑ روپے کی زمین اس کو دے دیں گے۔ جو آج ہے ہمارے پاس وہی ایک مہینے بعد ہوگا، فضول میں ٹائم برباد کرنا۔" بات کرتے کرتے وہ دھیما ہوا تھا۔

"پچاس ہزار کالون میں نے اپلائی کیا ہے، ستارہ کے ہاتھ پر یہ پچاس ہزار کیش رکھ دینا جو مرضی اپنی پسند سے لے لے۔ سمجھو یہی ہماری طرف سے جہیز ہے اور ہاں ستارہ کو بتا دینا کہ بارہ تاریخ کو اس کا نکاح ہے۔"

صابرہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی وہ بڑی بے بسی سے جابر علی کی طرف دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ ستارہ کو بتا دو اس کا بارہ تاریخ کو نکاح ہے۔

"لیکن میں جابر علی سے یہ بھی تو نہیں کہہ سکتی کہ وہ خود ہی بیٹی کو بتا دے کہ بارہ تاریخ کو اس کا نکاح ہو رہا ہے۔ اپنی عمر سے دگنے آدمی کے ساتھ۔" جابر علی کو ستارہ کے سامنے کھڑا کرنا ایسا ہی تھا جیسے جلتی ہوئی پر تیل میں ڈالنا...... ہمت تو اسے ہی کرنا تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر اپنے اوسان سنبھالنے کی کوشش کی اور چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔ جابر علی پاؤں سے جرابیں کھینچتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"دو گھر میں عورت ڈھنگ کی نہ ہو تو سمجھو خانہ بس خراب...... یہی رہ گئی تھی میری قسمت میں۔" وہ بڑبڑانے لگا۔

صابرہ کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی تھی کیونکہ یہ پچیس برسوں کی خدمت کا بہت بڑا انعام تھا۔

☆☆☆

روما، اصیل خان کو ڈھونڈتی ہوئی لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ اسے پکا یقین تھا کہ وہ اسے یہیں ملے گا...... اور ہوا بھی ایسا ہی...... اصیل خان سر پر ٹوپی لگائے پنج سورہ ہاتھ میں پکڑے تلاوت کر رہا تھا۔ روما فاصلے پر کھڑی الجھی، الجھی سی اس کی طرف دیکھتی رہی کہ وہ قرآن پڑھ رہا ہے وہ اس سے بات کرے یا نہ کرے لیکن پھر اس نے دیکھا کہ اصیل خان نے اپنی تلاوت مکمل کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے تھے۔ روما کو اطمینان ہوا کہ چند لمحوں بعد اب اس سے بات کر سکتی ہے۔ اصیل خان نے دعا مانگ کر چہرے پر ہاتھ پھیرا تو روما تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے قریب گئی۔

"وہ بابا اصیل خان مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی...... رابی آپا تو دروازہ ہی نہیں کھول رہیں، میں ان سے باتیں کرنا چاہتی ہوں، پوچھنا چاہتی ہوں، وہ کہاں چلی گئی تھیں، کہاں سے آئی ہیں، وہ تو آپ کے ساتھ آئی تھیں آپ کو پتا ہے کہ وہ کہاں تھیں؟"

"بیٹا آپ پریشان مت ہوں جو کچھ بھی ہے میرا مطلب ہے جو کچھ بھی ہوا کہاں تھیں، کہاں سے آئی ہیں سب آپ کو پتا چل جائے گا، ابھی وہ آرام کر رہی ہیں، انہیں آرام کرنے دیں، ہوسکتا ہے وہ تھکی ہوئی ہوں اور وہ سو گئی ہوں۔" اصیل خان نے ایک گہری سانس لے کر اپنی دکھ کی کیفیت چھپاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور بڑی شفقت سے مسکرایا۔

"لیکن آپ تو مجھے بتا دیں ناں، آپ آپا کو کہاں سے لے کر آئے ہیں؟" اصیل خان، روما کے سوال پر دم بخود سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔

"آپ کو سب پتا چل جائے گا، گھر کی بات ہے گھر والوں سے کیسے چھپ سکتی ہے۔ مجھے زیادہ بات کرنے کی اجازت نہیں ہے بیٹا۔ آپ کو جو کچھ بھی معلوم کرنا ہے رابی بٹیا سے معلوم کریں یا اپنی اماں جان سے۔ میں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کر سکتا مجھے معاف کر دیں۔" یہ سن کر روما جیسے کسی سوچ میں پڑ گئی۔

"اچھا تو یہی بتا دیں کہ اماں گھر کب آئیں گی؟ آپ اسپتال گئے تھے ناں، ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں۔" کچھ دیر بعد اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

"مجھے لگتا ہے بیٹا وہ جلدی آ جائیں گی، اللہ کا شکر ہے اب وہ بہت بہتر ہیں، چل پھر سکتی ہیں۔"

"آپ کی اماں جان سے بات ہوئی تھی بابا؟" روما بڑی سادگی سے پوچھ رہی تھی۔

"جی روما بی بی...... ڈاکٹر صاحبہ سے میری بات ہوئی تھی۔ جبھی میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ وہ ماشاءاللہ پہلے سے بہت بہتر ہیں۔" اصیل خان نظریں جھکائے جھکائے بولا تھا۔

"لیکن آپ اماں جان کو کیسے بتائیں گے کہ رابی آپا گھر آ گئی ہیں، ویسے اماں جان کو بتا تو دینا چاہیے تھا کیونکہ آپا کی وجہ سے ہی تو اماں جان اسپتال میں ایڈمٹ ہوئی ہیں، ہوسکتا ہے کہ جب ان کو پتا چلے کہ آپا گھر میں ہیں تو وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔" بولتے بولتے روما کے چہرے پر خوف کے تاثرات بہت نمایاں ہوگئے۔ اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور سہمی سہمی نظروں سے اصیل خان کی طرف دیکھنے لگی۔

اصیل خان زمین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اسے روما کے تاثرات اچانک بات کرتے کرتے بدل جانے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ تو خود شاید کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

"اماں جان گھر آ گئیں تو پھر ایک بڑی قیامت آئے گی، ہے ناں......؟ وہ رابی آپا کو کبھی معاف نہیں کریں گی۔ ویسے آپ کے خیال میں وہ آپا کے ساتھ کیا کر سکتی ہیں، انہیں ماریں گی...... اس سے زیادہ کیا کریں گی۔" روما خود کلامی کے انداز میں بولتی چلی جا رہی تھی۔ اصیل خان کا جھکتا سر مزید جھکتا چلا جا رہا تھا۔ روما کی باتوں کے جواب میں اس کے پاس ایک بات نہ تھی۔

"بابا مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے، کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ ہم لوگوں کی بھی کیا زندگی ہے، آخر ہم لوگ مر کیوں نہیں جاتے۔ اتنے سارے لوگ روزانہ مرتے ہیں، ہم کیوں زندہ ہیں، ہمارے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ تو نہیں۔" بولتے بولتے روما کی آواز آنسوؤں کی دھند میں گم ہونے لگی۔

اصیل خان نے ایک دم تڑپ کر نظریں اٹھائی تھیں اس کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا مگر وہ سب کچھ روما سے نہیں کہا جا سکتا تھا بس تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بے اختیار اپنا لرزتا ہاتھ روما کے سر پر رکھ دیا۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے بیٹا...... گناہ ملتا ہے اللہ سے کبھی موت نہیں مانگتے، اس لیے کہ ہم موت نہ بھی مانگیں وہ تو تب بھی ہمیں مل ہی جائے گی تو ہم اپنی دعا میں وہ کیوں نہ مانگیں جو ہمیں ہماری زندگی میں موت سے پہلے ہی مل سکتا ہے۔"

روما کی آنکھوں سے آنسو ایک تواتر سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر مایوسی کی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔

"چھوڑ دیں اصیل بابا...... وہ کوئی اور ہوتے ہوں گے جنہیں بن مانگے بھی بہت کچھ مل جاتا ہے۔ ہم تو سو سال بھی جئیں گے تو ایسے ہی رہیں گے۔ اماں جان گھر آ جائیں گی تو پھر دیکھیے گا کیا کچھ نہیں ہوگا اس گھر میں...... مگر ایسا پھر بھی کچھ نہیں ہوگا کہ سب کے سب ایک ساتھ مر ہی جائیں۔" وہ روتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی...... اور اصیل خان اپنی جگہ یوں کھڑا تھا جیسے اس کے قدموں تلے زمین شق ہوگئی ہو اور وہ پاتال میں گرتا جا رہا ہو۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان گل جان کے ساتھ گھر آ چکی تھیں۔ اسپتال میں تمام جونیئر اور سینئر ڈاکٹرز نے پوری کوشش

جمعۃ الوداع اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو سمیٹنے کا دن

رمضان المبارک کو جس طرح بقیہ گیارہ مہینوں پر عظمت عطا فرمائی گئی ہے، اس طرح جمعۃ الوداع کو بھی دوسر
جمعوں سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ جسے ہمارے رسول مقبول ﷺ نے مسلمانوں کے لیے عید کا دن قرار دیا ہے۔
کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جمعے کے دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس لمحے انسان جو بھی دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ا
پوری فرمادیتے ہیں۔ جمعۃ المبارک کی قرآن و حدیث میں بہت زیادہ فضیلت و اہمیت بیان ہوئی ہے۔ جمعۃ الودا
دیگر ایام سے اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس کے بعد مسلمانوں کو عید الفطر کی شکل میں ایک بہت بڑا انعام
ہوتا ہے۔ جمعۃ الوداع اس لحاظ سے بھی بڑا اہم ہے کہ یہ جمعہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں آتا ہے،
حضور ﷺ کی حدیث کے مطابق جہنم سے آزادی کا عشرہ قرار دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو رمضان المبارک کے اختتام پر
دنوں کا سردار میسر آجاتا ہے، جس میں خصوصی اہتمام سے انسان اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر اللہ سے جہنم سے آ

ہونے کا سوال کرتا ہے۔ جمعۃ الوداع کو باقی جمعوں کی نسبت یہ بھی انفرادیت حاصل ہے کہ اس دن مساجد میں تل
دھرنے کو جگہ نہیں ملتی بلکہ نمازیوں کے لیے کیے گئے وافر انتظامات بھی کم پڑ جاتے ہیں اور ایسے ایسے چہرے دیکھنے کو ملتے
ہیں جنہیں سال بعد جمعۃ الوداع کے دن ہی دیکھا جاتا ہے۔ جمعۃ الوداع کی ادائیگی کے دوران مسلمان دو بڑی خوشیاں
محسوس کرتے ہیں۔ آج رحمتوں، برکتوں اور فضیلتوں والے مہینے کے اختتام پر اور عید الفطر سے قبل انہیں ایک عید میسر
آرہی ہوتی ہے۔ یہ دن ماہِ رمضان المبارک کے جدائی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو سمیٹنے کا دن ہے ہر مسلمان کو ان
آخری گھڑیوں کو غنیمت جانتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے تاکہ اپنے گناہوں کی بخشش کی راہ ہموار ہو۔ کیا
معلوم کہ آئندہ یہ رحمتوں کا مہینہ اور جمعۃ الوداع کا دن دیکھنا نصیب ہو کہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں رمضان
المبارک کی برکات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور رمضان المبارک کے اس جمعۃ الوداع کے موقع پر پچھلے
سال کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر معافی مانگنے کی توفیق دے..... آمین یارب العالمین.......... مرسلہ: حنا مشتاق، حیدرآباد

کی تھی کہ ڈاکٹر مہر جان کو ابھی ڈسچارج نہ کریں لیکن کیونکہ وہ سینئر موسٹ تھیں، وہ ایک حد سے زیادہ انہیں
اصرار نہیں کرسکتے اور مہر جان اسپتال میں کیسے رک سکتی تھیں جبکہ رابی گھر پہنچ چکی تھی۔ انہیں تو پتا نہیں کون کو
سے ادھار چکانے کی جلدی تھی۔ ایک قیامت تھی جو رگ رگ میں برپا تھی...... گل جان سارے راستے لرز
کانپتی رہی تھی۔ کبھی ایک خیال آتا تھا کبھی دوسرا...... سوچ ایک جگہ پر آکر رک جاتی تھی کہ آخر رابی کا ب
گا کیا... رابی کا اگر کچھ بنایا نہ بنا لیکن مہر جان کا کیا ہوگا...... کہیں دوبارہ انہیں ایسا شاک نہ لگے، ایسی بات
ہوجائے اس سے آگے سوچ کر اس کا ذہن جواب دے جاتا تھا۔ جانے کس طرح سے اسپتال سے گھر تک
راستہ طے ہوا۔ وہ گھر پہنچ کر مہر جان کو شیشے کے سامان کی طرح سنبھالتی آگے بڑھی تو مہر جان نے ایک جھٹکے
سے اپنا بازو اس سے چھڑا لیا۔

”میں اپنے پیروں پر چل سکتی ہوں اور دیکھو جب تک میں نہ بلاؤں، کوئی میرے کمرے میں نہ آئے۔“ یہ کہ
کر مہر جان نے اپنے سر کو یوں تھاما جیسے انہیں چکر آرہے ہوں لیکن ساتھ ہی انہوں نے پوری کوشش سے اپنے آپ
سنبھالا بھی...... گل جان اپنی جگہ پتھرائی کھڑی رہ گئی۔ مہر جان بغیر سہارے کے تیزی سے اندر داخل ہوگئیں۔ ان
غائب ہوتے ہی گل جان نے دونوں ہاتھ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا اور بڑے صدقِ دل سے دعا کی۔

”یا اللہ تو ہمیں معاف کردے، رحم کردے، میری بی بی جان پر......“

☆☆☆

شبینہ بے یقینی اور خوشی کی کیفیت میں فائزہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”فائزہ تم......؟ مجھے یقین نہیں آرہا......“

”لو پہلے بھی تو آچکی ہوں تو اتنی بے یقینی کی آخر ضرورت کیا ہے، تم تو جیسے کالج والج سب بھول گئی ہو، ک
مسئلہ ہے کیوں اتنی چھٹیاں کر رہی ہو؟“

فائزہ کی آواز سن کر صابرہ بھی اپنے کام چھوڑ کر باہر آگئی تھی۔ فائزہ نے جیسے ہی صابرہ کو دیکھا تو فو
سلام کیا۔ صابرہ نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بڑی محبت سے سلام کا جواب دیا۔

”بیٹے! اکیلی آئی ہو؟“

”نہیں آنٹی اکیلے آنا تو allowed ہی نہیں ہے، امی کہتی ہیں کہ آج کل کے حالات ایسے ہیں کہ

سے نکلنا ہی نہیں چاہیے۔“ صابرہ کو یہ جملہ سن کر عجیب سا احساس ہوا کہ کاش فائزہ کی ماں بہت زور دے کر یہ
بات کرتی اور اپنی بیٹی کو روک لیتی...... کیونکہ جو اس وقت اُن کے گھر کا ماحول ہو رہا تھا اس میں کسی مہمان کی
آمد کی گنجائش نہیں تھی اب اسے اپنا بھرم...... اپنی بچی کا بھرم رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا۔ اس نے بہت
محبت اور شفقت بھرے لہجے میں فائزہ کو مخاطب کیا۔

”بیٹا آپ بیٹھو میں آپ کے لیے کچھ ٹھنڈا بنا کر لاتی ہوں۔“

”آنٹی پلیز کوئی تکلف نہیں کریں، میں بہت جلدی میں ہوں، بس اس شبینہ کی بچی نے تو مجھے پریشان
کردیا۔ کالج سے چھٹیاں کیے جارہی ہے حالانکہ میں نے فون کیا تھا لیکن شاید شبینہ کے ابو نے فون اٹھایا تھا۔ وہ
بتارہے تھے کہ شبینہ سو رہی ہے۔ بس پتا نہیں کیوں اس کے بعد میری ہمت ہی نہیں پڑی۔ میں نے سوچا میں گھر
جاکر ہی پتا کرتی ہوں کہ یہ کر کیا رہی ہے۔“

صابرہ اور شبینہ نے بے اختیار لاشعوری طور پر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بڑی بے بسی سے نظریں جھکا لی تھیں۔

”اچھا...... بیٹھو تو سہی، تھوڑا بہت چائے پانی تو چلے گا ناں......“

”آنٹی میں بالکل بھی تکلف نہیں کر رہی ہوں، باہر بھائی گاڑی میں بیٹھے میرا انتظار کر رہے ہیں، میں تو
بس کھڑے کھڑے شبینہ سے ملنے آئی تھی، اسے دیکھنے آئی تھی۔ اب دیکھ تو لیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے خیریت سے
ہے، بس یہ پتا کرنا ہے کہ کالج کی چھٹیاں کس حساب میں ہو رہی ہیں۔“

شبینہ نے پھر بے اختیار ماں کی طرف دیکھا تھا۔ صابرہ نے جلدی سے بات بنانے کی کوشش کی۔

”وہ دراصل گھر میں بہت سارے کام چھڑے ہوئے ہیں۔ میں اکیلی تھک جاتی ہوں تو اس وجہ سے اس
کی چھٹیاں ہوگئیں اور بیٹا بھائی کو باہر کیوں کھڑا کیا ہوا ہے۔ اُن کو بلاؤ اور اِدھر ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔“

”نہیں ٹھیک ہے آنٹی...... وہ تو اے سی چلا کر آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ انتظار کرلیں
گے میرا دس پندرہ منٹ......“

”لیکن پھر بھی بیٹا برا لگتا ہے۔“ صابرہ نے تکلفات نبھانے کی کوشش کی حالانکہ جان سولی پر لٹکی ہوئی
تھی۔ جابر علی نماز پڑھنے مسجد تک گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ دس پندرہ منٹ بعد اس نے آہی جانا تھا اسے تو اپنی
بیٹیوں کی لڑکیوں کے ساتھ دوستی پر بھی اعتراض تھا اور فائزہ تو اپنا بھائی لے کر آگئی تھی۔ صابرہ سوچ، سوچ کر

پریشان ہو رہی تھی کہ یہ دونوں بہن بھائی تو چلے جائیں گے اور گھر میں ایک نئی بحث شروع ہو جائے گی۔ ا... وہ اسے بارہ تاریخ کا مژدہ سنا کر گیا تھا...... اب شبینہ کو بھی آخر کار تکلف سے زور دے کر کہنا ہی پڑا۔

''فائزہ اتنی دیر سے کھڑی ہو کر باتیں کر رہی ہو پلیز بیٹھ جاؤ ناں۔''

''ہاں بیٹا بھائی اندر نہیں آ رہا تو کوئی بات نہیں، تم تو بیٹھو، میں تمہارے لیے شربت بنا کر لاتی ہوں۔'' کہہ کر صابرہ وہاں سے چلی گئی۔

فائزہ، شبینہ کے ساتھ قریب پڑے پلنگ پر ہی بیٹھ گئی جو اکثر جابر علی کے لیے بچھا رہتا تھا۔

''یار کیا ہو گیا ہے، کم از کم مجھے فون پر تو بتا دیتیں کہ کوئی مسئلہ ہے جس وجہ سے نہیں آ رہیں۔ میرا بالکل نہیں لگ رہا کالج میں۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو فائزہ، تم کالج میں میرے لیے آتی ہو یا پڑھنے کے لیے؟''

''ٹھیک ہے کالج میں پڑھنے کے لیے آتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ لگتا ہے کہ ہم سب ان کے لیے کر رہے ہیں۔''

''آج تو تم بڑی عجیب، عجیب باتیں کر رہی ہو۔ آخر مسئلہ کیا ہے؟'' شبینہ نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ اس کے لیے فائزہ کی نظروں سے بچنا بڑا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ فائزہ اسے سر سے پاؤں تک بڑی گہری نظر سے دیکھ رہی تھی۔ کوئی خاص بات محسوس ہو رہی ہو...... اسی وقت باہر سے ہارن کی آواز آئی تھی۔ شبینہ چونک کر فائزہ کی طرف دیکھا۔ فائزہ مسکرا دی۔

''بھئی یہ چھٹی سے پہلے والی بیل ہوئی تھی۔ میرا مطلب ہے احمر بھائی نے کہا تھا کہ جب میں پہلا ہارن بجاؤں گا تو اس کا مطلب ہے کہ اسٹینڈ بائی، دوسرے ہارن کا مطلب ہے کہ باہر آ جاؤ اور تیسرے ہارن کا مطلب ہے کہ اگر نہیں آ رہیں تو میں جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک مرتبہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

احمر کے نام پر شبینہ کی آنکھوں میں ستارے سے جگمگائے لیکن فوراً ہی یاسیت کے بادلوں میں گم ہو گئے۔

''لیکن ابھی تمہیں آئے ہوئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔'' اس کی بات پر وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

''شبینہ بھئی تمہیں دیکھ کر مجھے تسلی ہو گئی کہ ماشاء اللہ تم بالکل ٹھیک ٹھاک ہو، کوئی مسئلہ نہیں ہے، میں دو... بھی آ جاؤں گی لیکن آج ممی سے وعدہ کیا تھا کہ میں دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگاؤں گی۔''

اسی وقت صابرہ شربت سے بھرا گلاس لے کر آ گئی تھی۔

''بیٹا اتنی بھی کیا جلدی ہے، آ ہی گئی ہو تو بیٹھو، تھوڑی دیر...... اچھا یہ شربت تو پی لو۔''

''آنٹی، میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا کہ کوئی تکلف کی ضرورت نہیں۔''

''کیسا تکلف بیٹا...... ٹھنڈا میٹھا پانی ہے، ایسے کیا جتن کیے میں نے۔ وہ آپ کا بھائی تو بے چارہ باہر ہوا ہے اندر ہی نہیں آیا۔ اندر آتا تو وہ بھی کم از کم ایک گلاس شربت تو پی لیتا۔''

''نہیں آنٹی بس...... شکریہ...... اب ہم چلیں گے۔ آپ نے ہارن کی آواز سنی ناں، احمر بھائی بلا رہے ہیں۔'' اس نے یہ کہہ کر شربت پینا شروع کیا اور اتنی عجلت دکھائی جیسے اسے کسی نے شربت پینے کی دی ہو جو پوری کرنا ضروری ہو...... اور فوراً ہی اس نے خالی گلاس شبینہ کے ہاتھ میں تھما دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا شبینہ ابھی تو میں جا رہی ہوں پھر بھی آؤں گی تو آرام سے بیٹھ کر تم سے باتیں کروں گی۔''

''او کے، اللہ حافظ آنٹی۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی اس سے پیشتر کہ فائزہ گیٹ کھول کر باہر جاتی جا...

دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا تھا۔
فائزہ آگے بڑھتے بڑھتے ایک دم رک گئی اور اس نے بڑی شائستگی سے جابر علی کو سلام کیا۔
''السلام علیکم انکل......'' جابر علی نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔ ایک بڑی چبھتی ہوئی تنقیدی نظر کے ساتھ جسے فائزہ تو نہ سمجھی لیکن شبینہ اور صابرہ سمجھ سکتی تھیں۔
فائزہ تو سلام کر کے گیٹ پار کر گئی تھی لیکن جابر علی اپنی جگہ پر گہری سوچ میں گم کھڑا رہ گیا تھا۔ اس کی پیشانی پر ابھری لکیریں گہری ہو رہی تھیں۔ شبینہ تو باپ کی شکل دیکھتے ہی اندر بھاگ گئی تھی جبکہ صابرہ اسی طرح اپنی جگہ کھڑی تھی۔
جابر علی نے گیٹ کی طرف پلٹ کر دیکھا پھر اپنی تسلی کے لیے مزید گیٹ کے لاک چیک کیے کہ وہ ٹھیک سے بند ہے کہ نہیں۔ تسلی کر لینے کے بعد اس نے قدم آگے بڑھائے تو صابرہ کسی طرف جانے کے بجائے گرنے کے سے انداز میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے پتا تھا کہ وہ اس کے قریب آرہا ہے اور کیا کہنے آرہا ہے۔
''یہ کیا تماشا ہو رہا ہے؟'' اس نے صابرہ کو مخاطب کیا، صابرہ کچھ بولی نہیں صرف سوالیہ نظریں جابر علی کے چہرے پر جما کر دیکھنے لگی۔
''وہ اتنی لمبی چم چم کرتی ہوئی گاڑی میں باہر ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا، کون ہے وہ......؟''
''شبینہ کے ساتھ کالج میں پڑھتی ہے یہ بچی...... فائزہ نام ہے، شبینہ کالج نہیں جا رہی تھی اس لیے اس سے ملنے آگئی پتا کرنے......ظاہر ہے بھائی کے ساتھ آئی ہوگی۔''
''آخر تم لوگوں کے اوپر میری کہی گئی بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا۔ صابرہ بیگم میں تمہیں ہزار مرتبہ بتا چکا ہوں کہ مجھے یہ سہلاپے، دوستیاں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ یہ دوستیاں لڑکیوں کو خراب کرتی ہیں، آخر تمہیں ایک دفعہ کی کہی بات سمجھ کیوں نہیں آتی، تمہیں سمجھ آئے تو تم اپنی بیٹیوں کو سمجھاؤ...... تمہاری انہی بے وقوفیوں کی وجہ سے یہ وقت آیا ہے کہ آج جلدی میں بیٹی کی شادی کرنا پڑ رہی ہے اگر تم نے بیٹی کی تربیت ٹھیک سے کی ہوتی تو مجھے کوئی ٹینشن نہیں تھی۔'' وہ یہ کہتا ہوا پاؤں پٹختا اندر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

سہراب خان، اصیل خان کے ساتھ اپنی شکاری رائفل اٹھائے لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ دونوں کسی بات پر زبردست قہقہے لگا رہے تھے۔
''یار اصیل خان اس معاملے میں تو میں تمہیں استاد مانتا ہوں کہ تمہارا نشانہ بڑا پکا ہے، سالوں سے پوچھ رہا ہوں بتا دو کہ استاد کون ہے؟''
''یار میرا استاد جو بھی ہے اب تم شاگردی والی عمر سے نکل گئے ہو، چاہو تو مجھے استاد بنا سکتے ہو۔ ہاں تو تین چار سال بڑا ہوں تم سے۔'' اصیل خان اس کی بات سن کر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔
''بس اب تم اپنی استادی مہر جان پر دکھاؤ ناں تو تمہیں مانیں گے۔'' سہراب خان نے زور سے اصیل خان کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔
''یار بڑی اڑیل گھوڑی ہے، بڑی مشکل سے قابو کیا ہے۔'' اصیل خان مسکرا دیا۔
''خوش فہمی ہے تمہاری۔'' سہراب خان نے فوراً اس کی بات کاٹی۔ ''ابھی وہ تمہارے قابو میں نہیں آئی......اور ہاں...... یہ بات بھی ذہن میں بٹھا لو...... ہو سکتا ہے نکاح کے بعد بھی قابو میں نہ آئے۔ ابھی وقت ہے سوچ لو۔''

''مجھے کیا پڑی ہے سوچنے کی...... ابھی تم نے خود ہی تعریف کی ہے کہ میرا نشانہ پکا ہے۔'' اصیل خان شریر انداز میں گویا ہوا۔

''دل کا بھی؟'' سہراب خان نے بڑی شوخی سے پوچھا تھا۔ اسی وقت مہر جان اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے جینز اور ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ دونوں کے زبردست قہقہوں نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا جو وہ اندر سے سنتی چلی آئی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے تم دونوں کو...... آہستہ آواز میں نہیں ہنس سکتے؟'' وہ مصنوعی برہمی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ہمارا دل چاہ رہا ہے ہنسنے کو اور دل پر کسی کا زور نہیں۔''

''ایسی کی تیسی اس دل کی۔'' مہر جان آگے بڑھ کر ٹیبل پر رکھے ہوئے اپنے ریکٹ اٹھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''سن رہے ہو، دل کی ایسی کی تیسی کر دی ہے...... اتنی پرانی منگنی ہوگی تو پھر یہی کچھ سننے کو ملے گا۔ ظاہر ہے کتنے دن ہو گئے صبر سے انتظار کرتے ہوئے۔ اب تو دل کی ایسی تیسی ہو ہی گئی۔'' سہراب خان نے بڑی شوخی سے ٹکڑا جڑا اور دونوں پھر ہنسنے لگے۔

مہر جان نے ریکٹ اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا اور کھٹ کھٹ کرتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''بہت ظالم ہے یار...... میرا کیا بنے گا۔'' اصیل خان نے سہراب خان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور جان بوجھ کر بظاہر بڑے دل گرفتہ انداز میں بولا۔ مہر جان نے باہر نکلتے، نکلتے یہ جملہ سن لیا تھا۔

☆☆☆

گل جان، بی بی جان کے کمرے میں داخل ہوئی تو کمرے میں ایک گہری تاریکی کا راج تھا۔ سب دریچوں کے پردے پڑے ہوئے تھے اور وہ درمیان میں ایزی چیئر پر بیٹھی جھول رہی تھیں۔ ماضی کا ایک حسین منظر تھپکیں دے رہا تھا۔

گل جان نے پلکیں جھپک جھپک کر پہلے تو اپنی بصارت معمول پر لانے کی کوشش کی پھر جیسے ہی وہ کمرے میں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئی تو اُن کی طرف بڑھی۔

''بی بی جان آپ اس طرح کیوں بیٹھی ہیں؟ لیٹ جائیں ناں۔''

''ہاں میں لیٹ جاؤں گی، ذرا میرا موبائل مجھے دو۔''

گل جان نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا اور انہیں تھما دیا۔ مہر جان نے اس پر ایک نمبر پریس کیا اور چند لمحوں بعد کال ریسیو ہو گئی۔

''کون سہراب خان!'' گل جان نے چونک کر مہر جان کی طرف دیکھا۔ وہ سہراب خان سے مخاطب تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے قیامت کو آواز دے رہی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر مہر جان کی طرف دیکھتی رہی۔

بی بی جان دوسری طرف سے سہراب خان کی بات سن رہی تھیں جو اللہ جانے کیا، کیا کہہ رہا تھا چند لمحے سراب خان کی بات سننے کے بعد مہر جان گویا ہوئیں۔

''سہراب خان آج ہی نکاح کرنا ہے، چاہے رات کے بارہ بج جائیں یا ایک...... یا صبح فجر کی اذان ہو جائے۔''

(جاری ہے)

امانت

رفعت سراج

قسط 9

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ---- ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمد خاص تھا۔ مہر جان، رابی کی شادی سہراب خان سے طے کرتی ہیں جو عمر میں رابی سے کافی بڑا ہے۔ اس شادی پر رابی تیار نہیں ہوتی۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ سب انسپکٹر جابر علی نے آج تک کبھی رشوت نہیں لی تھی۔ رزق حلال کی کمائی سے اپنے گھر کو چلایا اس کی بیوی صابرہ، بیٹا برہان اور بیٹیاں شبینہ اور ستارہ اسی کمائی میں گزارہ کر رہے تھے لیکن کبھی کبھی ستارہ اپنے حالات سے تنگ آجاتی ہے۔ شبینہ اپنے والد جابر علی سے چھپ کر اپنی دوست فائزہ کے گھر جاتی ہے وہاں اس کی ملاقات فائزہ کے بھائی احمر سے ہوتی ہے۔ احمر کو وہ بہت اچھی لگتی ہے۔ ایس پی شیر زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریک کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے۔ جابر علی، صابرہ سے رشتے کی بات کرتا ہے تو صابرہ اسے گھر بلانے کو اور بیٹے برہان سے مشورے کا کہتی ہے۔ برہان، وارث علی کو دیکھتا ہے تو صابرہ سے کہتا ہے کہ وہ جابر علی سے کہے کہ ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔ مہر جان کو کمرے میں بے ہوش دیکھ کر گل جان، اصیل خان کے ساتھ انہیں اسپتال لے کر جاتی ہے، جابر علی، برہان کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تو برہان گھر سے چلا جاتا ہے۔ رابی گھر چھوڑ کر مری چلی جاتی ہے۔ جابر علی ایس پی سے جہیز کے بارے میں بات کرتا ہے تو ایس پی کہتا ہے کہ وہ اس بارے میں پریشان نہ ہو۔ گل جان کو کائناز اور شاہ عالم سے بہت ڈھارس ہوتی ہے، مہر جان کو ڈاکٹر آپریشن بتاتے ہیں، برہان اپنے کلاس فیلو نعمان کے پاس چلا جاتا ہے اور اس کے سمجھانے پر صابرہ کو فون کرتا ہے۔ گل جان، شاہ عالم کی شکر گزار ہوتی ہے کہ انہوں نے روما کا خیال رکھا۔ رابی مری میں ایک چیزیں فروخت کرنے والی ایک عورت سے بہت متاثر ہوتی ہے کہ وہ اس بڑھاپے میں اپنا بوجھ خود اٹھائے ہوئے ہے۔ اس عورت کے پوچھنے پر رابی اسے بتاتی ہے کہ وہ ڈاک بنگلے میں رہتی ہے اور اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ صابرہ، جابر علی سے کہتی ہے کہ وہ برہان کو واپس لے آئے۔ مہر جان کا آپریشن ہو گیا لیکن انہیں ہوش نہیں آتا تو گل جان بہت پریشان ہوتی ہے لیکن نرس اسے تسلی دیتی ہے۔ روما، کائناز اور شاہ عالم کے ساتھ اسپتال آجاتی ہے۔ شبینہ، جابر علی پر خط کے ذریعے شادی کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کر دیتی ہے۔ واسطی صاحب فون پر اصیل خان کو بتاتے ہیں کہ وہ لڑکی تک پہنچ گئے ہیں اور اب کسی بھی وقت وہ پولیس کی حراست میں ہوگی۔ جابر علی کہتا ہے کہ اب شادی شبینہ کی نہیں ستارہ کی ہوگی۔ برہان اخبار میں اشتہار دیکھ کر شاہ عالم کے پاس انٹرویو کے لیے جاتا ہے اور وہ اسے کائناز کو پڑھانے کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ رابی ہوٹل میں اپنے کمرے میں ہوتی ہے کہ دروازے پر دستک ہوتی ہے وہ دروازہ کھولتی ہے تو سامنے پولیس کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ اصیل خان ماضی کے دنوں میں اپنے اور مہر جان کے گزرے یادگار لمحات میں گم ہوتا ہے کہ گل جان اسے مہر جان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دیتی ہے۔ صابرہ، شبینہ کو بتاتی ہے کہ اب شادی شبینہ کی نہیں ستارہ کی ہوگی اب مسئلہ یہ ہے کہ ستارہ کو یہ بات کیسے بتائی جائے۔ اصیل خان، گل جان کو بتاتا ہے کہ پولیس رابی کو کراچی لے کر آرہی ہے۔ وارث علی زیورات لے کر جابر علی کے گھر آتا ہے۔ جابر علی اتنا کچھ دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ وہ زیورات شادی کے لیے دے کر چلا جاتا ہے...... ستارہ وہ زیورات دیکھنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ ستارہ زیورات دیکھ کر شبینہ کی قسمت پر رشک کرتی ہے۔ کائناز، روما سے کہتی ہے کہ اب وہ اس کے ساتھ ٹیوشن پڑھے کیونکہ وہ ٹیوٹر سے بات کر چکی ہے روما اس کی بات پر متردّد ہوتی ہے۔ پولیس اسٹیشن سے فون آتا ہے وہ اصیل خان سے کہتے ہیں کہ لڑکی کراچی پہنچ گئی ہے اب اس کو آکر لے جائیں۔ برہان اپنا موبائل شاہ عالم کے گھر بھول جاتا ہے۔ صابرہ، برہان کو فون کرتی ہے تو اس کی بات کائناز سے ہوتی ہے۔ کائناز، صابرہ کو بتاتی ہے کہ برہان اسے پڑھاتا ہے اور وہ فون ان کے گھر بھول گیا ہے۔ صابرہ فون پر بات کر رہی تھی کہ جابر علی اٹھ جاتا ہے اور وہ صابرہ پر چیختا ہے۔ گل جان، مہر جان کے پاس اسپتال میں ہوتی ہے تو اصیل خان فون پر بتاتا ہے کہ پولیس رابی کو مری سے گرفتار کر کے لے آئی ہے اب اسے گھر لاتا ہے۔ وارث علی اور ایس پی شاہ زمان اپنی فتح اور کامرانی پر خوش ہوتے ہیں۔ مہر جان فون پر اصیل خان کو کہتی ہے کہ رابی کو پہلے اسپتال لے کر آئے۔ فائزہ، احمر کے ساتھ شبینہ سے ملنے آتی ہے تو اس کے جانے سے پہلے ہی جابر علی آجاتا ہے اور وہ اس کے آنے پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ مہر جان، سہراب خان کو فون کرتی ہے کہ نکاح ہر صورت میں آج ہی کرنا ہے۔

اب آگے پڑھیں

گل جان، مہر جان کی طرف ابھی تک دم بخود کیفیت میں دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ مہر جان نے موبائل بڑی بے دلی سے اپنے کان سے ہٹایا تھا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ گل جان ان کے بولنے کی منتظر تھی۔ اس سے پہلے وہ وہاں سے جا نہیں سکتی تھی۔ سوچتے سوچتے مہر جان نے نظریں اٹھا کر گل جان کی طرف دیکھا جو گویا سانس روکے مہر جان کے کلام کرنے کی منتظر تھی۔

”گل جان میں تو یہی چاہتی تھی کہ رابی آج ہی اس گھر سے چلی جائے لیکن سہراب خان دبئی سے صبح سات بجے پہنچے گا۔ شکر ہے کہ وہ آج دبئی سے نکل رہا ہے پر ایک ایک لمحہ بھاری ہے۔ میں ایک دن کیسے انتظار کروں، سات بجے وہ پاکستان پہنچ جائے گا پھر میں تمہیں بتا دوں گی کہ وہ نکاح کے لیے کس ٹائم آرہا ہے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے گل جان کی طرف کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھا۔

”اگر تمہارا دل چاہے تو اس کے ہاتھ پر مہندی وغیرہ لگا دو۔“ چند لمحے توقف کے بعد مہر جان کا یہ جملہ سن کر وہ بی بی جان کو عجیب نظروں سے دیکھتی وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

شبینہ اپنے بستر پر چپ چاپ لیٹی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ ستارہ نے بہت آہستگی سے کمرے میں قدم رکھا تھا شاید اس کا خیال تھا کہ شبینہ سو چکی ہے مگر اسے جاگتا پا کر وہ اس کے قریب ہی چلی آئی اور غور سے اس کی شکل دیکھی۔ جیسے یقین کر لینا چاہتی ہو کہ وہ جاگ رہی ہے یا نہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ شبینہ کسی گہری سوچ میں ہے اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو وہ جلدی سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔ جیسے اسے خطرہ ہو کہ شبینہ اس سے بات کرنے سے بچنا چاہے گی اور جان بوجھ کر سوتی بن جائے گی۔

”آپا تم نے اپنی عزیز ترین دوست کو بھی نہیں بتایا کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے حیرت ہے۔“ شبینہ نے کھوئی کھوئی نظریں ستارہ پر جما دیں۔ وہ ابھی تک ذہنی طور پر غیر حاضر تھی۔ اس کھوئی کھوئی کیفیت میں اس نے صرف ہاں کہنے پر اکتفا کیا۔

”آپا شادی میں چند دن رہ گئے ہیں۔ ہمارے گھر میں لگتا ہی نہیں کہ اس گھر میں شادی ہونے والی ہے۔ لوگوں کے گھروں میں تو پندرہ دن پہلے لائٹنگ ہو جاتی ہے۔ ڈھولک کی آوازیں گونجنے لگتی ہیں۔ مہمانوں کا آنا جانا شروع ہو جاتا ہے۔ شاپنگ کے لیے بازاروں میں مارے مارے پھر رہے ہوتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ مسکرا کر بہن کی طرف دیکھنے لگی۔

شبینہ نے جیسے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ ستارہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو آنکھوں سے ہٹایا۔

”آپا کچھ تو بولو، آخر آپ ابا جی کی بہت تابعدار، خدمت گزار بیٹی ہو۔ بہت خوشی، خوشی ابا جی کا فیصلہ قبول کیا ہے پھر اب راتوں کو جاگ کر کیا سوچتی ہو۔ جو کرنا تھا وہ تو تم کر چکیں اب کیا پچھتا رہی ہو؟“ ستارہ اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں کہے جا رہی تھی۔ شبینہ نے خفا خفا نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”تم فضول بولنے سے باز نہیں آسکتیں؟ بیماری ہے بولنے کی......؟“ ستارہ بجائے برا ماننے کے بڑی ڈھٹائی سے مسکرا رہی تھی۔

”اس گھر میں سب سے پہلے آپ سوتی ہیں۔“ شبینہ اس کی طرف گھور کر دیکھنے لگی پھر جیسے خود ہی اسے خیال آگیا۔ ایک دم نظریں چرا لیں۔ ستارہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کی سگی بہن اس بے خبر کو پتا ہی نہیں تھا

کہ کچھ دنوں بعد اس پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے، کتنی مست مگن اسی طرح بے پروائی سے اپنے دل کی باتیں کرتی ہوئی اس کے دل میں ایک عجیب سا گداز اور تڑپ پیدا کر رہی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ جائے اور بہن کو گلے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے اور کہے۔

''میں نے تو وہ سب کچھ کرلیا تھا جو مجھے کرنا چاہیے تھا، ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری کرلی تھی ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے رضا مند ہوگئی تھی مگر میں تمہارے مقدر کو نہیں بدل سکتی ستارہ...... جو کچھ میں نے کیا سب بیکار گیا ستارہ...... لیکن اس وقت میں تمہیں یہ سچائیاں کیسے بتاؤں۔ میرے اندر تو اتنی ہمت اور حوصلہ نہیں کہ جو کچھ ہونے جا رہا ہے وہ تمہیں پہلے سے بتادوں بلکہ مجھے تو سمجھ ہی نہیں آرہی نہ ہی تم سے بات کر پا رہی ہوں اور نہ ہی میرے اندر ہمت ہے، تمہیں بتانا تو پڑے گا۔ جب شادی کا وقت بالکل قریب آچکا ہوگا اس وقت تو تمہیں کوئی بتائے گا کہ شادی میری نہیں تمہاری ہو رہی ہے اور اس کے بعد کیا ہوگا بس یہاں پہنچ کر میری سوچ میرا ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ میرا ذہن بالکل خالی ہو جاتا ہے اور دل بیٹھنے لگتا ہے۔''

''آپا تم کیا سوچنے لگیں۔ جب میں کمرے میں آئی تو میں نے دیکھا کہ تم بہت گہری سوچ میں ہو، مجھ سے کیا چھپانا...... میں تو تمہاری بہن ہوں مجھے تو بتادو۔'' ستارہ اب اس کے بازو پر ہاتھ رکھے بہت محبت سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شاید اسے بھی یاد آگیا تھا کہ کچھ دنوں بعد اس کی یہ بہن اس سے جدا ہونے والی ہے۔ وہ تو اپنے تئیں یہی سمجھے بیٹھی تھی۔

''میں کچھ نہیں سوچ رہی ستارہ تم میری فکر نہیں کرو جاؤ جا کر سو جاؤ بہت رات ہوگئی ہے۔'' شبینہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور بہت محبت سے بولی۔

''لیکن آپا یہ تو بتادو جب تم نے خوشی، خوشی ابا جان کا فیصلہ مان لیا ہے تو اب اتنی اداس کیوں نظر آرہی ہو؟ کیوں دل پر پتھر رکھ رہی ہو، دل نہیں مانتا تو صاف انکار کردو۔ ابا جان، جان سے تو نہیں ماردیں گے ناں۔''

''ستارہ میں خوش ہوں یا اداس تمہیں کچھ فکر کرنے کی ضرورت نہیں، جاؤ تم سو جاؤ فضول باتیں نہ کرو۔'' شبینہ نے ایک گہری سانس لی خود کو بڑی مشکل سے سنبھال کر پھر بڑی آہستگی سے گویا ہوئی۔

ستارہ اب اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی مگر طنزیہ مسکرا کر اتنا ضرور کہا تھا۔

''ہاں آپا ہر وہ بات جس کا جواب نہ دیا جاسکے فضول ہوتی ہے، چلو خیر آپ کا موڈ نہیں تو سونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب ہمیں کام ہی کیا ہے، کھانے اور سونے کے سوا۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی تھی۔

☆☆☆

روما حیران پریشان بلکہ حواس باختہ کیفیت میں گل جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گل جان نے اسے جو خبر سنائی تھی اس نے تو گویا اس کے ہوش وحواس ہی چھین لیے تھے۔ ایک قیامت سی برپا ہوگئی تھی۔

''آپا کی شادی آج ہو رہی ہے لیکن گھر میں تو لگتا ہے کہ جیسے کوئی ہے ہی نہیں۔ اتنی خاموشی...... خالہ جانی شادی والا گھر ایسا ہوتا ہے۔'' بولتے بولتے روما کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تھی جیسے بہن کی مجبوری اور... بے بسی پر اس کا دل بھر آیا ہو۔

''مجھے تو سمجھ نہیں آرہی کہ رابی کیسے ہاں کہے گی۔ بہت خوف آرہا ہے مجھے، کہیں بی بی جان کا تماشا نہ بنا دے جولڑکی اتنا بڑا اقدم اٹھا سکتی ہے وہ کچھ بھی کرسکتی ہے۔ روما یقین کرو مجھ سے تو اب کوئی کام نہیں ہو پا رہا کرنا کچھ ہوتا ہے کرتی کچھ ہوں، پاؤں کہیں رکھتی ہوں پڑتے کہیں ہیں، میرا ذہن میرے کنٹرول میں نہیں۔

خوف سے میری بری حالت ہے۔ میں رابی کے پاؤں چھو کر منت کرسکتی ہوں لیکن میری منت کا اس پر اثر بھی تو ہو۔'' بے بسی سے کہتے کہتے گل جان نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور بڑی مشکل سے گویا ہوئی۔ گل جان کی آنکھوں سے چند آنسو ٹپک ہی گئے۔ روما نے بے اختیار اس کے کندھے سے اپنا سر لگا لیا تھا۔

''خالہ جانی جو ہو کر رہنا ہے وہ تو ہو کر رہے گا مگر پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ اب آپا کچھ نہیں کریں گی۔ انہیں اب اماں جان کی طاقت اور اثر رسوخ کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہوگیا ہوگا۔ وہ کوئی رسک نہیں لیں گی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔''

روما کی باتیں سنتے ہوئے گل جان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ روما کو اپنے سینے سے لگا کر اتنا روئے اتنا روئے کہ بس حد ہو جائے۔ وہ روما کے سامنے خود کو بہت مشکل سے سنبھالے ہوئے تھی۔ اتنی خاموشی سے تو جنازے بھی نہیں اٹھتے...... کنواری بچی...... ہر کنواری بچی کی آنکھوں میں خوب صورت خواب ہوتے ہیں اور اس بدنصیب بچی کے خواب پھول بن کر کھلنے کے بجائے...... لیکن اس بے خبر کو ابھی یہ خبر نہیں ہے کہ ایک دریا کے پار اترنے کے بعد اسے ایک اور نئے دریا کا سامنا ہے۔ اس نے روما کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

''بیٹا اب خود کو سنبھالو...... اور اپنے اندر اتنا حوصلہ پیدا کرو کہ جو کچھ سامنے آجائے اس کو سہہ جاؤ۔ اس لیے کہ موت تو اپنے وقت پر آتی ہے...... روز مرنے سے کیا بہتر نہیں جو درپیش ہے اس سے سمجھوتا کرلیں۔'' وہ بڑی دلسوزی کے انداز میں اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

مہر جان اپنی وارڈ روب کا پٹ کھولے کھڑی تھیں وہ کسی خیال میں اتنی بری طرح کھو چکی تھیں کہ انہیں گل جان کے اندر آنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔

گل جان نے حسب عادت بڑی آہستگی سے دروازہ کھولا تھا لیکن مہر جان کی کیفیت دیکھ کر اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ مہر جان کافی دیر ایک ہی زاویے سے کھڑی رہیں پھر انہوں نے جیسے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا گہری سانس لے کر وہ پھر وارڈ روب میں کچھ تلاش کرنے لگیں۔ تب گل جان دو قدم آگے بڑھی تھی۔

''کیا ڈھونڈ رہی ہیں بی بی جان...... میں آپ کی مدد کروں؟'' مہر جان نے پلٹ کر گل جان کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''نہیں...... مگر تم یہاں دو منٹ بیٹھو، تم سے کام ہے۔'' یہ کہہ کر مہر جان وارڈ روب میں دوبارہ اسی انداز میں کچھ تلاش کرنے لگیں۔ گل جان آگے بڑھ کر چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی اور ٹکر ٹکر مہر جان کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ مہر جان کیا ڈھونڈ رہی ہوں گی۔ اسی لیے اس کے چہرے پر الجھن کی کیفیت بہت واضح تھی۔ آخر ایسا کیا گم ہوگیا ہے جو اتنے شدومد سے ڈھونڈنے میں مصروف ہیں۔ مہر جان وارڈ روب میں کپڑے الٹ پلٹ کر رہی تھیں۔ ایک دم ان کے چہرے پر جیسے چمک سی آگئی۔ ایک جوش وخروش سا ان کی آنکھوں سے جھلکنے لگا۔

گل جان نے دیکھا کہ مہر جان نے کوئی کپڑا بہت زور لگا کر کھینچ کر نکالا تھا۔ یہ ایک سیاہ رنگ کی انتہائی خوب صورت شیفون کی ساڑی تھی۔ گل جان حیران پریشان ہو کر بی بی جان کی طرف دیکھنے لگی۔ ان کے ہونٹوں پر ایک بڑی پُراسراری مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ساڑی گل جان کی طرف اچھال دی۔ جسے گل جانے بڑی مہارت سے کیچ کرلیا اور ساڑی کے نرم وملائم کپڑے کو چھو کر محسوس کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے مہر جان کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہیں تو پتا ہے ناں گل جان ہماری کلاس کی مجبوری ہے ہم لوگوں کو ہر موقع پر اس کے لحاظ سے گیٹ اپ کرنا پڑتا ہے۔ اب عام سے لوگ تو کسی کی موت کا سن کر جیسے بیٹھے ہوتے ہیں ویسے ہی چل پڑتے ہیں لیکن جن لوگوں کی کلاس ہوتی ہے انہیں ہر موقع پر اپنی ڈریسنگ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہ سیاہ رنگ کی ساڑی اسپیشلی سوگ کے لیے بنوا کر رکھ چھوڑی تھی۔ ایک آدھ دفعہ پہن بھی چکی ہوں'' مہر جان کے لہجے میں برف جیسی ٹھنڈک اور ناقابلِ برداشت سفاکی تھی۔ گل جان اپنی جگہ پر بیٹھی، بیٹھی تھرا کر رہ گئی۔ جانے کیوں ایک اندیشہ سا جاگا۔ جانے اب مہر جان آگے کیا کہنے والی ہیں۔'' یہ ساڑی میں نے رابی کے نکاح کے لیے نکالی ہے۔ اس لڑکی کو یہ ساڑی پہننے کے لیے دے دو کیونکہ وہ اس شادی کو اپنی موت سمجھ رہی ہے۔ تو پھر اسے اس شادی کو موت کی طرح ہی منانے دو کیونکہ آج وہ سہراب خان کے ساتھ چلی جائے گی تو میری طرف سے اس پر فاتحہ ہے۔'' یہ سن کر گل جان تڑپ کر کھڑی ہو گئی تھی اور بے اختیار آگے بڑھ کر اس نے مہر جان کے پاؤں چھو لیے تھے۔

''وہ جا رہی ہے بی بی جان اب تو رحم کر دیں۔'' مہر جان نے اسی سفاکانہ مسکراہٹ کے ساتھ گل جان کی طرف دیکھا تھا۔ اب مسکراہٹ میں سفاکی کے ساتھ ساتھ تمسخر بھی تھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھیں۔

''اپنی جگہ سے اٹھو گل جان...... بس اب یہ رونا دھونا بند کرو۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اتنا رو رو کر مر چکا ہوتا مگر تم تو ہو ہی ڈھیٹ۔ چلو بھر پانی میں ڈوب کر مرتی ہو نہ دکھ اور صدمے تمہیں موت کے پاس لے جاتے ہیں۔ پتا نہیں کس مٹی سے بنی ہو۔ چلو جاؤ جیسے کہا ہے ویسے کرو...... جا کر یہ ساڑی اس لڑکی کو دے دو مگر اس سے کہنا مغرب سے پہلے، پہلے یہ ساڑی پہن کر تیار ہو جائے بس اب نکلو میرے کمرے سے۔''

مہر جان کا انداز اتنا حتمی، قطعی اور ہر قسم کی مروت اور مصلحت سے عاری تھا کہ گل جان کو کمرے سے جاتے ہی بنی اس کے کمرے سے باہر نکلتے ہی مہر جان طنزیہ انداز میں مسکرائیں اور بڑبڑانے لگیں۔

''پتا نہیں کس مٹی سے بنے ہیں یہ لوگ...... مر جاتے تو جان چھوٹ جاتی۔ ان کا زندہ رہنا میری روز کی موت ہے۔''

☆☆☆

''روما بیٹا میرا تو دل گھبرا رہا ہے، جب سے یہ آئی ہے کمرا بند کیے بیٹھی ہے، کتنی دفعہ بلانے گئی دس بہانے بنائے تاکہ دروازہ کھول دے مگر اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ اب تم ہی سوچو شام کو اس کا نکاح ہے، کچھ تو تیاری کرنی ہوگی۔''

روما اداس نظروں سے خالہ کی طرف دیکھتی رہی اس کے چہرے پر گہرے دکھ کی کیفیت آشکار تھی۔

''تو آپا کو کون سی اپنی شادی کی خوشی ہے جو ہم اُن سے امید کریں کہ وہ خوشی کا اظہار کریں گی۔ مہندی لگوائیں گی، دلہن بنیں گی۔ میرا تو خیال ہے وہ جیسی بیٹھی ہیں ویسے ہی اسی گھر سے رخصت ہو جائیں گی۔''

روما کی بات سن کر گل جان نے الجھی الجھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ جیسے سوچ رہی ہو کہ روما کو اب بتائے یا نہیں کہ اس کی ماں نے رابی کو نکاح کے لیے اپنی سیاہ ساڑی پیش کی ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو روک لیا کہ روما بچی ہے، اسے یہ سب سن کر بہت دکھ ہوگا۔ گھر میں کسی بہن یا بھائی کی شادی ہو تو باقی بہن بھائی خوشی سے دیوانے نظر آتے ہیں۔ کیا، کیا تیاریاں نہیں ہوتیں اور کس، کس طرح سے وہ خوشی منانے کے پروگرام ترتیب نہیں دیتے جو کچھ امکان میں نظر آتا ہے وہ کرنا چاہتے ہیں لیکن روما...... روما کیسے خوشی منائے...... جس کی شادی ہو رہی ہے وہی ماتم کر رہی ہے۔

''خالہ جانی آپ کیا سوچ رہی ہیں۔ آپ بھی پریشان ہو رہی ہیں ناں...... مگر آپ پریشان نہ ہوں جب نکاح کا ٹائم آئے گا تو اماں جان دروازہ ہی توڑ ڈالیں گی۔ نکاح تو ضرور ہوگا اس بار رابی آپا کے سامنے کوئی دروازہ نہیں ہے جس سے وہ دبے پاؤں نکل بھاگیں۔'' بولتے بولتے روما کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی.. تو گل جان نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ یہ بھی ایک لاشعوری حرکت تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ روما اس کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو دیکھے اور اس سے زیادہ رونا شروع کر دے۔

روما گل جان کے سینے سے لگی ہوئی تھی اور گل جان چپکے چپکے اپنی آنکھوں کے کناروں پر ٹپکنے والے آنسوؤں کو صاف کر رہی تھی۔

''خالہ جانی اگر رابی آپا کی شادی اور لڑکیوں کی طرح ہوتی تو کتنا مزہ آتا۔ کتنی رونق ہوتی گھر میں، میں اور کائناز بہت خوب صورت ڈریسز بنواتے، مہندی کا مایوں کا، بارات کا، ولیمے کا لیکن ہمارے گھر میں تو شاید دیواروں کو بھی نہیں پتا کہ رابی آپا کی شادی ہو رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا...... شادیاں تو اس طرح ہو جاتی ہیں۔ بس اللہ سے دعا کرو کہ آگے سب خیر ہو۔'' گل جان کے سینے سے ہوک سی اٹھی مگر وہ زبردستی مسکرانے لگی۔

''اچھا تم بیٹھو میں دیکھتی ہوں رابی دروازہ کھولتی ہے یا نہیں آخر اسے نہا دھو کر تیار بھی تو ہونا ہے۔ بی بی جان تھوڑی دیر میں مجھے بلا کر پوچھیں گی کہ رابی تیار ہوئی یا نہیں تو میں انہیں کیا جواب دوں گی۔ میرا تو سوچ سوچ کر دل گھبرا رہا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور لاؤنج سے باہر جانے لگی اس کی رفتار سے لگتا تھا جیسے وہ خود کو گھسیٹ رہی ہو۔ بھاری بوجھ کی طرح......

☆☆☆

برہان اپنے طے شدہ ٹائم پر شاہ عالم کے گھر پر تھا، وہ اپنے موبائل پر ایک حساب سے فاتحہ پڑھ چکا تھا۔ اس نے تو سم بھی لاک کرا دی تھی لیکن جب شاہ عالم نے اس کا موبائل اس کے سامنے رکھا تو اسے یوں لگا جیسے اس کی زندگی بھر کی جمع پونجی واپس مل گئی ہو...... وہ کچھ بے یقینی کی کیفیت میں اپنے موبائل کی طرف دیکھتا رہا۔ شاہ عالم بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ اُن کے چہرے پر مخصوص مسکراہٹ کے بجائے حیرت اور سنجیدگی تھی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ، یہ تو میرے ذہن میں ہی نہیں آیا کہ میں موبائل یہاں بھی بھول کر جا سکتا ہوں۔ کمال ہے پتا نہیں میرا ذہن کدھر تھا۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا، میں تو سب سے پہلے جیب میں اپنا موبائل ہی رکھتا ہوں۔''

شاہ عالم جیسے اس کا دل رکھنے کے لیے مسکرائے۔ اُن کا ذہن ہنوز کائناز کے جملوں میں الجھا ہوا تھا جو اس کے منہ سے بڑی بے ساختگی اور بے اختیاری کی کیفیت میں نکلے تھے اور جو کچھ اس نے برہان کی ماں کے بارے میں کہا تھا وہ الجھ کر رہ گئے تھے۔ نہ جانے کیوں انہیں برہان سے ایک عجیب سی اپنائیت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ کائناز کی باتوں سے تو لگتا تھا کہ برہان ایک بہت ڈسٹربڈ ماحول میں زندگی گزار رہا ہے لیکن وہ اپنی طرف سے پہل کر کے یہ باتیں نہیں چھیڑ سکتے تھے پھر بھی انہوں نے کہہ دیا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا ایک انسان کا ذہن جب دس جگہ کام کر رہا ہو تو بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔ لوگ تو چلتے پھرتے اپنی جیب کٹوا لیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر شاہ عالم قدرے رکے پھر برہان کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''بیٹا بہت معذرت کے ساتھ کہ کائناز نے آپ کی والدہ کا فون ریسیو کر لیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ پہلی بار

اس نے اٹینڈ نہیں کیا لیکن جب دوبارہ آیا تو اس نے اٹینڈ کرلیا تاکہ بتادے کہ آپ کا موبائل ہمارے پاس ہے۔ ورنہ وہ پریشان ہوتیں۔“

برہان نے بڑی فکرمندی اور پریشانی کی کیفیت میں اُن کی طرف دیکھا تھا کہ پتا نہیں اس کی ماں نے کائناز سے کیا بات کی ہوگی اور کہیں پریشانی میں کوئی ایسی ویسی بات ان کے منہ سے نہ نکل گئی ہو۔

”جی شاہ صاحب میری امی کا فون آیا تھا؟ کائناز نے کیا بتایا کیا کہہ رہی تھیں امی؟“ وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولا۔

”بیٹا میں نے تو تفصیل نہیں پوچھی کائناز سے، وہ یہ بتارہی تھی کہ پریشان لگ رہی تھیں۔“

برہان نے یہ سن کر بڑی گہری نظروں سے شاہ عالم کی طرف دیکھا جیسے کچھ کھوجنے کی کوشش کررہا ہو۔ آیا شاہ صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں یا اسے شرمندگی سے بچانے کے لیے بات بنارہے ہیں۔

”اور ایک بات اور بات بیٹا کائناز کو رات سے ٹمپریچر ہے، مجھے یہ کہتے ہوئے واقعی بہت شرمندگی ہورہی ہے کہ ابھی تو آپ نے آنا شروع کیا ہے اور وہ چھٹی کررہی ہے لیکن میں آپ سے بہت معذرت خواہ ہوں۔“

”کوئی بات نہیں شاہ صاحب واقعی اگر کائناز کو ٹمپریچر ہے تو وہ پڑھ تو نہیں پائیں گی۔ زبردستی بیٹھیں گی بھی تو پک نہیں کرسکیں گی۔ ٹھیک ہے آج چھٹی کرلیتے ہیں، مجھے بھی اجازت دیجیے۔ ایک بار پھر آپ کا بہت بہت شکریہ۔“ برہان نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ شاہ عالم کی طرف بڑھایا۔ شاہ عالم نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

”شکریہ کس بات کا بیٹا آپ کی چیز تھی، آپ کو دے دی۔ کوئی احسان تو نہیں کیا آپ پر۔“

”ٹھیک ہے شاہ صاحب میں کل حاضر ہوجاؤں گا۔ میری طرف سے آپ کائناز کی طبیعت پوچھ لیجیے گا۔ اللہ کرے وہ جلدی ٹھیک ہوجائیں کیونکہ ان کے ایگزام بھی بالکل قریب ہی ہیں۔“

”جی، جی! وہ بھی پریشان ہورہی تھی، میں نے اسے تسلی دی تھی بیٹا ریسٹ کرنے سے جلدی ٹھیک ہوجاؤ گی۔ آخر اب دن رات ایگزام کی تیاری بھی کرنی ہے۔“

”ٹھیک ہے شاہ صاحب پھر خدا حافظ۔“ برہان نے ان سے مصافحہ کرنے کے بعد واپسی کے لیے دروازے کا رخ کیا۔

شاہ صاحب اس کی پشت پر نظریں جمائے سوچ رہے تھے کہ اتنا نیک بچہ ہے پتا نہیں اس بے چارے کے ساتھ کیا مسئلے مسائل ہیں، بہت سنجیدہ اور کم گو ہے، کچھ جوانیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں بڑھاپا جھلکنے لگتا ہے۔ انہوں نے یہ سوچ کر ایک گہری سانس اپنے سینے سے آزاد کی۔

☆☆☆

گل جان اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ اس کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ جیسے جیسے رات کے سائے بڑھ رہے تھے۔ اس کا دل گھٹتا جاتا تھا۔ ابھی تک اس کی ہمت نہیں ہو پائی تھی کہ وہ جا کر رابی کو مہر جان کی دی ہوئی سیاہ ساڑی دے دے۔ اسی لمحے روما اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کی کیفیت بھی گل جان سے مختلف نہیں تھی۔

گل جان نے قدموں کی آہٹ سن کر پلٹ کر دیکھا تو روما سامنے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گل جان کی نظروں میں سوال تھا کہ وہ اسے اب کیا کہنے آئی ہے لیکن ہونٹ خاموش......

”خالہ جانی وہ میں آپ سے ایک بات کہنے آئی ہوں۔“ روما نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”بولو بیٹا کیا بات ہے، خالہ سے کیوں گھبراتی ہو کم از کم مجھ سے تو کھل کر بات کرلیا کرو، بے خوف ہوکر۔“ کہتے کہتے گل جان کے لہجے میں ایک درد سا امنڈ آیا۔

”خالہ جانی وہ...... میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ اماں جان سے پوچھ لیں۔ رابی آپا کی آج شادی ہے، وہ اس گھر سے ہمیشہ کے لیے چلی جائیں گی تو کیا میں کائناز کو بلالوں۔“

”نہیں بیٹا تمہاری رابی آپا کی شادی نہیں ہورہی اسے تو دیس نکالا مل رہا ہے اگر شادی والا ماحول ہوتا تو میں ضرور بات کرلیتی۔“ گل جان نے یہ سن کر روما کی طرف دیکھا پھر گہری سانس لے کر بڑی اداسی سے مسکرائی اور بولی۔

”دیس نکالا...... یہ کیا ہوتا ہے خالہ جانی؟“ روما نے الجھی الجھی نظروں سے خالہ کی طرف دیکھا تھا۔

”یہ کالے پانی کی سزا ہوتی ہے۔ ایسی سزا کہ بندے کو اس کے وطن سے نکال دیا جاتا ہے۔ اسے دیس نکالا کہتے ہیں۔“

”میں نے تو آج کائناز کو فون بھی نہیں کیا اور حیرت کی بات ہے کہ اس کا بھی فون نہیں آیا۔“ روما خود کلامی کی کیفیت میں بول رہی تھی۔

”بیٹا بس اب یہ کائناز...... کائناز کہنا بند کردو، جوان ہوگئی ہو آخر کل کو تمہاری اور کائناز کی بھی شادی ہونی ہے۔ اس طرح سے کسی کو اپنی زندگی کا حصہ نہیں بناتے کہ پھر اس سے جدا ہونے کے خیال سے ہی تکلیف ہونے لگے۔“ گل جان سمجھانے کے انداز میں بولی۔

”خالہ جانی ایک کائناز ہی تو ہے جو مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے، میرا اتنا خیال کرتی ہے، اب آپ چاہتی ہیں کہ میں اسے بھی چھوڑ دوں۔ آخر آپ اور اماں کیوں چاہتی ہیں...... کائناز سے آپ کو اور اماں کو تکلیف کیا ہے؟“ روما نے خاصا برا مان کر اس کی طرف دیکھا۔

”بیٹا بات تکلیف کی نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ زندگی خوابوں کے سہارے نہیں کٹتی، حقیقت پسندی کے ساتھ گزارنا پڑتی ہے۔ ٹھیک ہے جب تم دونوں چھوٹی تھیں تو ہم یہی سوچتے تھے کہ اکیلا بچہ پریشان ہوجاتا ہے، تنہائی سے اکتا جاتا ہے، گھبرا جاتا ہے۔ دونوں بچیاں ایک ساتھ کھیلتی ہیں، خوش رہتی ہیں تو کوئی حرج نہیں لیکن اب وقت کے ساتھ ساتھ خود کو تبدیل کرو......“

”تو آپ کا مطلب ہے کہ کائناز کو نہیں بلانا چاہیے؟“

”ہرگز نہیں......“ گل جان نے تیزی سے جواب دیا تھا۔ ”کائناز کو تو ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے کہ آج کی تاریخ میں اس گھر میں کیا ہورہا ہے۔ ٹھیک ہے، ہم دنیا سے منہ چھپا کر بیٹھے ہیں لیکن انسان بھی تو ہیں، کب تک تماشا بنیں۔“ بولتے بولتے گل جان کی آواز پر آنسوؤں کا تاثر غالب آگیا۔

روما کو دکھ ہوا جیسے اس نے اپنی خالہ کا دل دُکھا دیا ہے، جلدی سے ان کے قریب آئی اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے بولی۔

”خالہ جانی سوری، میں نے آپ کو پریشان کردیا۔ میں تو بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ آخر لوگ شادی پر مہمانوں کو بلاتے ہی ہیں۔ کوئی نہیں آرہا تو کائناز کو ہی بلالیں لیکن خیر چھوڑیں اگر آپ سمجھتی ہیں کہ نہیں بلانا چاہیے تو نہیں بلاتی۔“ وہ بہت اپنائیت بھرے انداز میں گل جان کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”بیٹا میں تم سے صرف اتنا کہوں گی کہ اس بات کو جہاں تک ہوسکے چھپا سکتی ہو تو چھپا کر رکھنا۔ کائناز کو

بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔" روما نے حیرت سے گل جان کی طرف دیکھا۔

"لیکن کیسے بھی سہی رابی آپا کی شادی تو ہو رہی ہے ناں، کوئی غلط کام تو نہیں ہو رہا پھر اس میں چھپانے والی بات کیا ہے؟"

"خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ روما، مجھ پر رحم کرو، خدا کے لیے بیٹا بند کرو یہ سوال جواب...... خاموش ہو جاؤ۔" گل جان کی آنکھوں سے اب آنسو بہنے لگے تھے۔

"اچھا، اچھا ٹھیک ہے خالہ جانی، آپ روئیں نہیں، میں اب کوئی بات نہیں کروں گی۔ کچھ نہیں پوچھوں گی آپ سے۔" روما کو ان کے آنسو دیکھ کر ڈر ہی گئی۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ گئی تھی۔

گل جان نے اندر اٹھتی ہوئی ٹیسوں کو دبانے کے لیے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے کچل ڈالا تھا۔

☆☆☆

کائناز بخار کی شدت سے نڈھال نظر آ رہی تھی۔ شاہ عالم تھرما میٹر سے اس کا بخار چیک کر رہے تھے۔

"شکر ہے ٹمپریچر کچھ تو کم ہوا۔" وہ تھرما میٹر واپس رکھتے ہوئے کائناز کی طرف بہت پیار سے دیکھ رہے تھے۔

"لیکن دادا مجھے تو لگتا ہے کہ مجھے ٹمپریچر ویسے کا ویسے ہی ہے۔ آنکھیں جل رہی ہیں میری۔"

"نہیں بیٹا ایسی بات نہیں ہے بس یہ ہے ناں کہ ایک دو دن تیز بخار چڑھ جائے تو کمزوری بہت ہو جاتی ہے پھر سنبھلنے میں دن تو لگ جاتے ہیں ناں۔" وہ سمجھانے کے انداز میں بول رہے تھے۔

"دادا جان میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں تیز مرچوں والی بریانی کھاؤں۔" وہ بچوں کی طرح منہ بسور کر بولی۔

شاہ عالم بے ساختہ ہنس دیے۔

"بیٹا انسان کی فطرت ہے جس چیز سے قدرت اسے روکتی ہے وہ اسی کی طرف تیزی سے لپکتا ہے۔ پابندی، آزادی کی تڑپ پیدا کرتی ہے روٹین میں ہم لوگ کچھ چیزیں خود سے avoid کرتے ہیں لیکن جب اُن چیزوں پر پابندی لگ جاتی ہے تو اُن میں بڑی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ میرا بیٹا ایک دو دن ریسٹ اور پرہیز کرلو، اس کے بعد روزانہ بریانی کھانا، ٹھیک ہے۔" وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہے تھے۔

"لیکن دادا جان روما میں تو میں نے ایسی کوئی تڑپ نہیں دیکھی، وہ تو خوشی، خوشی اپنی اماں جان کی ساری پابندیاں قبول کر لیتی ہے۔ اتنی سی خواہش نہیں ہے اس کے اندر۔"

"بیٹا بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو... وہ ماں بیٹی کا معاملہ ہے، ماں کی پابندی، پابندی نہیں ہوتی۔ وہ تو اولاد کی دیکھ بھال کا ایک حصہ ہوتی ہے، بے وقوف۔" پوتی کی بات سن کر انہوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"آپ تو مجھ پر اتنی زیادہ پابندی نہیں لگاتے، اب یہ دیکھیں ناں اس نے اپنی اماں جان کی وجہ سے آج مجھے فون بھی نہیں کیا۔" وہ منہ بسور کر بولی تھی۔

"یہ کیسے کہہ سکتی ہو بیٹا کہ اس نے اماں جان کی وجہ سے فون نہیں کیا، ہو سکتا ہے وہ اپنے کام میں اتنا بزی ہو تھوڑی دیر بعد فون کرے۔"

"ایسا ہوتا تو نہیں ہے صبح سے لے کر رات تک اگر میرا فون نہ جائے تو اس کا فون ضرور آتا ہے اور شاید اسے تو پتا بھی نہیں ہے کہ مجھے اتنا تیز بخار ہے۔"

"پتا نہیں ہے تو پتا چل جائے گا بیٹا! یہ ہر بات میں روما آ جاتی ہے بس اب تم لوگ بڑی ہو گئی ہو، یہ بچوں والی باتیں چھوڑو۔"

"سب لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے دوستی ختم کر دیں۔"

"یہ بات نہیں ہے بیٹا، ہر بات میں ہر کام میں توازن، اعتدال بہت ضروری ہوتا ہے۔ زندگی میں بڑی سہولت رہتی ہے، خیر تم چھوڑو، زیادہ باتیں نہیں کرو، آرام کرو اگر روما سے بات کرنا چاہتی ہو تو فون ملا لو تمہارا دل بہل جائے گا۔" یہ سنتے ہی کائناز نے اِدھر اُدھر دیکھا اور قریب پڑا ہوا اپنا موبائل اٹھا لیا۔

"اتنی دیر سے آپ سے فالتو باتیں کیے جا رہی ہوں، اتنی دیر میں تو میری روما سے بہت ساری باتیں ہو جاتیں۔ مجھے خیال ہی نہیں آیا فضول میں آپ سے لڑنے لگی، سوری دادا جان۔" روما نمبر دباتے ہوئے ان سے کہہ رہی تھی اور شاہ عالم اس کے بچپنے پر مسکرا رہے تھے۔

کائناز نے نمبر پریس کر کے موبائل کان سے لگایا اور کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی پھر بڑا برا سا منہ بنا کر دادا سے گویا ہوئی۔

"یہ دیکھیں رِنگ پاس ہو رہی ہے اور جواب آ گیا کہ آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا۔" اس نے بڑے انداز سے ایک، ایک لفظ چبا کر کہا اور غصے بھرے انداز میں موبائل پٹخ دیا۔

"ایک بار پھر ٹرائی کر لو بیٹا، ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ بزی ہوں۔" یہ کہہ کر شاہ عالم اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

"اب تم آرام کرو بیٹا جتنا زیادہ آرام کرو گی اتنی جلدی ٹھیک ہو جاؤ گی، شاباش میرا بیٹا۔" وہ اٹھ کر کائناز کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

☆☆☆

گل جان بہت افسردہ کیفیت میں رابی کے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں مہر جان کی دی ہوئی سیاہ ساڑی تھی لیکن رابی دروازہ کھولنے پر تیار نہیں تھی کچھ دیر بعد اندر سے ہی بولی۔

"خالہ جانی میرے پاس بہت سارے کپڑے ہیں کوئی بھی پہن لوں گی۔ مجھے نہیں چاہیے یہ شادی کے کپڑے۔"

"بیٹا ایک نظر دیکھ تو لو، کہاں ہیں یہ شادی والے کپڑے، بس تمہاری اماں جان کا حکم ہے کہ تم نکاح کے وقت یہ کپڑے پہن لو۔" گل جان نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں کو کنٹرول کرتے ہوئے یہ جملہ کہا تھا۔ درد سے جیسے اس کا کلیجا پھٹا جا رہا تھا۔

"مجھے نہیں پہننا خالہ جانی! اسپیشلی اماں جان کے دیے ہوئے کپڑے تو پہننا ہی نہیں ہیں۔"

"بیٹا ضد نہ کرو، فضول میں ایک چھوٹی سی بات بڑی بن جائے گی، دیکھ تو لو ایک نظر، میں تو سمجھ رہی ہوں کہ تم یہ ساڑی دیکھو گی تو تمہیں بہت پسند آئے گی۔ یہ تمہارے جذبات کی ترجمانی کر رہی ہے۔" گل جان کے منہ سے بلا ارادہ ہی بڑی بے ساختگی میں نکل گیا۔ اسی وقت جیسے رابی کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔

"کیا مصیبت ہے" اتنا کہتے ہی اس نے دروازہ کھول کر اپنا ہاتھ باہر نکال دیا تھا۔ "لائیں دے دیجیے دیکھتی ہوں ایسا کون سا شاہانہ جوڑا آیا ہے۔"

گل جان نے اپنے تڑپتے ہوئے دل کو سنبھالا اور ساڑی رابی کے ہاتھ میں تھما دی۔ ساڑی لیتے ہی رابی کا ہاتھ دوبارہ اندر گیا اور دھڑ کی آواز سے دروازہ بند ہونے کے ساتھ ساتھ لاک لگنے کی آواز بھی آئی۔

"ساڑی دیکھ کر کچھ بھی نہیں بولی رابی، کچھ تو بولتی۔" گل جان نے خود کو سنبھالا اور بڑی اداسی سے مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

☆☆☆

رابی وہ ساڑی ہاتھوں میں لیے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ تھی۔

''بہت خوب صورت انتخاب ہے اماں جان کا، جواب نہیں آپ کا میرے جذبات اور احساسات کی کیا کمال ترجمانی کی ہے آپ نے، میں کس زبان سے شکریہ ادا کروں، اتنا خوب صورت اور حسین جوڑا آج تک کسی دلہن نے نہیں پہنا ہوگا۔'' وہ بڑبڑانے والے انداز میں جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہو، چند لمحے ساڑی کو دیکھنے کے بعد جیسے وہ اپنے دھیان سے چونک پڑی اور ڈریسنگ روم کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ڈریسنگ روم سے باہر آئی تو اس نے سیاہ ساڑی زیب تن کی ہوئی تھی۔ اس کی سرخ اور سفید رنگت پر سیاہ رنگ کی یہ ساڑی گویا غضب ڈھا رہی تھی۔ رابی نے اپنے ہاتھ پر آنچل پھیلاتے ہوئے تھوڑا سا اِدھر اُدھر لہرا کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ عجیب پُراسراری مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ اس کے خوب صورت لمبے بال کمر تک پھیلے ہوئے تھے وہ لہرا لہرا کر اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی۔ آئینے نے بالکل سچ سچ بتا دیا کہ اس وقت وہ قیامت ڈھا رہی ہے۔ چند لمحوں تک وہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتی رہی پھر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی ہوئی ایک قینچی اٹھائی اور پاگلوں کی طرح اپنے بالوں کو کاٹنا شروع کر دیا، دیکھتے ہی دیکھتے اس کے گھنے لمبے سیاہ بال فرش پر بکھرے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ بڑی بڑی لٹیں کاٹنے کے بعد اس نے قینچی کو بالوں میں اِدھر اُدھر پھنسا کر کٹنگ کرنا شروع کی اور تھوڑی ہی دیر میں تقریباً اس کے سر کے تمام بے ترتیب بال کٹ کر فرش پر بکھر چکے تھے۔ اس نے اتنی بے ترتیبی سے قینچی چلائی تھی کہ کسی کسی جگہ سے تو باقاعدہ سر کی جلد بھی جھلکنے لگی تھی۔

سر کے تمام بال بڑے بے ڈھنگے پن سے کٹ چکے تھے۔ چہرہ بدل گیا تھا۔ اب اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہوئی ایک شیشی اٹھائی اس شیشی میں تیزاب تھا۔ اس نے روئی ڈبو ڈبو کر اپنے چہرے پر اس تیزاب سے لکیریں کھینچنا شروع کیں۔ جہاں جہاں تیزاب لگتا جاتا تھا وہاں وہاں سے جلد پھٹتی جاتی تھی۔ اس وقت اس کی ذہنی حالت ایسی تھی کہ کوئی بھی جسمانی تکلیف اس کی روحانی تکلیف پر غالب نہیں آسکتی تھی اور اس عمل کے دوران ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ جو لوگ خود کو آگ لگا کر خودکشی کرتے ہیں ان کی ذہنی حالت کیا ہوتی ہوگی۔ وہ آگ بھی ان کو نہیں ڈرا پاتی۔ ایک ذرا سا چھالا پڑنے پر دنوں چین نہیں آتا۔ لوگ اپنے ہاتھوں سے خود کو بڑے بڑے شعلوں کے حوالے کیوں کر دیتے ہیں۔ اسے اب سب سمجھ آرہی تھی۔ تیزاب کی لکیروں نے اس کے چہرے پر ایک جال سا بُن دیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی شکل انتہائی ڈراؤنی اور بھیانک نظر آنے لگی تھی۔ تیزاب کی جلن بہت شدید تھی لیکن غم و غصے کی آگ اس سے کہیں زیادہ تھی۔ اس نے اپنا کام مکمل کر کے اب خود کو آئینے میں سر سے پاؤں تک دیکھا اور غرّانے والے انداز میں خود کلامی کرنے لگی۔

''اماں جان اس رابی کو لے کر جائے گا آپ کا سہراب خان، تھوکے گا بھی نہیں۔ آج میں نے آپ کو ایسی مات دی ہے کہ اس کے بعد آپ کبھی شطرنج کھیلنے کا نہیں سوچیں گی۔ سارے مُہرے پِٹ گئے ہیں آپ کے، آپ کو خاندانی عزت کا بہت خیال رہتا تھا۔ جنازہ نکال دیا ہے میں نے آپ کی اس عزت کا۔ جب سہراب خان اس گھر سے خالی ہاتھ جائے گا تو یقیناً آپ اپنے آپ سے ضرور ایک وعدہ کریں گی کہ آج سے اس گھر میں ظلم کا بازار بند ہوگیا ہے۔'' یہاں تک سوچتے ہی اس کی آنکھوں سے تواتر سے آنسو بہنے لگے۔ تیزاب نے اس کے چہرے کو جھلسا دیا تھا لیکن اسے تیزاب کی تپش سے زیادہ انتقام کی آگ میں شدت محسوس ہو رہی تھی۔ تیزاب کی آنچ انتقام کے سامنے کچھ نہیں تھی۔ اپنا بھیانک چہرہ آئینے میں دیکھتے ہی اس نے اتنا سکون محسوس کیا جیسے کوئی مزدور دن بھر جلتی دھوپ میں محنت مشقت کرنے کے بعد ٹھنڈی چھاؤں میں میٹھی نیند سو گیا ہو۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان بہت خوب صورت ساڑی پہن کر اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھیں اور بار بار دروازے کی طرف یوں دیکھتی تھیں جیسے انہیں کسی کے آنے کا انتظار ہے چند ہی لمحے بعد اصیل خان سر جھکائے اندر داخل ہوا تھا۔ مہر جان کے ہونٹوں پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ ابھری وہ اصیل خان کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگیں اور بڑی شانِ استغنا سے مخاطب ہوئیں۔

''بارات پانچ منٹ میں پہنچنے والی ہے اصیل خان اور بارات کا استقبال تم کرو گے۔ سہراب خان کے گلے میں پھولوں کا ہار تو تم ڈالو گے۔ دیکھو ناں اس گھر میں مرد تو صرف تم ہی ہو۔ اب میں سہراب خان کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالتی ہوئی اچھی لگوں گی۔ خود ہی سوچو۔'' مہر جان ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کر رہی تھیں۔ اصیل خان کا جھکا سر مزید جھکتا چلا گیا۔

''تم نے سنا اصیل خان میں نے تم سے کیا کہا؟''

''جی بیگم صاحبہ آپ جیسے کہیں ویسے ہی ہوگا۔'' اصیل خان کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ مہر جان نے اصیل خان کی شکل دیکھی پھر ایک قہقہہ لگا کر ہنس دیں۔

''آج میں بہت خوش ہوں اصیل خان، اللہ نے چاہا تو ایک بہت بڑی ذمے داری کا بوجھ میرے کندھوں سے اتر جائے گا۔ شاید برسوں بعد آج میں سکون کی نیند سوؤں گی۔ مجھے تو یاد ہی نہیں کہ سکون کی نیند کسے کہتے ہیں؟''

اصیل خان نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ جیسے اگلے حکم کا منتظر کھڑا ہوا تھا۔

''رہ گئی روما تو سوچتی ہوں ضروری تو نہیں کہ ہر لڑکی کی شادی ہو۔ آخر گل جان اور میں بغیر مرد کے جی رہے ہیں، ہمیں کیا فرق پڑا ہے بلکہ لوگ تو مجھے منہ پر کہتے ہیں کہ میں سو مردوں کے برابر ایک مرد ہوں تو روما بھی شادی کے بغیر رہ سکتی ہے، رابی کی شادی کی فکر مجھے اس لیے تھی کہ اس لڑکی سے مجھے دھڑکے بہت تھے اور وہ غلط بھی نہیں تھے۔ ایک کارنامہ تو وہ انجام دے کر ثابت کر چکی ہے کہ میرے دھڑکے اور اندیشے غلط نہیں تھے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں اصیل خان؟'' وہ بولتے بولتے اصیل خان سے پوچھنے لگیں۔

''جی بیگم صاحب......'' اصیل خان کی آواز بہت مشکل سے نکلی تھی۔ یوں جیسے اس نے اپنی پوری قوت اکٹھی کر کے دو لفظ بولنے کی استطاعت حاصل کی ہو۔

مہر جان شاید خود ہی بولتے بولتے تھک گئیں۔ انہوں نے چند لمحے سوچا ایک دم ہی ان کا لب و لہجہ اور انداز بدل گیا۔

''اب تم، یہاں سے اپنی شکل گم کرو، میرا خیال ہے کہ بس وہ لوگ گیٹ پر پہنچنے ہی والے ہوں گے۔ اچھا سا استقبال کرنا آخر اس گھر کی پہلی بیٹی کی شادی ہے۔ ہونے والے دولہا کو احساس ہونا چاہیے کہ ہم نے اس کی بہت عزت افزائی کی سر آنکھوں پر بٹھایا اب تم جاؤ'' اصیل خان بِنا کچھ بولے چپ چاپ واپس پلٹ گیا۔

مہر جان کے ہونٹوں پر زہرخند ابھری۔

''کیسے جا رہا ہے جیسے اس نے بوجھ اٹھا رکھے ہوں حالانکہ سارے بوجھ تو میرے کندھوں پر رکھے ہوئے ہیں۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئیں۔

☆☆☆

گل جان کے جی کو عجیب بے قراری لگی تھی۔ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے، نہ بیٹھے چین پڑتا تھا نہ کھڑے...... رابی کو کپڑے تو دے دیے تھے۔ سیاہ ساڑی اسے دے کر اس پر ثابت کر دیا تھا کہ اب وہ تذلیل کے اندھیرے میں بھٹکنے کے لیے جا رہی ہے۔ اس کے نصیب میں اندھیرے لکھے ہیں اور اسے اندھیروں سے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔

اسی وقت اس نے دیکھا کہ اصیل خان سر جھکائے باہر کی طرف جا رہا ہے۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی یونہی بات برائے بات کی...یا بے قراری کے ہاتھوں بے قرار ہو کر اس سے پوچھ لیا۔

''اصیل خان کہاں جا رہے ہو؟''

اصیل خان نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ جھکا ہوا سر جھکا ہی رہا البتہ بہت اختصار سے گویا ہوا۔

''گل جان بی بی، بارات بس پہنچنے ہی والی ہے، دولھا کے گلے میں ہار ڈالنے جا رہا ہوں۔'' اس کے لہجے میں وہ کچھ تھا جو گل جان کی بے قراری کو شعلوں کی طرح بھڑکا رہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ کا حکم ہے کہ گھر میں تمہارے علاوہ کوئی مرد نہیں ہے اس لیے دولھا کو ہار مجھے ہی پہنانا ہوگا۔'' اتنا کہہ کر وہ چل پڑا تھا اور اس نے گل جان کے ردِعمل یا جواب کا انتظار نہیں کیا تھا۔

گل جان اپنی جگہ لب بستہ کھڑی تھی۔

عین اسی لمحے مین گیٹ پر یکے بعد دیگرے تیز ہارن سنائی دیے۔ پھر اس نے گیٹ کھلنے کی آواز سنی، آگے بڑھ کر جھانکنے کچھ دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اپنے دل کو تھام کر وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ آنسو بھی گویا خشک ہو چکے تھے۔ شور مچانے، ماتم کرنے کا حوصلہ وجرأت بھی نہیں تھی۔ عجیب سی بے اختیاری تھی عجیب سی بے بسی پھر اس نے دیکھا گلے میں سرخ گلابوں کا ہار پہنے سہراب خان کچھ لوگوں کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف جا رہا تھا۔ اصیل خان کی رہنمائی میں گل جان کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کھڑے کھڑے مر جائے گی مگر وہ نہیں مری...اور اپنے آپ سے گویا ہوئی جیسے خود پر تمسخر کر رہی ہو۔

''بے غیرتی اتنی بڑی بات نہیں کہ انسان مر جائے۔ گل جان تجھے تو مرنے کے لیے کسی حشر کا انتظار کرنا چاہیے...... اتنا کچھ تو ہو گیا مگر تو کتنی سخت جان ہے، موت حملہ آور ہونے کی جرأت ہی نہیں کر پا رہی حالانکہ تو تو موت کو یوں ڈھونڈتی پھرتی ہے جیسے...کوئی قیمتی چیز گم ہو گئی ہو مگر نہیں ملتی۔''

وہ یہیں تک سوچ پائی تھی کہ اسے اپنی پشت سے مہر جان کی آواز آئی۔

''گل جان تم وہاں کھڑی کیا کر رہی ہو، جاؤ جا کر دیکھو رابی تیار ہوئی یا نہیں...... میں سہراب خان سے بات کرتی ہوں اور نکاح کے لیے قاضی کو اندر بھیجتی ہوں، تم رابی کے ساتھ ہی رہو اسے اکیلا چھوڑنے کی حماقت نہیں کرنا۔''

گل جان نے پلٹ کر مہر جان کی طرف دیکھا جو بہت اچھی طرح ڈریس اپ تھیں اور اپنا سب سے قیمتی ڈائمنڈ سیٹ بھی پہنے ہوئی تھیں جو آج گل جان نے بیں پچیس برس بعد انہیں پہنے دیکھا تھا۔

''جی بی بی جان جاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ رابی کے کمرے کی طرف جانے لگی۔ اسے مہر جان کے قریب سے گزر کر آگے بڑھنا تھا جونہی وہ مہر جان کے قریب سے گزری مہر جان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ گل جان نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں مہر جان نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا اور بڑے پُراسرار

انداز میں مسکرائیں۔

مہر جان کی آنکھوں میں جانے ایسا کیا تھا کہ گل جان نے گھبرا کر فوراً نظریں جھکا لیں۔ مہر جان نے اس کی پشت تھپتھپائی......اور آہستہ آواز میں بولیں۔

''ویل ڈن گل جان......ویل ڈن......'' گل جان خود کو سنبھالتی آگے بڑھ گئی اور مہر جان ڈرائنگ روم کی طرف۔

☆☆☆

''دادا جان میں بہت بور ہو رہی ہوں دل گھبرا رہا ہے میرا......کب تک لیٹی رہوں ؟'' کائناز منہ بسور رہی تھی۔

شاہ عالم تھرمامیٹر سے اس کا ٹمپریچر دیکھ رہے تھے۔

''بیٹا ٹی وی پر کوئی اچھا سا پروگرام دیکھ لو، آخر لوگ ٹی وی بوریت دور کرنے کے لیے ہی دیکھتے ہیں۔''

شاہ عالم کو اس کی بوریت دور کرنے کا ایک یہی حل سوجھا۔

''میں نے سب پروگرام چیک کر لیے ہیں کہیں سے بھی میرے مطلب کا کوئی پروگرام نہیں آ رہا۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

''تو بیٹا......کوئی اچھی سی کتاب پڑھ لو، کہتے ہیں ناں کتاب بہترین دوست ہوتی ہے۔'' شاہ عالم کو آخر کار بہت مناسب جواب مل گیا۔ یہ سن کر کائناز کے چہرے پر ایک چمک سی پیدا ہوئی جو اس کی روحانی مسرت کی غماز تھی۔ ایک لمحے میں ہی جیسے اس کی ساری کمزوری، اضمحلال ہوا میں اُڑ گیا۔ یوں کہ کسی بیمار کو مطلوبہ دوا مل گئی اور پہلی خوراک سے ہی افاقہ ہو گیا ہو۔

''جب اللہ نے مجھے بہترین دوست دی ہے تو میں بہترین دوست کیوں تلاش کروں؟ کیوں خود کو دھوکا دوں......؟ اپنی دوست سے کیوں نہ باتیں کروں؟''

شاہ عالم نے گویا اپنا سر ہی پیٹ لیا۔ انتہائی قیمتی آدرش کو تو اس نے کاغذ کا جہاز بنا کر اڑا دیا تھا۔

''میرے خدایا...... یہ مشینی دور کے مشینی بچے۔''

''سمجھ گئی......مگر اب برا مگر مرغی نہ کہہ دیجیے گا مجھے۔'' کائناز شرارت سے مسکراتے ہوئے بولی تو شاہ عالم ... بڑی بے ساختگی سے ہنس دیے یہ معصوم پوتی تو اب ان کا کل جہاں تھی۔ عجائباتِ عالم ایک طرف اور یہ پوتی ایک طرف......

''تو پھر ٹھیک ہے تم اپنی بہترین، نابغۂ روزگار، اکلوتی دوست کو فون ملاؤ اور جی بھر کر باتیں کرو۔'' وہ اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اتنی مشکل اردو نہ بولا کریں دادا جان......اتنے وزنی الفاظ یوں لگ رہا ہے جیسے میں نے ایک ساتھ تین کھجوریں کھا لیں......اور تین گٹھلیاں میرے حلق میں پھنس گئیں۔'' کائناز اپنی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے بہت مزاحیہ انداز میں بولی۔

''حالانکہ لفظ دو ہیں تو گٹھلیاں تین کیوں؟ نابغۂ روزگار......گنتی کرو کتنے الفاظ ہیں ؟'' وہ بھی مذاق کرنے لگے۔

''نہ کریں دادا جان......ہمیں آرام سے جینے دیں......ان دو لفظوں کے بغیر بھی گزارہ ہو سکتا ہے۔''

''مگر روما کے بغیر نہیں ہو سکتا۔'' شاہ عالم نے برجستہ کہا تو کائناز کھلکھلا کر ہنس دی اور برابر سے سیل فون

اٹھا کر روما کا لینڈ لائن نمبر ملانے لگی پھر برا سا منہ بنا کر سیل پٹخنے کے انداز میں رکھ دیا۔ شاہ عالم جاتے جاتے رک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''کیا ہوا؟''

''نمبر انگیج ہے ابھی تک۔ اس کی اماں جان اسپتال کی کسی نرس کو جھاڑ پلا رہی ہوں گی۔''

''تھوڑی دیر بعد ٹرائی کر لینا۔''

''پوری جلاد ہیں روما کی اماں جان...... آج کل تو اسکول کے بچوں کے پاس سیل فون ہوتے ہیں، ماسیوں، سوئیپر کے پاس ہوتے ہیں مگر روما واحد پاکستانی ہے جسے سیل فون مل گیا تو وہ خراب ہو جائے گی... ہونہہ!''

''بری بات بیٹا دوست سے پیار کرتے ہیں تو اس کے تمام رشتوں کو اہمیت و عزت دیتے ہیں۔'' شاہ عالم نے ٹوک دیا۔

''دادا جان ایسا کریں......'' اتنا کہہ کر وہ رک گئی جیسے اسے اندیشہ ہو کہ وہ اس سے اتفاق نہیں کریں گے۔

''کیا کروں بیٹا؟''

''دادا جان تین گھر چھوڑ کر تو روما کا گھر ہے، آپ مجھے اس کے گھر چھوڑ آئیں۔ پر اس میں بس ایک گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی۔ ابھی تو مجھے اس سے لڑائی بھی کرنی ہے، صبح سے اس نے مجھے فون کر کے میری خیریت نہیں پوچھی اور نہ میرا فون اٹینڈ کیا...... اب تو آنٹی بھی اسپتال سے ڈسچارج ہو چکی ہیں۔''

''ہوسکتا ہے اس کی اپنی طبیعت خدانخواستہ خراب نہ ہو...... چلو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں ورنہ تم اسی طرح میرے کان کھاتی رہو گی۔'' یہ سنتے ہی کائناز کے وجود میں جیسے برق سی دوڑنے لگی تھی۔

☆☆☆

''ابھی تو آپ آئے تھے پھر یونیفارم پہن لیا ہے، خیر تو ہے۔'' صابرہ، جابر علی کو کھانا کھانے کا کہنے آئی تھی۔ دیکھا تو وہ یونیفارم پہنے ہوئے ... بالکل تیار کھڑا تھا۔

''نوکری ہے بادشاہی نہیں...... فون آ گیا ہے ریڈ کرنے جانا ہے۔'' جابر علی نے اپنے مخصوص انداز میں پتھر پھوڑے۔

''وہ...... کھانا تو لگا دیا ہے۔'' صابرہ الجھ کر رہ گئی کب سے اہتمام کر رہی تھی۔

''کھانے کا تو اب ٹائم نہیں ہے جلدی سے ایک پیالی چائے پلا دو۔'' وہ اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے عجلت بھرے انداز میں بولا۔

''جا کہاں رہے ہیں؟'' صابرہ نے باہر نکلتے نکلتے پوچھ لیا۔ کب سے پلان کر رہی تھی کہ برہان سے فون پر تفصیل سے بات کرے مگر موقع ہی نہیں مل رہا تھا اسی لیے اس نے پوچھ بھی لیا تھا جبکہ آج سے پہلے اس نے کبھی اس کے آنے جانے کا نہیں پوچھا تھا۔

''لاڑکانہ...... اب صبح ہی واپسی ہو گی۔ دروازے وغیرہ اچھی طرح بند کر کے سونا، گھر میں صرف لڑکیاں ہیں۔''

''جی...... ظاہری بات ہے گھر میں مرد ہو تو بڑا حوصلہ رہتا ہے۔'' صابرہ نے جانے کس خیال کے تحت بڑی اداسی سے کہا تھا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔

''دیکھتی نہیں ہو...... ڈبل ڈیوٹیاں کر رہا ہوں۔ پھر بھی کھری باتیں سنا رہی ہو جتا رہی ہو کہ تمہارا بیٹا گھر

چھوڑ کر چلا گیا ہے، روتی رہو اس کو...... بیٹا بیٹا...... ہونہہ۔'' یہ کہہ کر اپنا ریوالور ہولسٹر میں پھنساتا اور صابرہ کو گھورتا ہوا اپنی الماری میں جانے کیا ڈھونڈنے لگا وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ جابر علی چائے پی کر فوراً ہی چلا گیا تھا بلکہ ابھی چائے کا کپ ہاتھ میں ہی تھا کہ گاڑی اسے لینے آ گئی تھی۔ جابر علی کے جاتے ہی صابرہ نے بڑی بے تابی سے برہان کا نمبر ملایا تھا۔ ستارہ ٹی وی دیکھنے میں مگن تھی وہ بھی غالباً یوم نجات منا رہی تھی۔ شبینہ البتہ کچن میں بڑی ذمے داری سے کام کر رہی تھی، برہان بھی جیسے ماں کی کال کے انتظار میں ہی بیٹھا تھا۔ پہلی رنگ پر ہی اس نے کال ریسیو کی تھی۔

''السلام علیکم امی......!'' برہان نے کال وصول کرتے ہی سلام کیا تھا گویا اسے سو فیصد یقین تھا کہ گھر سے آنے والی کال اس کی ماں کی ہی ہو سکتی ہے۔ اس کی آواز سنتے ہی صابرہ یوں کھل اٹھی گویا سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا ہو۔

''جیتے رہو...... جگ جگ جیو...... اللہ تمہیں ہر غم ہر پریشانی سے دور رکھے، آمین۔ بیٹا کل میں تمہیں فون کرتی رہی، تمہارا نمبر تو لگ رہا تھا مگر تم نے اٹھایا نہیں، میں بہت پریشان ہو گئی تھی پھر اس بچی نے فون اٹھایا جسے آج کل تم پڑھانے جاتے ہو اس سے پتا چلا کہ تم اپنا موبائل اس کے گھر پر بھول گئے تھے۔''

''جی امی!'' پھر یوں رکا جیسے بولتے ہوئے ہچکچاہٹ ہو رہی ہو۔ بالآخر پوچھ ہی لیا۔

''وہ امی جب آپ کی بات کائناز سے ہوئی تو......''

''کائناز......؟ کائناز کون؟'' صابرہ نے اس کی بات کاٹ کر الجھ کر پوچھا۔

''امی میں اسی لڑکی کی بات کر رہا ہوں کل جس سے آپ نے بات کی اس کا نام کائناز ہے۔''

''اوہ...... ماشاء اللہ بہت پیارا نام ہے۔ اس کی تو آواز بھی بہت پیاری ہے، یقیناً صورت بھی پیاری ہو گی۔'' صابرہ بہت محبت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''امی وہ میری اسٹوڈنٹ ہے میں نے اسے غور سے نہیں دیکھا۔'' برہان کو سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کائناز کی تعریف سن کر جواب میں کیا کہے جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔

صابرہ اپنے بیٹے کی سادگی پر قربان ہو گئی۔

''ماں قربان جائے کتنا سیدھا ہے میرا بچہ...... بیٹا کسی کو غور سے دیکھ کر تھوڑا ہی پتا چلتا ہے کہ اس کی صورت شکل کیسی ہے، یہ تو ایک نظر میں ہی پتا چل جاتا ہے...... ماشاء اللہ بہت میٹھی آواز ہے اس بچی کی۔''

''امی...... آپ نے کائناز کی تعریف کرنے کے لیے فون کیا ہے مجھے؟'' برہان اب مسکرا کر ماں سے پوچھ رہا تھا۔

''آپ نے کیا باتیں کیں اس سے... مارے محبت کے سب کچھ تو نہیں بتا دیا؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو، تمہاری عزت مجھے اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے اور پھر پرائی بچی سے میں کیوں گھر کی باتیں کرنے لگی؟'' صابرہ نے ایک ہی جواب میں برہان کو مطمئن کر دیا تھا۔

''اور باقی سب خیریت ہے ناں امی؟'' برہان اب سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ صابرہ اس کے سوال پر الجھ سی گئی۔ جگر کے ٹکڑے کے آگے دل کھول کر رکھ دینے کو جی چاہتا تھا مگر اسے ایک نئے بڑے صدمے سے دو چار کرنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔ وہ کیسے اسے یہ دل ہلا دینے والی خبر سناتی کہ جو شخص تمہارے حساب سے شبینہ کے جوڑ کا نہیں تھا، تمہارا باپ اس سے ستارہ کی شادی کر رہا ہے۔

''ہیلو......ہیلو ای! آپ کو میری آواز آرہی ہے؟'' صابرہ ایک دم چونک پڑی۔
''آں......ہاں آرہی ہے بیٹا......'' وہ جلدی سے بولی۔
''تو پھر آپ کیا سوچ رہی ہیں؟''
''کچھ نہیں...... بیٹا تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں؟ رات کو آرام سے سو جاتے ہو ناں؟'' صابرہ نے جلدی سے بات کا رخ پلٹ دیا۔
''جی امی، آپ میری بالکل فکر نہ کریں مجھے تین ٹیوشنز مل گئی ہیں، مہینے میں اتنے پیسے مل جائیں گے کہ آرام سے گزارہ ہو جائے...... بلکہ تین ٹیوشنز سے اتنے پیسے مل رہے کہ...اتنی تو دفتر میں سیلری بھی نہیں ملتی۔''
''اچھا...... بہت امیر لوگ ہوں گے......؟'' صابرہ کو یہ سب سن کر از حد مسرت ہوئی۔
''جی امی، بہت امیر لوگ ہیں۔''
''اللہ انہیں بہت دے...... آمین، بس بیٹا اب میرے دل کو سکون مل گیا۔ اپنا خیال رکھنا۔ میں تمہاری بہنوں کو بھیجتی ہوں ذرا ان سے بھی بات کرلو، بھائی کی آواز سن کر خوش ہو جائیں گی۔ شبینہ، ستارہ کہاں ہو، یہ لو بھائی سے بات کرلو۔'' اس نے بہت پُرجوش اور چہکتے ہوئے لہجے میں بیٹیوں کو آواز دی...... دونوں دوڑی چلی آئیں۔
''ابا جان کے گھر سے جانے کے بعد پتا چلتا ہے کہ امی کی آواز کیسی ہے......؟'' ستارہ شوخی سے بولی تھی اور ماں سے ریسیور لے لیا تھا۔
''ماں کو بھی نہیں بخشتی۔'' ستارہ کی طرف گھورتے ہوئے صابرہ نے بظاہر خفگی سے کہا تھا مگر لہجہ بتا رہا تھا کہ اس وقت وہ بہت خوش ہے۔ وہ خود وہاں سے ہٹ گئی۔ ستارہ بہت جوش و خروش سے برہان سے باتیں کرنے میں مصروف ہوگئی تھی۔ اس کی خوشی اور جذبہ دیکھ کر نہ جانے کیوں شبینہ کا دل کسی اتھاہ گہرائی میں اترنے لگا۔
''بھائی جب شبینہ خوش ہے تو پھر سب کو خوش ہونا چاہیے...... آپ نے خواہ مخواہ ہی ابا جان سے جنگ کی، کوئی فائدہ نہیں ہوا، اتنا سارا سونا لے کر آیا ہے وارث علی مگر امی نے ٹھیک سے جیولری دیکھنے ہی نہیں دی۔'' وہ بول رہی تھی اور شبینہ دکھ سے ٹوٹ رہی تھی۔

☆☆☆

شاہ عالم اور کائناز، مہر جان کی کوٹھی کے گیٹ پر کھڑے بڑی حیرت سے بڑی، بڑی لینڈ کروزز کو دیکھ رہے تھے لگتا تھا کہ خاصی تعداد میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ شاہ عالم نے سوچا مگر کائناز بول پڑی۔
''ارے روما کے گھر میں تو مہمان آئے ہوئے ہیں، تب ہی وہ آج اتنی بزی ہے جو فون بھی نہیں کیا۔''
''ٹھیک ہے بیٹا......تو ہم بعد میں آجائیں گے۔'' شاہ عالم نے سوچتے ہوئے کہا۔
''تو مجھے مہمانوں سے کیا concern ہے......میں تو روما کے پاس جارہی ہوں۔'' روما کے دروازے سے پلٹ جانا کائناز کے لیے جانکسل مرحلہ تھا وہ بھی اس صورت میں کہ اس نے روما کو دیکھا نہ اس سے کوئی بات کی۔
''بیٹا اچھا نہیں لگتا۔'' وہ ہچکچا رہے تھے۔
''دادا جان پلیز......بس میں زیادہ دیر نہیں بیٹھوں گی...... پر اس......'' کائناز جیسے مچل کر بولی۔
''اچھا، اچھا......ٹھیک ہے تم اندر جاؤ...... جب آنے لگو تو مجھے فون کر دینا۔ میں خود آجاؤں گا یا نواب کو

بھیج دوں گا۔''
''تھینک یو دادا جان۔'' کائناز سرخوشی کی کیفیت میں بولتی ہوئی اندر داخل ہوگئی اور گارڈ پر ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر آگے بڑھتی چلی گئی۔ ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی نظر اندر بیٹھے ہوئے مہمانوں پر پڑی تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہوگئی کہ وہاں صرف مرد ہی مرد تھے اور واحد خاتون مہر جان تھیں۔ ایک اچھی عمر کا مرد گلے میں موٹے موٹے گلابوں کے ہار پہنے بیٹھا تھا۔ دیکھنے میں بہت خوب صورت گھیم شحیم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ حیران حیران کشاں کشاں کاریڈور میں چلی آئی اس کی نظریں روما کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔
''گھر میں اتنے سارے لوگ اور اتنی خاموشی......؟ آج کوئی خاص بات ہے مگر کیا...... یہ روما کہاں چھپی بیٹھی ہے، یقیناً اپنے کمرے میں ہوگی۔'' وہ آگے بڑھی ہی تھی کہ اس کے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ سامنے کا منظر دیکھ کر وہ بھونچکا سی رہ گئی۔ گل جان، رابی کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی اور بڑی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔
''رابی...... بیٹا دروازہ کھولو...... بیٹا دروازہ کیوں نہیں کھولتیں؟'' روما گل جان سے بالکل چپک کر کھڑی ہوئی تھی۔
''رابی خدا کے لیے دروازہ کھولو...... نکاح کے لیے لوگ آرہے ہیں، اتنا زیادہ تیار ہونے کی کیا ضرورت ہے، بقول تمہارے تم نے کون سا اپنی اماں جان کے ساتھ فوٹو سیشن کرانا ہے۔''
''آپا دروازہ کھولیں...... پلیز آپا......'' روما بھی گویا اب تھک کر بول پڑی اسی دوران کائناز ان دونوں کے قریب پہنچ چکی تھی اور اس نے بڑی ہی آہستگی سے روما کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ روما گویا اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ اس لیے کہ اس کا ذہن رابی کی طرف لگا ہوا تھا...... اسے آس پاس کا تو کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔ گل جان کی پشت بھی کائناز کی طرف تھی اسی لیے انہیں بھی کائناز کی آمد کا پتا نہیں چل سکا تھا۔
''کائناز تم......! تم کب آئیں؟'' روما نے نہایت حیرانی سے اس کی طرف دیکھا مگر فوراً ہی نظریں چرالیں جیسے اچانک کوئی خیال آگیا ہو۔
''لگتا ہے آج گھر میں کوئی پارٹی ہے، کافی مہمان آئے ہوئے ہیں اور ہاں تم فون کیوں اٹینڈ نہیں کر رہیں......کیا سو...رہی تھیں مگر لگتا تو یہ ہے کہ رابی آپا سو رہی ہیں؟''
''بیٹا......تم کائناز کو لے کر اپنے کمرے میں جاؤ۔'' گل جان تھکی تھکی نظروں سے رابی کے بیڈ روم کا دروازہ تکتے ہوئے بولی۔
''بس ٹھیک ہے......آپ دروازہ تو کھلوائیں میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' روما نے بہت پریشانی کی کیفیت میں کہا تو کائناز کو اندازہ ہوا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔
''میں نہیں جارہی......آپا کی شادی ہو رہی ہے اب تو وہ ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے چلی جائیں گی...... مجھے ان سے بہت سی باتیں کرنی ہیں پھر پتا نہیں کب ملیں۔'' روما نے وہاں سے جانے سے صاف انکار کر دیا۔ کائناز اپنی جگہ ششدر سی کھڑی تھی۔
''شادی......؟'' رابی آپا کی شادی ہو رہی ہے اور روما نے اسے بتایا تک نہیں...... اسے صدمے سے زیادہ حیرانی تھی۔

”تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ رابی آپا کی شادی ہو رہی ہے میں ان کے لیے کوئی اچھا سا گفٹ ہی لے آتی۔“ کائناز صورتِ حال سے بے خبر شکوہ کر رہی تھی عین اسی لمحے رابی نے دروازہ کھول دیا تھا مگر اس طرح سے کہ وہ سامنے دکھائی نہیں دی غالباً دروازے کی اوٹ میں تھی۔ دروازہ کھلتے ہی گل جان تیر کی طرح اندر داخل ہوئی اور ان دونوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ گل جان نے جو کچھ دیکھا بس دیکھتے ہی پتھر کی بن گئی...... البتہ روما کے حلق سے بڑی دل ہلا دینے والی چیخ نکلی تھی۔ کائناز کی تو جیسے خوف کے مارے آواز ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ اس کیفیت سے نجات پانے کے لیے اپنے گلے پر بڑی بے قراری سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔ وہ بھی روما کی طرح پوری قوت سے چیخنا چاہتی تھی تاکہ اس وحشت ناک صورتِ حال میں اپنے زندہ ہونے کا خود کو یقین دلائے...... مگر بے بسی کی حد نہیں تھی لگتا تھا اس کا ساؤنڈ باکس فیل ہو گیا ہو روما کی چیخ اتنی بلند اور دہلانے والی تھی کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ اپنی، اپنی جگہ اس بری طرح چونکے تھے گویا صورِ اسرافیل سن لیا ہو۔ ڈاکٹر مہر جان اِدھر اُدھر دیکھے بغیر ساڑی سنبھالتی تیر کی طرح وہاں سے نکل کر رابی کے بیڈ روم کی سمت تقریباً دوڑ پڑی تھیں۔

پہلا خیال جو ڈاکٹر مہر جان کو آیا وہ یہ تھا کہ رابی نے بالآخر اپنا کام تمام کر لیا کیونکہ اب آخری راستہ یہی بچا تھا۔ اکثر اندیشے انہیں ستاتے تھے کہ شاید رابی یہ انتہائی قدم اٹھالے مگر ان کی انا اندیشوں پر کان دھرنے کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی۔ انہیں تو اپنی سوچ پر عمل کرنے کی پختہ عادت تھی لیکن رابی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی جیسے ان پر آسمان ہی ٹوٹ پڑا۔ روما، رابی سے لپٹی ہوئی چیخیں مار مار کر رو رہی تھی۔

”آپا یہ آپ نے کیا، کیا؟ آپا...... آپ نے یہ کیوں کیا؟ آپ کو خود پر رحم نہیں آیا......؟“ کائناز کی سسکیاں اس کے سینے میں گھٹ رہی تھیں۔ اسے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا دیکھ رہی ہے، کیا سن رہی ہے۔

مہر جان چند لمحے رابی کی طرف دیکھتی رہیں...... ان کی آنکھوں میں شراروں کی لپک تھی انہوں نے روما کو پوری قوت سے رابی سے علیحدہ کیا۔ ان کے اوسان جواب دے رہے تھے، حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے مگر وہ اپنی قوتِ ارادی کو سمیٹ کر بھرپور ردِ عمل کرنا چاہتی تھیں۔ رابی یوں کھڑی تھی جیسے پہاڑ اپنی جگہ اٹل دکھائی دیتے ہیں۔ کسی لمحے پلکیں جھپکاتی تو یقین ہوتا تھا کہ وہ کوئی بت نہیں انسان ہے۔ مہر جان کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلنے لگے۔

”تو...... تم نے اپنی سی کر ڈالی...... مہر جان کو مات دے دی...... سہراب خان آج بھی میرے دروازے سے خالی ہاتھ جائے گا اور پھر کبھی یہاں نہیں آئے گا...... یہی چاہتی تھیں ناں تم...... آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔ رابی...... میں تجھے مان گئی۔“ ایک دم مہر جان کا طرزِ تخاطب تبدیل ہو گیا پھر انہوں نے پوری قوت سے چیخ کر گل جان کو متوجہ کیا جو سانس روکے کھڑی تھی اور ایک ٹک رابی کو تک رہی تھی۔

گل جان شاید اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی صلاحیت سے محروم ہونا قبول کر لیتی مگر مہر جان کی آواز میں تو پوری زندگی کا خلاصہ تھا۔ آج سارے امتحانوں کا نتیجہ نکل آیا تھا۔ سارا حاصل وصول اس ایک آواز میں سمٹ گیا تھا...... کیا نہیں تھا اس آواز میں، امتحان سے پہلے کی تیاریاں پھر امتحان در امتحان کے سلسلے...... اور آج امتحان کا نتیجہ...... گل جان کے مُردہ وجود میں جیسے مہر جان کی بلند آواز نے نئے سرے سے روح پھونک دی تھی۔ کچھ بولنے کا یارا نہیں تھا مگر یہ آواز تو وہ تھی جو شاید اسے قبر سے بھی کھینچ لاتی اس نے سہمی سہمی نظروں سے مہر جان کی طرف دیکھا۔

”گل جان دیکھو...... دیکھو...... آخر کار اس نے بہت بڑا کارنامہ انجام دے دیا...... آج کے بعد میں اس سے فارغ ہو گئی۔ بس اس کا میرا ساتھ یہیں تک تھا...... اب اسے کہہ دو...... کہ اب میرے کہنے سے یہ گھر ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے بلکہ اصیل خان سے کہو اس کا ہاتھ پکڑ کر میری آنکھوں کے سامنے سے لے جائے۔“ رابی ان کی نظروں کی تپش سے جھلسنے لگی، تیزاب کی جلن پر ہر تپش حادی تھی، نظر کی تپش، انتقام کی تپش، محرومیوں کی تپش، بے نشانی کی تپش...... ایک شرارہ سا رابی کے دل کی طرف لپکا...... اور اس نے مہر جان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر اس کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”اماں جان...... میں آپ کو اماں جان اس لیے کہہ رہی ہوں کہ آج تک آپ کو اماں جان ہی کہا ہے حالانکہ میرے دل کی گواہی تو یہ ہے کہ آپ میری ماں نہیں ہیں پھر ایک روز غصے کی انتہا پر آپ نے خود بھی تو یہ انکشاف کیا تھا کہ آپ نے مجھے کچرے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا۔ اب بھی میرا چہرہ اتنا زیادہ بدصورت نہیں جتنے بدصورت اندر سے میرے ماں باپ تھے۔ جن کی روحیں میلی تھیں جو بددیانت انسان تھے...... کہیں کی امانت کہیں پہنچائی...... خوفِ خدا سے زیادہ جن کے اندر رسوائیوں کا خوف تھا۔ میں پوری کوشش کے باوجود اب بھی اتنی بدصورت نہیں بن سکی جتنی بدصورت میرے ماں باپ کی روحیں تھیں۔“ اس سے پیشتر کہ وہ مزید کچھ کہتی...... مہر جان کے حکمیہ الفاظ فضا میں منتشر ہوئے۔

”لے جاؤ اسے یہاں سے...... اصیل خان کو بولو جدھر مرضی اسے چھوڑ آئے...... اس نے مجھے شکست دی ہے، میں اب اس سے نظر نہیں ملا سکوں گی اور نظر جھکا کر مجھے جینا نہیں آتا کیونکہ میں میر محبت خان کی بیٹی نہیں بیٹا ہوں...... فوراً سے پیشتر اس کی شکل گم کرو۔“ روما اور کائناز کی گویا روحیں قفسِ عنصری سے پرواز کرنے کے قریب تھیں گل جان کو سجا سجایا کمرا قبر کی طرح تاریک محسوس ہو رہا تھا۔ مہر جان کے باہر نکلتے ہی گل جان، رابی سے لپٹ گئی۔

”یہ تو نے کیا کیا رابی...... دنیا میں روز ہزاروں لاکھوں بے جوڑ شادیاں ہوتی ہیں...... کون سی نرالی بات ہو رہی تھی۔“ گل جان تڑپ تڑپ کر رونے لگی روما بھی رو رہی تھی۔ کائناز نے روما کو گلے سے لگا لیا۔

”خالہ جانی...... بابا اصیل خان کو بلائیں، آپا کو اسپتال لے کر جائیں۔“ یہ سن کر کائناز جیسے ایک دم اپنے حواسوں میں واپس آ گئی تھی اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اپنا بخار و خار سب بھول بیٹھی تھی اس نے روما کو خود سے الگ کیا اور اصیل خان کو بلانے باہر دوڑ گئی۔

”ایک منٹ میں بابا کو بلا کر لاتی ہوں۔“ روما، رابی کے قریب آئی۔ رابی کا اپنا ذہن جیسے فریز ہو چکا تھا وہ اپنی جگہ اسی طرح ساکت و جامد کھڑی تھی۔ روما نے رابی کا بازو تھام لیا...... پھر بڑی بے بسی اور رقت سے گویا ہوئی۔

”آپا آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا...... کسی کا کچھ نہیں بگڑا......“ گل جان کے سینے میں سسکیاں گھٹ رہی تھیں اس نے آگے بڑھ کر رابی کو بازو سے پکڑا اور بیڈ کے کنارے پر ٹکا دیا۔

”آپا...... جلن ہو رہی ہے ناں...... کہاں سے آ گئی آپ میں اتنی برداشت؟“ روما بھی اس کے برابر میں بیٹھ کر بڑی بے قراری سے پوچھ رہی تھی۔

”جلن......؟“ اب رابی کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی...... ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس نے روما کو دیکھا۔

”اصل میں تمہیں پتا ہی نہیں جلن کیا ہوتی ہے، بے وقوف صرف آگ اور کیمیکل تھوڑا ہی جلاتے ہیں جو

ان دیکھی آگ تن بدن میں لگتی ہے وہ دوزخ کی آگ ہوتی ہے، مجھے دوزخ کی آگ سے آج نجات مل گئی...... کسی نامعلوم گناہ کی سزا آج مکمل ہوگئی۔" رابی بول رہی تھی اور گل جان سنتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"میں بھی آج تک ایسی ہی آگ میں جل رہی ہوں...... میں نجات کے لیے کیا کروں؟" کائناز اصیل خان کو ساتھ لے کر اندر داخل ہوئی تو اصیل خان پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا وہ اتنا ہولناک اور دل ہلا دینے والا تھا کہ ضبط کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہلنے لگے...... یوں جیسے زمین پر نہ کھڑا ہو...... پانی پر تیرتے کسی لکڑی کے تختے پر کھڑا ہو۔ رابی نے اس کی کیفیت دیکھ کر اپنا رخ دوسری طرف کرلیا۔ گل جان، اصیل خان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی اور اس کے ردِعمل کی منتظر تھی۔ اصیل خان پلک جھپکنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

"اصیل خان...... اسے اسپتال لے چلو...... دیکھو اس نے اپنا چہرہ کس بری طرح جھلسا لیا ہے۔" رابی نے برہمی سے گل جان کی طرف دیکھا۔

"میں اسپتال نہیں جاؤں گی۔" رابی کی آواز ماحول میں گونجی تو جیسے اصیل خان بھی ہوش میں آگیا۔ اس نے گل جان کی طرف دیکھا۔

"گل جان بی بی...... لگتا ہے آج سزا مکمل ہوگئی...... محبت کے نام پر دنیا میں جتنے بھی دھوکے ہوتے ہیں...... اس کے بعد بدصورتی اور اندھیرے ہی تو رہ جاتے ہیں۔"

"آپ لوگ اس کمرے سے چلے جائیں...... جس جس نے ماتم کرنا ہے وہ اس گھر کے گیٹ کے پاس جا کر دل کھول کر ماتم کرے۔ اس گھر میں رہنے والا ایک، ایک شخص dishonest ہے...... جو خاموشی سے ظلم برداشت کرتا ہے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ ایسے ظالم کو تو دس بار پھانسی کی سزا ہونا چاہیے۔"

کائناز کی معصومیت و کم عمری کے سامنے تو یہ حادثہ حشر کے برابر تھا۔ اس کی تڑپ و بے قراری اوجِ کمال پر تھی۔ اس کی پیاری عزیز از جان دوست کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے...... یہ سب کچھ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔

"اصیل خان، رابی کو اس گھر سے لے جانے کا آرڈر ہے...... اب یہ اس گھر میں نہیں رہ سکتی...... خدا کے لیے کچھ کرو، وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔" گل جان اب اصیل خان کی منت کر رہی تھی۔ رابی بہت جرأت و حوصلے سے بات کر رہی تھی اور سہراب خان تو اس پر نظر پڑنے کے بعد گویا رسیاں تڑا کر بھاگ جانا چاہتا تھا۔

کائناز نے اس مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہ عالم کو فون کرکے فوراً دما کے گھر آنے کا کہہ دیا تھا۔

"مہر جان...... ہمیشہ کے لیے خدا حافظ...... تم انتقام کی آگ میں یونہی جلتی رہوگی...... یہ آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی...... میں نے آخری بار تم پر رحم کرنے کی کوشش کی تھی...... مگر...... میں تمہارا مقدر نہیں بدل سکتا۔" سہراب خان نے گھور کر دم بخود کھڑی مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔ یہ کہہ کر وہ مین گیٹ کی طرف چل پڑا تھا۔

اسی وقت شاہ عالم گیٹ سے اندر آرہے تھے دونوں کی رفتار میں تیزی تھی ایک دوسرے سے ٹکراتے ٹکراتے بچے...... سہراب خان نے تو ایک نگاہِ غلط بھی نہ ڈالی مگر شاہ عالم نے اس کی طرف ضرور دیکھا تھا۔ مہر جان نے رابی کی طرف غضب ناک نظروں سے دیکھا اور پوری قوت سے چلائیں۔

"کیوں کھڑی ہو......؟ دفع ہو جاؤ اس گھر سے۔" یہ کہہ کر وہ اندر کی طرف بڑھیں اور شاہ عالم نے اپنی پوتی سمیت سب کی طرف نگاہ کی۔

رابی کے حال نے ان کے بوڑھے کمزور دل کو دہلا کر رکھ دیا...... وہ حیرت و صدمے سے اپنی جگہ گنگ

کھڑے رہ گئے، کائناز دادا کو دیکھ کر عجیب سی تقویت محسوس کرنے لگی تھی۔ بھاگ کر اُن کے برابر آ کھڑی ہوئی۔

"دادا جان رابی آپا کو یہاں سے لے چلیں...... دیکھیں تو سہی اُن کی کیا حالت ہو رہی ہے۔"

شاہ عالم، مہر جان کی دہاڑ سن چکے تھے اگرچہ حقائق سے لاعلم تھے مگر منظر ایسا تھا کہ وہ صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ کر سکتے تھے۔

"چلو بیٹا!" بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر انہوں نے بہت نرمی سے رابی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہاں رابی...... تم شاہ صاحب کے گھر چلی جاؤ...... میں تم سے وہیں ملنے آؤں گی...... جب تک بی بی جان کا موڈ......"

"مجھے کسی کے ساتھ نہیں جانا...... کوئی مجھ پر احسان نہ کرے...... ہٹیں آپ لوگ راستہ دیں مجھے۔" رابی اب بڑے جارحانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

☆☆☆

مہر جان، سہراب خان کو ڈرائنگ روم سے باہر لیے کھڑی تھی۔

"سہراب خان! آج مہر جان کو ایک دو ٹکے کی لڑکی نے کھلی شکست دی ہے جو میں اپنی قبر میں اترنے تک بھول نہیں سکتی۔"

"مہر جان میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ آج کل کی پڑھی لکھی لڑکیوں کے ساتھ زبردستی نہیں کی جاسکتی مگر تم نے اصرار کیا کہ اب اس خاندان کی عزت مجھے سنبھالنا ہوگی تو میں نے تمہارا اور اصیل خان کا پردہ رکھنے کے لیے یہ سب کیا...... ورنہ تم سے زیادہ اچھی طرح کون جان سکتا ہے کہ سہراب خان کو عورتوں کی کیا کمی

ہے؟ مگر میں اتنی بڑی ذلت برداشت نہیں کرسکتا...... خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا، وہ جیسی بھی ہے جس حال میں بھی ہے اسے میری گاڑی میں بٹھادو، نکاح وکاح بعد میں ہوتا رہے گا۔'' عین اسی لمحے رابی ان دونوں کے سامنے آگئی تھی سہراب خان تو رابی پر نظر پڑتے ہی گویا سر سے پاؤں تک ہل گیا تھا۔

''یہ...... یہ میں رابی ہوں انکل جی...... وہی جس سے آپ نکاح پڑھوانے آئے ہیں۔''

''ان...... ان...... انکل......'' سہراب خان آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ مہرجان نے شدتِ جذب سے اپنی مٹھیاں یوں بھینچیں کہ اس کے ناخن کھال میں گڑ گئے۔

''لاکھوں کے زیورات بھیجے تھے آپ نے میرے لیے...... اور آج بڑے بڑے سرداروں کو نکاح کی گواہی کے لیے ساتھ لائے ہیں۔ اس خاندان میں شرم تو کسی کو آتی نہیں...... ارے کیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں؟ واقعی میں رابعہ ہوں، کچرے کے ڈھیر پر پڑا ہوا ایک بدبودار پیکٹ...... یقین نہیں آتا تو ڈاکٹر صاحبہ سے پوچھ لیں۔ میری socalled خالہ سے پوچھ لیں...... اور نہیں تو ہمارے ہاں ایک غلام زادہ رہتا ہے اصیل خان اس سے پوچھ لیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں ہمارے ٹکڑوں پر پلتے پلتے بوڑھا ہوگیا ہے وہ۔'' پھر رابی خالہ جانی سے مخاطب ہوکر بولی۔

''بس کریں گل جان صاحبہ...... آپ کریں اپنی بی بی جان کے موڈ کی پروا...... میں شاہ صاحب کے ساتھ جارہی ہوں، اب کوئی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرے...... دنیا دکھاوے کے آج سارے رشتے ختم ہوگئے۔ چلیے داداجان!'' رابی کے منہ سے لفظ داداجان کا نکلنا اس بات کا غماز تھا کہ وہ شاہ صاحب کی عزت کرتی ہے۔

''داداجان میں کچھ وقت آپ کے گھر گزاروں گی وہاں بیٹھ کر سوچوں گی کہ اب مجھے کیا کرنا ہے...... میں ڈاکٹر صاحبہ کے ٹکڑوں پر نہیں پل رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحبہ نے بتایا تھا کہ میرے باپ نے اپنے جرم کا داغ دھونے کے لیے بہت دولت میرے نام کی تھی...... البتہ یہ نہیں بتایا تھا کہ میرا باپ کون ہے؟ شاید بابا اصیل خان کو پتا ہو...... کیونکہ یہ ہمارا بہت پرانا نوکر ہے۔'' رابی نے ایک نظر اصیل خان پر ڈالتے ہوئے خاصے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

اصیل خان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں رابی کی بات سن کر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں...... شاید کڑی گزر گئی تھی۔

''آؤ بیٹا...... تمہیں فوری فرسٹ ایڈ کی ضرورت ہے، شاباش دیر نہ کرو......'' شاہ عالم نے رابی کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔ رابی نے جانے کے لیے قدم بڑھائے مگر پھر رک گئی پلٹ کر پیچھے دیکھا گل جان، اصیل خان، روما اس کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

''خداحافظ روما...... تم نے بہن کر رول بہت اچھا ادا کیا حالانکہ تم میری بہن نہیں تھیں۔'' یہ کہہ کر وہ شاہ عالم کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھنے لگی کائنات نے روما کے گال پر پیار کیا۔

''میں تمہیں فون کروں گی، ہم رابی آپا کا خیال رکھیں گے تم پریشان مت ہونا، اوکے......؟'' روما نے کسی روبوٹ کی طرح گردن ہلائی۔ ابھی تو وہ رابی کے جملوں کو اپنی ذات پر انگاروں کی طرح برستا محسوس کررہی تھی۔ گل جان چپ چاپ اندر کی طرف پلٹ گئی۔

''آخر تو پھٹتا کیوں نہیں ہے؟'' اصیل خان نے آسمان کی طرف دیکھا۔

(جاری ہے)

امانت

رفعت سراج

قسط 10

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ مہر جان، رابی کی شادی سہراب خان سے طے کرتی ہیں جو عمر میں رابی سے کافی بڑا ہے۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈ ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ سب انسپکٹر جابر علی نے آج تک کبھی رشوت نہیں لی تھی۔ رزقِ حلال کی کمائی سے اپنے گھر کو چلایا اس کی بیوی صابرہ، بیٹا برہان اور بیٹیاں شبینہ اور ستارہ اسی کمائی میں گزارہ کر رہے تھے۔ ایس پی شیر زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے۔ مہر جان کو کمرے میں بے ہوش دیکھ کر گل جان، اصیل خان کے ساتھ انہیں اسپتال لے کر جاتی ہے، جابر علی، برہان کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تو برہان گھر سے چلا جاتا ہے۔ رابی گھر چھوڑ کر مری چلی جاتی ہے۔ جابر علی ایس پی سے جہیز کے بارے میں بات کرتا ہے تو ایس پی کہتا ہے کہ وہ اس بارے میں پریشان نہ ہو۔ گل جان، شاہ عالم کی شکر گزار ہوتی ہے کہ انہوں نے روما کا خیال رکھا۔ صابرہ، جابر علی سے کہتی ہے کہ وہ برہان کو واپس لے آئے۔ مہر جان کا آپریشن ہو گیا لیکن انہیں ہوش نہیں آتا تو گل جان بہت پریشان ہوتی ہے لیکن نرس اسے تسلی دیتی ہے۔ روما، کائناز اور شاہ عالم کے ساتھ اسپتال آجاتی ہے۔ واسطی صاحب فون پر اصیل خان کو بتاتے ہیں کہ وہ لڑکی تک پہنچ گئے ہیں اور اب کسی بھی وقت وہ پولیس کی حراست میں ہوگی۔ جابر علی کہتا ہے کہ اب شادی شبینہ کی نہیں ستارہ کی ہوگی۔ برہان اخبار میں اشتہار دیکھ کر شاہ عالم کے پاس انٹرویو کے لیے جاتا ہے اور وہ اسے کائناز کو پڑھانے کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ اصیل خان ماضی کے دنوں میں اپنے اور مہر جان کے گزرے یادگار لمحات میں گم ہوتا ہے کہ گل جان اسے مہر جان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دیتی ہے۔ اصیل خان، گل جان کو بتاتا ہے کہ پولیس رابی کو کراچی لے کر آرہی ہے۔ وارث علی زیورات لے کر جابر علی کے گھر آتا ہے۔ ستارہ وہ زیورات دیکھنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ کائناز، روما سے کہتی ہے کہ اب وہ اس کے ساتھ ٹیوشن پڑھے کیونکہ وہ ٹیوٹر سے بات کر چکی ہے روما اس کی بات پر متردد ہوتی ہے۔ پولیس اسٹیشن سے فون آتا ہے وہ اصیل خان سے کہتے ہیں کہ لڑکی کراچی پہنچ گئی ہے اب اس کو آکر لے جائیں۔ برہان اپنا موبائل شاہ عالم کے گھر بھول جاتا ہے۔ صابرہ، برہان کو فون کرتی ہے تو اس کی بات کائناز سے ہوتی ہے۔ صابرہ فون پر بات کر رہی تھی کہ جابر علی اٹھ جاتا ہے اور وہ صابرہ پر چیختا ہے۔ گل جان، مہر جان کے پاس اسپتال میں ہوتی ہے تو اصیل خان فون پر بتاتا ہے کہ پولیس رابی کو مری سے گرفتار... کر کے لے آئی ہے اب اسے گھر لاتا ہے۔ وارث علی اور ایس پی شاہ زمان اپنی فتح اور کامرانی پر خوش ہوتے ہیں۔ مہر جان فون پر اصیل خان کو کہتی ہے کہ رابی کو پہلے اسپتال لے کر آئے۔ فائزہ، احمر کے ساتھ شبینہ سے ملنے آئی ہے تو اس کے جانے سے پہلے ہی جابر علی آجاتا ہے اور وہ اس کے آنے پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ مہر جان، سہراب خان کو فون کرتی ہے کہ نکاح ہر صورت میں آج ہی کرنا ہے۔ شبینہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پا رہی تھی کہ ستارہ کو بتا دے کہ شادی اس کی نہیں بلکہ ستارہ کی ہو رہی ہے۔ گل جان نے روما کو بتایا کہ رابی کی شادی ہو رہی ہے تو روما بھی پریشان ہو گئی۔ رابی اپنا کمرا بند کر کے بیٹھی تھی یہ بات گل جان کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ برہان، شاہ عالم کے ہاں پہنچا تو اسے پتا چلا کہ وہ اپنا موبائل وہاں بھول گیا تھا۔ روما، گل جان سے پوچھتی ہے کہ وہ کائناز کو شادی میں بلا لے تو گل جان منع کر دیتی ہے۔ کائناز بخار کی شدت سے نڈھال تھی وہ دل بہلانے کے لیے روما کو فون کرتی ہے تو کوئی فون ریسیو نہیں کرتا۔ گل جان، رابی کو مہر جان کی دی ہوئی ساڑی دیتی ہے کہ وہ تیار ہو جائے۔ رابی نے ساڑی پہن کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اور پھر بے ترتیبی سے اپنے بال کاٹ لیے اس کے بعد اس نے تیزاب میں روئی بھگو کر اس سے اپنے چہرے پر لائنیں کھینچنا شروع کر دیں۔ اندر کی جلن نے ہر تکلیف کے احساس کو ختم کر دیا تھا۔ کائناز کہتی ہے تو شاہ عالم اسے روما کے گھر لے جاتے ہیں، صابرہ کی برہان سے بات ہوتی ہے تو وہ کائناز کے بارے میں پوچھتی ہے۔ کائناز اور شاہ عالم، مہر جان کے گھر پہنچتے ہیں تو انہیں پتا چلتا ہے کہ رابی کی شادی ہو رہی ہے۔ رابی اپنے کمرے کا دروازہ نہیں کھول رہی تھی تو مہر جان سمجھیں کہ اس نے بالآخر اپنا کام تمام کر لیا لیکن سب کے بہت کہنے پر اس نے دروازہ کھولا تو سب اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مہر جان، اصیل خان سے کہتی ہے کہ وہ رابی کو یہاں سے کہیں بھی لے جائے کیونکہ رابی نے ان کو شکست دی ہے اور انہیں سر جھکا کر جینا نہیں آتا۔ سہراب خان رابی کی شکل دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

رابی کے جاتے ہی گل جان کو مہر جان کی پڑ گئی...... چاروں اور غیر معمولی سناٹے کا راج تھا...... بیٹی کے رخصت ہو جانے کے بعد کی خاموشی و بے رونقی...... شہنائیوں کے سُروں کا جب سراغ نہیں ملتا...... کہ خوشیوں کی پیامبر آوازیں سماعتوں سے دور چلی جاتی ہیں...... رونق کے بعد بے رونقی جیسے کاٹنے کو دوڑتی ہے۔

مہر جان کی وسیع و عریض کوٹھی میں کچھ اسی طرح کی صورتِ حال تھی جیسے دولت سے بہت سی برائیوں پر پردہ پڑا رہتا ہے اسی طرح اشرافیہ کی بستیوں میں برابر میں جنازے اٹھ جاتے ہیں اور پڑوسی کو خبر تک نہیں ہوتی، یہی صورتِ حال اگر عام سے محلے میں ہوتی تو مجمع لگ جاتا۔

کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کوٹھی نمبر 62۔c میں کیا سے کیا ہو گیا، ایک عورت جو مردانہ وار زندگی جینے کی کوشش کر رہی تھی، خاندان کا تنکا، تنکا جوڑنے کی تگ و دو میں لگے، لگے اسپتال پہنچ گئی۔ اسی اسپتال جو کسی کے شاندار خواب کی عظیم الشان تعبیر تھا۔ بے ہوش مہر جان اپنے کمرے میں یوں پڑی تھیں کہ پہلی نظر میں یوں لگے کہ کوئی مُردہ وجود پڑا ہو۔

گل جان تو ان کے کمرے میں یوں گئی تھی جیسے کوئی سرِ مقتل جاتا ہو مگر مہر جان کو نیم مردہ حالت میں پا کر خود از سرِ نو اپنے وجود میں زندگی کی حرارت محسوس کرنے لگی۔

ڈاکٹر نے ابتدائی معائنے کے بعد خاصی مایوسی کا اظہار کیا تھا اور یوں ایک بار پھر مہر جان ICU میں داخل ہو گئی تھیں۔ مہر جان نے گل جان اور اصیل خان کو ایک بار پھر اس سرخ آندھی سے بچا لیا جو اس کے اپنے وجود سے ہر آن اٹھتی رہتی تھی۔

☆☆☆

رابی پہلے مرحلے سے گزر کر اسپتال سے گھر آ گئی تھی۔ شاہ عالم اور کائناز جیسے دم دم اس کے ساتھ تھے۔ جب سے رابی، شاہ عالم کے ساتھ تھی۔ شاہ عالم نے اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جس کا تعلق مہر جان یا اس تازہ ترین حادثے سے ہو سکتا تھا۔ کائناز تو ابھی تک دم بخود تھی، بات کرنا تو درکنار وہ تو لب کشائی کا حوصلہ نہیں پا رہی تھی۔ رابی کا مسخ چہرہ دیکھ کر اس کی حالت اس کم ہمت آدمی جیسی ہی تھی جس نے اتفاقاً کسی انسان کا خون ہوتے دیکھ لیا ہو۔ اسے تو رابی کی طرف دیکھتے ہوئے شرم سی آ رہی تھی مبادا رابی یہ سمجھے کہ وہ کوئی تماشا ہے جو ملاحظہ کیا جائے۔

شاہ عالم نے رابی کو ایک آراستہ و پیراستہ کمرے میں پہنچا کر جو خاص مہمانوں کے لیے مخصوص تھا کائناز کو اشارے کی زبان میں سمجھا دیا تھا کہ اب رابی کو تنہا چھوڑ دیا جائے، ڈاکٹر کی تجویز کردہ ادویات انہوں نے خود کھلائی تھیں بالکل اسی نارمل انداز میں جس طرح عام مریض کو ٹریٹ کیا جاتا ہے۔ زخموں سے اٹھتی ٹیسوں نے رابی کو بھی کلام کرنے سے معذور کیا ہوا تھا۔ درد سہتے، سہتے اس کا نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا تھا پین کلر بھی چھومنتر نہیں ہوتی، مرحلہ وار ہی درد میں کمی آتی ہے۔

☆☆☆

”ٹرینکولائزر اور پین کلر کے اثر سے وہ جلدی سو جائے گی۔“ شاہ عالم اپنے کمرے میں آ کر کائناز سے باتیں کر رہے تھے۔

”دادا جان، روما کو فون کر کے پتا کروں اُدھر کیا سچویشن ہے؟ کہیں اس کی اماں جان سارا غصہ اسی پر نہ اتار رہی ہوں......“

"بہت رات گزر چکی ہے بیٹا...... اب تمہیں بھی آرام کرنا چاہیے ویسے بھی تمہاری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ میری طبیعت خراب تھی۔" کائناز بجھے بجھے انداز میں کہہ کر زبردستی مسکرائی۔

"بہت ہی بڑی ٹریجڈی ہے...... ہنستا بستا نہ سہی...... گھر تو تھا...... کچھ شریف لوگوں کی پناہ گاہ......" شاہ صاحب اپنا سر سہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"تو اب رابی آپا ہمارے ہی پاس رہیں گی؟" کائناز بڑی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"اس سلسلے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا...... کچھ وقت گزر جائے پھر میں خود ڈاکٹر صاحب سے ایک میٹنگ کروں گا۔"

"لیکن آپ کتنی بھی میٹنگ کرلیں، رابی آپا وہاں نہیں جائیں گی۔" کائناز جو سارے معاملات سے کماحقہ باخبر تھی بڑے اعتماد سے بولی تھی۔

"یہ بعد کی بات ہے...... فی الحال تم آرام کرو...... اندازے لگانے سے پرہیز کرو۔ اس چھوٹی سی عمر میں ہی یہ بڑی بات ذہن میں بٹھالو کہ اندازے لگانے کی عادت توانائی ضائع کرتی ہے، قیاس آرائی، کم عقلی کی نشانی ہے۔ اللہ کے ذہن کو پڑھنا انسانی ذہن کے بس کی بات نہیں، کل کیا ہوگا صرف اللہ ہی جانتا ہے۔" شاہ عالم اپنے مخصوص حلیم و شفیق لہجے میں پوتی کو سمجھا رہے تھے۔

"جی دادا جان......! ویسے تو میں سترہ سال کی ہوں لیکن ایکچوئیلی تو 75 کی ہوں ناں!"

"اچھا......!" وہ بے ساختگی سے مسکرادیے۔ "مگر یہ تو میری عمر ہے۔"

"آپ کی طرح سوچوں گی تو آپ کی عمر کی ہی بن جاؤں گی۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"پھر بھی نہیں بن سکوگی...... تجربے کی کمی، عمر کا فرق ہمیشہ رکھتی ہے۔"

"جی......!" کائناز کا انداز غور و خوض کرنے کا تھا...... جی کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

"شب بخیر......" شاہ عالم زیرِ لب گویا ہوئے۔

☆☆☆

شبینہ مین گیٹ کھولے ہکا بکا سی کھڑی فائزہ اور شائستہ بیگم کو دیکھ رہی تھی کہ رات ساڑھے دس گیارہ کے قریب یہ کیوں آئی ہوں گی۔ فائزہ تو آنے سے پہلے ہمیشہ فون کرکے بتایا کرتی تھی کہ وہ آرہی ہے۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو، اندھیرے میں کیا ہم بھوت لگ رہے ہیں؟" فائزہ اس کی حیرت پر ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"نہیں، نہیں میں تو اتنی رات کو تمہیں اچانک دیکھ کر حیران ہورہی ہوں۔" شبینہ نے بہ مشکل خود کو سنبھال کر جواب دیا پھر شائستہ بیگم کی طرف دیکھ کر خجل سے انداز میں سلام کرنے لگی۔

"السلام علیکم آنٹی...... سوری...... وہ میں بس......"

"کوئی بات نہیں بیٹا میں تو فائزہ سے کہہ بھی رہی تھی کہ اتنی رات کو جانا مناسب نہیں مگر اس نے ضد کی کہ گھر راستے ہی میں تو ہے، کراچی میں کون اتنی جلدی سوتا ہے۔" شائستہ بیگم بھی گویا شبینہ کی گھبراہٹ اور حیرانی دیکھ کر شرمندہ ہوگئی تھیں۔

"آیئے...... پلیز......" شبینہ انہیں لے کر اندر کی طرف بڑھی۔ صابرہ، شبینہ کی باتوں کی آواز سن کر اسی طرف چلی آرہی تھی یہ دیکھنے کے لیے کہ شبینہ کس سے باتیں کررہی ہے۔ فائزہ کے ساتھ ایک اسٹائلش سی

خاتون کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو وہ بھی گھبرا سی گئی۔ اس سے پیشتر کہ کچھ بولتی شبینہ نے خود ہی تعارف کرادیا۔

"امی...... یہ فائزہ کی ممی ہیں۔"

"السلام علیکم......!" شائستہ بیگم نے آگے بڑھ کر صابرہ کو گلے لگا کر اپنی کلاس کے مخصوص انداز میں دوستی میں پیش رفت کی۔ ان کی توقع کے مطابق صابرہ ویسی ہی تھی جو خاکہ شبینہ کو دیکھ کر اُن کے ذہن نے بنایا ہوا تھا۔

"شبینہ بیٹا کوئی شربت بنا کرلے آؤ......" انہیں اندر لاکر ڈرائنگ روم میں بٹھایا پھر وہ بیٹی سے بولی۔

"ارے نہیں...... کوئی تکلف نہیں، کچھ بھی کھانا پینا نہیں ہے کیونکہ پہلے ہی ہم لوگ فل ہیں۔" فائزہ جلدی سے بولی۔ شبینہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی اور ڈبل مائنڈڈ سی ہوکر اُن کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہم اصل میں شام سے شاپنگ کے لیے نکلے ہوئے تھے...... پھر ریسٹورنٹ چلے گئے، وہیں ڈنر کیا وہاں سے اٹھ کر سیدھے آپ کی طرف آرہے ہیں۔"

"تو پھر ایک، ایک کپ چائے تو چلے گی ناں......" صابرہ پہلی بار آنے والی مہمان کی خاطر تواضع کے لیے سرتاپا گرم جوش تھی، یوں تو اس گھر میں مہمان آتے ہی کہاں تھے، جابر علی سے تو اس کے اپنے کتراتے تھے۔ صابرہ کے گنے چُنے میکے والوں نے تو برسوں پہلے ہی آنا جانا بے حد کم کردیا تھا۔

"آپ دونوں اکیلی......؟" صابرہ کچھ پوچھتے پوچھتے رک گئی۔

"ارے نہیں...... اس نے میرے بیٹے کو اپنا ڈرائیور بنایا ہوا ہے، اسی لیے میں اتنی جلدی میں ہوں کہ وہ باہر کار میں بیٹھا۔ ہمارا انتظار کررہا ہے۔" شبینہ جیسے کسی دھیان سے چونک پڑی۔ دل کی دھڑکنوں نے سہمے، سہمے ساز چھیڑے۔ نظر کے پیام کی حد تک تو وہ پہل کرچکا تھا یہ اور بات کہ شبینہ نے اب تک انجان بن کر خیالی لفافے واپس کردیے تھے۔ وہ چند لمحوں کو کمرے سے باہر آگئی تھی۔

"حد کردی آپ نے، بچے کو اس گرمی میں باہر گاڑی میں بٹھایا ہوا ہے، جاؤ بیٹا بھائی کو اندر بلالو۔" صابرہ ایک ساتھ دونوں ماں، بیٹی سے مخاطب ہوئی۔

"کار میں اے سی چلا کر مزے سے سوگئے ہوں گے، آپ ان کی فکر نہ کریں۔" فائزہ تو سہیلی کو دیکھ کر ہر فکر سے آزاد ہوچکی تھی۔ دل کو سمجھانے والا ہر بہانہ اس کے پاس بالکل تیار تھا۔

"یہ تو اور بھی زیادہ تکلیف کی بات ہے کہ اتنی تنگ جگہ پر سو رہا ہوگا۔" صابرہ اپنی نرم طبع کے باعث گویا تڑپ کر رہ گئی۔

"کار کی سیٹ کھول کر سو رہے ہوں گے، بیٹھے بیٹھے بھی سو سکتے ہیں آپ فکر نہ کریں انہیں پریکٹس ہے۔" فائزہ کی برجستگی پر تینوں ہی ہنس دی تھیں۔

"ہاں، ہاں بس اس وقت تو واقعی ہم جلدی میں ہیں، کسی دن آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ میری بیٹی تو بس شبینہ کے پیچھے پاگل ہے، ہر وقت اس کی باتیں اس کی فکریں۔" شائستہ بیگم مسکرا کر بولیں اور اپنا ہینڈ بیگ کھول کر کچھ تلاش کرنے لگیں۔

اسی وقت ستارہ لباس تبدیل کرکے بال سنوار کر اندر آگئی۔ شبینہ نے اسے اندر جاکر بتایا تھا تبھی وہ اپنا حال حلیہ درست کرنے کی وجہ سے ذرا دیر سے ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے اندر آکر بڑے مہذبانہ انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام......! یہ غالباً شبینہ کی بہن ہے۔'' شائستہ بیگم نے بڑی دلچسپی سے ستارہ کی طرف دیکھا تھا جو شبینہ سے یکسر مختلف دکھائی دے رہی تھی اور انداز میں بھی بلا کا اعتماد تھا جبکہ شبینہ جس حلیے میں تھی اسی میں سامنے آ گئی تھی۔ کچن کے کام نمٹانے کے بعد پسینے پسینے ہو کر باہر نکلی تو اسی وقت فائزہ اور شائستہ بیگم آ گئی تھیں۔ ستارہ کے ہونٹوں پر پنک چمکیلی لپ اسٹک بھی نظر آ رہی تھی۔ اسے خوب شعور تھا کہ کس طرح مہمانوں کے سامنے جانا چاہیے۔ وہ جانتی تھی فائزہ ایک بہت بڑے بزنس مین کی بیٹی ہے پوش ایریا میں رہتی ہے، شوفر ڈرون کار میں کالج آتی ہے۔

''دونوں بہنیں دیکھنے میں ہی مختلف ہیں یا عادتیں بھی الگ الگ ہیں۔'' شائستہ بیگم نے نک سک سے درست ستارہ کا بنظرِ غائر جائزہ لیا، ان کی دلچسپی کی واحد وجہ صرف یہ تھی کہ شبینہ کو دیکھ کر اس کی بہن کا تصور بھی شبینہ جیسا ہی بنتا تھا۔

ابھی انہوں نے بیٹے کے لیے لڑکیاں دیکھنے کا سلسلہ شروع نہیں کیا تھا اور جابر علی کی کلاس میں بہو دیکھنے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ تو بس بیٹی کی محبت سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ چلی آئی تھیں۔

''بھئی فائزہ یہ سنبھالو...... خود اپنے ہاتھوں سے اپنی دوست کو دو تو اچھا لگے گا۔'' شائستہ بیگم نے ایک ویلوٹ کا پاؤچ نکال کر فائزہ کی طرف بڑھایا۔ وہ ماں، بیٹیاں قدرے حیرت سے فائزہ اور اس کی مما کی طرف باری باری دیکھ رہی تھیں۔ فائزہ نے پاؤچ ماں کے ہاتھ سے لے کر فوراً ہی شبینہ کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' شبینہ نے پاؤچ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ایک چھوٹا سا گفٹ...... کھول کر دیکھو تمہیں بہت پسند آئے گا اس لیے کہ مجھے پہلی نظر میں ہی بہت اٹریکٹ کر گیا تھا۔'' فائزہ نے جیسے شبینہ کے اندر شوق و تجسس ابھارنے کی لاشعوری کوشش کی۔

شبینہ نے قدرے ہچکچاتے ہوئے پاؤچ کھولا۔ صابرہ اور ستارہ بھی بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

شبینہ نے پاؤچ سے ایک بہت خوب صورت دیدہ زیب آرٹیفشل جیولری کا سیٹ نکالا جو برقی روشنی میں جگر جگر چمک رہا تھا۔

''واؤ...... بہت خوب صورت ہے۔'' ستارہ کی طرف سے ردِعمل سب سے پہلے آیا۔

''واقعی بہت خوب صورت ہے مگر تم نے یہ تکلف کیوں کیا؟'' شبینہ نے سراہتے ہوئے تکلف بھی برتا۔

''ہاں آپ لوگوں نے واقعی تکلف کیا کیونکہ چند دنوں بعد ہی شبینہ آپا کی شادی ہو رہی ہے اور دولہا نے ان کے لیے بہت ساری گولڈ کی جیولری بھجوائی ہے، پتا نہیں امی نے کہاں چھپا کر رکھ دی ہے ورنہ میں دکھاتی آپ لوگوں کو۔'' ستارہ اپنے مخصوص بے ڈھب و غیر محتاط انداز میں بولی تھی گویا اس نے ایک دھماکا کر دیا تھا۔

شبینہ ایک دم گھبرا سی گئی جبکہ صابرہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی جیسے سمجھ ہی نہیں آ رہی ہو کہ کیا کرے۔

فائزہ اور شائستہ بیگم تو ابھی ورطۂ حیرت میں غوطے لگا رہی تھیں، فائزہ اگر بھونچکی سی رہ گئی تھی تو شائستہ بیگم کے چہرے سے لگتا تھا کہ انہوں نے گویا سکھ کی سانس لی ہے کہ شکر خود بخود فائزہ اور شبینہ کے درمیان نادیدہ فاصلے پیدا ہو رہے تھے۔ بیٹی کی خوشی کی خاطر وہ جبر کا جو پہاڑ سر کر رہی تھیں آدھی سے کم چڑھائی کے بعد واپس اتر آئی تھیں۔

''بہت بہت مبارک ہو...... its a happy news'' وہ بڑی بے ساختگی سے مبارک باد دے رہی تھیں۔ ایک، ایک لفظ میں شکرانہ پوشیدہ تھا۔

''شبینہ تم نے مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ......'' اس سے پیشتر کہ فائزہ دکھ کی کیفیت میں اپنا جملہ مکمل کرتی، صابرہ نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''بیٹا...... تم دل خراب نہ کرو، ابھی ایسا کچھ نہیں ہے، شادی ہو گی تو کیا تمہیں نہیں بلائیں گے...... شبینہ کی کون سی دس بارہ سہیلیاں ہیں، لے دے کر ایک آپ ہی تو ہیں۔''

ستارہ نے ماں کی طرف بڑے اچنبھے اور حیرت سے دیکھا تھا کہ آخر وہ شبینہ کی شادی کی بات کیوں چھپا رہی ہے۔

صابرہ کو اس کا یوں بولنا بہت بھاری گزرا تھا۔ اس نے ماں کو پھر دو دھاری تلوار کے سفر پر روانہ کر دیا تھا۔ تازہ تازہ زخم کو گرم ہوائیں چھونے لگی تھیں۔

''لیکن آنٹی ستارہ تو کہہ رہی ہے......''

''اس کی باتیں تو بس یونہی بے موقع اور بے سر پیر کی ہوتی ہیں۔ شادی، شادی ہوتی ہے کوئی گناہ تو نہیں جو چھپا کر کیا جائے۔ انشاءاللہ جب بھی شبینہ کی شادی ہو گی پہلا کارڈ آپ کو ہی ملے گا۔''

ستارہ کی زبان میں کھجلی تو بہت ہو رہی تھی مگر مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق ٹکر ٹکر ماں کی شکل دیکھنے لگی۔ دل ہی دل میں کھول رہی تھی کہ آخر امی کو اتنا جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی کیا۔ شائستہ بیگم اگرچہ دو باتوں کی وجہ سے کھٹک گئی تھیں مگر انہوں نے بہت باوقار انداز میں صابرہ کی لاج رکھتے ہوئے بیٹی سے کہا۔

''چلو فائزہ...... بہت دیر ہو گئی ہے، احمر تو باہر گاڑی میں واقعی نہ سو گیا ہو۔''

''آپ اسے بھی بلا لیتیں۔'' صابرہ کو انہیں روانہ کرنے کی اتنی جلدی تھی کہ انہیں جانے کی بھی جلدی اتنی نہ ہو گی۔ اسے یہی دھڑکا تھا کہ کہیں جابر علی نہ پہنچ جائے اور صبح تک ایک ہنگامہ برپا رہے...... وہ مہمانوں سے بھی پہلے کھڑی ہو کر تکلفات نباہ رہی تھی۔ شبینہ کی جان تو ماں نے چھڑا دی تھی اب وہ ایک دم ہلکی پھلکی نظر آ رہی تھی۔

''کل کالج تو آؤ گی ناں......؟'' فائزہ، شبینہ سے ملتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ستارہ کی پھر زبان پھڑکی جسے اس نے بہ مشکل قابو کیا۔ صابرہ کو اس کی طرف سے ضرور دھڑکا ہو گا تب ہی اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر اس کی طرف گھورا تھا۔ ستارہ اشارے کی زبان سمجھ گئی۔

''اچھا بھئی...... میری طرف سے تو خدا حافظ...... زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔''

''تم بہت چھٹیاں کرنے لگی ہو، آنٹی لگتا ہے ستارہ کا اب پڑھنے وڑھنے کا موڈ نہیں ہے، آپ ایسا کریں پہلے اس کی شادی کر دیں۔''

''ہیں......؟'' انجانے میں نکلی ہوئی فائزہ کی بات ٹھک کر کے سیدھی دل پر لگی...... یوں جیسے نشانہ باندھ کر تیر چھوڑا ہو۔

''ہاں ناں...... بالکل ٹھیک مشورہ دے رہی ہوں آپ کو۔''

''اچھا بس چلو۔ فرصت سے آ کر آرام سے بیٹھ کر مشورے دے دینا۔'' شائستہ بیگم پر اب سچ مچ عجلت سوار ہو گئی۔ ابھی دونوں خدا حافظ کہہ کر گیٹ سے باہر نکلی ہی تھیں کہ عین اسی لمحے جابر علی گھر میں داخل ہوا تھا۔ شبینہ اور صابرہ ابھی گیٹ کے ساتھ ہی لگی کھڑی تھیں۔ شبینہ تو باپ کو دیکھ کر ایک دم بدحواس ہو گئی اور یوں پیچھے ہٹی جیسے کسی نے سامنے سے دھکا دیا ہو۔

جابر علی اگرچہ باہر کار میں احمر کو دیکھ چکا تھا مگر صرف صابرہ کو جتانے کے لیے اس نے گردن موڑ کر کار کی

طرف دیکھا تھا۔

شائستہ بیگم اگلی سیٹ پر جبکہ فائزہ بیک سیٹ پر بیٹھ رہی تھی۔ بس اس عمل کے فوراً بعد ہی اس نے خود اپنے ہاتھوں سے گیٹ کا ذیلی پٹ بند کیا تھا۔ شبینہ کے لیے تو یہ لمحاتی مہلت بھی بہت تھی وہ تو بغیر وقفہ کیے اندر دوڑ گئی تھی۔

اتنی رات کو اس کی سہیلی آئی تھی تو شامت بھی اسی کی آنی تھی۔

''ارے بھئی اب تو آدھی، آدھی رات کو لگژری کاریں ہمارے گیٹ پر کھڑی ہوتی ہیں، آئی جی لگ گیا ہوں میں، بڑے بڑے لوگ مجھے سلامی دینے میرے گھر آتے ہیں۔'' جابر علی کی پاٹ دار آواز اور کاٹ دار لہجے نے خاموشی کے سارے بت ایک آن میں توڑ ڈالے۔ صابرہ کو پتا تھا کہ خاموشی کا مطلب بڑی جنگ اور جواب کا مطلب صرف جھڑپ ہے۔ اس نے جواب کے لیے الفاظ موزوں کرنا شروع کر دیے۔

''بازار سے آ رہی تھیں دونوں ماں بیٹی' راستے میں ہمارا گھر پڑتا ہے تو بس کھڑے، کھڑے سلام دعا کرنے آ گئیں۔ شبینہ کے ساتھ پڑھتی ہے ناں یہ فائزہ۔'' الفاظ اِدھر اُدھر ہو رہے تھے مگر مافی الضمیر واضح تھا۔

''اتنی رات کو بازاروں میں پھرنے والی عورتیں...... کیا سبق سیکھے گی تمہاری بیٹی ان عورتوں سے۔ آخر اتنے تعلقات بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ لوگ کھڑے، کھڑے سلام کرنے کا سوچنے لگیں۔''

''پہلی بار آئی تھیں بے چاری......'' صابرہ نے ناگواری کی لہریں دبا کر کہا۔

''دوسری بار بھی آئیں گی، دوستی شروع ہوئی ہے تو نبھانے کی کوشش بھی ہوتی رہے گی، باہر کار میں جوان لڑکا بیٹھا تھا، اسی طرح لوگ گھر کے راستے دیکھتے ہیں، جب یہ چھوٹی تھیں تب ہی تمہیں سمجھا دیا تھا کہ دیکھو اگر عزت سے جینے کا ارادہ ہے تو لڑکیوں کو بہت احتیاط سے پالنا...... جو لڑکیاں اپنے گھر سے نکل کر اپرے غیرے کے گھر میں آنا جانا شروع کر دیتی ہیں ان کا پھر اللہ ہی حافظ...... ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں، ایک کا تو بیڑا غرق کر ہی چکی ہو۔'' جابر علی گرجتا برستا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ شبینہ الماری میں کپڑوں کے نیچے فائزہ کا لایا ہوا پاؤچ چھپا رہی تھی۔ ستارہ اس کے قریب کھڑی تھی اور سر گھسا گھسا کر دیکھ رہی تھی کہ وہ کہاں چھپا رہی ہے۔

''ابا جان سینئر پولیس آفیسر ہیں، ان سے کچھ نہیں چھپتا، باہر گڑھا کھود کر دفن کر دو۔'' وہ شریر لہجے میں چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ ''مگر پولیس تو گڑھے کھود کر بھی لاش برآمد کر لیتی ہے۔'' شبینہ نے الماری کا پٹ بند کیا اور وہی ہاتھ ستارہ کے منہ پر رکھ کر زور سے دبا دیا۔

''چپ ہو جاؤ یا سوئی سے ٹانکا لگاؤں؟'' ستارہ مسکراتی ہوئی آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''آپا شکل تو میری بہت اچھی ہے، پھر سب کو بری کیوں لگتی ہوں؟''

''شکل نہیں تمہاری زبان بری لگتی ہے۔ اس کا کوئی حل نکالو۔'' شبینہ نے دانت پیسے۔

''ہاں تلوار کے نشان والی صرف دو گولی۔ ویسے آپا آج کل تمہاری قسمت زوروں پر ہے، آدھی، آدھی رات کو گفٹ نازل ہو رہے ہیں، فائزہ آرٹیفشل جیولری لائی ہے مگر دیکھنے میں بہت مہنگی لگ رہی ہے، ظاہر ہے بزنس مین کی بیٹی ہے۔ ہم تو فی الحال اے کلاس جیل میں ہیں مگر تم تو بس ہواؤں میں اڑنے والی ہو...... ویسے آپا...... فائزہ سے کیوں چھپا رہی ہو؟ ایسی خبریں تو بیسٹ فرینڈ سے فوراً شیئر کی جاتی ہیں۔'' ستارہ کو ایک دم کچھ دیر پہلے کی صورتِ حال یاد آئی۔ شبینہ اس سے جان چھڑا کر کمرے ہی سے نکل گئی۔ ستارہ نے گہری سانس لی پھر ایک لٹ انگلیوں میں لپیٹ کر بل دیے پھر پھونک سے لہرا کر خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔

''ہم وہ ہیں جنہیں خوش رہنا آتا ہے، کوئی اپنی جان جلاتا ہے تو جلائے اپنے خرچے پر......''

☆☆☆

''اصیل خان، ڈاکٹر بہت مایوس نظر آ رہے ہیں...... ان کی تسلی میں دم نہیں ہے، کھوکھلی ہے۔'' گل جان کے رخساروں پر آنسو لڑھک رہے تھے جنہیں وہ بولتے ہوئے انگلیوں کی پوروں سے صاف بھی کرتی جاتی تھی۔

''اللہ مالک ہے! نہ آتے اپنی مرضی سے ہیں نہ جاتے اپنی مرضی سے ہیں، شاید اسی لیے کہتے ہیں کہ خودکشی ...... کرنے والے کی روح بھٹکتی رہتی ہے اپنی منزل تلاش کرتی رہتی ہے، وہ منزل جو قدرتی مرنے والے کے سامنے خود بخود آ جاتی ہے۔'' اصیل خان بہت صبر و ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''اگر بی بی جان کو کچھ ہو گیا تو میرا اور روما کا کیا بنے گا......؟ خدانخواستہ......'' گل جان کی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز میں لرزش تھی۔

''جس نے پیدا کیا ہے وہی جانتا ہے۔'' اصیل خان ٹھنڈی سانس کھینچ کر گویا ہوا۔

''بی بی جان کی بلند آواز ہمارے جسموں میں زندگی بن کر دوڑتی ہے۔ ان کے بغیر ہم تو زندہ لاش بن جائیں گے۔'' ''اب وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔'' ''رابی نے میری بہن کو ختم کر دیا...... اس کی ماں تو ایسی نہیں تھی۔''

''وہ کاروباری عورت تھی...... بڑے، بڑے منافع اٹھاتی تھی، اس کی کوکھ سے بہت بڑے گھاٹے نے جنم لیا تھا۔'' اصیل خان یہ کہہ کر ایک سمت چل پڑا۔ گل جان بڑی بے بسی سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی مزاحمت کا استعارہ سہی مگر انسان کی مزاحمت دیوانے کا پتھراؤ ہے، ہر پل کو تقدیر کا لکھا جان کر سمجھوتا کرنے میں ہی روحانی سکون ہے مگر انسان اپنی لاعلمی کے باعث ہمیشہ خود اپنے ہاتھوں اپنا سکون برباد کرتا چلا آ رہا ہے۔

انا کی جنگ اندھیرے میں کی جانے والی تیر اندازی ہے، زخم ایسی جگہ لگ جاتے ہیں کہ تیر کمان سے نکل کر ضائع ہو جاتے ہیں۔ رابی کی نیند ٹوٹی تو سرہانے شاہ عالم کو پایا جو کرسی پر سر جھکائے مراقبے کی کیفیت میں بیٹھے تسبیح کے دانوں پر کوئی ذکرِ خاص کر رہے تھے۔ اس کے منہ سے ایک سسکاری نکلی...... زخم ٹھنڈے ہو گئے تھے اور مسکن دوا کا اثر ختم ہو چکا تھا۔ چہرے پر گویا لوہے کے باریک تاروں کا جال تھا۔ ایک، ایک خلیے میں اکڑاؤ کی کیفیت تھی۔

''السلام علیکم...... صبح بخیر بیٹا...... ویسے تو دوپہر ہو چلی ہے مگر سونے والے کی جس وقت آنکھ کھلے وہی اس کی صبح ہے۔'' شاہ عالم نے بہت شفقت سے رابی کے بے تکے کٹے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''ہلکا پھلکا ناشتا کر کے دوا کھا لو۔ پین کلر لو گی تو درد تنگ نہیں کرے گا۔''

''درد تو ہمیشہ تنگ کرے گا دادا جان! وہ زخم جو نظر نہیں آتے وہ زیادہ تنگ کرتے ہیں۔'' رابی درد کی ٹیس دباتے ہوئے بہ مشکل گویا ہوئی۔

''بیٹا انسان اپنی تقدیر کے سامنے بے بس ہے۔ جب کچھ بھی اپنی پسند اور مرضی کے مطابق نہ ہو رہا ہو تو تبدیلی کے لیے صبر کے ساتھ کوشش کرتے ہیں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔''

''یہ دکھوں کے کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے...... ان میں کیا بہتری ہو سکتی ہے؟'' رابی نے اٹھ بیٹھنے کی کوشش کرنے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹا تکلیف بھی تو خوشی کی طرح وقتِ مقررہ کے لیے آتی ہے۔ جب انسان اللہ کے فیصلے کو ماننے سے

انکار کر دیتا ہے اور مزاحمت کرتا ہے تو تکلیف کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے۔ یہ ایک روحانی قانون ہے اور روحانی قانون اٹل ہوتے ہیں اسی لیے صبر کی بہت تاکید ہے۔ صبر کے معنی رکنے اور ٹھہرنے کے ہیں۔‘‘

’’تکلیف تو ایک پل کی بھی بہت ہوتی ہے دادا جان نہ کہ زندگی بھر کی۔‘‘

’’ہم ضد اور مزاحمت سے دکھوں کے سلسلے دراز کر دیتے ہیں بیٹا۔‘‘ شاہ عالم نے برجستہ کہا تھا۔ رابی اب اٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔ درد کی لہروں نے اس کے حواس معطل کرنا شروع کر دیے تھے۔

’’میں آپ کا ناشتا یہیں منگواتا ہوں، آپ جب تک ہاتھ منہ دھولیں۔‘‘ انہوں نے روانی میں کہا۔

’’منہ......؟‘‘ رابی کے لہجے میں تلخی بھی تھی اور طنز بھی۔ ’’آپ نے دیکھا میں نے اپنی ماں کا کتنا خیال کیا، نہ وہ منہ دکھانے کے قابل رہیں اور نہ میں۔‘‘

’’سوری بیٹا......بس یونہی منہ سے نکل گیا۔‘‘ شاہ عالم کے انداز میں بہت دکھ اور شرمندگی کا تاثر تھا۔

رابی نے بیڈ سے پاؤں لٹکا لیے اور اپنے اکڑے ہوئے چہرے پر بہت محتاط انداز میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

’’آپ کو میری شکل سے خوف تو نہیں آرہا دادا جان؟‘‘ وہ پھر تلخی سے پُر لہجے میں مخاطب ہوئی۔

’’میری نظر میں آپ کا وہ روحانی چہرہ ہے جو بہت پیارا ہے، آپ کے زخم اچھے ہوجائیں پھر دیکھیے گا۔ پلاسٹک سرجری کے بعد یہ چہرہ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو جائے گا۔‘‘ شاہ عالم باہر کی طرف بڑھتے بڑھتے رک کر بولے۔

’’پلاسٹک سرجری......؟‘‘ رابی چونک گئی۔

شاہ عالم اسے اسی طرح خیال میں گم چھوڑ کر باہر چلے گئے۔

’’میرا دماغ خراب ہے جو پلاسٹک سرجری کراؤں گی...... یہ چہرہ تو مجھے بے ضمیر لوگوں کے ظلم سے بچائے گا......اس اچھی امید پر تو میں یہ آگ کی طرح دہکتے زخم برداشت کر رہی ہوں۔‘‘ وہ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

’’روما تم بالکل فکر نہ کرو، رابی آپا بالکل ریلیکسڈ ہیں، انہوں نے زیادہ بات ہی نہیں کی...... بے چاری کو تکلیف بھی تو بہت ہو رہی ہوگی۔ خود ہی سوچو۔‘‘ کائناز کالج میں تھی روما نے اسے اس کے موبائل پر رنگ کیا تھا۔ وہ ساری رات سو نہیں سکی تھی۔ حادثہ بہت بڑا تھا اور اس کی عمر بہت چھوٹی تھی پھر گھر بھی تو آنا فانا خالی ہو گیا تھا۔

’’ہاں، میں ساری رات یہی سوچتی رہی کہ آپا کو کتنی تکلیف ہو رہی ہوگی۔ آپا نے خود کو تباہ کر لیا کسی کا کچھ نہیں بگڑا۔‘‘

’’رات کو ہم انہیں اسپتال لے گئے تھے، ڈاکٹر نے پین کلر فوراً ہی لگا دیا تھا۔ گھر آنے کے تھوڑی دیر بعد وہ سو گئی تھیں۔‘‘ کائناز نے بتایا تو روما ایک دم ہی پُرسکون ہو گئی۔

’’اوہ......تھینک گاڈ......‘‘ وہ بے ساختہ بولی۔

’’صبح کو جب میں کالج آئی تو وہ سو رہی تھیں۔ تم فکر نہ کرو میں تھوڑی دیر بعد فون کر کے بھی ان کی خیریت پتا کر لوں گی۔ یہ بتاؤ آنٹی کی طبیعت اب کیسی ہے؟‘‘

’’کچھ نہیں پتا...... خالہ جان کا کوئی فون نہیں آیا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میں فون نہ کروں، وہ خود فون کر کے بتا دیں گی۔ دیکھو ابھی تو اماں جان اسپتال میں ایڈمٹ ہوئی تھیں اب پھر...... سمجھ نہیں آتی کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔‘‘ بولتے بولتے روما کی آواز بھرانے لگی۔

’’اچھا......تم خود کو سنبھالو، انشاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دادا جان کہہ رہے تھے کہ رابی آپا۔ کاسمیٹک سرجری کے بعد پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو جائیں گی۔ اگر باہر بھی جانا پڑا تو وہ انتظام کر دیں گے۔‘‘ کائناز خود بھی مطمئن تھی اسی لیے روما کو پُرسکون کرنے کے لیے پورا زور لگا رہی تھی۔

’’اللہ کرے......! میری تو ہمت ہی نہیں ہو رہی کہ آپا کے سامنے بیٹھ کر ان سے باتیں کروں۔‘‘ روما پر کائناز کی تسلیوں کا خاطر خواہ اثر ہو چکا تھا۔

’’ارے نہیں...... تمہیں تو ان کے پاس جانا چاہیے...... تمہیں دیکھ کر انہیں بہت اچھا لگے گا اور تم گھر میں اکیلی کیا کر رہی ہو؟ جا کر رابی آپا کے پاس بیٹھ جاؤ۔‘‘ کائناز نے مشورہ دیا تھا۔

’’ہاں......تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... مجھے تو لگ رہا کہ کچھ دیر اور اکیلی رہی تو پاگل ہو جاؤں گی، میں ابھی جاتی ہوں۔‘‘ روما ایک دم خوشی کے جذبات سے معمور ہو گئی۔

’’ٹھیک ہے۔‘‘

’’اوکے......‘‘ روما نے مختصراً کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

☆☆☆

’’امی خدا کے لیے ستارہ کو بتا دیں کہ شادی اس کی ہو رہی ہے میری نہیں۔‘‘ صابرہ کچن میں ہانڈی چڑھا رہی تھی کہ شبینہ بہت آف موڈ میں آکر فوراً ہی شروع ہو گئی۔ اس کا نیا، نیا انداز دیکھ کر صابرہ بری طرح چونک پڑی۔

’’خیریت......کیا ہوا؟‘‘

’’امی ایک بات طے ہو چکی، ابا جان فیصلہ سنا چکے اور جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو کوئی ان کے سامنے اپنی بات کر سکتا ہے بھلا؟ کیا نکاح کے وقت اسے بتائیں گی اگر اس نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کر ڈالی......تو سوچ لیں کیا ہوگا۔‘‘ شبینہ بہت فکرمند نظر آرہی تھی۔ فکرمند تو صابرہ بھی تھی اور اس وقت تو شبینہ نے کھڑے کھڑے اس کی فکر میں طوفانی اضافہ کر دیا تھا۔

’’اس کی زبان درازی کی وجہ سے تو تمہارے ابا جان نے یہ فیصلہ کیا ہے مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ اتنی بے خوفی دکھانے والی لڑکیاں کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتی ہیں۔ بس اسی وجہ سے مجھے خوف سا آرہا ہے، کئی دنوں سے ہمت کر رہی ہوں جیسے ہی اس کے سامنے بیٹھتی ہوں الجھ جاتی ہوں مگر آخر کب تک......؟ اسے بتانا تو ہے ناں...... باپ سے نہیں ڈرتی، جس سے دنیا ڈرتی ہے۔‘‘

’’تو میں تو بتا دیتی ہوں اگر اس نے ابا جان کے مہمانوں کے سامنے کوئی حرکت کی تو سارا کچرا آپ پر گرے گا۔ ابا جان ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ جائیں گے۔‘‘

’’نہیں، نہیں......تم اسے کچھ نہ بتانا...... میں خود بات کروں گی طریقے سے۔‘‘ صابرہ گھبرا کر بولی۔

’’کب...... جب اس کی بارات آجائے گی؟ پھر ہمیں تھوڑی بہت تیاری بھی تو کرنا ہوگی۔‘‘ شبینہ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

’’کوئی تیاری نہیں ہوگی...... کون سی ارمانوں بھری شادی ہو رہی ہے، میں اپنی بے گناہ بچی کو گھر کے کپڑوں میں ہی رخصت کر دوں گی۔‘‘ یہ کہہ کر صابرہ نے چولہا بند کر دیا اور دیوار سے پیشانی ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شبینہ پر تو نئی افتاد پڑ گئی اس نے ایک دم ماں کو سینے سے لگا لیا۔

"امی......اب خود کو سمجھا بھی لیں......اس دکھ سے گزرے بغیر زندگی آگے نہیں بڑھے گی۔ ویسے بھی ہم سب گھر والوں کو اب تک عادی ہو جانا چاہیے تھا اور جب آپ نے ابا جان سے مرتے دم تک عہدِ وفا نبھانا ہی ہے تو رو رو کر ان کے فیصلے کیوں مانتی ہیں؟" بولتے بولتے شبینہ کے لہجے میں تلخی اترنے لگی۔ وہ بہت اپنائیت سے اپنے دوپٹے سے ماں کے آنسو پونچھ رہی تھی۔

☆☆☆

"کچھ لوگ دنیا سے ظلم کے اندھیرے مٹانے کے لیے اپنے گھروں سے نکل پڑتے ہیں اور میں اپنے گھر میں مظلوموں کی مدد کرنے کے قابل نہیں ہوں۔" برہان بہت افسردگی سے کہہ رہا تھا۔ وہ اس وقت یونیورسٹی کے سرسبز لان میں ایک گھنے درخت کے سائے تلے بیٹھا نعمان سے اپنے دل کی باتیں کر رہا تھا۔

"اپنی اپنی سوچ ہوتی ہے، ہوسکتا ہے تمہارے فادر کی نیت بھلائی اور بہتری کی ہو۔" نعمان نے لاشعوری طور پر گویا برہان کو ڈپریشن کی طرف جانے سے روکا تھا۔

"اسلام ہی تو وہ دین ہے جو زبردستی کا قائل نہیں ہے۔ جس نے عورت کو معزز بنایا۔ اس کے حقوق کو قانونی شکل دی۔ نکاح کے لیے لڑکی کی رضامندی کو لازمی قرار دیا ہے...... جبر و گھٹن سے نڈھال ذہن کیا خدا سے محبت کے راستے ڈھونڈے گا جب جان پر بنی ہو تو ساری جدوجہد جان بچانے کے لیے ہوتی ہے۔" برہان نے گھاس سے تنکے چنتے ہوئے دور افق کی طرف یوں دیکھا جیسے وہاں سے کوئی نجات دہندہ اسے اشارے کر رہا ہو۔

"یہی تو اصل بات ہے جو جاننا چاہیے وہ جانتے نہیں، نماز روزوں کو اسلام کا مظہر سمجھ لیا گیا ہے۔ عبادت کی روح غائب ہے بس جیسے ڈمیاں display کر رہی ہیں، تب ہی تو آج کا انسان بے پناہ آسانیاں ہونے کے باوجود بے شمار مشکلات سے دوچار ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کو اپنی طرح کا انسان سمجھنے پر ہی تیار نہیں۔" نعمان نے بھی بالآخر تائیدی رویہ اختیار کیا وہ برہان کو بچوں کی طرح نہیں بہلا سکتا تھا۔

"کون سمجھائے ان سخت گیروں کو کہ اسلام تو جیو اور جینے دو کا سبق دیتا ہے مگر چند حدود قیود کے ساتھ۔" برہان کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر کر فوراً معدوم ہوگئی۔

"سوچتا ہوں اچھا ہے کہ میری بہن اس دوزخ سے نجات حاصل کر لے مگر دوسری طرف یہ خیال پریشان کرتا ہے کہ تبدیلی کے دوسرے سرے پر اس سے بڑی دوزخ منتظر نہ ہو؟" برہان خود کلامی کے انداز میں گویا ہوا۔

"یہی تو ڈپریشن کی وجہ ہے۔ negative thinking...کم آن برہان! ٹاپک چینج کرو۔ یہ بتاؤ تمہاری ٹیوشن اکیڈمی کیسی چل رہی ہے؟" نعمان نے پورا زور لگا کر گویا برہان کو یاسیت کے گڑھے سے ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

"ہاں ٹھیک ہے، ایک جگہ تو دادا کی صرف ایک پوتی اور دوسری جگہ دو اے لیول کے اسٹوڈنٹس جن کے پیرنٹس کو عین اسٹڈی کے وقت یاد آتا ہے کہ آج وہ لڑنا تو بھول ہی گئے تھے۔" یہ کہہ کر وہ ہنس دیا۔ نعمان اس کی بات سن کر خاصا محظوظ ہوا۔

"اب دیکھ لو، لڑائی کہاں نہیں ہوتی؟"

"یہی بات سمجھ نہیں آتی، غریب میاں، بیوی کی لڑائی تو سمجھ آتی ہے کہ میر تقی میر بھی مُہر لگا گئے ہیں۔

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
آدمی کا اعتبار کھوتی ہے

مگر یار یہ دولت مند میاں، بیوی کیوں لڑتے ہیں؟" برہان اپنی بات پر خود ہی ہنس دیا۔

"یار برہان......" نعمان کسی گہری سوچ کے دوران برہان سے مخاطب ہوا۔

"ہوں......!" برہان نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر کی۔

"یہ دنیا تو ایک طرح سے میدانِ جنگ ہے، سب لڑ رہے ہیں۔"

"تمہارے ممی، پاپا بھی لڑتے ہیں؟" برہان نے اسے چھیڑا۔

"ایسا ویسا...... یار چھوٹی چھوٹی باتوں پر...... یوں جیسے بلیاں ایک ڈبل روٹی کے سلائس پر اسٹین گن لے کر لڑ رہی ہوں۔" نعمان اب قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ جیسے اسے بہت کچھ یاد آ گیا ہو اور گدگدی ہو رہی ہو۔

"مثلاً......؟" برہان کو اس جملے کی وجہ سے خود بخود دلچسپی ہوگئی۔

"مثلاً یہ کہ تم نے واش روم کا shower tap ٹھیک سے بند نہیں کیا تھا، باتھ گاؤن صوفے پر کیوں پھینکا...... اپنا سیل فون آف کر کے کیوں نہیں سوئے، مجھے اپنا آپریٹر سمجھا ہوا ہے، سوتے ہوئے اتنی زور سے کروٹ کیوں لیتے ہو، لگتا ہے زلزلے سے بیڈ ہل رہا ہے، دوسری طرف پاپا کہ...... کف سیرپ سرہانے رکھا تھا پھر کیوں رات بھر کھانستی رہیں؟ تمہیں پرائیویٹ اینڈ کونفیڈنشل envelope نہیں کھولنا چاہیے تھا، ٹی بیگ میں پہلے والی بات ہی نہیں ہے expiry دیکھے بغیر اٹھا کر لے آئی ہوگی، شاپنگ ہی نہیں کرنی آتی بس پیسے کو آگ لگانے سے مطلب ہے۔ وغیرہ وغیرہ......" نعمان بہت دلچسپ انداز میں بتا رہا تھا۔

"اوہ نو...... ریئلی یہ ایشوز ہیں؟"

"ایشوز نہ ہونا بھی تو بہت بڑا ایشو ہے۔" نعمان نے برجستہ کہا۔ "یقین کرو ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنے کے بعد دو دو دن ایک دوسرے سے بات نہیں ہوتی پھر میری چھوٹی بہن دونوں کی دوستی کراتی ہے اور معاوضے کے طور پر اس رات دونوں کے ساتھ ڈنر پر جاتی ہے اور رات کو واپسی پر دونوں کے زبردست قہقہے گھر میں گونج رہے ہوتے ہیں۔ میں تو سوچتا ہوں، کچھ عرصے بعد کیا میں بھی پاپا جیسا بن جاؤں گا......؟" نعمان نے مصنوعی فکرمندی ظاہر کی۔

"اس کے لیے ایک عدد ممی کی ضرورت پڑے گی، میرا مطلب ہے تمہارے بچوں کی ممی کی۔" برہان نے برجستگی کا مظاہرہ کیا۔

اب دونوں ہنس رہے تھے۔ نعمان، برہان کا موڈ بدلنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

شبینہ کی بات نے صابرہ کو ایک مستقل سوچ میں ڈال دیا تھا۔ آخر کبوتر کے آنکھ بند کر لینے سے بلی بھاگ تو نہیں جاتی۔

ستارہ کی شادی کا حتمی فیصلہ ہو چکا تو اس کا ذہن بھی بنانا ہوگا، وہ شبینہ نہیں ہے جو زوردار دہاڑ سن کر سہم کر بیٹھ جائے۔ سوچ، سوچ کر اس کا ذہن شل ہو رہا تھا مگر اس مرحلے سے گزرنا تو تھا۔ ستارہ کے متوقع ردِعمل کے خیال سے ذہن بوجھل ہو رہا تھا۔ اس کا اختلاف، مزاحمت، بے باکی، بے خوفی کسی عفریت کی طرح ماحول میں ناچتے، کودتے محسوس ہونے لگے مگر اس معرکے سے جان کی بازی لگا کر نمٹنا تھا۔ وہ آہستہ بلکہ مرے مرے

قدموں سے چلتی لڑکیوں کے کمرے میں آئی تو دیکھا ستارہ شیشے کے کام کا طغرہ بنانے میں منہمک تھی، آس پاس خاصا بکھیڑا پھیلا ہوا تھا۔ قینچی، سرخ ویلوٹ کی کترنیں، گلیو، سوئی دھاگا، ریشم کے دھاگے وغیرہ اس نے یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم کا بہت دیدہ زیب طغرہ تقریباً تیار کرلیا تھا۔ آج سے بہت عرصے پہلے اس نے جان لیا تھا کہ اس کی دونوں بیٹیاں آرٹ کی طرف رجحان رکھتی ہیں، ستارہ بچپن ہی سے اپنی پینٹنگ کی وجہ سے ہم جماعتوں میں نمایاں ہوگئی تھی۔

جابر علی کو گھر میں شہزادیوں اور ملکاؤں، بادشاہوں کی پینٹنگز نظر آنے لگیں تو اس نے ہنگامہ کردیا کہ یہ شریعت کے خلاف عمل ہے، ستارہ نے دوسرا راستہ اختیار کرلیا کہ ہنر سمندر کی لہروں کی طرح اندر سے ابلتا ہے اور اظہار چاہتا ہے۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہیں امی...... لگتا ہے کوئی خاص بات کرنے آئی ہیں؟'' وہ اپنے کام میں مگن تھی مگر ماں کے چہرے سے اخذ کرنے کی مہلت بھی نکال لی تھی۔

''ہاں...... ذرا اپنی دکان بڑھاؤ تو میں تم سے بات کروں۔'' صابرہ نے اپنا لہجہ معمول کے مطابق کرنے کی سعی کی۔

ستارہ نے ہاتھ میں پکڑی گلیو کی ٹیوب خوب ٹائٹ بند کی دیگر چیزیں سمیٹیں۔

''لیں دکان بند ہوگئی...... کہیے...... کیا ہمیں شادی کی شاپنگ کروانے لے جارہی ہیں؟'' وہ اپنے مخصوص پھکڑپن سے گویا ہوئی اور خود ہی ہنسنے لگی جیسے اپنی ہی بات پر گدگدی ہوئی ہو۔

''میری بات بہت توجہ سے سنو، یہ مذاق میں اڑانے والی بات نہیں ہے۔'' صابرہ نے پیش بندی کی۔

''مذاق میں نہیں اڑاؤں گی، پڑیا میں باندھ لوں گی، اب کہیے بھی' مجھے تو آپ کے انداز بہت خاص لگ رہے ہیں۔'' ستارہ کے لہجے میں خود بخود سنجیدگی اتر آئی کیونکہ ماں کے چہرے پر فکر بھی تھی اور گہری سنجیدگی بھی۔

''بیٹا! بات یہ ہے کہ تمہارے ابا جان نے شبینہ سے پہلے تمہاری شادی کا فیصلہ کیا ہے۔'' صابرہ اندھیری تنگ گھاٹی سے بہر حال چھلانگ مار کر باہر آہی گئی۔

ستارہ نے صابرہ کی طرف یوں دیکھا جیسے سماعت کے دھوکے پر پریشان ہوگئی ہو۔

''میں تمہیں کہتی تھی ... ناں کہ لڑکیاں محتاط اور باحیا ہوں تو بہت سہولت رہتی ہے مگر تمہاری زبان نے تمہیں پھنسا دیا۔ تمہارا بے دھڑک بولنا، تمہارے باپ کو اندیشوں میں مبتلا کرچکا ہے حالانکہ میں جانتی ہوں میری بچیاں باکردار اور نیک ہیں مگر زبان کا کھلا استعمال ہمیشہ انسان کو مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے۔'' صابرہ بول رہی تھی، ستارہ ٹکر ٹکر ماں کی صورت دیکھ رہی تھی۔ ایک قیامت کا احساس جس نے پہلی بار اسے لب بستہ کردیا تھا۔

یوں جیسے وہ کسی پہاڑ کی اوٹ میں کھڑی فطری نظاروں سے لطف اندوز ہورہی تھی اور کسی نے بتایا پہاڑ کے دوسری طرف سے شیر آرہا ہے اور آناً فاناً ماحول کا سارا رومانس وحشت میں بدل گیا ہو۔

''بیٹا...... یہ فیصلہ تو کئی دن پہلے ہوچکا۔''

''امی...... روزانہ کا جبر، ڈکٹیٹر شپ تو برداشت کی جاسکتی ہے، اپنی پوری زندگی برباد کرنے کا اختیار کسی کو نہیں دیا جاسکتا۔''

''دیکھو بیٹی ہمیشہ سے باپ کے فیصلے مانتی آرہی ہے، یہی ادب وحیا کا تقاضا ہے، وہ اپنی اولاد کے دشمن تو نہیں ہیں، یہ اُن کی محبت ہی تو ہے کہ انہوں نے بیٹی کے لیے سہولت والا گھر دیکھا ہے۔ کسی غریب نکھٹو کے پلے بھی باندھ دیتے تو ہم کیا کرلیتے اور ان کی یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ عمر کا زیادہ فرق شریعت کے خلاف بات نہیں ہے، اصل بات تو میاں بیوی کا پیار، محبت اور خلوص ہے۔'' صابرہ کو وہ دلائل سوجھ ہی گئے جن سے طوفان روکنے میں اچھی خاصی مدد مل سکتی تھی۔

مگر ستارہ ابھی تک سکتے کی کیفیت میں تھی، اس کی شادی، منگنی بھی نہیں مکمل شادی...... شادی تو دوشیزگی کے پہلے زینے پر قدم رکھتے ہوئے لڑکی کا سب سے رنگین، اولین رومانس ہوتا ہے۔ سپنوں کا شہزادہ کبھی دریچے کے دوسری طرف کھڑا نظر آرہا ہوتا ہے۔ کبھی بیلے کی کلیاں لیے سرہانے آکھڑا ہوتا ہے، کبھی ساون کی پہلی گھٹا کے ساتھ گلابوں کے کنج میں چھپ کر دیکھ رہا ہوتا ہے شادی...... شادی کی بات یوں ہورہی تھی جیسے رسید ہاتھ میں تھما کر دھوبی سے دُھلے کپڑے منگائے جارہے ہوں۔

ستارہ کی خاموشی کسی بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ صابرہ کا دل سینے میں یوں بھاگ دوڑ رہا تھا گویا کوئی گھنے جنگل میں نجات کا راستہ ڈھونڈ رہا ہو۔

''آپ ابا جان سے کہہ دیجیے میرے ساتھ زور زبردستی نہ کریں، میں بے شک بے اختیار اور بہت کمزور ہوں مگر ہر انسان کو اپنی جان پر تو مکمل اختیار ہوتا ہے، میں شبینہ آپا نہیں ہوں۔'' ستارہ کے لہجے میں بلا کی بے مروّتی اور اجنبیت تھی۔

صابرہ کو جیسے اس کی بات سمجھ ہی نہیں آئی، پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی۔

''امی، سیدھی سی بات ہے میں شادی کیوں کروں؟ مجھے زبردستی کی یہ شادی نہیں کرنی، اب کوئی کچھ بولے یہ میرا فیصلہ ہے۔'' ستارہ نے بہت بے خوفی سے فیصلہ سنا دیا۔ لگتا تھا کہ وہ کسی انتہا پر پہنچ کر کچھ سوچ رہی ہو۔

''اس زبان کو دانتوں تلے دبالو، جانتی ہو کہ اس گھر میں صرف تمہارے باپ کے فیصلے سنے جاتے ہیں، میں تو تمہاری ہمت پر حیران ہوں۔'' صابرہ نے دانت پیس کر دبی، دبی آواز میں بات کی، ستارہ کی جرأت نے تو اسے لامحدود خوف سے ہمکنار کردیا تھا۔

''مجھے نہیں کرنا...... نہیں کرنا...... آپ لوگوں نے زیادہ زبردستی کی تو پھر میں عین نکاح کے وقت انکار کردوں گی۔'' ستارہ یا تو بہت بے وقوف تھی یا بہت عقل مند اس کا انداز اتنا دوٹوک تھا کہ صابرہ چند لمحے اس کی طرف ششدر سی دیکھتی رہ گئی پھر اس نے ایک زوردار تھپڑ ستارہ کے رخسار پر جڑ دیا۔

''یہ سب تیرا اپنا کیا دھرا ہے، شبینہ نے تو باپ کا فیصلہ مان لیا تھا۔ تیری زبان نے تجھے پھنسایا ہے اور جانے اب اور کیا گل کھلائے گی۔ تیری وجہ سے آج میں اپنے بیٹے سے دور ہوں، ماں پر رحم نہیں آتا، ماں کو کبھی اُن کے سامنے زبان چلاتے دیکھا ہے، بے غیرت اولاد......'' صابرہ بولتے بولتے بھل بھل رو پڑی...... جانتی تھی کہ بیٹی بے قصور ہے، ظلم کے سامنے ڈٹ رہی ہے مگر نہیں جانتی تھی کہ ماں پر زندگی کے راستے بند کررہی ہے۔

''کوئی شہزادہ آئے گا تجھے بیاہنے؟ دھمکیاں دے رہی ہے لڑکی ہو کے...... ارے میرے ماں باپ مر چکے، تین سوتیلے بھائی ہیں، کوئی میکا نہیں ہے تیری ماں کا تیرے باپ نے گھر سے نکال دیا تو کیا سڑک پر بیٹھ کر بھیک مانگوں گی؟''

”جان سے ماردیں مجھے...... جان چھوٹے میری۔“ ستارہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ ماں کی بے بسی نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ سوچ جس جگہ رک گئی تھی اٹل ہوگئی تھی۔ وہ باپ کی طرح خود غرض اور انتہا پسند تھی، وراثت میں آخر کچھ تو لیا ہی تھا یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ جابر علی کی بیٹی ہے، صابرہ خوف و وحشت کی انتہا پر سکتے کی کیفیت میں مبتلا ہوچکی تھی۔ سامنے صرف ایک سوال تھا کہ اب کیا ہوگا......؟

☆☆☆

”اچھا تو یہ بات تھی یعنی تمہیں پتا چل چکا تھا کہ مجھے سولی پر لٹکانے کا فیصلہ ہوچکا ہے؟“ ستارہ نے غُرّاتے ہوئے شبینہ کو مخاطب کیا جو آنے والی کسی قیامت کے خوف سے پیچھا چھڑانے کے لیے خود کو مصروف رکھنے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی۔ اسے یہ تو اندازہ تھا کہ ماں، ستارہ سے بات کررہی ہے تو اس کے بعد کیا ہوسکتا ہے۔ کچھ نہ سوجھا تو کپڑوں کا ڈھیر دھونے بیٹھ گئی۔ ستارہ کے الفاظ سننے کی تاب نہ تھی اس کے لفظ ہمیشہ شبینہ کے لیے امتحان ہوتے تھے۔ واشنگ مشین کی سمع خراش آواز نے اُسے ماحول کی خوفناکیوں سے وقتی طور پر دور کردیا تھا مگر حملہ ہوگیا تھا۔ وہ جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی کہ بہن کی باتوں کا جواب دینا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

”چپ کیوں ہو آپا......؟ خوش ہو کہ تم بچ گئیں...... میری زندگی اتنی فالتو ہے کہ لوگوں کی جان بچانے کے لیے خرچ کروں؟ ٹھیک ہے پھر میں یہ زندگی تم پر قربان کردوں گی...... زہر کھالوں گی پھر ہم دونوں کی جان چھوٹ جائے گی، ٹھیک ہے ناں؟“

”بس کرو ستارہ...... اس گھر میں میری نہیں چلتی، تم اپنا غصہ مجھ پر کیوں اتار رہی ہو، تمہیں سمجھاتے تو تھے کہ فضول میں زبان چلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور یہ زہر کھانے کی دھمکیاں نہ دو...... یہاں سب ہی زہر پی رہے ہیں، آخر باپ کی ماننے میں حرج کیا ہے؟ وہ دشمن تو نہیں ہیں ہمارے...... ہمارے گھر میں کسی کی بھی شادی ہوا ابا جان کی پسند ہی سے ہوگی تو پھر فلمی ہیروئن بننے کا فائدہ...... وارث علی ہو یا الف، ب، ج...... انتخاب ابا جان کا ہی ہوگا۔“ شبینہ نے بڑے تحمل سے عقل کی بات ستارہ کے دماغ میں بٹھانے کی کوشش کی۔

”مجھے تو شادی وہیں کرنی ہے جہاں میرا دل ہاں کہے گا...... اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے اپنی پسند سے شادی کرنی ہے مگر وارث علی سے بھی نہیں کرنی۔“

”پھر وہی فضول بات...... ہر فیصلہ ابا جان کا ہوتا ہے، تم خود پر نہیں تو اپنی ماں پر ہی رحم کرو، وہ پہلے ہی بہت پریشان ہیں بلکہ تم نے ان کی زندگی مزید مشکل بنادی ہے۔“

”ہاں تو ان کی ساری مشکلیں بھی میں ہی ختم کروں گی۔“ ستارہ یہ کہہ کر پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ خوف گرد باد کی طرح شبینہ کے وجود کے گرد چکرانے لگا۔

☆☆☆

”ڈاکٹر صاحبہ ہوش میں ہیں۔“ نرس نے گل جان کو مطلع کیا تو گل جان کے وجود میں سکون کی لہریں اترنے لگیں۔

”اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے۔“ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے شکرانہ کہا۔

”رات تک کوئی اچھی امید نہیں تھی مگر انہوں نے دو گھنٹوں میں survive کیا ہے۔ ڈاکٹر بھی حیران اور خوش ہیں۔ آپ کو بہت، بہت مبارک ہو۔ اب وہ بہت جلدی بلکہ تیزی سے صحت یاب ہوں گی۔“ نرس بھی

ڈاکٹر مہر جان کے گھر کا فرد ہی تھی۔ دس سال سے اس اسپتال میں کام کررہی تھی۔ مہر جان کی فیملی سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس لیے اس کا اندازہ خالص پیشہ ورانہ نہیں تھا بلکہ خاصی اپنائیت کا حامل تھا۔

”کوئی بات وات کی بی بی جان نے......؟“ گل جان جذباتی پُرجوش اور زندگی سے بھرپور نظر آنے لگی۔

”جی...... وہ عجب خان کو آواز دے رہی تھیں...... یہ کوئی آپ کے relative ہیں؟“

”جی......؟“ گل جان بھونچکا سی ہو کر نرس کی شکل دیکھنے لگی۔

”عجب خان...؟ عجب خان تو پندرہ سال پہلے مرچکا...... ہمارا بہت پرانا نوکر تھا۔“

”اوہ......؟ ریئلی...... مگر وہ تو مسلسل اس کا نام لے رہی ہیں۔“ گل جان پر سکتہ طاری ہونے لگا۔

”کیا بی بی جان کا دماغ الٹ گیا ہے؟ وہ عجب خان کو کیوں یاد کررہی ہیں؟“ پھر وہ ایک دم حواس باختہ ہو کر مہر جان کے vip روم کی طرف دوڑی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس پر نئے سرے سے حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مہر جان بیڈ پر ٹیک لگائے اپنے خیال میں گم مسکرا رہی تھیں۔ گل جان تیزی سے ان کے قریب آئی۔

”بی بی جان...... آپ ٹھیک ہیں ناں......؟“ وہ سراسیمگی کے عالم میں پوچھ رہی تھی۔

”اوہ گل جان...... میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھی...... کیا مصیبت ہے، یہ مجھے اسپتال کون لے کر آیا...... کیا ہوا ہے مجھے......؟ اتنی ہٹی کٹی تو ہوں۔“ مہر جان کے انداز میں بڑی تازگی تھی۔

”ویسے مجھے یاد نہیں آرہا کہ میں اسپتال کیسے آئی......؟ کیا میں بے ہوش ہوگئی تھی...... مگر کس وجہ سے؟“ مہر جان اپنے ذہن پر زور ڈال کر سوچنے لگیں۔

”آپ کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی اسی لیے اسپتال لے کر آئے تھے۔“ گل جان نے ریت کی طرح بکھرتے وجود کو بہ مشکل سنبھالا۔

”وہی تو پوچھ رہی ہوں کیا ہوا تھا مجھے؟ مجھے کیوں یاد نہیں آرہا......؟ بابا کہاں ہیں؟ کیا زمینوں پر گئے ہوئے ہیں۔ تم نے انہیں بتایا کہ میری طبیعت خراب ہے میں ایڈمٹ ہوں؟ مگر میری طبیعت کیوں خراب ہے؟“ مہر جان پھر گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

”بی بی جان کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے؟“ گل جان خوف کی بلکہ شدید صدمے کی کیفیت میں مہر جان کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

”ویسے گل جان...... میں ٹھیک ہوں ناں...... وہ میں یہ کہہ رہی تھی......“ بولتے بولتے رک کر مہر جان اپنی پیشانی انگلیوں سے دبانے لگیں۔ ”میں کیا کہہ رہی تھی گل جان؟ بتاؤ ناں میں کیا کہہ رہی تھی؟ یا اللہ...... میں کیوں بار بار بھول جاتی ہوں، کیا کہہ رہی تھی میں......؟ یاد ہی نہیں آرہا میں کیا کہہ رہی تھی...... مگر کچھ تو کہہ رہی تھی...... ہاں یاد آگیا...... وہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ...... اُف پھر بھول گئی۔“ اب مہر جان نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

”اچھا چھوڑو...... میں تھوڑی دیر کو سو کر اٹھتی ہوں پھر مجھے سب یاد آجائے گا۔“ مہر جان گویا پرندوں کی طرح اڑتے لفظوں کو جال ڈال کر قید کرنا چاہتی تھی مگر وہ جال سے بہت اونچے تھے۔ وہ نڈھال سی ہو کر لیٹ گئیں اور آنکھیں بند کرلیں۔

گل جان کے حواس تو صدمے کی انتہا پر معطل ہورہے تھے، اس نے بہ مشکل خود کو سنبھالا اور پاس پڑی

کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

☆☆☆

شاہ عالم ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد آہستہ قدموں سے اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے کہ اصیل خان کی نظر ان پر پڑی، وہ کہیں سے آ رہا تھا۔ تیز تیز قدموں سے اس نے شاہ عالم کو جالیا۔

''السلام علیکم شاہ صاحب......!'' شاہ عالم جانے کس دھیان میں تھے چونک پڑے۔

''اوہ...... اصیل خان آپ......؟ ڈاکٹر صاحبہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' اصیل خان پر نظر پڑتے ہی انہوں نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔

''جی...... ابھی فون کر کے پتا کروں گا، صبح تک تو ہوش میں نہیں تھیں۔''

''اوہ...... اللہ رحم کرے...... ہوسکتا ہے ڈاکٹر نے انہیں کوئی ایسی دوا دی ہو جس کی وجہ سے گہری نیند سو رہی ہوں۔''

''ہم انہیں بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے کر گئے تھے۔ بے ہوش بندے کو نیند کی گولی تو نہیں کھلا سکتے۔'' اصیل خان نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔ وہ تو بڑی بے قراری سے رابی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کا حال دریافت کرے کہ اس سرکش موج نے سمندر میں ختم ہونے کا سوچا یا ساحل کی ریت پر اکیلی سر پٹخ رہی ہے۔

''ہوں...... شدید صدمے کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے بے ہوش ہوئی ہوں گی۔'' شاہ عالم خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے۔

''جی...... مسلسل صدمات انسان کو توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔'' اصیل خان بھی زیر لب کہہ رہا تھا۔

''مسلسل صدمات......؟'' شاہ عالم کو یہ جملہ بریکنگ نیوز کے مترادف لگا چونک گئے۔

''ماشاء اللہ...... ڈاکٹر صاحبہ تو بہت کامیاب زندگی گزار رہی ہیں۔ کیا پہلے بھی وہ کسی بڑی ٹریجڈی سے گزری ہیں؟'' فکر و تشویش سے پُر انداز تھا۔

''جی......'' جواب نہایت مختصر تھا۔

شاہ عالم کے علم میں یہ بات تھی کہ اصیل خان، ڈاکٹر مہر جان کا سب سے پرانا ملازم ہے، دونوں بچیاں اس سے بہت مانوس ہیں اسے بابا اصیل خان کہتی ہیں۔ یقیناً گردشِ لیل و نہار کے شکم سے تخلیق ہونے والے حادثات و واقعات کا وہ عینی شاہد تھا۔

''شاہ صاحب...... وہ رابی بی بی کا اب کیا حال ہے، آپ کو بہت پریشانی ہو رہی ہوگی۔'' اصیل خان بالآخر جھجکتے ہوئے رابی تک آ گیا۔

''میری بیٹی ہے وہ...... روما میں کائناز کی جان ہے اور رابی، روما کی بہن ہے۔ اس حوالے سے تو وہ اب میری اولاد کی طرح میری ذمے داری ہے۔'' شاہ عالم بہت پُروقار لہجے میں گویا اصیل خان کو تسلی بھی دے رہے تھے۔

''آپ کا بڑا پن ہے شاہ صاحب...... آج کل تو خون کے رشتے بھی کسی کی خاطر تکلیف اٹھانا پسند نہیں کرتے۔''

''اللہ کو جس سے جو کام لینا ہے، لے رہا ہے، میں اپنے پیاروں سے بہت جلدی محروم ہو گیا تھا۔ مجھے

خون کے رشتوں سے نہیں آزمایا گیا اصیل خان...... رشتوں میں بہت کام ہوتے ہیں، میں تو طویل عرصے تک سمجھو جاب لیس رہا...... اب تو جاب ملی ہے اور بہت اچھی ہے خدا کرے میری ذات سے خلقِ خدا کو آرام ملے۔'' شاہ عالم کے انداز میں فلسفہ، روحانیت اور قدرے شگفتگی تھی مومن کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس کا چہرہ ہمیشہ شگفتہ و تر و تازہ رہتا ہے کیونکہ وہ روشنی کا پیامبر ہوتا ہے۔ اصیل خان تو جیسے عقیدت سے دُہرا ہو گیا۔

''اللہ آپ کو اس کا بہت اجر دے گا شاہ صاحب......'' وہ برجستہ بولا۔

''اجر اللہ ہی دیتا ہے، یہ بندوں کے بس کی بات نہیں۔'' شاہ عالم اپنے مخصوص پُر وقار انداز میں مسکرائے۔

''رابی، ذہنی، جسمانی ہر لحاظ سے انشاء اللہ بہت جلد اچھی ہو جائے گی۔ جب تک اس کی زندگی میں اجالے نہیں آجاتے اور مجھے زندگی کی صورت مہلت ملی ہوئی ہے وہ اب میری ذمے داری ہے، تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ میں جانتا ہوں تم نے ان دونوں بچیوں کی پرورش میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے اسی وجہ سے تمہارے دل میں ان کے لیے درد ہے۔'' اصیل خان کا دل سمندر ہونے لگا...... پانی آنکھوں کے ساحل تک آیا اور لوٹ گیا۔

''ہم آپ کا احسان نہیں اتار سکیں گے۔'' وہ بہ مشکل گویا ہوا۔

''اور میں اللہ کا احسان کیسے اتاروں جو مجھے بھلائی کی توفیق بخش رہا ہے۔''

اصیل خان اب اپنے آپ میں نہ رہا اس نے شاہ صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور آنکھوں سے لگا لیا۔

''یہ نہ کرو اصیل خان......'' شاہ عالم نے بڑی نرمی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑایا۔

''یہ عمل تکبر کے قریب لے جاتا ہے۔ احساسِ برتری پیدا کرتا ہے، تمہارا کیا خیال ہے یہ میں اپنی مرضی سے کر رہا ہوں؟ یہ اللہ کی مرضی ہے، ہارٹ پیشنٹ ہوں...... کبھی سانسیں گنتا ہوں کبھی کام......'' شاہ عالم نے گہری سانس لی اور اصیل خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے تھپکی دی۔

☆☆☆

''کل شام چھ بجے نکاح ہوگا...... کھانا وانا نہیں صرف ریفریشمنٹ ہوگا۔'' جابر علی معمول سے کافی پہلے گھر آچکا تھا۔

''سنتے ہیں ایسی شادیاں تو ہجرت کے وقت ہوئی تھیں۔ چاروں طرف بلوے ہو رہے تھے، جان، عزت بچانے کی خاطر لوگوں نے راتوں رات بیٹیوں کے نکاح پڑھوا دیے تھے تاکہ ذمے داریاں ہلکی ہو جائیں۔'' صابرہ نے درد کی ٹیسیں دباتے ہوئے بہت دھیمی آواز میں دکھ رو دیا۔ جابر علی نے خشونت بھری نظروں سے صابرہ کی طرف دیکھا۔

''تمہاری نحوست میری اولاد کو برباد کردے گی۔ ایک بات طے ہو چکی' فیصلہ ہو چکا مگر تمہاری کہانیاں ختم نہیں ہو رہیں۔ ستارہ کی شادی میں اس گھر کا امن چھپا ہوا ہے، سب کو سکون مل جائے گا۔ جب تک اس کی شادی نہیں ہوتی میری نیندیں ویران ہیں، کہاں سے لائے گی بیٹیوں کے لیے اچھے رشتے، جہیز، شادی کی فضول رسموں کے لیے پیسہ، ایک عزت دار بندہ عزت کے ساتھ میری بیٹی کو لے جا رہا ہے۔ عزت سے زندگی گزارے گی اور شادی کا کیا مقصد ہوتا ہے۔ دھوم دھام خرچے سے ہونے والی شادیوں کے انجام بھی دیکھے ہیں، تین مہینے بھی نہیں چلتیں...... شادی جُوا ہوتی ہے، اس جوئے پر اتنا پیسہ نہیں لگانا چاہیے...... یہی عقل مندی

ہے، اب جاؤ تیاریاں کرو۔'' جابر علی خلافِ توقع بڑی مصلحت سے بات کر رہا تھا۔ کھری کھری ضرور سنائیں مگر آواز دبی ہوئی تھی۔ شاید ستارہ نے باپ کو واقعی ڈرا دیا تھا۔

''تیاریاں...... کیا تیاریاں کرنی ہیں؟'' صابرہ نے بہ مشکل خود کو سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

''بھئی آٹھ دس بندوں کا چائے پانی کرنا ہوگا...... لڑکیوں کو کل کا پروگرام بتا دو...... اور کیا اخبار میں خبر چھپوانی ہے؟''

''میری تو اب ہمت نہیں...... میں نے ستارہ کو شادی کا تو بتا دیا تھا، اب یہ آپ اسے بتا دیں کہ کل نکاح ہے۔'' صابرہ کے سر پر تو اب ''کل'' کھڑی تھی۔ اس نے بڑی بے بسی سے معذرت کی تھی کیونکہ واقعی اس کے ذہن نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔

''وہ تمہاری ماں ہے یا تم اس کی ماں ہو...... اولاد سے ڈرتی ہو یا اس نے کچھ کہا ہے جو مجھ سے چھپا رہی ہو......؟'' جابر علی کی نظروں میں پولیس والوں کے شک کرنے کا مخصوص رنگ جھلک رہا تھا وہ بہت گہری نظروں سے صابرہ کے چہرے کو تک رہا تھا۔

''ظاہری بات ہے...... قدرتی آفت کی طرح اسے شادی کی خبر ملی ہے، بچی ہے کچھ تو بولے گی۔'' صابرہ نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

''اسے بولنے کا جوش چڑھ چکا ہے، اسی لیے انتظام کر دیا ہے۔ شادی کے بعد جو بولنا ہے اپنے گھر میں بولے۔ بہرحال تمہارے نکمے پن کی وجہ سے ہی یہ صورتِ حال بنی ہے، میں خود بتا دیتا ہوں، مجھے آرام کرنے دو...... اٹھ کر بات کرتا ہوں، تم جاؤ...... عورت کسی کام کی نہ ہو تو سارے گھر کا بھٹا بیٹھ جاتا ہے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صابرہ کے سینے سے پھر ہوک اٹھی۔ وہی ہوک جو برسوں سے اس کے سینے میں پکا گھر بنائے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

''کیا کہہ رہی ہیں گل جان بی بی؟'' اصیل خان ریسیور کان سے لگائے صدمے سے نڈھال آواز میں کہہ رہا تھا۔

''ہاں اصیل خان...... بی بی جان کو ان کی زندگی میں ہی غموں سے آخرکار نجات مل گئی۔'' گل جان کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز ائرپیس میں ابھری ساتھ ہی ایک سسکاری بھی۔

''مگر...... آج کل تو ہر بیماری کا علاج ہو جاتا ہے۔ آپ کیوں مایوس ہو رہی ہیں؟'' اصیل خان نے اب خود کو سنبھال کر گل جان کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کی۔

''مگر میں ان کا علاج نہیں کراؤں گی؟'' گل جان نے ایک دم حتمی لہجے میں دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔ اصیل خان کے لیے تو یہ دھماکا تھا...... چند لمحے کے لیے گنگ سا ہو کر رہ گیا۔

''مگر کیوں......؟'' بالآخر اس کے ہونٹوں سے سوال پھسل گیا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟ میری بہن جب تک زندہ رہے ایک ان دیکھی آگ میں جلتی رہے، کبھی خوش اور مسکراتی ہوئی نظر نہ آئے؟ ہر وقت گزرے وقت کو یاد کر کے روتی رہے، جن کی آنکھ نہیں روتی ان کے دل روتے ہیں اصیل خان...... ان کی سختی ان کا پردہ بنی رہی مگر میں گارنٹی سے کہتی ہوں وہ اکیلے میں ماتم کرتی ہوں گی، حد ہوتی ہے خوشیوں کو ترسنے کی......'' گل جان ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اصیل خان اس کے لفظوں کے اثر سے مسمریزم کی سی کیفیت میں مبتلا ہو چکا تھا۔
"مگر علاج نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے نئے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔"
"نہیں......" گل جان نے تیزی سے اصیل خان کی بات کاٹ دی۔ "وہ اب اپنی آخری سانس تک خوش رہیں گی...... ان کی یادداشت صرف بیس برس پہلے تک محدود ہو گئی ہے، عجب خان، بابا، ٹوٹو، گل جان اور اصیل خان کے علاوہ انہیں کچھ یاد نہیں۔ روما، رابی، کائناز، رابی کی ماں، اپنا اسپتال، اسٹاف، دوست انہیں یاد نہیں۔" اصیل خان کا وجود کسی زلزلے کی زد میں آ چکا تھا۔ وہ بولنا چاہ رہا تھا مگر زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔
"اصیل خان، بی بی جان مسکرا رہی ہیں، ہنس بھی رہی ہیں اور ہنستے ہوئے بہت خوب صورت لگ رہی ہیں...... مدتوں بعد جب میں نے انہیں کھل کر ہنستے دیکھا تو دیکھتی رہ گئی، اتنی پیاری لگ رہی تھیں کہ اتنی پیاری تو دلہن بنتے وقت بھی نہیں لگی تھیں۔"
"دلہن......؟" اصیل خان کی روح کے خالی ڈھول میں جیسے کوئی چاندی کا سکہ گرا۔
"میں انہیں گھر لے کر آ رہی ہوں، ڈاکٹر روکنے کے لیے پورا زور لگا رہے ہیں مگر مجھے ہنستی مسکراتی مہر جان چاہیے۔ اللہ نے میری سن لی۔ بی بی جان کو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے دکھوں سے نجات مل گئی۔ تمہیں آنے کی ضرورت نہیں...... میں بی بی جان کو خود لے آؤں گی۔" گل جان نے اعتماد سے فیصلہ سنایا اور فون بند ہو گیا۔
ریسیور ابھی تک اصیل خان کے کان سے لگا تھا۔ گویا اپنے وجود کو متحرک کرنا محال تھا۔
روما اسپتال فون کرنے کے لیے ہی لاؤنج میں آئی تھی۔ اس نے اصیل خان کو شاکڈ کیفیت میں کھڑا پایا تو بری طرح بدحواس ہو کر آگے بڑھی اور ریسیور جھپٹنے کے انداز میں اصیل خان سے لے کر اپنے کان سے لگا لیا مگر دوسری طرف تو ٹوں ٹوں بھی بند ہو چکی تھی۔ فون تو ڈیڈ محسوس ہوا تھا اس نے آہستگی سے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے اصیل خان کی طرف دیکھا جو روما کے عمل کے بعد اپنے حواسوں میں واپس آ چکا تھا۔
"کیا ہوا بابا......؟ کس کا فون تھا، آپ ایسے کیوں کھڑے ہوئے تھے؟" روما کے انداز میں وحشت سے پُر عجلت تھی۔
"کچھ نہیں...... آپ گھبرائیں نہیں کوئی ایسی بات نہیں...... گل جان بی بی، ڈاکٹر صاحبہ کو لے کر گھر آ رہی ہیں۔" اصیل خان نظریں چراتے ہوئے مخاطب ہوا۔
"اوہ...... اس کا مطلب ہے اماں جان اب خیریت سے ہیں۔" روما نے مطمئن ہو کر ایک گہری سانس کھینچی...... مگر فوراً ہی کسی دھیان سے چونکی۔
"لیکن آپ اس طرح کیوں کھڑے ہوئے تھے جیسے خدانخواستہ کوئی sad news سنی ہو۔" وہ شک بھری نظروں سے اصیل خان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔
"بیٹا...... اتنی بڑی خوش خبری نے میرے اوسان ہی چھین لیے، اتنی جلدی اتنی اچھی خبر جو ملی تھی...... میں تو سوچ رہا تھا شاید ڈاکٹر صاحبہ کو وہاں دس پندرہ دن لگ جائیں۔"
"تھینک گاڈ...... مجھے خود یقین نہیں آ رہا کہ اماں جان اتنی جلدی ٹھیک ہو گئی ہیں۔"
"جی بیٹا...... وہ بالکل ٹھیک ہو گئی ہیں۔" اصیل خان زبردستی مسکرایا اور سوچنے لگا۔ "اس سے زیادہ کیا ٹھیک ہوں گی۔" وہ سر جھکا کر باہر کی طرف بڑھا۔ روما نے جلدی سے کائناز کو خوش خبری سنانے کے لیے فون ملانا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت وہ کائناز کے گھر رابی سے ملنے کے ارادے سے جا رہی تھی مگر یہ سن کر کہ

خالہ جان، اماں کو گھر لا رہی ہیں اس نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔ وہ گھر پر ماں کا استقبال کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

صابرہ دم سادھے کچن میں اسٹول پر بیٹھی تھی۔ بڑی بے بسی کی انتہا پر اس نے جابر علی سے کہا تھا کہ وہ بیٹی کو اس کے نکاح کا وقت بتا دے کیونکہ نہ وہ جابر علی سے جیت سکتی تھی نہ اس کی بیٹی سے، جس نے نو مہینے ماں کی کوکھ کے اندھیرے میں تو گزارے مگر سارے رنگ ڈھنگ باپ کے لے کر پیدا ہوئی۔
شبینہ بستروں کی چادریں استری کرنے کا پروگرام بنا کر چادریں نکال رہی تھی۔ ستارہ بیڈ پر اوندھی لیٹی تھی، یہ اس کے خراب موڈ کا کھلا مظاہرہ ہوا کرتا تھا۔ جابر علی کمرے میں داخل ہوا اس نے طائرانہ نگاہ کمرے میں دوڑائی۔ شبینہ الماری کا پٹ بند کرنا بھول گئی۔ بس منہ سے بے اختیار باپ کے لیے سلام نکلا تھا۔
"السلام علیکم ابا جان......" ابھی تک اس کا باپ سے سامنا نہیں ہوا تھا البتہ وہ جانتی تھی کہ وہ خاصی دیر سے گھر میں ہیں۔
"والسلام...... یہ ابھی تک سو رہی ہے اور کوئی کام نہیں اسے؟" جابر علی کی سپاٹ آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔ باپ کی آواز سن کر ستارہ ایک دم سیدھی ہو گئی۔ وہ لاکھ بہادر تھی بلکہ جان کی بازی لگانے کی حد تک بہادر تھی مگر جابر علی کی آواز پر پہلا ردِعمل گھبراہٹ ہی ہوا کرتا تھا اور آج تو خیر سے وہ بنفسِ نفیس ان کے کمرے میں آیا تھا۔ اس کا حاکمانہ، شاہانہ مزاج اور پاٹ دار آواز سب کو اسی جگہ طلب کرنے کے لیے کافی ہوا کرتی تھی جہاں وہ بیٹھا ہوا ہوتا۔
"نہیں ابا جان...... بس ویسے ہی سر میں درد ہو رہا تھا تو لیٹ گئی۔"

''ہزار مرتبہ سمجھایا ہے عصر، مغرب کے درمیان بستر پر نہیں لیٹنا چاہیے، یہ عبادت کا وقت ہوا کرتا ہے، اس وقت بستر پکڑنے والے پھر زندگی بھر بستر پکڑے رہتے ہیں۔'' اس نے ستارہ کا جواب مکمل سننے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔

ستارہ سر پر دوپٹا ڈال کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جو بات میں کر رہا ہوں وہ ماں کو کرنی چاہیے مگر وہ تم سے بہت ڈرتی ہے شاید..... تمہاری دس گز کی زبان سے سب ہی ڈریں گے، سوائے تمہارے باپ کے بہر حال کل شام تمہارا نکاح کر رہا ہوں، یہ تو تمہاری ماں نے تمہیں بتا ہی دیا ہوگا کہ شبینہ سے پہلے تمہاری شادی کرنے کی کیا وجہ ہے؟'' شبینہ نے دہل کر باپ کی طرف دیکھا۔

''تف ہے ایسی عورت پر بیٹیوں کے سامنے باپ کو لاکھڑا کیا ہے۔'' اسے پھر صابرہ کی کوتاہیاں یاد آنے لگیں۔

ستارہ نے آہستگی سے نظریں اٹھائیں اس کی آنکھوں سے سوچ کی گہرائی نمایاں تھی، وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

''میں نے امی کو اپنا جواب بتا دیا ہے، آپ اُن سے بات کرلیں۔''

''وقت نہیں ہے میرے پاس..... مجھے صرف اطلاع دینا تھی۔ تمہاری ماں تو ہے ہی اس قابل کہ اولاد سے ٹکا سا جواب سنے..... مگر مجھے جواب سننے سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ پھر رکا نہیں۔

شبینہ خواہ مخواہ مجرموں کی طرح نظریں چرا رہی تھی جبکہ ستارہ شدتِ جذبات سے اپنی مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔

''اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو ذمے دار تم ہوگی..... مجھے نہیں پتا اس نے تمہیں کیا جواب دیا۔ جواب اگر میری مرضی کے خلاف ہے تو اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر وہیں چلی جاؤ جہاں تمہارا بیٹا ہے مگر اس طرح نہیں..... طلاق کے پیپر تلے کر جانا..... وہ عورت جو ساری زندگی مجھ پر بھاری پڑی..... ذلت اٹھا کر اسی کے ساتھ باقی زندگی گزاروں، آخر میری کیا مجبوری ہے؟'' شبینہ اور ستارہ اپنے کمرے میں دم بخود کھڑی سن رہی تھیں۔ جابر علی، صابرہ سے براہِ راست مخاطب ہو چکا تھا۔

جواب میں خاموشی، بے بسی کا اظہار تھی۔

شبینہ آگے بڑھی اور آہستگی سے کمرے کا دروازہ بند کر کے ستارہ کے قریب چلی آئی۔

''ایسی ضد تو وہ لڑکیاں کرتی ہیں جو کسی سے عشق کرتی ہیں، وعدے کرتی ہیں، میں تمہاری بہن ہوں، جانتی ہوں تمہاری زندگی میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ ماں کے سکھ کی خاطر تمہیں یہ فیصلہ قبول کر لینا چاہیے۔'' ستارہ سگی بہن تھی، معصوم و بے وقوف تھی۔ شبینہ رنج سے ٹوٹ رہی تھی اس خبر پر اس کا رواں رواں سسک رہا تھا مگر کم سے کم نقصان کے سودے پر تو بہر حال آنا ہی تھا۔

''یہی تو مسئلہ ہے آپا..... ماں کو سکھ پھر بھی نہیں ملے گا۔'' ستارہ گم صم کیفیت اور سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

''رسوائیوں سے تو بچ جائیں گی، ان کی ساری زندگی کی قربانیوں اور برداشت کو ضائع نہ کر دینا ستارہ.....''

''ٹھیک ہے آپا..... ماں کی خاطر یہ جبر سہہ لیتی ہوں..... پھر اس کے بعد میں اپنی مرضی اور پسند کی زندگی

گزاروں گی...... بالکل ابا جان کی طرح......شادی تو آزادی کا لائسنس ہوتی ہے ناں......؟ عورت کا سوشل اسٹیٹس......'' ستارہ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

شبینہ تو آناً فاناً کایا پلٹ پر گویا سکتے میں چلی گئی۔

''ستارہ......خودکشی بزدل لوگ کیا کرتے ہیں، اپنی باہمت ماں سے سبق سیکھو۔'' شبینہ کو اچانک تبدیلی سے وہم ستانے لگے۔

''اتنی فالتو نہیں ہے میری جان...... یہ خیال تو مجھے ابھی ابھی آیا ہے ورنہ پہلے تو میں جان چھڑانے کا یہی راستہ پہچانتی تھی۔ میں امی سے الجھتی ہوں، جواب دیتی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے اپنی ماں سے محبت نہیں۔ مجھے تو ان کی مظلومیت پر رحم اور ان کی جی حضوری پر غصہ آتا ہے مگر اب بلکہ آج سے میرا غصہ ختم......کل سے نئی زندگی شروع ہو رہی ہے۔ آئندہ ابا جان کے سامنے ان کی بیٹی نہیں صرف وارث علی کی بیوی ہوگی بہت شکریہ ابا جان کا......انہوں نے کم از کم میرے لیے تو جینے کی راہ نکالی......اب میں انہیں جی کر دکھاؤں گی...... اچھی طرح سمجھا دوں گی کہ جینا کسے کہتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں عجیب سی پُراسراریت تھی۔ ستارہ یہ کہہ کر دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے سے تناؤ کی لکیریں معدوم ہو گئی تھیں۔ دوشیزگی کی نمی لب ورخسار پر نمایاں تھی۔ شبینہ کو تو یہ سن کر بہت خوش اور مطمئن ہو جانا چاہیے تھا مگر اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے وجود میں چھپا کوئی عفریت اس کا کلیجا نوچ رہا ہو۔ وہ اپنے آنسو چھپا کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان، گل جان کے ساتھ اپنی لگژری کار سے اتریں تو سامنے روما کو منتظر و مشتاق کھڑا پایا...... روما، ماں کو دیکھ کر آگے بڑھی اور بے اختیار گلے سے لگ گئی۔

ڈاکٹر مہر جان نے انتہائی حیرت سے گل جان کی طرف دیکھا اور پھر ساتھ لپٹی روما کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہنے لگیں۔

''گل جان یہ...... یہ لڑکی کون ہے؟'' روما پر تو جیسے وسیع وعریض پورٹیکو کی چھت آن گری۔ بدک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور خوف زدہ نظروں سے گل جان کی طرف دیکھا۔

''خ......خ......خالہ جانی۔'' وہ بری طرح ہکلا کر رہ گئی۔

گل جان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''کون ہے یہ لڑکی...... کیا تمہاری کوئی دوست ہے؟ مگر یہ تو تمہیں خالہ کہہ رہی ہے؟'' ڈاکٹر مہر جان، روما کو سر سے پاؤں تک گھور رہی تھیں۔

''آپ اندر آئیں...... بتا دوں گی۔'' گل جان نے آگے بڑھ کر مہر جان کو کندھوں سے تھاما، روما اپنی جگہ پتھر کا بت بنی کھڑی تھی۔

''یہ تم مجھے کہاں لے آئی ہو گل جان...... کیا بابا نے کوٹھی رینوویٹ کرائی ہے؟ بالکل نہیں پہچانی جا رہی......تو تو بار بار کہتی تھی یار اپنا لائف اسٹائل چینج کرو......تم سے جاگیرداروں کی اسمیل آتی ہے۔'' یہ کہہ کر مہر جان قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ گل جان نے بہ مشکل اپنے روتے ہوئے دل کو سنبھالا۔

''ویسے یار کمال ہو گیا...... واقعی یہ کوٹھی تو بالکل نئی لگ رہی ہے، بابا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، میری ہر بات مانتے ہیں۔'' وہ گل جان کے ساتھ اندر جاتے ہوئے بہت سرخوشی کی کیفیت میں باتیں کر رہی تھی مگر

اندر داخل ہونے سے پہلے انہوں نے پلٹ کر بت بنی روما کی طرف دیکھا تھا۔

''گل جان...... تم نے بتایا نہیں یہ لڑکی کون ہے؟''

''آپ اندر تو آئیں...... سب بتا دوں گی۔'' گل جان نے آنسو پیتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں یار، اندر سے تو کوٹھی دیکھنے والی ہوگی...... جب باہر اتنا کام ہوا ہے۔'' مہر جان کسی دوشیزہ کے لہجے میں اٹھلاتے ہوئے بولی تھیں۔

روما میں تو اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ ان دونوں بہنوں کے پیچھے جاتی، اس قیامت کی گھڑی میں اسے رابی اور کائناز شدت سے یاد آئیں۔ گھر کے مین گیٹ پر تعینات گارڈ بہت غور سے روما کی طرف دیکھ رہا تھا۔ روما کی نظر اس پر پڑی تو اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور آہستہ آہستہ چلتی گیٹ پار کر گئی اس نے گارڈ کو بتانے کا بھی تکلف نہیں کیا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔

☆☆☆

''تمہیں مجھ سے خوف محسوس نہیں ہو رہا؟'' رابی اپنے چہرے کو چھو کر کائناز سے پوچھ رہی تھی۔

''آپ رابی آپا تھیں، رابی آپا ہیں...... زخم ٹھیک ہو جائیں گے بال بڑھ جائیں گے مگر آپا، آپ نے اپنے ساتھ بہت زیادتی کی...... دیکھیں ناں ان زخموں میں کتنی جلن ہو رہی ہوگی۔''

''تمہیں کیا پتا کائناز جلن کیا ہوتی ہے؟ جب انسان کی روح میں دوزخ کی آگ بھڑکتی ہے تو یہ باہر کی آگ گلاب کے پھولوں جیسی ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔'' رابی نے آنکھیں بند کر کے بڑے کرب سے کہا تھا۔

''لیکن ہمیں تو دیکھ کر ہی تکلیف ہو رہی ہے ناں...... آپ تو اتنی اچھی ہیں کہ آپ کی تکلیف برداشت نہیں ہو رہی۔'' کائناز نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

''تم بہت خوش قسمت ہو کائناز ماں، باپ نہ ہونے کے باوجود تمہیں محبت کی کمی کا احساس نہیں ہوا۔ دادا جان نے تمہیں اتنا پیار دیا کہ تم محسوس ہی نہیں کر سکتیں کہ محبت سے محرومی کا احساس کیا ہوتا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا...... مجھے تو ساری دنیا میں ہر طرف محبت ہی محبت نظر آتی ہے، دنیا بہت خوب صورت لگتی ہے...... سو سال سے بھی زیادہ جینے کو جی چاہتا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے رابی کا ہاتھ چوم لیا...... جیسے وہ رابی کے دکھ اور الیمے پر تڑپ رہی تھی۔

''اچھا اب ان لوگوں کو سوچو جو اس دنیا میں ایک پل بھی نہیں جینا چاہتے۔'' رابی نے گہری سانس لی تو زخموں کا اکڑاؤ نئے سرے سے محسوس ہونے لگا۔

''مگر یہ سوچ غلط ہے جو شے سب کو بن مانگے ایک دن ملنا ہی ہے تو اس کی تمنا کیوں کریں...... اللہ سے وہ کیوں نہ مانگیں جو شاید دعا ہی سے مل سکے۔'' کائناز کو گہرے دکھ نے گہری آگہی کے راستے پر ڈالا تھا۔ روما کا دکھ اس کا اپنا ہی تو دکھ تھا۔

''میں نے بہت سوچا...... بہت غور کیا...... کہ انسان کے لیے سب سے ضروری شے کیا ہے...... ہر بار یہی جواب آیا کہ محبت کے احساس کے بغیر انسان، انسان ہی نہیں...... زندہ لاش ہے۔'' رابی خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''لیکن آپا...... جو محبت فلموں، ڈراموں میں ہوتی ہے وہ محبت نہیں ہوتی...... محبت تو وہ ہوتی ہے جو میں اور روما ایک دوسرے سے کرتے ہیں اور سب کے دادا جان کرتے ہیں۔'' کائناز کی معصومانہ بے ساختگی نے

بالآخر رابی کو مسکرانے پر مجبور کر ہی دیا۔

''بے وقوف...... کسی کے ماں باپ نہیں ہوتے اور کسی کے دادا جان۔''

''ہاں، ہاں...... یہی...... میرا یہی مطلب تھا۔'' کائناز خجل سی ہو کر مسکرائی اور عین اسی لمحے روما نے دھواں، دھواں چہرے کے ساتھ کمرے میں قدم رکھا تھا۔ کائناز تو اسے دیکھتے ہی کھل اٹھی۔

''اوہ...... مجھے لگ رہا تھا کہ بس تم آنے والی ہو...... ظاہر ہے رابی آپا کی طرف سے فکر تو ہوگی ناں...... مگر تم پریشان مت ہو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے۔ دیکھو چند دنوں میں فرق تو پڑا ہے ناں، دادا جان کہہ رہے تھے جب زخم ٹھیک ہو جائیں گے تو آپا کی کاسمیٹک سرجری کرا دیں گے...... اور ہاں دادا جان کہہ رہے تھے کہ رابی آپا اب ہمیشہ، ہمیشہ ہمارے پاس رہیں گی...... اور......''

''اچھا، اچھا ٹھیک ہے۔'' روما شکستہ سے انداز میں ہاتھ اٹھا کر کائناز کو روکنے لگی جیسے کائناز کا بولنا اسے بوجھ لگ رہا ہو۔

''ہیں...... تمہیں کیا ہوا......؟ آنٹی کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' کائناز کو جیسے روما کے چہرے پر کچھ لکھا ہوا نظر آیا...... رابی بھی بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ روما کی توجہ رابی کی طرف تھی نہ اس کے زخم، زخم چہرے کی طرف...... اس کا وجود کمرے میں تھا اور ذہن کہیں اور......

''اماں جان کو کچھ نہیں ہوگا...... ان کی وِل پاور بہت اسٹرونگ ہے۔ وہ تو عزرائیلؑ کو بھی زور سے دھکا دے سکتی ہیں۔'' رابی زہر خند کے ساتھ گویا ہوئی۔

''رابی آپا...... رابی آپا...... وہ...... اماں جان......؟''

''روما...... پلیز بولو ناں...... تم کیوں اتنی ڈسٹرب ہو؟ آنٹی کو کیا ہوا ہے...... کیا ابھی تک ہوش نہیں آیا؟''

''تمہیں پریشان ہونے کی بیماری ہے روما...... اور ہاں سنو میرے پاس وہاں سے خبریں لانے کی ضرورت نہیں...... اس ظالم عورت سے اب میرا کوئی واسطہ تعلق نہیں...... ایسا بچہ جس نے کبھی اپنے باپ کو نہ دیکھا ہو، ماں سے باپ کا نام پوچھے اور وہ اسے نہ بتائے تو ایسی ماں کا تو مر جانا ہی بہتر ہے۔'' رابی کے اعصاب پھر چٹخنے لگے...... وہ ہذیان بکنے لگی۔

''چپ ہو جائیں آپا...... خدا کے لیے...... چپ ہو جائیں......'' روما دونوں ہاتھ اٹھا کر رابی کو مزید بولنے سے روک رہی تھی۔ کائناز لب بستہ کھڑی باری باری دونوں بہنوں کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

''وہ خود اعتراف کر چکی ہیں کہ وہ میری ماں نہیں ہیں، انہوں نے مجھے کچرے سے اٹھایا تھا۔ آخر اتنی ظالم عورت نے اتنی رحم دلی کا مظاہرہ کیا ہی کیوں......؟ یقیناً اس نے فوٹو کھنچوا کر اخبار میں چھپوائی ہوگی۔''

''آپا۔ بس بھی کریں...... صرف آپ کے لیے نہیں وہ تو جیسے جیتے جی سب کے لیے مر گئیں...... خالہ جان انہیں گھر لے آئی ہیں، وہ پاگل ہو چکی ہیں، انہوں نے تو مجھے بھی نہیں پہچانا...... بار بار خالہ جان سے پوچھ رہی تھیں یہ لڑکی کون ہے؟''

''اوہ نو......'' کائناز کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ وہ ششدر کھڑی روما کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''آپ کی ماں نہ سہی...... میری تو ہیں......'' یہ کہہ کر روما بھل بھل کر کے رو دی اور کائناز تو جیسے تڑپ ہی گئی روما کو گلے سے لگا لیا۔

''تمہاری بھی نہیں ہیں...... دیکھنا ایک نہ ایک دن یہ پردہ بھی اٹھے گا۔ تمہیں تمہارے باپ کا نام بتایا

انہوں نے؟" رابی کے اندر نفرت کے ایسے کانٹے اُگے ہوئے تھے کہ روما کی اطلاع نے بھی دل کی سرزمین میں نمی پیدا نہیں کی۔

"اس وقت یہ باتیں نہ کریں...... انہوں نے غصے میں کہہ دیا ہوگا، وہ میری بھی ماں ہیں اور آپ کی بھی۔" روما روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"روما ٹھیک کہہ رہی ہے آپا۔"

"ابھی میں بحث نہیں کروں گی، ابھی اسے جی بھر کر رونے دو...... جس کے پاس ماں ہو اس کے ساتھ کائنات ہوتی ہے...... ہماری طرح اکیلے بے چارے نہیں ہوتے۔ ہونہہ، پاگل ہوگئی ہیں۔ اُن کی بہن ان کا علاج کرائیں گی وہ پھر ٹھیک ہو جائیں گی۔ چلی جاؤ یہاں سے...... آئندہ میرے پاس آ کر اُن کا نام لے کر مت رونا...... وہاں اچھی طرح رو دھو کر پھر شاور لے کر میرے پاس آیا کرو۔ خبردار جو میرے سامنے ڈاکٹر صاحبہ کا نام لیا۔" رابی کے انداز میں شدت اور دھمکی تھی۔

کائناز کا ننھا منا سا دل کانپ کر رہ گیا...... جلدی سے روما کو تھام کر باہر لے جانے لگی۔

"آپا...... پلیز ویٹ...... میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے رابی سے منت کے انداز میں کہا تھا۔ محبت کی بستی میں آنکھ کھولنے والی کائناز کے لیے تو یہ نفرت سے بھرپور مناظر بہت ہی روح فرسا تھے۔ لرزتی کانپتی ہوئی روما کو لے کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ رابی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆☆☆

"ٹوٹو کے فون تو آئے ہوں گے...... کیا کہہ رہی تھی؟" مہر جان فریش جوس پیتے ہوئے گل جان سے پوچھ رہی تھیں۔

"ٹوٹو......؟" گل جان کے دماغ پر گویا ہتھوڑے برسے۔

"ٹوٹو...... شی از مائی بیسٹ فرینڈ بلکہ ساری دنیا میں ایک ہی تو میری دوست ہے۔"

"جی جی...... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" گل جان غائب دماغی کی کیفیت میں بول رہی تھی۔

"میں کیا کہہ رہی تھی گل جان؟ مجھے تو یاد ہی نہیں۔" مہر جان ذہن پر زور ڈالنے لگیں۔ گل جان نے بہ مشکل اپنے آنسوؤں کو آنکھوں کے کناروں سے ٹپکنے سے روکا۔

"آپ کہہ رہی تھیں دنیا بہت خوب صورت ہے، ہر طرف محبت ہی محبت ہے۔" گل جان بول رہی تھی حلق میں پھندے لگ رہے تھے۔

"ہے ناں......" مہر جان نے بچوں کی طرح خوش ہو کر تائید چاہی...... "میں ٹھیک کہتی ہوں ناں...... دنیا بہت خوب صورت ہے۔" مہر جان نے یہ کہہ کر جوس کا گلاس ایک سانس میں خالی کر دیا اور اِدھر اُدھر رکھنے کی جگہ تلاش کرنے لگیں...... دونوں سائڈ ٹیبل ان سے دور تھیں۔ گل جان نے ہاتھ بڑھا کر گلاس ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"اور سناؤ گل جان...... کیسی گزر رہی ہے؟ مجھے تو اسپتال میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا......"

"جی بی بی جان......" گل جان نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"گل جان......؟" مہر جان گویا کسی دھیان سے چونکیں۔

"جی بی بی جان؟"

"میں ابھی تم سے کیا کہہ رہی تھی...... پھر بھول گئی۔" مہر جان نے زور زور سے پیشانی پر انگلیاں ماریں جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

"آپ نے کچھ نہیں کہا...... آپ تو اب خاموش رہتی ہیں۔" گل جان نے انہیں جیسے یاد کرنے کی اذیت سے نجات دلانے کی کوشش کی۔

"ہاں...... یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا...... میں تو خاموش رہتی ہوں۔" مہر جان نے پھر کسی بچے کی طرح خوش ہو کر کہا جیسے گل جان نے کوئی نہایت ہی دلچسپ بات کی ہو...... گل جان اب اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بی بی جان آپ یہ ٹیبلیٹ کھالیں اور آرام کریں۔" گل جان نے خواب آور گولی چھوٹی سی شیشی سے نکالتے ہوئے کہا۔

"یہ سر درد کی ٹیبلیٹ ہے؟" مہر جان نے شیشی کی طرف دیکھا۔

"جی...... یہ سارے دردوں سے نجات دیتی ہے۔" وہ سوزِ دل کی تپش برداشت کرتے ہوئے جبراً مسکرائی۔

"گل جان!"

"جی بی بی جان؟"

"تمہیں کچھ یاد ہے میں کیا کہہ رہی تھی؟"

"آپ کہہ رہی تھیں مجھے سر درد کے لیے کوئی ٹیبلیٹ دو...... یہ لیں۔"

"وہ بابا بتا رہے تھے زمینوں پر لاکھے مزارعے کا قتل ہو گیا تھا اس کی بیوہ پاگل ہو گئی تھی، آگے کچھ پتا چلا؟" مہر جان اس سے ٹیبلیٹ لیتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"وہ بھی مر گئی...... سب مر گئے بس ہم زندہ ہیں اور پتا نہیں کیوں زندہ ہیں۔" گل جان کی برداشت جواب دے گئی تھی نہ جانے کیسے بلا ارادہ اس کے منہ سے یہ سب نکل گیا۔

"مر گئی......؟ اچھا ہوا مر گئی...... پاگل ہو کر زندہ رہنے کا کیا فائدہ......؟" مہر جان نے گولی منہ میں ڈالی اور گل جان کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر گولی یوں نگلی جیسے پنگ پانگ بال حلق میں پھنس گئی ہو۔

"اب آپ سو جائیں۔" گل جان نے خالی گلاس ان کے ہاتھ سے لیا۔

"ٹھیک ہے میں سو رہی ہوں، ٹوٹو آئے تو مجھے اٹھا دینا۔" مہر جان کسی تابعدار بچے کی طرح جلدی سے لیٹ گئیں۔

گل جان یوں تیزی سے کمرے سے نکلی جیسے خطرہ ہو مہر جان پھر اٹھ بیٹھیں گی۔

☆☆☆

آخر کار وہ شام آ ہی گئی جس کے آنے کے اندیشوں نے راتیں جگائی تھیں، شبینہ، ستارہ کو دلہن بنا رہی تھی۔ ستارہ یوں خاموشی سے دلہن بن رہی تھی گویا محبت کی شادی ہو رہی ہو...... تڑپ تڑپ کر ملن کی گھڑیاں آئی ہوں۔ شبینہ کو اس کی خاموشی سے سکون کے بجائے بے سکونی مل رہی تھی۔

"ستارہ یوں سمجھو تم نے اپنی ماں پر احسان کیا ہے۔ اب جہاں جا رہی ہو وہاں خوش رہنے کی کوشش کرنا۔" شبینہ درد کی ٹیسیں دباتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھی۔ "دونوں بڑے ماموں آئے ہیں۔ ابا جان نے محلے کے چار پانچ گھروں سے صرف مردوں کو انوائٹ کیا ہے۔"

''آپا کم از کم فائزہ کو ہی بلا لیتیں'' ستارہ نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن خود چڑھانا شروع کر دیے۔ وہ اتنے پُرسکون انداز میں بات کر رہی تھی کہ شبینہ اندیشوں کے طوفان میں گھرنے لگی۔

''ستارہ...... خدا کے لیے کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھنا۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''نہیں کروں گی آپا...... تم پریشان مت ہو...... اب تو سمجھو کشتیاں جلا کر اسپین میں اتری ہوں۔'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

''کیا مطلب......؟'' شبینہ پھر ڈر گئی۔

''مطلب بھی سمجھ آجائے گا...... مگر ڈرو نہیں، مجھے اپنی جان بہت پیاری ہے اگر کسی نے میری جان پر بنانے کی کوشش کی تو اس کی جان لے سکتی ہوں مگر اپنی جان نہیں دے سکتی...... کھل کر جینے کے لیے تو میں نے وارث علی کو قبول کرلیا ہے......'' وہ پھر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ اسی لمحے صابرہ شکستہ و نڈھال قدموں سے اندر آئی۔

''بیٹا نکاح کے لیے لوگ آرہے ہیں...... تم ایک طرف ہو جاؤ میں اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھتی ہوں۔'' صابرہ نے شبینہ سے کہا اور ستارہ کے قریب آکر بیٹھ گئی پھر آہستگی سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''اللہ تمہیں شاد و آباد رکھے۔ خدا کرے ہمارے سارے اندیشے غلط ہوں۔'' وہ کانپتے ہونٹوں سے دعا کر رہی تھی اور پھر نکاح خواں کے ساتھ جابر علی اندر آگیا۔ دو مہمان بحیثیت گواہ اس کے پیچھے، پیچھے آئے۔ صابرہ نے ڈوبتے دل کو سنبھالا اور ستارہ کا دوپٹا اس کی پیشانی سے آگے کھینچ دیا۔

''بسم اللہ کریں۔'' جابر علی سفید کلف دار شلوار قمیص میں ملبوس تھا مگر اس وقت انداز کلف زدہ نہیں تھا۔

نکاح خواہ نے فارم جو پہلے سے پُر تھا ستارہ کے سامنے کیا اور نکاح پڑھانے لگا۔

''مسماۃ ستارہ ناز بنت جابر علی آپ کو پانچ لاکھ روپے حق مہر سکہ رائج الوقت عندالطلب وارث علی بن حارث علی کے نکاح میں دیا جاتا ہے، کیا آپ کو قبول ہے؟''

''پانچ لاکھ روپے حق مہر......'' صابرہ نے چونک کر جابر علی کی طرف دیکھا...... وہ اس وقت دو دھاری تلوار پر سفر کر رہا تھا۔ نکاح خواں کے الفاظ کے ساتھ اس نے اضطراری انداز میں پہلو بدلا...... ایک قدم آگے بڑھا...... پھر واپس ہوا۔

پانچ لاکھ کا لفظ سن کر شبینہ بھی شاکڈ بیٹھی تھی۔

''بیٹی ذرا زور سے بولیں تاکہ گواہ سن لیں۔'' نکاح خواں نے ستارہ کی خاموشی سے اخذ کیا کہ شاید وہ آہستہ بولی ہے۔

''بیٹا...... بولو......'' صابرہ نے قیامت رگ رگ میں اترتی محسوس کی۔

''جی...... میں نے وارث علی کو قبول کرلیا ہے۔'' ستارہ کی دلہن والی آواز نہیں تھی جیسے وہ کسی کو بزنس میں جواب دے رہی تھی۔ نکاح خواں اور گواہان نے بھی شاید کسی دلہن کے منہ سے یہ انوکھے انداز کا جواب سنا تھا۔ اپنی اپنی جگہ سب دم بخود کھڑے تھے۔ جابر علی کے ماتھے کی شکنیں گہری ہوگئیں...... صابرہ کا دل کسی نادیدہ آہنی ہاتھ نے مٹھی میں دبایا...... شبینہ تو ہونق سی ہو کر بہن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نکاح خواں نے بہر حال خود کو از سرِ نو منظم کر کے مزید دو مرتبہ اپنے الفاظ دُہرائے اور ہر مرتبہ ستارہ نے بہت ہی واضح انداز میں جواب دیا۔ اب کمرے میں مبارک باد کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ گواہان باری باری جابر علی کو گلے لگا رہے تھے۔

(جاری ہے)

امانت

رفعت سراج

قسط 11

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے. اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں.

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُر درد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ مہر جان، رابی کی شادی سہراب خان سے طے کرتی ہیں جو عمر میں رابی سے کافی بڑا ہے۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ سب انسپکٹر جابر علی نے ہمیشہ رزقِ حلال کی کمائی سے اپنے گھر کو چلایا اس کی بیوی صابرہ، بیٹا برہان اور بیٹیاں شبینہ اور ستارہ اسی کمائی میں گزارہ کر رہے تھے۔ ایس پی شیر زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو نا قابلِ قبول ہوتا ہے۔ مہر جان کو کمرے میں بے ہوش دیکھ کر گل جان، اصیل خان کے ساتھ انہیں اسپتال لے کر جاتی ہے، جابر علی، برہان کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تو برہان گھر سے چلا جاتا ہے۔ رابی گھر چھوڑ کر مری چلی جاتی ہے۔ مہر جان کا آپریشن ہو گیا لیکن انہیں ہوش نہیں آتا تو گل جان بہت پریشان ہوتی ہے لیکن نرس اسے تسلی دیتی ہے۔ برہان اخبار میں اشتہار دیکھ کر شاہ عالم کے پاس انٹرویو کے لیے جاتا ہے اور وہ اسے کائناز کو پڑھانے کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ اصیل خان ماضی کے دنوں میں اپنے اور مہر جان کے گزرے یادگار لمحات میں گم ہوتا ہے کہ گل جان اسے مہر جان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دیتی ہے۔ اصیل خان، گل جان کو بتاتا ہے کہ پولیس رابی کو کراچی لے کر آ رہی ہے۔ برہان اپنا موبائل شاہ عالم کے گھر بھول جاتا ہے۔ صابرہ، برہان کو فون کرتی ہے تو اس کی بات کائناز سے ہوتی ہے۔ صابرہ فون پر بات کر رہی تھی کہ جابر علی اٹھ جاتا ہے اور وہ صابرہ پر چیختا ہے۔ گل جان، مہر جان کے پاس اسپتال میں ہوتی ہے تو اصیل خان فون پر بتاتا ہے کہ پولیس رابی کو مری سے گرفتار کر کے لے آئی ہے اب اسے گھر لاتا ہے۔ وارث علی اور ایس پی شاہ زمان اپنی فتح اور کامرانی پر خوش ہوتے ہیں۔ مہر جان فون پر اصیل خان کو کہتی ہے کہ رابی کو پہلے اسپتال لے کر آئے۔ فائزہ، احمر کے ساتھ شبینہ سے ملنے آتی ہے تو اس کے جانے سے پہلے ہی جابر علی آ جاتا ہے اور وہ اس کے آنے پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ مہر جان، سہراب خان کو فون کرتی ہے کہ نکاح ہر صورت میں آج ہی کرنا ہے۔ شبینہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پا رہی تھی کہ ستارہ کو بتا دے کہ شادی اس کی نہیں بلکہ ستارہ کی ہو رہی ہے۔ گل جان نے روما کو بتایا کہ رابی کی شادی ہو رہی ہے تو روما بھی پریشان ہو گئی۔ رابی اپنا کمرا بند کر کے بیٹھی تھی یہ بات گل جان کے لیے باعث تشویش تھی۔ برہان، شاہ عالم کے ہاں پہنچا تو اسے پتا چلا کہ وہ اپنا موبائل وہاں بھول گیا تھا۔ روما، گل جان سے پوچھتی ہے کہ وہ کائناز کو شادی میں بلا لے تو گل جان منع کر دیتی ہے۔ کائناز بخار کی شدت سے نڈھال تھی وہ دل بہلانے کے لیے روما کو فون کرتی ہے تو کوئی فون ریسیو نہیں کرتا۔ گل جان، رابی کو مہر جان کی دی ہوئی ساڑی دیتی ہے کہ وہ تیار ہو جائے۔ رابی نے ساڑی پہن کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اور پھر بے ترتیبی سے اپنے بال کاٹ لیے اس کے بعد اس نے تیزاب میں روئی بھگو کر اس سے اپنے چہرے پر لائنیں کھینچنا شروع کر دیں۔ اندر کی جلن نے ہر تکلیف کے احساس کو ختم کر دیا تھا۔ کائناز کہتی ہے تو شاہ عالم اسے روما کے گھر لے جاتا ہے۔ صابرہ کی برہان سے بات ہوتی ہے تو وہ کائناز کے بارے میں پوچھتی ہے۔ کائناز اور شاہ عالم، مہر جان کے گھر پہنچتے ہیں تو انہیں پتا چلتا ہے کہ رابی کی شادی ہو رہی ہے۔ رابی اپنے کمرے کا دروازہ نہیں کھول رہی تھی تو مہر جان سمجھیں کہ اس نے بالآخر اپنا کام تمام کر لیا لیکن سب کے بہت کہنے پر اس نے دروازہ کھولا تو سب اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مہر جان، اصیل خان سے کہتی ہے کہ وہ رابی کو یہاں سے کہیں بھی لے جائے کیونکہ رابی نے ان کو شکست دی ہے اور انہیں سر جھکا کر جینا نہیں آتا۔ سہراب خان رابی کی شکل دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان ایک بار پھر آئی سی یو میں داخل ہو گئی تھیں۔ رابی کو شاہ عالم ڈاکٹر کی تجویز کردہ ادویات دیتے ہیں تاکہ وہ آرام محسوس کرے۔ شائستہ بیگم اور فائزہ شبینہ کے گھر آتی ہیں تو وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے شائستہ بیگم کو اس خبر سے تسلی ہوتی ہے کہ شبینہ کی شادی ہو رہی ہے لیکن صابرہ، ستارہ کی اس بات کی نفی کرتی ہے۔ شبینہ، صابرہ سے کہتی ہے کہ وہ ستارہ کو بتا دے کہ شادی اسی کی ہو رہی ہے۔ صابرہ بالآخر ستارہ کو بتاتی ہے کہ شادی اس کی ہو رہی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے کہ گل جان کو پتا چلتا کہ... ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کر رہا ہے اور وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ روما، رابی اور کائناز کو گل جان کے بارے میں بتاتی ہے۔ ستارہ کا وارث علی سے نکاح ہو جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیں

بیٹی کو رخصت کرنے کی قیامت خیز گھڑی بالآخر آ گئی تھی۔ صابرہ، ستارہ کو سینے سے لپٹائے کھڑی تھی۔
اس وقت کمرے میں ستارہ، صابرہ اور شبینہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

"اس وقت تم نے اپنی ماں پر جو احسان کیا ہے وہ ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ ہو سکے تو ماں کی مجبوریاں سمجھنے کی کوشش کرنا اور معاف کر دینا۔" بولتے بولتے صابرہ سسک پڑی۔

"کوئی بات نہیں امی، عزت تو بچ گئی مگر آپ کی بیٹی بک گئی۔" ستارہ نے بالکل سپاٹ لہجے میں ماں کو جواب دیا تھا۔ شبینہ جو چپ چپ کھڑی تھی تڑپ کر رہ گئی اس نے بے اختیار ستارہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"ایسے مت بولو ستارہ...... چار عزت دار لوگوں کے سامنے تمہارا نکاح ہوا ہے۔" صابرہ نے سسکتے ہوئے کہا اور ستارہ کو زور سے بھینچا۔

"امی آپ کی خاطر یہ سب کچھ کر تو لیا ہے مگر اب آپ میری ایک بات سن لیجیے۔" ستارہ اسی طرح بے تاثر، سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

"بولو بیٹا...... ماں صدقے، ماں واری......" صابرہ نے بے قرار ہو کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"آج میں اس گھر سے رخصت ہو رہی ہوں...... ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے۔" ستارہ کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ صابرہ رونا بھول کر بیٹی کی شکل دیکھنے لگی۔ شبینہ کی بھی سانسیں رکنے لگیں۔

"ہمیشہ ہمیشہ کے لیے......؟" شبینہ نے حق دق ہو کر ستارہ کی طرف دیکھا۔

"آج کے بعد میں کبھی اس گھر میں نہیں آؤں گی۔ کبھی بھول کر بھی قدم نہیں رکھوں گی۔ فرض کریں مجھ پر کبھی بہت برا وقت آیا اور مجھے اُس گھر سے بھی نکال دیا گیا...... تب بھی میں یہاں نہیں آؤں گی۔ ابا جان کی زیادتیوں کا یہ جواب عمر بھر کے لیے ہے۔"

"نہیں، نہیں...... ایسا مت بولو بیٹا...... اللہ تمہیں اُس گھر میں ہر طرح کی خوشیاں دے، پھلو پھولو...... شاد و آباد رہو...... یہ تو تم اپنی ماں کو سزا دو گی...... کسی اور کو نہیں......" صابرہ بری طرح روتے ہوئے بولی۔

اسی وقت جابر علی کی آواز آئی۔

"ارے بھئی ستارہ کو لے کر آ جاؤ...... انتظار ہو رہا ہے۔" یہ سنتے ہی صابرہ نے پھر بیٹی کو سینے سے لگا کر زور سے بھینچا۔

"اچھا آپا...... خدا حافظ...... ابا جان اجازت دیں تو کبھی کبھی ملنے آ جایا کرنا......" ستارہ نے شبینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا، شبینہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بے قراری سے چوم لیا...... آنسو ایک تواتر سے گالوں پر پھسل رہے تھے جبکہ ستارہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی کا بھی شائبہ نہ تھا۔

اسی وقت جابر علی اندر آ گیا تھا۔ شبینہ تو باپ کو دیکھتے ہی دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور جلدی جلدی ہتھیلیوں سے آنسو پونچھنے لگی۔

"ارے بھئی دیر ہو رہی ہے، بند کرو یہ رونا دھونا......" وہ اپنے مخصوص خشک انداز میں گویا ہوا۔

صابرہ نے طوفان سینے میں دبا کر سر پر آنچل درست کیا اور ستارہ کو لے کر باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ شبینہ کی آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی وہ اپنی جگہ سنگِ میل کی طرح گڑی تھی۔ جبکہ ستارہ کے چلنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی ضروری کام سے گھر سے باہر جا رہی ہو...... اسے ساتھ لے کر چلتی ہوئی صابرہ خود کو گھسیٹ رہی تھی۔ جابر علی پہلے ہی وہاں سے جا چکا تھا۔

باہر وارث علی اپنی ذاتی لگژری کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اپنی دلہن کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

جابر علی نے ستارہ کی طرف دیکھا اور میکانکی انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''بہت اچھا گھر ملا ہے تمہیں...... یاد کرو گی باپ کو...... خاندان میں آج تک کسی لڑکی کی شادی اتنے بڑے رئیس سے نہیں ہوئی...... بہت نیک، نمازی، پرہیزگار بندہ ہے...... تمہارا بہت خیال رکھے گا۔'' وہ خلافِ معمول بہت آہستہ، دبے ہوئے لہجے میں بیٹی سے ہمکلام تھا۔ ستارہ نے صرف ایک لمحے کے لیے نظر اٹھا کر باپ کی طرف دیکھا...... اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک تھی۔

''بہت شکریہ ابا جان......''

شاید ہی کسی دلہن نے بوقتِ رخصت باپ سے اس طرح کلام کیا ہوگا۔ شادی کرنے پر باپ کا شکریہ ادا کیا ہوگا...... اس نے ایک لمحے کے لیے تو جیسے جابر علی کو بھی گڑبڑا کر رکھ دیا تھا کہ وہ مزید کچھ کہنے کے لائق ہی نہیں رہا...... بس ہاتھ بڑھا کر ستارہ کو کندھوں سے تھام لیا...... اور اسے لے کر گیٹ کی طرف چلا۔ صابرہ کو اب جنبش محال تھی۔

☆☆☆

مہر جان ٹرنکولائزر کے زیرِ اثر گہری نیند سوئیں تو گل جان کے دل میں رابی کو دیکھنے کی تڑپ جاگی۔ وہ بے اختیار سی ہو کر شاہ عالم کے گھر چلی آئی ابھی وہ شاہ عالم کے گھر کے لاؤنج سے باہر ہی تھی کہ اس نے رابی کی آواز سنی...... وہ آگے بڑھنے کے بجائے رک گئی۔

''میں نے آپ کی ہر بات ماننے کا وعدہ کیا ہے دادا جان...... مگر آپ بھی مجھ سے ایک وعدہ کریں۔''

''بولو بیٹا...... ماننے والی بات ہوئی تو بغیر وعدہ کیے بھی مان لوں گا۔''

''آپ کبھی مجھے ڈاکٹر صاحبہ کے گھر جانے کے لیے نہیں کہیں گے۔'' رابی کے لہجے میں اتنی نفرت تھی کہ گل جان کو جھرجھری سی آگئی۔

''بیٹا...... وہ گھر آپ کا بھی تو ہے۔'' شاہ عالم نے بڑی شفقت سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہوم سویٹ ہوم......؟'' رابی کی طنزیہ آواز گل جان کی سماعت سے ٹکرائی۔

''گھر اور مکان میں جو فرق ہے دادا جان وہ آپ مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ زمین یا مکان خریدتے ہیں، گھر بناتے ہیں، مجھے یاد نہیں کہ اس کوٹھی کو میں نے کبھی سویٹ ہوم فیل کیا ہو......'' بولتے بولتے رابی کی آواز پر آنسو غالب آگئے۔ گل جان تڑپ کر اندر داخل ہوگئی۔

''السلام علیکم...... شاہ صاحب......'' اس نے بہت مؤدبانہ شاہ عالم کو سلام کیا...... جو اس پر نظر پڑتے ہی کھڑے ہوگئے تھے۔

''دیکھا...... آپ کی خالہ کو آپ سے کتنا پیار ہے خود آپ سے ملنے آگئیں۔''

''وہ ماں نہیں ہیں، یہ خالہ نہیں ہیں جو ظالم کو سپورٹ کرتا ہے وہ بھی ظالم ہی ہوتا ہے۔'' رابی، گل جان کو نہایت نفرت سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

عموماً ایسا ہوتا ہے جب جسمانی تکلیف انتہا کو چھوتی ہے تو روح کے زخم بھی تازہ ہو جاتے ہیں۔ تکلیف، بے بسی کی کیفیت میں دفن شدہ ناگوار و تلخ واقعات ذہن کی اسکرین پر اتنے واضح ہو کر چمکتے ہیں جیسے فلم کا نیا فیتہ جو پریمیئر کے لیے پیش کیا جاتا ہے...... صاف، شفاف، ہر رنگ نمایاں، ہر منظر جاندار......

رابی کے چہرے کے زخموں سے جتنی آنچ آتی تھی اتنا ہی ماضی کا ہر منظر پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا تھا...... اس لیے کہ ان زخموں کی بنیاد ماضی کے مرتب تلخ واقعات و یادیں تھیں۔

لوہے کو کاٹنے کے لیے ایک خاص طے شدہ نشان پر مسلسل ضربیں لگائی جاتی ہیں...... مگر کام تو وہ آخری ضرب کرتی ہے جس کا اندازہ خود ضرب لگانے والے کو بھی نہیں ہوتا کہ یہی آخری ضرب ہوگی۔

گل جان، رابی کی زہر آلود نظروں کو سہتی خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

''میں تو خود یہی کہنے آئی تھی کہ رابی کو فی الحال یہیں رہنا چاہیے۔ ویسے تو اب اُن کی پہچاننے کی حس بالکل ختم ہو چکی ہے مگر احتیاط ضروری ہے۔''

''اوہو...... اچھا...... اس کا مطلب ہے معاملہ بہت سیریس ہے، بہت افسوس ہوا سن کر...... اس کا مطلب ہے لمبا ٹریٹ منٹ چلے گا!'' شاہ عالم کو تو یہ سن کر جیسے دلی صدمہ ہوا۔

''ڈاکٹرز کیا وجہ بتا رہے ہیں؟'' وہ سابقہ موضوع سے یکسر ہٹ کر بڑی فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔ رابی بھی اب اپنی بات بھول کر گل جان کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ ان کے دماغ کے اندر کوئی چوٹ آئی ہے اور ٹشوز dead ہونے کی وجہ سے انہیں dementia ہو گیا ہے۔'' گل جان ذہن پر زور ڈال، ڈال کر یوں بتا رہی تھی جیسے کوئی سبق یاد کرنے کے بعد سنا رہی ہو۔

''یہ کیا بیماری ہوتی ہے بھئی؟'' شاہ عالم حیران ہو کر پوچھ رہے تھے۔

''یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے...... جسے یہ بیماری ہوتی ہے اس کا ذہن آگے کی طرف دیکھنا، سوچنا چھوڑ دیتا ہے، سب کچھ بھول جاتا ہے اسے پچھلی باتیں یاد رہتی ہیں۔'' گل جان کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ رابی بھی اب جیسے اپنے زخموں کی تکلیف بھول چکی تھی۔ ایک ٹک گل جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا ڈاکٹر صاحبہ کہیں گر گئی تھیں؟'' شاہ عالم کے لہجے میں بلا کی ہمدردی تھی۔ بڑی دل گرفتگی سے پوچھ رہے تھے۔

''جب میں اُن کے کمرے میں گئی تھی تو وہ بے ہوش تھیں۔ دیکھنے سے تو یہی محسوس ہوا تھا کہ گرنے کے بعد بے ہوش ہوئی تھیں۔''

''یا اللہ رحم......!'' ان کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''شاہ صاحب...... میری بہن نے اتنی موٹی موٹی کتابیں پڑھیں...... دو سال لندن میں پڑھائی کی...... مگر اب اُن کا دماغ بالکل خالی برتن ہے۔'' گل جان نے اتنا کہا اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔

''حوصلہ کریں گل جان بی بی...... اس بیماری کا علاج تو ہوگا ناں...... جب اس بیماری کا نام طے ہو چکا تو اس کی دوا بھی ملتی ہوگی۔'' شاہ عالم نے گل جان کی گویا ہمت بندھانے کی اخلاقی ذمے داری نبھائی۔

''شاہ صاحب میں ان کا علاج کیوں کراؤں......؟ یہ بیماری تو اُن کے لیے اللہ کا انعام ہے، اپنی زندگی ہی میں دکھ کے احساس سے فارغ ہو گئیں۔'' گل جان نے برجستہ و بے ساختہ انداز میں کہا تو شاہ عالم دم بخود ہو کر اس کی طرف یوں دیکھنے لگے جیسے انہیں گل جان کی ذہنی صحت پر بھی شبہ ہو۔

''ارے نہیں...... یوں نہ کہیں مریض کا علاج معالجہ کرانا لواحقین کی اخلاقی ذمے داری ہوتی ہے بلکہ فرض ہوتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے وسائل بھی موجود ہیں تو کیوں نہ علاج کرایا جائے؟'' شاہ صاحب کی نرم طبع گل جان

کے جواب سے بوجھل ہوگئی۔

”شاہ صاحب قدرت نے خود ہی اُن کا علاج کر دیا..... اب وہ اتنی خوش اور پُرسکون ہیں کہ میری اپنی زندگی میں سکون آگیا ہے۔ میں اپنی بہن کی مسکراہٹ کو ترس گئی تھی اب وہ بات، بات پر ہنستی ہیں تو اتنی اچھی لگتی ہیں کہ میں دیکھتی رہ جاتی ہوں۔“ گل جان کے لہجے میں دکھ اُبل رہے تھے اور وہ اپنے پُرسکون ہونے کا ڈھنڈورا پیٹ رہی تھی۔

شاہ عالم دم بخود سے نظریں نیچی کیے گل جان کی گل فشانیاں سن رہے تھے۔ رابی بھی چند لمحے کے لیے سب کچھ بھول بیٹھی تھی۔

”وہ..... بچیوں کے بارے میں بھی کوئی بات ہوئی..... میرا مطلب ہے ڈاکٹر صاحبہ اپنی اولاد کو تو نہیں بھولی ہوں گی.....؟“ وہ کچھ دیر بعد گلا کھنکھار کر بولے۔

گل جان کے ہونٹوں پر اداسی کا تاثر پھیلاتی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”اُن کی تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی..... ہمارے علاقے کے ڈی سی حشمت یار خان کی بیٹی ٹوٹو سے بی بی جان کی بہت دوستی تھی فی الحال تو انہیں ٹوٹو یاد آرہی ہے۔“

”ٹوٹو..... یہ کیا نام ہے؟“ رابی نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

”بیٹا نام تو اس کا شمس النسا تھا مگر وہ باہر پڑھی تھی ناں تو اسے یہ نام پرانے زمانے کا لگتا تھا۔ اپنی جنت مکانی دادی کو برا بھلا کہتی تھی جنہوں نے آؤٹ آف فیشن نام رکھا تھا۔ کپڑے بھی لڑکوں والے پہنتی تھی۔ بی بی جان کی سب سے زیادہ اسی سے دوستی تھی۔“

”اوہ میرے مالک..... رحم کرنا ہم سب پر.....“ شاہ عالم تڑپ کر رہ گئے۔ بے اختیار اُن کے منہ سے نکلا تھا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ کو تو یہ بھی یاد نہیں ہوگا کہ ان کے ظلم کی وجہ سے کتنی زندگیاں برباد ہوگئیں.....“ رابی کے انداز میں مایوسی اور غم و غصے کا تاثر غالب تھا۔

”بری بات ہے بیٹا..... کچھ بھی سہی..... ماں ہیں، اس وقت آپ سب کی ہمدردی کی مستحق ہیں۔“ شاہ عالم کی نرم طبع رابی کے بے رحم الفاظ کی تاب نہ لا پائی..... سو فوراً ٹوک دیا اور نرم لہجے میں کہنے لگے۔

”ہاں بیٹا..... ہر انسان اپنے کیے پر جواب دہ ہے۔ جو اچھا کرتا ہے تو اپنے لیے ہی اچھا کرتا ہے۔ برائی کرنے کا عذاب بھی خود ہی برداشت کرتا ہے۔“

”تم فی الحال شاہ صاحب کے پاس رہ کر اپنا علاج کراؤ..... کسی کا نہیں صرف اپنا خیال کرو..... اب میں چلوں گی صبح پھر آجاؤں گی۔“ پھر گل جان شاہ عالم کی طرف مڑی۔

”شاہ صاحب آپ اجازت دیں تو روما بھی چند دن یہاں بہن کے پاس رہ جائے؟“

”سر آنکھوں پر گل جان بی بی..... یہ بھی میری بچیاں ہیں..... کائنات تو یہ سن کر خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔ لاکھ مرتبہ آپ کا شکریہ ادا کرے گی۔ بچیوں کی طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ان کا خیال رکھنا میری ذمے داری ہے۔ آپ بس ڈاکٹر صاحبہ کی دیکھ بھال کریں۔ اللہ انہیں شفا دے، آمین۔“ گل جان چادر سر پر ٹکاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آپ کا احسان میں اتار سکتی ہوں نہ بھول سکتی ہوں۔“ اس کے لہجے میں جذبۂ تشکر کسی مغنی کے بیٹھے سُر

کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

صابرہ، شبینہ کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ شبینہ ماں کی طرف بڑی دل گرفتہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”امی بس کریں ناں، یہ لیں پانی پی لیں۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس صابرہ کی طرف بڑھایا۔

”بیٹا کیا کروں دل پر قابو نہیں ہے، دیکھتے ہی دیکھتے دو بچے آنکھوں سے دور ہو گئے، ہائے میرے کالے نصیب۔“

”امی بس بھی کریں، کہیں ابا جان نہ سن لیں پھر ایک نیا ہنگامہ شروع ہو جائے گا۔ اچھا یہ پانی تو پی لیں۔“ شبینہ ماں کے برابر میں بیٹھ کر اسے بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

”مجھے اب کسی کی پروا نہیں شبینہ..... میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ میرے دکھ کو تم نہیں سمجھ سکتیں۔ اللہ تمہیں خوشیاں دکھائے، اپنے گھر بار کا کرے۔ جب تم خود ماں بنو گی تو ماں کے دکھ کو سمجھو گی۔“ صابرہ اسی طرح بلک بلک کر روتے ہوئے بولی تھی۔

شبینہ پانی کا گلاس اس کے سامنے کیے ہوئے ششدر سی بیٹھی تھی۔ چند لمحے ماں کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھیں بھی ڈبڈبا گئیں۔

”امی آپ کے صرف دو ہی بچے ہیں، میں کیا آپ کی بیٹی نہیں ہوں، میری طرف تو دیکھیں۔“ بولتے بولتے اس کی آواز پر آنسو غالب آگئے۔

”بیٹا اب نہیں سہا جاتا..... ہمت جواب دے گئی ہے میری۔“

وہ پہلے سے زیادہ سسکنے لگی۔

”امی آخر آپ کو ایک نہ ایک دن ستارہ کی شادی تو کرنا ہی تھی۔ وہ اسی شہر میں ہے، ملک سے باہر تو نہیں چلی گئی اور ابا جان نے آپ پر کوئی پابندی تو نہیں لگائی۔ آپ اس سے مل سکتی ہیں پھر کیوں رو رہی ہیں؟“ شبینہ، ماں کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر بہت ہمدردی اور پیار سے کہہ رہی تھی۔

”وہ تو سمجھو ہمیشہ کے لیے ہم سے دور ہوگئی شبینہ..... کہہ کر تو گئی ہے اب کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی۔“ صابرہ روتے ہوئے بولی۔

”امی وہ کہہ کر گئی ہے کہ نہیں آئے گی۔ اس نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ بھی اس سے ملنے نہ آئیں۔ آپ تو جا سکتی ہیں ناں.....“

”لیکن..... لیکن میں اس کے پاس ہر وقت تو منہ اٹھا کر نہیں جا سکتی۔ شادی شدہ بیٹی کا ماں انتظار کرتی ہے۔ خاص طور پر خوشی کے دنوں میں..... عید، تہوار پر..... میری بیٹی کے دل پر کیا بیتے گی۔ جب وہ اکیلے عید منایا کرے گی اور میرا تمہارا انتظار کرے گی۔“ صابرہ آنسو پونچھتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

”امی اس نے کہا ہے ناں..... ابھی وقت ہی ایسا تھا اور اس کی تو عادت ہے جو اس کے دل میں آتا ہے کہہ دیتی ہے۔ کچھ دن گزریں گے تو اس کا خود دل چاہے گا آپ سے ملنے کے لیے۔ وہ خود منع کر کے گئی ہے۔ ابا جان نے تو اسے نہیں کہا ناں کہ یہاں نہ آئے.....“ شبینہ پھر دلائل کے ساتھ ماں کو سمجھانے لگی۔

”نہیں بیٹا، وہ بھی جابر علی کی بیٹی ہے جو کہے گی کر کے دکھائے گی۔ خون کا اثر تو ہوتا ہے ناں اسی کو تو

شجرۂ نسب کہتے ہیں۔ انسان اپنے شجرے سے پہچانا جاتا ہے۔ جیسے درخت اپنے پھل سے۔'' صابرہ سسک رہی تھی۔

''امی، ابا جان مرد ہیں اور ستارہ لڑکی...... مردوں کی تو عادت ہوتی ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کر کے بھی دکھاتے ہیں لیکن ستارہ میں ابا جان جتنی ہمت نہیں ہوگی...... وہ ہار مان لے گی۔ جس دن اسے آپ کی یاد بہت ستائے گی۔ خود آجائے گی آپ کے پاس۔ پلیز اب آپ مت روئیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ اگر ابا جان نے دیکھ لیا تو...... امی میرا تو خیال کریں ناں۔''

صابرہ نے ایک دم شبینہ کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور بہت پیار سے اس کی پیشانی چومی۔

''اچھا میری بیٹی...... اچھا...... ہاں تو، تو میری بہت نیک بچی ہے، تیرا تو خیال کرنا چاہیے۔ مجھے معاف کر دے بیٹا۔ پاگل ہوگئی ہے تیری ماں۔'' یہ کہہ کر صابرہ نے شبینہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے بیٹی کو سینے سے لگا کر کلیجے میں ٹھنڈک سی پڑ گئی ہو۔

☆☆☆

''خالہ جانی میں کب تک اماں جان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ کب تک آپ مجھے چھپاتی رہیں گی ان سے...... اور کیوں چھپا رہی ہیں......؟'' روما، گل جان کے کمرے میں تھی۔ اس کے زانو پر سر رکھے بہت الجھی الجھی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔ گل جان کے سینے پر ایک برچھی سی لگی تھی۔ اس نے جھک کر روما کی پیشانی چوم لی۔

''بیٹا بس میں اُن کے سوالوں سے تنگ آجاتی ہوں۔ مم...... میرے دل پر چوٹ پڑتی ہے، جب وہ مجھ سے پوچھتی ہیں کہ یہ لڑکی کون ہے۔'' گل جان کو یہی ایک جواب سوجھا تھا۔

''لیکن خالہ جانی...... اماں جان ٹھیک تو ہو جائیں گی ناں...... آج کل تو ہر بیماری کا علاج ہو جاتا ہے۔ آپ...... آپ کسی اچھے سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں ناں......''

گل جان نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر روما کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے لگتا تھا جیسے اس کے کچھ پرانے زخم ہرے ہوگئے ہوں۔ یہ مشکل گویا ہوئی تھی۔

''بیٹا میں تمہاری اماں جان کا علاج نہیں کرانا چاہتی۔'' یہ سن کر تو روما حیرت سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور آنکھیں پھاڑ کر گل جان کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا کہہ رہی ہیں خالہ جان؟''

''ہاں بیٹا...... اگر مجھے علاج کرانا ہوتا تو میں انہیں گھر کیوں لے کر آتی۔ کسی نفسیاتی اسپتال میں لے جاتی...... مگر میں اُن کا علاج نہیں کرانا چاہتی۔ اس لیے آئندہ تم مجھے ان کا علاج کرانے کے لیے مت کہنا۔''

روما حیران حیران آنکھیں پھاڑے گل جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں خالہ جانی آپ......؟ کیوں...... کیوں نہیں علاج کرائیں گی آپ اماں جان کا...... کیا وہ اب ایسے ہی رہیں گی؟''

''ہاں ایسے ہی رہیں گی۔'' گل جان نے فوراً ہی روما کی بات کاٹ دی تھی۔

''لیکن...... لیکن اس طرح سے کیسے رہیں گی۔ کب تک رہیں گی۔'' روما کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اٹک اٹک کر پوچھنے لگی۔

''تمہاری ماں زندگی میں ہی جنت میں آکر بیٹھ گئی ہے۔ پہلے یہ گھر ایک جہنم تھا اور اب یہی گھر تمہاری ماں کے لیے جنت بن چکا ہے۔ تم کیوں چاہتی ہو کہ وہ آخری سانس تک تڑپ، تڑپ کر جیتی رہے۔ وہ ہنس رہی ہیں، مسکرا رہی ہیں۔ کیا تمہیں اچھا نہیں لگ رہا۔'' گل جان ایک خواب کی سی کیفیت میں بولتی جا رہی تھی اور روما اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔

''خالہ جانی آپ اچھا لگنے کی بات کر رہی ہیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ جب اماں جان زور زور سے ہنستی ہیں تو خوف سے میری بری حالت ہو جاتی ہے۔''

''خالہ کی جان میں اتنا ہی کرسکتی ہوں کہ تمہیں بھی کچھ دنوں کے لیے رابی کے پاس چھوڑ دوں۔ تم دونوں کائناز کے ساتھ رہو۔ جب تمہیں محسوس ہو کہ یہاں آجانا چاہیے تو چلی آنا۔ یہ تمہارا گھر ہے تمہیں یہاں آنے سے کوئی روکے گا نہ پابندی لگائے گا لیکن تم اب مجھے بی بی جان کا علاج کرانے کے لیے مت کہنا اور یہ بات اپنے ذہن میں ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے بٹھالو۔ بی بی جان اب ایسے ہی رہیں گی۔ کوئی مجھے کتنا ہی کہے میں اُن کا علاج نہیں کراؤں گی۔ ہاں اگر میں مر جاؤں تو پھر تم لوگوں کی مرضی...... جہاں مرضی اُن کا علاج کرانا...... مگر میں اب اپنی بہن کی خوشیوں کو ملیا میٹ نہیں کروں گی۔ وہ خوش ہیں، مجھے بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' گل جان بول رہی تھی اور روما اس کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسے اندیشہ ہو کہ گل جان کا ذہنی توازن بگڑ رہا ہے۔

''جاؤ تم اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ کل میں تمہیں کائناز کے پاس چھوڑ آؤں گی۔ تمہیں تو ویسے بھی کائناز کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے۔ شاید اللہ نے تمہاری سن لی...... جاؤ بیٹا اب جا کر سو جاؤ...... میں بھی بیس سال سے جاگ رہی ہوں۔ اب تو اللہ، اللہ کر کے مجھے نیند آنے لگی ہے۔ جاؤ بیٹا...... جاؤ...... جا کر سو جاؤ۔ دیکھو تو سہی اب اس گھر میں کتنا سکون ہے اور تمہیں پتا ہے کہ سکون کس لیے ہے کہ تمہاری ماں کو جہنم سے نجات مل گئی ہے۔ تمہاری ماں اب ہنسنے بولنے لگی ہے۔ تمہاری ماں کا غصہ ختم ہو گیا ہے۔''

''خالہ جانی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' روما خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''اور مجھے سارے ڈر و خوف سے نجات مل چکی ہے۔ بیٹا اپنی خالہ پر رحم کرو، کیوں میری نیند خراب کر رہی ہو۔ تمہیں تو میرا احساس کرنا چاہیے۔ خالہ سارا دن مصروف رہی ہے۔ تمہاری ماں کی دیکھ بھال کرتی ہے، جاؤ بیٹا...... خدا کے لیے...... مجھے بھی تھوڑی دیر سکون کی نیند سونے دو۔'' گل جان کا لہجہ دیکھتے ہی دیکھتے اجنبی لگنے لگا تھا۔ یوں جیسے روما سے اس کا کوئی رشتہ نہ ہو۔ وہ ایک ایسی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی کہ اس دنیا تک کا سفر کرنا روما کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے پر اس ماورائی دنیا تک اڑان بھرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔

☆☆☆

ستارہ کے انداز میں کسی یونیورسٹی کے وائس چانسلر جیسا اعتماد تھا۔ کوئی جھجک یا گھبراہٹ جو پہلی بار اپنے دولہا سے تنہائی میں ملنے والی دلہن کے چہرے پر نظر آتی ہے۔ اس کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ وہ وارث علی کے سامنے یوں بیٹھی تھی جیسے کوئی اپنی شرائط پر بات چیت کرنے بیٹھتا ہو۔

وارث علی کو اتنی کم عمر لڑکی کے یہ انداز چونکا رہے تھے...... ستارہ کے اعتماد نے تو وہ سب کچھ بھلا دیا تھا جو وہ اس سے کہنا چاہتا تھا۔ ستارہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بڑے آرام سے بیٹھی تھی اور جیسے وارث علی کی لب کشائی کا انتظار کر رہی تھی۔

وارث علی جو ایک نمبر کا شاطر تھا۔ اس کم عمر لڑکی کے اعتماد نے اسے ایک لمحے کے لیے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ ستارہ کی آنکھوں میں اس جرنیل کی سی خود اعتمادی اور شدت تھی جو آخری معرکہ لڑنے کے لیے میدان میں اترتا ہے۔

"بندہ حُسنِ معصوم کے حضور آداب بجالاتا ہے۔" آخر کار وارث علی الفاظ موزوں کر کے ہمکلام ہوا۔ ستارہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے ایسے دیکھنے کے انداز سے ہی وارث علی گڑبڑا رہا تھا۔ ستارہ نے اس کا آداب یوں سنا جیسے اپنا حق وصول کر رہی ہو مگر خاموش رہی۔

"آپ بات نہیں کرتیں...... میں آپ کی آواز سننے کے لیے بے تاب ہو رہا ہوں۔ وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے ناں...... کہ میں تیرا حسن ترے حسنِ بیاں تک دیکھوں...... کچھ تو بولیے...... حالانکہ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کی آواز بھی بہت خوب صورت ہوگی۔"

ستارہ نے اسی طرح بڑے اعتماد سے وارث علی کی آنکھوں میں دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"پہلی رات کی دلہن بہت خوب صورت ہوتی ہے، اس کی آواز بھی بہت خوب صورت ہوتی ہے، اس کی ہنسی بھی بہت پیاری ہوتی ہے۔ اس میں کوئی عیب ہی نہیں ہوتا، سر سے لے کر پاؤں تک وہ حسن کا شاہکار ہوتی ہے۔ پھر چند دن گزرنے کے بعد پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے۔ دنیا کی بدصورت ترین عورت، بھیانک آواز رکھنے والی عورت...... ڈراؤنی باتیں کرنے والی عورت...... ایک بیوی ہی تو ہوتی ہے۔" وارث علی ستارہ کی یہ بات سن کر بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا اور حیرت آمیز خوشی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ارے واہ...... آپ تو بات بھی کمال کرتی ہیں...... واقعی کسی پولیس افسر کی بیٹی دکھائی دے رہی ہیں۔"

"تو پہلے کیا آپ کو شک تھا کہ میں پولیس افسر کی بیٹی نہیں ہوں؟ یوں تو آپ میری انسلٹ کر رہے ہیں۔"

وارث علی تو یہ سن کر گھبرا گیا۔ جیسے ہاتھوں کے طوطے ہی اڑ گئے۔ درحقیقت اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی کم عمر دلہن اس کے ساتھ یوں ترکی بہ ترکی مکالمہ کرے گی۔

ستارہ نے وارث علی کی حواس باختگی دیکھی تو بہت لطف اندوز ہوئی پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ جیسے اسے وارث علی سے بات کرنے میں کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔

لیکن وارث علی ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا...... ستارہ کی نظر وارث علی کے خوب صورت بلیک بیری پر پڑی۔ اسے اچانک کوئی خیال آیا۔

"وہ کیا میں اس فون سے ایک کال کر سکتی ہوں؟" وارث علی کے دل میں ایک نہیں بہت سے چور تھے۔ وہ بری طرح گھبرا گیا کہ رات کے اس پہر یہ نئی دلہن کس سے بات کرنا چاہ رہی ہے لیکن بہر حال وہ انکار تو نہیں کر سکتا تھا۔

"جی ضرور...... یہ میرا نہیں آپ کا بلیک بیری ہے لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اتنی رات کو آپ کس سے بات کرنا چاہتی ہیں؟"

"اپنے بھائی سے......" ستارہ نے فوراً ہی جواب دیا تھا۔ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر۔

"بھائی...... اوہ...... ہاں یاد آیا...... آپ کے ایک بھائی سے آپ کے گھر پر میری ایک ملاقات تو

ہوئی ہے لیکن آج وہ دکھائی نہیں دیے۔ خیریت کیا وہ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں؟" وارث علی بری طرح چونک پڑا تھا۔

"جی یوں سمجھ لیں کہ وہ ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" ستارہ نے ہاتھ بڑھا کر بلیک بیری اٹھایا اور وارث علی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"سمجھ لیں......؟" وارث علی پھر الجھا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے بھائی کا نمبر ملاؤں؟" وارث علی پھر سٹپٹا گیا۔ ستارہ کے اعتماد نے اس جیسے شاطر کو اپنی جگہ سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"جی...... جی...... سوری...... آپ بالکل ملائیں اگر آپ چاہیں تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں تاکہ آپ آرام سے کھل کر اپنے بھائی سے جو بات کرنا چاہتی ہیں کر لیں۔"

"مجھے کوئی خفیہ بات نہیں کرنی اور نہ ہی میں ایسی کوئی غلط بات کرتی ہوں کہ مجھے ڈر لگے۔ میں آپ کے سامنے بیٹھ کر بھی اسی طرح بات کر سکتی ہوں جس طرح آپ کی غیر موجودگی میں۔ آپ کے ہونے یا نہ ہونے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ستارہ کے لہجے میں ایک تندی تھی۔ اس شعلہ بیانی پر تو جیسے وارث علی کے چھکے ہی چھوٹ گئے۔ اس نے ستارہ کے سامنے سے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ وہ اپنے بھائی سے کوئی ایسی بات نہ کہہ ڈالے جو اس کی استطاعت سے زیادہ ہو اور ستارہ پر کھل جائے کہ وہ اپنے نئے نویلے دولہا پر بغیر کسی وجہ کے حاوی ہو رہی ہے۔

جابر علی کی پولیس افسری ناقابلِ برداشت تھی۔ اس کی بیٹی کا غالب آنا کیسے سہا جا سکتا تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا...... ستارہ نے برہان کا نمبر ملایا اور کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ نظریں اس کی دروازے کی طرف تھیں۔ جس دروازے سے وارث علی نکل کر باہر گیا تھا۔ چند لمحے انتظار کے بعد آخر کار کال ریسیو ہوگئی۔ برہان کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"ہیلو......" برہان کی آواز سنتے ہی جیسے ستارہ کے اندر ایک ولولہ ایک جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

"السلام علیکم...... بھائی...... ستارہ بات کر رہی ہوں، شبینہ اور امی تو آپ سے بات کرتی رہتی ہیں، جب سے آپ گئے ہیں میری آپ سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ سوچا زندگی کے اس اہم موقع پر تو اپنے بھائی کی دعا لینی چاہیے۔"

برہان جس جگہ لیٹا ہوا تھا اسے یوں محسوس ہوا جیسے چھت اس پر آ رہی ہو، وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"ستارہ...... کیا واقعی تم ستارہ بات کر رہی ہو، تم کس نمبر سے بات کر رہی ہو؟"

"بھائی یہ میرے شوہر کا نمبر ہے، آپ سیو کر لیجیے کیونکہ فی الحال میرے اپنے پاس تو موبائل نہیں ہے۔" ستارہ بہت اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

"شوہر......؟" برہان پر پھر ایک قیامت نازل ہوئی۔ اس کی آنکھوں سے نیند یوں اُڑ گئی تھی جیسے وہ برسوں سے سویا ہی نہیں تھا۔

"جی بھائی...... آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ رشتہ آپا کے لیے آیا تھا...... شادی میری ہوگئی۔"

"کیا کہہ رہی ہو ستارہ...... مذاق مت کرو...... اس طرح کے مذاق نہیں کرتے......"

''کیسی باتیں کررہے ہیں بھائی......؟'' ستارہ نے فوراً بات کاٹ کر کہا تھا۔ ''آپ کے پاس نمبر تو آ گیا ہے ناں! آپ خود سوچیے یہ نمبر میرے پاس کہاں سے آیا ہے، ابا جان نے تو ہمیں کبھی موبائل فون رکھنے کی اجازت دی ہی نہیں۔''

''ستارہ تم کہاں سے بات کررہی ہو، امی کہاں ہیں؟''

''بھائی میں اپنے شوہر کے گھر سے بات کررہی ہوں، امی ظاہر ہے گھر پر ہوں گی، آج ہی تو میری شادی ہوئی ہے اور میں اپنے شوہر کی اجازت سے آپ سے بات کررہی ہوں۔''

''مجھے یقین نہیں آرہا ستارہ...... میں تو یہ سوچ کر گھر سے نکلا تھا کہ میں شبینہ سے نظریں نہیں ملا سکوں گا کیونکہ میں اس کے لیے کچھ نہیں کرسکا لیکن تم کہہ رہی ہو......''

''بھائی آپ پوری بات تو سن لیں۔'' ستارہ نے برہان کی بات کاٹ دی۔ جس کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔

''ہاں بولو۔'' برہان کی آواز جیسے کسی کنویں سے برآمد ہوئی۔

''بھائی آپا بچ گئیں، شادی میری ہوگئی اور میں جس جگہ سے فون پر بات کررہی ہوں بس اتنی ہی کرسکتی ہوں۔ باقی جو کچھ آپ کو پوچھنا ہو آپ امی سے فون پر بات کرکے پوچھ لیجیے گا۔ میں نے تو آپ کو اس لیے فون کیا ہے کہ اب میں اپنے گھر میں ہوں جس طرح سے بھی شادی ہوئی ہے جس سے بھی ہوئی ہے لیکن اب یہی گھر میرا گھر ہے اور اس گھر میں آپ کا ہر وقت انتظار کروں گی، آپ کو یہاں آنے پر کوئی نہیں روکے گا اور نہ ہی کوئی روک سکتا ہے۔ ٹھیک ہے بھائی آپ سے پھر بات ہوگی۔''

''ایک منٹ ستارہ...... ایک منٹ میری بات سنو......'' برہان جیسے بڑی بے تابی سے تڑپ کر بولا تھا۔

''جی بھائی......؟''

''ستارہ...... وہ بندہ کیسا ہے؟ جس سے تمہاری شادی ہوئی ہے، تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں؟ میں تم سے یہ تو کبھی نہیں پوچھوں گا کہ تم خوش ہو یا اداس...... اس بندے میں تم نے ایسی کوئی بات محسوس کی جس سے اندازہ ہو کہ تم اس کے ساتھ اچھی طرح گزارہ کرسکتی ہو؟'' برہان پریشانی اور روحانی اذیت کی وجہ سے بہت غیر مناسب و بے ترتیب الفاظ استعمال کررہا تھا۔ جو اس کے الجھے ہوئے ذہن کے غماز تھے۔

''بھائی میرا خیال ہے کہ میرے لیے یہی بہت ہے میں اپنے گھر میں ہوں اور اب اپنی مرضی سے سو سکتی ہوں اور جاگ سکتی ہوں۔ اپنے ہونے کو محسوس کرسکتی ہوں خود کو یقین دلا سکتی ہوں کہ میں بھی ایک انسان ہوں۔ میرا اپنا ایک الگ دماغ اور دل ہے اور میرے لیے یہ اطمینان بھی بہت ہے کہ اپنی زندگی کو میں خود استعمال کروں گی۔ میں شبینہ آپا نہیں ہوں برہان بھائی، مجھے سمجھوتے کرنے نہیں آتے۔ انسپکٹر جابر علی کی بیٹی ہوں، کوئی مذاق نہیں ہے، خدا حافظ...... آپ گھر آئیں گے تو سامنے بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔'' اس کے ساتھ ہی ستارہ نے فون بند کردیا تھا لیکن برہان کی نیندیں اڑا کر رکھ دی تھیں۔

ستارہ بلیک بیری سائڈ ٹیبل پر رکھ کر اب بیڈ پر دراز ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھیں چھت پر ٹکی ہوئی تھیں اور وہ سوچ رہی تھی۔

''مجھے خود نہیں پتا کہ مجھے کہاں جانا ہے؟ میری منزل کہاں ہے؟ وارث علی تم نے کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہاری کنیز بن کر اس گھر میں رہوں گی، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......

جب میں اپنے باپ کے گھر میں باپ کی مرضی کی بن کر نہیں رہی تو تم تو پھر میری نظروں سے گرے ہوئے انسان ہو۔ ایسا انسان جس نے کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔ جیسے موقع کی تاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔'' ابھی وہ یہیں تک سوچ پائی تھی کہ وارث علی اپنے خضاب سے رنگے ہوئے بڑے اسٹائل سے سنوارے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا نوجوانوں کے انداز میں چلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ستارہ کو لیٹا ہوا دیکھ کر وہ جیسے پرسکون ہوگیا کہ شکر ہے بھائی سے بات ہوچکی۔ دروازہ لاک کرکے ستارہ کی طرف بڑھا اور بہت لاڈ سے گویا ہوا۔

''تھک گئیں......؟ ہاں رات بھی تو بہت ہوگئی ہے۔ میں نے اپنی ملازمہ سے کہا ہے کہ تمہارے لیے گرم، گرم دودھ میں شہد ڈال کر لائے، بالکل خالص شہد ہے۔''

ستارہ، وارث علی کو ایک دم سامنے پا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کچھ بھی سہی وہ ایک کم عمر لڑکی تھی۔ اتنا تو سمجھتی تھی کہ وارث علی اب اس کا شوہر ہے اور اس پر تمام اختیارات حاصل کرچکا ہے۔

''یعنی آپ مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ اس گھر میں میرے لیے دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔''

وارث علی نے حیرت، تعجب اور خاصی سرخوشی کی کیفیت میں ستارہ کی طرف دیکھا۔ اتنی بولڈ، پُراعتماد، برجستہ جملے بولنے والی اسے یقین نہیں آیا کہ یہ جابر علی کی بیٹی ہے۔ اس نے وقتی طور پر اسے بھلا دیا کہ ستارہ اس کی بیوی نہیں، ایک خاص ٹارگٹ کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، آلۂ کار ہے...... ستارہ کی خوب صورتی، کم عمری اور برجستگی نے جیسے اسے ہپناٹائزڈ کردیا تھا۔ دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

''آپ تو کمال شے ہیں۔'' ستارہ نے بڑی گہری نظروں سے اب اس کے چہرے کا جائزہ لیا، بہت اہتمام سے سنوارے ہوئے بال اور کلین شیو...... کلین شیو شاید اس وجہ سے تھا تاکہ داڑھی مونچھوں کے سفید بال اس کی عمر کا پول نہ کھول دیں جبکہ اس کی آنکھوں کے کناروں پر کھنچی ہوئی باریک، باریک بے شمار لکیریں اس کی عمر کی چغلی کھا رہی تھیں۔

''آپ کو یہ گھر پسند آیا؟ اوہو...... ہو...... آپ نے گھر دیکھا ہی کہاں ہے۔ آپ تو بس پورچ سے لاؤنج میں آئیں اور لاؤنج سے اس بیڈ روم میں...... چلیں آئیں میں آپ کو آپ کا گھر دکھاتا ہوں۔''

''رہنے دیں، یہ میرا گھر ہے، کسی بھی وقت دیکھ سکتی ہوں۔ میں نے کوئی سروے رپورٹ تو نہیں بنانی......'' وارث علی نے برجستہ قہقہہ لگایا تھا۔ وہ واقعی ستارہ کے اس جملے سے بہت لطف اندوز ہوا تھا۔

''میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جابر علی کی بیٹی میں اتنے اسٹائل ہوں گے۔''

''اسٹائلش تو میں بہت ہوں، اس لیے ذرا خیال رکھیے گا۔'' ستارہ نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور وارث علی کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''کیا مطلب......؟'' وارث علی جیسے کچھ سمجھا نہیں...... الجھن بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''مطلب یہ ہے کہ اتنی اسٹائلش بیوی کے ساتھ میاں کو بھی اسٹائلش ہی نظر آنا چاہیے۔''

''کوئی فکر ہی نہیں ہے جی...... اللہ کا دیا بہت ہے، آپ کی پسند کے کپڑے پہنیں گے جیسے آپ بولو...... بندہ تو بس یوں سمجھو...... بے دام غلام ہے جو آپ کا حکم سرکار...... یوں سمجھیں وارث علی موم کی ناک ہے جدھر پکڑ کر گھماؤ گی گھوم جائے گا۔ اللہ اللہ کرکے تو گھر بسا ہے، اتنی پیاری، اتنی معصوم بیوی اللہ نے دے دی ہے، مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی خزانہ ملا ہو چھپر پھاڑ کر......''

''میں خزانہ ہی ہوں وارث علی صاحب۔'' ستارہ مسکرائی۔

''یہ صاحب واب نہیں لگا تا، اب میاں بیوی کی عمر میں بھلے کتنا فرق ہو لیکن ہوتی تو برابری ہے ناں۔۔۔جیسے اگر بیوی، میاں سے عمر میں بہت چھوٹی ہے تو اسے اپنے میاں کی عمر کا بن جانا چاہیے اگر اسے مسئلہ ہے اس کے لیے مشکل ہے تو شوہر کو اپنی بیوی کی عمر کا بن جانا چاہیے۔ او بھئی ایک پہیہ ٹرک کا اور ایک بچے کی سائیکل کا اس طرح تو گاڑی نہیں چلے گی ناں...... دونوں پہیے برابر کرنا ہوں گے یا تو تم کرو گی یا میں کروں گا۔''

ستارہ، وارث علی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جوان بیوی کے چونچلے کرتا ہوا اچھا خاصا مضحکہ خیز دکھائی دے رہا تھا۔ پتا نہیں اسے کیا سوجھی...... انتہائی پھکڑپن سے سوال کر ڈالا۔

''وہ...... کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کی اس وقت کیا عمر ہے؟'' عمر کا سوال وہ بھی شادی کی پہلی رات جوان بیوی کر رہی تھی۔ وارث علی ایک دم چکرا کر بغلیں جھانکنے لگا پھر دانت نکوس کر بولا۔

''میں تو اپنی ماں کا سب سے چھوٹا بیٹا ہوں اور میری ماں پاکستان بننے کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ وہ تو میں نے بہت کم عمری سے محنت مشقت شروع کر دی تھی۔ بہت غیرت تھی مجھ میں...... باپ کی روٹیاں توڑتے ہوئے شرم آتی تھی۔ بس شروع سے ہی کاروبار میں لگ گیا۔ اس لیے زیادہ پڑھ بھی نہیں سکا۔'' پڑھائی کے ذکر پر ستارہ چونک پڑی۔

''اوہ..... کہاں تک پڑھا ہے آپ نے؟''

''بھئی بیوی سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے، وہ تو میں بڑے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہوں اس لیے کسی کو پتا نہیں چلتا کہ میں صرف چھ سات جماعت پڑھا ہوا ہوں۔''

ستارہ نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ واقعی اسے شدید دھچکا پہنچا تھا کہ اس کا اتنا امیر و کبیر رئیس شوہر صرف چھ جماعت پڑھا ہوا تھا۔

''چھٹی جماعت پاس بھی کر لی تھی یا کوئی پیپر رہ گیا تھا۔'' ستارہ کی اندر سے جان جل رہی تھی۔ بظاہر اس کا انداز اتنا دل موہ لینے والا اور خوشگوار تھا کہ وارث علی جیسے شاطر کا اس نے دماغ گھما کر رکھ دیا۔ اسے اس کے مشن سے ہی ہٹا دیا۔ وہ تو بس جیسے ستارہ کے آگے بچھا جا رہا تھا کیونکہ نئی کم عمر بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ذہین بھی دکھائی دے رہی تھی اور گفتگو میں تو جیسے اسے کمال حاصل تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے وارث علی کو جیسے اپنی مٹھی میں کر لیا تھا۔ ستارہ کا سوال سن کر وہ ذرا شرما کر بولا۔

''بس جی چھٹی میں چلا گیا تھا، امتحان وامتحان نہیں دیا میں نے۔''

''اوہ..... تو یہ کہیں ناں کہ آپ صرف پرائمری پاس ہیں، آپ نے سکستھ کلاس تو پڑھی ہی نہیں۔ یعنی سیکنڈری سیکشن سے آپ کا دور دور کا واسطہ ہے نہ تعلق......'' درپردہ ستارہ طنز کر رہی تھی لیکن اس کی خوب صورت مسکراہٹ وارث علی کو اس کے اندر جھانکنے سے روک رہی تھی۔ وہ تو بس یہ دیکھ کر ہی خوش ہو رہا تھا کہ اس کی نئی نویلی دلہن اس سے اس طرح باتیں کر رہی ہے جیسے ان کی لو میرج ہو اور وہ برسوں ایک دوسرے سے ملتے رہے ہوں۔ اس نے نظروں ہی نظروں میں گویا ستارہ کی بلائیں لیں اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ ٹکے میں ہی سہی کیا غضب کی بیوی مل گئی۔

''اجی چھوڑیں...... گولی ماریں پڑھائی وڑھائی کو...... ایم اے پاس اور ایم بی اے کیے ہوئے لڑکے میرے دفتر میں بیس، بیس ہزار کی تنخواہ پر کام کر رہے ہیں۔''

''آپ کا بینک بیلنس اس کا مطلب ہے کہ اچھا خاصا ہے کیونکہ آپ تو بزنس مین ہیں۔''

''میرا کہاں سے...... اب تو سب کچھ آپ کا ہے، کروڑ پتی نہ سمجھیں، ارب پتی ہوں، u k میں میرے دو اکاؤنٹ ہیں۔''

ستارہ اب سچ مچ حیران ہو کر وارث علی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''اور ان دونوں اکاؤنٹس میں پاکستانی روپے نہیں ہیں، پاؤنڈز، ڈالرز اور یورو ہیں۔'' ستارہ کے چہرے پر سنجیدگی جھلکنے لگی۔ مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

''آپ سیلف میڈ ہیں۔'' وارث علی فوراً تو نہیں سمجھا لیکن ذرا غور کرنے پر سنے سنائے مانوس الفاظ سمجھ آ گئے۔

''ہاں، ہاں ایک پائی نہیں لی باپ سے۔'' بڑے فخریہ انداز میں ستارہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

ستارہ نے بڑی دلچسپی اور توجہ سے وارث علی کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور بہت پیار سے بڑے زور کا پتھر دے مارا۔

''اچھا...... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساری حرام کی کمائی ہے۔'' اتنا سننا تھا کہ وارث علی کا دماغ تو ہوا میں معلق ہو گیا۔ اتنی پیاری، پیاری باتیں کرنے والی ایک دم گالیوں پر اتر آئی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر ستارہ کی طرف دیکھا۔ جیسے اسے شک ہو رہا ہو کہ شاید یہ لڑکی پاگل ہے کیونکہ ابھی تک اس نے دلہنوں والی تو کوئی ادا ظاہر نہیں کی تھی۔ بہرحال اس نے بڑی ذہانت اور مہارت سے خود کو سنبھال لیا تھا۔ تھوڑا سا ہچکچاتے ہوئے گویا ہوا۔

''آپ کو کسی نے غلط مخبری کی ہو گی۔ خون پسینے کی گاڑھی کمائی ہے میری...... ہاں...... جن لوگوں کے پاس بے تحاشا دولت ہوتی ہے ان لوگوں کے بارے میں اکثر غریب لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔''

''اچھا یہ تو بتائیں بلکہ سچ، سچ بتائیں آپ کبھی غریب تھے، ظاہر ہے بندہ بعض اوقات بہت غریب ہوتا ہے، اس غربت سے تنگ آ کر پھر وہ زور شور سے دولت کمانے لگتا ہے اور کامیاب بھی ہو جاتا ہے جیسے کہ آپ، لگتا تو یہی ہے کہ کبھی آپ بہت غریب تھے۔'' ستارہ کو پھر گدگدی ہوئی۔

''نفرت ہے مجھے غربت سے بلکہ غربت کے نام سے، یہ ساری دولت میں نے ان لوگوں کے حساب چکانے کے لیے ہی تو حاصل کی ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ غریبوں کو جینے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ زندگی پیسے والوں کے لیے ہی بنی ہے کیونکہ جس کے پاس پیسہ ہوتا ہے وہی لائف انجوائے کرتا ہے۔ غریب بیچاروں کو تو کیڑے مکوڑے سمجھا جاتا ہے کہ بس یہ چار دن کے لیے زمین پر رینگنے کے لیے آتے ہیں اور انہیں اِدھر اُدھر سے بچا کھچا اناج کھا کر جلد سے جلد مر جانا چاہیے۔''

وارث علی کی آنکھوں میں جیسے ایک دم خون اتر آیا۔ اس کی ٹون بدل گئی۔ لہجے میں جیسے کوئی درندہ اتر آیا۔

ستارہ جو ابھی تک بہت اعتماد سے، بے خوفی سے اور اپنی مرضی سے وارث علی سے باتیں کر رہی تھی، وارث علی کا آناً فاناً بدلا ہوا انداز ایک لمحے کے لیے تو اسے سہمانے لگا۔ وہ جو باپ کی گرج دار آواز سے بھی

خوف زدہ نہیں ہوتی تھی وارث علی کی آنکھوں میں وحشت دیکھ کر خوف سے تھرانے لگی لیکن وہ جابر علی کی بیٹی تھی۔ انتہائی مضبوط اور آہنی اعصاب کی مالک اس نے بڑی مہارت سے اپنے اندر کی کیفیت کو چہرے تک آنے سے روک دیا تھا۔

''اچھا...... چھوڑیں آپ تو ایک دم غصے میں آگئے۔ اللہ توبہ میں نے تو ویسے ہی مذاق، مذاق میں آپ سے بات کی تھی۔ اب کیا آپ ساری رات اسی طرح غریبوں پر لیکچر دیتے رہیں گے اور میں سنتی رہوں گی۔ وہ آپ کی ملازمہ ابھی تک دودھ ہی لے کر نہیں آئی۔'' اس نے اتنے ناز و ادا سے وارث علی سے بات کی کہ وارث علی ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ جیسے اسے خود بھی اپنے بدلے ہوئے انداز پر شرمندگی محسوس ہوئی ہو کہ یہ ایک دم سے اسے کیا ہوگیا تھا۔

''ہاں...... ہاں...... میں اسے دیکھتا ہوں، ارے بھئی اب تو تھوڑی دیر بعد صبح ہو جائے گی۔ ہم نے تو ابھی اپنی دلہن سے وہ پیاری، پیاری باتیں بھی نہیں کیں، دیکھتا ہوں یہ صغریٰ آخر کر کیا رہی ہے؟'' وہ اس طرح سے دروازے کی طرف لپکا تھا جیسے اگر معمولی سی تاخیر ہوئی تو اس کی خوب صورت نئی نویلی اور ایک ہی لمحے میں دل میں اتر جانے والی بیوی ناراض ہو جائے گی۔

اس کے باہر نکلتے ہی ستارہ نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''میرا تو اب سارا حساب کتاب تمہارے ہی ساتھ ہے وارث علی۔ میں نے جیتے جی خود کو یتیم کرلیا ہے، آپ نے میری شادی نہیں کی ابا جان...... آپ نے تو میرا سودا کیا ہے۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ آپ کی کوئی بیٹی ستارہ بھی تھی۔'' اس نے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا۔ دل تو پیمانہ بن کر چھلک ہی رہا تھا۔

☆☆☆

اصیل خان بڑے سے ویران گھر میں رات کے پچھلے پہر تہجد کے نوافل پڑھ رہا تھا۔ قلب میں اتنی رقت تھی کہ قرآنی آیت پڑھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہہ رہے تھے یعنی نماز کیا تھی آنسوؤں کا غسل بھی ساتھ ساتھ تھا۔ وہ اس لمحے اللہ سے اتنا قریب تھا کہ بس اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ خود کو کہیں کھو چکا ہے اور چاروں طرف اللہ کی ذات کے سوا کچھ نہیں۔ پھول نہ پودے، چاند نہ ستارے کچھ بھی نہیں بس صرف اور صرف اللہ ہے، پوری کائنات میں اس کی رحم کی اپیل کسی بازگشت کی طرح گونج رہی ہے۔ دنیا کے سارے الفاظ مٹ گئے، ساری آوازیں گم ہوگئیں، بس پوری کائنات میں اصیل خان کی اپنی آواز گونج رہی ہے اور اس آواز میں صرف ایک لفظ سنائی دے رہا ہے۔ رحم...... رحم...... چاروں طرف لفظ رحم کی گردش ہے، رحم...... کا طلسم ہے...... رحم کی فریاد ہے۔ رحم کے لیے پکار ہے، رحم کی درخواست ہے، رحم کے لیے خوشامد ہے منت ہے، بس ایک لفظ رحم سارے لفظوں پر غالب آگیا۔ وہ تمام حروف وہ تمام الفاظ جو روزِ اوّل سے لے کر ابد تک اپنا کوئی نشان اپنا کوئی اثر رکھتے تھے۔ جانے کہاں گم ہوگئے تھے۔ کائنات میں تو صرف ایک ہی آواز تھی...... رحم...... رحم...... اور اللہ صرف اسی آواز پر توجہ دیے ہوئے تھا۔ وہ محسوس کررہا تھا کہ اس کے قلب سے فلک شگاف نعرہ رحم کی صورت میں بلند ہوتا ہے اور اللہ اسے جواب دیتا ہے کہ سن لیا...... سن لیا...... سن لیا...... اتنا اونچا بولنے...... اتنی بلند آواز میں نعرے لگانے کی ضرورت نہیں اے بندے! ہم تو تیری شہ رگ سے قریب ہیں، تیری نیت کو تجھ سے پہلے پڑھتے ہیں تو صفائیاں پیش کررہا ہوتا ہے، وضاحتیں کررہا ہوتا ہے، حیلے ڈھونڈ رہا

ہوتا ہے اور ہمارے فرشتے حقیقت لکھ کر فارغ بھی ہوچکے ہوتے ہیں۔ اے بندے! تو آئے گا ہمارے پاس...... دکھا دیں گے تیرا ریکارڈ، کیوں زور سے چلاتا ہے، اللہ...... سب سنتا ہے وہ جو تیرا دل سرگوشیاں کرتا ہے وہ بھی اور وہ جو سرِعام تو شیطان کے بہکاوے میں آکر منصوبے بناتا ہے۔ وہ منصوبے جو صرف اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ صرف تو زندہ رہے باقی سب مرجائیں...... تو نہیں مگر اللہ سب جانتا ہے...... سب سنتا ہے...... تو نے آخر اللہ کو سمجھا کیا ہے؟ دیکھ تو بول نہیں پارہا مگر اللہ سن رہا ہے...... اصیل خان سجدے میں جاچکا تھا...... تڑپ تڑپ کر، بلک بلک کر سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ رہا تھا۔ اس کا پورا وجود اس طرح سے لرز رہا تھا جیسے وہ زمین پر نہ ہو، کسی بھنور میں پھنسا ہوا ہو، سرکش لہریں، اپنا سارا غصہ اس پر اتار رہی ہوں، اس کے قلب سے پھر صدائے ندامت بلند ہوئی۔ رحم...... رحم...... رحم...... ہفت آسمان کے صدور شق ہونے لگے۔

☆☆☆

گل جان نیم وا دروازے سے سر اندر کیے مہر جان کے کمرے میں جھانک رہی تھی۔

مہر جان تیز ٹرنکولائزر کے زیرِ اثر گہری نیند میں تھیں...... گل جان ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے مہر جان کے سیکڑوں روپ گزر رہے تھے۔ کبھی مہر جان لان میں ڈی سی کی بیٹی ٹوٹو کے ساتھ ٹینس کھیلتی ہوئی دکھائی دیں...... کسی منظر میں وہ اپنی لگژری کار ڈرائیو کررہی تھیں...... اور ایک بہت بھرپور منظر جب ایم بی بی ایس پاس کیا تھا اور مارے خوشی کے اپنے بابا سے لپٹ گئی تھیں۔ کتنے روپ دیکھے تھے اس نے مہر جان کے...... اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی بی بی جان جو اتنی موٹی موٹی کتابیں پڑھتی تھیں انگریزوں سے زیادہ اچھی انگریزی بولتی تھیں وہ اس حالت' بے بسی میں اس کے سامنے پڑی ہیں۔ اس کے کلیجے سے اک ہوک اٹھی...... یہ ہوک ایسی اٹھی کہ اس نے تیزی سے پرواز کی اور پایۂ عرش کو چھونے کے لیے بے قرار ہوگئی۔

☆☆☆

''شکر ہے دادا جان رابی آپا گہری نیند سوگئی ہیں۔'' کائناز نے شاہ عالم کو اُن کے کمرے میں آکر اطلاع بہم پہنچائی۔

شاہ عالم اپنے معمول کے مطابق کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے، جو اُن کا نیند کی وادیوں میں اترنے سے پہلے کا آخری معمول تھا۔

''شکر ہے خدا کا کہ وہ سوگئی۔ پین کلر بھی لے رہی ہے، ڈاکٹر نے ٹرنکولائزر بھی دی تھی کیونکہ ابھی زخم ٹیسیں دیں گے۔ زخم نیا نیا ہوتا ہے تو اتنا درد نہیں ہوتا۔''

''دادا جان' رابی آپا کو درد بھلا کہاں ہوتا ہے، بتا تو رہی تھیں وہ کہ انہیں کوئی درد، درد نہیں ہوتا۔ میں نے بھی پوچھا تھا کہ رابی آپا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اتنے گہرے زخم ہیں آپ کے اور آپ کو درد نہیں ہوتا۔ تو پتا ہے دادا جان کیا بولیں؟'' شاہ عالم نے ہاتھ اٹھا کر کائناز کو بولنے سے روک دیا اور بہت نرم لہجے میں بولے۔

''بیٹا جو کچھ وہ کہتی ہے اور جو سوچ کر کہتی ہے، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ سب کچھ جو اس نے کہہ دیا اور وہ سب کچھ بھی جو اس نے ابھی نہیں کہا۔'' کائناز گومگو کیفیت میں اپنے دادا کی طرف دیکھنے لگی۔ شاہ عالم اس کی کیفیت دیکھ کر مسکرا دیے۔

''بیٹا تم اپنی اسٹڈیز پر توجہ دو...... دیکھو حادثے ہماری زندگی میں آتے رہتے ہیں اور یہ ہماری زندگی کا ایک حصہ ہوتے ہیں...... ہماری پوری زندگی نہیں ہوتے۔ انہیں اپنے اوپر اس طرح طاری نہیں کرتے کہ آگے

کا سفر رک جائے..... سفر جاری رہنا چاہیے یہ بتاؤ آج تمہارے سر آئے تھے..... تم نے کیا پڑھا؟‘‘

’’دادا جان اتنی رات کو اب آپ پڑھائی کی بات نہ کریں، ویسے میرا اکیلے پڑھنے کا دل بھی نہیں چاہتا۔ روما سے میں نے کہا ہے اور اب تو کوئی رکاوٹ بھی نہیں۔ دادا جان کل سے روما میرے ساتھ ہی رہے گی، ہم ساتھ رہیں گے اور ساتھ پڑھیں گے۔‘‘

’’تمہاری تو مراد پوری ہوگئی مگر کیا ستم ظریفی ہے کہ کس راستے سے پوری ہوئی۔ اللہ سب پر اپنا رحم کرے۔ جاؤ بیٹا اب جا کر سو جاؤ۔‘‘

☆☆☆

گل جان، مہرجان کے کمرے میں کارپٹ پر تکیہ رکھ کر لیٹ گئی تھی۔ اب وہ اپنے کمرے میں نہیں سو سکتی تھی۔ مہرجان کی حالت ایسی تھی کہ انہیں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ وہ لیٹ گئی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ذہن ماضی کے دھندلکوں میں کھو رہا تھا۔ گزرا ہوا وقت جیسے کسی خوب صورت رنگین فلم کی طرح ذہن کے پردے پر چلنے لگا۔

☆☆☆

مہرجان لان میں چیئر پر بیٹھی نوٹس بنانے میں مصروف تھیں۔ گل جان بالکونی سے کافی دیر اُن کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے مہرجان بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ آج تو مہرجان نے ڈریسنگ بھی غضب کی کی ہوئی تھی۔ جبھی گل جان کو خیال آیا۔ ’’کہیں اصیل خان تو نہیں آ رہا۔ اس نے یقیناً بی بی جان کو تو بتایا ہوگا۔ اسی لیے وہ اتنی اچھی طرح تیار ہو کر باہر لان میں پڑھ رہی ہیں۔‘‘ وہ مسکراتی ہوئی بالکونی سے ہٹ گئی اور کسی معصوم بچی کی طرح دوڑتی ہوئی زینہ اتر کر نیچے آ گئی۔

مہرجان نے گل جان کے قدموں کی آہٹ پر سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

’’بی بی جان اگر میں آپ کے پاس بیٹھ جاؤں تو آپ ڈسٹرب تو نہیں ہوں گی؟‘‘

’’بالکل بھی نہیں...... ارے بھئی میرا نروس سسٹم بڑا اسٹرونگ ہے، اسی لیے تو میں نے نیورو سرجن بننے کا فیصلہ کیا۔‘‘ بی بی جان کی اس بات پر گل جان انہیں بڑی رشک آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔

’’ایسے کیا دیکھ رہی ہو......؟‘‘

’’کچھ بھی نہیں...... میں تو یہ دیکھ رہی ہوں کہ آپ کتنی اسٹرونگ ہیں، بالکل مردوں کی طرح...... اسی لیے شاید آپ کو عورت کی طرح محبت کرنا نہیں آتی۔‘‘

’’یہ تم کیسے کہہ رہی ہو؟ تمہیں کیا پتا میرے سینے میں کتنا محبت بھرا دل دھڑکتا ہے۔‘‘

’’لگتا نہیں ہے ناں......؟‘‘ اس کی بات پر مہرجان ہنس پڑیں۔

’’اچھا یہ بتاؤ کہ کیا میں تم سے محبت نہیں کرتی؟‘‘

’’بھئی میں تو آپ کی بہن ہوں، مجھ سے تو آپ محبت کریں گی ہی۔‘‘

’’پھر کیا مسئلہ ہے؟‘‘

’’بس ویسے ہی مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ اصیل خان سے محبت نہیں کرتیں اور بابا کی کی ہوئی منگنی کو بس چلا رہی ہیں۔‘‘ گل جان کی اس بات پر مہرجان نے بہن کی طرف بڑی گہری نظروں سے دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس لے کر وہ مسکرائیں اور کہنے لگیں۔

’’گل جان جو سچ مچ محبت کرتے ہیں، وہ اپنی محبت کے اشتہار نہیں چھپواتے، اصیل خان میرے بچپن کا منگیتر ہے، میری رگ رگ میں خون بن کر دوڑتا ہے اگر مجھے پتا چلا ناں کہ وہ میرے علاوہ کسی اور کو سوچتا ہے تو اسے شوٹ کر دوں۔‘‘

’’اللہ نہ کرے بی بی جان، کیسی باتیں کرتی ہیں۔‘‘ گل جان نے ایک دم گھبرا کر کہا۔ ’’اللہ تعالیٰ آپ دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔ آپ دونوں جب ساتھ ہوتے ہیں، میں تو نظر بھر کر دیکھتی بھی نہیں ہوں کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے آپ دونوں کو......‘‘

’’نہیں لگتی نظر وظر کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ سنسیئر ہیں، بس وہ تھوڑا سا کچھ کمپلیکسڈ ہو گیا ہے اپنے بزنس کو بڑھائے چلا جا رہا ہے۔ پتا ہے کیوں؟ تاکہ مجھ پر رعب جما سکے کہ وہ بہت بڑا بزنس مین ہے۔ میں ڈاکٹر بن رہی ہوں تو آخر وہ بھی تو کچھ بن کر دکھائے۔‘‘ یہ کہہ کر مہرجان ہنس دی۔

گل جان نے بی بی جان کو ہنستے ہوئے دیکھا تو دل ہی دل میں ڈھیروں بلائیں لے ڈالیں۔

’’بی بی جان آپ بس ہنستی رہا کریں، بہت اچھی لگتی ہیں آپ ہنستی ہوئی۔‘‘

’’آج کیوں میری اتنی خوشامد کر رہی ہو، کیا چاہیے، شہر سے کوئی چیز منگوانی ہے؟‘‘ گل جان زور سے ہنس دیں۔

’’وہ تو میں ویسے بھی منگوا سکتی ہوں اس کے لیے آپ کی خوشامد کرنا ضروری تو نہیں اور بی بی جان آپ تو میرے لیے اتنا کچھ اٹھا کر لے آتی ہیں شہر سے...... مجھ سے تو وہ استعمال بھی نہیں ہوتا اور نئی چیزیں آ جاتی ہیں۔ بی بی جان...... میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں اب آپ اس کو خوشامد کہیں یا کچھ اور لیکن میں آپ کو دیکھ دیکھ کر اتنا خوش ہوتی ہوں...... اتنا خوش ہوتی ہوں کہ بتا نہیں سکتی۔‘‘

’’تو بہنیں ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں، یہ کوئی انوکھی بات تو نہیں۔‘‘ مہرجان نے اب نظریں اٹھا کر بہت محبت سے گل جان کی طرف دیکھا۔

’’لیکن میں اور بہنوں سے زیادہ آپ سے پیار کرتی ہوں، پتا ہے کیوں؟‘‘ وہ گل جان کو دیکھتے ہوئے پھر دھیرے سے مسکرائیں۔

’’میں سوال کروں گی تبھی جواب دو گی، خود بتا دو۔‘‘

’’وہ اس لیے بی بی جان کہ آپ ناں بہت پڑھی ہوئی ہیں میری تو آج تک گرامر ہی ٹھیک نہیں ہوئی، بچی کبھی کبھی سوچتی ہوں اگر میری شادی کسی بہت بڑے پڑھے ہوئے آدمی سے ہوگئی اور مجھے اس کے ساتھ لندن جانا پڑ گیا تو میں انگریزی کیسے بولوں گی؟‘‘ گل جان کی اس معصومانہ بات پر مہرجان نے زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

’’بھئی ہم پاگل نہیں ہیں کہ کسی ایسے بندے سے تمہاری شادی کر دیں جو تمہیں لے کر سیدھا انگریزوں کے پاس پہنچے اور تمہیں انگریزی بولنے پر مجبور کرے۔ ہم تو تمہاری شادی یہیں کسی فیوڈل لارڈ سے کریں گے کوئی پیارا سا جاگیردار صرف آٹھ جماعت پاس نہ خود انگریزی بولے نہ تمہیں انگریزی بولنے پر مجبور کرے۔‘‘ اپنی بات کے اختتام پر مہرجان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ گل جان جھینپی جھینپی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

’’آپ نے میرے لیے ایسا سوچا ہے صرف آٹھ جماعت پاس......؟‘‘

"بھئی یہ عجیب مشکل ہے، انگریزی تم سے بولی نہیں جاتی، بندہ تمہیں پڑھا لکھا چاہیے، بابا کچھ زیادہ پڑھے لوگ ہوتے ہیں ناں وہ گھر میں بھی انگریزی بولتے ہیں۔ کیسے نبھے گی تمہاری۔ اصل میں میاں، بیوی کی انڈر اسٹینڈنگ میں، آئی کیو لیول کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ دونوں کے آئی کیو لیول میں بہت ڈفرنس ہو تو انڈر اسٹینڈنگ بہت مشکل ہوتی ہے۔" گل جان ہکا بکا بی بی جان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"یہ آئی کیو کیا ہوتا ہے بی بی جان؟" مہر جان کو احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئیں۔ جلدی سے بولیں۔

"بابا کچھ نہیں ہوتا یہ آئی کیو...... پڑھے لکھے لوگ ایک دوسرے پر رعب ڈالنے کے لیے ایسے الفاظ بولتے ہیں۔"

"لیکن بی بی جان کوئی مطلب تو ہوگا ناں......؟" مہر جان جیسے اب عاجز ہو کر دیکھ رہی تھیں۔

"جس راہ چلنا نہیں اس کے کوس کیا گننا...... بے وقوف تم ہر بات میں دلچسپی لیتی ہو اور اگلے دن بھول بھی جاتی ہو۔"

"یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہیں، کوڑھ مغز ہوں ناں لیکن بی بی جان یہ تو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے ناں...... کوئی انسان خود کو تو نہیں بناتا ناں۔"

"تم بہت اچھی ہو گل جان، تم جتنی پڑھی ہوئی ہو اور جس جگہ ہو بالکل صحیح ہو، دیکھو ناں سب کچھ ہے تمہارے پاس، ایک دن شادی بھی ہو جائے گی۔ میرا دل کہتا ہے جو بھی تمہیں لینے آئے گا وہ تم سے بہت پیار کرے گا کیونکہ تمہارے اندر وہ سب کچھ ہے جس کی وجہ سے کسی لڑکی کو چاہا جاتا ہے، محبت کی جاتی ہے کم از کم مجھ سے تو لاکھ درجے اچھی ہو۔ سیدھی سادی ہو، بے وقوف ہو اور عورت کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ زیادہ جاگ جاتی ہے ناں تو زیادہ تھکتی ہے۔ زیادہ کام کرتی ہے، زیادہ سوچتی ہے اور......" مہر جان بولتے بولتے رک گئی تھیں۔

"اور......؟" گل جان کی نظروں میں سوال تھا۔

"اور یہ کہ گل جان میں بھی ایک زندہ وجود ہوں، یہ صدا لگاتے لگاتے بعض اوقات ایک پڑھی لکھی عورت کی آواز بیٹھ جاتی ہے۔"

"تو بی بی جان آپ اتنا کیوں پڑھ رہی ہیں؟ جب مجھے پڑھائی کی ضرورت نہیں تھی تو آپ کو بھی نہیں تھی۔ ہم نے کیا کرنا اتنا سارا پڑھ لکھ کر۔"

"تم اندر سے ابھی بالکل ایک چھوٹی بچی کی طرح ہو جبکہ میں احساس ذمے داری کی وجہ سے وقت سے پہلے بڑی ہو گئی ہوں۔ بلکہ اندر سے بوڑھی ہو گئی ہوں، اپنی ذمے داریوں کو محسوس کرتی ہوں، میرے بابا نے ہم دونوں بہنوں کی خاطر دوسری شادی نہیں کی ہماری ماں تو بچپن میں فوت ہو گئی تھی، بابا چاہتے تو دوسری شادی کر لیتے...... شاید انہیں بیٹا بھی مل جاتا...... لیکن انہوں نے بس ہم دونوں بہنوں کو سارا وقت دیا۔ اپنے لیے کچھ نہیں بچایا۔ میں اپنے بابا کو خوش کرنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے بابا جب دوسرے جاگیر داروں کے ساتھ، نیک ناموں کے ساتھ بیٹھیں...... تو کوئی کمی انہیں محسوس نہ ہو...... اور پھر یہ کہ بچپن میں ہی انہوں نے مجھے احساس دلا دیا تھا کہ مجھے کچھ کرنا ہے...... صرف کھا کر، سو کر زندگی نہیں گزارنی ہے۔" مہر جان بول رہی تھیں اور گل جان مبہوت سی بہن کی صورت تک رہی تھی۔

☆☆☆

"بابا...... بابا۔" گل جان اپنے خیال سے چونک پڑی۔ کمرے میں مہر جان کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔

"بابا...... بابا آپ کہاں ہیں بابا...... اِدھر تو بہت اندھیرا ہے، آپ بتائیں میں کہاں جاؤں۔" وہ بڑبڑانے کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ یہ سننا تھا کہ گل جان تو جیسے تڑپ ہی گئی۔

"شاید بی بی جان خواب میں بابا جان کو دیکھ رہی ہیں۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"بابا...... پلیز بابا میرا ہاتھ پکڑ لیں، میں گر جاؤں گی۔" گل جان اب ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس نے فوراً لائٹ جلائی تاکہ تسلی کر لے کہ مہر جان سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں۔ مہر جان گہری نیند میں تھیں، اُن کی آنکھیں بند تھیں لیکن ہونٹ لرزاں تھے۔ مہر جان اب اِدھر اُدھر سر پٹخ رہی تھیں۔

"بابا...... بابا پلیز آپ یہیں بیٹھے رہیں، میرے پاس سے نہیں جائیں۔ آپ کو مجھ پر ترس نہیں آتا۔ مجھے ڈر لگتا ہے، بابا آپ میرا ہاتھ پکڑ لیں۔ آپ یہاں سے نہ جائیں اگر آپ چلے گئے تو میں ڈر جاؤں گی اور ڈر کے مارے مر جاؤں گی۔"

مہر جان نیند میں بڑبڑا رہی تھیں۔ گل جان کے کلیجے پر برچھیاں چل رہی تھیں۔ وہ لائٹ بند کر کے بڑی تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ پوری قوت سے چیخیں مار مار کر روئے، ضبط کرنے کی حد ہو گئی تھی۔ کب سے کونا تلاش کر رہی تھی کہ جہاں بیٹھ کر وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لے۔ چیخ چیخ کر روئے، اتنی بلند آواز سے چیخ کر کہ پایۂ عرش تک کانپ جائے۔ دنیا اس کی غم گساری کے لیے نہ آئے۔ وہ چھت کی طرف یوں دوڑی جیسے وہ اس کی جائے پناہ ہو، بھاگ بھاگ کر زینہ چڑھنے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ کھلی چھت پر آ کر جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی۔ دور دور تک انسانی چہرہ تھا نہ کوئی آواز...... گل جان کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ موت کا سفر طے کر کے ایک نئی جگہ...... ایک نئی دنیا میں داخل ہو گئی ہو۔ اس نے ایک عجیب سا سکون اپنے وجود میں اترتا ہوا محسوس کیا۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب تنہائی اتنی بھرپور ہوتی ہے کہ اپنے علاوہ کسی اور وجود کا احساس انتہائی روحانی اذیت دیتا ہے۔ کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، لامحدود بیکراں تنہائی انسان کو ماں کی آغوش کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ وہ چھت پر پڑے بہت پرانے ٹوٹے پھوٹے تخت کے کونے پر دھپ سے بیٹھ گئی تھی۔ تاریکی کے اندر ایک عجیب سی روشنی تھی۔ صبح کاذب کی تاریکی...... جس کے اندر دودھیا روشنی کی ملاوٹ یوں محسوس ہوتی ہے جیسے زمان و مکاں کی قید سے نجات مل گئی ہو اور ایک نئی دنیا، ایک نیا جہاں، کائنات کا ایک خفیہ گوشہ یوں سامنے آ گیا ہو جیسے خزانے کی تلاش مکمل ہوئی...... سفر تمام ہوا...... منزل سامنے آ گئی۔ روح اپنے اصل سے جڑ گئی۔ چاروں طرف سے محبت اور سلامتی کی صدائیں آنے لگیں۔ اس نے بے کراں آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اسے اپنے چاروں طرف ایسی قوت کا ادراک ہوا جو اس کو بہت صاف، صاف بتا رہی تھی کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ درد کی ہوائیں چلنے لگیں۔ کتابِ زندگی کے ورق اس ہوا میں... پھڑپھڑانے لگے۔ اور پھڑ پھڑاتے ہوئے اوراق جان لیوا سماع خراشی کرنے لگے۔ نوائے دل سوزِ دل سے بدل گئی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور ایک دم زمین پر سجدہ ریز ہو گئی۔ اس کا پورا وجود ہچکولوں کی زد میں تھا۔

"بی بی جان...... مجھے معاف کر دیں۔ میں...... میں آپ کو دوبارہ ڈاکٹر مہر جان نہیں بننے دوں گی۔ آپ ہنس تو رہی ہیں، مسکرا تو رہی ہیں، مجھے پہچان تو رہی ہیں، بس کافی ہے ناں...... کیا مل گیا آپ کو ڈاکٹر بن کر......

کیا مل گیا آپ کو بابا کا بیٹا بن کر؟" وہ اب چیخیں مار مار کر رو رہی تھی۔ ساری احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر جانے کب تک اسی طرح روتی رہی۔ وقفے وقفے سے چیخیں بلند ہوتی رہیں اور جانے کب تک یہ سلسلہ جاری رہتا کہ اس نے اپنے دائیں کندھے پر ایک بھاری ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ آہیں گھٹ گئیں۔ آنسو تھم گئے، دل بڑے زور سے دھڑکا۔

"ڈریں نہیں گل جان بی بی، میں اصیل خان ہوں، بہت معذرت کہ اوپر تنہائی میں آپ کے پاس چلا آیا۔ آپ کی چیخیں پورے گھر میں اس طرح سے گونج رہی ہیں کہ نوکر، گارڈز وغیرہ اس آواز کی تلاش میں چھت تک آسکتے ہیں، خود کو سنبھالیں۔" گل جان نے سر اٹھایا مگر اصیل خان کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"تم جاؤ اصیل خان میں اب انہیں روؤں گی، نہیں چیخیں ماروں گی مگر تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ، تمہیں پتا ہے ناں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ وہ تو اس وقت بھی دیکھ رہا تھا۔ جس وقت ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ شیطان نے ہمارے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ ٹانگ دیا ہے، چلے جاؤ اصیل خان فوراً چلے جاؤ یہاں سے۔" اصیل خان بنا کچھ کہے سر جھکائے چپ چاپ زینہ اترنے لگا۔

"یا اللہ اگر تو رحمان ورحیم نہ ہوتا تو ہم کہاں جاتے؟ تُو تو جانتا ہے کہ ہماری توبہ توبۃ النصوح ہے، سچی توبہ...... تو جانتا ہے کہ سچی توبہ وہ ہوتی ہے جب ایک بار ہونے والی غلطی کو دُہرایا نہیں جاتا...... بہت احتیاط کی جاتی ہے اور غفور الرحیم تو جانتا ہے...... کہ صرف ایک ٹھوکر نے منہ کے بل گرایا تھا۔ اس کے بعد سے آج تک چلتے ہوئے چونکتی ہوں۔ راستہ دیکھتی ہوں، ٹھوکر کے تصور سے یوں کانپتی ہوں جیسے کوئی آخری پونجی لٹ جانے کے خوف سے کانپتا ہے۔" گل جان نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھیں اور آسمان کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

وارث علی بہترین سوٹ پہن کر قیمتی پرفیوم لگا کر ستارہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"اچھا بیگم صاحبہ...... اب آپ کے شوہرِ نامدار...... فضلِ ربی کی تلاش میں نکل رہے ہیں، پیار سے خدا حافظ کہیں۔"

ستارہ نے جو اس وقت خود بھی بہت خوب صورت اور قیمتی ملبوس میں تھی، تیز میک اپ بھاری جیولری سبھی کچھ اس کے وجود کا حصہ تھا۔ شادی کے بعد اس گھر میں یہ اس کی پہلی صبح تھی...... وارث علی نے تو حیران کر کے رکھ دیا تھا۔ صبح آٹھ بجے ہی آفس جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ بے شمار سوالات ستارہ کے ذہن میں کلبلا رہے تھے مگر اس کی انا اسے سوال کرنے سے روک رہی تھی...... خدا حافظ اس نے بڑے ناز و ادا کے انداز میں کہا تھا بلکہ بڑی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

وارث علی نے خدا حافظ کہنے کی فرمائش کی...... اور اس نے دیر نہیں لگائی۔ ایک لمحے کے لیے تو وارث علی بھی چکرا کر رہ گیا۔ درحقیقت ستارہ کا اعتماد اس پر غالب آرہا تھا۔

"آپ شام کو کتنے بجے آتے ہیں......؟"

"بھئی میں کوئی سرکاری ملازم نہیں ہوں جو پانچ بجے آکر پلنگ توڑنے لگوں۔ بہت بڑا بزنس ہے میرا اور جو بڑا بزنس مین ہوتا ہے اس کا دن چوبیس گھنٹے کا نہیں ہوتا بلکہ اگر چھتیس گھنٹے میں اس کا کام ختم ہوتا ہے تو گویا اس کا ایک دن چھتیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔" ستارہ نے بہ مشکل استہزائیہ مسکراہٹ کو اپنے ہونٹوں تک آنے

سے روکا۔

"اچھا، آپ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ چھتیس گھنٹے تک گھر نہ آئیں تو مجھے فرض کرنا چاہیے کہ ابھی ایک دن ہوا ہے۔ اس لیے مجھے کبھی پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ صرف ایک ہی دن تو ہوا ہے، پریشانی کی کیا بات ہے۔"

اس کا انداز اتنا مزاحیہ اور بڑا اعتماد تھا کہ وارث علی اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کے سائے لہرائے۔ یہ جابر علی کی بیٹی تھی۔ جابر علی جس کے ذریعے سے اس نے بڑا مال بنانا تھا۔ یہ جابر علی کی صرف بیٹی نہیں تھی...... کاروبار کو پھیلانے کا لائسنس تھا۔ اس نے خود کو سنبھالا کیونکہ وہ محسوس کرتا تھا کہ اس لڑکی میں کچھ ایسی بات ہے کہ وہ اس کے اوپر حاوی ہو سکتی ہے اور وہ جابر علی کی بیٹی کو خود پر حاوی ہونے کی اگر اجازت دیتا تو پھر کاروبار کیسے کرتا...... مسئلہ تو کاروبار کا ہے...... وارث علی کو لڑکیوں کی کوئی کمی تو نہیں۔ ایک ڈھونڈو ہزاروں ملتی ہیں بقول اس کے...... پھر بھی اس نے کمالِ مہارت سے اپنے اندرونی خیالات کا عکس اپنے چہرے کے آئینے پر جھلکنے نہیں دیا تھا۔ بڑے پیار سے ستارہ کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر قریب کیا۔

ستارہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ خوب صورت باغ سے گزرتے گزرتے ایک دم لوہار کی بھٹی کے قریب جا کھڑی ہوئی ہو۔ ایک کڑی گزر گئی تھی دل وجاں پر......

"ارے بھئی آپ تو میری جان ہیں، حکم تو کریں، نہیں جاتے کام پر...... بیٹھ جاتے ہیں آپ کے سامنے۔"

"ارے یہ غضب مت کیجیے گا، آپ اگر کام پر نہیں جائیں گے تو یہ سارے لش پش ماند پڑ جائیں گے اور

دیکھیں ناں اس سارے لش پش سے تو آپ کے لشکارے ہیں، دنیا آپ کو جانتی ہے، میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ شوہر کو کہوں کہ وہ میرے پاس بیٹھا رہے اور کمانا چھوڑ دے۔ مجھے ایسا شوہر چاہیے بھی نہیں جو آٹھ گھنٹے نوکری کرے اور بارہ گھنٹے بیٹھ کر بجٹ بنائے۔'' ستارہ کے انداز میں اتنی بے ساختگی تھی کہ وارث علی اپنے قہقہے پر قابو نہ رکھ سکا۔ اب اس نے بڑی دلچسپی سے ستارہ کی طرف دیکھا تھا۔

''بہت شارپ ہو، بہت تیز، تمہیں سنبھالنے میں بہت وقت لگے گا۔''

''ارے نہیں، آپ فکر نہ کریں، اب اس گھر میں آکر بیٹھ گئی ہوں ناں اب تو اللہ ہی اٹھائے۔'' ستارہ کے انداز میں اتنے بے ساختگی اور برجستگی تھی کہ وہ اپنا قہقہہ روک کے بِنا نہ رہ سکا۔ اس نے بڑی دلچسپی سے ستارہ کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

''تم سے تو اس گھر میں بہت رونق ہو گئی ہے، کمال یہ ہے کہ تمہاری بات چیت سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ ہماری شادی کو صرف چند گھنٹے ہوئے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے ہم برسوں سے مل رہے تھے۔'' ستارہ نے اپنے عمر دار شوہر کو چونچال ہوتے ہوئے دیکھا تو اندر سے بری طرح کھول گئی لیکن بڑی ڈھٹائی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''وارث علی صاحب آپ کے لیے ہوگی یہ چند گھنٹوں کی ملاقات۔ میں نے تو تین سال پہلے ایک خواب میں آپ کو دیکھا تھا...... مگر مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ آپ کو خواب میں دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے میری شادی ہوگی۔ بڑا سچا خواب تھا۔''

''سچ کہہ رہی ہو؟ تم نے مجھے خواب میں دیکھا تھا؟'' وارث علی اب ایک دم ستارہ کے ہاتھوں جیسے بے وقوف بن ہی گیا تھا۔ بڑے پھکڑ پن سے بولا۔

''ایک دفعہ نہیں پتا نہیں دس مرتبہ...... حالانکہ جب میں نے دس مرتبہ دیکھا تھا تو مجھے سمجھ جانا چاہیے تھا کہ آپ بار بار خواب میں اسی لیے آرہے ہیں کہ اللہ میاں اشارے کررہا ہے کہ یہ میرا ہونے والا شوہر ہے۔ اس لیے تو آپ مجھے بالکل بھی اجنبی نہیں لگے۔''

وارث علی آنکھیں پھاڑ کر ستارہ کو دیکھتا رہ گیا۔ اپنی تیاری، اپنی رئیسی، اپنا مشن ایک لمحے کے لیے تو سبھی کچھ بھول گیا۔ اتنی خوب صورت کم عمر بیوی سو جان سے نثار ہوتی ہوئی...... بڑے سے بڑے افلاطون کا دماغ گھما سکتی ہے اور مالِ حرام کھانے والوں کے تو دو چار ضروری نٹس، اسکرو ویسے ہی ڈھیلے ہوتے ہیں جو بات عام بندے کو آسانی سے سمجھ آجائے ان کے سر سے گزر جائے گی کیونکہ کچھ حقائق ضمیر کے راستے سے ہو کر گزرتے ہیں اور ضمیر کبھی مُردہ نہیں ہوتا۔ کبھی سویا ہوا نہیں ہوتا، ظلم اور خود غرضی کے بوجھ تلے دبا ہوا سسک رہا ہوتا ہے...... سگنل میں error ہونے کی وجہ سے ایکٹو نہیں ہوتا۔

''اجی ہم نہیں جاتے کہیں، آج تو بس آپ کے ساتھ سارا دن پوری شام۔''

''یا اللہ یہ تو اب گوند لگا کر چپک کر بیٹھ گیا۔ میرے تو سارے کے سارے کام، سارے کے سارے منصوبے دھرے رہ جائیں گے۔ ابھی امی سے بات کرنی ہے، شبینہ سے باتیں کر کے دل کی بھڑاس نکالنی ہے، برہان بھائی سے پوچھنا ہے کہ وہ کس وقت آئیں گے اور اس امیر آدمی کی کار لے کر آج تو جشنِ آزادی منانا ہے۔'' ستارہ ایک دم پریشان ہو گئی...... دل ہی دل میں سوچا۔

وارث علی اب بہت والہانہ نظروں سے ستارہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کیوں نہ دیکھتا...... نکاح کر کے لایا

تھا۔ اتنی خوب صورت کم عمر بیوی سامنے کھڑی تھی۔ وہ اسے دیکھنے سے خود کو کیونکر روکتا!

”نہیں، نہیں آپ کام پر جائیں، کیا ہے کہ میں صبح اٹھ کر پورے گھر کا جائزہ لے چکی ہوں۔ مجھے بہت کام نظر آرہے ہیں گھر میں، آپ اپنے کام پر جائیں، مجھے گاڑی اور ڈرائیور دے جائیں اور کچھ پیسے بھی...... میں اپنی مرضی کی کچھ چیزیں اس گھر میں لا کر سجانا چاہتی ہوں، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟“ ستارہ نے اب بہت لاڈ بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”گاڑی اور ڈرائیور تمہیں دے دوں؟ کیا تم اپنی امی کے گھر جانا چاہتی ہو؟“ وارث علی جیسے ایک دم بدک گیا۔ ستاہ کے چہرے پر ایک دم سایہ سا لہرا گیا تھا۔ دل پر کہیں کوئی کاری ضرب لگی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔

”نہیں، نہیں میں گھر نہیں جاؤں گی اگر کبھی وہاں گئی تو آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی، اکیلی کبھی نہیں جاؤں گی۔“

وارث علی یہ سن کر انتہا سے زیادہ حیران ہوا تھا کیونکہ وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ شاید صبح ہوتے ہی وہ تو اس سے کہے گی کہ گھر چلیں۔

”اگر مجھے ایک سال تک فرصت نہ ملی تو......؟“

”تو میں ایک سال تک نہیں جاؤں گی۔“ ستارہ نے فوراً ہی کہہ دیا۔

وراث علی اب ذرا ٹھٹک کر ستارہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں، بھئی امی نے کہا تھا جیسے تمہارا شوہر کہے ویسے کرنا...... وہ دن کہے تو دن کہنا...... وہ رات کہے تو رات کہنا...... وہ تمہیں ہمارے ہاں لے کر آئے تو آ جانا...... نہیں لائے تو مت آنا۔“

وہ ایک سانس میں اتنا سارا بول گئی جیسے اس نے وارث علی کے چھکے چھڑا دیے تھے۔

”اچھا بابا...... گاڑی بھی آپ کی...... ڈرائیور بھی آپ کا...... جب یہ بندہ آپ کا......“ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ستارہ کے سامنے جوڑ دیے۔ ستارہ اس کی طرف دیکھ کر بڑے دلربا انداز میں مسکرائی۔

”خدا حافظ......اب جا بھی چکیں۔“

وراث علی اس کے ساتھ اپنائیت کا مظاہر کر کے پورچ کی طرف بڑھنے لگا۔ پورچ کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

”مجھے تو ذرا سی بھی محنت نہیں کرنا پڑی کم عمر ہے...... یہ میرے راستے میں نہیں آئے گی بلکہ لگ رہا ہے کہ میرا بھرپور ساتھ دے گی۔“ ستارہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

”شکر خدا کا یہ گھر بہت خوب صورت ہے، اس گھر میں ہر چیز بہت خوب صورت ہے، سوائے اس بڈھے کے۔“ جیسے ہی اس نے وارث علی کی پراڈو گیٹ سے باہر نکلنے کی آواز سنی، فوراً گھر کا نمبر ملا دیا۔ دوسری طرف کال ریسیو کرنے والی شبینہ تھی۔ وہ بہت مغموم اور اداس تھی۔ اس نے اس خیال سے ریسیور اٹھایا تھا کہ یا تو ستارہ کا فون ہوگا یا برہان کا...... کیونکہ ستارہ اسے کہہ کر گئی تھی کہ جب وہ وارث علی کے گھر پہنچے گی تو سب سے پہلے برہان کو فون کرے گی اور اسے سب کچھ بتا دے گی اور واقعی دوسری طرف ستارہ ہی تھی۔

”ہیلو......“ ستارہ کی آواز شبینہ کی سماعت سے ٹکرائی تو اس کی آواز میں بوجھل پن یا تھکاوٹ کا کوئی عنصر محسوس نہیں ہوا بلکہ ستارہ کی آواز میں تو بڑی تر و تازگی تھی۔ شبینہ کو ایک گونا سکون محسوس ہوا۔

”کیسی ہو ستارہ......؟“ ستارہ جواب میں کھلکھلائی تھی۔

”میری آواز سے کیسا لگ رہا ہے...... ابھی ابھی اس بڈھے کو روانہ کیا ہے، ہائے شبینہ تم میرا گھر تو دیکھو...... سمجھو میری لاٹری نکلی ہے۔“ ستارہ بول رہی تھی اور حیرت سے شبینہ کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں۔

”تم اسے بڈھا بھی کہہ رہی ہو اور اس کے گھر کی تعریف بھی کر رہی ہو؟“

”تو...... کیا غلط کر رہی ہوں، بڈھا بھی میرا ہے اور اس کا گھر بھی میرا ہے۔“ ستارہ اِدھر اُدھر دیکھ بڑے شرمائے شرمائے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

”بری بات ہے ستارہ اب جو بھی ہے تمہارا شوہر ہے وہ...... تم نے خود اسے قبول کیا ہے اور اب تم خو بھی بہت محسوس ہو رہی ہو، چلو شکر تمہیں گھر پسند آ گیا......“

”گھر واقعی بہت خوب صورت ہے، اتنا سجا ہوا ہے، شبینہ آپا اتنا سجا ہوا ہے کہ تم دیکھو گی تو حیران جاؤ گی۔ یا تو یہ سمندری ڈاکو ہے یا واقعی اس کے اپنے جہاز چلتے ہیں۔“ ستارہ نے بلند بانگ طنزیہ قہق لگایا تھا۔

”واقعی ستارہ......؟“ شبینہ یہ سن کر واقعی بہت متاثر ہوئی تھی۔

”ارے آ کر دیکھ لینا، تم اور امی تو آ سکتے ہو ناں میرے گھر...... میں نے خود پر پابندی لگائی ہے کہ اب اپنے باپ کے گھر نہیں جاؤں گی۔“

”یہ کیا بات ہوئی گھر کی تعریف کر رہی ہو، خوش نظر آ رہی ہو اور اپنی ضد پر اَڑی ہوئی ہو، اب چھوڑ دو یوں سمجھو کہ قسمت میں یہی لکھا تھا۔“

”ارے واہ...... کیوں سمجھ لوں...... ٹھیک ہے میری قسمت میں لکھا تھا لیکن میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ سب کچھ سزا کے طور پر دیا گیا ہے کالے پانی بھیجا گیا ہے، بہت بڑا جرم تھا میرا...... ایک بلاسٹ میں ایک ہزا بندے مارے تھے میں نے تو...... ظاہر ہے ایک ہزار مرتبہ تو پھانسی کی سزا ہو گی ناں......“

شبینہ نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں ماں تو آس پاس نظر نہیں آ رہی اور اس کی بات سن کر فکر مند ہو جائے۔ سوال کرنے لگے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ صابرہ کچھ سنے...... کیونکہ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی دیکھ کر آ رہ تھی کہ وہ تو بالکل بستر پر یوں دراز تھیں جیسے اُن میں خود سے اٹھ کر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو۔

”امی کیا کر رہی ہیں شبینہ آپا...... بات نہیں کریں گی مجھ سے کیا؟“ ستارہ کو معاً ماں کا خیال آیا۔

”امی آرام کر رہی ہیں ستارہ...... بس آہستہ، آہستہ ٹھیک ہوں گی، ظاہر ہے جو کچھ ہوا سب سے زیادہ د تو امی کو ہو گا ناں......“

”امی کو سمجھانے کی کوشش کرنا...... میں تو یہ فرض کر کے بیٹھ گئی ہوں، میری شادی ہی نہیں ہوئی ایک سز سے گزر رہی ہوں، کسی بھی دن یہ سزا پوری ہو جائے گی اور میں رہا ہو جاؤں گی۔“

”کیا مطلب......؟“ شبینہ کے سر پر تو ستارہ نے جیسے کوئی بم پھوڑ دیا تھا۔

”ابھی تو میں آرام کرنے جا رہی ہوں، ساری رات کی جاگی ہوئی ہوں، شام کو موقع ملا تو مطلب بتاؤں گی۔ اور ہاں...... میں نے برہان بھائی کو فون کر دیا تھا وہ بھی ہو سکتا ہے دوپہر تک آ جائیں، اپنے بھائی کے لیے اپنے ہاتھوں سے بہت اچھا کھانا بناؤں گی، مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے شبینہ آپا کہ مجھے پر لگ گئے ہیں، میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہوں، بڈھا ہے تو کیا ہوا...... آزادی ہے، خوشی ہے اور اپنے گھر کا احساس

......یہ تو بہت خوب صورت احساس ہے۔ اللہ کرے ابا جان اب تمہاری بھی بہت جلد شادی کر دیں۔ جان چھوٹے تمہاری اس گھر سے...... اللہ حافظ۔“

ستارہ نے آدھی تیل کی آدھی گھی کی کر کے اپنی طرف سے فون بھی بند کر دیا تھا۔ شبینہ اپنی جگہ پر سوچ میں گم کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

”یار میں یونیورسٹی تو آ گیا ہوں مگر مجھے ایک پل کے لیے چین نہیں آ رہا۔“ برہان کیفے ٹیریا میں چائے کی پیالی پر نظریں جمائے بہت دور پہنچا ہوا تھا۔

”کیوں کیا ہوا...... خیر تو ہے حالانکہ مجھے تم سے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے۔ خیر مجھے تو یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تم پر رحم کرے لیکن یار تم روٹین سے زیادہ ڈسٹرب نظر آ رہے ہو، کیا مسئلہ ہے، شیئر کرو، شیئر کرنے سے بھی بندہ ہلکا ہو جاتا ہے۔“

”نعمان یار تم مجھے اپنی بائیک پر دو تلوار تک ڈراپ کر دو گے؟“ برہان چائے کا کپ اٹھا کر سپ لیتے ہوئے بڑے تکلف سے کہہ رہا تھا۔

”کم...... آن...... یار آج کیسے اجنبی، اجنبی لگ رہے ہو، تم جہاں کہو گے میں ڈراپ کر دوں گا...... خیریت؟ کہیں جاب وغیرہ کے لیے انٹرویو دینے جانا ہے؟“

”نہیں یار...... اپنی بہن سے ملنے جانا ہے۔“

”بہن سے......؟ تمہاری تو دو ہی بہنیں ہیں، دونوں ہی ان میرڈ ہیں۔“ نعمان نے الجھن بھری نظروں سے برہان کی طرف دیکھا۔

”یار ایک کی شادی ہو گئی ہے۔“ برہان نے چائے کا سپ لینے کے بعد کپ واپس رکھ دیا تھا۔ اس کے چہرے پر اذیت کے آثار بہت واضح تھے۔

”اوہ...... اچھا اسی بہن کی جس کا تم بتا رہے تھے کہ تم نہیں چاہتے کہ اس کی شادی وہاں ہو۔“ نعمان کو سب کچھ یاد آ گیا۔

”نہیں یار وہ والی نہیں، اس سے چھوٹی والی......“

”اوہ...... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹی والی کے لیے بھی کوئی اچھا رشتہ آ گیا تھا تو بڑی سے پہلے چھوٹی کی کر دی۔“

”نہیں یار جس بندے کا رشتہ بڑی کے لیے آیا تھا اسی سے چھوٹی کی شادی ہوئی ہے۔“ نعمان ایک لمحے کے لیے کچھ سمجھ نہیں پایا تھا، الجھ کر رہ گیا۔

”کیا کہہ رہے ہو، بڑی کی شادی جہاں ہونی تھی وہاں چھوٹی کی ہوئی ہے، یہی مطلب ہے تمہاری بات کا ناں......“

”ہاں...... ہاں تو اور کیا...... میری ایک بات کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے، دس مطلب نہیں نکالے جا سکتے...... میں بہت سیدھی سیدھی بات کرتا ہوں۔“ برہان نے اتنا کہا، کپ اٹھا کر چائے کے دو تین گھونٹ بھرے، نعمان کی چائے کب کی ختم ہو گئی تھی لیکن سوچ بچار کے طویل دورانیے نے برہان کی چائے بالکل ٹھنڈی پانی کر دی تھی مگر وہ یوں پی رہا تھا جیسے بہت تیز گرم چائے پی رہا ہو کیونکہ اس کا ذہن مرتکز نہیں تھا۔

''اوہ..... تو تم شاید اسی وجہ سے ڈسٹرب ہو؟''

''ہاں، ظاہری بات لیکن اب کمپرومائز تو کرنا ہوگا کیونکہ شادی تو ہوگئی ہے۔''

''obviously دیکھو برہان اب خود کو اس طرح سے سمجھاؤ کہ بہت زیادہ برا ہو سکتا تھا، ہو سکتا ہے بہت کم برا ہوا ہو، بندہ عمر کا زیادہ ہے لیکن ہو سکتا ہے اچھا آدمی ہو، تمہاری بہن کا خیال رکھے۔ اس کی خوشیوں کا احترام کرے۔'' نعمان سمجھانے لگا۔

''اب وہاں جائیں گے تو پتا چلا گا کہ دریا کا بہاؤ کیسا ہے، سیلابی ہے یا کھیتوں میں سبزہ اگائے گا۔ باغوں میں پھل پھول کھلائے گا۔''

''اچھا چلو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں، اس ڈپریشن کی کیفیت میں پیریڈ اٹینڈ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' برہان چائے کا خالی کپ رکھ کر نعمان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بے معنی سا مسکرایا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو۔ فی الحال تو میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ چلو چلتے ہیں۔''

☆☆☆

''تمہیں بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے روما...... ! پتا ہے دادا جان، تمہارا اور رابی آپا کا ایسے ہی خیال رکھتے ہیں جیسے میرا۔ وہ تم لوگوں کو ایسے ہی پریشان تو نہیں رہنے دیں گے ناں مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ٹھیک ہے۔ خالہ جان نے آنٹی کا علاج کرانے سے منع کر دیا ہے مگر وہ خالہ جان کو سمجھائیں گے اور آنٹی کا پراپر ٹریٹ منٹ کروائیں گے۔ وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''میں خالہ جان کے ساتھ ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ جو وہ سوچ رہی ہیں میں اس سے اگری کرتی ہوں۔'' کائناز ایک دم ہکا بکا ہو کر روما کی طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت دونوں کالج میں پہلا پیریڈ لینے کے بعد کلاس سے باہر آ رہی تھیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟''

''مطلب...... دیکھو ناں اماں جان ہر وقت ٹینس رہتی تھیں، ہر وقت چیختی تھیں، ڈانٹتی تھیں، یقین کرو میں حیران ہوتی تھی کہ وہ انسان ہیں آخر کبھی تو ہنسیں۔ کبھی تو بولیں۔ جب دیکھو انہیں غصہ آیا رہتا تھا۔ کائناز جب میں نے اماں جان کو زور زور سے ہنستے دیکھا تو یقین کرو مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا کہ یہ ہنسی اماں جان کی ہے۔ اتنی خوب صورت ہنسی ہنس رہی تھیں۔ تم سنتی تو بس حیران ہی رہ جاتیں۔ اماں جان ہنستی ہوئی بہت اچھی لگ رہی ہیں اگر ان کا ٹریٹمنٹ ہوگیا، وہ ٹھیک ہوگئیں تو پھر اُن کی ہنسی غائب ہو جائے گی۔'' وہ کچھ توقف کر کے بولی۔

''نہیں...... نہیں اب مجھے ہنستی ہوئی اماں جان چاہئیں، چاہے وہ مجھے پہچانیں یا نہ پہچانیں...... لیکن وہ خوش نظر آئیں۔ کائناز وہ میری ماں ہیں اور میں انہیں بہت پیار کرتی ہوں، دل سے چاہتی ہوں کہ وہ ہنسیں لیکن وہ میری مرضی یا میری خواہش سے کبھی نہیں ہنسیں۔ مجھے دکھ ہوتا تھا کہ میری ماں ہر وقت اتنے تناؤ کا شکار کیوں رہتی ہیں، اتنا کام کیوں کرتی ہیں، بہت زیادہ کام کرنے کی وجہ سے ہی تو وہ چڑچڑی ہوگئی تھیں اور انہیں بہت غصہ آیا کرتا تھا۔ اب نہ وہ کام کریں گی نہ غصہ آئے گا۔ کم از کم خوش تو رہیں گی ناں۔'' روما بولتی جا رہی تھی اور کائناز اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔

''میں تو تمہارے خیال سے کہہ رہی تھی روما...... ورنہ مجھے تو تمہیں اس طرح اپنے گھر میں دیکھ کر اتنی خوشی

ہو رہی ہے، اتنی خوشی ہو رہی ہے لگتا ہے جیسے خوشی کے مارے میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

''خالہ جان نے کہا ہے کہ جب تک وہ نہیں کہیں گی تم ہمارے گھر ہی رہو گی۔'' کائناز کی خوشی دیدنی تھی۔

''روما اب ہم دونوں ساتھ کالج آیا جایا کریں گے، ایک ہی گاڑی میں باہر جایا کریں گے، ساتھ ہی کھانا کھائیں گے، ہر جگہ ساتھ ساتھ ہوں گے۔ روما میری لائف تو ایک دم چینج ہوگئی ہے، sorry for that ایک ایکسیڈنٹ نے تو میری لائف ہی چینج کر کے رکھ دی ہے لیکن پلیز تم مائنڈ مت کرنا۔ میں تو تمہیں اپنے گھر میں دیکھ کر اتنی خوش ہوں کہ پتا نہیں کیا الٹا سیدھا بول گئی ہوں۔'' کائناز نے اس کی طرف دیکھا۔ اداسی کے بیچ مسکراہٹ یوں ابھری جیسے گھنے بادلوں کی اوٹ سے لمحے بھر کے لیے چاند جھانکتا ہے۔

''کوئی بات نہیں کائناز...... ! تم خوش ہو تو تمہیں خوش نظر آنا چاہیے، میرا دل رکھنے کے لیے تمہیں اداس ہونے کی ضرورت نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے کائناز کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

''تم بہت اچھی ہو کائناز...... جتنا پیار تم مجھ سے کرتی ہو، شاید میں تم سے اتنا نہیں کرتی۔'' کائناز نے بھی اسے زور سے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''بے وقوف ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے اتنا پیار کرتی ہیں کہ کوئی کسی کو زیادہ نمبر نہیں دے سکتا۔'' کائناز کے اس برجستہ جواب نے روما کے چہرے پر مسکراہٹ کی کرنیں بکھیر دی تھیں۔

☆☆☆

ایس پی اور وارث علی کے فلک شگاف قہقہے آفس کی دیواروں سے ٹکرا رہے تھے بلکہ اَن دیکھے سوراخوں سے پار ہو کر باہر چلتے پھرتے لوگوں کو بھی متوجہ کر رہے تھے۔

''بہت خوش نظر آ رہے ہو؟'' ایس پی نے وارث علی کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سر واقعی فی الحال میں بہت خوش ہوں، تھوڑی دیر کے لیے تو بھول گیا ہوں کہ وہ جابر علی کی بیٹی ہے، سر جی وہ تو ایک بنی بنائی تھانیدارنی ہے۔''

''ایسی باتیں کر کے ڈراؤ نہ یار......'' ایس پی نے برجستہ کہا تھا۔

''سر کیا...... کانفیڈنس ہے اس چھوٹی سی لڑکی میں...... لگتا ہی نہیں کہ کل رات ہماری شادی ہوئی ہے، میں تو آپ سے بات کرنے کے لیے کل سے اتنا بے تاب تھا کہ بس صبح ہی گھر سے نکل کھڑا ہوا۔''

''بات سنو...... وارث علی وہ کم عمر خوب صورت لڑکی تمہیں تمہارے مقصد سے نہ ہٹا دے۔ یہ مت بھولنا کہ یہ شادی نہیں ہے ایک کاروباری سمجھوتا ہے، کہیں پیادہ شہ مات نہ دے دے۔'' ایس پی اب ذرا سنجیدہ ہو کر گویا ہوا۔

''سر جی کچھ دن تو موج کرنے دیں، کام تو کرنا ہی کرنا ہے۔'' وارث علی اپنا سر کھجا کر بولا۔

''یہی کہہ رہا ہوں موج مستی میں کہیں مشن نہ بھول جانا۔''

''جابر علی ہمارا کچھ نہیں لگتا...... اور نہ ہی اس کی بیٹی۔ مجھے یاد ہے، میں تو آپ سے مذاق کر رہا تھا اب تو کھُل کر کھیلیں گے، کوئی ڈر ہی نہیں...... ہمارے راستے میں آنے کی کوشش کرے گا تو اس کے سامنے اس کی بیٹی کو کھڑا کر دیں گے پھر دیکھیں کہاں جاتا ہے۔''

''ظاہر ہے ہمارا منصوبہ بھی یہی تھا اور ہمیں اپنے اس منصوبے پر کام کرنا ہے، یار یہ زندگی بار بار نہیں ملے گی۔ پیسہ ہو تو عورتوں کی کیا کمی ہے، تمہاری بیوی تو اٹھارہ، انیس سال کی لڑکی ہے تمہیں تو اس سے بھی

چھوٹی مل سکتی ہے۔ پیسے سے سب کچھ مل جاتا ہے۔" ایس پی سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ایک طرح سے وہ وارث علی کی برین واشنگ کر رہا تھا۔

"مانتا ہوں سر جی...... مانتا ہوں، پیسے سے سب کچھ مل جاتا ہے لیکن پیسہ بڑی مشکل سے ملتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا تھا۔ ایس پی کی جیسے جان میں جان آگئی۔

وارث علی بہت بڑا شاطر تھا، ستارہ وقتی طور پر تو اس پر غالب آسکتی تھی لیکن اس کے اندر چھپی ہوئی دولت کی خوفناک بھوک کو مٹانا آسان نہیں تھا۔

"سر جی آپ اپنا کام کریں اور میں اپنے کام پہ جاتا ہوں، اب مجھے اجازت۔" اس نے ایس پی کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس وقت اس کے موبائل پر رنگ ہوئی تھی۔ اس نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ کھینچا اور جلدی سے جیب سے اپنا موبائل نکالا۔ سامنے ایک un known نمبر بلنک ہو رہا تھا۔

وارث علی نے الجھی ہوئی کیفیت میں بہرحال کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو......؟" اس کا لہجہ سوالیہ تھا۔ دوسری طرف سے برہان کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"برہان بات کر رہا ہوں، ستارہ کا بڑا بھائی...... آپ سے میری صرف ایک ملاقات ہوئی ہے، شاید آپ کو یاد ہو۔" برہان کی آواز سن کر وارث علی چونک پڑا تھا۔ اس نے ایس پی کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"او...... اچھا...... اچھا کیسے ہیں آپ......؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں، اصل میں، میں آپ کے گھر کی طرف آ رہا تھا۔ آپ تھوڑا سا مجھے گائڈ کریں گے؟" وارث علی شاید اس صورتِ حال کے لیے ذہنی طور پر بالکل بھی تیار نہیں تھا کہ برہان اس کی غیر موجودگی میں ستارہ سے ملنے جا سکتا ہے مگر اسے یہ سمجھ نہیں آئی کہ وہ اسے ستارہ سے ملنے سے کیسے روکے...... آخر اس نے اسے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھانا شروع کر دیا۔ وہ برہان کو ایڈریس سمجھا رہا تھا اور ایس پی بہت گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا ایک، ایک انداز جیسے تول رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میرا خیال ہے کہ آپ سمجھ گئے ہیں، آپ کو مشکل نہیں ہوگی۔"

"جی بالکل یہ تو بہت آسان ایڈریس ہے، میں آپ کے گھر کے تقریباً قریب ہی ہوں، زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں گھر پہنچ جاؤں گا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ...... انشاء اللہ اب آپ کے گھر پر آپ سے باتیں ہوں گی۔"

"میں گھر پر نہیں ہوں۔" وارث علی نے فوراً ہی کہا تھا۔

"کیا مطلب......؟" برہان ایک لمحے کے لیے پریشان سا ہو گیا۔

"مطلب یہ کہ میں اپنے آفس آ گیا ہوں لیکن ستارہ سے آپ مل سکتے ہیں۔"

"او کے تھینک یو......" برہان کی آواز آنا بند ہو گئی۔

"جابر علی کا بیٹا......؟" وارث علی نے ایس پی کی طرف دیکھا۔ ایس پی کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں کھنچ گئیں۔

جاری ہے

امانت

رفعت سراج

قسط 12

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے. موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنھوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سائیہ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے. اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں.

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی قطعی پسند نہیں۔ سب انسپکٹر جابر علی نے ہمیشہ رزقِ حلال کی کمائی سے اپنے گھر کو چلایا اس کی بیوی صابرہ، بیٹا برہان اور بیٹیاں شبینہ اور ستارہ اسی کمائی میں گزارہ کر رہے تھے۔ ایس پی شیر زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو نا قابلِ قبول ہوتا ہے۔ جابر علی، برہان کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تو برہان گھر سے چلا جاتا ہے۔ برہان اخبار میں اشتہار دیکھ کر شاہ عالم کے پاس انٹرویو کے لیے جاتا ہے اور وہ اسے کائناز کو پڑھانے کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ اصیل خان ماضی کے دنوں میں اپنے اور مہر جان کے گزرے یادگار لمحات میں گم ہوتا ہے کہ گل جان اسے مہر جان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دیتی ہے۔ صابرہ، برہان کو فون کرتی ہے تو اس کی بات کائناز سے ہوتی ہے۔ صابرہ فون پر بات کر رہی تھی کہ جابر علی اٹھ جاتا ہے اور وہ صابرہ پر چیختا ہے۔ گل جان، مہر جان کے پاس اسپتال میں ہوتی ہے تو اصیل خان فون پر بتاتا ہے کہ پولیس رابی کو مری سے گرفتار کر کے لے آئی ہے اب اسے گھر لاتا ہے۔ وارث علی اور ایس پی شاہ زمان اپنی فتح اور کامرانی پر خوش ہوتے ہیں۔ فائزہ، احمر کے ساتھ شبینہ سے ملنے آتی ہے تو اس کے جانے سے پہلے ہی جابر علی آجاتا ہے اور وہ اس کے آنے پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ شبینہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پا رہی تھی کہ ستارہ کو بتا دے کہ شادی اس کی نہیں بلکہ ستارہ کی ہو رہی ہے۔ گل جان نے روما کو بتایا کہ رابی کی شادی ہو رہی ہے تو روما بھی پریشان ہوگئی۔ رابی اپنا کمرا بند کر کے بیٹھی تھی یہ بات گل جان کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ برہان، شاہ عالم کے ہاں پہنچا تو اسے پتا چلا کہ وہ اپنا موبائل وہاں بھول گیا تھا۔ روما، گل جان سے پوچھتی ہے کہ وہ کائناز کو شادی میں بلا لے تو گل جان منع کر دیتی ہے۔ کائناز بخار کی شدت سے نڈھال تھی وہ دل بہلانے کے لیے روما کو فون کرتی ہے تو کوئی فون ریسیو نہیں کرتا۔ گل جان، رابی کو مہر جان کی دی ہوئی ساڑی دیتی ہے کہ وہ تیار ہو جائے۔ رابی نے ساڑی پہن کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اور پھر بے ترتیبی سے اپنے بال کاٹ لیے اس کے بعد اس نے تیزاب میں روئی بھگو کر اس سے اپنے چہرے پر لائنیں کھینچنا شروع کر دیں۔ اندر کی جلن نے ہر تکلیف کے احساس کو ختم کر دیا تھا۔ کائناز کہتی ہے تو شاہ عالم اسے روما کے گھر لے جاتا ہے۔ صابرہ کی برہان سے بات ہوتی ہے تو وہ کائناز کے بارے میں پوچھتی ہے۔ کائناز اور شاہ عالم، مہر جان کے گھر پہنچتے ہیں تو انہیں پتا چلتا ہے کہ رابی کی شادی ہو رہی ہے۔ مہر جان، اصیل خان سے کہتی ہے کہ وہ رابی کو یہاں سے کہیں بھی لے جائے کیونکہ رابی نے ان کو شکست دی ہے اور انہیں سر جھکا کر جینا نہیں آتا۔ سہراب خان رابی کی شکل دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان ایک بار پھر آئی سی یو میں داخل ہو گئی تھیں۔ شائستہ بیگم اور فائزہ، شبینہ کے گھر آتی ہیں تو وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے شائستہ بیگم کو اس خبر سے تسلی ہوتی ہے کہ شبینہ کی شادی ہو رہی ہے لیکن صابرہ، ستارہ کی اس بات کی نفی کرتی ہے۔ شبینہ، صابرہ سے کہتی ہے کہ وہ ستارہ کو بتا دے کہ شادی اسی کی ہو رہی ہے۔ صابرہ بالآخر ستارہ کو بتاتی ہے کہ شادی اس کی ہو رہی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے کہ گل جان کو پتا چلتا ہے کہ ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کر رہا ہے اور وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ روما، رابی اور کائناز کو گل جان کے بارے میں بتاتی ہے۔ ستارہ کا وارث علی سے نکاح ہو جاتا ہے۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں جس پر شاہ عالم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ صابرہ، ستارہ کی رخصتی کے بعد بہت روتی ہے کہ ستارہ یہ کہہ کر گئی ہے کہ وہ اب کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی۔ روما فکر مند ہوتی ہے کہ وہ کب تک مہر جان کے سامنے نہیں جائے گی۔ وارث علی اپنی بیوی ستارہ کے انداز دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے وہ بغیر کسی جھجک یا گھبراہٹ کے وارث علی سے بات چیت کر رہی تھی۔ ستارہ، برہان کو فون کر کے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہو گئی ہے اور وہ اس سے ملنے اس کے گھر آسکتا ہے، گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہو جاتی ہے جب وہ مہر جان سے کہتی ہے کہ اسے لگتا ہے کہ وہ اصیل خان سے محبت نہیں کرتی۔ مہر جان اس بات کی نفی کرتی ہے۔ برہان، ستارہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے تو فون کر کے وارث علی سے ایڈریس سمجھتا ہے وارث علی برہان کی آمد سے تھوڑا پریشان ہو جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیں

”خیریت تو ہے سر جی...... آپ تو ایک دم فکر مند نظر آنے لگے۔“ ایس پی کے پُرتفکر چہرے پر وارث علی کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔

”یار یہ تو ذہن میں رہا ہی نہیں کہ جابر علی کا ایک جوان بیٹا بھی ہے۔“ ایس پی نے گم صم کھوئی کھوئی نظروں سے وارث علی کی طرف دیکھا...... پھر گہری سانس لے کر جیسے خود کو ریلیکس کیا۔

”سر جی...... کوئی غم نہیں، ایک بیٹا ہے ناں سات بیٹے بھی ہوتے تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا...... اب اس کے بیٹے کی بہن میرے گھر میں آچکی ہے۔“ ایس پی نے وارث علی کے ہلکے پھلکے انداز پر بھی جیسے اپنے اندر اطمینان کی کیفیت محسوس نہیں کی۔ اسی طرح پُرتفکر لہجے میں گویا ہوا۔

”نہیں یار جوان لڑکے بہت غیر محتاط ہوتے ہیں، بڑی جلدی جوش میں آجاتے ہیں، اس لڑکے کی وجہ سے کہیں سارا بنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے۔“

”چھوڑیں سر جی، آپ بھی کن چکروں میں پڑ گئے ہیں، مجھے دیکھیں میں تو اس سے ملا بھی ہوں، بڑا گبرو کڑیل جوان بچہ ہے مگر جب بہن، بیٹی کا معاملہ آجاتا ہے ناں تو بڑے بڑے کڑیل راستہ چھوڑ دیتے ہیں بلکہ راستہ دیتے ہیں۔“ ایس پی نے وارث علی کی طرف دیکھا پھر اپنی تسلی کے لیے پوچھنے لگا۔

”تم ملے ہو اس لڑکے سے...... دیکھنے میں تو اچھا ہوگا مگر انداز کیسا تھا تمہیں قبول کر لیا تھا اس نے؟“

ایس پی کی یہ بات سن کر وارث علی نے ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

”سر جی مجھے اس کے باپ نے قبول کیا تھا۔ مجھے لڑکے کے قبول کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں نے کوئی ٹینشن نہیں لی۔“ ایس پی نے اب گہری سانس لی اور ذرا کھل کر مسکرایا۔

”تمہارا اطمینان دیکھ کر تو میرا فرض یہی بنتا ہے کہ میں بھی مطمئن رہوں۔“

”بالکل جی...... یہی تو میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ آپ کو ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، کچھ نہیں کر سکتا وہ لڑکا...... ارے اس کا اتنا زوردار باپ کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہ اس کے آگے کیا بیچتا ہے۔“ ایس پی نے یوں گردن ہلائی جیسے اسے وارث علی کی بات پر یقین آگیا ہو، اس کی تسلی ہو گئی ہو۔

☆☆☆

”آپ کی طرح اس گھر کو میں بھی ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر آگئی بھائی۔“ ستارہ، برہان کے سامنے اپنے پُرتعیش اور قیمتی اشیا سے سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں بیٹھی بڑے اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ برہان نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے ستارہ کی ذہنی حالت پر شبہ ہو رہا ہو۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے؟ تمہاری تو باقاعدہ شادی ہوئی ہے ناں...... ابا جان نے ہی تمہیں رخصت کیا ہے ناں؟“ وہ الجھے الجھے انداز میں گویا ہوا۔

”جی، رخصت تو ابا جان نے ہی کیا ہے...... اور یہ بہت اچھا ہو گیا کہ انہوں نے بڑے پیار سے محبت کے ساتھ مجھے اس گھر سے چھٹکارا دلا دیا۔“

برہان نے پھر ستارہ کی طرف یوں دیکھا جیسے واقعی اب تو اسے یقین ہو گیا ہو کہ ستارہ کی ذہنی حالت مشکوک ہے۔

”یہ کیسے ہو گیا ستارہ...... شادی تو شبینہ کی ہو رہی تھی۔“ بھائی کی بات سن کر وہ ہنس پڑی۔ بڑی عجیب سی ہنسی تھی اس کی۔

''بھائی، ابا جان نے اپنے حساب سے کالے پانی کی سزا دی ہے مجھے......اُن سے میرا سچ بولنا برداشت نہیں ہوتا تھا ناں......اپنے حساب سے انہوں نے میری زبان کاٹ دی......مگر اب میں ان کو بتاؤں گی کہ پہلے میری ایک زبان تھی۔ اب میری دس زبانیں ہیں اور دس کی دس اب اس طرح سچ اگلیں گی جیسے ہم سنتے ہیں جیسے جہنم کے اندر سے آگ ابلتی ہے۔'' ستارہ بولتے، بولتے ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں نمایاں ہوگئی تھیں۔ لگتا تھا کہ اس کا ذہن کئی سمتوں میں سفر کر رہا ہو۔

''لیکن......ستارہ تم نے......تم نے کیا سوچا ہے اب......میرا مطلب ہے شادی تو تمہاری ہوگئی۔'' برہان اس کی بات سن کر پریشان سا ہوگیا۔ اب وہ کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا مگر الفاظ جیسے اس کی مٹھی سے ریت کی طرح پھسل پھسل کر گر رہے تھے۔

''کیا سوچنا بھائی......شادی ہوگئی ہے، گھر مل گیا ہے، بس جس طرح باقی تمام لڑکیاں شادی کے بعد گھر میں رہتی ہیں، اسی طرح میں اپنے گھر میں رہوں گی اور آپ یہ سمجھ لیجیے کہ شاید شبینہ آپا کی قسمت مجھ سے بہت اچھی ہے......ہاں، بال بچ گئیں مگر اب اپنی قسمت میں خود بناؤں گی۔'' ستارہ کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔ جس نے برہان کو جیسے چونکا سا دیا۔

''نہیں ستارہ اب تمہیں پہلے سے زیادہ احتیاط کرنا ہوگی کیونکہ یہ تمہارے باپ کا نہیں شوہر کا گھر ہے۔'' برہان نے اپنا دکھ چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بہن کو سمجھانے کی کوشش کی......کیونکہ اتنا تو وہ سمجھتا تھا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب جو ہو چکا اسے کیسے سنبھالنا ہوگا، اس وقت صرف یہی سوچنا تھا۔ ''اور تم بات کرنے میں احتیاط کیا کرو، جس طرح تم ابھی بے دھڑک بول گئیں۔ تمہیں اس طرح نہیں بولنا چاہیے۔ فرض کرو اگر تمہارا شوہر گھر میں ہو اور وہ ایسا کچھ سن لے تو مسئلہ ہو جائے گا۔ تمہیں اس کے گھر میں جگہ مل گئی ہے، اب دل میں بھی جگہ بنانی چاہیے کیونکہ جینے کا یہی راستہ رہ گیا ہے۔''

''بھائی وہ بہت مصروف بزنس مین ہیں، کہہ رہے تھے کہ بہت بڑے آدمی ہیں، تھوڑا سا مال اور جمع ہو جائے تو shipping کمپنی کھول لیں گے پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کے جہاز چلتے ہیں لیکن جن کے جہاز چلتے ہیں، ان کے جہاز ڈوبتے بھی تو ہیں۔'' ستارہ نے بڑے معنی خیز انداز میں یہ جملہ کہا تھا جسے سن کر برہان بہت زیادہ پریشان ہوگیا۔

''ستارہ دیکھو اب تمہارے شوہر کا فائدہ تمہارا فائدہ ہے، اس کا نقصان تمہارا نقصان ہے۔ ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ویسے وہ تمہارے ساتھ کیسا ہے۔ ٹھیک ہے ناں کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے؟ دیکھو میں تمہارا سگا اور بڑا بھائی ہوں، مجھ سے کبھی کچھ نہیں چھپانا......'' ستارہ بھائی کی بات سن کر دھیرے سے ہنس پڑی۔ اس وقت ملازم فریش جوس کے دو گلاس لے کر اندر داخل ہوا تھا۔ ستارہ اس کے آنے پر چند لمحے کے لیے خاموش ہوگئی۔ ملازم ٹرے ٹیبل پر رکھ کر واپس پلٹ گیا۔ اس کے نکلتے ہی وہ پھر بولنے لگی۔

''بھائی......وارث علی کی لاٹری نکلی ہے، اس لیے میرے ساتھ تو ٹھیک ہی ہوں گے۔''

''کسی بات کا سیدھا جواب بھی دے دیا کرو ستارہ۔'' وہ جز بز سا ہوگیا تھا۔ ''دیکھو ناں تمہاری اسی بے احتیاطی کی وجہ سے آج یہ وقت آیا ہے کہ تمہاری شادی زبردستی کر دی گئی۔ اب تو اپنے آپ کو سنبھالو، احتیاط سے بولنا سیکھو۔''

''بھائی عادت بدل سکتے ہیں، فطرت کیسے بدلیں۔ فطرت تو باپ پر گئی ہے، بس جو دل میں آتا ہے بول

دیتے ہیں، اب نفع ہو یا نقصان کچھ نہیں سوچنا۔ سچی سچی بتائیں بھائی، اتنے بڑے نقصان کے بعد کیا کچھ اور سوچنا چاہیے؟'' ستارہ کی بے ساختگی اور برجستگی نے جیسے وقتی طور پر برہان کو لاجواب کر دیا تھا۔ اس نے......بے اختیار اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''تم باز نہیں آؤ گی ستارہ......ابا جان کچھ اور طرح سے سمجھاتے تھے لیکن جو میں سمجھا رہا ہوں وہ تو سمجھنے کی کوشش کرو......''

''بھائی میں سب کچھ سمجھ گئی ہوں، آپ میری طرف سے بالکل بے فکر رہیں۔ یوں سمجھیں میں اس ٹھکانے......پر آگئی ہوں......اور یہ اب میرا ایک ٹھکانا ہے، مر کر ہی اس گھر سے نکلوں گی......'' ستارہ کا انداز وہی بے دھڑک اور لہجہ پُر اعتماد تھا۔ برہان گڑبڑا کر رہ گیا اور سوچ رہا تھا کہ کیا کہے......کیونکہ ستارہ کے پاس ہر بات کا جواب تیار مل رہا تھا۔

''لیکن امی اور شبینہ کو تو تم ایک دم نہیں چھوڑ سکتیں......پھر تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ تم اب اس گھر میں نہیں جاؤ گی؟''

''میں وہاں نہیں جا سکتی......امی اور شبینہ آپا تو یہاں آسکتی ہیں ناں!''

''چلو ان کے آنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے......اور ابا جان بھی تو آئیں گے۔'' اب برہان نے ذرا ہچکچاتے ہوئے کہا تھا۔

''آجائیں ابا جان سر آنکھوں پر، ایک مرتبہ چھوڑ ایک ہزار مرتبہ آئیں، میں ان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔'' ستارہ نے اب بہت زوردار دھماکا کیا تھا......برہان کے لیے تو واقعی یہ بہت بڑا دھماکا تھا......وہ ہکا بکا ہو کر ستارہ کی شکل دیکھنے لگا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......؟''

''اچھا جب ایسا کچھ ہو جائے گا تو بھائی آپ خود دیکھیں گے جو فیصلہ انہوں نے مجھ پر مسلط کیا تھا اس کا احساس انہیں زندگی بھر دلاتی رہوں گی......چھوڑیں یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ کبھی نہ ختم ہونے والی باتیں، آپ یہ جوس پئیں گرم ہو جائے گا......''

''تم نے یہ تکلف کیوں کیا......میں کوئی مہمان تو نہیں......'' ستارہ اس کی یہ بات سن کر بے ساختہ ہنس پڑی۔ شاید اس نے اپنی ہنسی میں بے ساختگی سے آنکھوں میں آنے والی نمی کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔

''بھائی مہمانوں کو ٹرخا بھی دیں تو افسوس نہیں ہوتا......لیکن اپنوں کو نہیں ٹرخانا چاہیے۔ اپنوں کو غیر بنتے دیکھا تو احساس ہوا کہ اپنے کیا ہوتے ہیں، چلیں آپ یہ جوس پی لیجیے......'' ستارہ نے گلاس اٹھا کر برہان کو تھمایا......اور خود بھی اپنا گلاس اٹھا کر گھونٹ بھر کر پینے لگی۔ اب دونوں کے درمیان ایک گہری خاموشی حائل ہوگئی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی افتاد پر سوچ بچار کر رہے تھے یا ایک دوسرے سے بات کرنے کے لیے کوئی نیا موضوع تلاش کر رہے تھے لیکن جو قیامت برپا ہو چکی تھی۔ وہ ابھی رخصت نہیں ہوئی تھی۔ ہلچل کا تاثر بدستور تھا۔ قیامت رخصت ہوتی تو شاید وہ بھی کچھ سوچتی ابھی تو مرحلہ وار تباہی کے نشان مٹا نا تھے۔

برہان نے ایک سانس میں جیسے جوس کا گلاس خالی کر دیا تھا۔ اس پر ایک عجلت سی سوار ہوگئی تھی۔ اس نے ستارہ کی طرف دیکھنے کے بعد اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف ایک نگاہ کی......پھر بہت پُرسکون انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ستارہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کسی بھی مشکل کے وقت گھبرانا نہیں ستارہ...... تمہارا بھائی ابھی زندہ ہے، ہر خوشی اور ہر مشکل میں تم مجھے اپنے سائے کی طرح ساتھ دیکھو گی۔'' وہ اب اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ بھائی کی اپنائیت اور خون کا رشتہ دونوں میں بڑی قوت تھی۔ جس نے اس کے ہونٹوں پر بالآخر تالے ڈال ہی دیے تھے۔ وہ ایک دم برہان کے گلے لگ گئی۔ اب وہ آنسو پیتے پیتے نڈھال ہوگئی تھی۔ ایک دم آنکھوں کے کناروں سے ابل پڑے۔ بھائی کا رشتہ ہوتا ہی ایسا ہے۔ کوئی بہن اس کے سامنے اپنا دکھ نہیں چھپا سکتی۔ بھائی کو دیکھ کر تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بھائی کو قدرت نے بہنوں کے آنسو پونچھنے کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔

''ستارہ تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں......؟'' برہان، ستارہ کے رونے سے ایک دم پریشان ہوگیا پھر بڑے اپنائیت بھرے لہجے میں پوچھا۔ اس نے سر اٹھا کر برہان کی طرف دیکھا...... اور جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

''نہیں بھائی میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ مجھے آپ سے کوئی خوف نہیں جو میں آپ سے کچھ چھپاؤں...... میں تو وہ کچھ بھی نہیں چھپا پاتی جس کے چھپانے سے میری بچت ہوسکتی تھی۔ اب تو سارے خوف اور ڈر تو ختم ہو چکے...... اب کیا چھپانا، اب تو ہر چیز آپ تک پہنچے گی، اچھی ہو یا بری......'' برہان نے بے ساختہ ستارہ کا سر اپنے سینے سے لگایا۔

''میں تمہارے لیے دعا کرتا رہوں گا ستارہ...... اور ہاں پھر کہہ رہا ہوں کہ خود کو تنہا، اکیلا کبھی مت سمجھنا۔ تمہارا بھائی جب تک زندہ ہے تمہارے ساتھ ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے ستارہ کے ماتھے پر بوسا دیا۔ ستارہ کی روح میں وہ سکون اترنے لگا۔ جس سکون کی اسے زندگی بھر تلاش رہی۔

☆☆☆

''وارث علی کی طرف سے ولیمے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ ولیمہ تو سنت ہے، تمہارے ابا جان ہر معاملے میں شریعت کی بات کرتے ہیں...... لیکن ابھی تک انہوں نے ولیمے کا ذکر نہیں کیا...... ارے کسی بہانے تو اپنی بیٹی تک پہنچیں......'' صابرہ برآمدے میں پلنگ پر لیٹی ہوئی شبینہ سے اپنے دل کی باتیں کر رہی تھی۔ شبینہ قریب بیٹھی ماں کا سر دبا رہی تھی۔

''امی آپ سے ایک بات کہوں؟'' اس نے ہچکچاتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا...... صابرہ نے غور سے بیٹی کا چہرہ دیکھا پھر بڑی اداسی کے ساتھ مسکرائی۔

''بیٹا...... ماں سے کیسا تکلف...... ماں سے ہی تو اپنے دل کی باتیں کرتے ہیں...... کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''وہ امی میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ ابا جان سے ولیمے وغیرہ کی بات مت کیجیے گا۔ ہمیں کیا پڑی ہے، فضول میں ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا۔ اللہ، اللہ کرکے تو گھر میں آپ کو تھوڑا سا سکون ملا ہے۔'' شبینہ کی باتیں سن کر صابرہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ ایک ٹھنڈی آہ اس کے سینے سے خارج ہوئی۔ وہ اپنے آنسو پیتے ہوئے بڑی مشکل سے گویا ہوئی۔

''بیٹا اس سکون کی کتنی بھاری قیمت تمہاری ماں نے ادا کی ہے، تمہیں اندازہ تو ہوگا۔''

''امی بس کریں کیونکہ جو کچھ ہو چکا وہ اب نہیں بدلے گا، ہم مانیں یا نہیں مانیں...... قبول کریں یا نہ کریں...... ہونی ہو چکی۔'' شبینہ نے بے ساختہ کہا تھا۔

''کتنی بڑی، بڑی لگنے لگی ہے میری بیٹی...... کتنی چھوٹی سی عمر میں کتنے بڑے، بڑے تجربے ہوگئے۔ جوانی نے بوڑھا کردیا میری بیٹی کو۔'' صابرہ بڑی دلسوزی سے گویا ہوئی۔

''پھر وہی...... امی اب تو اپنے آپ کو سنبھالیں ناں...... پلیز......''

''کاش تمہارے ابا جان کو مجھ پر رحم آجائے...... اب تو انہوں نے اپنی منوالی، اب تو اُن کا پتھر دل موم ہوجانا چاہیے۔ میں ماں ہوں، میں تو اولاد کے لیے تڑپوں گی...... لیکن جابر علی بھی تو باپ ہے، باپ کے دل میں کیا اولاد کی محبت اتنی آسانی سے ختم ہوجاتی ہے، یہ وہی تو باپ ہے جو تم بہنوں اور بھائی کے لیے دن رات رزق حلال کمانے کے لیے محنت کرتا ہے۔ ان کا مزاج جو بھی ہے یہ اور بحث ہے مگر ایمانداری کی بات ہے تمہارے باپ نے شادی کے بعد اپنی ذمے داریوں کو پورا کیا ہے، سب کچھ انہوں نے ہی کیا ہے...... سر چھپانے کا ٹھکانا، راشن، پانی...... عید تہوار...... سب ان ہی کی ذمے داری ہیں اور انہوں نے نبھائی...... جو کچھ تھا میرے ہاتھ میں لاکر تھما دیا......''

''امی آپ جب ابا جان کی تعریف کرتی ہیں ناں تو بہت اچھی لگتی ہیں، میرے دل میں جو آپ کی عزت ہے وہ صرف اس وجہ سے نہیں کہ آپ میری ماں ہیں بلکہ میں آپ کی عزت اس لیے کرتی ہوں کہ میرا باپ جیسا بھی ہے، آپ اُن کے ساتھ بہت مخلص ہیں، دوسروں کے سامنے اُن کو برا نہیں کہتیں۔ اُن کی خامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں، امی آپ اس وقت بہت عظیم دکھائی دیتی ہیں۔'' شبینہ نے یہ کہہ کر ماں کے ہاتھ تھام لیے اور اپنی آنکھوں سے لگالیے...... صابرہ بے ساختہ مسکرا پڑی تھی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ بیٹی کے ہاتھ سے چھڑا کر اس کے سر پر رکھ دیا۔

''بیٹا محبت، خلوص اور وفا یہ بہت خوب صورت جذبات ہیں، اللہ جس کو نصیب کرے اس کے پاس بے شمار تکلیفوں کے باوجود بہت کچھ ہوتا ہے۔ تبھی تو میں اتنے سکون سے سب کچھ سہہ لیتی ہوں۔ برداشت کرلیتی ہوں اور مجھے کچھ نہیں ہوتا......'' شبینہ نے پھر ماں کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگالیا۔

''امی اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو...... اللہ نہ کرے......'' شبینہ نے ماں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ماں کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

''میرے کان تو فون کی گھنٹی پر ہی لگے ہوئے ہیں بیٹا...... آج سے پہلے مجھے تمہارے باپ کے فون کا کبھی اتنا انتظار نہیں تھا۔''

''خیریت تو ہے امی...... آپ ابا جان کے فون کا کیوں انتظار کر رہی ہیں، کوئی خاص بات ہے؟'' شبینہ ایک دم چونک پڑی تھی۔

''نہیں بیٹا خاص بات کیا ہوگی...... میں تو اس آس پر اُن کے فون کا انتظار کر رہی ہوں کہ شاید وہ فون کرکے کہہ دیں کہ شام کو ستارہ کے گھر ملنے جانا ہے۔'' صابرہ کے لہجے میں چھپی ہوئی حسرت بہت کھل کر سامنے آگئی۔ شبینہ نے ایک گہری سانس لے کر ماں کی طرف بہت پیار سے دیکھا تھا۔ اب اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''بس کردیں امی...... آپ کو تو بس عادت ہوگئی ہے، خود کو بہلانے کی...... دھوکا دینے کی...... اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ابا جان پہلے ہی بتا دیتے۔''

''کیا کروں...... بیٹا ستارہ کو دیکھنے کے لیے دل تڑپ رہا ہے، یہ کیسی شادی ہے، آج تک دیکھی نہ سنی۔ شبینہ بیٹا تمہاری تو وہ سن لیتے ہیں، تم ہی اپنے ابا جان سے کہنا کہ وہ ہمیں ستارہ کے گھر لے چلیں۔'' صابرہ نے بیٹی کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ کوئی نجات دہندہ ہو۔

''ٹھیک ہے امی، ابا جان کا موڈ دیکھ کر بات کروں گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں ستارہ کے گھر جانے سے نہیں روکیں گے۔ آپ پہلے سے پہلے پریشان ہونا چھوڑ دیں......''

''اللہ جیتا رکھے...... کتنی ہمت والی ہے میری بیٹی......ارے میری یہ بیٹی ہمت اور حوصلے میں بیٹے سے کم نہیں......اللہ اسے ہر بری گھڑی اور ہر بری نظر سے بچائے......'' صابرہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت پیار سے کہا تھا۔

ماں کی طرف سے ملنے والا پیار کا اظہار شبینہ کے وجود پر بارش کی پھوار کی طرح برسا تھا۔ چند لمحے کے لیے دونوں ماں، بیٹی جیسے دنیا کے غموں سے بہت دور ہوگئیں۔ دونوں کے لیے ایک دوسرے کا وجود ایک ڈھال ایک نعمت تھا۔

☆☆☆

رابی کا بند کمرے میں پڑے پڑے جی گھبرانے لگا۔ عجیب سی وحشت نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ چند لمحے اِدھر اُدھر بے چینی سے ٹہلنے اور کھڑکی سے جھانکنے کے بعد اس نے کمرے سے باہر جانے کا ارادہ کیا اور باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ اس سے پیشتر کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتی روما سامنے آ گئی۔ روما کو دیکھ کر وہ ایک دم چونک سی پڑی جیسے غیر متوقع طور پر روما کی آمد نے اسے ایک جہان سے دوسرے جہان میں آناً فاناً پہنچا دیا ہو۔

''آپا کیسی طبیعت ہے، ٹھیک ہیں ناں؟'' روما نے ڈرتے ڈرتے اپنی طرف سے بات میں پہل کی۔

''اب میں ٹھیک ہوں یا غلط تم لوگ میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' رابی نے بڑی تلخی سے اس کی محبت کا جواب دیا تھا۔

''آپا ایسے نہ کریں۔ آپ کی ایسی باتوں سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔'' روما نے جیسے ہمت کی تھی۔

''دیکھو روما میں یہاں پر بہت سکون سے ہوں بلکہ یوں سمجھو کہ زندگی میں پہلی بار سکون کا مزہ محسوس کیا ہے۔ پتا چلا ہے کہ سکون ہوتا کیا ہے اور اس کے لیے میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں اگر کائناز سے تمہاری دوستی نہ ہوتی تو پتا نہیں میں اس وقت کہاں ہوتی...... بہر حال میں زندگی بھر تمہاری شکر گزار رہوں گی۔'' روما کی آنکھوں میں ایک دم آنسو آ گئے تھے، اس نے بے اختیار رابی کا ہاتھ تھاما اور بے قراری کے انداز میں چوم لیا۔

''میری پیاری آپا...... شکریہ کس بات کا آپ میری بہن ہیں، میں آپ کے لیے کچھ بھی کروں، وہ آپ پر احسان تو نہیں ہے پھر میں نے تو آپ کے لیے ابھی کچھ کیا ہی نہیں۔ میری تو اتنی حیثیت ہی نہیں کہ میں آپ کی کوئی تکلیف دور کر سکوں۔ آپ کو آرام پہنچا سکوں۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی آپا......سب کے غصے سے ڈر لگتا ہے مجھے، آپ کے غصے سے بھی......اور لوگ تو میری بات نہیں سنیں گے، آپ ہی سن لیں۔ مجھ پر غصہ نہ کریں آپا...... مجھے بڑا خوف آتا ہے، جس طرف دیکھتی ہوں غصے سے گھورتی ہوئی آنکھیں دکھائی دیتی ہیں، میں بھی انسان ہوں، میں آپ کو اتنا پیار کرتی ہوں کیا آپ کو مجھ سے ذرا سا بھی پیار نہیں۔'' روما کے انداز میں اتنی معصومیت اور بے ساختگی تھی کہ رابی زیادہ دیر پتھر نہ بن سکی۔ اس نے اب روما کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر اسے اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''مجھے تم پر بہت ترس آتا ہے، روما میرے تو جو جی میں آتا ہے کہہ بھی دیتی ہوں، جو بولنا چاہتی ہوں بولنے کی ہمت بھی کر لیتی ہوں، تم تو بہت ڈرپوک ہو، دل کی بات دل میں رکھتی ہو، آخر تمہیں ڈر کس بات کا ہے، جان چلے جانے کا، کون لے سکتا ہے تمہاری جان، کسی میں اتنی ہمت نہیں اور رہی اماں جان کی تو وہ دھمکیاں تو سمجھو کہ وہ اپنا اسٹریس شفٹ کرتی ہیں اور کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ اگر انہیں کچھ کرنا ہوتا تو کر چکی

ہوتیں۔ وہ تو اتنی کمزور اور بودی نکلیں کہ میری شادی پر کمپرومائز کرنے لگ گئیں۔ اتنا ہائی فائی اسٹیٹس ہے، اتنی بڑی پرسنالٹی ہیں، شہر کی معزز خاتون ہیں، کیا اُن کی بیٹی کو کسی عزت دار گھرانے میں رشتہ ہی نہیں مل سکتا تھا۔؟ تو پھر ایسی عزت اور ایسے اسٹیٹس کا کیا فائدہ...... جو آپ کے مسئلے حل نہ کر سکتا ہو اور اپنے مسئلے حل کرنے کے لیے سمجھوتے کرنے پڑیں۔ مت ڈرا کرو، کوئی ضرورت نہیں ہے ڈرنے کی۔'' رابی ایک جذب کی کیفیت میں بولے جا رہی تھی اور روما آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہ تو رابی کو یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ آپا اتنی مشکل باتیں نہ کیا کریں۔ باتیں کرنا آسان ہے اور کچھ کرنا یا کچھ کر کے دکھانا بہت مشکل...... اس لیے کہ رابی تو بہت کچھ کر کے دکھا چکی تھی۔

رابی نے روما کو خود سے الگ کیا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

''دیکھو روما ڈر ڈر کے جینا کوئی جینا نہیں ہے، لوگ ہمارے سچ سے خوفزدہ کیوں ہوتے ہیں اس لیے کہ ہم انہیں آئینہ دکھاتے ہیں اور کوئی بھی شخص آئینے میں اپنی بگڑی ہوئی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا...... جیسے کہ میں نے آج کل آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے، آخر مجھے آئینہ دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، میں پھر تم سے کہہ رہی ہوں کہ سب سے ڈرنا چھوڑ دو اور سکون سے زندگی گزارو۔'' یہ کہہ کر وہ تھکے تھکے نڈھال انداز میں جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

روما ابھی تک کھڑی تھی...... رابی اتنا کچھ بولی تھی لیکن روما کے دل میں نہ کوئی لفظ اترا تھا نہ دماغ میں یادداشت کے خانے میں کوئی جملہ محفوظ ہوا تھا۔ اس کا ذہن تو جیسے فضا میں معلق تھا۔

''آپا اب آپ بالکل ریلیکس ہو جائیں، صرف آپ ہی کے نہیں شاید میرے بھی ڈر ختم ہو جائیں گے۔ آپ اماں سے ملیں، انہیں دیکھیں، آپ کو بہت دکھ ہوگا، اگر آپ کے کہنے کے مطابق انہوں نے ظلم کیا تھا تو انہیں اپنے اس عمل کی سزا مل تو گئی ہے، میں تو پاگل ہو گئی ہوں، آپا میں اُن کی بات سنتی ہوں یا ان کی طرف دیکھتی ہوں تو مجھے چکر آنے لگتے ہیں، میرا دماغ، میرا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ آپا آپ ایک مرتبہ ان سے ملیں تو سہی، ڈرنے یا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ آپ ایک مرتبہ اس حالت میں اماں کو دیکھ لیں تا کہ آپ کے دل کو سکون مل جائے۔'' رابی بہت سنجیدگی اور توجہ سے روما کا ایک ایک لفظ سن رہی تھی۔

''سکون......؟'' رابی نے بے اختیار روما کی طرف دیکھا۔

''ہاں، آپ کو ان سے بہت شکایت تھی ناں...... اب اُن کا جو حال ہو گیا ہے، آپ یہاں بیٹھ کر سوچ بھی نہیں سکتیں۔''

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟'' اتنی دیر میں پہلی بار رابی نے دلچسپی لی اور روما سے سوال کیا۔ اس کے انداز اور لہجے میں گہری سنجیدگی واضح تھی۔

''خالہ جان نے تو صرف یہی بتایا تھا کہ انہیں کوئی دماغی مرض ہو گیا ہے، dementia اور وہ کچھ بتا ہی نہیں پا رہی تھیں تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے خود فون کر کے پتا کیا تھا۔'' روما نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر صاحب نے تمہیں کیا بتایا......؟'' رابی نے فوراً ہی سوال کیا تھا۔

''آپا ڈاکٹر ناز کہہ رہی تھیں کہ اماں کو dementia ایک دم سے نہیں ہوا ہے۔ یہ بیماری بہت پہلے سے اُن کے اندر پل رہی تھی اور وہ تو جو ہر وقت ہائپر رہتی تھیں ناں تو وہ بھی سائیکو مسئلہ تھا۔ ڈاکٹر ناز کہہ رہی تھیں کہ ہم تو چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحبہ اپنی اس بیماری کو خود فیل کریں، ہم تو اُن سے کہہ نہیں سکتے تھے کہ وہ ایک بیماری کی طرف جا رہی ہیں اور وہ بھولنے بھی بہت لگی تھیں مگر اُن کو یہ یقین نہیں تھا کہ وہ بھول جاتی ہیں، وہ

دوسروں کو قصوروار ٹھہراتی تھیں۔ انہوں نے کبھی ایڈمٹ نہیں کیا کہ اُن سے بہت بھول چوک ہونے لگی ہے۔'' روما آہستہ، آہستہ بتا رہی تھی۔ رابی بہت غور اور توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''تو کیا اس مرض میرا مطلب ہے dementia کا کوئی پراپر ٹریٹمنٹ نہیں ہوتا؟ خالہ جان انہیں اسپتال سے گھر کیوں لے آئیں؟'' رابی کے سوال پر روما ایک دم سے خاموش سی ہو گئی۔ پھر بدقت بولی۔

''وہ خالہ جانی بڑی عجیب سی ہو گئی ہیں، مجھے تو لگتا ہے کہ اُن کا ذہن بھی ٹھیک نہیں ہے، میں نے اُن سے کہا تھا کہ اماں جان کا علاج کیوں نہیں کرا رہی ہیں؟ گھر کیوں لے آئی ہیں؟ تو کہنے لگیں کہ میں اُن کا علاج نہیں کراؤں گی کیونکہ اماں جان اب پُرسکون ہیں، غصہ نہیں کرتیں، اُن کو کچھ یاد نہیں ہے اور یہ اُن کے لیے اچھا ہے۔''

''اچھا ہے......؟'' رابی نے حیرت زدہ ہو کر روما کی طرف دیکھا۔

''جی آپا...... خالہ جانی تو یہی کہہ رہی ہیں کہ اماں جانی کو ساری تکلیفوں سے نجات مل گئی ہے، وہ کسی بھی قیمت، کسی بھی صورت اماں جان کا علاج نہیں کرائیں گی۔''

''کمال ہے۔'' رابی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''کہاں تو بہن پر جان دیے دیتی ہیں، اُن کو شاید اندازہ نہیں کہ جو پاگل کے ساتھ رہتا ہے خود بھی پاگل ہو جاتا ہے۔''

''توبہ، توبہ کریں آپا، کتنی دیر سے اماں جان کو پاگل، پاگل کہے جا رہی ہیں، بری بات، ماں ہیں وہ آپ کی۔'' رابی نے اس کی بات پر بڑی تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تمہیں بھی ایک دفعہ کی بات سمجھ نہیں آتی۔ ماں ہوں گی وہ تمہاری۔ میری ماں نہیں ہیں، مجھے تو پہلے شک تھا اب...... یقین ہو چکا ہے اگر وہ میری ماں ہوتیں تو آج میرا یہ چہرہ تیزاب سے جھلسا ہوا نہ دیکھتیں۔ ماں ایسی ہوتی ہے؟ وہ سمجھوتے نہیں کرتی، اولاد کو تکلیفیں دینے کے بجائے خود تکلیفیں برداشت کرنا چاہتی ہے۔'' رابی ایک دم چیخ کر بولی تو روما کو یوں محسوس ہوا کہ اب نئے سرے سے ایک تکلیف دہ بحث شروع ہو جائے گی، اس نے یہی غنیمت جانا کہ رابی کے پاس سے ہٹ جائے۔

''اچھا آپا، ٹھیک ہے آپ ریسٹ کریں میں پھر شام کو آپ کے پاس آؤں گی۔ آپ اپنا خیال رکھیں۔'' یہ کہہ کر وہ سر جھکا کر کمرے سے نکل گئی۔

رابی کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''تو ڈاکٹر صاحبہ کو سارے غموں سے نجات مل گئی مگر میرا تو بیڑا غرق کر دیا ناں۔''

☆☆☆

برہان جب سے ستارہ سے مل کر آیا تھا ایک پل کے لیے اس کا ذہن اس کی طرف سے نہیں ہٹ رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ آج تو وہ کوئی کام نہیں کر سکے گا مگر شاہ عالم نے اس کے تقاضے کا انتظار کیے بغیر دس ہزار ایڈوانس بہت خاموشی و رازداری سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے تھے۔ اس نے کبھی زندگی میں کسی کے پانچ روپے ادھار نہیں رکھے تھے کجا کہ دس ہزار روپے کا اس پر قرض چڑھ گیا تھا۔ کائنات کو پڑھا کر وہ دوسری جگہ جاتا تھا وہاں تین بچے تھے فی بچہ پانچ ہزار طے ہوا تھا۔ ان لوگوں نے تو تعارف کے پہلے مرحلے میں ہی برہان کو صاف، صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ایڈوانس نہیں دیں گے۔ پہلے دو ٹیوٹر ایڈوانس لے کر رفو چکر ہو گئے تھے۔ برہان نے اُن کو مطمئن کر دیا تھا کہ وہ ان سے ایڈوانس نہیں لے گا وہ تیس کے بجائے پینتیس دن بعد dues کلیئر کریں اسے کوئی اعتراض نہیں، کائنات بہت ذہین تھی مگر برہان کے حساب سے بہت باتونی تھی۔ وہ ابھی تک

اسے ایک بچی کی طرح ہی ٹریٹ کر رہا تھا۔ کیوٹ اور معصوم سی بچی...... جو بہت جلد اپنی کسی عزیز ترین دوست کو بھی اس کی شاگردی میں لانے کا مژدہ سنا چکی تھی۔ گویا آمدنی میں بہت جلد دس ہزار کے خوشگوار اضافے کا امکان تھا۔ اور اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی good will بنے اور good wil کے لیے ضروری تھا کہ وہ چھٹی یا معذرت نہ کرے۔

اس کی طرح ستارہ بھی جابر علی کے گھر سے باہر آ گئی تھی اور اپنی کم عمری و ناتجربے کاری کے باعث اپنے تئیں بڑے، بڑے فیصلے بھی کر بیٹھی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی جس لڑکی کی back کمزور ہوتی ہے وہ اپنے گھر میں طاقتور پوزیشن بھی حاصل نہیں کر سکتی اور کر بھی لے تو اسے پورا زور لگا کر خود کو منوانا ہوتا ہے، سالوں کی مشقت کے بعد کوئی نتیجہ سامنے آتا ہے۔ اگر وہ باپ سے بدلا لینے کے لیے خود کو تنہا کر رہی ہے تو مزید حماقت کر رہی ہے۔ اس لیے کہ باپ وہ پہلا محرم ہوتا ہے جس کے دم قدم سے ہر عورت معتبر ہوتی ہے مگر وہ ستارہ کی طبیعت سے واقف تھا۔ محسوس کر رہا تھا کہ ایک دم سے ستارہ اس کی کلی ذمے داری بن گئی ہے...... اسے ہر پل ستارہ کا دھیان رکھنا ہوگا۔

☆☆☆

''خوش ہو جابر علی......؟ اللہ کا شکر ادا کرو بیٹی کے فرض سے فارغ ہو گئے۔'' ایس پی اپنے اندر کی خباثت کمالِ مہارت سے چھپا کر بڑے مہربان انداز میں بات کر رہا تھا۔

''جی سر، اللہ کا احسان ہے اور آپ کا شکریہ...... بیٹی کو اچھا گھر مل گیا مگر......'' جابر علی بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گیا۔

''مگر کیا......؟'' ایس پی متفکر نظروں سے جابر علی کا چہرہ پڑھ کر کچھ اخذ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''سر جی...... وارث علی نے ولیمے کا کوئی ذکر نہیں کیا...... یہ تو سنت ہے۔'' جابر علی نے ہچکچاتے ہوئے اپنے دل کی بات کی۔

''ارے...... رات اس نے فائیو اسٹار ہوٹل میں جو شادی کا کھانا کھلایا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ دس بارہ تو صرف سوئٹ ڈشز تھیں۔'' ایس پی نے بڑے فخریہ انداز میں یوں بتایا جیسے بل اسی نے دیا ہو۔

''وہ تو ٹھیک ہے سر جی...... مگر ولیمہ تو سنت ہے وارث علی نمازی، دیندار بندہ ہے اسے یہ بات پتا ہوگی......'' جابر علی نے سر جھکا کر کہا۔

''ضرور پتا ہوگی...... میرا خیال ہے ولیمے کا کوئی بہت بڑا پروگرام بنا کر بیٹھا ہے...... وہ اور جس کے پاس دولت ہو وہ تو خرچ کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے ناں، کیا خیال ہے؟'' ایس پی... بڑی مکاری سے سادہ مزاج جابر علی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''وہ تو ٹھیک ہے...... مگر سادگی اچھی بات ہے پھر وارث علی تو ایک دین دار بندہ ہے، کیا ضرورت ہے نمائش اور فضول خرچی کی؟'' جابر علی نے کچھ سوچتے ہوئے گم صم کیفیت میں کہا۔

''دین دار تو وہ بہت ہے مگر شادی زندگی میں ایک بار ہوتی ہے، اللہ کرے ایک بار ہی ہو...... پھر اس کے بڑے، بڑے رئیسوں سے تعلقات ہیں، لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہوتا ہے، قیمتی تحفے تحائف دیتا ہے، اب اپنی خوشی میں بھی تو انہیں شریک کرے گا ناں...... تم فکر نہ کرو، مجھے لگتا ہے وہ شیرٹن یا پی سی میں ولیمہ ڈنر دے گا۔'' ایس پی نے جابر علی کو بہرحال مطمئن کر دیا تھا۔

☆☆☆

گل جان، شاہ عالم کے سامنے سر جھکائے بہت مؤدبانہ انداز میں بیٹھی تھی۔ شاہ عالم کے چہرے پر تفکر کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔

''شاہ صاحب آپ کا احسان بلکہ احسانات میں اپنی آخری سانس تک یاد رکھوں گی، کچھ دنوں ہی کی بات ہے، بی بی جان پر تو روما کے گھر میں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر روما کو دیکھ کر مجھے بہت پریشانی ہو رہی ہے، وہ بی بی جان کی حالت دیکھ کر اتنی ٹینس، اتنی زیادہ پریشان رہنے لگی ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ پڑھائی وڑھائی سے نہ رہ جائے۔'' گل جان اس طرح آہستہ آہستہ ایک، ایک لفظ بول رہی تھی شاہ عالم کو جیسے اپنی درخواست پیش کر رہی ہو۔

''گل جان بی بی آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں، آپ کو علم تو ہے کہ میرے پاس کام ہی کیا ہوتا ہے سوائے کھانے، پینے، سونے اور نمازیں پڑھنے کے...... ارے بھئی یہ پھول جیسی بچیاں اِن سے تو اس گھر میں رونق ہو گئی ہے، ہم دادا پوتی اس گھر میں بس اکثر ایک دوسرے کو ڈھونڈتے ہی رہتے ہیں۔'' شاہ عالم نے بہت محبت، اپنائیت اور ہمدردانہ انداز میں گویا گل جان کو تسلی دی۔

''مجھے تو خود بہت دکھ ہے کہ بچیوں کو اتنے مشکل حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے، چھوٹی چھوٹی عمر کی یہ بچیاں جنہوں نے ابھی اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، بس میری اتنی درخواست ہے کہ آپ ڈاکٹر صاحبہ کے علاج معالجے پر توجہ دیجیے۔ دیکھیں باپ تو ان بچیوں کا ہے نہیں، ماں بھی ہوش کھو بیٹھی ہے، اللہ آپ کو زندگی اور ہمت دے۔ آپ بچیوں کی اچھی دیکھ بھال کرتی ہیں مگر ایک سے دو بھلے...... ماں بہرحال ماں ہوتی ہے۔'' شاہ عالم بولتے جا رہے تھے اور گل جان ایک ٹک اُن کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

''بس آپ اپنے ذہن پر کسی قسم کا بوجھ نہ رکھیں، یوں سمجھ لیں کہ ہر پل، ہر گھڑی آپ کے مشکل وقت میں، میں آپ کے اور بچیوں کے ساتھ ہوں۔ کائنات تو یہ سن کر خوشی سے پاگل ہو جائے گی کہ روما اب کچھ عرصہ اس کے پاس ہی رہے گی۔''

''جی شاہ صاحب اسی وجہ سے مجھے اتنا حوصلہ ہوا ہے کہ آپ سے یہ درخواست کر بیٹھی ہوں۔ اصل میں، میں تو بی بی جان کی دیکھ بھال میں لگی رہتی ہوں۔ روما بالکل اکیلی ہو کر رہ گئی ہے اور بی بی جان جس قسم کی باتیں کر رہی ہیں، بچی سہم جاتی ہے۔ یہی مجھے پریشانی تھی کہ خدانخواستہ اس کے ذہن پر برا اثر نہ ہو۔''

''نہیں، نہیں آپ بالکل بے فکر رہیں اور روما کو آپ یہاں چھوڑ دیں اور کسی قسم کا تکلف محسوس نہ کیجیے۔ یوں سمجھیں کہ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے۔''

''بہت بہت شکریہ شاہ صاحب......''

''پھر وہی تکلف کی بات، ارے بھئی ہم ایک دوسرے کے کام آ جائیں بتائیں اس سے اچھی کوئی بات ہو سکتی ہے۔ ارے اس زندگی کا کیا بھروسا آج مرے کل دوسرا دن...... کچھ اچھا کر جائیں کیا پتا اگلے جہان میں کیا ہے......؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' گل جان ان کی باتیں سن کر پُرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے اس کے سر سے اور دل سے منوں بوجھ سرک گیا تھا۔

''ٹھیک ہے شاہ صاحب اب میں چلوں گی، روما سے کہتی ہوں کہ اپنی ضروری چیزیں ساتھ لے لے پھر میں اسے آپ کے پاس چھوڑ جاؤں گی۔''

’’میں انتظار کر رہا ہوں بلکہ یوں سمجھیں کہ کائناز اب ایک ایک پل گن کر انتظار کر رہی ہے لیکن آپ میری درخواست مت بھولیے گا۔ آپ ڈاکٹر صاحبہ کا علاج ضرور کرائیں۔ یہ اُن کا حق ہے اور ہمارا فرض۔‘‘ یہ بات سن کر گل جان پھر گومگو کی کیفیت میں نظر آئی مگر اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا تھا پھر زبردستی مسکرا کر بولی۔

’’جی شاہ صاحب سمجھ گئی۔ آپ کی بات میری سمجھ میں آگئی ہے آپ فکر نہ کریں۔‘‘ گل جان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ شاہ صاحب کا مان رکھ رہی ہو لیکن اپنی بات پر قائم ہو۔ یہ کہہ کر وہ لاؤنج سے چلی گئی تھی۔ شاہ صاحب سوچ رہے تھے کہ شاید وہ جانے سے پہلے رابی سے مل کر جائے گی مگر جب اس نے باہر کی طرف قدم بڑھائے تو شاہ عالم نے ٹوکا بھی نہیں...... یہی سوچ کر کہ وہ روما کو لے کر تھوڑی دیر میں جلدی ہی آئے گی۔

☆☆☆

رابی بستر پر لیٹے لیٹے جیسے تنگ آگئی تھی۔ بے اختیار اٹھ کر وہ اوپر ٹیرس پر چلی آئی۔ اس نے اپنے...... بے ترتیب بالوں کو ایک اسکارف کے نیچے چھپایا ہوا تھا لیکن چہرے پر لگے ہوئے داغ اس نے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی اور یوں بھی وہ ٹیرس پر کھڑی باہر دیکھ بھی رہی تھی تو اسے کس نے دیکھنا تھا۔ گھر مین روڈ پر تو نہیں تھا نسبتاً ویران اور سناٹے والا علاقہ تھا۔ شام کی ٹھنڈی اور نرم ہوا نے ٹیرس پر اس کا استقبال کیا تھا مگر بجائے اس کے کہ اس ہوا سے وہ ٹھنڈک اور سکون محسوس کرتی، اس ہوا نے تو اس کے چہرے کے زخموں کو نئے سرے سے جلانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے سوزش کو سہنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا تھا۔ معاً اس کی نظر شاہ عالم کی کوٹھی کے مین گیٹ کی طرف گئی۔ ایک بائیک گیٹ پر آکر رکی تھی۔ جس پر دو نوجوان لڑکے سوار تھے۔ رابی اپنی جگہ ٹھٹک کر اُن دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔ بائیک رکتے ہی ایک لڑکا جو پیچھے بیٹھا تھا وہ بائیک سے فوراً ہی اتر گیا۔ اور بائیک چلانے والے لڑکے نے اترنے والے لڑکے کی طرف الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور دیکھتے ہی دیکھتے بائیک نظروں سے غائب ہو گئی۔

رابی دیکھ رہی تھی کہ اب اترنے والا لڑکا گارڈ سے بات کر رہا تھا یوں جیسے اس کی گارڈ سے شناسائی ہو۔

گارڈ نے بھی ادب سے سیلوٹ والے انداز میں سلام کیا تھا۔

رابی نے پہلی مرتبہ اس لڑکے کو دیکھا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ وہ ٹیوٹر ہے جو کائناز کو پڑھانے آتا ہے لیکن وہ اسے دیکھ کر اپنی جگہ دم بخود سی رہ گئی تھی۔ چھ فٹ کے قریب، قریب قد، صاف رنگت اور چلنے کا بڑا دلکش انداز اپنی دُھن میں مگن اپنے خیال میں گم وہ دیکھتے ہی دیکھتے اندر کی طرف غائب ہو چکا تھا مگر رابی ابھی تک اس کو تصور میں دیکھ رہی تھی۔ اس نے آج تک کسی نوجوان لڑکے کو اتنی توجہ اور دلچسپی سے نہیں دیکھا تھا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ ابھی تک یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ کسی کو غور سے بھی دیکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر مہر جان کی سختی، پابندیاں جو ہر وقت ذہن کو جکڑے رہتی تھیں۔ انہوں نے وہ مہلت ہی کب دی تھی کہ وہ کوئی حسین خواب سوچتی، کسی حسین تصور میں کھو کر اپنی تنہائی آباد کرتی۔

’’یہ کون ہے......؟‘‘ البتہ اسے ایک تجسس لاحق ہو گیا۔ اس کا جی چاہا وہ جلدی سے نیچے جائے اور پتا کرے کہ یہ آنے والا لڑکا کون تھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ قدم زینے کی طرف بڑھاتی، اسے فوراً خیال آیا کہ اس کا چہرہ اس قابل نہیں کہ وہ اچانک یا سوچ سمجھ کر کسی کے سامنے جا کھڑی ہو۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے اٹھتے قدم رک گئے تھے۔ ’’یہ تو خیر کائناز ہی بتا سکتی ہے کہ یہ کون ہے لیکن کائناز نے آج تک اپنے کسی رشتے دار یا کزن کا کبھی ذکر نہیں کیا۔‘‘ وہ خواہ مخواہ الجھنے لگی۔

رابی کے اندر بے شمار سوال اٹھ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں آنے والا اس کے دل پر ہلکی ہلکی دستک دے رہا تھا یا شاید سہراب خان والے حادثے نے اس کو اتنا پیاسا کر دیا تھا کہ وہ لاشعوری طور پر اِدھر اُدھر پانی کی تلاش میں نظریں دوڑاتی رہتی تھی۔ جیسے کوئی صحرا کے سفر میں چھاگل گم کر بیٹھا ہو۔

’’یہ کون ہے......؟‘‘ وہ ایک سوالیہ نشان کے شکنجے میں پھنسی اب نڈھال سے انداز میں بید کی کرسی پر گر گئی تھی...... ہاں سوچ کو ایک سمت ضرور مل گئی تھی ذہن اِدھر اُدھر دوڑنے کے بجائے ایک نقطے پر ٹھہر گیا تھا۔

’’یہ کون ہے......؟‘‘

☆☆☆

’’بیٹا جلدی کرو، مجھے واپس بھی آنا ہے، بی بی جان کسی بھی وقت چھت پر چڑھ جاتی ہیں۔ کبھی سرونٹ کوارٹر کی طرف چلی جاتی ہیں۔ بہت پریشانی ہو جاتی ہے۔ پورے گھر میں ڈھونڈتی پھرتی ہوں۔‘‘ گل، روما کی ضروری چیزیں اکٹھی کرنے میں اس کی مدد کر رہی تھی۔

’’تو خالہ جانی آپ انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کیوں نہیں کرا رہیں؟‘‘ روما نے زچ ہو کر کہا تھا۔

’’تم اس معاملے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو روما اور نہ ہی کوئی بحث...... میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔‘‘ پھر اس کا سامان دیکھ کر بولی۔ ’’اُف اتنا سارا سامان؟ میرا مطلب ہے اتنے سارے کپڑے رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ برابر میں تو سمجھو گھر ہے، تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو آ کر لے جاؤ۔ میں تو تمہیں رابی کے ساتھ اس لیے رکھنا چاہتی ہوں کہ تاکہ تم دونوں بہنیں ایک چھت کے نیچے رہو...... اور دوسری بات یہ کہ بی بی جان وقت بے وقت شور کرنے لگتی ہیں۔ ان کی وجہ سے تمہاری پڑھائی کا ہرج نہ ہو...... امتحان سر پر کھڑے ہیں بیٹا...... وہ کائناز کہہ رہی تھی کہ اس کو کوئی ٹیوٹر پڑھانے آتا ہے۔‘‘

’’جی خالہ جانی...... وہ مجھے بھی کائناز نے ٹیوشن پڑھنے کے لیے کہا تھا مگر وہ اماں جان کا مسئلہ شروع ہو گیا تو پھر میں نے سوچا چھوڑو رہنے دوں۔‘‘ روما نے اٹکتے ہوئے کہا تھا۔

’’نہیں بیٹا چھوڑو، رہنے دو اس طرح کی باتیں تمہارے ذہن میں نہیں آنی چاہیے۔ میں ہوں ناں تم اپنی ساری توجہ پڑھائی پر دو۔ ان دو ڈھائی مہینوں میں تمہارا بہت حرج ہوا ہے۔ تم اپنی یہ کمی دور کرنے کی کوشش کرو بیٹا...... یہی وقت ہے، اب پڑھ لیا تو سمجھو پڑھ لوگی ورنہ پھر بہت مشکل ہو جائے گی۔ مجھے دیکھو سب نے کتنا زور لگایا مگر میں بارہ سے آگے چل ہی نہیں سکی۔‘‘ گل جان اپنے خیال میں کھو کر بول رہی تھی۔ روما نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے گل جان کی طرف دیکھا اور بے معنی سا مسکرائی۔

’’خالہ جانی......! اماں جان نے اتنا سارا پڑھ کر کیا کر لیا۔ آپ بھی اگر بہت سا پڑھ لیتیں تو کیا ہوتا......؟‘‘ روما نے اب قدرے اداسی سے کہا تھا۔

’’یہ بات نہیں ہے بیٹا اس لیے تھوڑی پڑھتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر لگ جائیں یا افسر لگ جائیں۔ پڑھائی لکھائی سے انسان کے ذہن پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس کو سوچنے، سمجھنے کا زیادہ شعور حاصل ہوتا ہے۔‘‘

’’زیادہ شعور سے کیا حاصل ہوتا ہے، یہی کہ آخر میں پاگل ہو جائیں۔‘‘ روما نے بیگ اٹھا کر اپنے کندھے پر لٹکایا۔ روما کی بات سن کر گل جان کے دل پر جیسے ایک قیامت سی بیت گئی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنے تاثرات چھپاتے ہوئے زبردستی روما کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بیگ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

’’لاؤ یہ مجھے دے دو، میں نے کبھی تم سے بوجھ اٹھوایا ہے؟ بہت بھاری ہے۔‘‘

''رہنے دیں خالہ جانی میں اٹھالوں گی اور آپ کے مقابلے میں اب مجھ میں زیادہ طاقت ہے، میرا خیال ہے کہ سب کو اپنا، اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا چاہیے۔''

چھوٹی سی روما نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ گل جان ہکا بکا سی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس سے پیشتر کہ وہ کچھ بولتی روما کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ کائناز کے پاس جانے کا سن کر اس کے چہرے پر گل جان کو وہ خوشی دکھائی نہیں دی تھی جس کی وہ امید کر رہی تھیں۔ شاید اس کی وجہ مہر جان تھیں، وہ کائناز سے محبت کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی تھی لیکن اپنی ماں کو کھو کر نہیں اپنی ماں کی رضامندی اور خوشی کے ساتھ...... مہر جان کی حالت نے گویا روما سے اس کا الھڑپن اور کم عمری کی بے ساختگی چھین لی تھی۔

☆☆☆

''سر میری دوست بس آنے ہی والی ہے، میں نے فون کر کے پتا کیا تھا۔ وہ بالکل تیار ہے اور ہاں آپ کو ایک بات بتا دوں، اب وہ ہمارے گھر ہی رہے گی۔ اس کی جو اماں جان ہیں ناں وہ بہت زیادہ بیمار ہو گئی ہیں۔'' کائناز بولے جا رہی تھی۔ برہان نوٹ بک اور قلم ہاتھ میں پکڑے اس کی طرف دیکھتا گیا۔ اس کے انداز میں بڑی بے بسی تھی...... اس پٹر پٹر زبان کو چلنے سے روکے تو کس طرح...... پھر گہری سانس لے کر وہ مسکرایا۔

''بڑی کمال کی دوست ہیں آپ کی۔ ماں بیمار ہیں اور وہ آپ کے پاس رکنے آ رہی ہیں۔ جب ماں بیمار ہوتی ہے تو اُن کی خدمت کرنی چاہیے، ہر وقت اُن کے پاس ہونا چاہیے۔'' برہان کو کائناز کی باتوں کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ اس لیے اس نے اپنا استادوں والا نصیحت کا پنڈورا باکس کھول دیا۔

''سر اصل میں آپ سمجھ نہیں سکتے کہ مسئلہ کیا ہے؟'' کائناز سمجھاتے سمجھاتے خود الجھنے لگی۔

''آپ کی دوست جب آئیں گی تب آئیں گی آپ تو اپنا کام شروع کریں۔'' برہان نے پھر ایک نظر اس پر دوڑائی...... اور چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے اسے مخاطب کیا۔

''سر آپ اتنی زور سے نہ ڈانٹا کریں...... اب آپ اتنے بڑے بھی نہیں ہیں۔'' کائناز، برہان کے ٹوکنے پر جیسے برا مان گئی۔ عیش آرام میں پلی ہوئی امیر زادی کی طرف برہان نے پھر بڑی بے بسی سے دیکھا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ آخر وہ اس کی توجہ پڑھائی کی طرف کیسے مبذول کرائے...... کیسے فوکس کرے...... اتنی دیر سے وہ صرف اور صرف اپنی سہیلی کی باتیں کیے جا رہی تھی بلکہ اس کا انتظار بھی کر رہی تھی۔

''جو استاد ہوتا ہے ناں اس کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔'' برہان نے بڑا فلسفیانہ انداز اپنایا۔ کائناز نے حیران ہو کر برہان کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب سر استاد کی عمر نہیں ہوتی۔ عمر تو ایک دن کے بچے کی بھی ہوتی ہے بلکہ ایک گھنٹے کے بچے کی بھی ہوتی ہے۔''

''اور ایک سیکنڈ کے بچے کی بھی ہوتی ہے۔'' برہان نے بے ساختگی سے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''سیکنڈ کسی کی سیکنڈ کی بھی عمر ہوتی ہے کیا......؟'' کائناز نے آنکھیں پھاڑ کر برہان کی طرف دیکھا۔

''جی سیکنڈوں سے ہی منٹ بنتے ہیں...... منٹ سے گھنٹے...... گھنٹے سے دن اور دن سے ہفتے اور ہفتے سے مہینے۔'' برہان ایک تواتر سے بولتا چلا گیا تو کائناز نے پین رکھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''او مائی گاڈ...... سر آپ ایسے لگتے تو نہیں تھے......''

''کیسا لگتا تھا؟'' برہان نے پھر بڑی دلچسپی سے کائناز کی طرف دیکھا۔ جانے کیوں کائناز کی طرف

دیکھتے ہوئے اسے اس طرح کی جھجک نہیں تھی جو عموماً کسی جوان لڑکے کو جوان لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے لاشعوری طور پر محسوس ہوتی ہے۔ اسے تو کائناز سات آٹھ سال کی بچی سی محسوس ہوتی تھی۔ اپنی معصومیت اور بے ساختگی کی وجہ سے۔

''اچھا چلیں اب آپ اپنی پڑھائی شروع کریں۔ آپ مجھے آج کا اپنا لیکچر دکھائیے۔''

''سر وہ تو میں نے ٹھیک سے لکھا بھی نہیں...... وہ جو ہمارے کیمسٹری کے لیکچرار ہیں ناں اتنی اسپیڈ سے بولتے ہیں، اتنا تیز بولتے ہیں آپ سوچ بھی نہیں سکتے لیکن میں بھی سوچ رہی تھی کہ اب اُن کا لیکچر لکھنا نہیں چاہیے، ٹیپ ریکارڈر ساتھ لے کر جانا چاہیے یا موبائل اور ریکارڈ کر لینا چاہیے۔'' کائناز نے پھر برجستہ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔

''محترمہ آپ اپنی لکھنے کی اسپیڈ بڑھائیے اور نت نئے طریقے سوچنے سے پرہیز کیجیے۔'' برہان کی حالت عجیب سی ہو گئی۔ اسے یوں لگا کہ جیسے وہ چکر کھا کر بے ہوش ہو جائے گا۔

''سر میں آپ کو سچی، سچی بات بتاؤں؟'' کائناز نے اپنی اس فطری بے ساختگی کے ساتھ برہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''انسان کو سچ ہی بولنا چاہیے اور میں ہمیشہ آپ سے سچ کی امید رکھوں گا۔''

''ہمیشہ...... کیوں آپ ہمیشہ پڑھائیں گے مجھے؟''

''بس...... خدا نہ کرے......'' برہان نے اس مرتبہ بڑی برجستگی کا مظاہرہ کیا تھا۔

کائناز ہونقوں کی طرح برہان کی طرف دیکھنے لگی۔

''اچھا اگر آپ نے آج کا لیکچر نہیں لکھا، کچھ پوائنٹس تو بنائے ہوں گے ناں، دیکھیے روز کا کام روز ہونا چاہیے۔ جو روز کالج میں پڑھیں گی وہ شام کو ریوائز ہوگا۔ اس کے بعد سوچا جائے گا کہ نیا کیا کرنا ہے۔''

''سر میں نے پوائنٹس تو نہیں بنائے۔ سوری...... اصل میں روما کالج نہیں گئی تھی۔ وہ ناں بہت تیز لکھتی ہے، اس کی اسپیڈ بہت اچھی ہے، روزانہ وہ لیکچر لکھتی ہے اور پھر میں بعد میں اس سے نوٹ کر لیتی ہوں۔'' کائناز نے بالکل لگی لپٹی نہیں رکھی۔ صاف، صاف برہان کو بتا دیا۔

''شاباش، بہت اچھی جا رہی ہیں آپ یعنی اپنی دوست پر تکیہ کیے بیٹھی ہوئی ہیں، اللہ ہی حافظ ہے آپ کا۔'' اس لمحے کائناز کی نظر باہر کی طرف اٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوشی کی کیفیت ظاہر ہوئی۔

برہان اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کائناز کی طرف دیکھ کر اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو اس کی نظر روما پر پڑی۔

''سر میری دوست آ گئی ہے، ایک منٹ میں اسے لے کر آتی ہوں۔ ہم دونوں آج سے اکٹھے پڑھا کریں گے۔'' کائناز یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور روما کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

''روما...... روما اِدھر آؤ، یہ بیگ وہیں رکھ دو، کوئی نہ کوئی اندر لے جائے گا بس تم اِدھر آ جاؤ۔ بس میں تمہارا ہی ویٹ کر رہی تھی۔ سر آ گئے ہیں، چلو پڑھنا شروع کر دو۔'' برہان اپنی مسکراہٹ پر بہ مشکل قابو پا رہا تھا کیونکہ کائناز کا انداز ایسا تھا جیسے کھانے پر کسی کا انتظار ہو رہا ہو اور وہ آ جائے تو پھر فوراً ہی کھانا شروع ہو جائے۔ کائناز کی اس کھلی دعوت پر وہ چند لمحے کے لیے تو بوکھلا کر ہی رہ گئی کیونکہ وہ تو متضاد سوچوں میں گھری ہوئی کائناز کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ وہ تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس وقت کائناز اپنے ٹیوٹر سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی پڑھ رہی ہوگی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کو کہیں سامنے ہی مل جائے گی اور مارے خوشی کے

اس سے لپٹ جائے گی۔

''تم پڑھو کائناز، میں کل سے پڑھوں گی۔ ابھی میرا موڈ نہیں ہے۔''

''تمہارا موڈ ہو یا نہ ہو تمہیں میرے ساتھ تو بیٹھنا ہے، اچھا تم مت پڑھو مگر بیٹھو تو سہی......''

''نہیں، نہیں اس طرح بیٹھنا برا لگتا ہے۔'' روما نے مسلسل انکار کیا...... اور نظریں اٹھا کر ڈرائنگ روم کی طرف دیکھا۔ جہاں برہان بیٹھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ''یہ تو بہت چھوٹے سے سر ہیں، میں تو سمجھی تھی کہ......''

''تم کیا سمجھی تھیں؟'' کائناز نے روما کی بات کاٹ دی۔

روما کچھ بیان نہ کر سکی۔

''آؤ ناں......''

''نہیں، نہیں کائناز پلیز آج ' مجھے فورس نہیں کرو، میں کل سے پڑھوں گی واقعی آج میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے، وہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی مگر میرا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا۔ پلیز کائناز آج تم پڑھ لو، ٹھیک ہے ناں؟'' کائناز نے اس کا منت سماجت کا انداز دیکھا تو جیسے پگھل گئی۔ روما اس کی منت کرے اور وہ نظر انداز کر دے، یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے پھر تم جاؤ ریسٹ کرو یا رابی آپا کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ، میں ایک گھنٹے تک تو پڑھتی ہوں ناں ایک گھنٹا تو لگے گا حالانکہ تمہارے آنے کے بعد سچی بات ہے میرا بھی دل نہیں چاہ رہا کہ میں پڑھوں...... پر کیا کروں سر بیچارے اتنی دور سے پڑھانے کے لیے آئے ہیں پھر دادا جان سے شکایت ہو گی تو دادا ہرٹ ہوں گے۔ تمہیں پتا ہے ناں میں دادا جان کو ہرٹ نہیں کر سکتی۔''

''ہاں...... ہاں ٹھیک ہے تم پڑھو ناں میں تمہارے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ تھوڑا ریسٹ بھی کروں گی۔ پتا نہیں کیوں تمہارے گھر میں مجھے آتے ہی نیند سی آنے لگی ہے، شاید بہت دنوں کے بعد کچھ سکون محسوس ہو رہا ہے۔'' روما نے بھی بڑی سچائی سے دلی جذبات بیان کر دیے تھے۔

''دیکھو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی۔ میں تو ہر وقت دعا مانگتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا راستہ نکال دے کہ ہم دونوں زیادہ سے زیادہ وقت ساتھ رہا کریں بلکہ میں اتنا خوش ہوں اس وقت، اتنا خوش کہ بتا نہیں سکتی۔ ''اچھا تم ریسٹ کرو، میں ابھی آتی ہوں تمہارے پاس۔'' یہ کہہ کر کائناز دوبارہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں برہان بڑی کوفت کے عالم میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

روما، کائناز کے کمرے کی طرف چلی گئی اور کائناز، برہان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

''آئی ایم سوری سر......! ایکچوئیلی اب روما بھی ہمارے گھر ہی رہا کرے گی اور میں اسے کہہ رہی تھی کہ وہ آ گئی ہے تو جلدی سے پڑھنا شروع کر دے مگر وہ شاید بہت تھکی ہوئی ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ناں رات کو جاگتی رہی ہو گی، وہ کل سے پڑھ لے گی سر...... سر آپ دو کو پڑھائیں گے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' کائناز کو بولتے بولتے اچانک بڑے کام کی بات یاد آئی بلکہ کوئی انجانی سی فکر دامن گیر ہوئی۔

''آپ اپنی دس سہیلیوں کو یہاں لا کر بٹھا دیں، میں دس کی دس کو پڑھا سکتا ہوں، مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے، کوئی میٹر نہیں ہے آپ ریلکس رہیں۔''

برہان نے جیسے تنگ آ کر کائناز کو جواب دیا تھا بلکہ ایک انداز میں اچھی خاصی جھاڑ پلا دی تھی۔ کائناز فوراً ہی دبک کر بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

ستارہ نے وارث علی کے جانے کے بعد سے لے کر شام تک گھر کا کونا کونا، چپّا، چپّا دیکھ لیا تھا۔ ڈبل اسٹوری اس بڑے سے بنگلے میں کیا کچھ نہیں تھا۔ دنیا کی ہر نعمت ایسے، ایسے ڈیکوریشن پیسز جو اس نے مہنگے، مہنگے فیشن میگزین میں ہی دیکھے تھے۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے، اتنا پُرشکوہ، عالیشان، بنگلا اس کا تھا۔ ایک لمحے کے لیے باپ کا چہرہ نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ دل کو کچھ ہونے لگا جیسے باپ کے لیے اندر سے نرم سے جذبات ابلنا شروع ہو گئے ہوں مگر فوراً ہی جابر علی کا خشک اور بے رحمی کا مظہر چہرہ نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔ وارث علی جس کی مونچھیں تک خضاب آلود تھیں' وہ اپنے آپ سے جیسے الجھنے لگی۔ ایک طرف عالیشان بنگلا تھا، جس کی وہ اب باسی تھی اور دوسری طرف اس بنگلے کا مالک...... جو دنیا کی نظر میں اب اس کا شوہر تھا جس نے جابر علی کے گھر میں شب خون مارا تھا۔ موقع پرستی کا عظیم الشان مظاہرہ کیا تھا۔ جس نے شاید جابر علی کو دیکھتے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ وہ اس کے گھر کا سب سے قیمتی سامان بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے جو چور تو نہیں تھا البتہ لٹیرا تو تھا ہی اس نے اس لٹیرے کو ماں کی خاطر قبول کر لیا تھا لیکن ایسے ہی جیسے اپنے جسم کو زہر سے بچانے کے لیے اپنا کوئی عضو قربان کر دیتے ہیں، اس وقت اسے یوں لگا جیسے کال بیل بجی ہو، وہ بھاگتی ہوئی بالکونی پر یہ دیکھنے کے لیے آئی کہ وارث علی کے گھر میں اس وقت کون آ سکتا ہے کیونکہ وارث علی نے تو اس کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ رات دس بجے سے پہلے گھر نہیں آ سکے گا۔ یہی تجسس اسے بالکونی سے جھانکنے پر مجبور کر رہا تھا لیکن مین گیٹ پر نظر پڑتے ہی جیسے اسے چکر سے آنے لگے...... مین گیٹ پر تو اس کا اپنا باپ جابر علی کھڑا ہوا گارڈ سے باتیں کر رہا تھا...... ستارہ چند لمحے باپ کی طرف دیکھتی رہی، سینے میں درد کی ایک ایسی لہر اٹھی جس نے اسے سر سے پاؤں تک مفلوج سا کر دیا۔ اس کے اندر زبردست انکار کی ہوائیں چلنے لگیں۔

''نہیں، نہیں میں...... میں ابا جان سے نہیں ملوں گی۔ انہوں نے نہ بیوی کی سنی نہ میری...... جیسے اپنے گھر کا پرانا سامان بروکر کے حوالے کر دیتے ہیں اونے پونے اور اس کے بعد ایک گہرا سکون محسوس کرتے ہیں کہ گھر صاف ہو گیا۔'' باپ کے پاس سکون تھا تو اس کے پاس قیامت تک کی بے سکونی...... وہ بالکونی سے ہٹ کر واپس اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اسے پتا تھا کہ ملازم آ کر اسے اس کے باپ کے آنے کی اطلاع دے گا اور وہی ہوا۔ چند لمحے بعد اس کے بیڈروم کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

''کون ہے......؟'' ستارہ نے انجان بن کر بڑے خشک لہجے میں پوچھا تھا۔

''بیگم صاحبہ...... انسپکٹر جابر علی آئے ہیں، کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ کے والد صاحب ہیں۔'' ستارہ کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی۔

''کمال ہو گیا تھا، بیگم صاحبہ کا باپ گھر آیا تھا اور بیگم صاحبہ کے نوکر یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ بیگم صاحبہ کا باپ ہے، واہ سبحان اللہ۔'' زندگی ایک تماشا ہی بن کر رہ گئی ہے، ایک زہر خند اس کے ہونٹوں پر نمایاں ہوئی۔

''اچھا تم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ اور چائے وغیرہ دو، تھوڑی دیر بعد میرے پاس آنا۔'' ستارہ نے چند لمحوں کے لیے کچھ سوچا پھر بولی۔ ملازم چلا گیا۔ ستارہ نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، اسے قریب ہی ٹیلی فون ڈائریکٹری کے پاس رکھا پیڈ اور ساتھ ہی بال پوائنٹ نظر آ گیا۔ وہ قریب آئی۔ رف پیڈ کے سادے صفحے پر وہ کھڑے کھڑے کچھ لکھ رہی تھی۔ لکھتے ہوئے اس کے وجود پر جیسے لرزش طاری تھی۔ جانے کیوں دل بھر آ رہا تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح خاصی سخت دل تھی پھر آج اس دل کو کیا ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی عجلت کے انداز میں لکھنا شروع کیا وہ لکھ رہی تھی۔

"محترم ابا جان......!

آخری بار آپ کو ابا جان کہہ رہی ہوں، اس لیے کہ آج کے بعد آپ کی اور میری کبھی بات نہیں ہوگی، نہ بات ہوگی نہ ملاقات، میں نے اپنی مظلوم ماں کی عزت کی خاطر آپ کا حکم مان لیا، آپ یہ سمجھ لیں اس گھر سے میری میت اٹھی تھی۔ آپ مجھے رو چکے...... مجھ پر مٹی ڈال کر فاتحہ پڑھ لی۔ قیامت تک کے لیے خدا حافظ......"

اتنا لکھ کر وہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ رف پیڈ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے چند لمحے سوچا اور وہ صفحہ جس میں باپ کے نام خط لکھا تھا۔ الگ کر لیا۔ چند لمحے اپنی لکھی ہوئی سطریں بار بار پڑھتی رہی پھر اس نے اس خط کو بند کیا اور انٹر کام کا بٹن پُش کر کے ملازم کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

چند لمحے بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ ابھی تک اس گھر میں اس نے وارث علی کے پانچ ملازمین کو دیکھا تھا۔ جن میں سے ایک گارڈ اور مالی کے علاوہ تین گھر کے اندر کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ان ہی میں سے یہ لڑکا نعیم تھا، جو بہت کم عمر تھا اور ہر وقت صفائی ستھرائی اور جھاڑ پونچھ میں مصروف دکھائی دیتا تھا۔

"جی بیگم صاحبہ......" نعیم کی آواز پس در سنائی دی۔

ستارہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ دروازہ کھولا اور نعیم کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

"یہ جو مہمان ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں......" نعیم نے الجھی الجھی حیرت زدہ نظریں اس کے چہرے پر جمادیں۔

"بیگم صاحبہ وہ تو آپ کے والد صاحب ہیں ناں؟"

"ہاں، ہاں انہی کی بات کر رہی ہوں، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، یہ ان کو دے دو، سن لیا ناں؟ اور اب میرے پاس کوئی نہ آئے، میں آرام کر رہی ہوں۔" خط نعیم کے ہاتھ میں تھما کر اس نے دروازہ بند کر دیا تھا اور بستر میں بیٹھنے یا لیٹنے کے بجائے وہیں دروازے سے پشت ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کچھ نہ سہی رشتہ تو خون کا تھا۔ حقیقت تو ہوتی ہی بے رحم ہے اور یہ بھی ایک بے رحم حقیقت تھی کہ جابر علی اس کا باپ تھا۔ اس کے وجود کی گواہی...... اس کے وجود کا اعتبار...... معاشرے میں اس کی عزت کا باعث اس کی انا اور بھرم کو سہارا دیتی ہوئی خود سے اونچی دیوار، اس کا وقار اس کی آبرو...... اور دنیا کی نظر میں اس کی مضبوط شناخت...... آج اس نے اس سچائی کو ماننے سے انکار نہیں کیا تھا گویا اپنے وجود سے انکار کر دیا تھا۔

☆☆☆

جابر علی، ستارہ کے ڈرائنگ روم میں دم بخود بیٹھا اس خط کی طرف دیکھ رہا تھا جو چند لمحے قبل وارث علی کے ملازم نے اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اولاد جس کی اونچی آواز کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جس کی زبان سے نکلنے والا انکار اس کے لیے دنیا کی سب سے بڑی گالی تھی۔ آج اس اولاد نے کتنے حوصلے، کتنے اعتماد سے اور کتنے فیصلہ کُن ہو کر اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا تھا۔ ایک قیامت سی برپا ہو گئی تھی۔ اس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹنے لگا، یوں جیسے چولھے پر رکھی ہانڈی پر ڈھکن بھاپ کے زور سے ہلنے لگتا ہے اور جو کچھ ہانڈی میں ہوتا ہے وہ ہانڈی سے باہر آنے لگتا ہے، بعض اوقات اتنا زیادہ چولھے پر گر جاتا ہے کہ آگ ہی بجھ جاتی ہے، وہ جیب سے رومال نکال کر پیشانی پر آیا ہوا پسینہ متواتر پونچھ رہا تھا۔

ستارہ نے وارث علی کے گھر میں اس کو اتنی اذیت اور احساسِ ذلت سے دوچار کیا تھا کہ جی چاہ رہا تھا کہ ہولسٹر

سے ریوالور نکال کر اپنی کنپٹی پر رکھے اور ٹریگر دبا دے۔ اس کمالِ ضبط کا ذائقہ اس نے زندگی میں پہلی بار چکھا تھا۔

☆☆☆

روما آنسو پیتے ہوئے رابی کو ڈاکٹر مہر جان کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"پتا ہے کیا...... اماں جانی بہت عجیب سی ہو گئی ہیں، اتنی سی بات بار بار دُہراتی رہتی ہیں، بار بار خالہ جانی سے پوچھتی ہیں، یہ لڑکی کون ہے۔" روما کہہ رہی تھی اور رابی اس کی طرف ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ بولتے بولتے روما کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تھی۔ رابی کا جی چاہا کہ ایک دم ہاتھ بڑھا کر روما کو اپنے گلے سے لگا لے مگر نہ جانے کیوں اس نے اپنے آپ کو روک لیا...... شاید وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ دل کی سختی میں کہاں تک جا سکتی ہے، نرم دلی کے ساتھ زندگی نے اسے کیا دیا تھا۔ شاید اب وہ دل کو سخت کر کے زندگی کا نیا رخ دیکھنا چاہتی تھی۔ شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر......

"اچھا اس طرح سے امی جان پوچھتی ہیں کہ یہ لڑکی کون ہے، حیرت ہے کہ اپنی اولاد کو بھول گئیں؟" رابی نے بڑے عجیب اور قدرے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا۔

"ہاں آپا...... آپ یقین کریں مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی۔ آپ خود سوچیں جب ماں اپنی اولاد کو نہ پہچان رہی ہو...... تو اولاد کیا کرے گی۔ ٹھیک ہے اماں جان بہت سخت تھیں، سختی کرتی تھیں، روک ٹوک کرتی تھیں لیکن بہر حال وہ ہماری ماں تو ہیں ناں۔"

"صرف تمہاری ماں......" رابی نے تیزی سے روما کی بات کاٹ دی تھی۔

روما، رابی کی طرف یوں دیکھنے لگی جیسے رابی کی منت کر رہی ہو کہ وہ اس طرح نہ سوچے۔

"چلو اچھا ہوا تم بھی یہاں آ گئیں۔ دیکھتے ہیں بلکہ آزماتے ہیں کہ کائناز کے دادا جان ہمیں کتنے دن برداشت کر سکتے ہیں......"

"دادا جان تو بہت اچھے ہیں، آپا وہ سب سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں۔" رابی نے پھر روما کی بات کاٹ کر کہا۔

"دیکھتے ہیں ناں وہ کتنے اچھے ہیں، تھوڑی دیر کے لیے تو سب اچھے بن جاتے ہیں، دو چار دن کے لیے اچھا بننا کوئی اتنا بڑا کام نہیں ہے۔" رابی مزید گویا ہوئی۔

"آپا آپ کو غصہ تو آئے گا مگر سچی بات یہ ہے کہ آپ بہت شکی ہو گئی ہیں۔ ہر وقت ہر کسی پر شک کرتی ہیں۔"

"ہاں کیوں نہ کروں، میرے ہاتھ میں ہے کیا...... میرے پاس ہے کیا...... آگے پیچھے، دائیں بائیں، چاروں طرف سے خالی ہوں، اب تو کسی رشتے کا بوجھ ہی محسوس نہیں ہوتا۔ جتنی ہلکی پھلکی ہو گئی ہوں، اتنے ہی زیادہ زمین میں پاؤں گڑ گئے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ کدھر جاؤں۔"

اسی وقت کائناز ہاتھ میں کافی اور اسنیکس سے بھری ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

"تم یہاں بیٹھی ہوئی ہو۔" وہ آتے ہی روما سے مخاطب ہوئی۔ "میں تمہیں اِدھر اُدھر سب جگہ تلاش کر چکی۔ یہ لیجیے آپا آپ کے لیے کافی ہے اور یہ بڑے ہی مزے کے نگٹس وغیرہ لائی ہوں، دادا جان کہہ رہے تھے کہ آپ نے دوپہر کو صحیح سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ صرف تھوڑا سا کھایا تھا۔ رات کے کھانے میں کچھ وقت ہے، اس لیے میں آپ کے لیے یہ کافی اور اسنیکس لے آئی۔" کائناز اپنے اسی بے ساختہ اور معصومانہ انداز میں رابی سے مخاطب تھی اس بات سے قطع نظر کہ اس کے آنے سے پہلے وہ دونوں بہنیں کیا باتیں کر رہی تھیں اور کس قسم

کے احساسات سے لڑ رہی تھیں۔

''تھینک یو!'' رابی نے ٹرے کائناز کے ہاتھ سے لے لی۔ ''تم کب تک میرا اتنا خیال رکھ سکتی ہو؟'' رابی کے منہ سے یونہی نکل گیا تھا۔ کائناز کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آپا آپ فکر نہ کریں اگر میں قیامت تک زندہ رہی تو قیامت تک آپ کو کافی بنا کر پلاتی رہوں گی۔ کافی بنانے میں کوئی زیادہ محنت تو نہیں لگتی۔'' کائناز کے انداز میں اتنی بے ساختگی تھی کہ رابی کے منہ پر خود بخود مسکراہٹ در آئی۔

کائناز دونوں کے درمیان کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ تھام کر رابی سے مخاطب ہوئی۔

''آپا اب آپ روما کی طرف سے تو بالکل بھی فکر مند مت ہوئیے گا، یہ میرے ساتھ کالج جائے گی اور میرے ٹیوٹر سے ٹیوشن بھی لے گی۔''

رابی کی نظروں میں ایک دم اس آنے والے نوجوان کا چہرہ گھوم گیا جس کے لیے اس کے ذہن میں ابھی تک سوال ابھر رہے تھے کہ وہ آنے والا کون تھا۔ کائناز کی بات سن کر اس نے ایک گہری سانس کھینچی، گویا خود بخود سمجھ گئی تھی۔

''اچھا تو وہ تمہارے ٹیوٹر تھے......'' کائناز اور روما رابی کی طرف حیران ہو کر دیکھنے لگیں۔

''آپ نے انہیں دیکھا تھا؟'' کائناز فوراً بولی۔ روما بھی رابی کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی۔

''ہاں، ہاں وہ میں بالکونی میں کھڑی ہوئی تھی تو میں نے دیکھا تھا، وہ کسی کے ساتھ بائیک پر آئے تھے۔ یقیناً تمہارے ٹیوٹر ہی تھے۔ میں تم سے پوچھنے ہی والی تھی کہ تمہارے گھر میں یہ کون گیسٹ آئے تھے۔'' رابی کی بات سن کر کائناز کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آپا ہمارے گھر میں سالوں میں کہیں کوئی گیسٹ آتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے تقریباً سارے رشتے دار uk میں ہوتے ہیں یا آئرلینڈ میں مگر وہ بھی اتنے قریبی نہیں ہیں اور دادا جان کے جتنے بھی بلڈ ریلیشنز ہیں ناں وہ سب دور ہیں۔ دادا جان تو پاکستان اکیلے آئے تھے بقول ان کے میں نے تو سب کا ہاتھ پکڑ، پکڑ کر کھینچا تھا کہ بری بات ہے دوسروں کے ملک میں نہیں رہتے چلو اپنے گھر چلتے ہیں، اپنے ملک میں چلتے ہیں مگر دادا جان کی کسی نے سنی ہی نہیں۔'' کائناز کے انداز میں اس کی فطری بے ساختگی بہت نمایاں تھی۔

روما کے ساتھ ساتھ رابی بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔

''وہ ہمارے ٹیوٹر ہیں برہان ویسے آپ مائنڈ نہ کریں تو آپ خود بھی ان سے پڑھ سکتی ہیں۔ آپ اپنی اسٹڈیز continue کریں، اب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔''

''مسئلہ تو پہلے بھی نہیں تھا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے پڑھنے سے تو منع نہیں کیا تھا۔'' رابی کے لہجے میں خود بخود ایک تلخی سی اتر آئی۔

''ڈاکٹر صاحبہ......!'' ذوملنے ایک گہری سانس لے کر رابی کی طرف دیکھا جیسے خود جتا رہی ہو مگر اس نے اپنے خیالات کو الفاظ دینے سے گریز کیا۔

''ہاں ناں آپا آپ بھی پڑھ سکتی ہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا جو لاس ہوا ہے آپ ٹیوشن لے کر وہ کمی دور کر سکتی ہیں۔''

''برہان......اوہ......'' رابی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''اچھا تو تمہارے ٹیوٹر کا نام برہان ہے۔'' رابی کی آنکھوں میں اس طرح کے تاثرات تھے جو کائناز اور روما کبھی نہیں جان سکتی تھیں، سمجھ سکتی تھیں۔

''اچھا ہے ناں رابی آپا، بڑا اچھا نام کیوٹ سا ننھا منا سا میرے نام کی طرح نہیں جو زمین سے لے کر آسمان تک پھیلا ہے کائناز......'' وہ پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔ ایسے جیسے اسے تو ہنسنے کا کوئی بہانہ چاہیے تھا کہ روما اب دم دم اس کے ساتھ تھی۔

''ویسے میں اس شکل کے ساتھ تمہارے سر سے ٹیوشن نہیں لے سکتی۔ تمہارے سر ڈر کے مارے اس گھر سے ہی بھاگ جائیں گے۔'' رابی اس طرح سے خود پر ہنسی جیسے عموماً وہ لوگ خود پر ہنسنے کے عادی ہو جاتے ہیں، جنہیں دوسروں پر ہنسنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس نے اپنے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے نہیں، نہیں آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔'' کائناز جلدی سے بولی۔ ''دادا جان نے آپ سے کہا ہے ناں آپ کی پلاسٹک سرجری ہو جائے گی تو آپ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو جائیں گی جو آپ کو دیکھے گا تو دیکھتا ہی رہ جائے گا۔'' کائناز کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے تھے۔

''ہاں آپا، کائناز بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، دادا جان بہت سیریس ہیں، انہوں نے خالہ جانی سے کہہ دیا ہے کہ وہ آپ کو لے کر کسی سرجن سے ملوانے لے جائیں گے۔ ہاں مجھ سے بھی کہہ رہے تھے اس کام میں دیر نہیں لگاؤں گا۔ اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ رابی جلد از جلد ہنستی مسکراتی نظر آئے۔ آپا آپ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو کر مغرور تو نہیں ہو جائیں گی۔'' کائناز جو کھلکھلا کر ہنسی تو رابی نے ایک گہری سانس لی اور کھوئی کھوئی نظروں سے کائناز کی مسکراتی ہوئی آنکھوں کی طرف دیکھا......اور بے معنی سے انداز میں گویا ہوئی۔

''میں نے تو سنا ہے کہ بہت زیادہ خوب صورت عورتیں بہت بدنصیب ہوتی ہیں۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟'' روما نے حیرت اور الجھن کے ساتھ رابی کی طرف دیکھا۔
''یہ بات بہت غور کرنے والی ہے روما کہ آخر بہت زیادہ حسین عورتیں اتنی بدنصیب کیوں ہوتی ہیں؟ شاید اس لیے کہ ان پر کوئی بھروسا نہیں کرتا، ہر کوئی اُن کی چاہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ بھی یہ ہوتی ہیں، اس کو جکڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ ایک خوف میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ کوئی بھی اُن کو دل سے نہیں چاہتا کیونکہ سب اُن پر مرتے ہیں مگر دل سے کوئی نہیں مرتا...... ہر کوئی یہی سوچتا ہے کہ اس کے تو پتا نہیں کتنے چاہنے والے ہوں گے۔ چاہے اس بے چاری کو ایک بھی پیار کرنے والا نہ ملا ہو۔ ظاہری پیار ہو، دل میں خلوص نہ ہو تو کیا فائدہ......؟'' رابی ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔ وہ دونوں ہکا بکا اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔
''آپا یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ بڑی عجیب باتیں کر رہی ہیں، آپا یہ باتیں آپ کو کس نے سکھائیں؟ آپ کو کس نے بتایا یہ سب کچھ؟'' روما تو سہم کر رہ گئی تھی۔
''ہاں آپا، آپ زیادہ ٹینس نہ ہوں، سب خوب صورت عورتوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا ہوگا۔ پتا نہیں آپ کو کس نے یہ سب کہہ دیا۔'' کائناز بھی بولی تھی۔
''کون کہتا مجھ سے یہ سب کچھ...... ڈاکٹر صاحبہ کے کچھ اقوالِ زریں میری یادداشت میں محفوظ ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھا جو میں نے تم کو سبق کی طرح سنا دیا۔ ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں کہ خوب صورت عورتیں بہت بدنصیب ہوتی ہیں، بہت تنہا ہوتی ہیں۔''
''اماں جان نے یہ کہا تھا؟'' روما کو یقین نہ آیا۔
''تم تو بس رہنے دو، تمھیں تو اب تک سوائے حیران ہونے کے اور کام نہیں آیا۔''
''آپا آپ جلدی سے کافی پینا شروع کر دیں ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' کائناز نے جلدی سے کہا۔ اسے اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ کہیں رابی، روما پر نہ چڑھ دوڑے، اس نے آگے بڑھ کر لپک کر کافی کا مگ اٹھایا اور زبردستی کے انداز میں رابی کے ہاتھوں میں تھما دیا۔
''لو بات کیا ہو رہی تھی کہاں سے کہاں چلی گئی تو پھر آپ سوچ لیں آپ بھی ہم دونوں کے ساتھ برہان سر سے پڑھیں گی۔''
''میں نے آج تک ٹیوشن نہیں لی، مجھے کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ تمھیں کیا ضرورت پیش آ گئی؟ تمہاری پروگریس تو ہمیشہ اے ون رہی ہے۔'' رابی کو جیسے کچھ ہضم نہیں ہو رہا تھا۔
''آپا باقی تو سب ٹھیک ہے، اصل میں مجھے میتھ بہت تنگ کر رہا ہے، نہیں سمجھ آتا کہ مجھے اور یہ جو سر ہیں ناں وہ میتھ کے ایکسپرٹ ہیں جو مجھے کالج میں پڑھایا جا رہا تھا ناں وہ مجھے ذرا سا بھی سمجھ نہیں آتا تھا۔ سر سے میں نے دو تین دفعہ جب سے پڑھا ہے آپ یقین کریں مجھے سب کچھ سمجھ آ گیا ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ پڑھانے کا انداز بالکل الگ ہوتا ہے، اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ پڑھانا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ چاہے آپ اسکالرشپ لے چکے ہوں چاہے آپ کتنے ہی علامہ ہوں، کسی کو کنونس کرنا بہت بڑا آرٹ ہے۔ میں تو برہان سر سے بہت impressed ہوں، انہوں نے تو آدھے گھنٹے میں مجھے وہ سب کچھ سمجھا دیا جو ایک مہینے سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تبھی تو میں نے روما کو بھی کہا کہ تم بھی پڑھو۔ فزکس، کیمسٹری کا تو مجھے کوئی ایشو نہیں تھا سارا مسئلہ تو میتھ کا تھا۔ شکر ہے کہ وہ بھی solve ہو گیا ہے اب تو مجھے لگ رہا ہے کہ میں بھی الیکٹریکل انجینئر بن ہی جاؤں گی۔ تھینک گاڈ کہ مجھے اتنا اچھا ٹیوٹر مل گیا۔'' کائناز بولے چلی جا رہی تھی۔ اس

بات سے قطع نظر کہ وہ اپنے ٹیوٹر کی تعریفوں میں سر سے پاؤں تک ڈوبی ہوئی ہے اور رابی کے سامنے برہان جیسے مجسمہ بنا کھڑا ہوا تھا۔ اسے شاید اندازہ نہیں تھا کہ سات پردے میں رہنے کی وجہ سے اس کے خوابوں کا شہزادہ بھی اس کی تلاش میں اِدھراُدھر بھٹک رہا تھا جو آج اتفاق سے اس کے سامنے آ ہی گیا تھا۔

☆☆☆

''میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی کہ شادی کیا چھپانے والی بات ہوتی ہے؟ صاف لگ رہا تھا کہ ستارہ سچ بول رہی تھی لیکن اس کی ماں چھپا رہی ہے۔'' شائستہ بیگم، فائزہ کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی جان بوجھ کر احمر کے سامنے شبینہ کی شادی کا موضوع چھیڑ رہی تھیں کیونکہ بہرحال وہ ماں تھیں، وہ اپنے بچوں کو بہت اچھی طرح جانتی اور سمجھتی تھیں۔ وہ دیکھتی تھیں کہ شبینہ کے ذکر پر احمر کے تاثرات ایک دم بدل جاتے ہیں، فائزہ اسے وہاں جانے کے لیے کہتی تو ایک منٹ میں تیار ہو کر سامنے آجاتا۔ وہ اتنی بے وقوف نہیں تھیں کہ ہوا میں اُڑتا ہوا تیر... پکڑتیں اور اپنی طرف سے بات چیت شروع کر کے بیٹے کی نظروں میں خود کو گراتیں، شبینہ کے گھر سے واپس آتے، آتے اُن کے سر سے جیسے منوں بوجھ اتر گیا تھا اگرچہ صابرہ نے ستارہ کی بات کو ہوا میں اُڑانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے پکڑ لی تھی اور اس وقت وہ احمر کے سامنے اسی لیے بات کر رہی تھیں تاکہ وہ اگر کچھ سوچ بیٹھا ہے تو نئے سرے سے غور وخوض شروع کر دے کیونکہ احمر ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جس کے لیے اب تک وہ بہت ساری لڑکیاں دیکھ چکی تھیں۔ حالانکہ ابھی اس کی شادی کا کوئی منصوبہ تھا نہ کوئی پروگرام لیکن بیٹے کی ماں تو شاید بیٹے کی پیدائش سے ہی بہو تلاش کرنی شروع کر دیتی ہے۔

ماں کی بات سن کر احمر اپنی جگہ جیسے دم بخود سا بیٹھا تھا بلکہ سناٹے میں رہ گیا تھا۔ اس نے بڑی بے اختیاری کی سی کیفیت میں فائزہ کی طرف دیکھا تھا۔ فائزہ اور اس کے درمیان آج تک کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔ جس سے فائزہ کو یہ اندازہ ہوتا کہ اس کا بھائی کسی میں دلچسپی لیتا ہے۔

''امی ایسی بات نہیں ہے اگر شبینہ کی انگیجمنٹ ہو جاتی ناں تو وہ مجھے ضرور بتاتی۔ آپ یقین کریں مجھ سے کچھ نہیں چھپاتی یوں سمجھیں کہ میرے علاوہ اس کی کوئی اور دوست نہیں ہے۔ وہ اپنے دل کی ہر بات مجھ سے کرتی ہے۔'' فائزہ کی بات سن کر احمر کے دل کو تھوڑا سا سہارا ملا اور وہ اپنی گزشتہ کیفیت سے باہر آنے لگا۔

''تم کل کی بچی ہو...... تمہیں کیا پتا ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں کسی خاص وجہ سے فی الحال یہ خبر چھپانا چاہتی ہو اب یہ تو ان ہی لوگوں کو پتا ہوگا کہ حقیقت کیا ہے لیکن میرا دل کہتا ہے ستارہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں آج کل میں شبینہ کی شادی کی اطلاع مل ہی جائے۔ اچھی بات ہے، اچھی لڑکی ہے۔'' شائستہ بیگم نے کن انکھیوں سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے بظاہر بڑے عام سے انداز میں بات کی لیکن فائزہ نے اپنی ماں کی بات ماننے سے سرے سے ہی انکار کر دیا تھا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ممی...... شبینہ کا اگر رشتہ بھی آئے گا ناں تو مجھے ضرور بتائے گی وہ...... شادی تو بہت بڑی بات ہے۔''

''ٹھیک ہے میں تم سے بحث نہیں کروں گی لیکن یہ تو خوشی کی بات ہے ناں، آج کل کے زمانے میں اگر اچھا رشتہ مل جائے تو بیٹی کی شادی جلدی کر دینی چاہیے اس لیے کہ اچھے رشتے آنے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ دور دور تک لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں، دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ میں تو خود طے کیے بیٹھی ہوں کہ اگر تمہارا کوئی اچھا سا پروپوزل آئے گا میں پڑھائی وڑھائی کے چکروں میں تمہاری شادی نہیں روکوں گی۔''

''ممی......! کم آن، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اس طرح سے سوچیں گی۔ مجھے نہیں پتا...... مجھے ایم بی بی ایس تو لازمی کرنا ہے۔'' دونوں ماں، بیٹی کی ایک بحث شروع ہوگئی، احمر چپ چاپ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ اسے اب ماں اور بہن کی درمیان ہونے والی تکرار اور بات چیت میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو بڑی مشکل سے خود کو سنبھال رہا تھا۔

''شبینہ کی شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن ممی تو کہہ رہی تھیں کہ اس کی بہن ستارہ نے بتایا ہے کہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔''

''تم کہاں چل دیے احمر، اب کھانا لگنے ہی والا ہے، کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلے جانا......'' احمر بہ مشکل خود کو کمپوز ڈ کر پا رہا تھا۔ عجیب حالت تھی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے ممی، میں نے چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس وغیرہ لے لیے تھے اور آپ کو تو پتا ہی ہے کہ مجھے بھوک نہ لگے تو میرا خواہ مخواہ کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔'' احمر نے اب قدرے جھنجلا کر ماں کو جواب دیا تھا۔ اس وقت اسے مکمل تنہائی کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ شائستہ بیگم نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھیں جیسے وہ بھی کچھ محسوس کر رہی ہوں، وہ سوچ رہی تھیں کہ آخر کار ان کے اندیشے سچ نکل آئے۔ شبینہ کی شادی کے ذکر پر احمر کا موڈ ایک دم تبدیل ہوگیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگیں کہ شکر ہے بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ اُن کے اپنے سرکل میں ایک سے ایک لڑکی موجود تھی۔ انہوں نے تو سالوں پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ احمر کا باپ بزنس مین ہے اور بڑے بزنس مین کو بہت زیادہ اثر رسوخ حاصل کرنے کے لیے کسی بڑے بیورو کریٹ کی بیٹی کو نظر میں رکھنا چاہیے اور انہوں نے تو ایک بہت بااثر بیوروکریٹ کی بیٹی کو نظر میں رکھا ہوا تھا۔ ابھی تک ذکر اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہ انتظار کر رہی تھیں کہ احمر اپنے آخری سیمسٹر سے فارغ ہو جائے۔ احمر ماں کی بات سنی ان سنی کر کے بڑی بیزاری کیفیت میں لاؤنج سے چلا گیا تھا۔ شائستہ بیگم ابھی تک اسی طرح سوچ رہی تھیں اور اسی طرف دیکھ رہی تھیں جہاں احمر گیا تھا۔

''ممی! آپ کیا سوچ رہی ہیں؟ کیا دیکھ رہی ہیں اُدھر؟'' فائزہ کی آواز نے شائستہ بیگم کو جیسے چونکا دیا۔ انہوں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور مسکرائیں۔

''کچھ نہیں بیٹا ویسے ہی، چلو چل کر کھانا کھاتے ہیں، تمہارے پاپا تو آج بہت لیٹ آئیں گے۔'' وہ یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ گئیں، فائزہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

اس کے چہرے پر سوچ کی لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ وہ ماں کے پیچھے چلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ''کہیں ممی ٹھیک تو نہیں کہہ رہیں لیکن شبینہ شادی کی بات مجھ سے کیوں چھپائے گی؟'' شائستہ بیگم کی باتوں نے اس کا سیدھا سادہ سا ذہن الجھا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی بہترین دوست پر شک کرنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن ماں کی بات کو بھی نظر انداز نہیں کر پا رہی تھی۔

''کہیں اسی وجہ سے تو شبینہ چھٹیاں نہیں کر رہی؟'' وہ سوالیہ نشان کی طرح سوچتی ہوئی ماں کے پیچھے جا رہی تھی۔

☆☆☆

شبینہ اپنے کمرے میں...... وارڈ روب سے سارے کپڑے نکال کر بیڈ پر ڈھیر کر چکی تھی۔ وہ ستارہ کے کپڑے الگ کر رہی تھی تا کہ وارڈ روب میں جگہ بن جائے۔ صابرہ نے تو اسے کہہ دیا تھا کہ وہ ستارہ کے جو

اچھے کپڑے ہیں وہ استعمال کر لے، بس جو وہ پہننا نہیں چاہتی وہ ماسی کو دے دے۔ وہ ستارہ کے تمام کپڑے ایک طرف رکھ چکی تھی اور اپنے کپڑے بڑی ترتیب اور نہایت سلیقے سے وارڈ روب میں لگا رہی تھی۔

اسی وقت صابرہ کمرے میں چلی آئی۔ وہ بہت فکر مند اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ شبینہ نے کپڑے ہینگر میں لگاتے ہوئے ماں کی طرف بڑی فکر مندی سے دیکھا تھا، ماں کا چہرہ ایک کھلی کتاب ہی کی طرح تو تھا اور صبح سے رات تک وہ انہی سے تو بات کرتی رہتی تھی۔

''کیا بات ہے امی...... آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہیں، خیریت تو ہے، اب کیا ہوگیا...... بھائی بھی چلے گئے ستارہ بھی چلی گئی۔ میرا خیال ہے اب تو سب مسئلے ختم ہو گئے ہیں۔'' بولتے بولتے شبینہ کا دل جیسے بھر آیا اور وہ مزید کچھ نہ بول سکی۔ چپ چاپ ہینگر کیے ہوئے کپڑے وارڈ روب میں لٹکانے لگی۔ جیسے خود کو سنبھالنے کے لیے مہلت لے رہی ہو۔ صابرہ کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی۔

''ایسی بات نہیں ہے بیٹا...... مسئلے کہاں ختم ہوں گے، مسئلے تو زندگی کے ساتھ ہیں، زندگی ختم ہوگی تو مسئلے ختم ہوں گے۔'' یہ کہہ کر وہ بڑے تھکے تھکے نڈھال سے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ابا جان تو شاید سو رہے ہیں آج تو جلدی آ گئے تھے ناں امی؟'' ماں کی بات سن کر شبینہ کو عجیب سی تشویش نے آن گھیرا تھا۔

''سو نہیں رہے جاگ رہے ہیں اور شام سے بالکل چپ ہیں۔ میں نے ایک دو دفعہ بات کرنے کی کوشش کی تھی بولے۔ ''مجھے اکیلا چھوڑ دو'' میں تو ان سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آخر وہ ہمیں ستارہ سے ملانے وہاں کب لے کر جائیں گے لیکن وہ تو کوئی بات نہیں کرنے دے رہے۔'' صابرہ فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔

''ہو سکتا ہے امی، ابا جان کی طبیعت ٹھیک نہ ہو......''

''نہیں بیٹا...... اتنا پرانا ساتھ ہوگیا ہے، اب تو میں ان کے مزاج کے ہر موسم سے بہت اچھی طرح واقف ہوں اگر ان کی طبیعت خراب ہوتی تو وہ دس دفعہ اپنے کام بتا چکے ہوتے۔ چار مرتبہ تو چائے پی چکے ہوتے، آج تو انہوں نے کھانے کے بعد ایک پیالی چائے بھی نہیں مانگی۔ ایک گلاس پانی کے لیے بھی نہیں کہا۔ میں تو اتنی حیران ہوں کہ تمہیں بتا نہیں سکتی۔''

''ہاں یہ تو خیر میں نے بھی نوٹ کیا ہے، ابا جان کب سے گھر آئے ہوئے ہیں اور ان کی آواز تک سنائی نہیں دی۔''

''میں تو سوچ رہی تھی کہ گھر آئیں گے تو ستارہ سے ملنے کی بات کروں گی، ویسے کا پوچھوں گی مگر اب تو میری ہمت ہی نہیں پڑ رہی۔'' صابرہ پُر تفکر انداز میں کہہ رہی تھی۔

''چھوڑیں امی...... خود سے کوئی بات مت کیجیے گا۔ ہو سکتا ہے آفس میں کوئی مسئلہ ہو اور ابا جان پریشان ہوں۔''

''خیر خود سے تو میں کوئی بات شروع نہیں کروں گی مگر ان کی خاموشی سے میں بہت پریشان ہوں۔ زندگی گزر گئی ان کے ساتھ وہ تو کبھی بیمار ہوئے تب بھی اتنی دیر خاموش نہیں رہے۔'' صابرہ کے انداز میں تشویش بدستور تھی۔

☆☆☆

جابر علی اپنے بستر پر دراز زمان و مکان کی قیود سے آزاد کسی اور جہان میں پہنچا ہوا تھا۔ اس کی اپنی اولاد نے اپنے گھر میں باپ کی اتنی بے عزتی کی تھی، یہ بھی ہو سکتا ہے اس کے وہم و گمان میں نہ تھا آ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے داماد کی نظر میں اس کی کیا عزت ہوگی؟ اس عزت کے لیے وہ حرام کمائی سے خود کو یوں بچاتا رہا جیسے

آگ میں گھرا انسان اپنے کپڑے سمیٹ کر خود کو آگ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"اب کیا کرنا چاہیے؟" یہ وہ سوال تھا جو اس کے دماغ میں کانٹے کی طرح گڑ گیا تھا۔" ایسی اولاد پر نفرین بھیجے اور بھول جائے...... مگر وارث علی کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ وہ اس سرکش لڑکی کی دہلیز پر مرتے دم تک قدم نہیں رکھے...... مگر داماد کو کیا جواب دے؟" اس نے زندگی میں پہلی بار منہ کی کھائی تھی۔ وہ بھی بیٹی سے...... ایک عورت ذات سے...... عورت...... جس کو اس نے کبھی قابلِ ذکر بھی نہ گردانا تھا۔ ایسی بیٹی تو اسے بہت بڑی ذلت سے دوچار کر سکتی تھی...... کیا وہ اسے چھوٹی ذلت سمجھ کر سہہ جائے؟ سوچتے سوچتے بالآخر اس نے خود کو شاباش دی...... گویا کہ اس نے درست فیصلہ کیا...... ایسی بیٹی کو زیادہ دن گھر میں بٹھانے سے تو بہتر یہی تھا کہ وہ اسے عزت سے رخصت کر دے...... جو کسی بھی وقت عزت و ناموس کے لیے بہت بڑا خطرہ بن سکتی تھی۔" ایسی ہی سرکش اور جرأت مند لڑکیاں ہوتی ہیں جو گھروں سے بھاگ جاتی ہیں۔ تمہارا فیصلہ بالکل صحیح تھا جابر علی اور تم تو ہمیشہ صحیح فیصلے ہی کرتے ہو۔" بالآخر اس نے خود کو شاباشی دے کر پُرسکون کر ہی لیا۔

☆☆☆

اصیل خان کے دل کی بے قراری حد سے بڑھی تو وہ پھر شاہ عالم کے گھر چلا آیا مغرب کا سرمئی اجالا اب اندھیرے کی طرف گامزن تھا۔ شاہ صاحب گھر کے لان میں بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ اصیل خان ان کے قریب جا کر گھاس پر بیٹھ گیا۔

"ارے، وہاں کیوں بیٹھ گئے؟ اِدھر آ کر بیٹھو......" شاہ عالم نے اس سنگی بینچ پر ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا جس پر وہ خود بیٹھے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں شاہ صاحب......" اصیل خان نے انکساری کا مظاہرہ کیا۔

"ارے بھئی تم بچیوں کے بابا ہو اور ہم بھی تمہیں نوکر نہیں سمجھتے...... مسجد میں ہمارے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہو تو گھر میں برابر میں کیوں نہیں بیٹھ سکتے؟" اُن کے انداز میں اتنی شفقت اور حلاوت تھی کہ اصیل خان اپنی جگہ سے اٹھ کر اُن کے برابر میں جا کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے بات ہی اتنی مدلل کی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب ڈاکٹر صاحبہ کی؟"

"بس جی اب تو وہ آگے کی طرف دیکھنے کے بجائے پیچھے ہی دیکھتی رہتی ہیں، آج تو اپنی دوست ٹوٹو کو بہت یاد کر رہی ہیں۔"

"ٹوٹو......؟ بڑا عجیب سا نام ہے۔" شاہ عالم نے چونک کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔

"جی صاحب...... ڈاکٹر صاحبہ کی ہم جماعت تھیں...... ہمارے علاقے کے ڈی سی راؤ فرمان علی خان کی بیٹی...... بیس سال پہلے امریکا چلی گئی تھیں۔"

"اوہ...... تم تو ڈاکٹر صاحبہ کے شاید سب سے پرانے ملازم ہو...... اُن کے بارے میں سب کچھ ہی جانتے ہوں گے...... ایک بات پوچھوں......؟" شاہ عالم بولتے بولتے جھجک کر رک گئے۔

"ایک نہیں...... دس پوچھیں شاہ صاحب......" اصیل خان ایک خاص کیفیت میں گویا ہوا۔

"وہ ڈاکٹر صاحب کے شوہر...... میرا مطلب ہے رانی اور روما کے والد کو تو تم نے دیکھا ہوگا؟"

"والد......؟" اصیل خان نے بری طرح گڑبڑا کر شاہ عالم کی طرف دیکھا۔

(جاری ہے)

امانت

رفعت سراج

قسط 13

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے، موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور......چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کر دیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان اُن کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو نا قابلِ قبول ہوتا ہے۔ اصیل خان ماضی کے دنوں میں اپنے اور مہر جان کے گزرے یادگار لمحات میں گم ہوتا ہے کہ گل جان اسے مہر جان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دیتی ہے۔ صابرہ، برہان کو فون کرتی ہے تو اس کی بات کائناز سے ہوتی ہے۔ صابرہ فون پر بات کر رہی تھی کہ جابر علی اٹھ جاتا ہے اور وہ صابرہ پر چیختا ہے۔ فائزہ، احمر کے ساتھ شبینہ سے ملنے آتی ہے تو اس کے جانے سے پہلے ہی جابر علی آجاتا ہے اور وہ اس کے آنے پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ شبینہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پارہی تھی کہ ستارہ کو بتادے کہ شادی اس کی نہیں بلکہ ستارہ کی ہورہی ہے۔ گل جان نے روما کو بتایا کہ رابی کی شادی ہورہی ہے تو روما بھی پریشان ہوگئی۔ رابی اپنا کمرا بند کر کے بیٹھی تھی یہ بات گل جان کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ برہان، شاہ عالم کے ہاں پہنچا تو اسے پتا چلا کہ وہ اپنا موبائل وہاں بھول گیا تھا۔ روما، گل جان سے پوچھتی ہے کہ وہ کائناز کو شادی میں بلالے تو گل جان منع کر دیتی ہے۔ کائناز بخار کی شدت سے نڈھال تھی وہ دل بہلانے کے لیے روما کو فون کرتی ہے تو کوئی فون ریسیو نہیں کرتا۔ گل جان، رابی کو مہر جان کی دی ہوئی ساڑی دیتی ہے کہ وہ تیار ہوجائے۔ رابی نے ساڑی پہن کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اور پھر بے ترتیبی سے اپنے بال کاٹ لیے اس کے بعد اس نے تیزاب میں روئی بھگو کر اس سے اپنے چہرے پر لائنیں کھینچنا شروع کر دیں۔ اندر کی جلن نے ہر تکلیف کے احساس کو ختم کر دیا تھا۔ کائناز کہتی ہے تو شاہ عالم اسے روما کے گھر لے جاتا ہے۔ صابرہ کی برہان سے بات ہوتی ہے تو وہ کائناز کے بارے میں پوچھتی ہے۔ سہراب خان، رابی کی شکل دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان ایک بار پھر آئی سی یو میں داخل ہوگئی تھیں۔ شائستہ بیگم اور فائزہ شبینہ کے گھر آتی ہیں تو وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے شائستہ بیگم کو اس خبر سے تسلی ہوتی ہے کہ شبینہ کی شادی ہورہی ہے لیکن صابرہ، ستارہ کی اس بات کی نفی کرتی ہے۔ شبینہ، صابرہ سے کہتی ہے کہ وہ ستارہ کو بتادے کہ شادی اسی کی ہورہی ہے۔ صابرہ بالآخر ستارہ کو بتاتی ہے کہ شادی اس کی ہورہی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے۔ گل جان کو پتا چلتا کہ... ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کر رہا ہے اور وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ روما، رابی اور کائناز کو گل جان کے بارے میں بتاتی ہے۔ ستارہ کا وارث علی سے نکاح ہوجاتا ہے۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں جس پر شاہ عالم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ صابرہ، ستارہ کی رخصتی کے بعد بہت روتی ہے کہ ستارہ یہ کہہ کر گئی ہے کہ وہ اب کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی۔ روما فکر مند ہوتی ہے کہ وہ کب تک مہر جان کے سامنے نہیں جائے گی۔ وارث علی اپنی بیوی ستارہ کے انداز دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے وہ بغیر کسی جھجک یا گھبراہٹ کے وارث علی سے بات چیت کر رہی تھی۔ ستارہ، برہان کو فون کر کے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہوگئی ہے اور وہ اس سے ملنے اس کے گھر آسکتا ہے۔ گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہوجاتی ہے جب وہ مہر جان سے کہتی ہے کہ اسے لگتا ہے کہ وہ اصیل خان سے محبت نہیں کرتی۔ مہر جان اس بات کی نفی کرتی ہے۔ برہان، ستارہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے تو فون کر کے وارث علی سے ایڈریس سمجھتا ہے وارث علی برہان کی آمد سے تھوڑا پریشان ہوجاتا ہے۔ ستارہ، برہان کو بتاتی ہے کہ اب وہ اس گھر میں کبھی نہیں جائے گی۔ برہان اسے سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر مشکل میں وہ اس کے ساتھ ہے۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ جابر علی، ایس پی سے ولیمے کی بابت دریافت کرتا ہے تو وہ اسے جھوٹی تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے۔ رابی، برہان کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ وہ کون ہے۔ روما، شاہ عالم کے گھر آجاتی ہے۔ کائناز اسے پڑھنے کے لیے بلاتی ہے تو وہ اگلے دن سے پڑھنے کا کہتی ہے۔ جابر علی، ستارہ کے گھر آتا ہے تو وہ اسے ملے بغیر نوکر سے ایک پرچہ بھجوادیتی ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ وہ سمجھ لے کہ ستارہ مر چکی ہے۔ اب وہ کبھی اس سے نہیں ملے گی۔ جابر علی سے اپنی یہ بے عزتی ہضم نہیں ہوتی اسے چپ لگ جاتی ہے۔ شاہ عالم، اصیل خان سے رابی اور روما کے والد کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔

اب آگے پڑھیں

شاہ عالم بہ نظرِ غائر اصیل خان کے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ اصیل خان نے بڑی مشکل سے پلکیں اٹھا کر شاہ عالم کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی بے بسی تھی یوں جیسے کہ شاہ عالم نے اس سے کوئی بہت مشکل سوال کر ڈالا ہو یا کوئی معماحل کرنے کے لیے دے دیا ہو۔ شاہ عالم جیسے جہاں دیدہ انسان کے لیے اس کے چہرے پر ثبت بے بسی کو پڑھنا چنداں مشکل نہ تھا۔ انہوں نے فوراً اصیل خان کا مسئلہ حل کیا تاکہ وہ سکون کا سانس لے لے۔

''تم تو پریشان ہوگئے اصیل خان...... میں، میں نے تو بس ویسے ہی تم سے پوچھ لیا تھا اگر تم سمجھتے ہو کہ میں نے تم سے کوئی بہت مشکل سوال کر ڈالا ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں بلکہ اپنا سوال ہی واپس لیتا ہوں۔ تم مطمئن رہو۔''

''نہیں شاہ صاحب...... ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس وہ کچھ ایسی مجبوریاں ہوتی ہیں کہ سچ بولتے ہوئے زبان ساتھ نہیں دیتی۔'' اصیل خان بہ مشکل گویا ہوا۔

''ارے نہیں، نہیں اصیل خان...... تمہیں اتنی زیادہ ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں...... بھئی دو بندے بیٹھے ہیں، کوئی بات ہوجاتی ہے، یوں سمجھو میں نے تم سے کچھ نہیں پوچھا۔''

اصیل خان کی تو جیسے جان میں جان آگئی تھی، شاہ عالم نے خود ہی مشکل ڈالی تھی اور خود ہی آسان بھی کر دی۔

''ٹھیک ہے اصیل خان، اب تم جا کر اپنا کام کرو۔'' اصیل خان یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا۔

''بہت بہت شکریہ شاہ صاحب...... انسان کسی کی بھلائی اور نیکی کا اجر نہیں دے سکتا، یہ تو بس اللہ ہی دیتا ہے۔'' اصیل خان بڑے خاکسارانہ انداز میں گویا ہوا۔

''بے شک...... تم نے صحیح کہا...... اجر دینا تو مالک کا ہی کام ہے اور سب سے بڑا اجر یہ ہے کہ رب راضی ہوجائے۔'' شاہ عالم کے منہ سے یہ سننا تھا کہ اصیل خان کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ اس پر رقت طاری ہوگئی۔ بڑی بے اختیاری، بے خودی کی کیفیت میں اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''رب راضی ہوجائے...... اور کیا چاہیے، شاہ صاحب!'' اس نے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا اور ہتھیلیوں سے آنسو صاف کرنے لگا۔ شاہ عالم نے بڑی شفقت سے اس کا کندھا دبایا تھا جیسے تسلی دے رہے ہوں۔ طوفان ساحل سے ٹکرا کر واپس ہوگیا تھا۔ خطرہ ٹل گیا تھا مگر کب تک......؟ لڑکیاں بڑی ہوچکی تھیں، ان کے حوالے سے ابھی جانے کتنے لوگ ملیں گے؟ اور سب نے یہ ایک سوال تو لازمی کرنا ہے کہ ان لڑکیوں کا باپ کہاں ہے؟ دوسرا سوال...... باپ کا نام کیا ہے؟ تیسرا سوال...... زندہ ہے یا......؟

☆☆☆

گل جان، خانساماں بکھے کے ساتھ کچن میں سمیٹا سمیٹی میں مصروف تھی۔ اس نے ایک ساس پین کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا اور اچھی خاصی مقدار میں سالن دیکھ کر بڑی فکر مندی سے پوچھا تھا۔

''ارے یہ سالن ویسے کا ویسا پڑا ہے، تم نے اور اصیل خان نے کیا کھانا نہیں کھایا تھا آج؟'' خانساماں نے ایک نظر گل جان کی طرف دیکھا پھر بڑے مؤدبانہ انداز میں گویا ہوا۔

''وہ...... گل جان بی بی...... اصیل خان نے...... ہمارے کو منع کر دیا ہے۔''

''کیا منع کر دیا ہے؟'' گل جان ذرا جو نچی ہو۔

''وہ...... وہ بولتا ہے اب ہم کوٹھی سے کھانا نہیں کھائے گا، ہم اپنا کھانا خود بنائے گا۔''

''اوہ...... اپنا کھانا خود بنائے گا...... خود بنائے گا تو...... سودا سلف تو یہیں سے لے گا ناں...؟'' گل جان

ابھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''نہیں بیگم صاحب...... وہ بولتا ہے پہلے ہم کوٹھی میں کام کرتا تھا تو ہمارے کو روٹی حلال تھا۔ اب اِدھر ہمارا کوئی کام نہیں ہے، اب مفت کی روٹیاں نہیں توڑے گا...... کہیں کام کرے گا۔'' خانساماں اپنی دُھن میں بولتا چلا گیا اور گل جان اس کی طرف دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اس کا ذہن دور دور تک قلابازیاں کھانے میں مصروف ہو گیا تھا یہ اچانک اصیل خان کو کیا ہو گیا؟

''وہ...... کہاں کام کرے گا؟'' وہ خانساماں کی طرف سے نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ جیسے وہاں اسے اصیل خان کھڑا ہوا دکھائی دے رہا ہو۔

''پتا نہیں بیگم صاحب...... بولتا ہے ہم کہیں مزدوری کرے گا مگر اپنا ہاتھ کا کمائی کھائے گا، بہت آرام کا روٹی توڑا ہے۔''

''بڑی جلدی خیال آ گیا......'' گل جان ایک گہری سانس لے کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ اس مسکراہٹ کے جتنے بھی معنی تھے بہر حال خانساماں کی رسائی تو وہاں تک نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ سر جھکا کر دُھلے ہوئے برتنوں کو خشک کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

گل جان اب اپنی جگہ لب بستہ کھڑی تھی گویا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی فلم چل رہی تھی جو وہ بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ساحل پر بکھری خالی سیپیوں میں موتی ڈھونڈ رہی ہو۔ اس نے گہری سانس لی۔ ایک نظر خانساماں کی طرف دیکھا پھر سر جھکا کر کچن سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

وارث علی کے انتظار سے اکتا کر ستارہ بیڈ روم سے باہر آ گئی تھی۔ رات ہوتے ہی نوکر تو اپنے، اپنے کوارٹروں میں جا چکے تھے۔ ہولناک سناٹے میں اتنا بڑا گھر بھائیں بھائیں کرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے دل پر عجیب سی وحشت چھانے لگی۔ وارث علی کا نمبر اس نے کئی مرتبہ ٹرائی کیا مگر فون بند مل رہا تھا۔ پہلے تو اس نے خود کو یہ سوچ کر سمجھا لیا کہ وہ کسی میٹنگ میں مصروف ہو گا لیکن پھر عجیب سے اندیشے اسے ستانے لگے کہ اگر وہ کہیں بہت زیادہ مصروف بھی ہو گیا تھا کم از کم گھر پر تو فون کر کے بتانا چاہیے تھا۔ وہ آہستہ آہستہ زینہ اتر کر نیچے آئی کہ شاید وہ صفائی کرنے والا ملازم لڑکا ہی نظر آ جائے تو اس سے دو چار باتیں کر کے اپنا ذہن اِدھر اُدھر کر لے۔ لڑکا تو دکھائی نہیں دیا البتہ اس نے ڈرائیور کو لاؤنج سے باہر جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟'' اس کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا۔ فوراً ہی آواز دی۔

''شکور ایک بات سنو......'' ڈرائیور کو بھی شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ لاؤنج میں اس وقت اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ چونک کر پلٹا...... ستارہ کو سامنے دیکھ کر ذرا گھبرا سا گیا جیسے کوئی چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔

''جی بیگم صاحب......!'' اس نے خود کو سنبھال کر بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' ستارہ نے فوراً ہی اس سے پوچھ لیا تھا۔

''وہ جی...... بیگم صاحب...... گاڑی میں صاحب کا سامان پڑا ہوا تھا تو وہ میں اسٹور میں رکھنے گیا تھا۔ صاحب نے صبح مجھ کو بولا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ ابھی اپنے کوارٹر میں جا رہا تھا تو یاد آیا۔''

''اوہ......'' ستارہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''تمہارے بیوی، بچے تمہارے ساتھ نہیں رہتے؟ میرا مطلب ہے تم کوارٹر میں اکیلے رہتے ہو؟'' ستارہ

نے پتا نہیں کیوں پوچھا تھا۔ شاید اسے خود بھی پتا نہیں تھا۔

''جی بیگم صاحب...... وہ...... صاحب کی اجازت نہیں ہے، بولتے ہیں گھر میں کوئی عورت نہیں ہے، تم بھی کام پر جاؤ گے تو گھر میں دوسرے مرد نوکر ہوں گے، اچھا نہیں لگتا۔''

''اچھا، اچھا......'' ستارہ نے ڈرائیور شکور کا جواب سن کر یوں گردن ہلائی جیسے اس کے جواب سے مطمئن ہو گئی ہو پھر ایک دم ہی جیسے اسے خیال آیا تھا۔

''وہ...... ایک بات سنو شکور......''

''جی بیگم صاحب......'' شکور نے پھر مؤدبانہ کہہ کر سر جھکا لیا۔

''اب تو اس گھر میں، میں آ گئی ہوں، تم اپنی بیوی کو ساتھ رکھ سکتے ہو۔ میں تمہارے صاحب سے بات کروں گی کیونکہ اب میں اکیلی عورت ہوں اور سارے نوکر مرد ہیں بلکہ میں تو تمہارے صاحب سے کہوں گی کہ تم میں سے جو بھی شادی شدہ ہے وہ اپنی اپنی بیوی کو لے کر آ جائے۔''

''مشکل ہے۔'' ڈرائیور کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''مشکل ہے؟'' ستارہ ایک دم چونک پڑی۔

''کیا مشکل ہے؟ کیوں مشکل ہے؟'' ستارہ حیران ہو کر پے در پے سوال کر رہی تھی اور ڈرائیور شکور اب یوں دم سادھے کھڑا تھا جیسے اپنی لب کشائی پر پچھتا رہا ہو۔ ماتم کر رہا ہو کہ آخر اس نے منہ سے کچھ نکالا ہی کیوں؟

''کیا پوچھ رہی ہوں میں؟ کیا سوچنے لگے؟ بتاؤ ناں مجھے بھئی پہلے تو کوئی عورت نہیں تھی گھر میں لیکن اب تو میں ہوں ناں پھر کوئی مسئلہ؟''

''جی بیگم صاحب...... آپ ٹھیک بول رہی ہیں، بس آپ صاحب سے بات کر لیجیے گا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ آپ خود سوچیں...... بس مجھے تو صاحب کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ آپ بات کر لیں گی تو اچھی بات ہے، میری عورت اس گھر میں آ جائے گی تو مجھے بھی آرام ہو گا۔''

''یہ تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟'' اسی وقت ماحول میں وارث علی کی آواز گونجی تھی۔ ڈرائیور تو جیسے اس کی آواز سن کر تھر تھر کانپنے لگا اور ایک لمحے کے لیے تو ستارہ بھی چکرا کر رہ گئی تھی کیونکہ اسے یہ خیال نہیں رہا تھا کہ رات ہو چکی ہے اور وارث علی کسی بھی وقت اپنے گھر آ سکتا ہے۔ جلدی سے اس نے خود کو بڑی خوبی سے سنبھالا اور اعتماد سے گویا ہوئی۔

''وہ اصل میں ڈرائیور تو اپنا ہی کام کر رہا تھا۔ میں نیچے آئی تو یہ کچھ سامان وامان اسٹور میں رکھ کر جا رہا تھا تو یونہی میں نے اس سے پوچھ لیا کہ اگر یہ فیملی والا ہے تو اپنی بیوی کو یہاں لے آئے۔ تو یہ مجھے بتا رہا تھا کہ آپ کی اجازت نہیں ہے۔''

''تو ٹھیک کہہ رہا تھا یہ، تمہیں کیا مسئلہ ہو گیا ہے؟ میرا مطلب ہے تمہیں پرابلم کیا ہے؟'' وارث علی نے ستارہ کی طرف دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے سوال کیا تھا اور ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے ڈرائیور کو باہر جانے کا کہا تھا۔ ڈرائیور نے تو جیسے وہاں سے دوڑ لگا لی تھی۔

''اصل میں...... میں یہ دیکھ رہی تھی کہ اس گھر میں جتنے بھی نوکر ہیں...... سب مرد ہیں، ایک بھی عورت نہیں ہے تو مجھے یونہی خیال آیا کہ اگر ڈرائیور اپنی بیوی کو یہیں لے آئے تو وہ گھر کے کام کر لیا کرے گی اور اچھا ہے یہ بھی اپنی فیملی کے ساتھ رہے گا۔''

وارث علی کے ہونٹوں پر ایک استہزائیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔
''بیگم صاحبہ......! آپ کیوں اتنی پریشان ہیں؟ یہ نوکر مرد ضرور ہیں مگر بے چارے پر کٹے پرندے ہیں، میرے پنجرے میں قید ہیں۔ ان کو نوکر نہیں میرے غلام سمجھو...... اور تمہیں پتا ہے غلام کون ہوتا ہے؟ غلام وہ ہوتا ہے جسے منہ مانگے داموں خرید لیا جاتا ہے۔''

وارث علی کے اس بدلے، بدلے اور بڑے اجنبی سے انداز پر۔ ستارہ ہکا بکا سی رہ گئی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی وارث علی ہے جو رات کو اس سے ملا تھا اور صبح اس سے بہت خوب صورت باتیں کرکے روانہ ہوا تھا۔

''آپ میری بات سمجھے نہیں...... عورت کے گھر میں ہونے سے بڑی سہولت رہتی ہے، میرا مطلب ہے ایک عورت کو دوسری عورت کے ہونے سے فائدہ ہی ہوتا ہے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔'' ستارہ نے جیسے اب اپنی بات بہت وضاحت سے کی۔ انداز یوں تھا جیسے کہ وہ وارث علی کو پُرسکون کرنے کی بھرپور کوشش کررہی ہو۔

''ایک عورت ہی مت مارنے کے لیے کافی ہوتی ہے ستارہ بیگم...... دو عورتوں کو تو ایک چھت کے نیچے ہونا ہی نہیں چاہیے۔'' وارث علی نے پھر بڑے عجیب و غریب لہجے میں بے تکا سا جواب دیا تھا۔

ستارہ کے سر پر جیسے پھر کوئی بم پھوٹا تھا۔ اسے تو وارث علی کا جواب اتنا بے محل اور بے تکا لگا تھا کہ وہ اپنی عادت سے مجبور ہوکر بولے بغیر رہ ہی نہیں سکی۔ فوراً بولی تھی۔

''ایسے خیالات رکھنے والے بندے کو تو سرے سے شادی ہی نہیں کرنی چاہیے۔'' ستارہ کی بات سن کر وارث علی بھی جیسے دم بخود سا رہ گیا تھا اسے امید نہیں تھی کہ ستارہ اس کے سامنے یوں ترکی بہ ترکی جواب دے گی اور اتنے اعتماد کا مظاہرہ کرے گی۔

اس نے ستارہ کی طرف دیکھا اور جیسے بڑی بے اختیاری کی سی کیفیت میں بولا تھا۔
''اتنی لمبی زبان......؟ اپنی حیثیت پہچانو بیگم صاحبہ...... تین کروڑ کی کوٹھی میں ملکہ بنی بیٹھی ہو جو عورت ایک کمرے کے مکان کا بندوبست کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو، اسے خود ہی اپنی زبان کاٹ کر پھینک دینی چاہیے...... اپنی اوقات میں رہنا چاہیے۔''

وارث علی کا یہ انداز دیکھ کر ستارہ کی تو آنکھیں جیسے چھت سے لگ گئیں۔ اس کو تو وارث علی کے لب و لہجے نے اتنا زیادہ حیران کیا تھا کہ وقتی طور پر تو اس کی زبان ہی کٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ وارث علی کی طرف گھورے چلی جارہی تھی۔ وارث علی اس کی طرف دیکھ کر بڑے طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا اور ساتھ ہی اسے سر سے پاؤں تک یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ انتہائی ناچیز اور حقیر قسم کی مخلوق ہو۔

ستارہ کے لیے یہ بہت بڑا طعنہ تھا۔ اس کے تو رگ و پے میں جیسے انگارے دوڑنے لگے۔ یہ اس کا نیا نویلا شوہر جو صبح اس پر سو جان سے نثار ہورہا تھا اس وقت کس انداز میں بات کررہا تھا؟ بالکل ایسے جیسے اس نے اپنے نوکروں کی طرح اسے بھی خریدا ہو۔ اس نے کمالِ ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے قدرے پُرسکون لہجے میں اپنے دل کی بات کہی حالانکہ جی تو چاہ رہا تھا کہ بہت بری طرح کہے لیکن اتنے بڑے حادثے سے گزرنے کے بعد اب طبیعت میں کچھ احتیاط تو آہی گئی تھی۔

''میں نے تو نہیں کہا تھا کہ آپ مجھ سے شادی کریں اور نہ ہی مجھے تین کروڑ کی کوٹھی میں ملکہ بن کر رہنے کا شوق تھا۔ میرے والد نے آپ کی بہت تعریفیں کیں...... میری ماں کو کہا کہ تمہاری بیٹی خوش رہے گی...... نمازی، پرہیزگار، دین دار، امیر کبیر رشتہ مل رہا ہے۔'' ستارہ نے بھی اب اسی طرح جواب دیا جس کی وہ عادی

تھی۔ لہجے میں خود بخود تلخی اُمڈ پڑی تھی۔ اسے تو ہضم ہی نہیں ہورہا تھا کہ وارث علی نے اس سے بات کس انداز میں کی ہے۔

''ذرا سنبھل کے...... ستارہ بیگم، ہم دیہاتی لوگ ہیں، عورت کو پیر کی جوتی سمجھتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا...... ستارہ کا بازو بڑی سختی سے اپنی گرفت میں لیا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔

ستارہ کی حالت تو یوں تھی جیسے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرچکی ہو۔ سکتے کی کیفیت میں وہ وارث علی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وارث علی نے دوسرا ہاتھ بہت پیار سے اس کے گال پر پھیرا پھر ایک زوردار قہقہہ لگا کر وہ آگے بڑھ گیا۔

ستارہ اسی طرح پتھر کی بنی اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی تھی۔ رات سے اب تک کی محنت پر وارث علی نے لمحوں میں پانی پھیر دیا تھا۔ بظاہر سادہ سا وارث علی اندر سے اس قدر سفاک ہوسکتا ہے کم عمر، ناتجربہ کار ستارہ یہاں تک سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

جیسے تیسے رات تو کٹ گئی تھی۔ صابرہ کے لیے جابر علی کی گہری خاموشی بہت پریشان کُن تھی کیونکہ حیران ہونا تو اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اب تو صرف پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ جابر علی نے اس سے معمول کی کوئی بات چیت نہیں کی۔ صابرہ سوچ، سوچ کر تھک گئی تھی کہ آخر جابر علی کو آج چپ کیوں لگی ہے؟ بہرحال وہ اس کے آس پاس آتی جاتی رہی کہ شاید وہ اسے متوجہ کرکے کوئی کام کہے...... مگر جابر علی نے اس کے آنے جانے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ پھر نہ جانے کب سو گیا تھا۔ صابرہ نے جب کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں خراٹے لے رہا تھا۔ صابرہ اسی طرح اُلٹے پاؤں واپس چلی آئی۔ کمرے میں جانے کے خیال سے وحشت سی ہونے لگی تھی پتا نہیں کیوں...... دل گھبرا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ معمولی سے کھٹکے سے اس کی نیند ٹوٹ جائے اور وہ طوفان جو شام سے اس کے سینے میں دبا ہوا ہے کسی بہانے باہر اُبل پڑے۔ وہ برآمدے میں بچھے تخت پر آکر لیٹ گئی تھی۔

جابر علی خاموش تھا۔ آج اس نے کسی کو کوئی سخت، سست یا کھری کھری نہیں سنائی تھی۔ اس کے باوجود پریشانی بڑھتی ہی جارہی تھی۔ دل کو ایک پل کے لیے چین و قرار نہیں تھا چونکہ جابر علی کی طویل خاموشی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔

جابر علی کی گہری خاموشی اس کے چنگھاڑنے سے زیادہ خطرناک تھی۔
صابرہ کا پورا اعصابی نظام منجمد ہوتا جارہا تھا۔

☆☆☆

ستارہ بیڈ پر بالکل چت لیٹی تھی...... اس نے آنکھوں پر بازو رکھا ہوا تھا۔ وارث علی اسے منانے کی کوشش کررہا تھا مگر ستارہ کچھ دیر پہلے کا اس کا اندازِ گفتگو معاف کرنے پر تیار نہیں تھی۔ وارث علی نے اس کی انا کو زخم لگایا تھا۔ وہ نئی، نئی دلہن تھی، وارث علی جیسے بڑی عمر کے آدمی پر اس کے باپ نے احسان کیا تھا۔ اسے تو ستارہ کے پاؤں دھو دھو کر پینے چاہیے تھے مگر اس نے ایک دن کی دلہن کی ایسی کی تیسی کرکے رکھ دی تھی۔

''ارے بھئی...... تمہیں بتایا ناں...... ہم دیہاتی لوگ ہیں...... ایسا تو ہمارے خاندان میں پشتوں سے ہے...... پہلے ہم دیہاتوں میں زمینوں پر کاشتکاری کرواتے تھے sugar mill چلاتے تھے۔ اب شہر میں

www.paksociety.com

آ کر بڑے بڑے بزنس کرنے لگے ہیں لیکن مٹی تو وہی ہے...... اب جانے بھی دو یار...... دیکھو یہ میری عادت ہے، تم نئی نئی ہو، اس لیے پریشان ہو گئیں، کچھ وقت ساتھ گزرے گا تو عادت ہو جائے گی، چلو اب اپنا موڈ ٹھیک کرو۔'' ستارہ نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر وارث علی کی طرف دیکھا۔

''جب شہر میں آ کر کاروبار کرنے لگے ہیں اور شہریوں میں اٹھنے بیٹھنے لگے ہیں تو کیا اتنا پتا نہیں...... کہ شہر کی پڑھی لکھی لڑکی سے کیسے بات کرتے ہیں؟'' ستارہ نے روٹھے روٹھے انداز میں کہا۔ وارث علی نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

''ارے بھئی...... تم شہر کی پڑھی لکھی لڑکی نہیں، اب وارث علی کی بیوی ہو، میں کسی لڑکی سے بات نہیں کروں گا۔ اپنی بیوی سے بات کروں گا۔ جو لڑکی ہوتی ہے وہ بیوی نہیں ہوتی اور جو بیوی ہوتی ہے وہ لڑکی نہیں ہوتی۔ بیوی تو بس بیوی ہوتی ہے۔'' وارث علی نے بڑے افلاطونی انداز میں فلسفہ بگھارنے کی کوشش کی مگر ستارہ کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح آنکھیں بند کر کے لیٹی رہی جیسے وارث علی کے الفاظ ضائع چلے گئے ہوں اور اس نے وارث علی کی کوئی صفائی قبول نہ کرنے کا پکا فیصلہ کر لیا ہو۔

وارث علی نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف موڑا اور اپنا ایک شوہرانہ استحقاق استعمال کیا۔ ستارہ ایک دم تڑپ کر اس سے دور ہو گئی اور غصے بھری نظروں سے وارث علی کو دیکھ کر بولی۔

''مجھے ایسی باتوں سے کوئی خوشی نہیں ہو گی، میاں، بیوی کے رشتے کو آپس کا پیار، محبت اور خلوص مضبوط کرتا ہے اگر آپ مجھ سے اچھی طرح بات نہیں کر سکتے تو مجھے ان سب باتوں کی پروا بھی نہیں ہے۔''

وارث علی کی شریانوں میں تو جیسے جوار بھاٹا اٹھنے لگا۔ اس کے حساب سے دو ٹکے کی لڑکی اتنی دیر سے اس کی بے عزتی کیے جا رہی تھی۔ وہ نخرے اٹھا اٹھا کر تھک گیا تھا۔

''ایسا کیا کہہ دیا تھا یہ تو جابر علی سے زیادہ پولیس والی بن رہی ہے۔ اکڑ دیکھو ذرا اس کی۔'' وہ دل ہی دل میں کھولتے ہوئے سوچ رہا تھا مگر وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ ایک نئی نویلی دلہن سے اتنا بگاڑ پیدا کر لیتا کہ وہ باپ کے گھر جا کر اس کی ساری محنت پر پانی پھیر دیتی۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور اب دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ دل ہی دل میں کھولتے ہوئے سوچ بھی رہا تھا۔ ''ابھی تو میں ہاتھ جوڑ رہا ہوں کچھ دنوں کے بعد تیرا باپ میرے سامنے ہاتھ جوڑے گا۔'' مگر اس نے بڑی شیطانیت سے اور کمال مہارت سے اپنے اندرونی تاثرات چھپا کر پیار بھرے لہجے میں ستارہ سے کہا تھا۔

''ارے میری جان...... اب غصہ چھوڑ بھی دو...... رات گئی، بات گئی...... اب دیکھو ناں...... تم بھی تو کوئی غلطی کر سکتی ہو، کوئی ایسی بات کر سکتی ہو کہ مجھے غصہ آ جائے...... لیکن میں تمہیں ہاتھ پکڑ کر گھر سے تو نہیں نکالوں گا ناں...... تم سوری کہہ دو گی، معافی مانگ لو گی تو میں معاف کر دوں گا...... ارے بھئی میاں، بیوی کا رشتہ ہے ہی بے غیرتی کا رشتہ ذرا سی دیر میں دشمنوں کی طرح لڑ رہے ہوتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد ہی دیکھو تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے اُن سے زیادہ پیار کرنے والا جوڑا پوری دنیا میں کہیں نہیں ملے گا۔ جانے بھی دو یار...... بس اب معاف کر دو...... ہماری نئی نئی شادی ہے اور یہ قیامت خیز رات ہمارے ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے، بری بات ہے یار...... سب کچھ تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیا ہے، اپنے دل سمیت۔ کچھ تو قدر کرو، اچھا مسکرا تو دو۔''

وارث علی کم عمر، نئی نویلی دلہن کے چونچلے کر رہا تھا اور ستارہ کا جیسے دم گھٹنے لگا تھا۔ آخر جبر کی بھی کوئی انتہا

ہوتی ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ جبر کی یہ گھڑیاں تو اب اس کا مقدر بن چکی ہیں۔ بہر حال اسے زبردستی مسکرانا تو تھا۔ اظہار تو کرنا تھا کہ اس نے وارث علی کی معافی قبول کر لی......اور اب وہ اس سے خفا نہیں ہے۔

ستارہ کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر وارث علی بھی بڑی خباثت سے مسکرایا۔ وہ تو پیسہ پھینک کر عورت خریدتا تھا۔ اس نے کب کسی عورت کی منتیں، خوشامدیں کی تھیں لیکن اس لڑکی نے اسے زندگی کے ایک نئے ذائقے سے آشنا کرا دیا تھا۔

''آئندہ گھر سے اس طرح موڈ خراب کر کے مت جایئے گا۔ میں نے آج کچھ بھی نہیں کھایا۔ پریشانی میں میری بھوک اڑ جاتی ہے۔'' ستارہ نے بھی ادائے محبوبانہ کا برمحل مظاہرہ کیا۔ چھپ چھپ کر ٹی وی دیکھنے سے اتنا تو سیکھ ہی لیا تھا۔

''اوہو...... ہو...... ارے میری اتنی پیاری بیوی بھوکی بیٹھی ہے، لعنت ہو مجھ پر...... خالی پیٹ بھی کبھی پیار ہوا ہے......؟ ارے یہ پیار دیار تو بھرے پیٹ کی مستیاں ہیں...... کبھی کسی نے کسی فاقہ کش کے منہ سے روٹی کے بجائے پیار دیار کا لفظ سنا ہے؟ دھت تیرے کی...... چلو اٹھو میں تمہیں فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھلاتا ہوں ......رات تو اپنی ہے...... پہلے کھانا پھر گانا''...... وہ اب بڑے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ فائیو اسٹار ہوٹل کی روشنیاں ستارہ کی آنکھوں میں چمکنے لگیں۔

☆☆☆

صبح، صبح جابر علی تیار ہو گیا تھا۔ اتنی صبح وہ آفس کے لیے کبھی نہیں نکلتا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ گھر سے بھاگ نکلنا چاہتا ہو۔ صابرہ کی الجھن بدستور تھی۔ اس نے بنا کوئی بات کیے ناشتا ٹیبل پر لا کر رکھ دیا تھا پھر جابر علی کی طرف یوں دیکھا تھا جیسے وہ اس کے بولنے کی منتظر ہو مگر جابر علی کے ہونٹوں پر تو جیسے تالے پڑے ہوئے تھے۔

''آج آپ بڑی جلدی جا رہے ہیں...... خیریت تو ہے؟'' صابرہ نے آخر خود ہی ہمت کر کے بات شروع کی۔

''ہاں...... ہاں...... ایک ایمرجنسی چل رہی ہے، رات سے فون آ رہے تھے مگر میں نے سر درد کا بہانہ کر دیا......اس لیے جلدی جانا پڑ رہا ہے۔ شبینہ کالج جانے کے لیے تیار ہو گئی ہے؟''

''کالج......؟'' صابرہ نے چونک کر جابر علی کی طرف دیکھ کر کہا۔ جابر علی پتا نہیں کتنے عرصے بعد صابرہ سے بالکل نارمل انداز میں اور عام سے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''ہاں بھئی...... کالج...... بہت چھٹیاں کر لیں اس نے پڑھنا نہیں ہے کیا......؟''

''وہ میں سمجھی...... کہ شاید...... اسے اب کالج نہیں جانا...... میں نے خود ہی منع کر دیا تھا کہ چھوڑو کالج والج......تمہارے ابا جان کو شاید اچھا نہیں لگتا۔''

''تم تو ہو ہی بے وقوف عورت...... ارے بھئی اگر مجھے اچھا نہیں لگتا تو میں داخلہ کیوں دلاتا......؟ اٹھاؤ اسے اور کالج بھیجو...... آج کل کم پڑھی لکھی لڑکیوں کا کوئی حساب کتاب ہی نہیں بنتا...... بندے کے پاس پیسہ نہ ہو جہیز دینے کے لیے کم از کم اپنی اولاد کو اچھی تعلیم تو دے دے۔'' جابر علی نے نوالہ توڑتے ہوئے صابرہ کی طرف دیکھا۔

صابرہ کے لیے یہ جملہ انتہائی حیران کن تھا چونکہ جابر علی نے بچوں کو پڑھائی سے تو کبھی نہیں روکا تھا لیکن ان قیمتی خیالات کا اظہار بھی پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ تو جیسے بریشہ خطمی سی ہو گئی بلکہ ایک طرح سے شادیٔ مرگ کی

کیفیت طاری ہو گئی۔

''ابھی اٹھاتی ہوں اسے بھیجتی ہوں، میں تو خود چاہتی ہوں کہ وہ آگے پڑھے......ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ......لڑکی کے پاس ساتھ لے جانے کے لیے بہت سارا جہیز ہو نہ ہو کم از کم اچھی تعلیم ضرور ہونی چاہیے۔ سسرال میں پڑھی لکھی لڑکی کی پھر بھی عزت ہو جاتی ہے۔'' وہ یہ سب بولتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ جابر علی نے جاتی ہوئی صابرہ کی طرف دیکھا اور اس کے سامنے ایک دم ستارہ آ کھڑی ہوئی۔ نوالہ جو منہ میں تھا زہر بن کر اس کے حلق سے نیچے اترنے لگا۔ اتنے بڑے رئیس سے نکاح کیا اور بیٹی نے یہ صلہ دیا گھر آئے باپ کی کھڑے، کھڑے وہ تذلیل کی جو وہ قبر میں اترنے تک بھول ہی نہیں سکتا تھا۔

☆☆☆

''اتنی موٹی موٹی کتابیں آپ کا خون چوس لیں گی، آپ کو آخر سوجھی کیا......؟ کوئی فائدہ نہیں ہوتا عورت کو پڑھنے وڑھنے سے......بس ایک دن اسے بچے ہی پالنے ہوتے ہیں۔'' گل جان اپنے بالوں کی چوٹی کو بل دیتی ہوئی دھپ سے مہر جان کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ مہر جان نے کتاب سے لمحے بھر کے لیے نظریں اٹھا کر گل جان کی طرف دیکھا۔

''ہاں......تو......تم ہو ناں بچے پالنے کے لیے......'' یہ کہہ کر وہ پھر کتاب پر نظریں دوڑانے لگیں۔ گل جان نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔

''ارے میں اپنے بچے پالوں گی یا آپ کے......؟''

''بھئی اگر اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ تم نے بہن کے بچے بھی پال دیے تو کوئی احسان تو نہیں ہے ناں؟ وہ پنجابی کی ایک کہاوت ہے ناں، ماں مرے ماسی جیے......یعنی خالہ جو ہوتی ہے وہ ماں کا نعم البدل ہوتی ہے۔''

''اب آپ اتنا سارا کام میرے سر نہ لگائیں۔ مجھے اپنے کام کیا تھوڑے ہوں گے۔ پتا نہیں آپ سے ملنے کی فرصت بھی ملے گی یا نہیں...... آپ بچے پالنے کی بات کر رہی ہیں۔'' گل جان اسی طرح شریر انداز میں مسکراہٹ روک کر مہر جان کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

''تم نے تو بڑی بے مروتی دکھائی، میں تو یہ سمجھ رہی تھی کہ تمہیں تو کوئی کام ہی نہیں ہوگا...... چلو بچے تم سے پلوا لیں گے۔''

''فالتو نہیں ہوں میں......'' گل جان نے جیسے ٹکا سا جواب دیا۔

''میں تو کہتی ہوں اب بھی سوچ لیں۔ بات آگے نہیں بڑھی، چھوڑ دیں یہ پڑھائی وڑھائی......اصیل خان کو ویسے بھی شادی کی جلدی ہے۔'' گل جان نے جان بوجھ کر اصیل خان کا نام لے کر جیسے مہر جان کو چھیڑا تھا۔

''اسے تو ہر کام کی جلدی رہتی ہے، اندر آتا نہیں ہے...... جانے کی جلدی رہتی ہے۔ فون کرتا ہے تو بات ختم کرنے کی جلدی رہتی ہے۔ دبئی جاتا ہے تو صبح کو ہی واپس آ چکا ہوتا ہے، کوئی کام کرتے ہوئے صبر دیکھا ہے تم نے اس میں؟ اتنا بے صبرا انسان میں نے تو آج تک نہیں دیکھا۔'' مہر جان یہ کہہ کر پھر کتاب پر نظریں دوڑانے لگیں۔

''بی بی جان...... سچی کہہ رہی ہوں میں چھوڑ دیں یہ سب کچھ...... یہ ساری موٹی موٹی کتابیں ناں آپ کا سارا رنگ روپ چھین لیں گی۔ جب آپ کی شادی ہوگی ناں تو دلہن بن کے روپ بھی نہیں آئے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو دو مہینے parlour جانا پڑے...... اپنی polish کرانے کے لیے، سروس کرانے کے

لیے۔'' گل جان نے پھر چھیڑ چھاڑ کی۔

''بہت فکر ہے تمہیں میری...... ارے بھئی تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے اگر تمہارا کوئی اچھا رشتہ مل گیا ناں...... تو پہلے تمہاری شادی ہو جائے گی اپنی وجہ سے تمہیں ویٹ نہیں کرنے دوں گی۔'' مہر جان نے بھی جیسے گل جان کا حساب چکایا۔

''بی بی جان...... میں تو آپ کے پاس اس لیے آئی تھی کہ وہ جو میرے نئے ڈریس سل کے آئے ہیں ناں ایک نظر وہ دیکھ لیں...... سچی بہت پیارے بنے ہیں......''

''دماغ خراب ہے میرا...... یعنی میرے امتحان ہونے والے ہیں، میں اپنی پڑھائی چھوڑ دوں اور تمہارے وہ بے وقوفوں والے کپڑے جا کر دیکھوں۔ لال، نیلے، ہرے، پہلے ایک تو تم اتنے فاسٹ کلر پہنتی ہو ناں کہ دیکھ کر چکر آنے لگتے ہیں مجھے...... اب جاؤ...... اور اپنے کپڑے پہن پہن کر آئینے میں خود کو دیکھ لو۔''

''لیکن بی بی جان......! اس طرح میرے پیٹ کا درد ٹھیک نہیں ہوگا۔ سچی...... اچھے کپڑے پہن کر جی چاہتا ہے ناں کہ کوئی دیکھے۔'' گل جان نے بڑی معصومیت سے مسکرا کر اور بڑی منت کے انداز میں جیسے مہر جان سے کہا تھا۔

''ایسا کرو کچن میں جاؤ...... فریج سے ہاضمے کی گولیاں نکالو...... دو گولیاں کھاؤ...... پیٹ کا درد اچھا خاصا کم ہو جائے گا...... اور ہاں سنو...... آئندہ جب دیکھو ناں کہ میں اسٹڈی میں بزی ہوں تو میرے پاس مت آنا...... سارا موڈ غارت ہو جاتا ہے۔ تم نے بھی کچھ ڈھنگ سے پڑھا ہوتا تو کسی پڑھنے والے کا احساس ہوتا...... سمجھ آ جاتا کہ اسٹڈی کسے کہتے ہیں۔''

''اب اتنی بھی جاہل نہیں ہوں بی بی جان میں، بارہ تو پڑھی ہیں ناں......!''

''ہاں...... بہت بڑا احسان کیا ہے تم نے بارہ پڑھ کر بھئی جو لوگ پرائیویٹ پڑھتے ہیں ناں...... ان میں بڑی کمی ہوتی ہے اور وہ کمی ہوتی ہے استاد کی کمی...... جو بندہ استاد سے سیکھتا ہے ناں، وہ کسی اور سے نہیں سیکھ سکتا۔ اسی لیے ریگولر پڑھنے والوں اور پرائیویٹ پڑھنے والوں میں بہت فرق محسوس ہوتا ہے۔''

''آپ ہر وقت بس اپنی پڑھائی کا رعب مت جمایا کریں مجھ پر...... اب...... آپ تو ہر وقت ہی پڑھتی رہتی ہیں۔ کس وقت بات کروں میں آپ سے اپلیکیشن لکھ کر دیا کروں کہ برائے مہربانی دو منٹ کے لیے پڑھائی بند کر دیں اور مجھ غریب کی ایک بات سن لیں۔''

''اور مجھے پتا ہے تم غریب کی بات کیا ہوگی؟'' مہر جان کا ذہن اب کتاب سے تو ہٹ ہی چکا تھا۔ اسے گل جان پر غصہ بھی آ رہا تھا اور پیار بھی...... بے وقوف ہی اتنی تھی بس اپنے دل سے غرض تھی اور اپنے دل کی باتوں سے غرض تھی۔ اتنی صلاحیت ہی نہیں تھی کہ سامنے والے کے جذبات کو بھی سمجھنے کی کوشش کرے۔

''آپ مجھے تو بڑے آرام سے جھاڑ پلا دیتی ہیں۔ دیکھوں گی جب اصیل خان آپ کے ہاتھ سے کتاب لے کر کہے گا بس کرو میرے ساتھ بیٹھ کر اچھی سی فلم دیکھو......'' گل جان نے اب بہن سے چھیڑ چھاڑ کی۔

''جب کہے گا تب دیکھوں گی...... مگر اتنی ہمت نہیں ہوگی اس میں اسے میرے موڈ میرے مزاج کا اچھی طرح پتا ہے، زیادہ تنگ کرے گا تو ٹی وی اٹھا کر باہر روڈ پر پھینک دوں گی۔'' مہر جان نے بڑے غرور اور اعتماد سے کہا۔

''بس پھر تو آپ کے گھر میں ٹی وی ٹوٹا کریں گے اور نئے آیا کریں گے کیونکہ وہ بھی آپ کی طرح اڑیل اور ضدی ہے۔'' گل جان نے ہنستے ہوئے مہر جان کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں۔

''ہوگا اڑیل مگر مجھ سے زیادہ نہیں ہو سکتا......'' مہر جان نے خود کو گل جان کی بانہوں کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے بڑی شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔

''یہ تو ہے...... بے چارہ اصیل خان غلطی سے کبھی آپ سے اگر روٹھ گیا آپ تو کبھی اسے منائیں گی بھی نہیں، آپ کو تو منانے کی نہیں منوانے کی عادت ہے ناں......!'' گل جان نے جیسے اصیل خان کے مستقبل کو تصور کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''وہ ایسی غلطی کبھی نہیں کرے گا۔ تمہارے اور بابا کی طرح وہ بھی مجھے بہت اچھی طرح جانتا ہے۔'' مہر جان کا فطری اعتماد اسی طرح بولے جانے والے حرف، حرف میں سانس لے رہا تھا۔ اب گل جان اس کی طرف بڑی تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

جابر علی حیرت کی آخری حد کو چھو چکا تھا۔ اس کی نظریں کانسٹیبل کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ بے دھڑک بولنے کا عادی اور بے خوف الفاظ استعمال کرنے کا خوگر......

''سر بس آپ کو یہی کہہ سکتا ہوں کہ ہم ریڈ کرنے کا تو سوچ بھی نہیں سکتے۔'' کانسٹیبل نے اپنی بات دہرائی تو خاموشی کے پُرسکوت سمندر میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اب اس نے خود کو سنبھالا اور غصے کی لہریں دباتے ہوئے گویا ہوا۔

''کیوں......؟ اُدھر دوسرے ملک کا بارڈر لگتا ہے؟''

''یہی سمجھ لیں سر...... وہ سب انسپکٹر خان محمد اسی لیے چھٹیوں پر چلا گیا ہے۔'' کانسٹیبل نے سر جھکا کر بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا تھا۔

''مجھ سے اشاروں میں بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے، صاف صاف بولو...... مسئلہ کیا ہے؟'' جابر علی اب اپنی فارم میں واپس آ گیا تھا۔ اس کے تیور کڑے تھے اور آنکھوں میں غصے کی کیفیت بہت واضح تھی۔

''سر بات...... ایس پی تک پہنچے گی اور میری بیٹی اتر جائے گی۔ آپ کے داماد وارث علی، ایس پی صاحب کے دوست ہیں اور وہ علاقہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ آپ اُدھر ٹیم بھیجنے کی تیاری نہ کریں بلکہ سوچیں کہ کوئی آرڈر ملا ہی نہیں۔'' کانسٹیبل بولتا جا رہا تھا اور جابر علی نئے سرے سے حیرت کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا۔

''میرے داماد وارث علی کا علاقہ......؟'' وہ بہ مشکل گویا ہوا تھا۔

''یس سر......!'' کانسٹیبل اسی طرح مؤدبانہ انداز میں گویا ہوا تھا۔

''کیا بکتے ہو......؟ وہ تو ہیوی مشینری کے spare parts کا بزنس کرتا ہے۔ علاقوں ولاقوں سے اس کا کیا تعلق؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی...... اوہ بھائی...... اس وقت تمہاری بات میرے علاوہ اور کوئی نہیں سن رہا، ڈرنے کی ضرورت نہیں جو معاملہ ہے کھل کر بولو۔ وہ میرا مسئلہ ہے کہ میں کیا کرتا ہوں۔'' جابر علی اس سے زیادہ شاید برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دم چلّانے لگا۔

''ڈر تو لگتا ہے ناں سر...... چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میرے، فیملی کا واحد سہارا ہوں اور آپ کو پتا ہے آج روزگار ملنا کتنا مشکل ہو گیا ہے۔'' کانسٹیبل کھسیاتے ہوئے بولا۔

جابر علی اب دم بخود سا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ اس کی تمام حسیات مجتمع ہو کر اسے بتا رہی تھیں کہ معاملہ بہت گڑبڑ ہے مگر وہ جابر علی ہی کیا جو اتنی آسانی سے ہار مان لیتا۔

''علاقے تو گداگروں یا نمبریوں کے ہوتے ہیں۔ وارث علی کے علاقے سے تمہارا مطلب کیا ہے؟ ذرا یہ بات مجھے سمجھادو۔'' اب اس نے ایک، ایک لفظ پر زور دے کر کہا تھا۔ کانسٹیبل نے نظریں اٹھا کر جابر علی کی طرف دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔

''سر......! ان کا کوئی ایک بزنس تو نہیں ہے اور اب تو وہ آپ کے داماد ہیں، مجھ سے زیادہ تو اب ان کے بارے میں آپ کو پتا ہوگا۔''

''خاک پتا ہے مجھے......'' جابر علی نے غصے کی شدت کو سنبھالتے ہوئے ایک دم بات کاٹ دی تھی۔

''وہ سر......'' کانسٹیبل نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر جابر علی نے فوراً تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''دیکھو میرے پاس اوپر کے آرڈر ہیں، ایس پی صاحب کے پاس سے گزرے بغیر میرے پاس کیسے آسکتے ہیں، ذرا کچھ اپنی عقل سے کام لو، یعنی میں اوپر کا آرڈر بھی disobey کروں اور ایس پی صاحب کو بھی disobey کروں تو نوکری تمہاری نہیں میری خطرے میں ہے۔ اب تم مجھے سمجھاؤ اور جو کچھ بھی ہے کھل کر بولو۔ کوئی ضرورت نہیں ڈرنے کی' تم بے گناہ ہو۔ بے قصور ہو تو میں تمہارا نام بیچ میں آنے ہی نہیں دوں گا جو کچھ کرنا ہوگا اپنے بل بوتے پر اپنی ذمے داری پر کروں گا مگر تبھی کروں گا ناں جب تم مجھ سے کھل کر بات کرو گے......اب صاف صاف بتاؤ کہ کیا مسئلہ ہے؟''

''سر وہ...... میری زبان ساتھ نہیں دے رہی...... آپ میری مجبوری کو سمجھیں...... آپ ریڈ کرنے نہ جائیں......'' کانسٹیبل پھر ڈرتے ڈرتے گویا ہوا...... جابر علی نے پھر اسے کڑے تیور کے ساتھ گھورا۔

''تم میرے باس ہو یا میں تمہارا باس ہوں؟ میں کام کرنے جارہا ہوں تم مجھے ڈیوٹی کرنے سے منع کررہے ہو، مجھے لگتا ہے تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے جا کر کسی دماغ کے ڈاکٹر سے اپنا علاج کرواؤ اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔''

''سر میں اتنی عرض کروں گا کہ آپ ایس پی صاحب سے خود بات کرلیں......انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا تھا۔'' کانسٹیبل نے گویا پھر ایک نیا دھماکا کیا...... جابر علی پر نئے سرے سے حیرت کا دورہ پڑا۔

''یار کیا مسئلہ ہے؟ یعنی ایس پی اپنا آرڈر پاس کرنے کے لیے تمہیں استعمال کررہے ہیں۔ اوہ بھئی مجھ سے کیا پردہ ہے' خیر......''

''سر......آپ خود بات کریں......انہوں نے جو حکم دیا میں آپ کے پاس آگیا اور بتادیا۔ انہوں نے تو مجھے بس یہی کہا تھا کہ جابر علی کو وہاں نہ جانے دو۔ اسے کہو بھلے اوپر سے آرڈر آیا ہے، تمہارا وہاں کوئی کام نہیں ہے۔''

جابر علی نے یہ سن کر ایک نظر کانسٹیبل پر ڈالی...... پھر ایک جھٹکے سے اپنی کرسی سے کھڑا ہوگیا...... بیلٹ درست کی، ٹیبل سے اپنی کیپ اٹھا کر سر پر رکھی پھر چھڑی اٹھاتے ہوئے کانسٹیبل سے گویا ہوا۔

''جاؤ...... جا کر تم اپنا کام کرو......اور آئندہ کسی باس کا آرڈر لے کر میرے پاس مت آنا...... سمجھے......؟ یہ چمچہ گیری تمہیں واقعی نوکری سے فارغ کرادے گی۔ سمجھ گیا میں...... تمہیں ایس پی سے کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ بڑی تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ کانسٹیبل بجائے اس کے۔ خوش ہوتا کہ جان چھوٹ گئی الٹا پریشان دکھائی دینے لگا تھا۔

☆☆☆

''بیٹا مجھے تو رات سے بہت فکر ہورہی ہے، تمہارے ابا کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ وہ کبھی اتنی دیر تک

خاموش نہیں رہے اور کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس دن انہوں نے غصہ نہ کیا ہو۔''

''امی چھوڑیں......آپ کیوں پریشان ہورہی ہیں؟ ہوسکتا ہے۔ ابا جان پر کام کا برڈن بہت زیادہ ہو......آج کل حالات ہی ایسے ہیں۔ آپ کو تو پتا ہے ناں پولیس ڈیپارٹمنٹ پر کتنا پریشر ہے۔'' شبینہ نے ماں کو تسلی دی۔

''بیٹا......پچیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا ہے تمہارے باپ کے ساتھ رہتے ہوئے اور شادی کے بعد اس ملک میں ایسے ایسے حالات ہوئے، کرفیو تک لگے مگر تمہارے باپ کو اتنی دیر تک۔ میں نے خاموش کبھی نہیں دیکھا۔ یقین کرو...... میرا تو دل گھبرا رہا ہے، ہول اٹھ رہے ہیں۔'' صابرہ اسی طرح متفکر لہجے میں کہہ رہی تھی۔ آج تو وہ ٹھیک طرح سے کوئی کام ہی نہیں کر پارہی تھی۔ حالانکہ کل رات تک اس نے سوچا تھا کہ وہ جابر علی سے بات کرے گی کہ وہ انہیں ستارہ کے گھر لے کر جائے لیکن جابر علی کے انداز دیکھ کر اس کی ہمت ہی نہیں پڑی تھی۔

''امی بس آپ کو تو پریشان ہونے کی عادت پڑ گئی ہے۔ ابا جان شور مچائیں تو آپ کو پریشانی......وہ خاموش ہوجائیں تو آپ کو پریشانی...... ہوگا کوئی ان کے ڈیپارٹمنٹ کا مسئلہ......آج آجائیں گے تو خود ہی اندازہ ہوجائے گا۔ اچھا میں اپنے کپڑے استری کرلوں۔ ہوسکتا ہے کہ آج ابا جان ہمیں ستارہ کے گھر لے جائیں۔'' شبینہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ صابرہ نے اس کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

''کتنی معصوم ہے میری بیٹی...... بلکہ شاید اس عمر میں سب لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں خواب کی دنیا میں پہنچنے کے لیے دیر نہیں لگاتیں۔ جابر علی شاید ہمیں ستارہ کے ہاں کبھی لے کر نہیں جائیں گے تو کیا میری بچی میرے گھر سے واقعی ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی؟ نہیں، نہیں اب میں ایسا کوئی سمجھوتا نہیں کروں گی کہ جیتے جی اپنی اولاد کے لیے تڑپتی، ترستی رہوں۔ آج آئیں گے تو میں ضرور بات کروں گی۔'' صابرہ کے انداز میں ایک قطعی پن تھا۔ ارادے کی پختگی تھی۔ اولاد کی محبت کی قوت نے کم از کم اس کے اندر لمحے بھر کے ہی لیے اعتماد تو پیدا کیا تھا۔ وہ اعتماد جو آج سے پہلے اس کی ذات میں کبھی جھلکتا ہوا دکھائی نہیں دیا تھا۔

☆☆☆

''انسپکٹر جابر علی آم کھاؤ پیڑ گننے کی ضرورت نہیں۔'' ایس پی بڑے خشک اور اجنبی لہجے میں جابر علی سے بات کررہا تھا۔ آن کی آن میں اس نے جیسے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ جابر علی کو حیرت کے پے در پے جھٹکے لگ رہے تھے۔ آج تو جیسے اس کے دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ وہ بولے بنا تو نہیں رہ سکتا تھا۔ بات تو ڈیوٹی کی تھی جو اسے ادا کرنی تھی۔ جس کے لیے اس کے پاس آرڈرز آچکے تھے۔

''لیکن سر......! اصول اور انصاف کی بات ہے، آپ کلیئر تو کیجیے جو کچھ میں نے سنا ہے وہ غلط ہے یا صحیح......؟'' ایس پی نے پھر بڑی بے مروتی سے جابر علی کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی اور سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

''نوکری نہیں کرنی جابر علی......؟ یہ چھوٹی موٹی بے اصولیاں تو سمجھو نوکری کا حصہ ہوتی ہیں۔'' اس نے تاڑنے والے انداز میں بات کی تھی جابر علی تو اس کے انداز دیکھ کر ہی حد سے زیادہ پریشان ہوچکا تھا۔ اسی پریشانی کی کیفیت میں اس نے اٹک اٹک کر بولنے کی کوشش کی تھی۔

''لیکن سر! میں نے تو آج تک کوئی بے اصولی نہیں کی...... آپ کتنی ہی چھان بین کرلیں، انشاء اللہ

-........ میرے ہاتھ آپ کو صاف ہی ملیں گے تو اب بے اصولی کیوں کروں......؟ ایسی کیا مجبوری ہے کہ میں اپنی زندگی بھر کی محبت ضائع کر دوں۔''

''بہت سخت مجبوری ہے، جابر علی کیونکہ اب بیٹی کا معاملہ ہے۔''

''کس کی بیٹی کا......؟'' جابر علی نے بہ مشکل خود کو سنبھالتے ہوئے قدرے انجان بن کر ایس پی کی طرف دیکھا تھا۔

''میری بیٹی تو بہت چھوٹی ہے، ظاہر ہے میں تمہاری بیٹی کی بات کر رہا ہوں۔ تمہاری وہ بیٹی جو وارث علی کے گھر میں آج عیش کر رہی ہے، ایک رات میں جس کا سوشل اسٹیٹس اتنا ہائی ہو گیا ہے کہ اس کا شمار ہائی سوسائٹی میں ہو گیا ہے، تم اپنی بیٹی کی خاطر تو کمپرومائز کرو گے ناں...... دیکھو یار یہ تو بڑی عزت کی بات ہوتی ہے بس اب میں تم سے اس سے زیادہ بات نہیں کروں گا۔ تم جا کر اپنا کام کرو اور اوپر کے آرڈر کا کیا کرنا ہے؟ وہ میں دیکھ لوں گا۔ بس تم بیچ میں ٹانگ مت اڑانا۔''

جابر علی نے اپنے پھڑکتے ہوئے دل کو بڑی مشکل سے سنبھالا۔ اس کی شریانوں میں جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔ وہ اب سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہوا ہے۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اور سارے ادب آداب بالائے طاق رکھ کر اپنے مخصوص انداز میں پھٹ پڑا۔

''میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے سر......'' ایس پی نے جابر علی کی طرف دیکھا اور طنزیہ مسکرایا۔

''خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو جابر علی، کوئی فائدہ نہیں۔''

''میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا، میں نے آج تک ایک پائی رشوت کی نہیں لی۔ اپنی اولاد کو حق حلال کی روٹی کھلائی ہے، میں بے ایمانی اور بے اصولی پر کمپرومائز نہیں کروں گا سر...... یہ میری آخری بات ہے۔ آپ چاہیں تو اپنی پیٹی اتار کر ابھی رکھ دیتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ آپ یا کوئی اور مجھ سے یہ مطالبہ کرے۔'' جابر علی نے اپنی فطری انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''بے وقوف انسان...... وقت کے ساتھ ساتھ چلنا چاہیے...... اپنی تو تم نے جیسے تیسے گزار لی...... اب اپنی اولاد کی زندگی تو خراب مت کرو...... تم ان بچوں کو عیش کرا سکتے تھے مگر تم نے انہیں سوائے دال روٹی کے کچھ نہیں دیا، وہ اس دنیا میں رہتے ہیں۔ آج کی دنیا جو satellite کے ذریعے ہمارے گھروں میں آ چکی ہے۔ ہماری مٹھی میں بند ہے میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ تم نے اپنی اولاد کو کتنی گھٹن میں پالا ہوگا۔ ایک، ایک چیز کے لیے وہ ترسے ہوں گے۔ حالانکہ تم چار کنال کی کوٹھی میں ان کو رکھ سکتے تھے۔''

ایس پی نے اپنی دانست میں جابر علی کو قائل کرنے کے لیے اپنے عہدے کا بڑا جائز استعمال کیا تھا کیونکہ اس کے سامنے جابر علی کھل کر اس طرح نہیں بول سکتا تھا جتنا کسی اپنے ہم پلہ کولیگ کے ساتھ بات کر سکتا تھا لیکن جابر علی نے اس وقت اس کے خیالات کے بالکل الٹ مظاہرہ کیا۔

''سر میرے اور میری اولاد کے معاملات میں بولنے کا حق آپ کو نہیں ہے۔ آپ مجھ سے صرف وہ سوال کریں جس کا تعلق پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ہو۔ آپ کس ناتے میری اولاد سے ہمدردی کر رہے ہیں؟ میری اولاد فاقے مرجاتی تو بھی آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ایک تو میرے ساتھ آپ نے دھوکا کیا ہے اوپر سے بے ایمانی کے حق میں مجھے lecture بھی دے رہے ہیں۔''

''اپنی اوقات میں رہ کر بات کرو جابر علی، میں تمہارا باس ہوں۔'' ایس پی نے ٹیبل پر زور سے ہاتھ مار کر

کہا تھا۔ جابر علی نے ایس پی کی طرف دیکھا پھر بہت تحمل کے ساتھ مخاطب ہوا۔ جیسے اس نے چند سیکنڈز میں کچھ سوچ لیا تھا۔

''سر آپ میرے باس ہیں...... اس چھت کے نیچے...... آپ مجھے نوکری سے نکلوا سکتے ہیں، مجھے پروا نہیں، مجھ پر جھوٹا کیس بنوا سکتے ہیں، مجھے پروا نہیں لیکن جو آرڈر مجھے ملا ہے میں اس پر عمل کرنے کا پابند ہوں۔ یہ میری ڈیوٹی ہے آپ اپنا کام کیجیے اور میں اپنا کام کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے وارث علی کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کیا ہے اپنی بیٹی کو فروخت نہیں کیا۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے بغیر salute کیے باہر نکل گیا تھا۔ ایس پی کے تو تن بدن میں جیسے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جابر علی اسے دہکتی ہوئی دوزخ میں الٹا لٹکا کر چلا گیا ہو۔

☆☆☆

کائناز اور روما دونوں برہان کے سامنے بیٹھی تھیں۔ برہان force کے چیپٹر پر کوئی نوٹ لکھوا رہا تھا۔ کائناز کا ہاتھ بڑی تیزی سے چل رہا تھا جبکہ روما کے لکھنے کے انداز میں بہت آہستگی تھی۔ جیسے وہ بہت بنا بنا کر لکھ رہی ہو۔ برہان اس کی اسپیڈ دیکھتے ہوئے بہت آہستہ، آہستہ بول رہا تھا۔ دل ہی دل میں اسے خاصی کوفت ہو رہی تھی کیونکہ کائناز کے معاملے میں روما بہت سستی دکھا رہی تھی لیکن روما کے چہرے پر پھیلی ہوئی معصومیت میں بڑی مقناطیسیت تھی۔ وہ اسے ٹوکتے ٹوکتے رک جاتا تھا اور پھر لکھوانا شروع کر دیتا تھا۔

کائناز کا قلم اسی طرح بڑی تیز رفتاری سے کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا اور اس کا لکھا ہوا برہان کو نظر بھی آ رہا تھا جبکہ روما نے اپنی نوٹ بک کو اس طرح سے پکڑا ہوا تھا کہ برہان کو اس کا لکھا ہوا نظر نہیں آ سکتا تھا۔

''بی بی...... آپ تھوڑی اسپیڈ پکڑیں......'' آخر کار اس کے منہ سے نکل ہی گیا۔

''جی سر کیا پکڑوں؟'' روما اپنے کسی گہرے خیال سے چونک کر برہان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں کا خالی پن صاف بتا رہا تھا کہ وہ سرے سے ماحول میں موجود ہی نہیں ہے۔ اس کا ذہن تو کہیں اور ہی پہنچا ہوا ہے۔

''سر اس کا نام روما ہے، بی بی نہیں ہے۔'' کائناز نے الگ سے اپنی افلاطونیت جھاڑی۔

''جی، جی ٹھیک ہے وہ...... روما پلیز آپ تھوڑا سا تیز لکھیں، دیکھیں اتنا سلو لکھیں گی تو آپ کو امتحان میں بھی پرابلم ہوتی ہوگی۔ آپ کو پتا ہے ناں امتحان میں محدود ٹائم ہوتا ہے اور اس میں آپ کو بہت کچھ لکھنا ہوتا ہے۔'' روما اب بری طرح گھبرا گئی تھی۔

''جی سر! جی سر......! سر میں لکھ رہی ہوں آ...... آ...... آپ پلیز لکھوایئے۔''

کائناز نے ذرا سا سر اونچا کر کے روما کا لکھا ہوا دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ روما نے جلدی سے اپنی نوٹ بک اس طرح سینے کے ساتھ لگا لی جیسے وہ کائناز سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو...... کائناز کو اس کے اس انداز پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ وہ مسکرا کر روما کی طرف دیکھنے لگی۔

''ارے! میں کون سا تمہارا dictation ٹھیک کر رہی ہوں۔ مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو؟ دکھاؤ ناں کیا لکھا ہے؟ کہیں بہت پیچھے تو نہیں رہ گئی ہو؟'' اس نے بولتے بولتے بڑی سرعت سے روما کے ہاتھ سے اس کی نوٹ بک لے لی تھی۔ کائناز کی اس حرکت سے روما بری طرح ٹپٹا گئی تھی بلکہ رونے والی ہو گئی تھی۔

''کائناز یہ بہت غلط بات ہے، تم میری نوٹ بک مجھے واپس دو۔'' اس نے کائناز کے ہاتھ سے اپنی

نوٹ بک لینے کی کوشش کی۔ برہان نے جیسے زچ ہو کر اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اپنی نوٹ بک ٹیبل پر رکھ دی تھی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر بڑے جتانے والے انداز میں اُن کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''کائناز پلیز...... دو ناں......'' روما کائناز سے نوٹ بک چھیننے کی کوشش کر رہی تھی اور کائناز اس سے نوٹ بک بچانے کی کوشش کرتے ہوئے دور ہٹ رہی تھی۔

''دیکھیں، اگر آپ لوگ اسٹڈی میں سیریس نہیں ہیں تو مجھے بتا دیں۔ میں شاہ صاحب سے بات کر لیتا ہوں۔ اس طرح سے تو پڑھائی نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے آپ دونوں کو الگ الگ پڑھنا چاہیے۔'' برہان نے قدرے برا مان کر دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ روما گھبرا کر ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر بڑی بے بسی کی کیفیت تھی۔ کائناز نے روما کی نوٹ بک پر نظر دوڑائی تو اس کی حیرت سے آنکھیں پھیل گئیں کیونکہ اس کے سامنے مہندی کے بہت خوب صورت ڈیزائن بنے ہوئے تھے اور کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔ اس نے حیرت اور اچنبھے کی کیفیت میں روما کی طرف دیکھا اور بے وقوفوں کی طرح بے سوچے سمجھے بول پڑی۔

''ارے، تم مہندی کے ڈیزائن بنا رہی تھیں۔ لکھ نہیں رہی تھیں؟ روما کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ اُف میرے خدایا۔ کیا ہو گا تمہارا؟ سر یہ تو مہندی کے ڈیزائن بنا رہی ہے۔ شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس کا موڈ نہیں ہے۔ میں اسے زبردستی لے آئی تھی ناں......'' کائناز جلدی جلدی بولنے لگی۔ اسے تو حیرت بھی تھی اور کوفت بھی۔ یہ خیال نہیں تھا کہ اس وقت وہ اپنی دوست کو انجانے میں برہان کے سامنے ڈی گریڈ کر رہی ہے۔ شرمندگی کے مارے روما جیسے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہے؟ کیونکہ چوری تو پکڑی جا چکی تھی۔ برہان بہت عاجز آئے ہوئے انداز میں دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے اپنے چہرے پر ایک بے بسی کی کیفیت بہت واضح تھی۔

کائناز نے برہان کی طرف دیکھا پھر بڑے شریر انداز میں گویا ہوئی۔

''سر! آپ یہ تو دیکھیں کتنا خوب صورت ڈیزائن بنایا ہے، پھول کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔''

برہان نے کائناز کی طرف گھور کر دیکھا مگر فوراً ہی اپنی نظروں کا رخ بدل لیا۔ جانے اس لڑکی کی آنکھوں میں کیا جادو تھا شاید کوئی بھی دیر تک اس کی آنکھوں میں جھانک ہی نہیں سکتا تھا۔ بڑی پُراسرار کشش تھی۔ جس کا اندازہ اسے پہلے ہی دن ہو گیا تھا جبکہ روما کا پورا سراپا کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی سربستہ راز ہو۔ ایسا راز جس راز کو کھولنے کے لیے صدیوں کا سفر طے کرنا پڑے اور تجسس اور شوق بھی ماند نہ پڑیں۔ زندگی بے انت سفر اور اٹل ارادے میں قید ہو کر رہ جائے۔ دوسرا کوئی کام نہ سوجھے۔ ایک مقصد، ایک لگن، ایک خیال اس... سربستہ راز کو کھولنے کے لیے کسی مرض کی طرح لاحق ہو جائے۔ وہ اپنی پہلی مرتبہ کی کیفیت سے فوراً ہی پیچھا چھڑا چکا تھا لیکن اس وقت جو صورتِ حال درپیش تھی دو خوب صورت اور مقناطیسی کشش رکھنے والی معصوم سی لڑکیاں اس کی فطرت کو للکار رہی تھیں۔

اس کی ثابت قدمی میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں جیسے اونچے اونچے پہاڑوں کے نیچے جب زلزلے کی ابتدا ہوتی ہے تو پہلے ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور دوسرے مرحلے میں زمین ہلنے لگتی ہے۔ تیسرے مرحلے میں پہاڑ میں شگاف بھی پیدا ہو سکتا ہے وہ تو دوسرے مرحلے میں ہی جانے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ تیسرا مرحلہ تو بہت بڑا امتحان تھا۔ وہ اپنے وجود کی کیفیات اور اپنے دل کی بے اعتدالی پر پریشان سا ہو گیا...... اب لازم تھا کہ وہ خود کو فوراً کنٹرول کرتا اور اپنے مقام کا تعین کر کے خود کو باور کراتا کہ اصل میں یہ لڑکیاں نہیں اس کی مجبوریاں ہیں۔

''سر! actually عید قریب ہے ناں تو یہ مہندی کے ڈیزائن بنا رہی ہے۔'' کائناز نے پھر شوخی کا مظاہرہ کیا۔ برہان نے اب خاصی حد تک خود پر کنٹرول کر لیا تھا۔ برا ماننے والے انداز میں گویا ہوا۔

''مجھے سامنے بٹھا کر آپ لوگ عید کی تیاریاں کریں گی؟''

''نہیں سر! آپ کے سامنے تو تیار ہو کر آئیں گے۔'' کائناز نے بڑی برجستگی سے کہا۔ روما تو جیسے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ شرمندگی کے مارے اس کی بری حالت تھی جبکہ کائناز کو گدگدی ہو رہی تھی۔ روما کی آنکھوں میں ایک دم آنسو چمکنے لگے۔ دل تو پہلے ہی بھرا رہتا تھا۔ اس نے چھلکتے ہوئے آنسوؤں کو اپنی ہتھیلی سے پونچھتے ہوئے بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہا۔

''سر وہ...... میں اسپیڈ سے نہیں لکھ پاتی ناں...... تو کائناز سے لے کر کاپی کر لیتی ہوں۔ آپ کائناز سے پوچھ لیجیے۔ ہمیشہ یہ پہلے لکھتی ہے پھر میں اسے کاپی کر لیتی ہوں۔'' روما کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی اور وہ اپنے بہتے آنسوؤں کو ہتھیلیوں سے صاف کر رہی تھی۔ رقیق القلبی تو برہان کو ماں سے ورثے میں ملی تھی۔

''یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے ناں...... اس طرح تو آپ کائناز پر ڈیپنڈ کرنے کی عادی ہو جائیں گی۔''

''وہ تو ہو چکی ہے سر...... ہر کام مجھ سے پوچھ کر کرتی ہے۔'' کائناز نے پھر بات کاٹ کر بڑی برجستگی سے جواب دیا تھا۔

''پلیز آپ تو خاموش رہیں مجھے بات کرنے دیں۔''

''سوری سر......'' کائناز اب سر جھکا کر بڑی اچھی بچی بن کر بیٹھ گئی۔

''دیکھیں روما...... ڈیپنڈ کرنے والے لوگ کبھی بڑے ٹارگٹ اچیو نہیں کر پاتے۔ آپ خود کو چیلنج کریں،

آپ نے بس اپنا ذہن بنالیا ہے کہ کائناز سے آپ نوٹ لے لیں گی، کاپی کرلیں گی لیکن آپ کی یہ عادت آگے جا کر آپ کو بہت تکلیف دے گی۔ ڈیپنڈ کرنے والے لوگ ہمیشہ ڈبل مائنڈڈ رہتے ہیں۔''

''sorry sir! I'll try میں کوشش کروں گی کہ آپ کو آئندہ کوئی شکایت نہ ہو۔'' روما بولتے بولتے ایک دم رو پڑی۔ اس کے اس طرح رونے سے کائناز اپنی ساری شوخی بھول گئی اور اس نے ایک دم روما کو اپنے گلے سے لگالیا۔

''روما! کیوں رو رہی ہو؟ تمہیں سر نے ڈانٹا تو نہیں ہے۔ چلو بس تم نے سوری تو کہہ دیا ہے اب رونے کی کیا ضرورت ہے؟ پلیز روما دیکھو مت رو، سر دیکھ رہے ہیں۔ یار کچھ تو خیال کرو...... سر کیا سوچیں گے؟'' وہ روما کے آنسو پونچھتے ہوئے بڑی دلسوزی اور دردمندی سے کہہ رہی تھی اور برہان بڑی بے بسی کی کیفیت میں دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ان دونوں کا کیسے موڈ بنائے۔ وہ چند لمحے سر جھکا کر سوچتا رہا جیسے مسئلے کا کوئی حل ڈھونڈ رہا ہو پھر اس نے سوچتے سوچتے نظریں اٹھا کر دونوں کی طرف دیکھا اور بڑے فارمل انداز میں گویا ہوا۔

''آپ ایسا کریں، میرا مطلب ہے آپ دونوں پانچ منٹ کے لیے یہاں سے چلی جائیں۔ لان میں جا کر تھوڑی سی واک کریں۔ اسٹڈی کے لیے اپنا ذہن بنائیں اور واپس آجائیں۔ میں آپ کا ویٹ کررہا ہوں۔ please don't waste time'' برہان کے انداز میں ایک قطعی پن اور استادوں والی سختی تھی۔ کائناز اور روما گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھیں۔ شاید انہیں برہان سے اس لب و لہجے کی امید نہیں تھی۔

''اوکے سر......!'' کائناز جلدی سے روما کی کمر میں ہاتھ ڈال کر باہر کی طرف چل پڑی۔ برہان نے ایک گہری سانس لے کر صوفے کی بیک سے اپنا سر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ دونوں پانچ منٹ میں نہیں تقریباً پندرہ یا بیس منٹ میں واپس آئیں گی۔ اسے پندرہ، بیس منٹ تک بڑے صبر سے انتظار کرنا تھا کیونکہ 20,000 روپے ٹیوشن فیس میں بڑی اٹریکشن تھی۔ آج کل کے زمانے میں جبکہ بے روزگاری اپنی انتہا کو چھو رہی تھی اسے تو ماں کی دعا لگی تھی کہ بہت پُرسکون ماحول میں اسے روزی کا وسیلہ مل گیا تھا۔

☆☆☆

ایس پی شاہ زمان خان، وارث علی کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں کافی پی رہا تھا۔ سامنے کھانے پینے کے کچھ لوازمات بھی رکھے تھے۔ وارث علی بہت الجھی الجھی نظروں سے ایک ٹک اس کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

''خیریت تو ہے سر جی......؟ آپ بڑے فکرمند نظر آرہے ہیں اور بڑی ایمرجنسی والی چائے ہے، یقین کریں میں نے تو اپنی بیوی کو کچھ بتایا ہی نہیں، بس آپ نے آرڈر کیا اور میں گرتا پڑتا آپ کے سامنے حاضر ہوگیا۔''

شاہ زمان نے ایک نظر وارث علی کے چہرے پر دوڑائی پھر گہری سانس لے کر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ وارث علی ابھی تک پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھے جارہا تھا۔ درحقیقت وہ اندر سے بری طرح الجھ گیا تھا کیونکہ آج سے پہلے شاہ زمان نے کبھی اسے اس طرح سے طلب نہیں کیا تھا۔ اکثر تو وہ سارے کاموں سے فارغ ہوکر کسی ہوٹل میں شاندار سا ڈنر کیا کرتے تھے لیکن آج تو سرِ شام ہی طلبی ہوگئی تھی۔

''سر کچھ بولیں بھی...... میرا تو بی پی شوٹ ہونے لگا ہے۔'' ایس پی نے گہری نظروں سے وارث علی کی طرف دیکھا اور معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

''تمہارا سسر بریانی کا ٹھیلا لگائے گا۔'' وارث علی نے یہ سن کر ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

''نہیں لگائے گا سر...... سرینڈر کرے گا۔''

''اگر وہ اپنی بات کا پکا نکلا اور تمہاری بیوی یعنی اپنی بیٹی کو تمہارے گھر سے نکال کرلے گیا اور خلع کا دعویٰ دائر کردیا تو کیا کرلو گے تم؟'' ایس پی بڑے پُرتفکر لہجے میں وارث علی سے مخاطب تھا۔ وارث علی یہ سن کر بجائے پریشان ہونے کے بڑی ڈھٹائی سے مسکرایا۔

''سر جی...... بیٹی سامنے ہوگی تو مقدمہ دائر کرے گا ناں؟''

''کیا مطلب......؟'' ایس پی نے حیران ہوکر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ایک ہی period میں سارا syllabus پڑھیں گے سر جی......! تھوڑا ہاتھ ہلکا رکھیں۔ کچھ بھی کریں گے کرنے سے پہلے آپ کو بتائیں گے لیکن ابھی تو صرف یہی کہنا ہے کہ آپ کو پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں جو گیند جابر علی کے کورٹ سے میں نکال لایا ہوں وہ کتنی بھی اچھلے واپس جابر علی کے کورٹ میں نہیں جائے گی۔'' وارث علی نے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی مطمئن سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''کچھ بھی کرو، یہ ذہن میں رکھنا جابر علی سینئر پولیس آفسر ہے اور پولیس افسر کبھی retire نہیں ہوتا۔ اس کے بہت strong contacts ہیں۔ وہ بہت ذہین ہے، فضول میں ہم جیسوں سے ٹکر لینے کا حوصلہ نہیں کرسکتا۔ اس کے پیچھے بھی کچھ ہے۔ اسی وجہ سے تو یہ سارا جال بچھانا پڑا اگر یہ سالا حلوا ہوتا تو ہمیں اس جھنجٹ میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟'' ایس پی اب قدرے جھنجلا کر بولا تھا کیونکہ درحقیقت آج جابر علی اسے بہت پریشان کرکے گیا تھا۔ جابر علی کا اعتماد جیسے اس کی کرسی کے پائے ہلا رہا تھا۔

''اولاد سے پیارا تو مال بھی نہیں ہوتا سر جی، جس کے پیچھے قتل ہوجاتے ہیں۔ غم نہ کریں، جابر علی سرینڈر کرے گا۔ میرے قدموں میں نہیں...... اپنا پسٹل آپ کی ٹیبل پر اور اپنی رائفل آپ کے پیروں میں رکھے گا۔ آرام سے چائے پئیں اور آج بھابی کے ساتھ اچھا سا ڈنر کریں پھر سکون کی نیند سو جائیں۔ آنے والی صبح بہت پیاری ہے، بڑی اچھی اچھی خبریں آنے والی ہیں۔''

وارث علی کے لہجے میں خوش فہمی ہی نہیں تھی، کمال اعتماد تھا۔ ایس پی کے الفاظ اس کی پریشانی، اس کے تفکرات وارث علی پر بے اثر تھے۔ وارث علی کے اس اعتماد کو دیکھ کر اسے قدرے ڈھارس ہوئی تھی۔ بہر حال کچھ بھی صحیح اس نے یہ کرسی بڑی محنت سے حاصل کی تھی۔ اتنی آسانی سے تو نہیں گنوا سکتا تھا اور اس ملک میں تو جو بھی کرسی پر بیٹھتا ہے اسے اپنے بیوی بچوں سے زیادہ کرسی بچانے کی ہی فکر تو ہوتی ہے۔

☆☆☆

اصیل خان اپنے سرونٹ کوارٹر کے چھوٹے سے باتھ روم میں وضو کررہا تھا۔ وضو کرتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل مہر جان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسی وقت اسے مہر جان کی آواز باہر سے سنائی دی۔ وہ بری طرح چونک پڑا۔ جلدی جلدی وضو تمام کیا اور اسی طرح ہاتھوں سے پانی جھٹکتا ہوا باہر آگیا۔ اس سے قبل کہ وہ دروازہ کھول کر کوارٹر سے باہر جاتا مہر جان بال بکھرائے وحشت زدہ سی اِدھر اُدھر دیکھتی اندر آگئی تھیں۔ مہر جان کو یوں اچانک سامنے دیکھ کر اصیل خان بری طرح پریشان ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس وقت وہ کیا کرے۔ پتھر کا بت بنا اپنی جگہ پر کھڑا رہ گیا۔ مہر جان خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''تم...... تم کون ہو بڑے میاں؟ اور میں کہاں آگئی ہوں؟ یہ کس کا گھر ہے؟'' اصیل خان کے دل پر ایک کند چھری سے وار ہوا تھا۔ اس نے درد کی ٹیسیں بہ مشکل دباتے ہوئے مہر جان کی طرف دیکھا۔

”آپ......آپ باہر...... باہر چلیے یہ کسی کا گھر ہے۔“

”وہی تو میں پوچھ رہی ہوں یہ کس کا گھر ہے؟“

”وہ......یہ......سرونٹ کوارٹر ہے یہاں نوکر رہتے ہیں۔“ مہر جان نے یہ سن کر اصیل خان کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور اسی طرح وحشت زدہ انداز میں اِدھر اُدھر آنکھیں چلاتے ہوئے بولیں۔

”اچھا......تو تم نوکر ہو...لیکن میں نے پہلے تمہیں کیوں نہیں دیکھا؟ کیا تم نئے نوکر ہو؟ مگر کس کے؟ بابا جان کے؟ مگر بابا جان کہاں ہیں؟“

اصیل خان کے پاس مہر جان کی بات سننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اُدھر سے لاکھوں سوال بھی آجاتے تو بھی اس کے ایک جواب کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

”وہ...... مجھے بہت زیادہ گھبراہٹ ہو رہی ہے، کوئی نظر ہی نہیں آرہا۔ گل جان پتا نہیں کہاں چلی گئی؟ بابا کو تو زمینوں سے ہی فرصت نہیں ملتی اور اصیل خان......اس کی تو کچھ مت پوچھو......ایک فون کال میں ستر ہزار جھوٹ بولتا ہے۔ میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ میں اس جھوٹے سے پیچھا کیسے چھڑاؤں؟ لیکن کیا کروں اس کے تو جھوٹ بھی اچھے لگتے ہیں۔“

اصیل خان نے بڑی بے اختیاری کی کیفیت میں مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔ آخر وہ اس کی سب کچھ تھی۔ آج تک بھی، روپ بدل گئے تھے، چہرے تو نہیں بدلے تھے، رشتے تو نہیں بدلے تھے۔ مہر جان اس کی ضرورت تھی لیکن وہ تو مہر جان کی محبت تھا۔ آب و گل کے اس جہان میں بخشے جانے والے سارے حواس ایک جھٹکے سے دامن چھڑا کر کسی ماورائی فضا میں پرواز کرنے لگے۔ وہ ماورائی فضا جہاں وقت کی قید نہیں ہوتی۔ جہاں صدیوں کے سفر پل میں طے ہو جاتے ہیں۔ اصیل خان کی آنکھوں کے سامنے ہزاروں منظر پلک جھپکتے میں گزر گئے۔ ان منظروں کا ایک سلسلہ تھا خوشبو اور روشنی کا سلسلہ...... یہ سارے کے سارے منظر وہ تھے جہاں مہر جان صرف مسکرانا جانتی تھیں اپنی منوانا جانتی تھیں اور اصیل خان کے دامِ فریب میں الجھی ہوئی بڑے اعتماد سے مسکرایا کرتی تھیں۔

”بڑے میاں تمہارا نام کیا ہے؟ مجھے تو تمہارا نام بھی نہیں پتا...... دیکھو ناں اب شام ہو چکی ہے۔ شام کو اکیلی لڑکی کا باہر جانا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ورنہ میں واک پر چلی جاتی اور پھر بابا نے بھی تو منع کیا ہے کہ اکیلی باہر نہ جایا کروں۔ آج کل ان کے شریکے انہیں بدلہ لینے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ زمین، دشمنیاں، پتا نہیں کب جان چھوٹے گی بابا کی ان سے؟ اور بابا کو میری شادی کی پڑی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ بس تمہاری شادی ہو جائے اس کے بعد مجھے سکون مل جائے گا لیکن مجھے تو سکون نہیں ملے گا۔ میں اصیل خان کے گھر میں کیسے ہنسوں ، بولوں گی؟ میرے بابا تو دشمنوں سے لڑ رہے ہوں گے، اصیل خان آئے گا تاں میں اس سے کہوں گی کہ ہم بابا کو شہر لے چلتے ہیں زبردستی...... وہ...... بڑے میاں تمہارا نام کیا ہے؟“ مہر جان بولتے بولتے چونک کر اصیل خان سے پوچھنے لگیں۔

”وہ آپ جو چاہیں میرا نام رکھ لیں۔“ اصیل خان جو درد کے دریا میں سرتاپا غرق تھا اپنے رقت بھرے دل کو سنبھال کر بہ مشکل گویا ہوا۔

”کیوں......تمہارا کوئی نام نہیں ہے کیا؟“ مہر جان بچوں کی سی معصومیت سے اس کو تک رہی تھیں۔

”جی......میرا نام......میرا نام ابلیس سمجھ لیں۔“ مہر جان نے اس کی طرف بڑی حیرت سے دیکھا۔

”ابلیس؟ بڑا انوکھا نام ہے۔“ پھر مسکرا کر اصیل خان کی طرف دیکھنے لگیں۔

”تم خود کو شیطان سمجھتے ہو؟“

اصیل خان نے جواب دینے کے بجائے سر اتنا جھکا لیا... یوں لگا کہ نماز میں رکوع بجا لایا ہو، مہر جان اب جیسے اصیل خان کے اس بے حس و حرکت انداز سے اکتا کر باہر جانے لگیں مگر جاتے جاتے پھر پلٹ آئیں۔

”وہ بڑے میاں تمہارا نام کیا ہے؟“ اصیل خان نے سر اٹھا کر مہر جان کی طرف دیکھا مگر فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔

”آپ اپنے کمرے میں تشریف لے جائیں اور آرام کیجیے۔ گل جان بی بی شاید سودا لینے باہر گئی ہیں بس آرہی ہوں گی۔“ اصیل خان نے صبر و ضبط کا پہاڑ عبور کرتے ہوئے مہر جان کو تسلی آمیز انداز میں تلقین کی۔

مہر جان برا سا منہ بنا کر دروازے سے باہر نکل گئیں۔ اصیل خان جائے نماز اٹھانے کے لیے ایک طرف بڑھا اور اسی لمحے مہر جان دوبارہ واپس آگئیں۔ اصیل خان جو جائے نماز اٹھانے کے لیے آگے بڑھ گیا تھا۔ ایک دم چونک کر پیچھے ہٹ گیا اور پریشانی کی کیفیت میں مہر جان کی طرف دیکھنے لگا مگر بولا کچھ نہیں۔

”وہ بڑے میاں تمہارا نام کیا ہے؟“

اصیل خان نے اب جواب دینے کے بجائے جائے نماز اٹھالی۔ مہر جان نے پھر اصیل خان کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنا لیا۔

”ابھی تو بول رہا تھا پتا نہیں کیا ہوا اسے؟ گونگا بھی نہیں ہے پھر بھی کیوں میرے سوال کا جواب نہیں دیتا؟ بابا کو بھی بس یہ الٹے سیدھے لوگ ہی ملتے ہیں نوکر رکھنے کے لیے۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی اب باہر چلی گئیں۔ اصیل خان بھی باہر کی طرف بڑھا کیونکہ وہ شام ڈھلے نماز باہر لان میں ہی پڑھتا تھا اور عشا کی نماز بھی اس کی باہر ہی ادا ہوتی تھی۔ مہر جان اب لڑکیوں والے انداز میں بڑی تیز تیز اندر کی طرف جا رہی تھیں۔ اصیل خان جائے نماز کھولتا ہوا شہتوت کے درخت کی طرف بڑھا جس کی چھاؤں میں وہ اکثر جائے نماز بچھاتا تھا۔

اس نے جائے نماز بچھائی اور اسی لمحے مہر جان دوڑتی ہوئی اس کے قریب آگئیں۔ اصیل خان نے انتہائی بے بسی کی کیفیت میں اُن کی طرف دیکھا تھا۔

”وہ میں یہ پوچھنے آئی ہوں کہ تمہارا نام کیا ہے؟“

اصیل خان نے مہر جان کو جواب دینے کے بجائے نیت باندھی اور اللہ اکبر کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھا دیے۔ مہر جان برا سا منہ بنا کر غصے سے گھورتی ہوئی واپس چلی گئیں۔

☆☆☆

ستارہ، وارث علی کے پہلو سے اٹھ کر کمرے کا بغلی دروازہ کھول کر بالکونی میں آکھڑی ہوئی تھی۔ اسے کچھ الجھنیں بہت تنگ کر رہی تھیں۔ وہ فجر تک سوتی جاگتی رہی تھی پھر اس نے اٹھ کر نمازِ فجر ادا کی اور دوبارہ سونے کی کوشش بھی کی تھی پر پتا نہیں نیند کیوں نہیں آرہی تھی...... وارث علی کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔ ستارہ نے تو اپنے باپ کے منہ سے یہی سنا تھا کہ وارث علی بہت نیک، پرہیزگار، پنج وقتہ نمازی اور نمازی بھی ایسا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے مگر جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی اس نے وارث علی کو ایک مرتبہ بھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا بلکہ اسے تو اس بات کی حیرت ہو رہی تھی کہ وہ فجر سے بہت پہلے اٹھ گئی تھی۔ واش روم گئی، شاور لیا، نماز پڑھی۔ کچھ نہ کچھ تو کھٹ پٹ ہوتی رہی... تھی مگر وارث علی کی نیند نہیں ٹوٹی تھی۔ نماز پڑھنے والے تو بڑے چوکنے ہو کر سوتے ہیں ان کو کسی الارم کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اتنے

عادی ہوجاتے ہیں کہ ایک مخصوص وقت پر خود بخود اُن کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ چلو رات کو بہت دیر سے سو۔۔۔ تھے مگر اس نے تو وارث علی کو قضا نماز پڑھتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔

وہ ہرے بھرے لان پر نظریں دوڑاتی ہوئی مختلف قسم کے خیالات میں الجھی ہوئی تھی کہ اچانک اس کی نظ۔۔۔ گھر کے مین گیٹ پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ پولیس موبائل اس کے گیٹ پر آکر رکی ہے اور اس کے دیکھتے ۔۔۔ دیکھتے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا جابر علی اتر کر باہر آگیا تھا۔ ستارہ کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''اوہ...... ابا جان آج پھر صبح ہی صبح آگئے حالانکہ میں نے ان کو کہہ تو دیا ہے کہ بھول جائیں کہ ان کی کو۔۔۔ ستارہ نام کی بیٹی تھی پھر اب کیوں آئے ہیں؟'' اس کا موڈ ایک دم بہت خراب ہوگیا تھا۔ وہ واپس بیڈ رو۔۔۔ میں آئی اور بالکونی میں کھلنے والا چھوٹا سا بغلی دروازہ آہستگی سے بند کردیا تھا۔ وارث علی اسی طرح خراٹے ۔۔۔ کررہا تھا۔ ستارہ بیڈ کے کنارے پر آکر ٹک گئی۔ اس کا ذہن مسلسل ایک ہی نقطے پر ٹکا ہوا تھا۔

''اب ابا جان کیوں آئے ہیں، ان کی بات تو مان لی تھی تو اب انہیں بھی میری بات مان لینی چاہیے۔ وہ با اختیار تھے۔ انہوں نے اپنی ایک بات منوالی اب میرا اختیار ہے، مجھے بھی اپنی بات منوانے کا اختیار ہے جتنا کہ ان کو ہوسکتا ہے۔'' اسی وقت بیڈ کے سرہانے لگے ہوئے انٹر کام پر رِنگ ہوئی تھی پھر ستارہ ایک دم چونک پڑی۔ اسے پتا تھا کہ گارڈ جابر علی کی آمد کا بتانے کے لیے رنگ کررہا ہے وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی مگ۔۔۔ انٹر کام تک پہنچنے میں اسے چند سیکنڈ لگے کیونکہ اسے گھوم کر وہاں تک جانا تھا اس کے پہنچنے سے پہلے ہی وارث علی نے جس کی نیند گھنٹی کی آواز سن کر ٹوٹ گئی تھی اور ویسے بھی جرائم پیشہ لوگ کسی گھنٹی کو مِس کرنا پسند نہیں کرتے۔ اُن کو تو ہر گھنٹی خطرے کی ہی گھنٹی لگتی ہے۔ اس نے اسی طرح نیند بھری کیفیت میں انٹر کام کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا تھا اور نیند بھری آواز میں بولا۔

''ہاں...... گل محمد کیا مسئلہ ہے؟''

ستارہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ گل محمد نے صاحب کا سوال سن کر کیا جواب د۔۔۔ ہوگا؟ لیکن اس نے اتنا ضرور سنا تھا کہ وارث علی کے منہ سے بڑی حیرت کی کیفیت میں یہ جملہ نکلا تھا۔

''جابر علی......؟ جابر علی اتنی صبح صبح...... مجھ سے ملنے آیا ہے؟ اوہ بھئی...... بتادو کہ میں سو رہا ہوں۔''

ستارہ پر جیسے حیرت کا آسمان نہیں ٹوٹ رہا تھا بلکہ آسمان پر آسمان ٹوٹ رہے تھے ایک تو یہ کہ وارث علی کا طر۔۔۔ تخاطب ستارہ کے باپ کے لیے بڑا عجیب وغریب تھا جیسے وہ اس کے برابر کا ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اس کے باپ ۔۔۔ ٹرخا رہا تھا۔ اس کا باپ وارث علی کا سسر تھا۔ وہ اسے کتنے آرام سے کہہ رہا تھا کہ صاحب سو رہے ہیں۔ وہ ا۔۔۔ یہی سوچ رہی تھی کہ وارث علی نے پٹخنے کے انداز میں ریسیور لٹکا دیا پھر ادھر اُدھر نیند بھری آنکھوں سے جیسے ستارہ کو تلاش کیا اور بڑی بیزاری کی کیفیت میں ستارہ سے بولا۔

''اوہ بھئی...... جا کر اپنے باپ کو انٹرٹین کرو اور ہاں اُن کو سمجھا دینا کہ بھلے بیٹی کا گھر ہو، آنے کا کو۔۔۔ طریقہ ہوتا ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے سیدھا بیٹی کے گھر آگئے۔ یہ کوئی طریقہ نہیں ہوتا، ہم بڑے لو۔۔۔ ہیں، راتوں کو جاگتے ہیں صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے بڑے زور شور سے کروٹ لی اور دوبا۔۔۔ سے خراٹے لینے لگا۔ کیا قیامت کی بے حسی تھی۔ ستارہ دم بخود اپنی جگہ کھڑی وارث علی کی طرف دیکھ رہی تھی اس کے حواس بھی ساتھ چھوڑ رہے تھے اور ذہن نے تو کام کرنا بالکل ہی بند کردیا تھا۔

(جاری ہے)

امانت

رفعت سراج

قسط 14

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے، موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور......چاند کی چاندنی امانت..... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی بھی پسند نہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو ناقابلِ قبول ہوتا ہے۔ فائزہ، احمر کے ساتھ شبینہ سے ملنے آتی ہے تو اس کے جانے سے پہلے ہی جابر علی آجاتا ہے اور وہ اس کے آنے پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ شبینہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پا رہی تھی کہ ستارہ کو بتا دے کہ شادی اس کی نہیں بلکہ ستارہ کی ہو رہی ہے۔ گل جان نے روما کو بتایا کہ رابی کی شادی ہو رہی ہے تو روما بھی پریشان ہوگئی۔ کائناز بخار کی شدت سے نڈھال تھی وہ دل بہلانے کے لیے روما کو فون کرتی ہے تو کوئی فون ریسیو نہیں کرتا۔ گل جان، رابی کو مہر جان کی دی ہوئی ساڑی دیتی ہے کہ وہ تیار ہو جائے۔ رابی نے ساڑی پہن کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اور پھر بے ترتیبی سے اپنے بال کاٹ لیے اس کے بعد اس نے تیزاب میں روئی بھگو کر اس سے اپنے چہرے پر لائنیں کھینچنا شروع کر دیں۔ اندر کی جلن نے ہر تکلیف کے احساس کو ختم کر دیا تھا۔ کائناز کہتی ہے تو شاہ عالم اسے روما کے گھر لے جاتے ہیں۔ صابرہ کی برہان سے بات ہوتی ہے تو وہ کائناز کے بارے میں پوچھتی ہے۔ سہراب خان، رابی کی شکل دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان ایک بار پھر آئی سی یو میں داخل ہوگئی تھیں۔ صابرہ بالآخر ستارہ کو بتاتی ہے کہ شادی اس کی ہو رہی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے تو گل جان کو پتا چلتا ہے کہ ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کر رہا ہے اور وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ روما، رابی اور کائناز کو گل جان کے بارے میں بتاتی ہے۔ ستارہ کا وارث علی سے نکاح ہو جاتا ہے۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں جس پر شاہ عالم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ صابرہ، ستارہ کی رخصتی کے بعد بہت روتی ہے کہ ستارہ یہ کہہ کر گئی ہے کہ وہ اب کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی۔ روما فکر مند ہوتی ہے کہ وہ کب تک مہر جان کے سامنے نہیں جائے گی۔ وارث علی اپنی بیوی ستارہ کے انداز دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے وہ بغیر کسی جھجک یا گھبراہٹ کے وارث علی سے بات چیت کر رہی تھی۔ ستارہ، برہان کو فون کر کے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہوگئی ہے اور وہ اس سے ملنے اس کے گھر آسکتا ہے۔ گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہو جاتی ہے جب وہ مہر جان سے کہتی ہے کہ اسے لگتا ہے کہ وہ اصیل خان سے محبت نہیں کرتی۔ مہر جان اس بات کی نفی کرتی ہے۔ برہان، ستارہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے تو فون کر کے وارث علی سے ایڈریس سمجھتا ہے۔ وارث علی، برہان کی آمد سے تھوڑا پریشان ہو جاتا ہے۔ ستارہ، برہان کو بتاتی ہے کہ اب وہ اس گھر میں کبھی نہیں جائے گی۔ برہان اسے سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر مشکل میں وہ اس کے ساتھ ہے۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ جابر علی، ایس پی سے ولیمے کی بابت دریافت کرتا ہے تو وہ اسے جھوٹی تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے۔ رابی، برہان کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ وہ کون ہے۔ روما شاہ عالم کے گھر آجاتی ہے۔ کائناز اسے پڑھنے کے لیے بلاتی ہے تو وہ اگلے دن سے پڑھنے کا کہتی ہے۔ جابر علی، ستارہ کے گھر آتا ہے تو وہ اسے ملے بغیر نوکر سے ایک پرچہ بھجوا دیتی ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ وہ سمجھ لے کہ ستارہ مر چکی ہے۔ اب وہ کبھی اس سے نہیں ملے گی۔ جابر علی سے اپنی یہ بے عزتی ہضم نہیں ہوتی اسے چپ لگ جاتی ہے۔ شاہ عالم، اصیل خان سے رابی اور روما کے والد کے بارے میں دریافت کرتے ہیں لیکن اصیل خان کو مشکل میں دیکھ کر بتانے پر اصرار نہیں کیا۔ ستارہ، وارث علی سے کہتی ہے کہ اگر ڈرائیور اپنی بیوی کو اپنے ساتھ ہی لے آئے تو اسے آسانی ہو جائے گی۔ جابر علی کی خاموشی صابرہ کے لیے بہت پریشان کن تھی۔ کانسٹیبل جابر علی کو ریڈ کرنے سے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ علاقہ وارث علی کا ہے۔ ایس پی، جابر علی کو منع کرتا ہے لیکن جابر علی کہتا ہے کہ جو آرڈر اسے ملا ہے وہ اس پر عمل ضرور کرے گا۔ ایس پی شاہ زمان، وارث علی کو جابر علی کے ارادوں کے بارے میں بتاتا ہے۔ مہر جان سرونٹ کوارٹر میں جاتی ہے اور اصیل خان کو دیکھ کر اس سے پوچھتی ہیں کہ وہ کون ہے۔ اصیل خان، مہر جان کو جواب دینے کے بجائے نماز کی نیت باندھ لیتا ہے۔ جابر علی صبح صبح وارث علی کے گھر آتا ہے تو وارث علی، ستارہ سے کہتا ہے کہ وہ اپنے باپ سے مل لے اور اسے کہہ دے کہ کسی کے گھر آنے کا کوئی وقت ہوتا ہے۔ ستارہ، وارث علی کی بات پر حیران رہ جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

ستارہ نہایت ذہنی خلفشار کا شکار تھی۔ اس نے باپ کو ایک خط کے ذریعے اپنی دلی کیفیت اور حتمی فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا...... پھر وہ دوبارہ کیوں آئے اگر ردِعمل ظاہر کرنا ہی تھا تو اسی وقت ظاہر کر دیتے جب اس نے انہیں خط لکھا تھا جبکہ وہ جانتے ہوں گے کہ وہ موجود ہے مگر سامنے نہیں آ رہی۔

اس نے خراٹے بھرتے وارث علی کی طرف دیکھا۔ وارث علی نے اس کے باپ یعنی اپنے سسر کی اتنی بے عزتی کی تھی کہ جو اس نے نہیں کی تھی...... آخر کو وہ بیٹی تھی اسے زندگی کے کسی موڑ پر رعایت مل سکتی تھی مگر سسر، داماد کے رشتے میں اتنی رعایت نہیں مل سکتی تھی۔ ہمیشہ کی دشمنی کے لیے تمام دروازے کھل سکتے تھے۔

اس روز وارث علی گھر پر نہیں تھا۔ اس نے جو دل چاہا کیا مگر اس وقت وارث علی موجود ہے خواہ سو رہا ہے۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ شل ہونے لگا مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ اسی وقت دروازے پر بہت ہلکی سی دستک ہوئی۔

”کہیں ابا جان انتظار سے اکتا کر اوپر تو نہیں چلے آئے۔“ وہ بری طرح چونک گئی۔ وارث علی نے بے مروتی سے جو الفاظ کہے تھے وہ ملازم کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ من و عن پہنچا دیتا۔

”کون ہے......؟“ اس نے ڈرتے، ڈرتے سوئے ہوئے وارث علی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں ہوں بیگم صاحبہ...... نعیم۔“

”ایک منٹ......“ ستارہ نے بیڈ سے اترتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر محتاط انداز میں دروازہ کھول دیا۔

”کیا بات ہے؟“

”وہ...... انسپکٹر جابر علی آپ کو بلا رہے ہیں......“ اس نے مؤدبانہ کہا۔

”مجھے......؟“ ستارہ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔

”جی...... وہ کہتے ہیں اپنی بیگم صاحبہ کو بلاؤ۔“ نعیم نے سابقہ انداز میں کہا۔

”اچھا تم چلو...... میں آ رہی ہوں۔“ ستارہ نے سوچتے ہوئے نعیم کو تو ٹہلایا۔ نعیم کے جانے کے بعد اس نے چند لمحے سوچا پھر آگے بڑھ کر اپنا دوپٹا اٹھایا، ایک نظر سوئے ہوئے وارث علی پر ڈالی اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے کمرے سے باہر چلی آئی۔ کمرے سے باہر آ کر بھی وہ بری طرح الجھنے لگی۔ جابر علی کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس کو مختلف قسم کے اندیشے ستا رہے تھے اگر جابر علی نے اپنی عادت کے مطابق بلند آواز سے بولنا شروع کر دیا تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ وارث علی کے انداز و اطوار سے صاف ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ بدلحاظی کی انتہا تک جا سکتا ہے اور ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ اگر وارث علی نے مشتعل ہو کر اسے باپ کے ساتھ گھر سے نکال دیا؟ تو جابر علی نے اس کے ساتھ پھر وہ کرنا تھا کہ اس گھر میں ایک دن گزارنا بھی ایسا ہی تھا جیسے ایک صدی گزارنا...... اس خیال نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی چھین لی بلکہ اس پر ایک طرح کی گھبراہٹ طاری ہوگئی اور وہ منجمد دماغ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں یوں چلی آئی جیسے کوئی اسے دھکیلتا ہوا وہاں تک لایا ہو۔

جابر علی بڑی بے قراری سے ٹہل رہا تھا جیسے ایک، ایک لمحہ بھاری ہو۔ ستارہ نے اندر قدم رکھا اور دل پر پتھر رکھ کر سلام کیا۔

”السلام علیکم......“ جیسے کسی روبوٹ کے منہ سے سلام نکلا تھا۔ جابر علی نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ بڑے کڑے تیور کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

''چلو میرے ساتھ......'' اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ حکم صادر کردیا۔

''کہاں......؟'' ستارہ نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا جیسے چھت اس کے سر پر آ رہی ہو۔

''گھر......'' جابر علی نے مختصر جواب دیا۔

''لیکن گھر تو میرا یہ ہے جو آپ نے مجھے بڑی خوشی سے تحفے میں دیا ہے، اب آپ کے گھر سے میرا کیا واسطہ......؟'' وہ حیرت کے سمندر میں غوطے لگا رہی تھی۔

''زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں...... میں کہہ رہا ہوں فوراً چلو۔ یہاں سے کچھ لینے کی ضرورت نہیں۔'' جابر علی نے عجلت کے انداز میں کہا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس گھر کو آپ میری قبر سمجھیں اور مردہ کبھی قبر چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاتا۔''

''بکواس بند کرو...... وارث علی نے میرے ساتھ بہت بڑا دھوکا کیا ہے۔ ڈپارٹمنٹ کے کچھ لوگوں نے مجھ سے انتقام لیا ہے، دشمنیاں بھگتائی ہیں۔'' جابر علی کو اپنے مزاج کے برخلاف وضاحت کرنا پڑی۔ اس لیے کہ وہ ستارہ کو وہاں سے ہر قیمت پر لے جانا چاہتا تھا۔

''تو یہ آپ کا مسئلہ ہے، میرا اس سے بھلا کیا تعلق ہے؟'' ستارہ نے جابر علی سے وارثت میں ملنے والی بے مروتی کا شاندار مظاہرہ کیا۔

''وارث علی وہائٹ کالر جرائم میں ملوث تو ہے ہی مگر اب ڈنکے کی چوٹ پر جرائم کرنا چاہتا ہے۔ لینڈ مافیا کا بہت با اثر بندہ ہے۔ میں نہیں چاہتا میری اولاد حرام کا مال کھائے، نکلو یہاں سے۔'' جابر علی نے اپنے حساب سے بہت اختصار کے ساتھ اسے ساتھ لے جانے کی وجہ بیان کی۔ جو ستارہ نے بہت توجہ سے سنی پھر بڑے تمسخرانہ... انداز میں مسکرائی۔

''یہ چھان بین تو پہلے کرنی چاہیے تھی اب تو آپ کی پسند سے یہ شادی ہو چکی......اور وہائٹ، بلیک، بلو، ریڈ جو بھی کالر ہے میری قسمت ہے۔''

''میری اولاد حرام کا مال کھائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' جابر علی کے انداز میں قطعیت تھی۔

''اب میرا حرام حلال آپ کا مسئلہ نہیں ہے، آپ اسے میری قسمت سمجھیں......'' ستارہ نے بھی باپ کی ٹون میں ہی جواب دیا۔

''کہہ رہا ہوں ناں میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے اگر میری وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا تو تمہیں گھر سے نکالنے میں دیر نہیں لگائے گا۔ اس لیے تمہیں اس سے پہلے ہی یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے۔ میں تمہیں اس بدکردار شخص سے خلع دلوائے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گا......فوراً نکلو یہاں سے۔'' اس نے مخصوص انداز میں انگلی اٹھا کر جلدی چلنے کا اشارہ کیا مگر ستارہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بالکل بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''کیا کہہ رہا ہوں میں؟'' جابر علی نے اس کی بے خوفی اور ڈھٹائی کو غضب ناک نظروں سے گھورا۔

''آپ نے جو کہا...... میں نے سن لیا...... اب آپ بس اتنا سمجھ لیں کہ حرام کا مال کھانا میری قسمت میں لکھا ہے۔'' ستارہ نے بڑی قطعیت سے کہا۔

''غفلت میں کچھ ہو جائے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ جان بوجھ کر اللہ کی بنائی ہوئی حدود توڑنے والا مردود ہے، اس کی کبھی بخشش نہیں ہوگی۔ جلدی کرو......'' جابر علی نے اپنی فطرت کے مطابق عجلت کے انداز میں کہا......اس کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا گویا سر پر کفن باندھ کر جہاد کو جا رہا ہو۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......اب حرام کھانا ہی میری قسمت ہے اور ابا جان یہ آپ کا فیصلہ تھا......'' ستارہ نے بے خوفی سے جواب دیا۔

''یہ سب کچھ تمہاری ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا......جلدی کرو مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' جابر علی بڑی مشکل سے اپنا غیظ و غضب کنٹرول کر رہا تھا۔ وارث علی منظر سے غائب تھا...... جابر علی کے لیے یہ بھی غنیمت تھا اس کی آمد اس قصے کو مزید طول دے سکتی تھی اور وہ فضول بحث میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ستارہ نے ایک نظر جابر علی پر ڈالی اور ڈرائنگ روم سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔ گویا حتمی فیصلہ سنا دیا۔

''تم ایک مجرم کو باپ پر ترجیح دے رہی ہو؟'' اسے باہر کی طرف جاتے دیکھ کر جابر علی کے تن بدن میں گویا آگ بھڑک اٹھی۔

''میں اس گھر سے کبھی نہیں جاؤں گی۔ کچھ بھی ہو جائے...... اس گھر سے اب میرا جنازہ ہی جائے گا......'' ستارہ نے ہٹ دھرم لہجے میں کہا۔

''تو پھر تمہارا جنازہ ہی جائے گا......رزقِ حرام کھانے سے بہتر ہے کہ بندہ مر جائے۔'' یہ کہہ کر اس نے بڑی پھرتی سے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکالا......ستارہ نے جابر علی کی بات سن کر غیر ارادی طور پر یونہی پلٹ کر دیکھا تھا۔ مگر باپ کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر حیرت و خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس سے پیشتر وہ کچھ منہ سے نکالتی جابر علی کے ریوالور سے چار پانچ شعلے نکلے اور ستارہ کے سینے اور پیٹ میں یوں جذب ہو گئے جیسے خشک مٹی پر گرنے والے پانی کے قطرے......اس کے منہ سے کوئی چیخ بھی نہ نکل سکی اور وہ کارپٹ پر یوں گر گئی جیسے کوئی بوسیدہ خستہ دیوار...... فائر کی آواز سن کر اندر سے دو نوکر بھاگتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے اور وہاں جو منظر تھا اسے دیکھ کر وہ وحشت زدہ ہو گئے۔ نعیم کیونکہ خاصا کم عمر تھا اب تک ستارہ کی زیادہ بات چیت بھی اسی سے ہوئی تھی۔ وہ فوراً چیختا، شور مچاتا وارث علی کو خبر دینے ...... بھاگا تھا جو ساؤنڈ پروف ٹھنڈے بیڈ روم میں بدمست نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔

ستارہ خون میں لت پت جابر علی کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہی تھی۔ جابر علی کی آنکھوں میں ہنوز خون اترا ہوا تھا۔

''یہ آپ نے کیا کیا......اپنی بیٹی کا خون کر دیا؟'' عمر رسیدہ ملازم بڑی مشکل سے گھگھیاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''دفعان ہو جاؤ یہاں سے...... اللہ اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والی اولاد اسی طرح جہنم رسید ہوتی ہے۔'' ملازم خوف کی کیفیت میں ستارہ کی طرف دیکھ رہا تھا...... پہلی مرتبہ کسی انسان کا خون ہوتے دیکھا تھا، اس کی ٹانگیں بے جان ہو چکی تھیں وہ کسی سنگِ میل کی طرح اپنی جگہ گڑ کر رہ گیا تھا۔

''صاحب دروازہ کھولیں۔ جلدی باہر آئیں۔ مہمان نے گولی ماردی...... صاحب...... جلدی سے دروازہ کھولیں۔'' نعیم کے دروازہ پیٹنے اور چلّانے کی آوازیں ڈرائنگ روم تک آ رہی تھیں۔

☆☆☆

''دن چڑھ گیا......تمہارے ابا جان ابھی تک ناشتا کرنے نہیں آئے کہہ کر گئے تھے کہ تھوڑی دیر میں آتا ہوں، صبح صبح کہاں چلے گئے۔'' صابرہ بہت پریشانی کی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔

''شاید ابا جان کو دیر ہو رہی ہوگی...... باہر سے باہر ہی آفس چلے گئے ہوں گے۔''

”مجھے تو فکر سی ہو رہی ہے۔ وہ تو پہلے ہی بہت چپ، چپ تھے...... لگتا ہے کوئی بڑی پریشانی ہے۔“ صابرہ فکرمندی سے گویا ہوئی۔

”امی کیا، کیا جائے آپ کو تو پریشان ہونے کی عادت ہوگئی ہے۔ ابا جان یونیفارم میں گئے تھے۔ وہ آفس چلے گئے ہوں گے۔“

”ناشتے کے بغیر تو وہ گھر سے نکلتے ہی نہیں۔“ صابرہ بڑبڑائی۔

☆☆☆

جابر علی، ستارہ کے مُردہ وجود کو گھور رہا تھا جبکہ وارث علی سکتے کی کیفیت میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ کبھی جابر علی کو اور کبھی خون میں نہائی ہوئی ستارہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس منظر نے تو جیسے اس کے ہوش اڑا دیے تھے، قوتِ گویائی چھین لی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس طرح سے بات شروع کرے اور جابر علی سے پوچھے کہ اس نے خونِ ناحق میں اپنے ہاتھ کیوں رنگے...... دو، تین، نوکر بھی آ کر وارث علی کے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کے چہروں پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ وارث علی کو ایسے دیکھ رہے تھے گویا وہ ان کا نجات دہندہ ہو۔ ان کی گھبراہٹ اپنی جگہ بجا تھی وہ اس خوف میں مبتلا ہو چکے تھے کہ گھر میں ہونے والی اس واردات کو کہیں ان کے سر پر نہ تھوپ دیا جائے۔ یہ وہ نوکر تھے جو وارث علی کو بہت نیک، باکردار اور محنتی انسان سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں ان کا صاحب دن رات محنت کرتا تھا جس کی وجہ سے اسے یہ سب ٹھاٹ باٹ اور اعلیٰ معیارِ زندگی حاصل تھا۔ وہ تینوں معصوم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس واردات کا شاخسانہ ان کا اپنا ہی صاحب ہے۔

”یہ خون...... یہ خون......! انسپکٹر جابر علی! تم نے اپنی بیٹی کا...... خون...... کر دیا...... کیا تم پاگل ہو چکے ہو؟“ وارث علی کافی دیر گومگو کیفیت میں رہنے کے بعد جیسے پھٹ پڑا۔

جابر علی نے اپنی بے رحم اور بے مروت نظروں کا رخ وارث علی کی طرف موڑا اُس سے پہلے وہ اپنے جوتوں پر نظریں جمائے گہری سوچ میں کھڑا تھا۔

”زمین پر خون بہنے کی وجہ ہمیشہ بے ایمانی، دھوکا دہی اور ناانصافی ہوتی ہے۔ وارث علی اس خون کے ذمے دار تم ہو۔“ جابر علی اتنی بھیانک واردات سے گزرنے کے بعد بھی اپنے مخصوص پُراعتماد انداز میں گویا ہوا۔

”مجھ پر الزام لگا کر تم بچ نہیں سکتے۔ تم نے اپنی یونیفارم کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور مجھے پھنسانے کی سازش کی ہے، یہ تو سوچ لیتے کہ یہ تمہاری اپنی بیٹی ہے۔“ وارث علی نے...... اب گولیوں کا شکار ہوئی ستارہ کی طرف دیکھتے ہوئے شدید حیرت اور صدمے کی کیفیت میں کہا تھا۔

”میرے گھر میں تھی تو میری بیٹی تھی یہاں آ کر یہ تمہاری بیوی بن کر مجھ سے بات کر رہی تھی۔ بددیانتی، بے ایمانی اور کرپشن کے ہاتھ مضبوط کر رہی تھی۔“ جابر علی نے یوں جواب دیا...... کہ اسے اپنے فعل پر ذرہ برابر بھی ندامت نہیں ہو۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی احساسِ جرم میں مبتلا نہیں ہے...... بلکہ جیسے اس نے کوئی بہت بڑی نیکی کی ہو۔

”ایک بے گناہ...... اور وہ بھی تم نے اپنی اولاد کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں...... تمہاری اولاد اس وقت خون میں لت پت تمہارے سامنے پڑی ہے...... تمہیں کچھ محسوس نہیں ہو رہا...... ارے...... تم انسان ہو

یا......“ وارث علی اتنا ہی بولا تھا کہ جابر علی زور سے دہاڑا۔

”بکواس بند کرو......! تم اس ملک کا ناسور ہو...... پتا نہیں کتنے گھر اجاڑو گے...... اس سرزمین پر پیدا ہونے والی کتنی بیٹیاں تمہاری وجہ سے خودکشی کریں گی...... منہ چھپائیں گی...... یا قبر کا پردہ کر لیں گی، شرم کرو...... میں نے تو بڑھتے ہوئے گناہ کو مٹایا ہے، ایک ایسا گناہ جو پھلنے پھولنے جا رہا تھا۔ میری یہ بیٹی ایک مجرم کے ہاتھ مضبوط کرنے کی خبریں سنا رہی تھی مجھے اور یہ میرا فرض تھا...... کہ میں ایسا کروں۔“

”واہ...... سبحان اللہ...... جابر علی......! تم نے اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لیے......“ جابر علی نے وارث علی کی بات کاٹتے ہوئے خون آشام نظروں سے گھورا۔

”اگر تیرے اندر انسانیت ہوتی خبیث انسان تو، تُو میرے گھر میں شب خون مارنے نہ آتا۔ مجھ جیسے ایماندار آدمی کو بے وقوف نہ بناتا...... لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں...... جو دنیا کی خاطر مصلحت سے کام لیتے ہیں اور آخرت کو بھلا دیتے ہیں...... اپنی موت کو بھلا دیتے ہیں۔“

”جابر علی تم جو مذہب کی آڑ لے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہو، کیا سمجھتے ہو آسمان سے فرشتے تمہارے لیے...... ایوارڈ لے کر اترنے والے ہیں...... اب تمہیں ساری زندگی جیل کی ہوا کھانا ہوگی بلکہ پھانسی کا پھندا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“ وارث علی نے ایک نظر...... بے روح ستارہ کے وجود کی طرف دیکھا اور شدید دکھ اور صدمے کی کیفیت میں گویا ہوا۔

”تو میں کب بھاگ رہا ہوں۔ میں حق کی خاطر پھانسی چڑھنے کے لیے بھی تیار ہوں اگر مجھے بھاگنا ہوتا...... تو گولی مار کر بھاگ چکا ہوتا۔“

”اُف میرے خدایا!“ وارث علی نے عجیب نظروں سے جابر علی کی طرف دیکھا اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

”اپنا منہ بند رکھ منافق یہاں سے وہاں تک جو تباہی نظر آ رہی ہے اس کا ذمے دار تُو ہے۔“ جابر علی اب ہذیانی انداز میں چلّایا تھا۔

”تم یہاں سے ایک انچ قدم آگے نہیں بڑھاؤ گے...... تمہاری گرفتاری اسی جگہ سے ہوگی۔“

”میں گرفتاری کا انتظار کر رہا ہوں، ارے لوگ حق کی خاطر سولی چڑھتے رہے ہیں، میں بھی تیار ہوں۔“ وارث علی نے جابر علی کی طرف یوں دیکھا تھا جیسے اسے پورا یقین ہو کہ اس شخص کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔

☆☆☆

آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح یہ ہولناک خبر چاروں طرف پھیل چکی تھی...... صابرہ تو سنتے ہی تیورا کر گری تو اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ شبینہ اپنی جگہ پتھر کا بت بنی بیٹھی تھی۔ صدمے اور حیرت کی اس انتہا پر تھی جب آنسو کہیں گہری کھائیوں میں گم ہو جاتے ہیں اور آنکھیں صحرا کی طرح پیاسی دکھائی دیتی ہیں، وہ رونا چاہتی تھی مگر اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے آنسو کہاں گم ہو گئے ہیں...... ذہن ایک نکتے پر ہی جما ہوا تھا۔ وہ دریائے حیرت میں غوطہ زن تھی...... اسے آنکھیں رکھتے ہوئے بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ گھر میں انسانوں کا ایک ہجوم اُمڈ آیا تھا۔ اندر ہی نہیں گھر سے باہر بھی یوں مجمع لگا تھا جیسے کوئی جلسہ ہونے جا رہا ہو۔

برہان کو بھی آخرکار اطلاع مل ہی گئی تھی، وہ تو یونیورسٹی جا رہا تھا...... راستے میں تھا کہ ایک فون کال

آئی......اور صرف اسے اطلاع دی گئی...... برہان نے خود کو سنبھالتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش بھی کی تھی کہ اسے یہ اطلاع دینے والا مہربان کون ہے مگر اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا...... وہ پوائنٹ بس میں سفر کر رہا تھا جو فراٹے بھرتے ہوئے اپنی منزل کی جانب گامزن تھی اس کے اعصاب جواب دے رہے تھے۔ اس کی اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ کھڑا ہو کر ڈرائیور کو بس روکنے کے لیے کہہ سکتا اور نیچے اتر جاتا...... کھچا کھچ بھرے پوائنٹ میں ملی جلی آوازوں کا شور تھا ایک اسٹاپ پر بس کچھ اسٹوڈنٹس کو پک کرنے کے لیے رکی تو وہ نیچے اترنے کے لیے بے چین ہوا۔ اور ایک روبوٹ کی کیفیت میں اسٹوڈنٹس سے ٹکراتا، دھکیلتا آگے بڑھا اور بڑی عجلت میں پوائنٹ سے اتر گیا۔ پوائنٹ کے پیچھے آنے والے رکشا کو اس نے ہاتھ دے کر روکا اور جھٹ سے بیٹھ گیا اور پھر اپنے گھر کا پتا بتایا۔ اس کے بعد جیسے ماؤف ذہن کے ساتھ بس نادیدہ آنکھ سے اپنے لٹے ہوئے گھر میں جھانکنے لگا جہاں اس کی ماں بال کھولے بین کر رہی تھی اور بہن رو رو کے نڈھال تھی۔

لیکن وہ جب گھر میں داخل ہوا تو منظر بالکل الٹ تھا۔ اس کی ماں بے ہوش تھی، محلے کی عورتیں اسے ہوش میں لانے کی ترکیبیں کر رہی تھیں جبکہ شبینہ سکتے کی کیفیت میں پتھر کا بت بنی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں یوں دروازے پر جمی تھیں جیسے وہ کسی اچھی امید سے دیکھ رہی ہو......شاید......اس راہ سے کوئی اچھی خبر آجائے کوئی ایسی خبر جس میں اندھیرے نہ ہوں اجالے ہوں......شاید کوئی کہے کہ......ستارہ کے قتل کی خبر جھوٹ تھی وہ تو زندہ ہے...... کسی نے بڑا بھیانک مذاق کیا تھا۔

برہان نے بہت ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنی بے ہوش ماں کی طرف دیکھا اور پھر بہن کی طرف...... اور پھر......ایک رشتے دار عورت سے مخاطب ہوا جو اسے گلے لگا کر رونا چاہتی تھی......وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”پلیز آپ لوگ روئیں نہیں، اس وقت امی کی فکر کریں۔ میں ٹیکسی لے کر آتا ہوں، امی کو اسپتال لے جانا ہوگا۔“ یہ کہہ کر وہ بھرے مجمع پر نظر ڈالتا ہوا گھر سے نکل گیا تھا جیسے ہی گھر سے باہر نکلا محلے کے مردوں نے اسے گھیر لیا۔

”ارے بیٹا......! کہاں جا رہے ہو، ہماری بات ہوئی ہے اسپتال میں ہے۔“

”وہ میں......ٹیکسی لینے جا رہا ہوں، امی بے ہوش ہوگئی ہیں، خدانخواستہ انہیں کچھ نہ ہو جائے......“

”بیٹا! ہم کس لیے ہیں، محلے والے کس دن کام آئیں گے، چلو تم اماں کے پاس بیٹھو، ہم ٹیکسی لے کر آتے ہیں۔ ایک صاحب نے ہمدردی اور اپنائیت سے کہا۔“ ادھر اُدھر سے آوازیں آنے لگیں۔ ”ہاں، ہاں بیٹا ٹیکسی تو کوئی بھی لے آئے گا جاؤ تم اندر اپنی ماں اور بہن کو سنبھالو۔“

برہان نے چند لمحے اس مجمع کی طرف دیکھا جس میں کچھ لوگ اس کی جان پہچان کے تھے اور کچھ انجان بھی تھے۔ پھر وہ سر جھکا کر اندر چلا گیا اس کے تعاقب میں کئی آوازیں تھیں۔ ”ارے بھئی وہ کہہ رہا ہے کہ اس کی ماں بے ہوش ہے۔ جلدی سے ٹیکسی لاؤ اگر ایمبولینس پہلے آسکتی ہے تو اسے فون کردو۔“

برہان اندر داخل ہوگیا۔ عورتوں نے اسے دوبارہ اندر آتے دیکھا تو اِدھر اُدھر ہو کر ماں تک پہنچنے کا راستہ دینے لگیں۔

برہان بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنی ماں کو دیکھتا ہوا آہستہ آہستہ قدم بڑھا تا رہا تھا۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک تھا کہ اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ کوئی بھیانک خواب ہے یا کوئی ظالم حقیقت......

☆☆☆

جابر علی کی گرفتاری کے فوراً بعد سب سے پہلے اس سے ایس پی نے ملاقات کی تھی۔

ایس پی شاہ زمان خان جو وارث علی کا ہم پیالہ، ہم نوالہ تھا جس نے وارث علی کو ایک انتہائی نیک اور پرہیزگار انسان کے طور پر متعارف کرایا تھا۔ جابر علی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ وہ ابھی تک یونیفارم میں تھا ایس پی بغل میں چھڑی دبائے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اُسے بھی بہت شاک پہنچا تھا اس نے جابر علی سے کوئی طنزیہ بات نہیں کی کیونکہ وہ تو اس خبر کے آنے کے بعد سے اب تک دم بخود تھا اسے تو خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آناً فاناً یہ ہو کیا گیا تھا۔

جابر علی نے ایس پی کی طرف دیکھ کر بڑی نفرت سے چہرہ موڑ لیا تھا۔

''تم نے اپنے ساتھ بہت ظلم کیا جابر علی......'' وہ بدقت تمام گویا ہوا تھا۔

''شاہ زمان خان اپنے کام سے کام رکھو......اب نہ تم میرے افسر ہو اور نہ میں تمہارا ماتحت......میں تم کے بجائے تُو سے بھی بات کر سکتا ہوں کیونکہ میں تو اپنے انجام تک آ گیا۔ اپنی خیر مناؤ......اپنی عزت سنبھالو۔'' جابر علی کے ایک، ایک لفظ میں نفرت کے شعلوں کی آنچ تھی۔

''جابر علی! اس وقت تم مجھے ننگی گالیاں بھی دو گے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑنے والا......میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ آخر تم ہو کیا؟ اپنی اولاد کو تم نے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا؟ وہ بھی بے گناہ، بے قصور، معصوم لڑکی کو......تمہارے چہرے پر ندامت کا، پچھتاوے کا کوئی تاثر بھی نہیں ہے۔'' ایس پی بہر حال انسان تھا اتنے بڑے سانحے پر وہ طنز اور تلخی سے کام نہیں لے سکتا تھا۔ حادثے کی گرد ابھی بیٹھی نہیں تھی بلکہ ابھی تو بگولے اٹھ رہے تھے اور اس گرد کو بیٹھنے میں تو شاید بہت طویل عرصہ درکار ہو گا......جتنا بڑا طوفان ہوتا ہے اتنی دیر میں سنبھالا ملتا ہے۔

''میری روح شعلوں میں جھلس رہی ہے......شاہ زمان خان چلے جاؤ یہاں سے اور اب کبھی میرے سامنے مت آنا۔'' جابر علی نے غراتے ہوئے کہا تھا۔

''آگ بجھ گئی......؟'' ایس پی نے گم صم کیفیت میں سوال کیا۔

''بجھ گئی ہے......بہت سکون ہے، میرے گھر میں اگر اندھیرے نے جنم لیا تھا تو میں نے اس تاریکی سے جان چھڑا لی۔'' جابر علی اسی طرح بڑے پُر اعتماد اور سفاک لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''ابھی اس لیے سکون ہے کہ کال کوٹھڑی کا منہ نہیں دیکھا جابر علی، تمہیں پھانسی سے پہلے اپنے دماغ کا علاج کرانا چاہیے۔'' ایس پی شاہ زمان خان نے اسی طرح گم صم کھوئی، کھوئی کیفیت میں اس سے کلام کیا تھا۔

جابر علی نے چہرہ موڑ کر اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اس وقت اس کے بس میں ہو تو وہ ایس پی کے سینے میں بھی چار پانچ گولیاں اتار دے۔

''سچائی، ایمانداری کے لیے جان دے دوں گا اور مجھے ہمیشہ کے لیے سکون مل جائے گا۔ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ، میں تم جیسے دوغلے، منافق، بددیانت انسان کی شکل دیکھنا تو دور کی بات آواز بھی سننا نہیں چاہتا۔ شیطان کے ساتھ سمجھوتا نہیں کروں گا......'' یہ کہہ کر اس نے شاہ زمان کی طرف پشت کر لی تھی۔

''شیطان کو تم نے اس وقت عظیم کامیابی سے ہمکنار کیا ہے بے وقوف انسان! اس وقت شیطان کی دنیا میں تو جشن برپا ہو گا۔'' شاہ زمان خان نے بڑی سنجیدگی اور خفگی کے تاثر کے ساتھ بات کی۔

''جاؤ شیطان کے جشن میں شرکت کرو کیونکہ تم بھی تو اس کے بڑے حواری ہو، مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ تم مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو......بات کیوں کر رہے ہو......لعنت بھیجتا ہوں میں تم پر اور ایسے افسروں پر جنہوں

نے اس ملک کا بیڑا غرق کر دیا ہے دفعان ہو جاؤ یہاں سے......'' ایک جونیئر اپنے سینئر کو جی بھر کر ذلیل کر رہا تھا مگر......ایس پی شاہ زمان خان اس وقت حیرت اور صدمے کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ وقتی طور پر سارے احساسات منجمد ہو جاتے ہیں اور انسان کا چہرہ دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے انسان نہ ہو وحشی جانور ہو......جذبات اور احساسات سے عاری......

☆☆☆

صابرہ اسپتال کے ایک کمرے میں بے ہوش پڑی تھی۔ برہان کاریڈور میں ٹہل رہا تھا۔ محلے کی چند عورتیں اور مرد اُن کے ساتھ آئے تھے۔ محلے کے ایک بزرگ اس کے پاس کھڑے تھے اور بہت دل سوزی سے کہہ رہے تھے۔

''بیٹے......! ہم نے تمہارے باپ کو کبھی کوئی غلط کام کرتے نہیں دیکھا۔ ہمارا اور ان کا ایک دو دن کا نہیں بیس برس کا ساتھ ہے پنج وقتہ نمازی، پرہیزگار......رشوت اور سفارش کو تو وہ مانتا ہی نہیں تھا۔''

برہان نے خالی خالی نظروں سے ان بزرگ کی طرف دیکھا جو اس کے باپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

اسی وقت ایک دوسرا آدمی جس کو برہان گلی میں کبھی کبھی دیکھتا تھا تو سلام کر لیا کرتا تھا۔ جس کا نام بھی اس کی یادداشت میں نہیں تھا۔ برہان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑی ہمدردی اور افسردگی سے بولا۔

''بیٹا......بہت سے لوگ اپنا کام نکلوانے تمہارے گھر جاتے تھے مگر تمہارے باپ نے کبھی کسی کی سفارش نہیں کی، اس نے کبھی رشوت نہیں لی۔ پتا نہیں اس بے چارے کے ساتھ کیا ہوا لگتا ہے کہ اسے کسی سازش کے تحت پھنسایا گیا ہے......ورنہ آج کل کے اس پُر آشوب زمانے میں ایسے ایماندار افسر تو بہت کم ہوتے ہیں ورنہ بیشتر تو رشوت اور سفارش کو اپنا جائز حق سمجھنے لگے ہیں۔''

''بیٹا! تمہاری بہن کا مرڈر تو اس کے شوہر کے گھر میں ہوا ہے ناں......لگتا ہے کہ تمہارے بہنوئی نے کوئی چال چلی ہے۔ چار دن تو ہوئے تھے اس کی شادی کو......سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک دم سے یہ کیا ہو گیا۔''

ایک تیسرا آدمی گویا ہوا برہان اسی طرح خالی خالی نظروں سے اپنے محلے داروں کو دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھ تو نہیں آ رہی تھی بس یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ لوگ جمع ہو کر شور مچا رہے ہیں۔

''سسٹر میری امی کو ہوش آیا؟'' صابرہ کے کمرے سے نرس باہر آئی تو برہان نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔ نرس نے برہان کی طرف دیکھ کر انکار میں سر ہلایا اور سر جھکا کر آگے بڑھ گئی۔

''بیٹا......! تم پر بہت بھاری ذمے داری آ گئی ہے مگر دیکھو حق کے لیے لڑنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ تمہیں اپنے بے گناہ باپ کی جان بچانے کے لیے جو کچھ کرنا پڑے اس میں ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔'' انہی بزرگ نے آگے بڑھ کر برہان کو سینے سے لگا لیا۔

''بے گناہ باپ......؟'' برہان کے کانوں میں ایک بازگشت سی گونجنے لگی۔ ''بے گناہ! کیا واقعی اس کا باپ بے گناہ ہے، نہیں، نہیں، ان کے ذمے ایک نہیں چار انسانوں کا قتل ہے، انہیں ایک قتل کا جواب نہیں دینا، انہوں نے چار انسانوں کے قتل کا جواب دینا ہے۔'' یہ آواز اس کے دل سے اٹھ رہی تھی...اور دماغ اسے کہہ رہا تھا کہ وہ احتیاط کرے......دنیا سامنے کھڑی ہے تماشا نہ بنائے۔

☆☆☆

کائناز کافی دیر سے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی کیونکہ برہان اپنے ٹائم پر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ چند لمحے اِدھر اُدھر ٹہلنے کے بعد دادا کے پاس چلی آئی۔

''خیریت ہے بیٹا کوئی لطیفہ سن کر آئی ہو بہت خوش نظر آ رہی ہو؟'' انہوں نے اس سے مذاق کیا۔

''دادا جان! سر ابھی تک نہیں آئے۔'' کائناز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ کائناز کی بات سن کر وہ ایک دم چونک پڑے...... جیسے انہیں بھی یاد آ گیا ہو۔

''ارے ہاں بیٹا! تمہارے سر ابھی تک نہیں آئے۔ اب تو سات بجنے والے ہیں اور ان کا تو ٹائم چھ بجے کا ہے۔''

''جی دادا جان وہی تو کہہ رہی ہوں کہ دس پندرہ منٹ بندہ لیٹ ہو جاتا ہے تو کوئی فکر نہیں لیکن ایک گھنٹا ہو گیا، سر آئے نہ ان کا کوئی فون آیا۔ چلو اگر وہ لیٹ بھی تھے تو فون کر کے بتا دیتے اتنی دیر میں اپنا دوسرا کام ہی کر لیتی ایک گھنٹا ضائع ہو گیا۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''ہوں......'' شاہ عالم نے ہنکارا ابھرا...... پھر کائناز کی طرف دیکھ کر بولے۔ ''وہ روما کیا کر رہی ہے؟''

''شاید وہ شاور لے رہی تھی۔ میرا خیال ہے اب تک نکل آئی ہو گی۔ میں دیکھتی ہوں۔''

''لیکن...... تم کیا کرو گی دیکھ کر سر تو تمہارے آئے نہیں ہیں اگر وہ اپنا کوئی کام کر رہی ہے تو اسے کرنے دو۔ کیوں ڈسٹرب کرتی ہو۔''

''دادا جان وہ سر کا نمبر آپ کے پاس تو ہے ناں کیا پتا وہ ٹریفک میں پھنس گئے ہوں جو بھی بات ہو گی پتا تو چلے گی......'' کائناز جاتے جاتے رک گئی پھر سوچتے ہوئے بولی۔

''لاؤ میرا موبائل اٹھا کر دو۔'' انہوں نے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کائناز سے کہا۔

کائناز چند قدم آگے بڑھی اور سائڈ ٹیبل سے فون اٹھا کر دادا کے ہاتھ میں تھما دیا۔ شاہ عالم نے برہان کا نمبر سرچ کیا پھر ڈائل کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

کائناز بڑی بے تابی سے انہیں دیکھ رہی تھی اسے بس اس بات کی پڑی ہوئی تھی کہ اسے کسی طرح پتا چل جائے کہ سر آ رہے ہیں یا نہیں تا کہ وہ روما کے ساتھ اپنا کوئی اور کام شروع کرے۔

''بیٹا......! تمہارے سر کا تو موبائل آف ہے۔'' ایک دو بار نمبر پریس کرنے کے بعد انہوں نے اسے واپس رکھ دیا اور بڑی فکرمندی سے گویا ہوئے۔

''آف ہے؟'' کائناز نے بڑی حیرت سے شاہ عالم کی طرف دیکھا۔ شاہ عالم نے ہاں کے انداز میں گردن ہلائی جیسے کچھ سوچ رہے تھے۔

''اب بتائیں میں کیا کروں؟''

''تم جا کر اپنا کوئی اور کام کر لو......''

''دادا جان یہ کتنی غلط بات ہے...... سر نے اگر نہیں آنا تھا تو کم سے کم فون تو کر لیتے...... بتا دیتے۔''

کائناز کو اپنا وقت ضائع جانے کا جیسے بہت افسوس ہو رہا تھا۔ یہ وقت وہ روما کے ساتھ مزے مزے کی باتیں کر کے بھی گزار سکتی تھی۔ فضول میں ٹہل ٹہل کر اس کی ٹانگوں میں درد ہو گیا۔

''بیٹا وہ بہت ذمّے دار بچہ ہے، اس کے ساتھ ضرور کوئی مسئلہ ہوا ہو گا۔ ورنہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ اسے اگر نہیں آنا ہوتا تو فون بھی نہ کرتا۔ مجھے تو پریشانی ہو گئی ہے کہ آیا بھی نہیں، فون بھی نہیں کیا اب موبائل بھی بند

ہے۔ میں نے تو دو تین دفعہ ٹرائی کر لیا۔ اللہ رحم کرے آج کل کالجوں، یونیورسٹیوں میں بہانے بہانے سے بس ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔''

''جی، کہیں یونیورسٹی میں ان کے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو گیا ہو۔'' کائناز نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اللہ نہ کرے...... اللہ کرے سب خیریت ہو۔ میرا خیال ہے کہ وہ خود کانٹیکٹ کرے گا، تم جاؤ اپنا کام کرو بیٹا...... اگر وہ آ گیا تو پڑھ لینا، نہیں آیا تو پھر اللہ مالک ہے۔''

''جی دادا جان......'' کائناز گہری سوچ میں کھوئی ہوئی تھی وہ بھی شاہ عالم کی طرح فکرمند تو تھی۔

☆☆☆

صابرہ ہوش میں آ گئی تھی۔ ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد اسے فارغ کر دیا گیا تھا۔ شبینہ اور برہان اسے گھر لے آئے تھے مگر ابھی تک صابرہ سکتے کی کیفیت میں تھی اس نے برہان یا شبینہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا لیکن اس کے سوچنے کے انداز اور ادھر ادھر دیکھنے کے انداز سے یہ تو یقین تھا کہ وہ پورے ہوش میں ہے۔ اس کے الفاظ گم ہو گئے تھے بالکل ایسے ہی جیسے کوئی گھر سے جاتے ہوئے تالا لگانا بھول گیا ہو اور کسی موقع پرست کو گھر صاف کرنے کا موقع مل گیا ہو...... ایک لفظ بھی تو نہ بچا تھا بولنے کے لیے...... آخر وہ...... شبینہ یا برہان سے بات کرتی بھی تو کیا یہی ناں کہ وہ بری طرح لٹ گئی ہے۔ اس بری طرح کہ جھولی میں ایک کھوٹا سکہ بھی نہ بچا...... چاروں طرف سے اٹھتی ہوئی انگلیاں، طعنے دیتی ہوئی آوازیں، چھلنی کرتے ہوئے طنز کے تیر اور اس کی زندگی میں بچا ہی کیا تھا۔ شبینہ نے اسے کمرے میں لا کر لٹا دیا تھا۔ عزیز رشتے دار اور محلے سے لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ جو بھی سنتا تھا چلا آتا تھا۔ برہان اور شبینہ کو تو ہر آنے والا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے ہاتھ میں پتھر ہو اور وہ اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ خبر ملتے ہی پتھر مارنے چلا آیا۔ ایسے مواقع پر کی جانے والی تعزیت سے یوں ہی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے تازہ تازہ زخم پر کوئی نمک چھڑک رہا ہو۔

حادثے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ ہوتا ہے کہ انسان پر کوئی ذمّے داری نہیں آتی...... سب لوگ مل کے نہ سہی، کچھ لوگ تو رونے والی شکل بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اظہارِ ہمدردی کرتے ہیں، ہونے والے حادثے کی باتیں کرتے ہیں، جانے والے کوئی نہ کوئی بات ایسی کر جاتے ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ اسے جنتی ہونے کی بشارت دی جا رہی ہو...... دوسرا حادثہ وہ ہوتا ہے جو کسی انسان کی غلطی سے پیش آتا ہے۔ اس حادثے پر بھی لوگ غم زدہ شکلیں بنا کر آتے ہیں لیکن ان کے چہرے کچھ اور ظاہر کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ حادثہ بھی ایسا ہی تھا لوگوں کو ہمدردی سے زیادہ اس بات کی پڑی تھی کہ آخر ایسا کیا ہوا کہ باپ نے بیٹی کو گولی مار دی، اپنی ہی اولاد کی جان لے لی۔ ضرور کوئی بڑی بات ہو گی۔ ہو سکتا ہے...... لڑکی میں کوئی ایسی بات ہو جو برداشت نہ ہو سکی ہو ورنہ، ماں باپ تو اولاد پر جان دیتے ہیں۔ اولاد کی جان نہیں لیتے۔

صابرہ خواب آور دواؤں کے زیرِ اثر چند لمحے بعد ہی غافل تھی اور آنے جانے والوں کے سامنے برہان اور شبینہ تھے جو تعزیت کرنے والوں کے سامنے بے بسی کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ انہیں سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ جو کوئی بھی ان سے تعزیت کر رہا ہے اس کے جواب میں وہ کیا کہیں...... ایک عجیب تماشا سا لگا تھا، آنے والوں کو اس بات کی کھوج تھی کہ جانے والی کے ساتھ کیا بیتی...... ایسا کیا واقعہ

پیش آیا۔

☆☆☆

اصیل خان مغرب کی نماز پڑھ کر سجدے میں گرا اپنے معمول کے مطابق گڑگڑا کر بڑی دلسوزی سے دعائیں کر رہا تھا۔ وہ عالم استغراق میں تھا، اسے پتا بھی نہیں چلا کہ مہر جان کب پورے گھر میں گھومتی ہوئی لان میں چلی آئی تھیں اور انہوں نے سجدے میں گرے ہوئے اصیل خان کو بڑی حیرت سے دیکھا تھا اور پھر بڑی حیرت سے بڑبڑائی تھیں۔

''ارے یہ کون ہے؟ میں تو اسے نہیں جانتی۔''

اصیل خان نے بڑبڑانے کی آواز سنی تو اس کا استغراق ٹوٹ گیا اس نے جلدی سے دعا تمام کی اور سجدے سے سر اٹھا کر اس طرف دیکھا جہاں سے مہر جان کے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی تھی اس کی نظریں حیران کھڑی ہوئی مہر جان کی نظروں سے ٹکرائیں تو یوں لگا جیسے وہ کوئی چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہو ایک دم نظریں جھکا لیں۔

''بڑے میاں تم کون ہو؟''

اصیل خان جانماز سے اٹھ کر جانماز تہ کرنے لگا اور خاموش تھا۔

''تم کون ہو اور ہمارے گھر میں نماز کیوں پڑھ رہے ہو، میں نے تو پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔'' مہر جان اس کے سامنے آکر کھڑی ہوگئیں۔

اصیل خان نے بڑی بے اختیاری سے نظریں اٹھا کر مہر جان کی طرف دیکھا مگر فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔

''آپ اندر تشریف لے جائیں آرام کریں۔'' اسے یہی جملہ سوجھا۔

''میں کیوں آرام کروں؟ تم کون ہوتے ہو، مجھے کہنے والے اور یہ بتاؤ تم نے..... گل جان کو دیکھا ہے؟ کب سے اسے ڈھونڈ رہی ہوں پتا نہیں کہاں چلی گئی ہے۔'' مہر جان نے اسی حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی، وہ شاید اپنے کمرے میں ہوں۔''

''میں بتا رہی ہوں تمہیں کہ میں پورے گھر میں ڈھونڈ چکی ہوں، تمہیں عقل نہیں آ رہی..... اس لڑکی کی انہی باتوں پر غصہ آتا ہے، انٹر میں پڑھ رہی ہے مگر ابھی تک گڑیوں کی شادی کر رہی ہے، بے وقوف پتا نہیں کہاں غائب ہوگئی۔''

اصیل خان سر جھکائے مہر جان کی بات سن رہا تھا بات ایسی تھی کہ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ مہر جان نے اصیل خان کو یوں خاموش کھڑا دیکھا تو پھر بولیں۔

''حاجی صاحب میں آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ آپ کون ہیں؟ آپ سے بات کر رہی ہوں میں..... جواب کیوں نہیں دیتے۔''

''جی.....! میں نوکر ہوں۔'' اصیل خان کو مہر جان کے اصرار کے سامنے آخر اب کچھ تو کہنا تھا اتنا کہہ کر وہ بھی سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔

''نوکر.....! تمہیں کس نے نوکر رکھا ہے، میں نے تو پہلے تمہیں نہیں دیکھا..... کون لے کر آیا ہے تمہیں یہاں پر؟''

''آپ اندر چلیں، گل جان بی بی سے پوچھیں، وہ آپ کو سب بتا دیں گی آئیں میرے ساتھ.....'' اصیل خان کو اب یہی سمجھ میں آئی کہ وہ خود اسے لے کر اندر چلا جائے۔

''کیوں، میں تمہارے ساتھ کیوں جاؤں؟ میں تو تمہیں نہیں جانتی۔'' مہر جان نے غصے سے کہا پھر سر سے پاؤں تک اصیل خان کو گھورا اور اندر جانے کے لیے قدم بڑھا دیے چند قدم چل کر پھر رک کر اصیل خان کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''وہ بڑے میاں..... تم کون ہو؟'' اصیل خان آہستہ قدموں سے ان کے پیچھے ہی آ رہا تھا۔ ایک دم اپنی جگہ رک گیا پھر سوچا اور بغیر جواب دیے چل پڑا۔ مہر جان آگے بڑھ رہی تھیں اور اصیل خان ان کی تقلید میں چل رہا تھا۔ برآمدے تک پہنچ کر مہر جان نے پھر پلٹ کر دیکھا بلکہ اصیل خان کو سر سے پاؤں تک نظروں سے جیسے تولا۔

''بڑے میاں تم کون ہو؟''

''جی میں آپ کا غلام ہوں۔'' اصیل خان نے ایک گہری سانس لی..... مہر جان یہ جواب سن کر پہلے سے زیادہ حیرت زدہ ہوگئیں۔

''غلام! ارے تم غلام ہو.....؟ اچھا، اچھا تم غلام ہو۔'' یہ کہہ کر وہ پھر چل پڑیں اصیل خان نے ان کی پشت ہوتے ہی جیسے موقع غنیمت جانا اور اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف چل پڑا اس کے قدموں میں تیزی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ مہر جان چلتے چلتے اس سے پھر یہی سوال دُہرائے گی..... اس سے بیشتر کہ مہر جان پلٹ کر اسے دیکھتیں وہ ان کی نظروں سے غائب ہو جانا چاہتا تھا۔

☆☆☆

برہان گھر کے برآمدے میں پلنگ پر لیٹا ہوا اوپر چھت کی طرف گھورے جا رہا تھا..... شبینہ کافی دیر سے نظر نہیں آئی تھی اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی ہوگی..... صبح سے وہ مسلسل مصروف تھی۔ آنے جانے والوں کا رش اب کم ہوتا جا رہا تھا..... جو پہلے سے موجود تھے وہ اپنے، اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ دو تین عورتیں جو کافی دیر سے ٹوہ لینے کے چکر میں تھیں وہ بھی تھک کر آخر کار چلی گئی تھیں اور ان کے ہاتھ کچھ نہیں لگا تھا۔

''کیا کرنا ہوگا.....؟ اب کیا کرنا چاہیے.....؟ ستارہ تو یوں آناً فاناً پردے کے پیچھے چلی گئی جیسے اس کا جنم ہی نہیں ہوا تھا۔ کسی کہانی کے کردار کی طرح جو ذرا دیر کے لیے کہانی کا حصہ بنا تھا..... جو کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔'' وہ نہ جانے کب تک اسی طرح مختلف قسم کی سوچوں میں گم رہا..... اس کی گہری سوچ کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب اس کے کانوں سے ماں کی آواز ٹکرائی۔ وہ گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اس کا خیال تھا کہ وہ خواب آور دوا کے زیرِ اثر صبح تک تو لازمی سوئیں گی..... لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''کیا بات ہے امی.....؟'' وہ ایک دم پلنگ سے اتر کر کھڑا ہوگیا۔

''برہان گھر کے چپے چپے پہ ستارہ کھڑی دیکھ رہی ہے۔'' صابرہ نے خالی، خالی نظروں سے برہان کی طرف دیکھا اور بہت وحشت زدہ آواز میں گویا ہوئی۔

''امی آپ خود کو سنبھالیں۔ امی دیکھیں اگر آپ ہمت ہار دیں گی تو میں اور شبینہ کیا کریں گے۔ امی آپ

ہمارے لیے خود کو سنبھالیں۔'' برہان نے ماں کو کندھوں سے تھام کر بڑے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔

''بیٹا! ستارہ کا آخری دیدار نہیں کیا میں نے، میں نے ابھی تک ستارہ کو نہیں دیکھا جب تک میں اسے نہیں دیکھوں گی مجھے صبر کیسے آسکتا ہے۔'' صابرہ کی بولتے، بولتے آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''امی ستارہ کا پوسٹ مارٹم ہونے کے بعد اسے گھر لاسکیں گے۔'' برہان نے کہا۔

''ہائے میری مظلوم بچی، اب ڈاکٹرز اسے چیریں پھاڑیں گے۔ اس کے باپ نے اس کے ساتھ کیا کم کیا ہے جو رہی سہی کسر یہ ڈاکٹر پوری کریں گے۔ یہ ڈاکٹر مرے ہوئے انسان کے ساتھ قسائیوں جیسا سلوک کیوں کرتے ہیں بیٹا.....! پتا تو ہے سب کو کہ باپ نے اپنی بچی کی جان لے لی ہے.....اب کیا کھوج لگائیں گے، کیا ڈھونڈیں گے اس کے مردہ جسم میں!'' صابرہ دیوانہ وار کہہ رہی تھی۔

برہان نے بے اختیار ماں کو گلے سے لگالیا۔ صابرہ کے ایک، ایک لفظ نے جیسے اس کے دل میں سوراخ کردیے تھے۔

''امی، میری پیاری امی، دیکھیں ہمیں ایک دوسرے کو سہارا دینا ہے۔ امی ایک قیامت آئی اور آکر چلی گئی مگر ہم تو زندہ ہیں، ہمیں تو آخر کار صبر سے ہی کام لینا ہے۔'' اس نے ماں کو جیسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کہاں چلی گئی بیٹا.....قیامت.....قیامت تو اب عمر بھر کے لیے ٹھہر گئی ہے۔'' اسی وقت شبینہ گرتی پڑتی چلی آئی اور برہان کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے بولی تھی۔

''یہ تو سو رہی تھیں انہیں کس نے جگا دیا۔ کیسے جاگ گئیں امی، ڈاکٹر تو کہہ رہے تھے کہ امی آٹھ دس گھنٹے سوئیں گی۔'' شبینہ حیرت اور پریشانی کے عالم میں بے ربط بول رہی تھی۔

''ارے ڈاکٹروں کا بس چلے ناں تو مجھے زندگی بھر کے لیے سُلادیں۔ ڈاکٹروں کا نام نہ لینا.....اس وقت تو ہر ڈاکٹر مجھے قسائی دکھائی دے رہا ہے جو میری مظلوم اور معصوم بچی کے جسم پر چیرے لگا رہا ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ کیا نکالنا ہے اس کے مردہ جسم سے.....ارے برہان اسے گھر لے آؤ بیٹا.....اس کا کفن دفن ہو.....میری بچی کو زندگی میں چین نہیں ملا مرنے کے بعد بھی اب تک اس کی روح بھٹک رہی ہے، اسے اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچادو تاکہ میری بچی سکون سے سو جائے۔'' صابرہ یوں بول رہی تھی جیسے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔ وہ اپنے ہوش میں نہ ہو۔

''آئیں امی آپ لیٹ جائیں اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کریں۔'' برہان نے بہن کی طرف دیکھا اور پھر ماں کو اپنے بازوؤں میں لے کر بولا۔

''نہیں، نہیں، میں نہیں لیٹوں گی اور اب کوئی گولی نہیں کھاؤں گی۔ برہان میں نہیں سونا چاہتی۔ میں اپنی بچی کی شکل دیکھنا چاہتی ہوں، مجھے اس کی مغفرت کے لیے دعائیں کرنی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ برہان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شبینہ نے بھی بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھنے لگی۔

برہان ماں کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر ان کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن شبینہ ان دونوں کو جاتا دیکھ رہی تھی۔ اس کے اپنے دل میں پریشانیاں اور حیرتیں بال کھولے ناچ رہی تھیں۔ گھر کے جس کونے میں نظر جاتی تھی ستارہ کھڑی نظر آتی تھی۔ پاؤں پٹختی ہوئی جھنجلاتی ہوئی اور کبھی کھلکھلا کر ہنستی ہوئی۔

☆☆☆

جابر علی سر جھکائے لاک اپ کے فرش پر بیٹھا ہوا تھا چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پولیس اسٹیشن کے لاک اپ میں شام ڈھلتے ہی ایسی خاموشی چھا جاتی ہے جیسے ہر قیدی سانس روک کر اپنی سزا سننے کا منتظر ہو.....اسی گہری خاموشی میں اس نے بھاری بوٹوں کی آواز سنی تو وہ اپنے گہرے خیالات سے ایک دم باہر آگیا اور متجسس نظروں سے اُدھر دیکھا جدھر سے بوٹوں کی آواز آرہی تھی لیکن اس کی آنکھوں کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ گہری سوچ کا تاثر زائل ہوگیا اور اس کی آنکھوں سے نفرت کے سوتے پھوٹ پڑے سامنے ایس پی شاہ زمان خان آکھڑا ہوا تھا۔ اسے سامنے پاکر بھی جابر علی اٹھ کر کھڑا نہ ہوا۔

''جابر علی میں تم سے بہت ضروری بات کرنے آیا ہوں، تم غور سے میری بات سننا۔'' ایس پی شاہ زمان خان نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں جابر علی کو مخاطب کیا۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی اب میرا اور تمہارا بات چیت کا کوئی رشتہ نہیں.....اپنی شکل گم کرو۔'' جابر علی جو سالوں سے ایس پی کی ماتحتی میں کام کر رہا تھا جونیئر تھا آج اس نے سلیوٹ کرنے کے بجائے.....اس بری طرح سے ذلیل کیا تھا کہ سلیوٹ کے عادی شاہ زمان خان پر جیسے کڑی گزر گئی اس نے بڑی مشکل سے اپنے کھولتے ہوئے لہو کو قابو کرنے کی کوشش کی کہ کہیں لہو اس کی رگوں سے نہ پھوٹ پڑے۔

''میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ کل تم مجسٹریٹ کے سامنے وارث علی کا نام نہیں لوگے۔ صرف اعترافِ جرم کروگے۔''

''مجھے لاک اپ میں آنے سے پہلے ڈرنا چاہیے تھا شاہ زمان خان.....اب مجھے کس بات سے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو.....جبکہ پھانسی کا پھندا میرے سامنے جھول رہا ہے۔ جس ایمانداری کی وجہ سے آج یہاں پہنچا ہوں، موت قبول کیا ہے وہ ایمانداری قبر میں بھی میرے ساتھ جائے گی۔ تم آج تک اپنی مرضی کا کام مجھ سے نہیں کروا سکے۔ اب تو میں تمہارے اختیار میں نہیں ہوں۔ چلے جاؤ یہاں سے۔'' جابر علی نے اس لب و لہجے میں شاہ زمان خان سے بات کی جس لب و لہجے میں وہ اپنے گھر والوں اور جونیئر سے بات کرتا تھا۔

''زیادہ ولی اللہ بننے کی کوشش مت کرو جابر علی ابھی تمہارے دو بچے زندہ ہیں۔'' شاہ زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''بلیک میل ہُوا نہ کبھی ہوں گا۔ مجسٹریٹ کے سامنے کئی اہم رازوں سے بھی پردہ اٹھاؤں گا۔'' جابر علی نے بھی اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا اس وقت اسے یاد نہیں رہا کہ وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے بات کر رہا ہے۔

''تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جابر علی۔'' شاہ زمان خان نے مذاق اڑانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

''تو پھر تم میرے پاؤں چھونے میرے پاس کیوں آئے ہو جب کوئی ڈر خوف نہیں تو جا کر آرام کرو اور حرام کے مال سے اپنا پیٹ بھرو اور پھر لمبی تان کر سو جاؤ۔'' جابر علی نے اسے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جیسے وہ ابھی کے ابھی سارے بدلے لے لینا چاہتا ہو۔

''دیکھ لو جابر علی ایک بیٹی اور بھی ہے۔'' اس دفعہ شاہ زمان خان کے لہجے میں واضح دھمکی تھی۔

''کل تمہاری یہ دھمکیاں بھی ریکارڈ کراؤں گا۔'' جابر علی نے شاہ زمان کی طرف پشت کرلی۔ شاہ زمان خان نے اسے سر سے لے کر پاؤں تک نظروں سے تولا اور پھر انتہائی تلخ اور طنزیہ لہجے میں گویا ہوا۔

''جابر علی بندھے ہاتھوں سے زمین پر پڑی تلوار دیکھتے رہو۔ ہم تمہیں بیان ریکارڈ کروانے نہیں

دیں گے۔‘‘

یہ سن کر بھی جابر علی نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ شاہ زمان خان نے چند لمحے جابر علی کی پشت کی طرف دیکھا پھر واپس ہوگیا۔ اس کے بوٹوں کی آواز سے جابر علی نے اندازہ لگایا کہ وہ واپس جارہا ہے۔ بوٹوں کی آواز غائب ہوتے ہی وہ پلٹا اور اس نے لاک اپ کی سلاخیں دونوں ہاتھوں سے سختی سے یوں تھام لیں جیسے اکھاڑ کر پھینک دے گا۔

☆☆☆

’’یار! یہ تو بڑا مسئلہ ہوگیا۔‘‘ کائناز بڑی پریشانی کی کیفیت میں روما سے کہہ رہی تھی...... ’’ہمارا کل کتنا امپورٹنٹ ویک ہے سر کو بھی پتا تھا لیکن وہ پتا نہیں کہاں غائب ہوگئے۔ فون بھی بند کیا ہوا ہے۔ دادا جان نے سونے سے پہلے تک انہیں ٹرائی کیا لیکن فون بند ہی ملا۔‘‘

’’پتا نہیں کہیں بے چاروں کی طبیعت خراب نہ ہوگئی ہو۔‘‘ روما نے اپنے لہجے میں جی بھر کر ہمدردی سموتے ہوئے کہا۔

’’ہاں ممکن ہے لیکن اگر طبیعت بھی خراب ہوتی تو وہ فون کر کے بتا سکتے تھے کہ میری طبیعت خراب ہے آج میں نہیں آسکوں گا۔ خود بھی فون کر کے نہیں بتایا اور اپنا فون بھی بند کیا ہوا ہے، مجھے تو پریشانی ہورہی ہے۔‘‘ کائناز اسی طرح فکرمندی کی کیفیت میں بولے چلی جارہی تھی۔

’’اب چھوڑو، رات ہوگئی ہے اس سے پہلے بھی تو سر کے بغیر ہم ٹیسٹ دیتے رہے ہیں جیسے تیسے پاس ہوجاتے ہیں اللہ مالک ہے۔‘‘ روما نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائی لیتے ہوئے کہا تھا۔

’’سچی سچی بتاؤ روما...... تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہورہی؟‘‘ کائناز نے بڑے غور سے روما کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’یار مجھے سر سے پڑھتے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ ان کے بغیر بھی تو گزارہ ہورہا تھا۔ اب میں خواہ مخواہ پریشان ہونے لگوں ابھی تک سر کے بغیر ہی میرا گزارہ ہورہا تھا ناں ایک دو دن ان سے پڑھنے سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔‘‘

’’ہوں! تمہاری بات بھی ٹھیک ہے لاجیکل ہے، سمجھ میں آتی ہے۔ مگر مفت میں ٹینشن تو ہوگئی ناں۔‘‘ کائناز برا سا منہ بنا کر بولی۔

’’اب یہ تمہارا شوق ہے۔‘‘ روما نے کہا اور جمائی لیتے ہوئے لیٹ گئی۔

’’ہاں ٹینشن لینے سے بھی کیا فائدہ...... شاید کل سر کا فون آجائے اور نہ آنے کی وجہ بتادیں۔‘‘ کائناز نے روما کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔

’’تم نے جتنی دیر ان کے نہ آنے پر غور کیا ہے اتنی دیر میں تم لیکچر دُہرا لیتیں ناں تو شاید تمہیں زیادہ فائدہ ہوجاتا۔ اب سو جاؤ کائناز بی بی مجھے بہت نیند آرہی ہے۔‘‘ روما نے کروٹ لیتے ہوئے کہا تو کائناز بھی بڑی فرمانبرداری سے لیٹ گئی جیسے وہ روما کے کہنے کا ہی انتظار کررہی تھی۔

☆☆☆

شاہ عالم حسبِ معمول نماز اور تلاوتِ قرآن کے بعد لان میں بیٹھے ہوئے صبح کے تازہ اخبار کا مطالعہ کررہے تھے...... اخبار کے فرنٹ پیج پر نیچے کی طرف ان کی ایک خبر پر نظر پڑی انہوں نے اس خبر پر اسی طرح

ایک سرسری نظر ڈالی جس طرح معمول کی خاص خاص خبروں پر نظر پڑ جاتی ہے۔ خبر ان کے سامنے تھی۔

’’انسپکٹر جابر علی کے ہاتھوں بیٹی کا قتل......‘‘ شاہ عالم کے حساب سے یہ وہ خبر تھی جو کچھ عرصے کے بعد مختلف ناموں کے ساتھ سامنے آجایا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ یہ واقعات معمول کا حصہ بن گئے تھے لیکن انہوں نے جب ہیڈ لائن سے نیچے والی سطر پر نظر دوڑائی تو چونک پڑے۔ ’’انسپکٹر جابر علی کے بیٹے برہان کا اسپتال کے باہر اخباری نمائندوں سے بات کرنے سے انکار۔‘‘ اس سے نیچے والی لائن تھی۔ ’’انسپکٹر جابر علی کا بیٹا برہان اخباری نمائندوں کے کسی سوال کا جواب دیے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ اس واقعے کے بارے میں کوئی واضح خبر سامنے نہیں آئی۔ شبہ کیا جارہا ہے کہ شاید بدچلنی کے شبے میں باپ نے بیٹی کو قتل کیا ہے۔‘‘

شاہ عالم، برہان کا نام پڑھ کر بری طرح چونک پڑے تھے ان کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

’’برہان...... کیا برہان کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہے، اس نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ اس کا باپ پولیس آفیسر ہے۔ نہیں، نہیں...... اللہ نہ کرے بڑا نیک بچہ ہے۔‘‘ شاہ عالم جیسے اندر سے کانپ کر رہ گئے۔ وہ ذہن میں آنے والے خیال سے ہی خوفزدہ ہوگئے...... تو بہ استغفار کرنے لگے کہ ان کا ذہن برہان کی طرف کیوں چلا گیا...... ’’یہ بھی تو ہوسکتا ہے برہان نام کا کوئی اور لڑکا ہو اور اس کا باپ بھی پولیس میں ہو...... اتنا شریف اور نیک بچہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کا بیک گراؤنڈ ایسا ہو۔‘‘ ان کے ذہن نے جیسے اپنے خیال کو جھٹلانے کے لیے پورا زور لگا دیا تھا۔ اس کے باوجود ایک عجیب سی فکرمندی نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

دل کہہ رہا تھا کہ برہان کو فون کرنا چاہیے کم از کم تسلی تو ہوجائے گی کہ یہ وہ برہان نہیں جس کے باپ کی خبر

اخبار میں لگی ہے۔ ان کی توجہ اخبار سے بالکل ہٹ گئی تھی۔ جیسے انہیں اس تازہ اخبار کی خبروں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے اخبار جتنا پڑھا تھا وہیں پر چھوڑ دیا پھر اپنا فون ہاتھ میں لے کر وہ تردّد کا شکار ہو گئے آیا برہان کو فون کریں یا نہیں...... اگر اس نے کال ریسیو کر لی تو اس سے کیا بات کریں گے؟ کیا پوچھیں گے؟ یہی کہ...... آج اخبار میں خبر لگی ہے اس کا نام بھی آیا ہے، کیا وہ وہی برہان ہے؟ مگر اس طرح سے پوچھنا تو بہت معیوب بات ہے اگر یہ وہ برہان نہیں تو شرمندگی ہوگی...... کیا سوچے گا وہ؟ کہ میں نے اس کے بارے میں...... کیا کچھ سوچ لیا...... وہ اسی طرح ذہنی خلفشار کا شکار چند لمحے الجھتے رہے...... جب کسی پل چین نہ پڑا تو بالآخر برہان کا نمبر ملا ہی لیا۔

کل رات تک تو وہ برہان سے رابطہ کرنے کی کوششیں کرتے رہے تھے مگر رابطہ نہیں ہوا تھا اس کا نمبر مسلسل بند مل رہا تھا وہ کائناز کے اصرار پر اس کے نہ آنے کی وجہ پوچھنا چاہ رہے تھے لیکن اس وقت ان کی آنکھوں میں جوش وخروش کی کیفیت پیدا ہوئی کیونکہ رِنگ جا رہی تھی۔ وہ ایک دم مستعد ہو کر بیٹھ گئے اور ان الفاظ کو ترتیب دینے لگے جو انہوں نے برہان کے ساتھ گفتگو میں استعمال کرنا تھے۔

بیل جاتی رہی پھر اس کے بعد ریکارڈنگ شروع ہو گئی...... ”آپ کے نمبر سے جواب وصول نہیں ہو رہا برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کیجیے۔“

شاہ عالم نے مایوسی کی کیفیت میں ایک نظر فون پر ڈالی اور کچھ سوچنے لگے۔

”اُف! یہ آج صبح صبح کیسی خبر سامنے آ گئی۔ کیا ناشتا؟ کیا کھانا؟ کیا آرام...... اللہ کرے یہ وہ برہان نہ ہو۔“ انہوں نے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا کی۔ جیسے انہیں خوف محسوس ہو رہا ہو کہ اگر یہ وہی برہان ہوا تو نہ جانے کتنی بڑی قیامت برپا ہو جائے گی۔

چند لمحے سوچنے کے بعد انہوں نے پھر اخبار اٹھا لیا اور اسی خبر پر نظر ڈالنے لگے۔ اب ان کی نظریں خبر کی تفصیل پر تھیں۔ تفصیل میں جابر علی کی بیٹی کا نام ستارہ لکھا ہوا تھا۔ شاہ عالم کو تو سوائے برہان کے اس کے کسی گھر والے کا نام نہیں معلوم تھا۔ باپ کا بھی نام نہیں صرف کام معلوم تھا۔ اس سے زیادہ انہیں کوئی معلومات نہیں تھیں۔ ان کی عادت ہی نہیں تھی کہ غیر متعلقہ کھوج کرتے یا وہ تفصیلات حاصل کرنے کی کوشش کرتے جو اُن کے نزدیک غیر ضروری تھیں۔ وہ اس بری طرح الجھ گئے تھے کہ انہیں ہوش ہی نہیں رہا کہ تینوں بچیاں ناشتے کی میز پر ان کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ انہوں نے خبر پر پھر نظر دوڑائی اور یوں تھکے تھکے انداز میں اخبار میز پر رکھا جیسے ان کے اعصاب شل ہو رہے ہوں۔

☆☆☆

برہان بڑی عجلت کے انداز میں اپنی الماری سے شرٹ نکال کر پہن رہا تھا کہ شبینہ اندر چلی آئی۔ برہان نے خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جو مسلسل جاگنے کی وجہ سے اس وقت برسوں کی مریضہ دکھائی دے رہی تھی اس کے ہاتھ میں برہان کا موبائل تھا۔

”بھائی وہ ساتھ والی ثمینہ آنٹی ناشتا لے کر آئی ہیں بہت اصرار کر رہی ہیں کہ تھوڑا بہت کھا لیں۔ آپ کو بلا رہی ہیں۔“

”شبینہ میں اس وقت اسپتال جا رہا ہوں۔ مجھے پتا ہے ابھی وہ بہت ٹائم لیں گے لیکن میری تسلی ہو جائے گی۔“

”بھائی آنٹی کہہ رہی ہیں کہ ناشتا میں اپنے ہاتھ سے بنا کر لائی ہوں، آپ لوگوں کو تھوڑا بہت کھانا پڑے گا۔ یہ آپ کا موبائل ہے۔ آپ کے فون پر رِنگ ہو رہی تھی مگر میں نے کال ریسیو نہیں کی۔“ برہان نے ہاتھ بڑھا کر اپنا موبائل لے لیا اور یوں گویا ہوا جیسے بکھرے ہوئے ذہن کو بڑی مشکل سے سمیٹ کر بات کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”شبینہ، آنٹی سے میری طرف سے سوری کہہ دو۔ یقین کرو، میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا...... بھوک، پیاس کا احساس ہی نہیں ہے...... ذہن پتا نہیں کہاں...... کہاں گھوم رہا ہے۔“

”لیکن بھائی اس طرح سے تو گزارہ نہیں ہوگا بغیر کھائے پیے انسان کب تک زندہ رہ سکتا ہے۔“ شبینہ بڑی دلسوزی سے گویا ہوئی۔

”ہاں تم کر لو ناں ناشتا، تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔ بلکہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ امی کو بھی کچھ کھلا دو۔“

”آپ بیٹھ جائیں بھائی تھوڑا بہت لے لیں۔ شاید امی بھی کچھ کھا لیں آپ کی خاطر کیونکہ انہوں نے بھی منع کر دیا ہے بلکہ وہ تو کھانے کے نام سے ہی ناراض ہونے لگیں کہ تمہیں کھانے پینے کی پڑی ہوئی ہے۔ ارے مجھے بھوک ووک کہاں لگ رہی ہے کہ میرا دھیان کھانے پینے کی طرف جائے...... جاؤ تم لوگ میرا پیچھا چھوڑ دو...... کوئی میرے پاس نہ آئے۔ امی کی حالت ٹھیک نہیں ہے بھائی آپ انہیں چھوڑ کر اسپتال نہیں جائیں۔ اسپتال جانے کا فائدہ کیا ہے؟“

”لیکن شبینہ! اگر میں وہاں نہیں گیا...... تو تمہیں نہیں پتا وہ لوگ اور ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی مظلوم بہن کو اس کے اصلی ٹھکانے پر جلد سے جلد پہنچا دوں۔“ اتنا کہہ کر اس نے یوں ہی سرسری سی نظر اپنے موبائل پر ڈالی اور آنے والی مس کالز دیکھیں تو چونک پڑا۔

”شاہ صاحب! شاہ صاحب نے کیوں صبح، صبح فون کیا...... کل تو میرا موبائل بند تھا مگر اب مجھے وہاں نہیں جانا...... کیا منہ لے کر جاؤں اب یہ وہ منہ ہی نہیں جو کسی کو دکھاؤں۔“

”یہ شاہ صاحب کون ہیں؟“ شبینہ نے اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے سوال کیا۔ ذہن پر زور ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ اسے یہ نام سنا سنا سا لگ رہا تھا۔ شاید برہان نے ہی فون پر بات کرتے ہوئے ان کا نام لیا تھا۔

”میں جہاں ٹیوشن دینے جاتا ہوں...... یہ ان صاحب کا نام ہے۔ ان کی پوتی کو پڑھاتا ہوں۔“ برہان نے اپنی شرٹ کا آخری بٹن بند کرتے ہوئے اب بہن کی طرف رخ موڑا اور گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

”تو بھائی آپ اب ٹیوشن نہیں پڑھائیں گے؟“

”نہیں، میں گڑھے کھودنے کی مزدوری کر لوں گا لیکن شریفوں کے سامنے بیٹھ نہیں سکوں گا۔ نظریں نہیں ملا سکوں گا اور اب میں اس قابل ہی کہاں ہوں جو کسی کو پڑھا سکوں......“ برہان نے ایسے لہجے میں بات کی کہ شبینہ کو یوں لگا جیسے اس کی رگ رگ میں انگارے اتر رہے ہوں۔ وہ جل کر بھسم ہو رہی ہو۔ درد مشترک تھا مگر برہان نے درد کو الفاظ دے دیے تھے جو ابھی تک وہ منہ سے نہیں نکال پائی تھی۔ برہان اس سے پہلے کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ اپنی جگہ ایستادہ تھی۔

☆☆☆

”دادا جان آج آپ صبح صبح اتنے سیریس کیوں نظر آ رہے ہیں؟ خیر تو ہے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟“ کائناز، رابی اور روما، شاہ عالم کے ساتھ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر... موجود تھیں۔ نوکر ناشتے کے

لوازمات ان کے آگے رکھ رہا تھا۔ شاہ عالم گم صُم کھوئی کھوئی کیفیت میں اپنے آس پاس سے بار بار یوں بے خبر ہو جاتے تھے کہ خاص طور پر کائناز کو نوٹس لینا پڑا۔ اس سے شاہ عالم کی یہ کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ کائناز بولی تو انہیں ایک دم احساس ہوا کہ وہ اپنے چہرے سے پریشانی کی کیفیت ظاہر کر رہے ہیں۔ بڑی مہارت سے انہوں نے خود کو سنبھالا اور زبردستی مسکرائے۔

''بیٹا! کبھی کبھی سیریس ہونا بھی صحت کے لیے بہت اچھا ہے۔'' وہ اپنی طرف سے شگفتہ انداز میں بات کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کائناز کے تبصرے پر رابی اور روما نے بھی شاہ عالم کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ رابی حسبِ معمول صرف پورج باؤل میں لیے آہستہ آہستہ چمچ سے کھا رہی تھی جبکہ روما مارجرین سلائس پر لگا کر چائے میں ڈبو ڈبو کر کھانے میں مگن تھی۔

کائناز اور شاہ عالم کے درمیان ہونے والی بات نے اس کے کام میں بھی تعطل پیدا کیا۔ وہ سلائس ہاتھ میں لیے باری باری دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔

''بیٹا...... آپ ناشتا کریں، آپ کو دیر ہو رہی ہے۔'' شاہ عالم نے روما کو ٹوک دیا...... روما نے جلدی سے اپنا سلائس پھر چائے کے کپ میں ڈبویا اور بولی۔

''کائناز...... تمہیں تو دادا جان سے بہت پیار ہے اسی وجہ سے تم ان کی چھوٹی سے چھوٹی کیفیت کا نوٹس لیتی ہو۔ دادا جان ٹھیک ہیں تمہیں بس یونہی کچھ محسوس ہوا ہوگا۔''

''اب تم لوگ تبصرے بند کرو، باتیں ختم، لیٹ ہو رہی ہو۔'' رابی نے کائناز اور روما کو احساس دلایا کہ وہ کالج جانے کے لیے جلد تیار ہو جائیں لیٹ ہو رہی ہیں۔

''ہاں بیٹا تم لیٹ ہو رہی ہو رابی ٹھیک کہہ رہی ہے جلدی سے ناشتا ختم کرو کالج کے لیے روانہ ہو، تم بتا رہی تھیں ناں کہ آج تمہارا میتھس کا ٹیسٹ ہے۔''

''اُف......! کیا یاد دلا دیا ناشتا تو پورا کرنے دیتے۔ میری تو تیاری بھی کچھ خاص نہیں ہے بہت ٹینشن میں ہوں۔''

''دادا جان یہ رات سے یہی بات کہے جا رہی ہے میں ٹینشن میں ہوں، میں اسے کہہ رہی ہوں کہ تم نے سر سے کتنے دن پڑھا ہے آخر تم سر کے آنے سے پہلے بھی تو ٹیسٹ دیتی رہی ہو کوئی پہلی دفعہ دو گی کیا......؟ لگتا ہے کہ جن کے پاس ٹینشن نہیں ہوتی انہیں ٹینشن لینے کی عادت ہو جاتی ہے۔''

☆☆☆

احمر کے ہاتھ میں انگریزی اخبار تھا، وہ آج یونیورسٹی وقت پر آ گیا تھا اس لیے کہ آج اسے لائبریری میں کچھ ضروری کتابیں تلاش کرنا تھیں۔ وہ لائبریری میں آیا تو اس وقت لائبریری بالکل خالی تھی۔ لائبریرین کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ احمر نے شیلف کی طرف جانے کے لیے قدم بڑھائے تو صبح کے تازہ اخبارات پر اس کی نظر پڑی اس نے یونہی سرسری سا جائزہ لینے کے لیے ایک اخبار اٹھایا تو سائڈ میں ایک چھوٹا سا حاشیہ نظر آیا۔ جابر علی کی تصویر کے ساتھ خبر شائع ہوئی تھی۔ احمر اپنی جگہ پر جیسے پتھر کا ہو گیا، وہ جابر علی کا چہرہ کیسے بُھلا سکتا تھا! اس رات جب وہ فائزہ اور امی کو شبینہ کے گھر لے کر گیا تھا تو اس نے جابر علی کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ گھر میں داخل ہونے سے پہلے جس طرح کڑے تیور اور کھوجتی ہوئی شک آلود نظروں نے اس کا جائزہ لیا تھا ایک لمحے کے لیے تو اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ

کوئی وارداتیا ہو اور کوئی بڑی سی واردات کر کے یہاں چھپا ہوا ہو اور نظروں میں بالآخر آ گیا ہو۔ اس کا ذہن اپنے اسائنمنٹ اور کتابوں سے یکسر ہٹ گیا اس نے بے اختیار اپنے شرٹ کی جیب پر ہاتھ رکھ کر موبائل کے اپنی جگہ ہونے کی تسلی کی کیونکہ خبر کے ساتھ ہی فائزہ کی شکل اس کے سامنے آ گئی تھی۔ فائزہ کے حوالے ہی سے تو وہ جابر علی اور شبینہ تک پہنچا تھا۔ شبینہ جس کا جھینپا، جھینپا، سہا، سہا روپ احمر کو اتنا بھایا تھا کہ اپنے سرکل میں موو کرنے والی ہر لڑکی اسے شبینہ کے سامنے پانی بھرتی ہوئی محسوس ہوتی تھی یا پھر اس نے تصنع سے بھری ہوئی دنیا میں آنکھ کھولی تھی اور دن اور رات تصنع اور ملمع کاری دیکھتے دیکھتے اس کی طبیعت اوبھ گئی تھی وہ شبینہ کی تلاش میں کہیں دور تک نہیں گیا بلکہ شبینہ تو اسے اسی دائرے میں کھڑی نظر آ گئی تھی جو دائرہ قدرت نے اس کے اردگرد کھینچا تھا۔ وہ جابر علی کی تصویر اور خبر کی طرف نہ جانے کتنی دیر ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا کیونکہ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا کہ اسے کسی قسم کا کوئی شک نہیں تھا کہ یہ جابر علی نہیں ہے پھر نام بھی تو نیچے لکھا ہوا تھا۔ اس نے پھر اپنی شرٹ کی جیب پر ہاتھ رکھا جیسے اب وہ موبائل نکالنا چاہتا تھا اور فائزہ سے رابطہ کرنا چاہتا تھا کہ خیال آیا کہ فائزہ تو کالج میں ہوگی۔ یہ کیا ہو گیا......؟ یہ تین لفظ تھے جو بگولوں کی صورت میں اس کے اردگرد ناچنے لگے...... ان تین لفظوں کے علاوہ کوئی چوتھا لفظ اس کے ذہن میں داخل نہیں ہو پا رہا تھا۔

''بھائی کیا کہہ رہے ہیں؟'' فائزہ پر تو جیسے چٹان آ گری تھی۔ آنکھیں پھاڑے موبائل کان سے لگائے بڑی بے اختیاری کیفیت میں پوچھ رہی تھی۔

''اب پتا نہیں فائزہ یہ وہی انسپکٹر جابر علی ہیں یا کوئی اور مگر تم شبینہ کے گھر فون کر کے پتا تو کرو...... کیا وہ آج کل کالج آ رہی ہے؟'' احمر گم صم کھوئی کھوئی کیفیت میں سوال کر رہا تھا۔

''بھائی وہ پرسوں تو آئی تھی مگر کل اور آج نہیں آئی......'' فائزہ نے فکرمندی سے اٹک اٹک کر یوں جواب دیا جیسے لفظوں کو پکڑ پکڑ کر اپنے قابو میں کر رہی ہو۔ بڑی عجیب کیفیت تھی اس کی۔

''تم اس وقت کہاں ہو گھر پر یا کالج؟''

''بھائی ظاہر ہے اس وقت میں کالج میں ہوں۔''

''اوہ اچھا......! اصل میں...... مجھے نیوز پڑھ کر بہت شاک لگا اس لیے فوراً فون تمہیں ملایا کہ شبینہ نے خود تمہیں فون کر کے خدانخواستہ اس حادثے کی اطلاع تو نہیں دی؟''

''اللہ نہ کرے بھائی! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں اللہ کرے یہ کوئی اور انسپکٹر جابر ہو اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو شبینہ مجھے ضرور بتاتی لیکن...... وہ آج بھی کالج نہیں آئی۔ اس وجہ سے عجیب، عجیب سے خیالات تو آ رہے ہیں...... خیر میں اس کو فون کر کے پتا کرتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے...... بہرحال...... جو بھی خبر ہو مجھے ضرور بتا دینا، میں انتظار کر رہا ہوں۔''

''جی بھائی مجھے جیسے ہی...... وہاں سے کوئی اچھی نیوز ملتی ہے۔ اللہ کرے اچھی ہی ہو...... میں آپ کو ضرور بتاؤں گی...... ورنہ آپ پریشان ہوتے رہیں گے۔ ٹھیک ہے بھائی...... خدا حافظ!'' یہ کہہ کر فائزہ نے اپنی طرف سے فون بند کر دیا تھا کیونکہ اسے شبینہ سے رابطہ کرنے کی جلدی تھی۔

فون بند کرتے ہی اس نے شبینہ کے گھر کا نمبر ڈائل کیا کیونکہ شبینہ کے پاس موبائل فون تو تھا نہیں...... چند لمحے وہ یہ بات سوچتی رہی اور فائزہ کے دل کی دھڑکن تیز سے تیز ہونے لگی۔ جیسے ہی کال ریسیو ہوئی۔

فائزہ نے اپنے دل پر یوں ہاتھ رکھا جیسے وہ سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آنے کی کوشش کر رہا ہو پھر اپنا لہجہ نارمل بنانے کی کوشش کی۔

''ہیلو......!'' وہ جاننا چاہتی تھی کہ کال کس نے ریسیو کی ہے۔ دوسری طرف سے شبینہ ہی کی آواز ابھری۔

''ہاں! فائزہ میں شبینہ بات کر رہی ہوں۔'' شبینہ کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ خوشی، غم کسی قسم کا تاثر اس کے لہجے سے واضح نہیں تھا۔

''ہاں! شبینہ آج پھر تم کالج نہیں آئیں؟ ایک تو تم چھٹیاں اتنی کرنے لگی ہو پہلے بھی تمہارا اتنا ہرج ہوا ہے مجھے تو تمہاری فکر ہو گئی ہے...... کہ ایگزام کیسے دو گی؟ اور دیکھو ایگزام بھی سر پر کھڑے ہیں۔'' فائزہ اپنے لہجے سے کھوج کا تاثر چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اور بڑے نارمل انداز میں شبینہ سے بات کر رہی تھی۔

''بس......! فائزہ قسمت میں جتنی پڑھائی تھی ہو گئی۔'' شبینہ نے عجیب و غریب لہجے میں جواب دیا تھا۔ یہ فائزہ کے لیے ایک بہت بڑا دھما کا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہو شبینہ......؟ اللہ اللہ کر کے تو تم نے کالج آنا شروع کیا تھا۔ اب پھر الٹی سیدھی باتیں کرنے لگیں...... یار کیا مسئلہ ہے اگر تمہارے ابو نے نہیں پڑھانا تھا تو پھر تمہیں ایڈمیشن ہی کیوں دلوایا تھا؟'' فائزہ پریشان ہو گئی تھی لیکن کوشش کر رہی تھی کہ اگر کوئی خاص یا اہم بات ہے تو اس کی اطلاع شبینہ کی طرف سے ہی آئے۔ وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کرے۔

''فائزہ ہمارے گھر میں قیامت آ چکی ہے۔ باقی دنیا میں پتا نہیں کب آئے گی...... لیکن ہمارے حصے کی قیامت برپا ہو چکی ہے اب یوں لگ رہا ہے جیسے بس مر کے دوبارہ جی اٹھیں گے اور حساب کتاب دینا شروع کر دیں گے۔'' اتنا کہہ کر شبینہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فائزہ کے اوسان جاتے رہے۔ وہ جو طفل تسلیاں اپنے آپ کو دے دے کر شبینہ سے بات کا آغاز ہوا تھا وہ طفل تسلیاں جھوٹی ہی ثابت ہوئیں۔ کچھ تو ایسا تھا جو اندیشوں کے قریب، قریب تھا۔

''شبینہ رو مت مجھے بتاؤ تو سہی کیا ہوا ہے؟'' احمر کی دی ہوئی خبر میں جتنے الفاظ تھے وہ سانس روک کر نئے سرے سے جیسے گننے لگی۔ شبینہ کی سسکیاں اس کے کان کے پردے سے ٹکرا رہی تھیں اور اس کا دل نیچے کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ رہے تھے کہ جانے شبینہ کیا کہے؟ کیا کوئی نئی اطلاع یا پھر وہی جو ابھی چند منٹ پہلے احمر دے چکا تھا۔

''فائزہ میں تم سے فون پر زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ مجھ سے بات نہیں ہو پا رہی یوں سمجھو کہ میرا ذہن بالکل ماؤف ہے۔ بس تمہارے لیے ایک بری خبر ہے کہ ستارہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔ میں تم سے بعد میں بات کروں گی فائزہ...... اس وقت مجھ سے بات نہیں ہو رہی۔'' یہ کہہ کر شبینہ نے اسی طرح روتے ہوئے سسکیوں کے درمیان فون بند کر دیا تھا۔

فائزہ چند لمحے تو جیسے پتھر کا بت بن کر رہ گئی ہو...... کچھ دیر اسی کیفیت میں کھڑے، کھڑے جب اسے دائیں بائیں سے کچھ طالبات کے تیز تیز بات کرنے کی آواز آئی تو جیسے اس کا سکتہ ٹوٹ گیا۔ پہلا خیال اسے یہی آیا کہ احمر بڑی بے چینی سے اس کے فون کا انتظار کر رہا ہوگا۔

وہ مرے مرے قدموں سے اس طرف بڑھی جدھر اسے ایک سنگی بینچ خالی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے

کالج کے بڑے سے لان میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ کچھ طالبات ٹولیوں کی صورت میں اِدھر اُدھر بیٹھی تھیں کچھ پڑھ رہی تھیں اور کچھ باتیں کر رہی تھیں۔ ساری دنیا جیسے اپنے معمولات میں مشغول تھی کسی کو خبر نہیں تھی کہ اسی کالج میں پڑھنے والی ایک لڑکی کے ساتھ کوئی بہت بڑا حادثہ پیش آچکا ہے۔ وہ گرنے کے انداز میں سنگی بینچ پر بیٹھ گئی اور بھائی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆☆☆

فائزہ اور احمر جس وقت جابر علی کے گھر میں داخل ہوئے جو کچھ انہوں نے دیکھا...... دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

شبینہ کے بال بکھرے ہوئے تھے آنکھیں رو رو کر سوج چکی تھیں، ہونٹ اتنے خشک دکھائی دیے کہ ہونٹوں کی اصلی رنگت غائب ہو چکی تھی اور سفید پپڑیاں دور سے ہی دکھائی دے رہی تھیں۔ صابرہ فرش پر بچھی دری پر بے ہوش پڑی تھی اور محلے کی چند عورتیں اسے گھیرے ہوئے ہوش میں لانے کی ترکیبیں کر رہی تھیں۔

فائزہ کو سامنے پا کر شبینہ کے جیسے سارے بند ٹوٹ گئے وہ بڑی بے اختیار.. سی کیفیت میں فائزہ کے گلے لگ کر اس بری طرح روئی کہ فائزہ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

احمر چند قدم کے فاصلے پر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ گھر کے اندر مزید آگے بڑھنے کی اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ شبینہ کے آنسو انگاروں کی طرح اس کے دل پر گر رہے تھے۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ آگے بڑھے اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے اشک پونچھ ڈالے۔ اسے وہیں کھڑے کھڑے انکشاف ہوا تھا کہ شبینہ کی اس کی زندگی میں کیا اہمیت ہے۔ ابھی تک تو وہ صرف یہ سمجھتا تھا کہ وہ اسے اچھی لگتی ہے...... کیوں اچھی لگتی ہے؟ یہ سوال وہ اپنے آپ سے بھی کیا کرتا تھا...... لیکن اس وقت اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ شبینہ کی ذات تو اس کی پوری زندگی کا احاطہ کر چکی ہے۔ فائزہ نے جیسے ہی اسے بتایا کہ جو خبر اس نے پڑھی ہے وہ درست ہے، تو احمر چند منٹ بھی اس کے بعد نہیں رکا اور گاڑی لے کر فائزہ کو لینے کالج پہنچ گیا تھا۔

شبینہ کے گھر تک کا فاصلہ دونوں نے بڑی خاموشی سے طے کیا تھا۔ چونکہ دونوں کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس موضوع پر کیا بات کریں صرف حادثے کی اطلاع تھی حقائق سے تو بے خبر تھے۔

''پلیز شبینہ چپ ہو جاؤ کچھ بتاؤ تو سہی یہ سب کچھ کیسے ہوا...... ستارہ کی تو شادی ہو گئی تھی ناں...... ستارہ تو اس گھر سے جا چکی تھی پھر...... پھر کیا ہوا...... مرڈر تو اس کا اس کے گھر میں ہوا ہے ناں...... یہاں پر تو نہیں تھی وہ؟'' شبینہ نے روتے روتے اپنا سر ہلایا۔ آنسوؤں کی روانی میں اس کے الفاظ گم ہو رہے تھے۔

فائزہ کی کسی بات کا جواب دینا اس کے بس میں نہیں تھا۔ احمر کھڑا اسے بے بسی سے دیکھ رہا تھا اور اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا کہ شاید شبینہ کا بھائی یا کوئی ایسا مرد جو گھر میں موجود ہو اسے نظر آجائے تو وہ کوئی بات کرے، تعزیت کرے...... مگر دور دور تک سوائے عورتوں کے اسے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا اور فائزہ، شبینہ کے غم میں اس طرح کھو چکی تھی کہ اسے خیال ہی نہیں تھا کہ بھائی بھی ساتھ آیا ہے۔

''شبینہ آنٹی بے ہوش ہیں...... کب سے بے ہوش ہیں کچھ کرو ناں، کیا آنٹی کو اسپتال لے کر چلیں؟ وہ تمہارے برہان بھائی کہاں ہیں؟'' فائزہ پریشان ہو کر شبینہ سے کہہ رہی تھی۔

''برہان بھائی اسپتال گئے ہوئے ہیں۔'' شبینہ نے بدقت تمام کہا۔

''اسپتال؟'' شبینہ کا جواب فائزہ نے بھی سنا اور احمر نے بھی، فائزہ بول پڑی احمر خاموش تھا۔

”ہاں..... وہ ستارہ کا ابھی پوسٹ مارٹم نہیں ہوا اس وجہ سے بھائی اسپتال میں ہیں۔“

”پوسٹ مارٹم......!“ احمر دور کھڑا اور سوچ رہا تھا۔ اب اسے سو فیصد یقین ہو گیا تھا کہ جو کچھ اس نے اخبار میں پڑھا وہ اسی گھر کی کہانی ہے۔ دکھ کی لہریں اس کی رگِ جاں کو چھیدنے لگیں۔ شبینہ سے ایسا کوئی رشتہ یا تعلق استوار نہیں ہو سکا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر اس سے اپنائیت کی بات کرتا...... اسے تسلی دیتا، ڈھارس بندھاتا...... صبر کی تلقین کرتا۔

شبینہ اپنے غم میں اس بری طرح ڈوبی ہوئی تھی اسے پتا ہی نہیں تھا کہ فائزہ کے ساتھ احمر بھی آیا ہے اور فاصلے پر کھڑا ہوا مسلسل اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔

”لیکن شبینہ آنٹی کو تو اسپتال لے جانا ہوگا ناں مجھے لگ رہا ہے کہ وہ بے ہوش ہیں۔“

”فائزہ، امی ہوش میں آتی ہیں کوئی بات کرتی ہیں پھر روتے روتے بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ کل سے یہی ہو رہا ہے۔“

”کل سے؟“ فائزہ نئے سرے سے حیران ہوئی۔ ”تو یہ حادثہ کل ہوا تھا؟“

”ہاں...... تم بیٹھو فائزہ سوری مجھے تو خیال ہی نہیں رہا......“

”نہیں...... نہیں شبینہ یہ وقت تکلفات کا نہیں ہے تم یہیں بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے کچھ کھایا پیا...... تمہارے لیے پانی لاؤں؟“ شبینہ شدتِ غم سے نڈھال نظر آ رہی تھی۔ عمر چھوٹی اور تجربے کا بھاری پتھر سر پر آن گرا تھا۔ بڑے بڑے دکھوں کا اس نے سنا تھا لیکن عزیز دوست کے دکھ کو اتنے قریب سے دیکھا تھا کہ وہ اپنا ذاتی تجربہ ہی لگ رہا تھا۔

”نہیں تم میری فکر نہ کرو میں بہت ہمت سے کام لے رہی ہوں آخر امی کو بھی سنبھالنا ہے۔“

”انکل کہاں ہیں؟“ فائزہ کے منہ سے بلا سوچے سمجھے ہی نکل گیا۔ شبینہ نے آنسو بھری آنکھوں سے فائزہ کی طرف دیکھا اور یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے ایک دم کسی نے چھری کا وار کیا ہو۔

”شبینہ میرے ساتھ وہ میرے بھائی بھی ہیں گھر میں اگر کوئی مرد ہو تو وہ اس کے ساتھ بیٹھ جائیں گے۔ میں نے تو گھر میں بھی انہیں بتایا کہ میں تمہارے پاس آ رہی ہوں۔ ممی اور پاپا کو...... ابھی تک کوئی خبر نہیں ہے۔“ فائزہ کہہ رہی تھی۔

”کوئی بات نہیں فائزہ...... یہ تو ایسی خبر ہے کہ تم نہیں بھی بتاؤ تو ان تک پہنچ جائے گی۔ سنتے تو یہی ہیں کہ عزت بناتے بناتے زندگی گزر جاتی ہے اور ذلت یوں ایک دم سے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے جیسے ہم نے اس کا ادھار چکانا ہے۔“

صابرہ کی قبل از وقت سن رسیدگی، شبینہ کے ذہن میں اتر چکی تھی۔ ماں سے زیادہ اس کے کوئی قریب نہیں تھا اور ماں کے خیالات جیسے اس کا لباس بن چکے تھے ورنہ اتنی کم عمری میں وہ اتنی بڑی بات نہیں کر سکتی تھی۔

احمر کچھ فاصلے پر کھڑا یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اسے یہ سب سن کر بہت حیرت ہوئی تھی کہ شبینہ اتنی سنجیدہ ہے اتنی بڑی، بڑی باتیں کر سکتی ہے۔

جاری ہے

امانت

رفعت سراج — قسط 15

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے. موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کر دیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں......اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمد خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریک کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو ناقابلِ قبول ہوتا ہے۔ گل جان، رابی کو مہر جان کی دی ہوئی ساڑی دیتی ہے کہ وہ تیار ہو جائے۔ کائناز کہتی ہے تو شاہ عالم اسے روما کے گھر لے جاتا ہے۔ صابرہ کی برہان سے بات ہوتی ہے تو وہ کائناز کے بارے میں پوچھتی ہے۔ سہراب خان رابی کی شکل دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان ایک بار پھر آئی سی یو میں داخل ہو گئی تھیں۔ صابرہ بالآخر ستارہ کو بتاتی ہے کہ شادی اس کی ہو رہی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے تو گل جان کو پتا چلتا ہے کہ ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کر رہا ہے اور وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں جس پر شاہ عالم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ صابرہ، ستارہ کی رخصتی کے بعد بہت روتی ہے کہ ستارہ یہ کہہ کر گئی ہے کہ وہ اب کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی۔ روما فکر مند ہوتی ہے کہ وہ کب تک مہر جان کے سامنے نہیں جائے گی۔ وارث علی اپنی بیوی ستارہ کے انداز دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے وہ بغیر کسی جھجک یا گھبراہٹ کے وارث علی سے بات چیت کر رہی تھی۔ ستارہ، برہان کو فون کر کے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہو گئی ہے اور وہ اس سے ملنے اس کے گھر آ سکتا ہے، گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہو جاتی ہے جب وہ مہر جان سے کہتی ہے کہ اسے لگتا ہے کہ وہ اصیل خان سے محبت نہیں کرتی۔ مہر جان اس بات کی نفی کرتی ہے۔ برہان، ستارہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے تو فون کر کے وارث علی سے ایڈریس سمجھتا ہے وارث علی برہان کی آمد سے تھوڑا پریشان ہو جاتا ہے۔ ستارہ، برہان کو بتاتی ہے کہ اب وہ اس گھر میں کبھی نہیں جائے گی۔ برہان اسے سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر مشکل میں وہ اس کے ساتھ ہے۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ جابر علی، ایس پی سے ولیمے کی بابت دریافت کرتا ہے تو وہ اسے جھوٹی تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے۔ رابی، برہان کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ وہ کون ہے۔ روما، شاہ عالم کے گھر آ جاتی ہے۔ کائناز اسے پڑھنے کے لیے بلاتی ہے تو وہ اگلے دن سے پڑھنے کا کہتی ہے۔ جابر علی، ستارہ کے گھر آتا ہے تو وہ اسے ملے بغیر نوکر سے ایک پرچہ بھجوا دیتی ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ وہ سمجھ لے کہ ستارہ مر چکی ہے۔ اب وہ کبھی اس سے نہیں ملے گی۔ جابر علی سے اپنی یہ بے عزتی ہضم نہیں ہوتی اسے چپ لگ جاتی ہے۔ شاہ عالم، اصیل خان سے رابی اور روما کے والد کے بارے میں دریافت کرتے ہیں لیکن اصیل خان کو مشکل میں دیکھ کر بتانے پر اصرار نہیں کیا۔ ستارہ، وارث علی سے کہتی ہے کہ اگر ڈرائیور اپنی بیوی کو اپنے ساتھ ہی لے آئے تو اسے آسانی ہو جائے گی۔ جابر علی کی خاموشی صابرہ کے لیے بہت پریشان کن تھی۔ کانسٹیبل جابر علی کو ریڈ کرنے سے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ علاقہ وارث علی کا ہے۔ ایس پی، جابر علی کو منع کرتا ہے لیکن جابر علی کہتا ہے کہ جو آرڈر اسے ملا ہے وہ اس پر عمل ضرور کرے گا۔ ایس پی شاہ زمان، وارث علی کو جابر علی کے ارادوں کے بارے میں بتاتا ہے۔ مہر جان سرونٹ کوارٹر میں جاتی ہے اور اصیل خان کو دیکھ کر اس سے پوچھتی ہیں کہ وہ کون ہے۔ اصیل خان، مہر جان کو جواب دینے کے بجائے نماز کی نیت باندھ لیتا ہے۔ ستارہ، وارث علی کی بات پر حیران رہ جاتی ہے۔ جابر علی ستارہ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہتا ہے تو وہ منع کر دیتی ہے۔ ستارہ منع کرتی ہے تو جابر علی ستارہ کو گولی مار دیتا ہے۔ صابرہ فکر مند ہوتی ہے کہ جابر علی بغیر ناشتے کے کہاں چلا گیا ہے۔ وارث علی...... جابر علی کے اس عمل پر حیران ہوتا ہے اور گرفتاری سے ڈراتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ اپنی گرفتاری کا انتظار کر رہا ہے۔ برہان کو خبر ملتی ہے تو وہ فوراً اپنے گھر پہنچتا ہے۔ برہان، کائناز کو پڑھانے نہیں آتا اور نہ کوئی فون کرتا ہے تو شاہ عالم خود فون کرتے ہیں تو موبائل آف ملتا ہے۔ مہر جان، اصیل خان کو پہچانتی نہیں ہے اور اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کون ہے اور اسے کس نے رکھا...... ایس پی شاہ زمان، جابر علی سے کہتا ہے کہ وہ مجسٹریٹ کے سامنے وارث علی کا نام نہ لے لیکن جابر علی اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ شاہ عالم اخبار میں لگی خبر میں برہان کا نام پڑھ کر چونکتے ہیں برہان، شاہ عالم کا فون دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ شبینہ، فائزہ کو بتاتی ہے کہ برہان اسپتال میں ہے کیونکہ ابھی ستارہ کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا۔

اب آگے پڑھیں

برہان اپنے کمرے میں آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ سیل فون اس کے ہاتھ میں تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ کسی خیال میں اس بری طرح کھو چکا ہے کہ اسے وقت اور آس پاس کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ اس کے دماغ میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اسپتال سے آیا تھا۔

ستارہ کی لاش کا پوسٹ مارٹم ابھی تک نہیں ہوا تھا...... مگر اسے زندگی کا ایک نیا تجربہ ہوا تھا...... اپنے بہت بڑے دکھ کو سوچتے سوچتے اسپتال پہنچا تو اسے پتا چلا کہ وہ اس دنیا میں اکیلا دکھی اور آزمائش دور سے گزرنے والا نہیں...... پوسٹ مارٹم کے لیے خدا جانے کتنی لاشیں آئی ہوئی تھیں اور ہر لاش اپنی جگہ ایک کہانی تھی۔ ایک رشتہ تھی، ایک تعلق تھا ایک روح کا لباس تھا۔ وہ روح جو دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے رشتوں میں الجھی ہوئی تھی...... اپنی زندگی کے مختلف کرداروں سے کھیل رہی تھی۔

زندگی کا کھیل شاید کسی گہرے کنویں کے آس پاس ہی ہوتا رہتا ہے۔ بس کھیلتے کھیلتے پاؤں پھسلا اور انسان تاریک کنویں کے اندر گرتا چلا گیا۔ کنواں بھی اتنا گہرا اور تاریک کے جھانک کر دیکھو تو خوف سے جھرجھری آ جائے۔

وہ نہ جانے کب تک اسی طرح خیالات میں کھویا رہتا کہ اسے اچانک کائناز اور شاہ عالم کا خیال آیا اور یاد آیا کہ شاہ عالم نے اسے کئی مرتبہ فون ٹرائی کیا تھا اور وہ ابھی تک ان سے بات نہیں کر پایا۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے تمام سوئے ہوئے حواس جاگ اٹھے، اس نے جلدی سے موبائل کی طرف دیکھا ایک لمحے سوچا اور شاہ عالم کا نمبر پریس کرنے لگا، نمبر پریس کرنے کے بعد اس نے فون کان سے لگایا رنگ جا رہی تھی۔ بیل کی آواز اس کے دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہونے لگی۔ اس کا دل جیسے موبائل میں جا کر دھڑکنے لگا۔ بہر حال اس کی کال ریسیو ہوئی اور شاہ عالم کی پُروقار آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''السلام علیکم......!'' برہان جلدی سے سنبھل گیا اور بڑی آہستہ آواز میں گویا ہوا۔

''وعلیکم اسلام...... کیسے ہیں شاہ صاحب؟''

''بیٹا...... یہ تو مجھے آپ سے پوچھنا ہے، کوئی خیر خبر نہیں ہے آپ کی۔'' شاہ عالم بہت محبت اور اپنائیت سے کہہ رہے تھے۔

برہان کو سمجھ نہیں آئی کہ اب وہ ان کی بات کے جواب میں کیا بولے۔

''میں خیریت سے ہوں شاہ صاحب، آپ کو...... اس لیے فون کیا ہے کہ...... آپ لوگ میرا مطلب ہے کہ آپ اور کائناز اب میرا انتظار مت کیجیے گا۔''

''کیا مطلب......؟'' شاہ عالم یوں چونک کر گویا ہوئے جیسے برہان نے کوئی دھماکا کر دیا ہو۔

''شاہ صاحب بات یہ ہے کہ میں ایسے ضروری کاموں میں پھنس گیا ہوں کہ مجھے ٹیوشن کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل لگ رہا ہے۔'' برہان نے جیسے اپنی ساری قوت مجتمع کر کے ایک فیصلہ سنایا تھا لیکن دوسری جانب اس کی بات کو فیصلہ نہیں سمجھا گیا۔ صرف ایک بات کے طور پر سنا گیا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا؟'' شاہ عالم اسی شفیق انداز میں کہہ رہے تھے۔ ''آپ کے لیے اگر...... کوئی اور وقت مناسب ہے تو ہم تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں...... ایک بار آپ ہم سے ملیں تو سہی۔'' شاہ عالم یوں بات کر رہے تھے جیسے انہوں نے صبح سے بس صرف یہی کچھ سوچا تھا۔ کوئی اخبار نہیں پڑھا کوئی خبر نہیں پڑھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ صبح ہوئی پھر شام ہو گئی۔ وہ چاہ رہے تھے کہ برہان خود سے کچھ بولے۔ انہیں اچھا نہیں لگا کہ

برہان سے کہیں کہ بیٹا اخبار میں ایک خبر لگی ہے کہیں اس کا تعلق تم سے تو نہیں۔

برہان، شاہ صاحب کی بات سن کر پھر جیسے سوچ میں پڑ گیا کہ آخر اس باب کو کیسے بند کرے۔ یہ چیپٹر کیسے کلوز ہوگا...... آخر وہ شاہ عالم کو کس طرح سمجھائے کہ اب وہ اپنے فرائض کی ادائیگی سے قاصر ہے کیونکہ وہ ذہنی طور پر اس طرح الجھا ہوا ہے کہ اپنے کام پر توجہ نہیں دے سکے گا...... بلکہ کام کا حق ادا نہیں کر سکے گا۔

''کیا سوچنے لگے بیٹا؟ میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ کو یہ ٹائم سوٹ نہیں کرتا تو آپ کوئی اور ٹائم رکھ لیں...... کیونکہ ہمارے لیے کسی اور بلکہ کسی نئے ٹیوٹر کا بندوبست کرنا کچھ اتنا آسان نہیں ہے...... بیٹا آپ سمجھتے ہیں ناں بچی کا معاملہ ہے۔ ہر بندے کے سامنے اسے نہیں بٹھایا جاسکتا۔ آپ پر بڑا بھروسا ہے، اعتبار ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ آپ تو ہمارے دل میں بس گئے ہیں۔ وہ جو ایک اندھا اعتبار ہوتا ہے ناں بس اسی اعتبار کا رشتہ قائم ہوگیا ہے آپ کے ساتھ۔'' شاہ عالم بظاہر عام سے انداز میں اپنی بات کر رہے تھے حالانکہ ان کے تمام حواس برہان کی طرف سے کچھ سننے کے منتظر تھے آخر وہ کب بولے گا...... کچھ تو بولے کہ اخبار میں چھپنے والی وہ خبر اس برہان سے تعلق نہیں رکھتی...... وہ کوئی اور برہان ہے۔

''شاہ صاحب بات یہ ہے کہ میری بہن کی ڈیتھ ہوگئی ہے اور آپ کو پتا ہے گھر میں جب ڈیتھ ہو جاتی ہے تو تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ امی کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ آنے جانے والوں کے ساتھ سلام دعا کرنے کے بھی قابل نہیں ہیں اب ظاہر ہے یہ ذمے داری مجھے ہی پوری کرنی ہے۔'' برہان کو آخر کار ایک مناسب جواب سوجھ ہی گیا اور اس جواب میں شاہ عالم کے لیے بہت بڑی اطلاع بھی تھی۔ ان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''ہاں اخبار میں تو کسی لڑکی کے قتل کا ذکر ہے۔ کیا وہ...... لڑکی اسی برہان کی بہن ہے۔'' سوال ذہن میں تو آیا پر ہونٹوں تک نہ آسکا کیونکہ ڈیتھ کی خبر سن لی اس لیے تعزیتی کلمات تو کہنے ضروری تھے۔

''بہت دکھ ہوا بیٹا! آپ سے اتنی دیر سے بات ہو رہی تھی۔ آپ نے اتنی اہم خبر اب سنائی۔ آپ بس یہی کہہ دیتے...... شاہ صاحب میری بہن کی ڈیتھ ہوگئی ہے، اس لیے معذرت...... آگے کا پھر ہم خود سوچ لیتے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ بہرحال بہت افسوس ہوا۔ کیا آپ کی بہن کی طبیعت ناساز تھی۔ اسپتال میں ایڈمٹ تھیں؟'' شاہ صاحب اپنی فطرت کے خلاف انجان بننے پر مجبور تھے۔ حالانکہ جی تو چاہتا تھا کہ سیدھے پوچھ لیں کہ وہ صبح اخبار میں جو خبر لگی ہے، وہ آپ کے گھرانے کے بارے میں تو نہیں ہے لیکن ان کی طبیعت اور وضع داری اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

''شاہ صاحب میری بہن بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ میں آپ سے زیادہ گھما پھرا کر بات کر ہی نہیں سکتا۔ بس یوں سمجھیں کہ اتنی دیر سے ہمت کر رہا تھا کہ آپ کو بتادوں کہ میری بہن کا مرڈر ہوگیا ہے اور مرڈر بھی میرے باپ کے ہاتھوں ہوا ہے۔''

شاہ صاحب نے جب یہ سنا تو انہیں یوں لگا کہ جیسے روح نے اذیت کا سلگتا ہوا لبادہ اوڑھ لیا ہو۔ کسی طرف سے راہِ نجات نہ ہو...... سر سے پاؤں تک ایک جیسی آنچ ہو۔

''بیٹا یہ تو بہت بڑا حادثہ ہے۔'' انہوں نے بہ مشکل کہا تھا کہ اب بھی ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ کہیں ہاں میں نے اس قسم کی کوئی خبر پڑھی تھی۔

''جی شاہ صاحب! ہم تو کھڑے کھڑے زندہ دفن ہوگئے۔ بس یوں سمجھیں کہ اب تو صرف ایک ہی کام

یاد ہے اور وہ یہ کہ کسی کونے میں بیٹھ کر اپنی بدنصیبی کا ماتم کرتے رہیں اور تو کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔''

برہان آخر کار بول پڑا وہ تمام لفظ اس کی زبان سے ادا ہوگئے جنہیں ادا کرنے کے لیے پیش بندی کر رہا تھا۔ بڑے حساب کتاب کر رہا تھا، ایک لفظ منہ سے نکلا تو سارے لفظ اس کے تعاقب میں یوں بھاگے جیسے وہ کوئی راہِ نجات ڈھونڈ رہے تھے۔

''ایسی باتیں نہ کریں بیٹا... میں تو یہ سن کر چکرا کر رہ گیا ہوں۔ اس وقت تو مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں آپ سے کیا کہوں۔ بہرحال آپ کے گھر آنا چاہوں گا...... تاکہ آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ کا غم بانٹنے کی کوشش کروں اور میں بوڑھا کمزور انسان کیا کرسکتا ہوں...... بیٹا مجھے اس وقت کچھ سمجھ نہیں آرہی۔'' شاہ صاحب کی آواز کی لرزش بتا رہی تھی کہ اس وقت ان کے اعصاب جواب دے رہے تھے۔

''شاہ صاحب آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں، ہونے والی بات تو ہوگئی......'' برہان نے بہرحال کہا تھا۔

''نہیں بیٹا......! آپ ہمارے گھر آرہے تھے ہم بہت خوش تھے بلکہ خوش ہیں کہ ایک تعلق بن گیا تھا اور جب انسان ایک دوسرے سے تعلق بنالیتے ہیں تو خوشی اور غمی کے موقع پر انہیں ایک دوسرے کے سامنے بھی نظر آنا چاہیے، یہ انسانیت کے اصول ہیں۔''

''چھوڑ۔یں شاہ صاحب! انسانیت کے اصول بڑے اجنبی سے لگ رہے ہیں یہ الفاظ۔'' برہان برجستہ اور بے ساختہ بولا تھا اس کے لہجے کا کرب فون کے ساتھ شاہ صاحب کی شریانوں میں بھی دوڑنے لگا۔

''بیٹا کسی اور وجہ سے آپ منع کر رہے ہیں تو یہ دوسری بات ہے لیکن میں آپ سے اصرار کرتا ہوں کہ آپ اپنے گھر کا ایڈریس دے دیجیے تاکہ میں سہولت سے آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ بیٹا اگر میں آپ سے نہیں مل سکا تو یقین کریں میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گا۔ ایک عجیب سی بے کلی لاحق ہوگئی ہے۔ آپ سے ملے بغیر وہ دور نہیں ہوسکے گی۔'' شاہ صاحب کے انداز میں اصرار بھی تھا اور دباؤ بھی۔ برہان اس دباؤ کو برداشت کرنے کی قوت کھو چکا تھا کیونکہ اس کے اعصاب شل تھے۔

''ٹھیک ہے شاہ صاحب، میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو ایڈریس سمجھا سکوں۔ یقین کیجیے یوں لگ رہا ہے جیسے میری تو بولنے کی طاقت بھی ختم ہوتی جارہی ہو۔'' برہان کے لہجے میں عجیب شکستگی جھلک رہی تھی۔ شاہ عالم کے انسان دوست مزاج پر یہ شکستگی بہت بوجھل تھی بہت بڑا بار تھی۔

''آپ سینڈ کر دیجیے...... میں جانتا ہوں کہ آپ اس وقت بہت تھکے ہوئے ہوں گے۔ میں چاہوں گا کہ جب آپ تھوڑا سا آرام کرلیں تو میں آپ کی والدہ کے پاس تعزیت کے لیے آؤں۔'' شاہ صاحب کے لہجے میں دکھ کی شدت اپنے کمال پر تھی...... وہ تو خود بات کرنے کے قابل نہیں تھے بڑی مشکل سے بول رہے تھے۔

''ٹھیک ہے شاہ صاحب، فون کرنے کا بہت بہت شکریہ...... اللہ حافظ۔'' برہان نے اتنا کہا اور موبائل بند کر دیا اور دوبارہ کرسی کی ٹیک سے پشت لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ جیسے وہ سکون کی تلاش میں اضطراب سے گزر رہا تھا۔

شاہ عالم برہان سے بات کرنے کے بعد سکتے کی کیفیت میں اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جنبش محال تھی۔ وہ اٹھنا چاہتے تھے، تھوڑی سی چہل قدمی کرنا چاہتے تھے لیکن ایک اضطراب سا لاحق ہوگیا تھا۔ عجیب سی بے چینی...... ایسی بے چینی کہ ذہن کسی کام کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

☆☆☆

رابی اپنی دُھن میں باہر لان تک آئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ تھوڑی دیر چہل قدمی کر کے اپنے ذہن کو اِدھر اُدھر کرے...... بند کمرے میں تو یوں لگتا تھا کہ قیامت تک کی سوچیں کمرے میں قید ہوگئی اور ان کا وحشیانہ رقص اس کے اردگرد ہو رہا ہے وہ جس طرف دیکھتی ہے نئی سوچ کا راستہ بند ملتا ہے۔ بس انہی الٹے سیدھے خیالات سے گھبرا کر وہ باہر آئی تھی۔ شاہ صاحب پر نظر پڑتے ہی اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ جب سے اس گھر میں آئی تھی، شاہ صاحب کو اس کیفیت میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شاہ صاحب کی پیشانی کی رگیں ابھر چکی تھیں اور اُبھری لکیریں بہت دور سے دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ ایک statue کے مانند دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ دور سے دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا تھا جیسے وہ مراقبہ کر رہے ہوں۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر رابی دیوانہ وار بھاگ کر ان کے پاس آئی تھی۔

''دادا جان! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے، آپ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں؟'' رابی کی آواز گویا عیسیٰ کا قُم تھی۔ شاہ صاحب کے وجود میں جیسے زندگی دوڑ گئی۔ انہوں نے پلکیں اٹھا کر رابی کی طرف دیکھا اور زبردستی مسکرائے۔

''کچھ نہیں بیٹا بس...... ویسے ہی کچھ سوچ رہا تھا۔''

''ایسا کیا سوچ رہے تھے دادا جان...... یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی بت بیٹھا ہے۔ پہلے میں نے دور سے دیکھا تو خیال آیا کہ شاید آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں پھر سوچا یہ نماز کا انداز تو نہیں ہے...... میں ڈر گئی کہ کہیں آپ کی طبیعت نہ خراب ہوگئی ہو۔ شاید آپ سے اٹھا نہیں جا رہا۔ اس لیے آپ کے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ہیں۔'' رابی بڑے غور سے شاہ صاحب کے چہرے کے تاثرات سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

''ارے نہیں بیٹا...... بس ایک بڑی افسوس ناک خبر آئی اور ذہن پتا نہیں کہاں سے کہاں دوڑیں لگانے لگا۔''

''افسوس ناک خبر......؟'' رابی نے چونک کر شاہ صاحب کی طرف دیکھا۔

''جی بیٹا......؟ کائناز کو پڑھانے جو سر آ رہے تھے اُن کے ساتھ بڑی ٹریجڈی ہوگئی ہے۔ میری تو عقل حیران ہے اتنا نفیس اور اتنا قابل بچہ...... اس کا بیک گراؤنڈ بہت ستھرا، اجلا محسوس ہوتا تھا لیکن باپ نے...... اپنی ہی بیٹی کا مرڈر کر دیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ...... ایسا کیا ہو گیا تھا۔ بیٹا، قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا اور وہ بھی بیٹی کا اپنے باپ کے ہاتھوں قتل۔'' شاہ صاحب بول رہے تھے اور رابی حیرت اور صدمے کی کیفیت میں پتھر بن کر شاہ صاحب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی تو اپنی گویائی جواب دے چکی تھی۔ حالانکہ وہ تو بے تحاشا سوال کرنا چاہتی تھی۔ شاہ صاحب کی بات سنتے ہی لاتعداد سوال اس کے دماغ میں آندھیوں کی طرح ٹکرانے لگے تھے مگر وہ کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔

''بیٹا آپ بیٹھ جائیں۔'' شاہ صاحب نے اس کی کیفیت دیکھی اور سنگی بینچ پر اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ رابی شاہ صاحب کی آواز سے جیسے گہری نیند سے جاگ گئی اور جلدی سے ان کے برابر بیٹھ گئی اور بڑی بے ساختگی اور غیر ارادی طور پر شاہ صاحب کے بازو پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیے۔

''دادا جان! وہ جو سر کائناز کو پڑھانے آ رہے تھے۔ وہ جنہیں میں نے کل بھی دیکھا تھا نہیں شاید...... پرسوں؟'' رابی اپنے حافظے پر زور ڈالنے لگی۔

''ہاں، ہاں بیٹا کائناز کو ابھی تک ایک ہی سر نے ٹیوشن دی ہے۔''

''وہ سر، ان کی بہن کا مرڈر ہو گیا ہے؟ وہ بھی ان کے فادر کے ہاتھوں...؟'' رابی کی خوف سے جیسے گھگی سی بندھنے لگی۔ چونکہ خبروں کی حد تک تو یہ برداشت ہوتا تھا لیکن اپنے ملنے جلنے والوں میں ایسا حادثہ پہلی

مرتبہ اس نے زندگی میں سنا تھا۔ اس کے تو ہاتھ ٹھنڈے برف ہوگئے اور چہرے پر سرخی کے بجائے سفیدی ظاہر ہونے لگی۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے مگر الفاظ گم تھے۔

شاہ صاحب نے بہ مشکل خود کو سنبھالا۔ زندگی کے تجربے کی لاٹھی کو پکڑا...... چونکہ اس لاٹھی سے انسان حوصلہ بھی پکڑتا ہے پھر رابی کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا اسے تسلی دی کہ وہ اپنے آپ کو سنبھالے۔

''بیٹا آپ اپنے حصے میں آئی تکلیف کو سب سے بڑا سمجھ رہی تھیں ناں...... اب یہ دیکھیں کہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا...... میں اس شریف گھرانے کے دکھ کو محسوس کر رہا ہوں۔ اس گھرانے کا ایک ہونہار بچہ...... جس کا مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے جو بغیر جرم کے ذلت کی آخری حدوں سے گزر رہا ہے۔ دکھ سے میرا کلیجا پھٹنے لگا ہے۔''

''دادا جان! سچ مجھے تو سن کر اتنا دکھ ہو رہا ہے کہ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب کچھ سن کر مجھے کیا کہنا چاہیے...... کوئی لفظ ہی نہیں میرے پاس۔'' شاہ صاحب کی بات سن کر رابی نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔

''ہاں بیٹا...... اچانک کالی آندھی آ جائے اور سوتے میں آ جائے یا......''

''گہری نیند لگتے ہی سیلاب کا ریلا آ جائے اور......'' رابی نے سہمے سہمے انداز میں کہا اور بغیر سوچے سمجھے شاہ صاحب کے کندھے سے اپنا سر یوں ٹکا دیا...... جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت لگتا ہے۔ شاہ صاحب کے وجود کو محسوس کر کے وہ کسی خوف کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

شاہ صاحب کے ہونٹ ایک دوسرے میں یوں پیوست ہو چکے تھے کہ دیکھنے والے کو لگتا تھا کہ اب وہ بصد اصرار بھی ایک لفظ نہیں بولیں گے۔

☆☆☆

''بابا جان! بابا جان!'' مہرجان وحشت زدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی اپنے مرحوم باپ کو صدائیں دے رہی تھیں۔ کئی مرتبہ وہ بابا جان کہہ کر آخر تھک کر ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئیں اور تھکے تھکے لہجے میں گویا ہوئیں آواز خاصی مدھم تھی...... ''بابا جان آپ کہاں ہیں۔ میں آپ کو آواز دے رہی ہوں آپ سنتے کیوں نہیں؟''

اسی وقت گل جان ان کی آواز کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک آ گئی تھی۔ مہرجان کے پاس آ کر جیسے اس نے سکون کی سانس لی کیونکہ وہ مہرجان کی تلاش میں اِدھر اُدھر چکراتی پھر رہی تھی۔ پھر وہ مہرجان کے پاس جا کر آہستہ آواز میں گویا ہوئی تھی۔

''بی بی جان! بابا تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔ آپ آرام کریں، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''تم چھوڑو مجھے!'' مہرجان نے فوراً گل جان کی گرفت سے خود کو آزاد کرانے کی کوشش کی...... مگر گل جان کی گرفت کافی مضبوط تھی کیونکہ وہ مہرجان کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے ہر طرح کی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھی۔

''بی بی جان میں کہہ رہی ہوں ناں بابا جان ابھی گھر پر نہیں ہیں۔''

''گھر پر نہیں ہیں؟'' مہرجان نے چونک کر گل جان کی طرف دیکھا۔ ''پھر کہاں ہیں؟ کیا زمینوں پر گئے ہیں؟'' وہ اب بڑی معصومیت سے گل جان کو دیکھ کر سوال کر رہی تھیں۔

''جی......'' گل جان نے نظریں جھکا کر کہا۔

''تو مجھ سے مل کر کیوں نہیں گئے؟'' مہرجان کے چہرے پر تفکر اور اداسی صاف نظر آ رہی تھی۔

''شاید آپ سو رہی تھیں؟'' گل جان کو یہی جواب سوجھا۔

''اچھا، میں سو رہی تھی۔'' مہر جان اپنے حافظے پر جیسے زور ڈالنے لگیں۔ ''بابا جان زمینوں پر چلے گئے؟'' انہوں نے جیسے خود سے سوال کیا۔

''جی!'' گل جان کو ایک مرتبہ پھر جی کہنا تھا۔

''مجھ سے ملے بغیر زمینوں پر چلے گئے، تم جھوٹ بول رہی ہو گل جان ...... بابا جان جب تک میری پیشانی نہ چوم لیں گھر سے باہر نہیں جاتے۔ میں بیٹا ہوں ان کا، وہ مجھے کہتے ہیں میں ان کا رائٹ ہینڈ ہوں تو وہ ...... مجھ سے ملے بغیر کیسے چلے گئے؟'' مہر جان پریشانی کی کیفیت میں خود کلامی میں مبتلا ہو چکی تھیں۔

''اچھا چھوڑیں، آپ اپنے کمرے میں آئیں پھر میں بتاتی ہوں کہ کس وجہ سے ان کو جلدی جانا پڑا۔ ورنہ وہ آپ سے مل کر ضرور جاتے......'' گل جان نے اب ضروری خیال کیا کہ مہر جان کو ایک بھرپور تسلی کی ضرورت ہے پھر انہیں ایک طرح سے کھینچتے ہوئے آگے کی طرف بڑھی مگر مہر جان نے آگے قدم بڑھانے سے خود کو روک لیا اور گھور کر گل جان کی طرف دیکھنے لگیں۔ وہ ان کی نظروں کی تاب نہیں لا سکتی تھی اس نے اپنی نظریں فوراً جھکا لیں۔

''وہ گل جان......!''

''جی بی بی جان!''

''بابا کہاں ہیں؟''

''بی بی جان بتایا تو ہے ناں وہ زمینوں پر چلے گئے ہیں۔'' مہر جان نے فوراً سر ہلایا جیسے ان کی تسلی ہو گئی ہے۔

''اچھا اچھا زمینوں پر چلے گئے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ گل جان کے ساتھ آگے قدم بڑھانے لگیں۔ کاریڈور عبور کر کے وہ اس موڑ پر مڑیں جہاں پہلا کمرا ہی مہر جان کا تھا۔ کمرے کے سامنے پہنچ کر گل جان نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور دروازہ دھیرے سے پش کیا لیکن مہر جان نے پہلے کی طرح گل جان کے ساتھ قدم بڑھانے سے انکار کر دیا اور کسی پتھر کی طرح اپنی جگہ جم کر کھڑی ہو گئیں۔

''آئیں ناں بی بی جان۔'' اس نے ایک غیر ارادی نظر مہر جان پر دوڑائی۔

''گل جان۔''

''جی بی بی جان۔''

''بابا کہاں ہیں؟''

گل جان کے چہرے پر گہری بے بسی نے ڈیرا ڈال لیا۔ اب جیسے اسے منہ سے ایک لفظ نکالنا مشکل تھا۔ اٹک اٹک کر...... بے دم کیفیت میں گویا ہوئی۔

''زمینوں پر گئے ہیں...... بی بی جان۔''

''اچھا......!'' مہر جان نے پھر جیسے اپنے حافظے پر زور ڈالنے کی کوشش کی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے آگے قدم بڑھایا۔ گل جان دروازہ نیم وا کر چکی تھی۔ مہر جان پہلے اندر داخل ہوئیں اور گل جان ان کے پیچھے پیچھے۔

مہر جان نے خالی خالی نظریں کمرے میں دوڑائیں پھر پلٹ کر گل جان کی طرف دیکھا۔

''گل جان......''

گل جان کو یوں محسوس ہوا جیسے ان کی آواز کسی کنویں سے باہر آ رہی ہو۔

''جی بی بی جان!'' گل جان کا لہجہ نہایت شکستہ تھا۔

''وہ میں تم سے یہ پوچھ رہی تھی کہ بابا جان کہاں ہیں؟'' گل جان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ ہونٹ تھرتھرانے لگے۔ دل نے بے بسی سے سینے کی دیواروں سے سر پٹخنا شروع کر دیا۔

''جی بی بی جان......! بابا بہت اچھی جگہ چلے گئے ہیں جہاں ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔ کوئی غم نہیں ہوتا۔ کوئی منحوس خبر سنانے والی آواز نہیں آتی۔'' یہ کہہ کر وہ گرنے کے انداز میں مہر جان کی آرام کرسی پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا...... مہر جان اس کی طرف بچوں کی سی معصومیت سے حیرت سے ایک ٹک تک رہی تھیں۔

☆☆☆

برہان اپنے کمرے میں آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ اس کا ذہن اس وقت بالکل خالی تھا اور وہ کوشش کر رہا تھا کہ کوئی خیال اس پر قابض نہ ہونے پائے۔ وہ کچھ دیر خالی الذہن رہ کر کچھ سکون کا احساس چاہتا تھا۔ اعصاب شکن دوڑ...... تعزیت کے لیے آنے والوں کا لامتناہی سلسلہ...... وقفے وقفے سے بین کرتی ہوئی ماں...... اسے یوں لگ رہا تھا کہ اگر چند گھڑیاں اسے سکون کی نہ ملیں تو اس کا دماغ ایک دھماکے سے پھٹ جائے گا۔ اس لیے وہ اپنی قوتِ ارادی سے کام لے کر ذہن کو بالکل خالی رکھنے کے جتن کر رہا تھا مگر وہ کب ہوتا ہے جو انسان کا ارادہ ہوتا ہے۔ آزمائش جب اللہ کی طرف سے لکھ دی جاتی ہے تو اس کا دورانیہ بھی اللہ کا ہی طے شدہ ہوتا ہے اور اپنے متعین وقت سے پہلے وہ آزمائشیں ختم نہیں ہوتیں۔

صابرہ دھڑ سے دروازہ کھول کر اندر آ گئی تھی۔ برہان ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ صابرہ کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں رو رو کر اتنی سوج چکی تھیں ... یوں لگتا تھا کہ بس اشارے سے بند ہو جائیں گی۔

''کیا بات ہے امی؟ امی آپ کو تو میں نے نیند کی گولی دی تھی آپ سوئی نہیں؟''

''میں سونا نہیں چاہتی برہان...... تھوک دی تھی میں نے وہ، تمہارا دل رکھنے کے لیے منہ میں رکھ لی تھی۔ میں سونا نہیں چاہتی...... ارے میں کیسے سوؤں؟'' صابرہ پھٹ پڑی۔

''امی آپ خود ہی تو کہتی ہیں جب ہم چھوٹے تھے آپ کے ساتھ تعزیت کے لیے جاتے تھے تو آپ ان لوگوں سے یہی کہتی تھیں، صبر کریں۔ مرنے والوں کے ساتھ کون مرتا ہے۔ ماں بھی اپنے بچے کے ساتھ قبر میں نہیں لیٹتی۔ اس کو یاد کر کے روتی ضرور رہتی ہے اس کے ساتھ زندہ دفن تو نہیں ہوتی ...... پھر...... پھر کہاں گئے وہ الفاظ...... دوسروں کو بانٹ دیے...... اپنے لیے کچھ نہیں بچایا؟ صبر کرنا ہو گا کیونکہ اس کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔'' برہان کھڑا ہو کر ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کڑوا سچ بول رہا تھا جو بہت ضروری تھا، اس نشتر کی طرح جس سے زخم صاف کیا جاتا ہے تاکہ زخم اچھا ہو جائے۔

''گھر کے چپے چپے پر ستارہ بال کھولے کھڑی ہے برہان، میں کیسے سوؤں، میری بیٹی کو ابھی تک قبر نصیب نہیں ہوئی، اس کی روح بھٹکتی پھر رہی ہے۔'' صابرہ اب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''امی خدا کے واسطے خود کو سنبھالیں۔ ہماری خاطر ہی سہی...... ہم تو ابھی نہیں مرے...... زندہ ہیں۔'' برہان نے تڑپ کر ماں کو سینے سے لگا لیا۔

''ارے بس کرو، سب نے اس دل کے ساتھ کھیلنے کی قسم کھائی ہے کیا؟'' صابرہ نے ایک دم برہان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''امی میں تو آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ قیامت آنے سے پہلے قیامت کا خوف خوفزدہ کر دیتا ہے۔''

''لیکن قیامت آ کر گزر جائے تو پھر کیا کریں...... ہاں بیٹا میرے لیے تو حشر ہی برپا ہوگیا...... باپ تمہارا جیل کی سلاخوں کے پیچھے اور بیٹی بے گور و کفن......'' بولتے بولتے صابرہ کی آواز پھر بھرا گئی۔

''ایک جنگ جس میں آپ پچیس سال سے مبتلا تھیں۔ امی وہ جنگ ختم ہوگئی۔ یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ جب برداشت ختم ہو جاتی ہے تو جنگ شروع ہو جاتی ہے لیکن جنگ سے بھی مراد پوری نہیں ہوتی...... چاروں طرف ملبے کا ڈھیر اور راکھ اڑتی دکھائی دیتی ہے۔ پھر اس راکھ کے ڈھیر پر امن کی باتیں ہوتی ہیں۔ بچے ہوئے لوگوں کی زندگی بچانے کی باتیں ہوتی ہیں یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہی ہوتا جائے گا...... آپ کو صبر کرنا ہوگا، آپ کی تو ماں نے آپ کا نام ہی صابرہ رکھا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ ہماری نانی بہت بڑی ولی اللہ تھیں۔ انہوں نے لوحِ محفوظ پر لکھا ہوا آپ کا مقدر پڑھ لیا تھا۔ اس لیے آپ کا نام بڑے پیار سے صابرہ رکھا تھا۔'' برہان تڑپ تڑپ کر رونا چاہتا تھا...... مگر دور دور تک کوئی ایسا دامن نہیں تھا جس میں وہ اپنے آنسو جذب کرتا...... ماں کے سامنے ایک بھی آنسو ٹپکانا گویا ایک نئی قیامت کو دعوت دینا تھا۔ وہ کس طرح سمجھا رہا تھا اور اس پر کیا گزر رہی تھی پیار کرنے والی ماں بھی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اس نے ماں کو اپنے دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر یوں اپنے سینے سے لگا لیا جیسے وہ ماں نہ ہو ڈری سہمی بچی ہو۔

☆☆☆

وارث علی' ایس پی کے ساتھ اس کے مخصوص اور پسندیدہ ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔ آج دونوں کے چہرے پر تفکرات کا جال بچھا ہوا تھا۔ مستی اور قہقہے نہیں تھے، مدہوشی نہیں تھی۔ خود کو دھوکا دینے والی مسکراہٹ نہیں تھی۔

''وہ اپنی بیٹی کے قتل کا الزام تم پر بھی ڈال سکتا ہے۔ کیس کو الجھا سکتا ہے۔ وارث علی......'' ایس پی اتنی آہستہ آواز میں گویا ہوا جیسے سرگوشی کر رہا ہو۔

''مگر اس کی بیٹی کا قتل اس کے اپنے لائسنس یافتہ ریوالور سے ہوا ہے۔'' وارث علی نے اپنے فطری اعتماد سے جواب دیا تھا۔ اگرچہ تفکرات کے سائے اس کے چہرے پر اسی طرح نقش تھے۔

''مگر اس کی بیٹی کا قتل تمہارے گھر پر ہوا ہے...... اگر جائے وقوعہ کوئی اور ہوتی تو کیس کو پیچیدہ نہیں کیا جا سکتا تھا جیسے کہ آج اخبارات میں کئی شہ سرخیاں لگی ہیں۔ قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں شاید باپ نے بیٹی کو... بدچلنی کے شبہے میں قتل کر دیا۔ یہ تو ابتدائی خبریں ہیں...... ابھی تو پاپا رازی اور electronic media ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جائیں گے۔ آدم بو آدم بو کرتے ہوئے یہ پولیس والوں سے زیادہ جاسوسی کریں گے...... یار یہ ایجنسیاں کیا جاسوسی کریں گی اس میڈیا نے تو سب کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہے۔ سمندروں کی تہ میں اتر جاتے ہیں خبریں لانے کے لیے۔'' ایس پی اب ایک تواتر سے بولا تھا۔

''چھوڑیں سر جی، کیوں ڈرا رہے ہیں۔ میں نے ابھی تک بہت صاف ستھرا کام کیا ہے۔ سچائی جاننے کے لیے میڈیا کو میری قبر میں اترنا ہوگا۔ اس کی تو بات چھوڑ دیں آپ۔''

''کتنی بھی صفائی سے کام لو وارث علی، جرم نشان ضرور چھوڑتا ہے کہیں نہ کہیں چوک ہو جاتی ہے۔'' ایس پی نے بلا ارادہ ہی کہہ دیا تھا یونہی ایک بات ذہن میں آئی اور بے ساختگی میں منہ سے نکل گئی۔

''سر جی اگر آپ نے ہمت ہار دی ہے تو کوئی بات نہیں ہے مجھے کیوں ڈرائے جا رہے ہیں؟'' وارث علی نے بڑی ناراض، ناراض نظروں سے ایس پی کی طرف دیکھا تھا۔

''میں تمہیں ڈرا نہیں رہا وارث علی، میں تو ہوشیار، خبردار کر رہا ہوں۔ دیکھو اپنا پاسپورٹ تیار رکھو...... ہو سکے تو کسی بھی ملک کا تین مہینے کا ویزا ابھی لگوا لو اگر تفتیش شروع ہوگئی اور ای سی ایل میں تمہارا نام ڈال دیا تو تمہارے ساتھ' ساتھ دس پندرہ لوگ اندر ہو جائیں گے۔'' ایس پی نے اپنی دانست میں بڑی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔

''سر جی میں ڈرنے والا نہیں اور پاسپورٹ ہمیشہ تیار رہتا ہے۔''

''ڈرتے بھی نہیں ہو اور پاسپورٹ بھی تیار رکھتے ہو واہ...... بھئی واہ......'' ایس پی اب معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

''سر جی جینا چاہتا ہوں اس لیے پاسپورٹ تیار رکھتا ہوں اور یہ جو ہم جیسے لوگوں پر غراتے رہتے ہیں۔ یہ کون سا گنگا نہا کر آئے ہیں۔ باہر سے جو ایڈ کے نام پر کروڑوں ڈالر آتے ہیں وہ کہاں غائب ہو جاتے ہیں، انہی لوگوں کے پاس آتے ہیں ناں جنہیں ہم جیسوں کو پھانسی لگانے کا اختیار ملتا ہے۔''

''چھوڑو وارث علی، اس وقت صرف اپنی جان بچانے کی فکر کرو، ارے جابر علی کم نہیں ہے بہت شیطان دماغ کا مالک ہے۔ اگر وہ اتنا ذہین نہ ہوتا تو اسے راستے سے ہٹا دیتا... نہ تمہارے لیے مشکل تھا نہ میرے لیے...... لیکن اس کا مرنا ہمارے لیے اور بڑا عذاب بن جاتا...... اندر کی بات جانتا ہوں میں وہ صرف پولیس افسر نہیں ہے اوپر والے جو ایماندار آفیسر بیٹھے ہیں ناں ان کا بڑا صحیح کا مہرا ہے۔''

''جانتا ہوں...... جانتا ہوں...... سر جی اتنا بے خبر میں بھی نہیں ہوں، ورنہ اس کی بیٹی سے نکاح کرنے کے بجائے اس کے خاندان کا ہی صفایا کرا دیتا لیکن آپ اسے سمجھا دو کہ اس نے اگر مجسٹریٹ کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات کی تو ابھی اس کے دو بچے باقی ہیں۔'' وارث علی کے لہجے میں ایک درندہ غرانے لگا۔

ایس پی نے یوں گردن ہلائی جیسے وہ وارث علی سے اتفاق کر رہا ہو۔

☆☆☆

رابی سوچتے، سوچتے تھک گئی، اعصاب شل ہوگئے۔ ایک عجیب سے دکھ نے اسے گھیر لیا تھا جیسے وہ چلتے چلتے گرداب میں الجھ گئی ہو۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے...... دل چاہا کہ روما اور کائنات کے پاس جائے اور ان کو یہ ہولناک خبر سنائے مگر رات بڑھتی جا رہی تھی دوسرا خیال یہی آیا کہ وہ دونوں تو اتنی بے وقوف ہیں کہ عجیب چیخ پکار کر دیں گی۔ وہ جو اس وقت گھر میں سکون کی فضا ہے تہ و بالا ہو جائے گی۔

اسے اندازہ تھا کہ شاہ عالم بھی جاگ رہے ہوں گے۔ برہان ایک ٹیوٹر صحیح مگر اس کے ساتھ ایک تعلق قائم ہو چکا تھا، گھر میں آتا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہونے والے حادثے کو یکسر ذہن سے نکال کر تو نہیں پھینکا جا سکتا تھا' وہ برہان جسے ایک دفعہ دیکھا تو دوبارہ دیکھنے کی تمنا جاگی۔ بس ایک جھلک سی دکھا کر پردے کے پیچھے چلا گیا۔ جو پردے کے پیچھے چلا جاتا ہے وہ زیادہ یاد آتا ہے جو سامنے ہوتا ہے اسے تو یاد کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

رابی کو برہان کی زندگی میں ہونے والے حادثے سے زیادہ برہان کی سوچ تھی۔ وہ تو ایک بار اسے بہت توجہ سے.... دیکھنا چاہتی تھی مگر شاید...... نہیں دیکھ پائے گی۔ اتنے بڑے حادثے کے بعد وہ لوگوں کا سامنا کیسے کر سکتا ہے...... وہ پولیس افسر کا بیٹا تھا تو ٹیوشن کیوں پڑھاتا تھا۔ پولیس افسر تو بہت مالدار ہوتے ہیں شاید شوق میں پڑھاتا ہوگا۔ اس طرح کے مختلف خیالات نے رابی کو جیسے تھکا مارا۔ وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

تاحدِّ نگاہ جو دروازہ دکھائی دیتا تھا وہ بند تھا۔ بند دروازوں کے بیچ سے گزرتے ہوئے وہ باہر کھلی فضا میں چلی آئی۔ باہر آتے ہی یک دم اسے خیال آیا کہ وہ شاہ عالم کے گھر میں ہے اور چند قدم کے فاصلے پر اس کا اپنا گھر موجود ہے لیکن وہ اپنے گھر میں نہیں ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس کی توجہ گل جان اور مہر جان کی طرف چلی گئی۔ ایک عجیب سی ہوک اٹھی اور گل جان سے ملنے کے لیے دل بے تاب ہونے لگا۔

اس نے گیٹ کے قریب بنے ہوئے کیبن کی چارپائی پر گارڈ کو لیٹا ہوا دیکھا اور اس کے قریب آئی۔

''وہ بات سنو کیا نام ہے تمہارا؟'' گارڈ جو اونگھ رہا تھا ایک دم ہڑبڑا کر بیٹھ گیا۔

''جی بی بی جی......''

''وہ میں اپنے گھر جا رہی ہوں تھوڑی دیر کے لیے، پندرہ بیس منٹ بعد واپس آجاؤں گی۔''

''جی بی بی جی۔'' گارڈ بڑی سرعت سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے بڑے سے گیٹ کا ذیلی دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی رابی گیٹ پار کر گئی۔

☆☆☆

مہر جان اپنے کمرے سے نکل کر گھر کے پچھلے حصے سے ہو کر نوکروں کے کوارٹروں کی طرف چلی آئی تھیں۔ تمام کوارٹرز کے دروازے بند تھے۔ سوائے اصیل خان کے کوارٹر کے۔

مہر جان نے گردن اندر گھسا کر جھانک کر دیکھا۔ اصیل خان اپنے لیے قہوہ تیار کر رہا تھا۔ وہ اپنے خیال میں اس قدر مستغرق تھا کہ اس کی توجہ ماحول پر نہیں تھی۔

''سنو بڑے میاں، گل جان کہاں ہے؟'' مہر جان کی آواز اس کے عقب سے آئی تو وہ جیسے اچھل گیا۔ پلٹ کر دیکھا اور بے بسی کی کیفیت آنکھوں سے جھانکنے لگی...... گویا سوچ رہا تھا کہ اب پندرہ منٹ کا ایک نیا امتحان شروع ہے۔ اس نے کچھ بولنے کے بجائے انکار میں سر ہلا دیا۔

مہر جان نے برا سا منہ بنا کر اصیل خان کی طرف دیکھا اور بڑبڑاتی چلی گئیں ...... ان کی آواز اصیل خان کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔

''اس لڑکی کی انہی باتوں پر غصہ آتا ہے۔ انٹر میں پڑھ رہی ہے مگر ابھی تک گڑیوں کی شادی کرتی ہے۔ نان سینس، پتا نہیں کہاں غائب ہوگئی۔''

اصیل خان نے دکھ کی کیفیت قہوے کے ایک گھونٹ میں سمونے کی کوشش کی لیکن کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا۔ اس کے عقب سے پھر مہر جان کی آواز آئی تھی۔

''حاجی صاحب آپ کون ہیں، میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔'' اصیل خان نے پلٹ کر دیکھنے کے بجائے قہوے کا دوسرا گھونٹ لیا۔ نہ اس نے پلٹ کر دیکھا نہ اس نے مہر جان کی بات کا جواب دیا۔

مہر جان غصے سے گھورتی ہوئی اب واپس چلی گئی تھیں۔ اصیل خان آگے بڑھا اور دروازہ اندر سے مقفل کر دیا۔

☆☆☆

رابی، گل جان کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوئی، گیٹ تو چوکیدار نے کھولا تھا مگر گھر کا داخلی دروازہ گل جان نے کھولا تھا۔ دونوں کی نظر ایک ساتھ مہر جان کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر پڑی...... گل جان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''ارے یہ بی بی جان کے کمرے کا دروازہ کس نے کھولا۔ میں تو انہیں سوتا ہوا چھوڑ کر گئی تھی۔'' یہ کہہ کر وہ گھبرائی گھبرائی سی کمرے میں داخل ہوئی۔ رابی نے بھی اس کی تقلید کی۔

گل جان نظریں گھما گھما کر مہر جان کو تلاش کر رہی تھی۔

''ارے یہ بی بی جان کہاں چلی گئیں۔ واش روم کا دروازہ بھی کھلا ہے، لائٹ بند ہے۔'' یہ کہتے ہوئے گل جان نے واش روم کا دروازہ بند کر دیا اور فکر مندی سے زیادہ عجلت زدہ انداز میں کمرے سے باہر آگئی۔

''میں نے فرسٹ اور سیکنڈ فلور کو جانے والے راستے تو بند کیے ہوئے ہیں کیونکہ وہ چھت پہ چلی جاتی ہیں پتا ہی نہیں چلتا اور ہم یہاں ڈھونڈتے رہتے ہیں۔''

''لان میں بھی نہیں تھیں لان سے تو ابھی ابھی میں اندر آئی ہوں۔ یا اللہ کہاں چلی گئیں۔ کہیں میرے یا روما کے کمرے میں تو نہیں ہیں۔'' رابی نے کہا۔

''نہیں، نہیں وہ تو میں نے تم دونوں کے جانے کے بعد لاک کر دیے تھے۔ میرے کمرے کا دروازہ بھی بند ہے اسے بھی میں لاک کر دیتی ہوں کیونکہ اپنے کمرے سے نکل کر میرے کمرے میں چلی جاتی ہیں تو پورا کمرا پھیلا دیتی ہیں کچھ نہ کچھ ڈھونڈتی ہیں۔ میری فلانی کتاب یہاں رکھی تھی...... میری ایک تصویر یہاں رکھی تھی...... اصیل خان نے لاسٹ ٹائم مجھے جو گفٹ دیا تھا۔''

''اصیل خان نے؟'' رابی کے چاروں طرف پے در پے کئی دھماکے ہوئے۔ گل جان نے اپنی حماقت پر اپنا سر پیٹ لیا تھا...... آناً فاناً اسے سوچنا تھا کہ وہ اب کیا بات بنائے۔

رابی ہکا بکا گل جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ارے بیٹا! میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ بتاؤ اصیل خان...... مہر جان کو کیوں گفٹ دے گا۔ وہ دے سکتا ہے کیا؟ لیکن جب ڈھونڈنے لگتیں ہیں تو اس طرح الٹی سیدھی باتیں کرتی ہیں...... کہ اصیل خان نے گفٹ دیا تھا تو کبھی...... ہمارے بابا جان کا نام لیتی ہیں کہ انہوں نے مجھے پتا نہیں کیا دیا تھا اور وہ نہیں مل رہا...... وہ ایسے بول جاتی ہیں۔'' گل جان نے جلدی، جلدی بات بنائی تو رابی کو بھی سکون سا مل گیا۔

سوچنے لگی کہ ہاں جب ان کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے تو وہ ایسی باتیں ہی کریں گی۔

''یا اللہ کہاں چلی گئیں'' پھر ایک دم اپنے سر پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''لگتا ہے کہ وہ پیچھے والے راستے سے لان کی طرف نکلی ہیں...... ورنہ اور کہاں جا سکتی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اس راستے کی طرف بڑھی جس راستے کی طرف گمان غالب تھا کہ یہاں سے گئی ہوں گی۔

رابی نے اسی طرح سابقہ انداز میں گل جان کی تقلید کی' دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئیں گھر کے اس حصے کی طرف نکل آئیں جہاں ایک ساتھ کئی نوکروں کے کوارٹر بنے ہوئے تھے۔ سب کوارٹروں کا دروازہ بند تھا لیکن اصیل خان کے دروازے کے سامنے مہر جان کھڑی ہوئی بند دروازے کو بری طرح پیٹ رہی تھیں۔

''بڑے میاں میں تم سے پوچھ رہی ہوں گل جان کہاں ہے۔ حاجی صاحب آپ بولتے کیوں نہیں...... یہ لڑکی بہت پریشان کرتی ہے۔ انٹر میں پڑھ رہی ہے مگر ابھی تک گڑیوں کی شادیاں کرتی ہے۔ پاگل ہے بالکل پتا نہیں کہاں چلی گئی...... ارے حاجی صاحب آپ بولتے کیوں نہیں۔ اندر سے دروازہ بند کر کے کیوں بیٹھ گئے ہیں۔ میں کوئی آپ کا سر پھاڑنے آئی ہوں۔''

اس سے پیشتر کہ وہ مزید کچھ بولتیں گل جان نے انہیں جا لیا اور مہر جان کا بازو تھام کر بولی۔

''آپ یہاں ہیں، میں اندر کتنی دیر سے آپ کو ڈھونڈ رہی تھی۔''

''تم مجھے ڈھونڈ رہی تھیں؟ میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔ بس اب ہم دونوں ایک دوسرے کو ڈھونڈتے ہی رہتے ہیں...... تمہاری تو گڑیا کی بارات جانے والی ہوگی، تم تو وہاں مصروف ہوگی...... بابا کہیں بھی جاؤ مجھے بتا کر جایا کرو، پاگل ہو جاتی ہوں میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر۔'' بولتے بولتے مہر جان کی نظر رابی پر پڑ گئی تھی۔ جو ہکا بکا کھڑی مہر جان کی طرف دیکھ رہی تھی اور محویت کا یہ عالم تھا کہ پلکیں جھپکنا محال تھا۔

''یہ لڑکی کون ہے اور اس کے چہرے پر نشان کیسے ہیں، افوہ کیا بے چاری جل گئی تھی؟'' جواب میں خاموشی تھی۔

مہر جان، گل جان کی گرفت سے اپنا بازو چھڑا کر بڑی تیزی سے رابی کے قریب آئی اور اس کا چہرہ بہت غور سے دیکھنے لگی۔

رابی کو مہر جان سے عجیب سا خوف آنے لگا۔ ریڑھ کی ہڈی میں ایک کرنٹ سا دوڑ گیا۔ وہ چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ وہ جتنا پیچھے ہٹتی تھی مہر جان اس سے دوگنا آگے آتی تھیں اور لگتا تھا بس اُن کا چہرہ رابی کے چہرے سے چھونے لگے گا۔ رابی نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ آگے کر کے انہیں خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔ اسی آن میں گل جان قریب آ چکی تھی اس نے پھر مہر جان کو کندھوں سے تھام لیا۔

''چلیں بی بی جان، اندر چلتے ہیں۔''

''ارے گل جان یہ کون لڑکی ہے؟ ہمارے کسی نوکر کی بیٹی ہے؟ اس کے چہرے پر نشان کیسے ہیں؟ لگتا ہے یہ کسی ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئی ہے یا اپنے گھر میں روٹی ووٹی پکاتے ہوئے جل گئی ہوگی یا یہ شروع سے ہی ایسی ہے؟'' مہر جان مسلسل بولے جا رہی تھیں اور رابی کا دماغ جیسے فضا میں معلق ہو چکا تھا۔ اس کے لیے یہ انتہائی ناقابلِ یقین اور ناقابلِ بیان تھا۔ اس کے تصور میں اتنی اونچی اڑان بھرنے کی طاقت نہیں تھی کہ وہ یہ سب کچھ پہلے سے سوچ سکتی۔ یہ سب کچھ تو اس کے تصور میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ وہ مہر جان تو نہیں تھیں جن کا روپ قیامت تک کے لیے آنکھوں میں بس چکا تھا۔ یہ تو بالکل نئی اور اجنبی سی عورت تھی جسے اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''بی بی جان آپ آئیں میرے ساتھ!''

''نہیں، پہلے تم بتاؤ یہ لڑکی کون ہے؟''

''خدا کے لیے آپ اندر آئیں بی بی جان، میں آپ کو بتاتی ہوں یہ لڑکی کون ہے۔'' گل جان اب زبردستی مہر جان کو اپنے ساتھ گھسیٹتی لے جا رہی تھی اور مہر جان پلٹ، پلٹ کر رابی کو دیکھ رہی تھیں۔

''افوہ مجھے چھوڑو ناں، یہ بتاؤ یہ لڑکی کون ہے؟''

رابی نے بہ مشکل اپنا چہرہ موڑ کر ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھا کاریڈور کی اس حد تک جہاں داخل ہونے کے بعد وجود اوجھل ہو جاتے تھے۔ اس نے مہر جان کی طرف دیکھا۔ اندر گم ہونے سے پیشتر بھی رابی کی طرف دیکھا تھا اور ان کی آواز رابی کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ ''یہ لڑکی کون ہے؟ یہ لڑکی کون ہے؟'' یہ ایک آواز تھی کہ ایک بازگشت جو گونجتے گونجتے عرش کو چھونے کے لیے بے تاب تھی۔

☆☆☆

شاہ عالم اپنے کمرے میں کوئی پسندیدہ کتاب پڑھ کر خود کو بہلانے کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ آج معمول سے ہٹ کر اُن کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا...... ورنہ وہ اس وقت تک تو میڈیسن لے کر سو جایا کرتے تھے۔ کتاب پڑھتے پڑھتے بھی ان کا ذہن کہیں اور پہنچ جاتا تھا۔ یہ کیفیت بڑی بے اختیاری تھی۔ وہ پوری کوشش کر رہے تھے کہ اپنے ذہن کو کنٹرول میں رکھیں اور کسی طرح سو جائیں۔ کتاب پر نظریں جمی ہوئی تھیں۔ ذہن پھر قلابازی کھا چکا تھا بار بار ذہن برہان کی طرف چلا جاتا تھا۔

جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے... برہان سے شناسائی کو ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ اس لڑکے نے آخر کیا جادو کیا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں کسی نہ کسی وقت کسی حوالے سے یاد آ جاتا ہے اور اب جبکہ یہ بات دل میں آ چکی تھی کہ اس وقت وہ کتنے بڑے بحران سے گزر رہا ہے۔ ذہن اُدھر سے ہٹ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ بات یہ نہیں تھی کہ برہان کے نہ آنے سے کائناز کا بہت نقصان ہو رہا تھا یا ان کو اچھا اور نیا ٹیوٹر نہیں ملے گا مگر انسانیت کے لیے دردمندی رکھنے والا دل انہیں بے چین کیے ہوئے تھا۔

وہ اس وقت بری طرح چونک پڑے جب ان کے دروازے پر کسی نے بہت آہستہ آہستہ سے دستک دی بے اختیار ان کی نظریں وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔

''اس وقت......؟ کائناز میرے کمرے میں تو کبھی نہیں آ سکتی کیونکہ اسے پتا ہے کہ اس وقت تک میں سو چکا ہوتا ہوں شاید کوئی نوکر ہے......'' سوچتے ہی انہوں نے بلند آواز سے پوچھا۔

''کون ہے؟'' دروازے کے دوسری طرف سے رابی کی آواز کمرے کے ماحول میں گونجی۔

''دادا جان......! میں ہوں رابی۔'' شاہ عالم پریشانی کے عالم میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''رابی اس وقت...... الٰہی رحم کرنا مجھ پر بھی اور ان معصوم بچیوں پر بھی۔'' وہ سوچتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے اور دروازہ کھول دیا اور بڑی بے تابی سے رابی کے چہرے کا جائزہ لینے لگے۔ ''خیریت تو ہے بیٹا!''

''جی دادا جان...... سوری میں نے اس وقت آپ کو ڈسٹرب کیا۔ مگر...... مگر مجھے پتا نہیں کیوں...... اکیلے کمرے میں اتنی وحشت ہو رہی ہے...... میں ڈرپوک تو کبھی نہیں تھی لیکن...... اس وقت مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

شاہ عالم نے اسے اندر آنے کے لیے راستہ دیا...... رابی یوں تیزی سے اندر آ گئی۔ جیسے وہ اندر آنے کے لیے بڑی بے تاب تھی۔ شاہ عالم نے دروازہ کھول دیا اور رابی کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ رابی بڑی تابعداری سے اشارہ ملتے ہی بیٹھ گئی۔

''کیوں ڈر لگ رہا ہے بیٹا...... سوتے میں کوئی خواب دیکھ لیا ہے کیا...... یا تم بھی اس حادثے کے بارے میں سوچ رہی ہو جو اس بے چارے ٹیوٹر کے ساتھ پیش آیا ہے۔'' شاہ عالم نے رابی کا ذہن سیکنڈ کے ہزارویں لمحے میں کسی اور طرف موڑ دیا۔

''مجھے تو اماں جان کے علاوہ کسی کا خیال ہی نہیں آیا۔ یہ تو میں بھول ہی گئی کہ آج کی تاریخ میں ایک بہت بڑے حادثے کی خبر بھی ملی ہے، یا اللہ کیا آج حادثوں کا دن ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

''کیا بات ہے بیٹا، میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔'' شاہ عالم نے اپنے مخصوص شفیق انداز میں رابی کو متوجہ کیا۔

''نہیں دادا جان، میں تو اماں جان کے بارے میں سوچ رہی ہوں...... دادا جان وہ میں گئی تھی ناں۔ پتا نہیں کیوں میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں خالہ جان سے ملوں اور بہت ساری باتیں کروں۔ کائناز اور روما کو میں

نے ڈسٹرب نہیں کیا...... انہیں صبح کالج جانا ہوتا ہے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی تو میں گھر چلی گئی تھی۔''

''اوہ......'' شاہ عالم کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''تو بیٹا آپ گھر سے ہو کر آ رہی ہو۔ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔''

''جی دادا جان میں سمجھی کہ آپ آرام کر رہے ہیں، آپ کو ڈسٹرب کیوں کروں۔ کون سا دور جا رہی ہوں، گھر ہی تو جا رہی ہوں۔ پندرہ بیس منٹ، آدھے گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی۔''

''اچھا، اچھا تو پھر ہو گئیں خالہ جانی سے باتیں لیکن آپ تو کہہ رہی ہیں کہ آپ کو ڈر لگ رہا ہے۔ ایسی کیا بات ہے بیٹا کس بات سے ڈر لگ رہا ہے۔''

''دادا جان آج پہلی مرتبہ میں نے اماں جان کو ایسے حال میں دیکھا کہ...... میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ اماں جان...... اماں جان بڑی عجیب سی لگیں۔ بڑی عجیب باتیں کر رہی تھیں...... اماں جان تو وہ اماں جان ہی نظر نہیں آئیں...... وہ تو...... وہ تو بالکل کوئی نئی عورت بن گئی ہیں جو میرے لیے بالکل اجنبی ہے۔'' رابی بے ربط انداز میں جیسے اُڑتے ہوئے لفظوں کو پکڑ پکڑ کر اپنی گرفت میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''سمجھ گیا میں...... تو آپ اس وجہ سے پریشان ہیں...... ڈاکٹر صاحبہ نے آپ سے کیا باتیں کیں؟''

''دادا جان انہوں نے تو مجھے پہچانا ہی نہیں...... خالہ جانی سے کہہ رہی تھیں...... یہ لڑکی کون ہے...... بار بار پوچھ رہی تھیں...... دادا جان وہ ایک بات کو بار بار پوچھتی ہیں۔ میں، میں سمجھ نہیں پائی کہ میں نے یہ ایک دم سے کیا دیکھ لیا...... مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ میں ابھی تک خواب دیکھ رہی ہوں...... اماں جان نہیں تھیں وہ...... وہ تو کوئی اور ہیں۔''

شاہ عالم، رابی کی باتوں سے اندازہ لگا چکے تھے کہ یہ کم عمر لڑکی جو اپنے علم...... معلومات اور اعتماد کی وجہ سے سمجھتی تھی کہ وہ بہت میچور، بہت بولڈ بہت زمانہ شناس ہو چکی ہے۔ ایک حادثے کی تاب نہ لا سکی۔ کم عمری کا پیمانہ تنگ اور چھوٹا تھا کہ نئے، نئے حادثات اس میں سے چھلکے پڑ رہے تھے۔ انہوں نے بڑی شفقت سے رابی کے سر پر ہاتھ رکھا۔ سر پر ہاتھ رکھنے کا یہ عمل بڑا مشفقانہ اور تسلی آمیز تھا۔

''میں ڈاکٹر صاحبہ کی حالت کو اس کمرے میں بیٹھ کر بھی سمجھ سکتا ہوں۔ گل جان بی بی مجھے ان کی کیفیت سے آگاہ کر چکی ہیں اور ان کی بیماری کا نام بھی بتا چکی ہیں۔ آپ کے لیے یہ بالکل نئی بات تھی اس لیے آپ پریشان ہو گئیں۔ آپ فکر نہ کریں بیٹا...... میں گل جان بی بی کو فورس کروں گا کہ وہ ڈاکٹر صاحبہ کا علاج کرائیں۔ آج کی دنیا میں کسی بھی مرض کا علاج کرانا کوئی خیال اور خواب کی بات نہیں ہے۔ بڑی بڑی پیچیدہ بیماریوں کا، بہت ڈرا دینے والے امراض کا بڑی خوبی سے علاج ہو جاتا ہے۔ بس شرط یہی ہے کہ اللہ کو تمام اختیارات کا مالک جان کر اس پر بھروسا رکھا جائے۔ اس سے بہت اچھی امیدیں وابستہ کی جائیں اور حق یہی ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا، پتا بھی نہیں ہلتا...... بیماری بھی اس کی طرف سے اور شفا بھی اس کی طرف سے۔''

''لیکن دادا جان آپ نے اماں جان کو بہت قریب سے نہیں دیکھا، میرا مطلب ہے ان دنوں میں، وہ تو اتنی چینج ہو گئی ہیں کہ لگتا ہے اب ان کے لیے کوئی دوا کوئی علاج نہیں ہے۔''

''خدانخواستہ!'' شاہ عالم نے فوراً رابی کی بات کاٹ دی۔ ''بیٹا......! آپ چھوٹی بچی ہو آپ کا تجربہ آپ کا علم بہت محدود ہے۔ یہی فرق ہوتا ہے بڑی عمر اور چھوٹی عمر میں...... چھوٹی عمر میں چھوٹا سا حادثہ بھی قیامت ہوتا ہے اور بڑی عمر میں انسان قدم، قدم پر اپنے تجربے کی لاٹھی سے کام لیتا ہے۔ جاؤ شاباش سو جاؤ۔ میں گل جان بی بی سے موقع محل دیکھ کر بات کرتا ہوں کہ وہ ڈاکٹر صاحبہ کا علاج کرانے پر توجہ دیں جو اُن کا فرض

اورڈاکٹر صاحبہ کا حق ہے۔"

رابی نے شاہ عالم کی طرف دیکھ کرایک گہری سانس لی اس کے ذہن میں پھر سوال ابھرا تھا کہ ایک دم ہوش وحواس کھودینے والی مہرجان کسی معجزے سے ہی ٹھیک ہوسکتی ہیں۔ بزرگوں اورڈاکٹروں کا کام تسلی دینا ہی ہوتا ہے۔

"ٹھیک ہے داداجان آپ آرام کیجیے، میں نے اس وقت آپ کو ڈسٹرب کیا پلیز مجھے معاف کردیجیے گا مگر مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی اس لیے میں.....آپ کے پاس آگئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا اگر آپ نہ آتیں اور صبح مجھے پتا چلتا کہ آپ رات کو میرے پاس آنا چاہ رہی تھیں اور نہیں آئیں تو مجھے دکھ ہوتا۔ کوئی تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کائناز کا دادا ہوں، آپ کا بھی دادا ہوں۔ آپ گھڑی دیکھ کر مجھ سے ملنے کا نہ سوچا کریں۔ جب جی چاہے میرے پاس آجائیں، میں برا نہیں مانوں گا بلکہ مجھے اچھا لگے گا کہ میری وجہ سے آپ کو کچھ سکون ملا......"

"بہت بہت شکریہ داداجان۔" رابی کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔

شاہ عالم نے اس کی طرف دیکھا اور جانے کس خیال سے مسکرانے لگے۔ ایسی مسکراہٹ جس کے اندر شفقت، دردمندی اور انسانیت کی لاج تھی۔

☆☆☆

"بیٹا میں تو کل ہی آنا چاہتا تھا۔ بس یہ سوچ کر رک گیا کہ آپ بہت تھکے ہوئے ہوں گے۔ رات کو تھوڑا آرام کرلیں۔ تعزیت ہی تو کرنی ہے اور اس کے علاوہ ہم کیا کرسکتے ہیں۔" شاہ عالم اپنی گاڑی ڈرائیور کے ساتھ برہان کے گھر صبح دس بجے ہی پہنچ چکے تھے۔ کائناز اور روما کے کالج روانہ ہوتے ہی وہ برہان کے پاس چلے آئے تھے۔

برہان نے تو ان کی ہدایت کے مطابق فوراً ہی اپنے گھر کا پتا بذریعہ text ان کو دے دیا تھا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ.....شاہ صاحب کہ آپ ایسے موقع پر میرے گھر تشریف لائے بہت زحمت ہوئی آپ کو۔" برہان بہت شائستہ انداز میں سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"ارے نہیں، نہیں بیٹا......! شکریہ کس بات کا، یہ تو ہمارا فرض تھا۔ میں آپ سے اس وقت کوئی سوال نہیں کروں گا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میں آپ کے زخم ہرے کروں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ جب بے بسی کے مقام پر مشکل آن پہنچی ہو تو سوائے صبر کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ملتا۔ آپ حوصلے اور صبر سے کام لیں۔ آپ کے گھر میں یقیناً آپ کی بہت ضرورت ہے۔ آپ کے حوصلے سے آپ کی ماں کو بھی حوصلہ ملے گا۔" شاہ صاحب بڑی دلسوزی سے برہان سے ہم کلام تھے۔

برہان سر جھکائے یوں سن رہا تھا جیسے اس کے اپنے پاس کرنے کے لیے کوئی بات نہیں ہو۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور تفکرات کے رنگ تھے لیکن الفاظ گم تھے یوں بھی تعزیتی کلمات سننے کے بعد انسان سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ جواب میں کیا کہے۔

"بس آپ کا حال دریافت کرنے آپ کو صبر کی تلقین کرنے آیا تھا، اب میں چلوں گا...... مجھے اجازت دیجیے۔" شاہ صاحب نے برہان کی مسلسل اور گہری خاموشی کو محسوس کرکے نشست برخاست کرنا مناسب سمجھا۔

"نہیں، نہیں شاہ صاحب آپ ایسے کیسے جاسکتے ہیں، پہلی مرتبہ آپ میرے گھر آئے ہیں۔ میری بہن

چائے تیار کرچکی ہوگی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں بیٹا آپ...... یہ کوئی چائے پانی کا موقع ہے۔ ہم لوگوں کو تو خود آپ لوگوں کا خیال کرنا چاہیے۔ چائے پانی کا پوچھنا چاہیے نہ کہ آپ سے یہ توقع کریں کہ آپ ہمیں انٹرٹین کریں۔ بس آپ خود کو سنبھالیں اپنے گھر والوں کا خیال کریں۔ رہی ٹیوشن کی بات تو فی الحال اُدھر سے اپنا ذہن ہٹالیں۔"

"پھر بھی شاہ صاحب اچھا نہیں لگتا، آپ پہلی مرتبہ آئے ہیں ایک کپ چائے تو پی لیں۔"

"بیٹا میں ناشتا کرتے ہی نکل کھڑا ہوا تھا۔ شاید آپ کے علم میں نہیں کہ میں چائے زیادہ نہیں پیتا۔ ہارٹ پیشنٹ ہوں....احتیاط کرتا ہوں۔"

"ہارٹ پیشنٹ!" شاہ عالم کی بات سن کر برہان نے چونک کر پہلی بار کوئی بات کی تھی۔

"ہاں بیٹا.....دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں۔ آگے میں نہیں بولوں گا اس لیے کہ آگے کا مصرعہ آپ کے زخم ہرے کردے گا اور شاید میرے بھی......بس اب اجازت چاہوں گا۔" شاہ صاحب کھڑے ہوگئے۔ برہان بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ شاہ صاحب نے بے اختیاری کیفیت میں اسے گلے لگالیا اور اس کی پشت پر یوں ہاتھ پھیرنے لگے جیسے خاموشی کی زبان میں اسے تسلی دے رہے ہوں حوصلے جگا رہے ہوں۔

☆☆☆

"تم پھر چھٹی کرکے بیٹھ گئی ہو.... آخر مسئلہ کیا ہے؟" شائستہ بیگم، فائزہ کے کمرے میں آکر بڑے خفا، خفا انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"بس ممی میرا دل نہیں چاہ رہا......آپ کو تو پتا ہی ہے ناں کیوں نہیں دل چاہ رہا، شبینہ میری بہت پیاری بہت ہی زیادہ پیاری دوست ہے ناں اس کے ساتھ اتنا بڑا سانحہ ہوا ہے ابھی تک مجھے یقین نہیں آرہا...... میں اگر کالج چلی جاتی کون سا مجھ سے پڑھا جاتا۔ ریئلی ممی میں بہت پریشان ہوں۔" فائزہ بڑی معصومیت سے اپنی دلی کیفیت بیان کررہی تھی۔

"دماغ خراب ہے تمہارا...... یہ دنیا ہے...... دنیا میں روز کچھ نیا ہوجاتا ہے اور کسی کے ساتھ بھی اتنی زیادہ attachment اچھی نہیں ہوتی کہ انسان...... non practical ہوکر رہ جائے تمہارے پریشان ہونے سے اور چھٹی کرنے سے اسے کوئی فائدہ ہوگا نہ تمہیں۔" شائستہ بیگم اپنی غلطی کا تاثر چھپا کر بظاہر بڑے نارمل انداز میں بات کررہی تھیں۔

"ممی فرق تو کوئی نہیں پڑے گا۔ خدانخواستہ آپ کی کسی دوست کے ساتھ کوئی حادثہ ہوجاتا......کیا آپ اسی طرح ریلیکس رہتیں۔" فائزہ نے اب بڑے بے ادب انداز میں بات کی اور اتنے بڑے حادثے کا حوالہ دیا شائستہ بیگم اپنی جگہ تھرا کر رہ گئی۔

"تم ہوش میں تو ہو فائزہ، الٹی سیدھی باتیں کیے جارہی ہو خدا نہ کرے کہ میری کسی دوست کے ساتھ اس طرح کا حادثہ ہو اور دیکھو اب تمہیں شبینہ سے دوستی رکھنی ہی نہیں چاہیے...... میرا مطلب ہے اب یہ سلسلہ continue نہیں رہنا چاہیے۔ بس یہیں اسٹاپ کردو اسے۔" شائستہ بیگم کی باتیں سن کر فائزہ نے آنکھیں پھاڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب ممی...... میں شبینہ سے دوستی ختم کروں......مگر کیوں، اس کا کیا قصور ہے؟"

''بیٹا اس کا کوئی قصور نہیں ہے لیکن اس قسم کا بیک گراؤنڈ رکھنے والے لوگوں کے ساتھ فرینڈ شپ بنانے سے مسئلے ہو جاتے ہیں وہ جو کہتے ہیں ناں دوست، دوست سے پہچانا جاتا ہے اور دوست کا reference بن جاتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ لوگ تمہیں شبینہ کے قریب دیکھیں، اس کی دوست سمجھیں۔'' شائستہ بیگم نے پھر بے ربط انداز میں اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔

''وہی تو پوچھ رہی ہوں ممی......! شبینہ کا اس میں قصور کیا ہے؟ میں کیوں اس سے دوستی ختم کروں۔ ایسے وقت میں ہی تو دوست کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔'' فائزہ نے جرح کی۔

''خاموش ہو جاؤ جو کچھ ہم جانتے اور سمجھتے ہیں ابھی وہ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ شبینہ کے باپ نے مرڈر کیا ہے اور جن گھروں میں ایسے حادثات ہوتے ہیں ان گھروں سے کوئی بھی تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا۔ جو بھی ان سے تعلق رکھتا ہے انہی کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ فضول میں بدنامی ملتی ہے۔ لوگ بھی شک بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔''

''لوگوں کا کیا ہے ممی دیکھنے دیں مجھے لوگوں کی پروا نہیں ہے۔''

''تمہیں لوگوں کی پروا نہیں ہے۔ مجھے تو ہے دیکھو فائزہ آج میں تمہیں صاف، صاف بتا رہی ہوں۔ شبینہ کا سوشل اسٹیٹس اور تمہارا بہت مختلف ہے۔ بندہ اپنے calibre اور status کے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے تو اچھا لگتا ہے۔'' شائستہ بیگم نے اب صاف، صاف بات کرنا زیادہ مناسب خیال کیا۔

''دوست کا اسٹیٹس نہیں دیکھا جاتا۔ دوستی تو تبھی ہوتی ہے جب کیمسٹری میچ ہوتی ہے اور کیمسٹری میچ ہونے کے لیے اسٹیٹس کا same ہونا ضروری نہیں۔'' فائزہ نے اپنی دانست میں بڑی بھاری تقریر کی۔

شائستہ بیگم تو ویسے ہی اس کی جرح سے عاجز آ چکی تھیں جل بھن کر اس کی طرف دیکھا...... کیونکہ جب سے انہیں یہ خبر ملی تھی ایک پل کے لیے بھی ان کو چین نہیں ملا تھا۔ بس موقع کی تاک میں تھیں اتنا تو انہیں بھی اندازہ تھا کہ فائزہ اگر آج کالج گئی تو شبینہ اسے دکھائی نہیں دے گی۔ اس لیے انہوں نے سوچا تھا کہ آج جب وہ کالج سے آ جائے گی تو اسے پاس بٹھا کر محبت سے یہ سب کچھ سمجھائیں گی لیکن یہ اتفاق ہی تھا۔ فائزہ کالج نہیں گئی تھی اور ماں سے اس کا سامنا ہو گیا تھا۔

''ممی میں شبینہ کو نہیں چھوڑ سکتی، آپ یہ دیکھیں کہ میری کزنز اور آپ کے سرکل میں میری کتنی ہم عمر لڑکیاں ہیں مگر میری کسی سے دوستی نہیں ہے۔ مجھے خود بھی نہیں پتا شبینہ مجھے کیوں اتنی اچھی لگتی ہے یا اس سے میری کیمسٹری کیسے میچ ہو گئی...... آئی ڈونٹ نو......''

''دوستی کو دوستی کی حد تک رکھتے ہیں، پاگلوں کی طرح دوستی نہیں کرتے۔ بس ٹھیک ہے دعا سلام اور ایک دوسرے سے common issues share کرنا کافی ہوتا ہے اتنی دوستی کافی ہوتی ہے اس سے آگے بڑھنا ٹھیک نہیں ہے۔ ہر چیز کی حد ہوتی ہے۔ دوستی کی بھی ایک حد ہونی چاہیے۔'' شائستہ بیگم نے اسے قائل کرنے کے لیے پورا زور لگایا۔

''ممی دوستی کی کوئی لمٹس نہیں ہوتیں، دنیا میں سب سے خوب صورت رشتہ دوستی ہی کا تو ہوتا ہے۔''

''لیکن کوئی رشتہ ماں سے زیادہ نہیں ہوتا بے وقوف لڑکی۔'' شائستہ بیگم اب برہم ہو گئیں...... ''میں تمہاری ماں ہوں، تمہیں دنیا میں دوست سے زیادہ ماں کی ضرورت رہے گی۔ دوست بہت مل جاتے ہیں لیکن ماں صرف ایک ہوتی ہے۔ میں جب تمہیں کہہ رہی ہوں کہ مجھے اب تمہارا شبینہ سے ملنا جلنا اچھا نہیں لگے گا تو

میں مینٹلی ٹارچر کا شکار ہو جاؤں گی۔ بے چینی محسوس کروں گی، تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتی۔'' شائستہ بیگم نے اب ڈانٹ ڈپٹ کا انداز اپنایا تھا۔

فائزہ ماں کو غصے میں دیکھ کر وقتی طور پر خاموش ہو گئی، وہ شبینہ کے حق میں کتنے بھی دلائل دیتی ماں کی طرف سے یہی جواب آنا تھا کہ شبینہ کی دوستی پسند نہیں۔ اتنی ذہین تو وہ تھی کہ ماں کے منہ سے ایک جملہ بار بار سننے کے بجائے وہ خاموشی اختیار کر لیتی سو اب اس نے خاموشی اختیار کی اور سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اپنے انداز سے یہ ظاہر کیا کہ اسے شائستہ بیگم سے کوئی بات ہی نہیں کرنی۔

شائستہ بیگم نے چند لمحے اس کی طرف دیکھا پھر بنا کچھ بولے اس کے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

فائزہ گرنے کے انداز میں تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ اس کے دل پر منوں بوجھ آ پڑا تھا۔ شبینہ سے دوستی ختم......؟

☆☆☆

شبینہ گھر کے ایک کونے کھدرے میں گھسی ہوئی سر کو جھکائے جانے کیا سوچ چکی تھی کہ برہان اسے تلاش کرتا ہوا اِدھر چلا آیا۔ شبینہ، برہان کو دیکھ کر جیسے کسی دھیان سے ایک دم چونکی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری یاسیت جیسے ہمیشہ کے لیے ڈیرا ڈال چکی تھی۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہو شبینہ......؟'' برہان نے بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''پھر کہاں بیٹھوں بھائی......! امی کے سامنے جاتی ہوں تو امی کی باتیں مجھے پریشان کر دیتی ہیں۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آتی کہ میں امی کو کس طرح بہلاؤں اور کیسے انہیں تسلی دوں...... بس اِدھر آ کے بیٹھ گئی۔ خاموشی اور اکیلے پن میں کچھ سکون سا مل رہا ہے......'' شبینہ کے لہجے میں اُمڈتی ہوئی شکستگی برہان کے لہو میں کانچ کے ٹکڑے بن کر پھیلنے لگی۔

''خود کو سنبھالو شبینہ، دیکھو ناں ہمارے چاروں طرف گہرے اندھیرے پھیل چکے ہیں۔ مگر ہم کسی کی وجہ سے حرام موت کو تو گلے نہیں لگا سکتے ناں، ان گھپ اندھیروں کے بیچ میں سے ہی کہیں روشنی کا نشان ملے گا اور ہم دونوں مل کر ڈھونڈیں گے۔'' اس نے شبینہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

یہ سنتے ہی شبینہ کی آنکھوں سے تواتر سے آنسو بہنے لگے۔ وہ کچھ وقت تک آنسو بہاتی رہی اور ساتھ ساتھ

پونچھتی رہی۔

برہان خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، دیکھتا...... شبینہ کی طرف تھا ذہن تو خدا جانے کہاں، کہاں کی اڑانیں بھر رہا تھا۔

''بھائی آپ کی ابا جان سے ملاقات ہوئی؟'' شبینہ نے ہچکچاتے ہوئے بالآخر وہ سوال کر ہی دیا جو کئی دفعہ کی کوشش کے باوجود اس کے ہونٹوں تک نہیں آ پا رہا تھا۔ لفظ ابا جان پر برہان یوں چونکا تھا جیسے اسے کسی نے بہت بلندی سے نیچے پٹخا ہو۔

''ابا جان ......'' وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوا۔ انداز میں بڑی بے ساختگی تھی...... چند لمحے خالی الذہن شبینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر بہت حوصلے اور وقار سے گویا ہوا۔ ''مجھے...... سمجھ نہیں آ رہی شبینہ کہ مجھے ابا جان سے ملنا چاہیے یا نہیں۔ ان کے ہاتھ میری بے گناہ معصوم بہن کے خون سے رنگے ہوئے ہیں...... میں ان کے سامنے اگر جاؤں گا...... تو میری آنکھوں میں سوائے نفرت کے کچھ نہیں ہوگا...... شبینہ یقین کرو کچھ دن پہلے تک مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ نفرت کس بلا کا نام ہے۔ ابا جان ڈانٹتے تھے، پھٹکارتے تھے برا بھلا کہتے تھے مگر میں ہمیشہ یہی سوچ کر خود کو سمجھاتا تھا کہ یہ ابا جان کی عادت ہے آخر وہ ہمارے باپ ہیں...... بہت محبت کرتے ہیں، پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اللہ جانے کس کس کی باتیں سنتے ہیں ہم چار بندے ان کی ذمے داری ہیں جو وہ نبھا رہے ہیں۔ میں نے کبھی ابا جان کے لیے نفرت کا جذبہ محسوس نہیں کیا بلکہ میں تو یہ سوچا کرتا تھا کہ کچھ دن بعد جب میری تعلیم مکمل ہو جائے گی تو میں اچھی جاب کی تلاش میں وقت ضائع نہیں کروں گا جو جاب بھی مل جائے گی کر لوں گا تاکہ ابا جی کا بوجھ بٹا سکوں۔ ان کی ذمے داری ہلکی کروں بس مگر......'' برہان بولتے بولتے رک گیا...... اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

شبینہ نے پوری آنکھیں کھول کر بھائی کا چہرہ دیکھا...... لفظ مگر کے آگے بہت کچھ تھا...... مگر شبینہ اندازوں کے گھوڑے نہیں دوڑانا چاہتی تھی وہ چاہتی تھی مگر کے بعد جو کچھ بولنا ہے برہان جلدی سے کہہ دے۔

''مگر میں ابا جان سے نہیں ملوں گا۔ نہ میں ان کی ضمانتوں کے لیے اِدھر اُدھر مارا مارا پھروں گا...... میں کسی وکیل کے پاس جاؤں گا نہ میں جھوٹی گواہیاں خریدوں گا اور ابا جان کی رہائی کے لیے بڑے سے بڑا وکیل کرنا ایسا مسئلہ نہیں ہے لیکن کیوں کروں، ان کو جھوٹ بولنے کے پیسے دوں، مظلوم منوں مٹی کے نیچے...... ظلم کرنے والے کے لیے بھاگ دوڑ...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' شاید برہان اپنی قوتِ برداشت اس سے زیادہ نہیں آزما سکتا تھا...... اتنا کہتے ہی وہ شبینہ کے سامنے سے ہٹ گیا لیکن شبینہ کو بھی ایک سوچ دے کر چلا گیا۔

باپ کا حق ادا کیا جائے؟ مظلوم بہن کے خون کا بدلہ لیا جائے؟ کتنا خوفناک اور مشکل ترین دوراہا تھا کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ اِدھر جائیں یا اُدھر......

☆☆☆

کائناز اور روما آنکھیں پھاڑے رابی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپا......؟'' کائناز نے روما سے پہلے خود کو سنبھال لیا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں کائناز...... مجھے تو کل ہی پتا چل گیا تھا، میں سوچ رہی تھی کہ شاید دادا جان نے تم دونوں کو بھی بتا دیا ہوگا......''

''اوہ مائی گاڈ...... یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''کیا نہیں ہو سکتا، سہراب خان چھتیسویں شادی کر سکتا ہے......'' کائناز حیران ہو کر رابی کی طرف دیکھنے لگی۔ کائناز کی آنکھوں میں بڑی حیرت اور معصومیت تھی۔

''چھتیسویں شادی 36means...... مگر......'' کہہ کر وہ رک گئی اور بڑی معصومیت اور سادگی سے کہنے لگی۔ ''لیکن آپا خالہ جانی کہہ رہی تھیں کہ شاید وہ ان کی تیسری یا چوتھی شادی تھی۔''

''یہ decleared شادی تھی میں ان شادیوں کی بات کر رہی ہوں جو اس نے دنیا سے چھپائی ہوئی ہوں گی ایسے لوگ جب تک پچاس ساٹھ شادیاں نہ کر لیں ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔''

روما اور کائناز دونوں نے ایک جیسی حرکت بے ساختہ کی تھی۔ یعنی اپنے دونوں ہاتھ سر پر مارے تھے۔

''پچاس ساٹھ شادیاں توبہ کریں رابی آپا...... آپ نے بھی حد کر دی ہے...... میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے سر تو اتنے اچھے ہیں، ظاہر ہے ان کی بہن بھی بہت اچھی ہوں گی۔ ان کے ابو بھی بہت اچھے ہوں گے تو اس طرح کے لوگوں کے ہاں تو یہ مرڈر وغیرہ نہیں ہوتے۔ کرمنل لوگ تو دوسرے ہوتے ہیں ناں مطلب غلط، غلط کام کرتے ہیں۔''

''اچھا تم رہنے دو۔'' رابی نے فوراً ٹوک دیا تھا۔ ''کچھ لوگ...... کرائم کرتے ہیں لیکن ان کی شکل سے لگتا ہے کہ وہ ابھی تک دودھ کو دودو بولتے ہیں۔ اس دنیا میں جو چہرے دھوکا دیتے ہیں ان کی تعداد بھی بہت ہے کوئی کم نہیں ہے۔''

''لیکن آپا آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ سر برہان کسی کرمنل فیملی سے belong کرتے ہیں؟'' روما اسی طرح معصومیت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے رابی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ رابی کی آنکھوں میں برہان کا نام سن کر جگنو سے چمکنے لگے تھے کیونکہ اس نے تو اس کا دوسری مرتبہ دیدار کرنے کے لیے گھڑیاں گنی تھیں۔ مہر جان کے گھر میں رہتے ہوئے شاید یہ خوب صورت جذبات اور احساسات اس کے دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ وہاں گھر کے کھڑکیاں دروازے تو بند تھے ہی انسانوں کے دماغ کے سارے خلیوں کو بھی کنٹرول میں رکھا جاتا تھا۔ ایک ذرا سی آزادی کا احساس ہوا اور کوئی سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آپا، آپ کیا سوچ رہی ہیں کہاں کھو گئیں؟'' کائناز نے رابی کو گم صم دیکھ کر فوراً کہا تھا۔ کائناز اور روما کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ رابی ایک دم اپنے کسی خوب صورت جہان سے چھلانگ مار کر ان کے

درمیان آگئی۔

''کتنے دکھ کی بات ہے، ہے ناں آپا......''

''بہت دکھ کی بات ہے۔'' رابی کے لہجے میں جو معنی چھپے ہوئے تھے ان دونوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہوسکتی تھی مگر انداز معنی خیز تھا۔

''اب تو سر ہمیں پڑھانے بھی نہیں آئیں گے۔''

''ظاہر ہے۔'' روما نے کائناز کی بات کے جواب میں فوراً ہی کہا تھا۔

''انہیں کتنی شرمندگی محسوس ہو رہی ہوگی۔ رابی آپا بتا رہی تھیں کل کے اخبار میں نیوز بھی لگی تھی آج کے اخبار میں بھی آئی ہوگی...... کیونکہ بندہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کا ہے، اب یہ لوگ کچھ دن تک چیخ و پکار کریں گے کسی نہ کسی بہانے سے اخبار میں نیوز لگتی رہیں گی ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں کو اخبار سے ہی پتا چل جائے کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔'' روما اور کائناز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''لیکن آپا ہمیں پتا بھی چل گیا۔ مسئلہ کیا تھا تو ہمیں کیا فائدہ......'' روما بڑی سنجیدگی اور وقار سے گویا ہو

''ہاں روما ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے آپا! ہمارا تو نقصان ہوگیا ناں...... پتا نہیں نیا ٹیوٹر کیسا ملے گا۔''

''تمہیں نئے ٹیوٹر کی پڑگئی کائناز، یہ تو سوچو ان لوگوں پر اس وقت کیا بیت رہی ہوگی۔'' رابی نے اپنے چہرے پر لاشعوری طور پر انگلیاں پھیرتے ہوئے...... کسی خیال میں کھو کر کہا تھا۔

روما اور کائناز پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ سوال ختم ہوچکے تھے جواب کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆

جابر علی لاک اپ کے ٹھنڈے فرش پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا ہوا تھا۔ بے شمار خیالات آرہے تھے اور کوئی خیال ایسا نہیں تھا جس میں اس کے گہرے کنویں سے باہر آنے کا کوئی امکان ہوتا...... وہ جانے کب تک مختلف خیالات کی یلغار میں بہتا رہتا کہ معاً اس کے کانوں میں سپاہی کی آواز آئی جو اسے مخاطب کررہا تھا۔

وہ سپاہی سالوں سے اس کی ماتحتی میں کام کررہا تھا اس کی آواز وہ ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔

''سر آپ، آپ سوئے نہیں، رات کافی ہوگئی ہے۔'' سپاہی اسے سر کہہ رہا تھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اقبالی مجرم ہے۔ لاک اپ کے پیچھے ہے...... لاک اپ کے پیچھے جاتے ہی اس کے سارے پھول، ستارے مٹی کے ڈھیر بن گئے تھے اس کے باوجود سپاہی اسے سر کہہ رہا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر سپاہی کی طرف دیکھا مگر اس کے پاس شاید کرنے کے لیے کوئی بات ہی نہیں تھی دوبارہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''سر وہ میں آپ سے یہ پوچھ رہا تھا کہ ابھی تک آپ کے گھر سے کسی نے رابطہ نہیں کیا۔ کوئی آپ سے ملنے نہیں آیا؟'' سپاہی کی بات سن کر جابر علی جیسے کسی گہرے دھیان سے چونک گیا اس نے سپاہی کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھا اب بھی اس کے پاس سپاہی سے کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

''سر وہ میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں، سالوں آپ کی ماتحتی میں کام کیا ہے۔ اس پورے پولیس اسٹیشن میں آپ سے زیادہ ایماندار افسر میں نے نہیں دیکھا۔ آپ سے پہلے جس افسر کے ساتھ کام کررہا تھا اس کے ساتھ دفتر کے کام کے علاوہ بھی بہت کام کرنا پڑتا تھا مگر آپ نے مجھے کبھی آفس سے باہر کا کام نہیں کہا۔ میرے

ل میں آپ کی بہت عزت ہے اس کے باوجود کہ آپ پر قتل کا الزام ہے۔“

”الزام نہیں ہے مہرداد خان۔“ جابر علی کی آواز نے ماحول کے سناٹے کو چیر کر رکھ دیا۔ وہ اپنی مخصوص بلند آواز میں گویا ہوا تھا۔ سپاہی مہرداد خان حیران نظروں سے جابر علی کی طرف دیکھنے لگا۔

”الزام نہیں ہے سر مگر مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کوئی انسان اپنی اولاد کو کیسے موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے؟“

”تم پولیس ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتے ہو...... روز ہی بڑی عجیب و غریب اور انوکھی خبریں سنتے ہو، اس کے باوجود تمہیں یقین نہیں آ رہا...... حیرت ہے۔“ جابر علی اب گھٹنوں پر ہاتھوں کا زور ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ، آہستہ چلتا ہوا لاک اپ کی سلاخوں کے قریب آ گیا۔

مہرداد خان آنکھیں پھاڑے جابر علی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”لیکن سر آپ جیسا نمازی، پرہیزگار، خوفِ خدا رکھنے والا، ایمانداری سے ڈیوٹی دینے والا...... وہ یہ... قانونی قدم کیسے اٹھا سکتا ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ ہی نہیں آ رہی۔“ مہرداد خان بہت آہستہ آواز میں بات کر رہا تھا اور ساتھ میں اِدھر اُدھر بھی دیکھ رہا تھا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا، سن تو نہیں رہا۔

”مہرداد خان تم اپنے کام سے کام رکھو۔ اب میں نہ تمہارا افسر ہوں اور نہ تم میرے ماتحت...... چند روز میں تمہیں نیا افسر مل جائے گا، تم ایمانداری سے اپنا کام کرو جس نے جو کیا ہے وہ بھگت لے گا۔“

”سر میں آپ سے یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کب سے لاک اپ میں بند ہیں، آپ کے گھر سے کوئی نہیں آیا۔ نہ کسی کا فون آیا نہ کسی نے آپ کے بارے میں کچھ پوچھا تو بس یوں ہی میرے دل میں خیال آیا کہ میں آپ سے پوچھ لوں کہ میں آپ کے کسی کام آ سکتا ہوں۔“ مہرداد خان حقِ وفاداری ادا کر رہا تھا۔

جابر علی کی آنکھوں میں اس کے لیے بڑے اچھے جذبات دکھائی دیے۔ اس نے قدردان نظروں سے مہرداد خان کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”بہت بہت شکریہ مہرداد خان اس اندھیرے میں تم مجھے بہت اپنے، اپنے سے محسوس ہو رہے ہو مگر شاید اب مجھے کسی اپنے کی ضرورت نہیں، میں نے ایک جرم کیا، میری نظر میں اگرچہ وہ جرم نہیں مگر قانون کی کتابوں میں اسے جرم لکھا گیا ہے اور جرم کے ساتھ سزا بھی لکھی ہوتی ہے، میں ہر طرح کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں، ہو سکتا ہے مجھے پھانسی لگ جائے۔“ جابر علی اب خود کلامی کے انداز میں بات کر رہا تھا۔

”سر آپ تو خود قانون کی پاسداری کرنے والوں میں سے ہیں پھر یہ کیا ہو گیا؟“ مہرداد خان حیران پریشان بس اسے تکے جا رہا تھا۔

”میں نے کہا ناں مہرداد خان تم میری فکر مت کرو، میں اندر سے بالکل مطمئن ہوں۔ میں نے بے ایمانوں کے سامنے، غداروں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ جن نافرمانوں کے اللہ کے سامنے سر نہیں جھکتے ان کے سامنے سر جھکانے سے تو بہتر ہے کہ بندہ پھانسی چڑھ جائے۔“ جابر علی اب سوچ سوچ کر بول رہا تھا اس کی آنکھوں سے لگتا تھا کہ جیسے وہ تصور میں کچھ دیکھ رہا ہے۔

”آپ کی بات ٹھیک ہے سر، ظلم کے آگے سر جھکانا تو خود ایک جرم ہے مگر سچ پوچھیں تو مجھے بہت دکھ ہے۔ ایک کے سامنے پوچھ لیں یا سو کے سامنے میں تو یہی گواہی دوں گا کہ میں نے آپ جیسا ایماندار افسر ابھی تک نہیں دیکھا۔“

”بہت بہت شکریہ......! مہرداد خان، میں تمہاری اس عزت افزائی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“ جابر علی ایک روبوٹ کے انداز میں گویا ہوا۔

”میرے لائق کوئی خدمت؟“ مہرداد خان نے اسی مؤدبانہ انداز میں پوچھا تھا۔
”نہیں......! اب شاید مجھے کسی خدمت کی ضرورت نہیں ساری زندگی سچ بولتا رہا...... جان بچانے کے
لیے جھوٹ نہیں بولوں گا۔“ جابر علی کی آنکھوں میں اس کی فطری انتہاپسندی بہت نمایاں تھی۔

☆☆☆

اصیل خان گھر کے لان کی سنگی بینچ پر بیٹھا کسی گہرے خیال میں گم تھا۔ گل جان تسبیح پڑھتی ہوئی برآمدے
میں نکل آئی چونکہ مہر جان نیند کی گولیوں کے زیر اثر گہری نیند سو چکی تھیں اور اس کا دل اندر کمرے میں گھبرا
لگا۔ باہر آتے ہی اس کی نظر اصیل خان پر پڑی تھی۔ وہ تسبیح کے دانے گراتے گراتے رک گئی۔ ایک سوچ اس کی
آنکھوں میں جھلکی اور وہ آہستہ، آہستہ چلتے ہوئے اصیل خان کے قریب آگئی۔ وہ اصیل خان کے بالکل قریب
آچکی تھی مگر اصیل خان کو جیسے آس پاس کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ وہ کسی اور دنیا میں سیر کناں تھا۔
”میں نے تمہیں منع کیا تھا اصیل خان، تم کوٹھی کے کسی حصے میں دکھائی نہیں دو گے مگر پھر تم یہاں لان میں
آکر بیٹھ گئے۔“

”آپ خواہ مخواہ ڈر رہی ہیں گل جان بی بی، ڈاکٹر صاحبہ نے اگر مجھے پہچان بھی لیا تو کوئی فرق نہیں پڑے
گا۔“ اصیل خان نے مطمئن لہجے میں گویا گل جان کو تسلی دی۔
”کچھ برا بھی تو ہوسکتا ہے اصیل خان...... ان کی حالت زیادہ خراب ہوسکتی ہے۔ مجھے اپنی بہن کو چند دن
ہر غم سے دور دیکھنے کی تمنا ہے، وہ آج کل ہنستی بھی ہیں، مسکراتی بھی ہیں،...... ترس گئی تھی میں ان کی ہنسی کو......
بس اب تو یہی دل چاہتا ہے کہ وہ ہنستی مسکراتی رہیں اور میں انہیں دیکھتی رہوں۔“
”گل جان بی بی یہ خود کو دھوکا دینے والی بات ہے۔ وہ سب کچھ بھول چکی ہیں اس لیے ہنستی مسکراتی ہیں
لیکن کسی بھی وقت سب کچھ انہیں یاد آسکتا ہے۔ جس طرح سے اچانک وہ سب کچھ بھول بیٹھیں اسی طرح سے
اچانک انہیں بہت کچھ یاد بھی تو آسکتا ہے۔“ اصیل خان الجھی، الجھی کیفیت میں بول رہا تھا۔
”تم تو خود اپنے حواس کھو بیٹھے ہو اصیل خان...... کوئی فلم چل رہی ہے کہ منٹ میں یادداشت گئی اور منٹ
میں واپس آگئی۔ تمہاری ڈاکٹر سے بات نہیں ہوئی مگر میری ڈاکٹر سے بہت تفصیل سے بات ہوئی ہے۔“ گل
جان اب قدرے جھنجلا کر خفا خفا انداز میں گویا ہوئی۔
”آپ سے ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟“ اصیل خان نے بڑی بے تابی سے پوچھا تھا۔
”کچھ نہیں...... ڈاکٹر یہ کہہ رہا تھا کہ یہ سب اچانک تو نہیں ہوا ان کے ساتھ کافی عرصے سے مسئلے چل رہے
تھے۔ ذہنی حالت تو مدت سے نارمل نہیں تھی۔ وہ جو اتنا چیختی تھیں، چلاتی تھیں تو وہ کہہ رہا تھا کہ ان کا بلڈ پریشر ہی
ہائی رہتا تھا۔ شکر ہے کہ انہیں attack یا haemorrhage نہیں ہوا ورنہ زیادہ عرصہ بلڈ پریشر ہائی
رہتا ہے تو فالج یا ہارٹ اٹیک کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔“ گل جان جیسے اپنی یادداشت پر زور ڈال کر بات کر رہی
تھی۔ جو ڈاکٹر کے ساتھ اس کی بات چیت ہوئی تھی اسے حافظے میں لانے کی بہت کوشش کر رہی تھی جیسے
بکھرے، بکھرے خیال اس کی یادداشت کو متاثر کر رہے تھے۔
”وہ تو ٹھیک ہے گل جان بی بی! آج کل ہر تیسرے بندے کا بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے۔ اس لیے لوگوں
میں برداشت بھی ختم ہوگئی ہے۔ بات بات پر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں لیکن خود کو پیشنٹ ماننے
کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔“ اصیل خان نے آہستہ آواز میں سر جھکا کر جواب دیا۔

”ڈاکٹر بھی یہی کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحبہ کو ڈاکٹر ہونے کے ناتے پتا ہونا چاہیے تھا کہ ان کا بی پی نارمل
نہیں رہتا، انہوں نے توجہ ہی نہیں دی۔ شاید وہ خود کو بالکل فٹ سمجھتی تھیں اور دوسرے لوگوں کو ان فٹ......“ یہ
کہہ کر گل جان نے ایک گہری سانس لی تھی۔
”لیکن گل جان بی بی‘ ہائی بلڈ پریشر سے دماغی مرض کا کیا تعلق بھلا...... یہ تو نفسیاتی بیماری ہوئی
ناں......؟“
”ہاں......!“ گل جان، اصیل خان کی بات سن کر کچھ سوچتے ہوئے بولی...... ”کچھ سمجھ ہی نہیں آرہی
اصیل خان، کچھ تو تھا جو بی جان کے اندر پل رہا تھا...... دیکھو ناں بندہ نہ خوش رہے اور نہ دوسروں کو خوش
دیکھنا چاہے، ہر وقت صرف اور صرف اپنے حکم کی تعمیل چاہے۔ ذرا سی مرضی کے خلاف بات ہو جائے تو اتنا
ہنگامہ کرے کہ در و دیوار کانپنے لگیں۔ یہ نارمل رویہ تو نہیں ہوسکتا ناں اصیل خان! اس کا مطلب ہے ڈاکٹر صحیح کہتا
ہے کہ وہ بہت عرصے سے ایب نارمل زندگی گزار رہی تھیں۔ میں تو مجھو ان پڑھ ہی ہوں میں کیسے سمجھ سکتی تھی
لیکن ان کے ساتھ جو ڈاکٹر تھے کم از کم انہیں تو اس بات کا اندازہ ہوجانا چاہیے تھا...... پتا نہیں یہ ایک دم سے کیا
ہوگیا۔“ گل جان جیسے اندازے لگاتی لگاتی تھک گئی آخری جملہ اس نے بڑے کوفت بھرے انداز میں کہا تھا۔
”گل جان بی بی زبان ساتھ نہیں دے رہی ایک بات ہونٹوں تک آتے، آتے رک جاتی ہے۔“ اصیل
خان ہچکچاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
”بول دو اصیل خان کچھ فرق نہیں پڑتا ہم تو طوفان کی پیش گوئی سے لے کر طوفان آنے کے بعد کے
سارے منظروں سے نمٹ چکے ہیں، فارغ ہوگئے ہیں۔ اب تو بس قیامت ہی آئے گی اور وہ تو سب کے لیے
آئے گی۔“ گل جان کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ اور لہجے میں بلا کا زہر تھا۔
اصیل خان کا سر مزید جھکتا چلا گیا۔
”کہو اصیل خان کیا کہہ رہے تھے۔“ گل جان اس کی خاموشی سے تنگ آکر بولی۔
”بس گل جان بی بی! میں تو بچیوں کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ انہی کی بات کرنا چاہ رہا تھا۔ ان دونوں
کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے۔ ظاہر ہے ڈاکٹر صاحبہ تو فی الحال ان کے لیے نہ سوچ سکتی ہیں اور نہ کچھ کر سکتی
ہیں۔“ اصیل خان نے جیسے بہت مشکل سے گل جان سے یہ بات کہی تھی، اس کے لہجے سے لگتا تھا کہ لفظ جیسے کسی پل
صراط سے گزرتے ہوئے آگے بڑھنے کے بجائے دائیں بائیں گہری کھائیوں میں گر رہے ہوں۔
”اب تم بچیوں کی فکر مت کرو اصیل خان، بچیاں بہت سکون سے ہیں۔ شکر ہے انہوں نے بھی سکون کی
سانسیں لی ہیں۔ ان بچیوں کے سکون کی دشمن میری بہن نہیں تھی...... میں...... اور تم تھے۔ اصیل خان یہ کتنا بڑا
سچ ہے لیکن ہم دونوں کو برداشت کرنا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے وہاں سے پلٹ گئی۔

☆☆☆

”کیا خیال ہے وارث علی ہم اس چوہے سے کچھ زیادہ ہی نہیں ڈر گئے تھے۔“ ایس پی اس وقت تازہ دم
اور پُرسکون دکھائی دے رہا تھا جیسے اس نے اپنے سارے بڑے، بڑے مسئلوں کا کوئی اچھا حل ڈھونڈ لیا
ہو۔ وارث علی نے ایس پی کی بات سن کر ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔
”سر جی سمندر کا سینہ چیر کر آگے بڑھتا ہوا جہاز کتنا عظیم دکھائی دیتا ہے۔ چوہا اس میں چھوڑ دیں بس اس
کا ایک سوراخ کر دینا ہی کافی ہے...... جہاز میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہوا اور پورا جہاز غرق...... کیا سمجھے

سر......!‘‘

وارث علی کی بات سن کر جواباً ایس پی نے بھی اس کی طرح قہقہہ لگایا تھا۔

’’جواب نہیں وارث علی تمہارا! کیا دلیلوں کے ساتھ جواب دیتے ہو...... اگر تم وکیل بن گئے ہوتے شاید ہی کوئی مقدمہ ہارتے۔‘‘ ایس پی نے وارث علی کی مداح سرائی کیٔ آخر کیوں نہ کرتا۔ یہ وارث علی ہی تو جس کے دم سے اس کے فارن کرنسی اکاؤنٹ کھل گئے تھے۔

’’ہار ماننا تو وارث علی نے سیکھا ہی نہیں۔‘‘ وارث علی نے بڑے مغرور انداز میں سگریٹ نکالتے ہوئے ایس پی کی طرف دیکھا تھا آنکھوں میں غرور اور تکبر کے تاثرات تھے جبکہ ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

’’اب اتنا زیادہ اوور کانفیڈنٹ ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ بندہ لاک اپ میں ہے، لفظوں کے ہیر پھیر سے کیس پلٹ سکتا ہے۔ مجھے تو باوثوق ذرائع سے پتا چلا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اس کے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اس اسٹیشن کے بہت سے لوگ بڑی آسانی سے قانون کی گرفت میں آسکتے ہیں اور وہ یہ ثبوت عدالت میں ضرور پیش کرے گا۔ اکیلا پھانسی نہیں چڑھے گا۔‘‘ ایس پی اب پُرتفکر انداز میں وارث علی کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔

’’ایسی کی تیسی اس کے ثبوتوں کی، ہم بھی شطرنج کھیلنا جانتے ہیں۔ کچھ نہیں کرسکتا وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ سر جی آپ آرام سے روٹی پانی کریں کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ ہم بھی شطرنج کے پرانے کھلاڑی ہیں، وہ ایک مہرہ آگے بڑھائے گا ہماری طرف سے تین چلیں گے۔‘‘

’’کیا مطلب......؟‘‘ ایس پی نے وارث علی کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ وارث علی کے منہ سے بہت کچھ صاف، صاف سننا چاہتا ہوتا کہ وہ زیادہ پُرسکون ہو جائے...... کیونکہ جرم کتنا ہی چھپا ہوا کیوں نہ ہو جرم کرنے والے کے دل میں کانٹے کی طرح کسی نہ کسی وقت کھٹک ہی جاتا ہے۔

’’میں جابر علی کی مقتولہ بیٹی کا شوہر نامدار ہوں سر جی...... پکی رشتے داری ہے ابھی اس کی ایک بیٹی اور بیٹا موجود ہیں ان کو مہرے بنا کر کھیلیں گے۔‘‘

’’اچھا......؟‘‘ وارث علی کی بات سن کر ایس پی نے بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا جیسے وارث علی کی بلائیں لے رہا ہو...... حالانکہ اس کے پاس تو قوت کے بہت سے لوازمات موجود تھے۔ وارث علی کے پاس کوئی نام کوئی عہدہ نہیں تھا صرف پیسہ تھا اور پیسہ بھی ایسا جیسے کسی کا کالا منہ رگڑ رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ بلیک منی کو وائٹ منی بنانے کی کوشش......

’’سر جی اتنی سی بات ہے آپ بھی ذہن میں بٹھالیں اور پُرسکون ہو جائیں کہ وہ اندر ہے اور ہم باہر...... باہر والے پاور میں ہوتے ہیں سر جی۔‘‘ یہ کہہ کر وارث علی نے پھر اپنا مخصوص شیطانی قہقہہ بلند کیا تھا۔

ایس پی بھی مسکرا رہا تھا جیسے نظروں ہی نظروں میں اس پر نثار ہو رہا تھا۔ ایسا ساتھ تو نصیب سے ملتا ہے جو تسلیاں بھی دے اور نوٹ بھی۔

’’سر آپ فکر نہ کریں، شہ ہمارے پاس ہے۔‘‘ اس نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے تصور میں جیسے جابر علی کو دیکھ کر اس کا مذاق اڑایا تھا۔

’’تو پھر کھیلو!‘‘ ایس پی نے اس کی سگریٹ کی ڈبیا کی طرف ہاتھ بڑھایا...... پولیس افسر تھا۔ اس کے سامنے وارث علی کی سگریٹ کی ڈبیا بڑی تھی اسے کیا پڑی تھی کہ اپنی سگریٹ نکالتا۔

جاری ہے

امانت

رفعت سراج

قسط 16

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے، موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور ...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو ناقابلِ قبول ہوتا ہے۔ صابرہ کی برہان سے بات ہوتی ہے تو وہ کائناز کے بارے میں پوچھتی ہے۔ سہراب خان رابی کی شکل دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے تو گل جان کو پتا چلتا ہے کہ ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کر رہا ہے اور وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں جس پر شاہ عالم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ ستارہ، برہان کو فون کرکے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہوگئی ہے اور وہ اس سے ملنے اس کے گھر آسکتا ہے۔ گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہو جاتی ہے۔ برہان، ستارہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے تو فون کرکے وارث علی سے ایڈریس سمجھتا ہے۔ ستارہ، برہان کو بتاتی ہے کہ اب وہ اُس گھر میں کبھی نہیں جائے گی۔ برہان اسے سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر مشکل میں وہ اس کے ساتھ ہے۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ جابر علی، ایس پی سے ولیمے کی بابت دریافت کرتا ہے تو وہ اسے جھوٹی تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے۔ رابی، برہان کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ وہ کون ہے۔ روما، شاہ عالم کے گھر آجاتی ہے۔ جابر علی ستارہ کے گھر آتا ہے تو وہ اس سے ملنے سے انکار کر دیتی ہے۔ کانسٹیبل جابر علی کو ریڈ کرنے سے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ علاقہ وارث علی کا ہے۔ ایس پی، جابر علی کو منع کرتا ہے لیکن جابر علی کہتا ہے کہ جو آرڈر اسے ملا ہے وہ اس پر عمل ضرور کرے گا۔ ایس پی شاہ زمان، وارث علی کو جابر علی کے ارادوں کے بارے میں بتاتا ہے۔ مہر جان سرونٹ کوارٹر میں جاتی ہیں اور اصیل خان کو دیکھ کر اس سے پوچھتی ہیں کہ وہ کون ہے۔ اصیل خان، مہر جان کو جواب دینے کے بجائے نماز کی نیت باندھ لیتا ہے۔ ستارہ، وارث علی کی بات پر حیران رہ جاتی ہے۔ جابر علی ستارہ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہتا ہے تو وہ منع کر دیتی ہے۔ ستارہ منع کرتی ہے تو جابر علی ستارہ کو گولی مار دیتا ہے۔ صابرہ فکر مند ہوتی ہے کہ جابر علی بغیر ناشتے کے کہاں چلا گیا ہے۔ وارث علی...... جابر علی کے اس عمل پر حیران ہوتا ہے اور گرفتاری سے ڈراتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ اپنی گرفتاری کا انتظار کر رہا ہے۔ برہان کو خبر ملتی ہے تو وہ فوراً اپنے گھر پہنچتا ہے۔ برہان، کائناز کو پڑھانے نہیں آتا اور نہ کوئی فون کرتا ہے تو شاہ عالم خود فون کرتے ہیں تو موبائل آف ملتا ہے۔ مہر جان، اصیل خان کو پہچانتی نہیں ہے اور اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کون ہے اور اسے کس نے رکھا...... ایس پی شاہ زمان، جابر علی سے کہتا ہے کہ وہ مجسٹریٹ کے سامنے وارث علی کا نام نہ لے لیکن جابر علی اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ شاہ عالم اخبار میں لگی خبر میں برہان کا نام پڑھ کر چونکتے ہیں برہان، شاہ عالم کا فون دیکھ کر حیران ہوتا ہے، شبینہ، فائزہ کو بتاتی ہے کہ برہان اسپتال میں ہے کیونکہ ابھی ستارہ کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا برہان، شاہ عالم کا فون آنے پر انہیں بتاتا ہے کہ اس کی بہن کا مرڈر ہو گیا ہے وہ اب روما کو نہیں پڑھا سکے گا۔ شاہ عالم اسے تسلی دیتے ہیں اور اس کا ایڈریس پوچھتے ہیں تاکہ وہ اس کے گھر جاسکیں۔ مہر جان اپنے مرحوم باپ کو صدائیں دیتی ہیں وہ گل جان سے کہتی ہیں کہ بابا ان سے ملے بغیر کبھی نہیں گئے تو اب کیسے چلے گئے۔ ایس پی، وارث علی کو خبردار کرتا ہے کہ وہ جابر علی کی وجہ سے پھنس بھی سکتا ہے۔ رابی کو برہان کی بہن کے مرڈر کی خبر ہوتی ہے تو وہ سوچتی ہے کہ شاید اب وہ اسے نہیں دیکھ پائے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے گھر جاتی ہے۔ مہر جان، اصیل خان سے گل جان کے بارے میں پوچھتی ہیں لیکن وہ کوئی جواب نہیں دیتا۔ رابی کو دیکھ کر مہر جان اسے پہچانتی نہیں ہیں وہ ایسا تصور میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی جو اُن کی حالت تھی۔ شاہ عالم، رابی کی ہمت بندھاتے ہیں۔ شاہ عالم، برہان کے گھر جاتے ہیں اسے تسلی دیتے ہیں۔ شائستہ بیگم، فائزہ سے کہتی ہیں کہ اب وہ شبینہ سے دوستی ختم کرے...... شبینہ، برہان سے جابر علی کے بارے میں پوچھتی ہے تو برہان کہتا ہے کہ وہ اب ان سے نہیں ملے گا۔ رابی، کائناز اور روما کو برہان کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں بتاتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہیں۔ جابر علی کا ماتحت اسے کہتا ہے کہ اگر وہ اس کی کوئی مدد کرسکتا ہے تو بتائے۔ جابر علی کہتا ہے کہ وہ اس کی اس عزت افزائی کو یاد رکھے گا۔ وارث علی، ایس پی سے کہتا ہے کہ جابر علی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس کی مقتولہ بیٹی کا شوہر ہے اور ابھی اس کی ایک بیٹی اور بیٹا زندہ ہیں۔

اب آگے پڑھیں

برہان کی نہ جانے کس پہر آنکھ لگی تھی لیکن یہ تھا کہ صبح دم خود بخود کھل گئی تھی۔ آنکھ کھلنے کے بعد یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سویا ہی نہیں تھا۔ جتنی دیر وہ نیند کے احساس میں رہا اتنی دیر وہ کچھ سوچتا رہا...... شعور اور لاشعور جیسے دونوں ایک ہی کیفیت میں مبتلا تھے، اسے ایک دم ماں کا خیال آیا وہ جلدی سے اپنے کمرے سے نکل کر آیا اور صابرہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔

''پتا نہیں امی تھوڑی دیر کے لیے بھی سوئی یا نہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے ادھ کھلے دروازے سے اندر جھانکنے لگا۔ صابرہ بستر پر آڑھی ترچھی لیٹی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر برہان کے دل کو کچھ ہوا۔ نئے، نئے وہم ستانے لگے وہ جلدی سے آگے بڑھا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔ صابرہ کی آنکھیں بند تھیں اور چلتی ہوئی سانسیں بتا رہی تھیں کہ اس وقت وہ گہری نیند میں ہیں آخر جاگنے کی بھی حد ہوتی ہے۔ ''سو ہی گئی میری بے چاری ماں۔'' بہت ہمدردی اور رحم بھری نظروں سے صابرہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سوچا...... پھر خیال آیا کہ ماں کی آنکھ کُھلے گی تو یقیناً انہیں بھوک ستا رہی ہوگی کیونکہ اس کے اور شبینہ کے زور دینے کے باوجود رات بھی ماں نے ایک دو نوالوں سے زیادہ نہیں کھایا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ...... دودھ لے آتا ہوں کچھ نہیں تو امی ایک گلاس دودھ ہی پی لیں گی۔'' اس نے یہ سوچا اور باہر آگیا...... شبینہ کے کمرے کا دروازہ بھی بند تھا۔ پہلے تو سوچا کہ اس کا دروازہ کھول کر دیکھ لے سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے پھر خیال آیا کہ کہیں سو نہ رہی ہو...... دروازہ کھلنے کی آواز سے جاگ نہ جائے۔ اس کا بھی حال ماں سے مختلف تو نہ تھا۔

وہ پھر اپنے کمرے میں گیا اور لٹکی ہوئی ایک شرٹ سے اپنا والٹ نکالا اور کُرتے کی بغلی جیب میں ٹھونسنے کے انداز میں رکھتا ہوا باہر آگیا۔ وہ یوں چل رہا تھا جیسے پانی پہ چل رہا ہو بہت احتیاط کر رہا تھا کہ قدموں کی ہلکی سی آہٹ بھی نہ ابھرے۔ گھر کا دروازہ بھی اس نے بہت آہستگی سے کھولا جیسے چور واردات کرنے جا رہا ہو...... دروازہ کھول کر باہر آیا تو اِکا دُکا لوگوں کو دیکھا جو غالباً نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے، دودھ دہی والے کی دکان چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ وہ لمبے، لمبے ڈگ بھرتا دکان تک آیا تو اس نے دیکھا محلے کے چند دوسرے لوگ بھی کھڑے دودھ لے رہے تھے۔ برہان ان سب چہروں کو پہچانتا تھا۔ بچپن سے آنکھ کھولتے ہی یہی چہرے دیکھے تھے۔

اس نے ان سب کو اجتماعی سلام کیا۔ برہان کے سلام پر جو لوگ متوجہ نہیں ہوئے تھے وہ بھی متوجہ ہو گئے۔ بڑی دزدیدہ نظروں سے برہان کو سر سے پاؤں تک دیکھا کچھ لوگ دودھ لے چکے تھے کچھ منتظر تھے مگر اب سب اپنا، اپنا کام بھول کر برہان کو دیکھ رہے تھے۔

''بیٹا...... وہ نمازِ جنازہ کب ہوگی کچھ خبر ہی نہیں، کیا سلسلہ ہے کیا تدفین ہو چکی؟'' ایک نسبتاً بڑی عمر کے صاحب نے جو ان کے گھر سے تین گھر چھوڑ کر رہائش پزیر تھے نے برہان سے پوچھا۔ برہان نے ان کی طرف دیکھا اور آہستگی سے کہا۔

''وہ انکل ابھی ڈیڈ باڈی ہمارے حوالے نہیں ہوئی جیسے ہی ڈیڈ باڈی گھر آئے گی نمازِ جنازہ کا وقت بھی بتا دیں گے۔ میرا مطلب ہے مسجد میں اعلان کروا دیں گے۔''

''ہاں، ہاں بیٹا اب موت کسی طرح بھی ہوئی ہو، نمازِ جنازہ میں شریک ہونا تو اخلاقی فرض ہے ناں۔'' دوسرے صاحب نے اپنی اخلاقیات جھاڑنا شروع کیں۔

''ویسے تو ہماری کوشش ہے انکل کہ آپ سب حضرات کو زحمت نہ ہو...... ایدھی ٹرسٹ والے بھی ہمارا کام کر سکتے ہیں۔'' برہان کے سینے سے ایک ہوک سی اٹھی تھی جسے دباتے ہوئے اس نے بڑے وقار سے جواب دیا تھا۔

''ارے بیٹا کیسی بات کر رہے ہو، ایدھی والے تو لاوارث میت کا کفن دفن کرتے ہیں...... خیر سے مرنے والی تمہاری سگی بہن تھی۔ اس کے کفن دفن کا بندوبست کرنا تمہارا فرض ہے۔'' ایک اور صاحب نے اسے دین سمجھانا شروع کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے انکل اگر ایدھی والوں سے درخواست کی جائے تو بھی وہ کفن دفن میں مدد کر دیتے ہیں۔'' برہان نے ان لوگوں کے بیچ سے راستہ بناتے ہوئے دکان دار سے قریب ہونے کی کوشش کی۔

''ارے بیٹا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کفن دفن تو ہو جائے گا محلے کے سب لوگ مدد کریں گے۔''

''بہت شکریہ انکل۔'' برہان نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ بولنے والا کون تھا۔ وہ ایسے جان چھڑا رہا تھا جیسے اسے ناحق گرفتار کر لیا گیا ہو اور پولیس ضروری اور غیر ضروری سوالات کی بوچھاڑ کر رہی ہو۔ ایک عجیب سا احساسِ جرم اس کے سر پر بلا کی طرح منڈلا رہا تھا اس کے باوجود کہ وہ سر سے پاؤں تک بے گناہ تھا۔

''بیٹا اعلان ضرور کروا دینا، ہم انتظار کر رہے ہیں۔ ارے بھئی یہ تو مرنے والے کا حق ہوتا ہے۔ جنازے کے ساتھ جانے پر ثواب ملتا ہے۔ اب مرنے والی کیسے مری......؟ کیا ہوا......؟ یہ تو اللہ اور اس کے بندے کا راز ہے، ہم تو اپنی طرف سے مرحومہ کے لیے دعا گو ہیں' دعا کرنا چاہتے ہیں۔'' وہی صاحب جنہوں نے گفتگو کا آغاز کیا تھا برہان سے کہہ رہے تھے لیکن برہان کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں چھپے ہوئے خنجر اس کے دل کا نشانہ لے رہے ہیں۔

''میری معصوم بہن کو آپ کی دعاؤں کا احسان نہیں چاہیے۔'' اس نے صرف سوچا مگر منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا پھر برہان نے سنا اپنے راستے پر چلتے ہوئے وہ تین چار مرد ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

''بھئی اپنے ہی تو پردہ ڈالتے ہیں کوئی' کچھ بھی کہے اپنا تو پردہ ڈالے گا ناں۔ اللہ مغفرت کرے مرحومہ کی...... جابر علی نے آج تک ایک ڈاکو نہیں مارا لیکن بیٹی کو مار دیا کوئی تو وجہ ہو گی؟''

اپنے راستوں پر چلتے ہوئے لوگ اپنے، اپنے انداز میں بولتے جا رہے تھے۔ نمازیں پڑھنے کے بعد...... ایک معصوم نوجوان کا دل دکھا رہے تھے۔ عبادت کے زعم پر دل آزاریاں کتنے آرام سے کر دی جاتی ہیں۔ دل آزاری کرنے والا یہ یاد نہیں رکھتا کہ عبادت کا ثواب اپنی جگہ لیکن معاملات کا حساب بھی تو بڑا سخت ہو گا۔ بندے کے بندے پر حقوق، زعم تقویٰ کے علمبردار یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اللہ اپنے حقوق تو معاف کر دے گا لیکن بندے کا معاملہ اس وقت تک معاف نہیں ہو گا جب تک بندہ خود معاف نہ کرے...... عبادات سے گزر کر اگر معاملات میں پھنس گئے انسان یہاں تک کیوں نہیں سوچتے۔

☆☆☆

''آپ کچھ بھی کریں...... سر جی...... کچھ بھی کریں...... وہ فائل اس کے قبضے سے نکلوائیں۔ وہ صرف فائل نہیں ہے۔ پتا ہے ناں آپ کو ایسی مرغی ہے جو قیامت تک سونے کا انڈا دے سکتی ہے اور اس فائل کے لیے ہم نے یہ کھڑاگ کیا۔ بساط پہ مہرے سیٹ کیے اگر وہ فائل ہی ہمارے ہاتھ نہیں لگی تو یہ ساری محنت بیکار ہے۔ ہم نے تو سوچا تھا کہ وہ فائل ستارہ اپنے خوب صورت ہاتھوں سے خود ہمیں پیش کرے گی لیکن وہ تو اپنے خوب

صورت ہاتھ، خوب صورت چہرہ...... سب کچھ لے کر چلی گئی...... آہ...... ہا......'' وارث علی بہت ٹینشن میں دکھائی دے رہا تھا۔ آج اس نے صبح ہی صبح ایس پی کے دفتر میں دھاوا بول دیا تھا۔

''یار خود بھی پریشان ہو اور مجھے بھی صبح، صبح پریشان کرنے آ گئے۔ ویسے تمہارا شکریہ کہ تم نے اتنے اہم پوائنٹ پر توجہ دلائی۔ ٹھیک کہہ رہے ہو تم اگر یہ فائل اس کے قبضے سے نکل کر وہاں پہنچ گئی جہاں ہم نہیں پہنچ سکتے تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔ تمہیں پتا ہے ہم تو شیر دل کو اس کا ایک کروڑ بیعانہ بھی دے چکے ہیں۔'' ایس پی بھی بہت منتشر ذہن کے ساتھ بات کر رہا تھا۔ جیسے اس کا جسم کہیں ہو ذہن کہیں اور......

''سر سوچ لیں کسی اور پارٹی کی حکومت بن گئی یا خدانخواستہ کوئی ایمرجنسی ڈیکلیئر ہو گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

''ملٹری کورٹ کو تو ہم فیس نہیں کر سکیں گے۔''

''ملٹری کی بات چھوڑیں کوئی ایسی حکومت آ گئی جس نے ہمیں فیور نہ دینے کی قسم اٹھائی ہو تو ہم کیا کر لیں گے۔''

''یار...... میں آج بغیر ناشتے کے گھر سے آیا ہوں' مجھے یہاں بہت ضروری کام نمٹانے تھے لیکن لگتا ہے کہ تم مجھ سے بھی زیادہ جلدی نکلے ہو۔ تم نے بھی ناشتا نہیں کیا ہو گا اس لیے صبح ہی صبح دماغ کھانے آ گئے۔'' ایس پی نے دوستانہ انداز میں جھنجلا کر مذاق کیا تھا اور حقیقت بھی یہی تھی اس وقت اس کے اپنے سارے کام ذہن سے نکل گئے تھے اور ایک گہری تشویش لاحق ہو گئی تھی۔

''سر جی وہی تو کہہ رہا ہوں کہ آج کی تاریخ میں کچھ کر لیں ورنہ یہ اربوں کی زمین ہمارے ہاتھ سے یوں نکلے گی جیسے بندوق سے گولی نکلتی ہے۔ حالات بدل رہے ہیں اور اچھے خاصے بدل بھی چکے ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو تم...... ویسے یار اس زمین کا مالک تو اپنی تین بیٹیوں کے ساتھ روپوش ہے لیکن فائل جابر علی کے قبضے میں ہے۔''

''سر جی آپ جابر علی سے ڈائریکٹ بات کریں اس کو stress دیں۔ اس کو کہیں کہ اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی زمین پر چل رہے ہیں۔'' وارث علی نے ایک راستہ سجھانے کی کوشش کی۔

''یار وارث علی کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟ جو شخص اپنی بیٹی کا خون کر سکتا ہے وہ ہماری اس دھمکی سے ڈر جائے گا؟ کوئی اور راستہ ڈھونڈو۔''

''مجھے تو لگتا ہے کہ اس شخص کے سینے میں دل ہی نہیں ہے اولاد تو سب سے بڑا امتحان ہوتی ہے۔ اولاد کے پیچھے تو انسان جان بھی دے دیتا ہے اور مال بھی...... یہ شخص پتا نہیں کس مٹی کا بنا ہے۔'' ایس پی اب غصے میں...... اول فول بکنے لگا۔ تشویش اس قدر تھی کہ حسِ مزاح ابھرتے ہی دم توڑ گئی تھی اور اس کا پولیس والا ذہن بڑی تیزی سے کام کرنے لگا تھا جس میں صرف غصہ اور تکبر ہی بھرا ہوا تھا۔

''میری تو عقل حیران ہے کہ یہ فائل جابر علی کے ہاتھ کیسے لگی۔''

''سر جی آپ محکمانہ کارروائی کرتے رہیں، ہم نے بھی اپنے طور پر چھان بین کروالی ہے۔ آئی جی کے آفس میں ہمارا ایک بندہ کام کرتا ہے اسی نے یہ بتایا تھا کہ آئی جی کے آفس سے وہ فائل جابر علی خود لے کر گیا تھا بلکہ آئی جی نے اپنے لاڈلے جابر علی کو وہ فائل خود عنایت فرمائی تھی اور اس پر کام کرنے کے لیے اسے ٹارگٹ دیا تھا۔''

''پرانی خبر ہے، یہ خبر میرے پاس بھی ہے۔ کوئی نئی بات ہے تو کرو ورنہ مجھے اکیلا چھوڑ دو میں کچھ سوچنا

چاہتا ہوں۔"

"ضرور سوچیے سر جی ضرور سوچیے...... ورنہ سمجھیں ایک کروڑ گنوانے کے تو گئے، پتا ہے ناں آپ کو کتنی مشکل سے ملتے ہیں ایک کروڑ...... اب میں چلوں گا رات کو ملیں گے۔" یہ کہہ کر وارث علی نے ایس پی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے غیر دماغی کی کیفیت میں اس کا ہاتھ تھاما اور بڑی بے دلی سے مصافحہ کیا کیونکہ اس وقت وہ ذہنی طور پر بہت منتشر تھا۔

☆☆☆

ستارہ کی تدفین ہوگئی تھی۔ برہان کے ساتھ بہت سے انجان لوگوں نے اس کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور دعا کی۔ تدفین سے فارغ ہوکر وہ سیدھا گھر چلا آیا تھا۔ جہاں اس کی ماں اور بہن واپسی کی گھڑیاں گن رہی تھیں۔

"سوگئی میری بچی خاک کی چادر اوڑھ کر سکون سے۔" برہان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی صابرہ کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ صابرہ کی اس بات کا برہان کے پاس کوئی جواب نہ تھا وہ سر جھکا کر آگے بڑھتا چلا گیا۔ صابرہ اس کے پیچھے، پیچھے آئی۔ شبینہ جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھ کر ان دونوں کو دیکھتی رہی خالی خالی نظروں سے جیسے اس نے خیالات کے ہجوم سے نجات کی کوئی تدبیر سوچ لی تھی یا کوئی ایسا منتر سیکھ لیا تھا کہ ذہن ہر طرح کی بات سوچنا ہی بند کردے۔

"بیٹا نمازِ جنازہ میں کتنے لوگ تھے؟" صابرہ نے نہ جانے کیوں پوچھا تھا۔ برہان نے چلتے، چلتے رک کر ماں کی طرف دیکھا۔

"امی نمازِ جنازہ میں، میں اکیلا نہیں تھا۔ کافی لوگ تھے۔ لوگوں کے کم یا زیادہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"بیٹا میں نے تو یہ سنا ہے کہ جس کی میت میں بہت سارے لوگ شریک ہوتے ہیں اس کی بخشش ہوجاتی ہے۔" برہان نے قدم آگے بڑھانے کے بجائے واپس ماں کی طرف موڑ لیے قریب آکر ماں کے کندھے تھام کر بہت محبت اور نرمی سے گویا ہوا۔

"امی لوگوں کی تعداد سے بخشش کا وعدہ نہیں ہے...... ہم نے قرآن مجید میں یہی پڑھا ہے کہ اللہ دلوں میں چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے۔ حساب رکھتا ہے پھر وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا جس کو چاہے گا عذاب دے گا...... امی میری بہن معصوم تھی کوئی گناہِ کبیرہ نہیں کیا تھا۔ آپ اس کی ماں ہیں اس کے لیے دعا کریں گی ناں تو اللہ ضرور قبول کرے گا۔ اس کی بخشش کے لیے آپ کی دعائیں چاہئیں۔" یہ کہہ کر وہ رکا نہیں بڑی تیزی سے چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ جیسے اس کا دل بھر آرہا ہو یا وہ ماں سے اپنے آنسو چھپانا چاہتا ہو۔

صابرہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پلٹ کر شبینہ کی طرف دیکھا۔

"یوں لگتا ہے بیٹا میرے تو بس آنسو ہی خشک ہوگئے ہوں یا اتنا روئی ہوں کہ آنسو ختم ہوگئے ہیں۔ دیکھو میری آنکھیں بالکل سوکھی پڑی ہیں۔ ذرا سا بھی پانی نہیں ہے۔" صابرہ بیٹی کے قریب آکر عجیب بہکے بہکے انداز میں کہنے لگی۔ شبینہ گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی اسے عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا۔ اس نے بے اختیار ماں کو گلے سے لگالیا۔

"امی شاید چھوٹی، چھوٹی باتوں پر بہت رونا آتا ہے۔ جب بڑی بات ہوتی ہے تو ہمارے آنسو ہی ختم

ہوچکے ہوتے ہیں۔ دیکھیں میرے بھی تو آنسو سوکھ گئے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ کہاں گئے حالانکہ میرا دل بھی چاہ رہا ہے کہ میں بہت روؤں اس لیے کہ ستارہ کا چہرہ ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے ہم سے چھپ گیا ہے اب ہم اسے کبھی نہیں دیکھیں گے۔" صابرہ نے جیسے دونوں ہاتھوں سے اپنا کلیجا تھام لیا اور گرنے کے انداز میں اس پلنگ پر بیٹھ گئی جس پر کچھ دیر پہلے شبینہ بیٹھی ہوئی تھی۔ شبینہ ایک دم زمین پر بیٹھ گئی اس نے ماں کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے اور بڑی دلسوزی سے گویا ہوئی۔

"امی آپ نہیں روئیں گی کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ زیادہ رونے سے مرنے والے کی روح کو تکلیف ہوتی ہے...... اب بس بھی کریں۔ یہاں تو تکلیفیں ہی تکلیفیں تھیں اب تو اسے سکون مل جانا چاہیے۔" یہ کہہ کر شبینہ نے ماں کے گھٹنے پر سر رکھ دیا...... صابرہ کا سینہ شق ہونے لگا اسے درحقیقت شق الصدر کا ادراک ہوا۔ کلیجا کیسے پھٹتا ہے، بولنا کتنا آسان ہے، کلیجا پھٹتا ہوا محسوس کرنا ایک قیامت ہے۔ قیامت جو برپا ہوجائے تو ختم ہونے کا نام ہی نہ لے۔

☆☆☆

"دادا جان آپ نے روما اور کائناز کو بتا دیا کہ اب ان کے ٹیوٹر پڑھانے نہیں آئیں گے۔" روما اور کائناز کے جانے کے بعد رابی، شاہ عالم سے باتیں کررہی تھی۔

"بیٹا آپ کو کس نے کہا ہے کہ ٹیوٹر پڑھانے نہیں آئیں گے؟" شاہ عالم نے چونک کر...... خالی خالی نظروں سے رابی کی طرف دیکھا اور بولے۔

"دادا جان سیدھی سی بات ہے اور سمجھ میں آنے والی بات ہے ان کے گھر میں اتنا بڑا حادثہ ہوا ہے، وہ اب اپنے ٹیوشن والے کام تو نہیں کرسکیں گے ناں۔" رابی کو رہ رہ کر برہان کا خیال آرہا تھا۔ اس نے برہان کے ذکر کا بہانہ ڈھونڈ ہی لیا تھا یا شاید کھوج اور تجسس میں کہ ہوسکتا ہے شاہ عالم کے پاس کوئی ایسی خبر ہو جس سے اس کے اپنے دل کو تقویت پہنچے۔ کوئی ایسی خبر جس میں آنے والے دنوں کے لیے کچھ اچھا ہو۔ ایسا کچھ کہ خیال تناؤ کے کانٹوں سے جان چھڑا کر ہوا کی طرح نرم ہوجائیں۔ وہ رات سے اب تک ایک ہی نقطے پر سوچ رہی تھی کہ اس کی قسمت واقعی بہت خراب ہے۔ اسے تو گویا خواب دیکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ آنکھ لگتے ہی ایک خواب کا سلسلہ شروع ہوا تھا کہ کہیں دور...... بادل گرجے، نیند ٹوٹی خواب ادھورا رہ گیا۔

"ایسی بات نہیں بیٹا، میں اس بچے کو سنبھالنے کی کوشش کروں گا۔ بہت ہونہار اور لائق بچہ ہے۔ ایسے بچے قوم کی امانت ہوتے ہیں۔ ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ میں تو اب تک یہی سوچ رہا ہوں کہ کتنا قابل اور نیک بچہ ہے۔ چھوٹی سی عمر میں کتنی بڑی آزمائش پڑی ہے اس پر...... انشاءاللہ میں اس کے لیے کچھ نہ کچھ کروں گا۔" بالآخر شاہ عالم نے وہ کلمات ادا کر ہی دیے جس سے رابی کے دل کو عجیب سی ڈھارس پہنچی تھی۔ اسے شاہ عالم پر ٹوٹ کر پیار آنے لگا۔ نورانی چہرے والے یہ بزرگ ان کے لہجے میں کتنی مٹھاس تھی کہ جی چاہتا تھا یہ آواز پوری کائنات پر محیط ہوجائے اور سب لوگ اس میٹھی آواز میں وہ سُریلے لفظ ایجاد کریں جو خوش الحان پرندے سنیں تو اپنے سُر بھول جائیں اور یہی گیت گنگنائیں۔ ہوسکتا ہے کہ شاہ عالم کے لہجے کی مٹھاس اس لیے بھی زیادہ محسوس ہوتی ہو کہ اس نے ہوش سنبھالتے ہی ایک کرخت آواز سنی جو کانوں کے پردوں کو چیرتی ہوئی آتش فشاں اگلنے والے پہاڑوں سے جاٹکراتی تھی۔

"آپ کیا کرسکتے ہیں ان کے لیے دادا جان بلکہ کوئی کسی کے دکھ مٹانے کے لیے کیا کرسکتا ہے؟" رابی

نے مزید کچھ سننے کے لیے جان بوجھ کر مایوسی کی کیفیت طاری کر کے چند الفاظ اپنی زبان سے ادا کیے۔

''نہیں، نہیں بیٹا یہ حقیقت ہے کہ دکھ مٹتے نہیں ہیں مگر بڑے سے بڑے زخم کے لیے بھی مرہم کہیں نہ کہیں ضرور ہوتا ہے۔ نرم اور ریشمی ہوائیں پھولوں کی خوشبوئیں ہی اٹھا کر نہیں چلتیں ان خوشبوؤں کے بیچ، بیچ میں کہیں دھول بھی ہوتی ہے جس کی گواہی آئینے دیتے ہیں...... یہ دھول، یہ مٹی، یہ گرد بھی دکھ چھپا دیتی ہے، بوجھل کر دیتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ بڑے سے بڑا زخم بھی ہلکا پڑ جاتا ہے۔ بس یہی بات اس بچے کو سمجھانی ہے کہ وہ حوصلہ نہ ہارے اپنے قدموں پر مضبوطی سے جم کر کھڑا رہے۔ جو لوگ بے قصور ہوتے ہیں مگر آزمائے جاتے ہیں قدرت کی طرف سے ان کی غیبی مدد ضرور ہوتی ہے۔'' شاہ عالم کی باتوں میں بہت خوب صورت صبح کے اجالے تھے۔ وہ بول رہے تھے رابی کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے شاہ عالم کے الفاظ بہاروں کی دستک ہوں، وہ کسی خوب صورت خیال میں بھیگ چلی مگر فوراً ہی جیسے اپنے جامے میں واپس آگئی۔ اس کا دایاں ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے کے زخموں کو چھونے لگا۔ بڑی عجیب سی کیفیت ہوگئی۔ سارے خوب صورت اور رنگین خیال ہاتھ میں پکڑے ہوئے پرندوں کی طرح پھر سے اڑ گئے اور زخم نئے سرے سے ٹیسیں دینے لگے۔ اب اسے نہ کچھ سننے کی چاہ تھی نہ کوئی سوال کرنے کی تمنا...... لمحے بھر کے لیے بادل چھائے اور پھر سورج کی تمازت اس کی روح کھلسانے لگی وہ کیوں خواب دیکھ رہی تھی۔ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

''میں ایک بدنصیب لڑکی ہوں مجھے خواب دیکھنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔''

''کہاں جا رہی ہو بیٹا کچھ دیر بیٹھو......''

''دادا جان وہ مجھے میڈیسن لینی ہے۔''

''ہاں، ہاں بیٹا دوا ٹائم سے لیا کرو، وہ دوائیں انجکشن سے بچنے کے لیے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے زخم بھر جائیں تو پھر تمہیں dermatalogist کے پاس لے کر جائیں گے۔ اللہ نے چاہا تو تمہارا چہرہ پہلے جیسا ہو جائے گا اور بھی پیارا...... معصوم پریوں جیسا۔'' شاہ صاحب نے جیسے رابی کے چہرے سے اداسی پڑھ لی تھی۔ اس لیے شگفتہ انداز میں گویا ہوئے تھے۔ رابی نے اپنے سینے سے دبی ہوئی سانس خارج کی اور یوں مسکرائی جیسے شاہ صاحب کا دل رکھ رہی ہو۔

☆☆☆

''کیا سوچ رہی ہو روما؟'' کائناز نوٹ کر رہی تھی کہ روما کی خاموشی بہت غیر معمولی ہے۔ دونوں کالج سے گھر واپس آرہی تھیں۔ پچھلی سیٹ سے روما باہر جھانکتے، جھانکتے ایک دم چونک پڑی۔ کائناز کی طرف دیکھا پھر بڑے بے معنی سے انداز میں مسکرا دی۔

''کچھ بھی نہیں، بس ویسے ہی کبھی کبھی خاموش رہنا اچھا لگتا ہے۔''

''میری موجودگی میں تم اتنی دیر تک تو کبھی خاموش نہیں رہیں۔ اس لیے میں پریشان ہوگئی۔ آخر تم کیا سوچ رہی ہو؟''

''کچھ بھی نہیں سوچ رہی کائناز کیا سوچنا...... سوچنے سے ہوتا بھی کیا ہے بلکہ اکثر تو وہی ہوتا ہے جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے کائناز......''

''مجھے لگتا ہے کہ تمہاری کمپنی میں، میں بہت جلد بوڑھی عورت بن جاؤں گی...... کیسی اماؤں جیسی

باتیں کرنے لگی ہو روما...... تمہیں ہو کیا گیا ہے۔'' کائناز نے سرزنش کی۔

''کائناز میں کچھ دیر کے لیے گھر جانا چاہتی ہوں۔ میرا مطلب ہے تم مجھے گھر پر ڈراپ کر دو۔ میں خالہ جانی اور اماں جان سے کچھ دیر باتیں واتیں کر کے تمہارے پاس واپس آجاؤں گی۔'' روما نے یوں جھجکتے ہوئے کہا جیسے کسی غلط کام کرنے کی اجازت لے رہی ہو۔

''توبہ......! تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ میں نے سوچا پتا نہیں کیا مسئلہ ہے، کیوں الجھی ہوئی ہو...... کیا سوچ رہی ہو، بس اتنی سی بات تم اکیلے نہیں اترو گی...... میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ میں نے بھی آنٹی کو نہیں دیکھا آپا تو شاید رات گئی تھیں۔'' کائناز کی بات پر روما چونک پڑی۔

''رابی آپا...... رابی آپا کی بات کر رہی ہو؟''

''ہاں تو اور کیا...... اور کس کی کروں گی میں، انہی کو آپا کہتے ہیں، ہم دونوں کی تو وہی آپا ہیں۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا...... بتایا تھا تمہیں رابی آپا نے؟''

''نہیں بس وہ ایسے ہی دادا جان سے صبح بات ہو رہی تھی تو بتا رہے تھے کہ رابی رات اپنی ماں سے ملنے گئی تھی۔''

''تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' روما نے بڑے برجستہ انداز میں کائناز کی بات کاٹ کر کہا۔

''اب تو بتا رہی ہوں مجھے کیا پتا تھا کہ اتنی اہم بات ہے تمہیں رات ہی کو جگا کر بتا دینی چاہیے تھی۔'' کائناز یہ کہہ کر ہنس دی پھر ڈرائیور سے بولی۔

''وہ اشرف ہمیں روما کے گھر ڈراپ کر دینا اور دادا جان کو بتا دینا ہم روما کے گھر ہیں...... تھوڑی دیر میں آرہے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے روما کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت پیار سے دبایا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ اماں جان کس انداز میں ملیں گی...... مجھے دیکھیں گی تو کیا کہیں گی؟''

''اچھا بس چھوڑو۔'' کائناز نے فوراً اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''اب تم اندازوں میں الجھتی رہو...... یہ کہیں گی...... وہ کہیں گی جا تو رہے ہیں ناں...... اب جو کچھ بھی کہیں گی وہ سامنے کھڑے ہو کر دونوں ہی سن لیں گے۔''

''ہاں مگر...... کائناز مجھے ایک بات سمجھ نہیں آرہی...... خالہ جانی کہتی ہیں کہ اماں جان سب کچھ بھول چکی ہیں انہیں کوئی سائیکی پرابلم ہوگئی ہے۔ وہ ان کا علاج بھی نہیں کروا رہیں......''

''کم آن یار روما اب بس بھی کرو تمہیں بہت ہی شوق ہو گیا ہے اپنے آپ سے باتیں کرنے کا۔ کبھی یوں سوچنے کا کبھی ایسے سوچنے کا کبھی ویسے سوچنے کا۔ کبھی یہ، کبھی وہ خدا کو مانو یار......'' کائناز اب جھنجلا کر روما کو ٹوک رہی تھی...... روما نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں آنکھیں بند کیں اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ کائناز نے روما کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بڑے پیار سے دبانے لگی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہرجان کے کار پورچ میں دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں ایک تو ڈاکٹر مہرجان کے ذاتی استعمال میں رہتی تھی اور دوسری گاڑی رابی، روما، گل جان اپنے لیے استعمال کرتی تھیں۔

مہرجان کا خالی کمرا دیکھ کر گل جان حواس باختہ سی اِدھر اُدھر تلاش کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ مہرجان کو دیکھ کر اس نے سکون کی سانس لی کہ تلاش کا کام بہت مختصر رہا وہ جلد ہی بازیاب ہوگئی تھیں...... لیکن گل جان کو یہ دیکھ کر جانے کیا کچھ یاد آنے لگا۔ وہ باری باری دونوں کاروں کے شیشے میں سے کاروں کے اندر جھانک کر خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''بابا جان...... بابا جان...... باباجانی گاڑی میں تو نہیں ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ دوسری گاڑی کی طرف متوجہ ہوئیں اور کھڑکی سے گاڑی کے اندر جھانکنے لگیں۔ اتنی دیر میں گل جان نے انہیں جالیا تھا۔ گل جان کو اپنے قریب پاکر مہر جان جیسے اپنے کسی تصور سے چونک کر باہر آئیں اور بڑے معصومانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''گل جان......! دونوں گاڑیاں خالی ہیں اندر کوئی بھی نہیں بیٹھا ہوا۔'' پھر اپنی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں...... ''یہ تو بابا کی گاڑی ہے ناں لیکن اس میں بھی کوئی نہیں ہے۔''

''بی بی جان آپ اندر چلیں...... ابھی ان گاڑیوں میں کوئی بھی نہیں ہے سب لوگ گئے ہوئے ہیں۔'' گل جان کو یہی جواب سوجھا۔

''کہاں گئے ہوئے ہیں؟ گاڑیاں تو اندر ہیں سب لوگ باہر کیسے چلے گئے۔''

''بی بی جان پیدل چلنا بھی ضروری ہے، پیدل چلے گئے ہوں گے ابھی آجائیں گے۔''

''لیکن پہلے تم مجھے یہ بتاؤ بابا جان گاڑی میں کیوں نہیں گئے۔ یہ بابا جان کی گاڑی ہے ناں؟''

''ہاں بی بی جان، یہ بابا جان ہی کی گاڑی ہے، آپ آئیں میرے ساتھ۔''

''نہیں، نہیں...... میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی مجھے حویلی جانا ہے...... اپنا گھر آخر اپنا گھر ہوتا ہے، کب تک ہم دوسروں کے گھر میں رہیں گے۔'' ان کی بات سن کر گل جان چونک پڑی تھی گویا...... مہر جان کو اتنا ادراک تھا وہ اپنا پرانا گھر یاد رکھے ہوئے تھیں۔

''بی بی جان ڈرائیور کام سے گیا ہوا ہے جب وہ آجائے گا تو ہم دونوں حویلی چلیں گے۔ ٹھیک ہے، آپ ابھی میرے ساتھ آئیں۔'' مہر جان نے بچوں کی سی معصومیت کے ساتھ گردن ہلا کر اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے، ڈرائیور آجائے تو ہم دونوں حویلی چلے جائیں گے۔ یہ تو پتا نہیں کس کا گھر ہے، میں تو اپنا کمرا ہی بھول جاتی ہوں لیکن گل جان جب گھر میرا نہیں ہے تو کمرا بھی میرا نہیں ہے۔ میرا کمرا تو حویلی میں ہے ناں؟''

''جی بی بی جان، آپ آئیں میرے ساتھ......'' گل جان نے انہیں کندھوں سے تھام لیا اور بہت اپنائیت اور محبت کے ساتھ انہیں سنبھالتی ہوئی گھر کے اندر کی طرف بڑھی۔

''گل جان یہ بابا کی گاڑی ہے ناں......؟'' چند قدم چلنے کے بعد مہر جان نے پھر پورچ کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''بی بی جان یہ بابا کی گاڑی ہے لیکن بابا جان گھر پر نہیں ہیں۔ وہ بعد میں آجائیں گے وہ گئے ہوئے ہیں کسی کام سے۔''

''اچھا تو تم ایسا کرو۔'' مہر جان اب جلدی سے بولیں۔ ''تم گاڑی کی چابی مجھے دے دو، میں تو ڈرائیو کرسکتی ہوں، میں خود چلی جاؤں گی۔'' یہ سن کر گل جان کی آنکھیں بھر آئیں اس نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا۔

''آپ تو گاڑی چلانا بھول گئی ہوں گی بہت دن ہوئے آپ کو گاڑی چلائے ہوئے۔'' اس نے جواب دیا۔

''نہیں، نہیں گل جان تم یقین کرو میں بالکل نہیں بھولی چلو آؤ میں تمہیں چلا کر دکھاتی ہوں...... مگر چابی تو دو۔''

''پتا نہیں بی بی جان چابی کہاں رکھ کر بھول گئی عجیب سا حال ہوگیا ہے میرا کچھ یاد نہیں رہتا جو چیز رکھتی ہوں، رکھ کر بھول جاتی ہوں۔'' گل جان بول رہی تھی لہجے میں بلا کا کرب تھا۔

مہر جان نے پھر تابعدار بچے کی طرح گردن ہلائی اور بہن کے ساتھ قدم بڑھانے لگیں لیکن ایک مرتبہ پھر چند قدم چل کر رک گئی تھیں۔ گل جان نے بڑی بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تھا مگر کچھ بولی نہیں تھی۔ مہر جان پلٹ کر پورچ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''گل جان یہ بابا کی گاڑی ہے ناں......''

''جی بی بی جان گاڑی تو بابا کی ہے مگر بابا نہیں ہیں۔'' گل جان کے سینے سے جیسے ہوک سی اٹھی تھی۔ بہت سارے دکھوں کے بیچ دنیا سے رخصت ہوجانے والا باپ بھی بڑی شدت سے یاد آیا۔ عین اسی لمحے جبکہ وہ لاؤنج میں داخل ہونے والی تھیں، گل جان کو یوں محسوس ہوا جیسے گارڈ گیٹ کھول رہا ہے۔ اس نے لاشعوری طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا کیونکہ یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ گارڈ دروازہ کھول چکا تھا۔ روما اور کائناز اندر آرہی تھیں دونوں کو اندر آتا دیکھ کر وہ رک گئی۔ بی بی جان گل جان کی طرف دیکھنے لگیں پھر مسکرا کر بولیں۔

''تم بھی بابا کی گاڑی دیکھ رہی ہو، بابا بس ایسے ہی ہیں کہیں جاتے ہیں تو بتا کر نہیں جاتے۔ انہیں بتا کر جانا چاہیے۔ پتا نہیں وہ پیدل کیوں گئے، اپنی گاڑی لے کر نہیں گئے۔ میں جا کر دیکھتی ہوں گل جان تم مجھے چابی دو۔''

''ایک منٹ بی بی جان رکیں۔'' گل جان نے ان کا ہاتھ کندھے سے ہٹاتے ہوئے روما اور کائناز کی طرف دیکھا۔ وہ قدرے فکرمندی دکھائی دینے لگی تھی۔

''یہ روما اس وقت کیوں آگئی، لگ رہا ہے کہ کالج سے سیدھی یہیں آئی ہیں دونوں یونیفارم میں ہیں۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ اسی اثنا میں روما اور کائناز ان کے پاس آگئی تھیں۔

''السلام علیکم...... خالہ جانی......!'' کائناز نے سلام کرنے میں پہل کی کیونکہ روما تو ماں کو دیکھ کر گم صم سی کھڑی نظر آرہی تھی۔ کائناز کے سلام پر اسے بھی خیال آیا کہ سلام کرنا چاہیے۔

''السلام علیکم۔'' اس نے خالہ اور ماں کو بیک وقت سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' مہر جان نے گل جان سے پہلے جواب دیا اور بڑی دلچسپی سے دونوں کی طرف دیکھنے لگیں۔

''گل جان یہ پیاری، پیاری سی لڑکیاں کون ہیں؟'' انہوں نے وفورِ شوق سے دونوں کو دیکھتے ہوئے گل جان سے پوچھا تھا۔ روما کے اندر دکھ کے ایک نہیں کئی آئینے چھن، چھن کر کے ریزہ، ریزہ ہوگئے تھے اور ساری کرچیاں لہو میں دوڑنے لگی تھیں۔

''یہ ہمارے پڑوس میں رہتی ہیں، بی بی جان آپ اندر چلیں۔''

''بس تم ہر وقت مجھے اندر جانے کے لیے کہتی رہتی ہو، کیا رکھا ہے اندر...... نہ بابا جان ہیں نہ اصیل خان...... تم بھی نہ جانے کہاں غائب ہوجاتی ہو۔ ابھی ہمارے گیسٹ آئے ہیں، مجھے ان سے باتیں تو کرنے دو۔'' مہر جان اسی طرح دلچسپی سے روما اور کائناز کو دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں تو اندر چلیں ناں بی بی جان، اندر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔'' گل جان نے جیسے زچ ہو کر کہا تھا۔ روما کے ہونٹ ایک دوسرے میں یوں پیوست تھے جیسے اس نے کچھ نہ بولنے کا تہیہ کرلیا ہو جبکہ کائناز بہت تشویش اور معصومیت کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

”آؤ تم دونوں اندر آجاؤ کیا بات ہے...... کالج سے سیدھی آگئیں؟ چلو ٹھیک ہے، آگئی ہو تو...... میں کھانا لگواتی ہوں کھانا کھالو۔“

”نہیں خالہ جانی، ہم کھانا نہیں کھائیں گے، وہ کالج میں برگر وغیرہ کھالیا تھا اس لیے بالکل بھی بھوک نہیں ہے کھانا تو ہم آرام سے ہی کھائیں گے۔“ کائناز نے جھٹ سے جواب دیا۔

”اچھا تو پھر آؤ...... تمہارے لیے جوس یا شیک وغیرہ بنا کر لے آتی ہوں تم بیٹھو۔“

”خالہ جانی رہنے دیں ناں پہلے ہی آپ کے پاس کام کم ہے کیا...... اور آپ نے تو اپنے کام خود ہی بڑھا لیے ہیں اگر اماں جان کا علاج شروع ہو جاتا تو اب تک بہت فرق پڑ چکا ہوتا۔“ روما نے دکھ اور خفگی کی کیفیت میں خالہ سے کلام کیا تھا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے روما کے چہرے کا جائزہ لینے لگی اور اداسی سے گویا ہوئی۔

”بیٹا جو اپنا ہوتا ہے ناں وہ کسی بھی اپنے کی تکلیف پر ایسے ہی تڑپتا ہے جیسے وہ اس کی اپنی تکلیف ہو...... بی بی جان کتنی تکلیف میں تھیں، تم نہیں جانتیں اب بہت آرام میں ہیں، انہیں آرام آگیا ہے بیٹا......! انہیں آرام سے جینے دو۔“ گل جان بار بار کی ایک بات سے جیسے تنگ آچکی تھی بالآخر اس نے بڑے قطعی انداز میں روما کو جواب دیا تھا۔ ”میں ان کا علاج نہیں کراؤں گی چاہے ساری دنیا میرے پیچھے پڑ جائے۔“ وہ مزید گویا ہوئی۔

”کس کے علاج کی بات ہو رہی ہے گل جان؟ کون بیمار ہو گیا...... بابا تو ٹھیک ہیں ناں......؟“ مہر جان جو اپنے کسی خیال میں کھوئی ہوئی تھیں بس آخر کے دو چار لفظ سن کر چونک پڑی تھیں اور سوال کرنے لگیں۔

”کوئی بیمار نہیں ہوا بی بی جان اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے جو بیمار تھے اب وہ بھی اچھے ہو گئے ہیں۔“ بہن سے کہہ کر وہ لڑکیوں کی طرف مڑی۔

”بیٹھو تم دونوں، میں تمہارے لیے کچھ لے کر آتی ہوں۔“

”خالہ جان ہم کوئی مہمان نہیں جو آپ بار بار کوئی چیز لانے کو کہہ رہی ہیں۔ ہمارا موڈ نہیں ہے ابھی بارہ بجے ہم نے برگر کھایا تھا۔ کولڈ ڈرنک بھی پی لی تھی، آپ بس بیٹھ جائیں اور روما تو آنٹی سے ملنے آئی ہے۔ یہ اکیلی آرہی تھی، میں نے کہا میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔“

”اچھا کیا آگئیں۔“ گل جان نے کائناز کی بات سن کر کہا۔

”گل جان بابا آگئے ہیں لیکن وہ...... وہ اب کہاں چلے گئے ہیں۔“ مہر جان کو ان تینوں کی بات چیت سے ایک رتی برابر بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اپنی ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھیں۔ اپنی پسند سے سوچ رہی تھیں اپنی مرضی سے سن رہی تھیں۔ وہ کیا باتیں کر رہی ہیں کیا موضوع ہے کس کے بارے میں بات کر رہی ہیں، مہر جان کا ذہن ان کی طرف بالکل متوجہ نہیں تھا۔ وہ ماحول سے کٹی ہوئی اپنے باپ کے بارے میں فکر مند نظر آرہی تھیں۔

روما ان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

”اماں جان...... اب مجھے کبھی نہیں پہچانیں گی ہاں کبھی نہیں...... انہیں تو سب بھول چکا ہے ناں خالہ جان کہ ان کی دو بیٹیاں بھی ہیں۔“

”بیٹا بی بی جان کو کچھ یاد نہیں اور انہیں کچھ یاد دلانے کی ضرورت بھی نہیں...... دیکھو ہم تینوں اپنی، اپنی باتیں کیے جا رہے ہیں اور انہیں ذرا برابر بھی پروا نہیں کہ ہم کیا باتیں کر رہے ہیں، کس کا ذکر کر رہے ہیں، کس کو اماں جان کہہ رہے ہیں کن بیٹیوں کی باتیں کر رہے ہیں۔ اب تم جاؤ جا کر آرام کرو، دیکھ لیا ناں ماں کو بس......! اب تم صرف ماں کو دیکھ سکتی ہو۔“ گل جان نے رقت بھری آواز میں کہا۔ روما نے ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور آنسوؤں کے بیچ یوں مسکرائی جیسے بادلوں کی اوٹ سے چند لمحے کے لیے چاند جھلک دکھاتا ہے۔

”چلیں روما......“ کائناز اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر بولی۔

”تم جاؤ کائناز...... آرام کرو...... میں تھوڑی دیر اماں جان کے ساتھ بیٹھنا چاہتی ہوں۔“ وہ بول رہی تھی اور ڈاکٹر مہر جان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ باتیں انہی کے بارے میں ہو رہی تھیں بس وہ تینوں کو باری باری شوق سے دیکھے جا رہی تھیں۔ روما کے منہ سے بار بار اماں جان نکل رہا تھا۔ گل جان جواب میں کئی بار بی بی جان کہہ چکی تھی...... لیکن مہر جان کے چہرے پر جو تاثرات تھے ..... ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا شناسائی کی رمق نہیں تھی۔ بظاہر ان کی نظر ان تینوں پر تھی لیکن ان کی تو اپنی ایک الگ دنیا بن چکی تھی۔ ایسی دنیا جس میں ان کے ساتھ رہنے والے کوشش کرنے کے باوجود بھی نہیں جھانک سکتے تھے...... روما ماں کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے مہر جان رحم کھا کر اسے گلے سے لگالیں گی اور کہیں گی کہ روما میں ٹھیک ہوں میں نے تمہیں پہچان لیا ہے مجھے پتا ہے تم میری بیٹی ہو...... کائناز نے چند لمحے تو یہ برداشت کیا پھر کھڑی ہوگئی۔

”روما حد کرتی ہو تم، آنٹی نارمل نہیں ہیں مگر تم تو نارمل ہو ناں، دیکھ لیا ناں تم نے آنٹی کو بس چلو اب اٹھو ہاں۔“

”ہاں...... روما اب تم جاؤ بیٹا اور دیکھو جلدی، جلدی میرا مطلب ہے بار بار اس گھر میں آنے کی ضرورت نہیں...... بی بی جان یہاں سکون سے ہیں تم کچھ دن کائناز کے پاس سکون سے رہ لو۔ پھر میں تمہارے اور رابی کے بارے میں کچھ سوچتی ہوں۔“

”کیا سوچیں گی خالہ جان آپ ہمارے بارے میں؟ اب جبکہ اماں جان کو کسی بات کا پتا ہی نہیں ہر بات سے بے خبر ہو چکی ہیں تو پھر ہم بار بار آئیں، ایک ہزار مرتبہ آئیں کیا فرق پڑتا ہے؟“

”بیٹا...... اسی لیے تو میں کہہ رہی ہوں کہ ماں کو اس حال میں بار بار دیکھو گی تو تمہارا ذہن مزید الجھے گا، تمہاری پڑھائی پر برا اثر ہوگا۔ تمہاری ماں کو کتنا شوق تھا ناں...... کہتی تھیں کہ میں اپنی بیٹیوں کو محض کھانے، سونے اور فیشن کرنے والی لڑکیاں نہیں بناؤں گی، میں چاہتی ہوں میری دونوں بیٹیاں زندگی میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں، کچھ کر کے دکھائیں کسی کی محتاج نہ بنیں۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھیں تو...... تمہیں ماں کی اس خواہش کا تو احترام کرنا ہے ناں، تم اب اپنی ماں کے لیے یہی کچھ کر سکتی ہو...... اب وہ تم سے کچھ نہ مانگیں گی، نہ چاہیں گی...... کیونکہ یہ ہر رشتے کے بوجھ سے آزاد ہو گئی ہیں، اسی لیے تو مسکراتی رہتی ہیں۔“ اتنا کچھ کہنے کے بعد گل جان جیسے ضبط نہ کر سکی...... اس نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے اور تڑپ، تڑپ کر رونے لگی۔ گل جان کے اس طرح رونے سے وہ دونوں ہی گھبرا کر اپنی، اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ روما نے آگے بڑھ کر خالہ کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔

”سوری خالہ جانی ایکسٹریملی سوری...... میں آپ کو بہت دکھ دیتی ہوں ناں، آپ کے پاس پہلے ہی کون سی خوشیاں ہیں جو میں آپ کو نئے سرے سے پریشان کر دیتی ہوں پلیز آپ خاموش ہو جائیں۔ آئی ایم رئیلی

سوری...... خالہ جانی ......! اچھا ٹھیک ہے میں آئندہ تبھی آؤں گی جب آپ کہیں گی پلیز...... خالہ جانی آپ چپ ہو جائیں۔'' کائناز بھی قریب آ کر اس کی کمر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ ڈاکٹر مہر جان ان تینوں کی طرف بچوں کی سی کیفیت میں دیکھ رہی تھیں۔ آخر کار بول پڑیں۔

''گل جان تم کیوں رو رہی ہو؟ کوئی بات نہیں منگنی ہی تو ہوئی تھی، منگنی ٹوٹنے کا اتنا دکھ نہیں کرتے کون سا شادی ہوئی تھی۔ تمہیں سرفراز سے اچھا لڑکا مل جائے گا، شکر ہے کہ شادی نہیں ہوئی تھی ورنہ زیادہ رونا پڑتا......'' ڈاکٹر مہر جان بہت سنجیدگی اور وقار سے بہن کو تسلیاں دے رہی تھیں۔ کائناز اور روما نے آنکھیں پھاڑ کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔

''سرفراز......؟''

☆☆☆

''جابر علی ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کرو بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہوش کی دوا کرو، کچھ سوچ لو...... ابھی کافی ٹائم ہے...... سامنے پھانسی کا پھندا جھول رہا ہے۔'' ایس پی دوپہر کے وقت سناٹے کا فائدہ اٹھا کر جابر علی کے پاس چلا آیا تھا کیونکہ اس کے دل کو ایک پل بھی قرار نہیں تھا۔ جس وجہ سے اس نے اور وارث علی نے اپنا دماغ لڑایا اپنے آرام کے وقت میں بھی کام کیا، غور و فکر کی ...... وہ سب کا سب ضائع ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ اپنی انا کو بالائے طاق رکھ کر جابر علی کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''جن سے ایک بار دھوکا کھالیتا ہوں ایس پی دوسری مرتبہ نہیں کھاتا۔'' جابر علی کے انداز میں اس کا وہی قطعی پن واضح تھا۔ جس کی تقریباً سب ہی کو عادت پڑ چکی تھی۔

''تمہارے پاس کوئی راستہ، کوئی آپشن نہیں جابر علی، ہم تمہیں پھانسی کے پھندے سے بچا سکتے ہیں، تمہاری ضمانت کرا سکتے ہیں...... ہمارے دوست بن کر تم بھی کھلی فضا میں سانس لے سکتے ہو۔'' ایس پی کو جابر علی کے اکھڑ پن اور خودسری پر غصہ تو بہت آیا تھا، اندر ہی اندر پیچ و تاب بھی بہت کھا رہا تھا...... مگر اس وقت اسے گدھے کو باپ بنانا تھا یہ اس کی مجبوری تھی۔

''مجھے مرتے دم تک افسوس رہے گا ایس پی۔'' جابر علی نے بے خوف ہو کر ایس پی کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔ اس کے اعتماد کے سامنے وہ بھی ٹپٹا گیا تھا۔

''کس بات کا افسوس جابر علی......؟'' اس نے بھی جابر علی کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش مگر فوراً ہی نظروں کا رخ موڑ لیا کیونکہ جابر علی کی نظر سے نظر ملانا بھی اس وقت ایک کڑا مرحلہ تھا۔

''میرے ریوالور میں دو گولیاں باقی تھیں اور وارث علی میرے سامنے تھا۔ ایک قتل کی سزا بھی پھانسی اور دس قتل کی سزا بھی موت...... میں نے بہت قیمتی موقع گنوا دیا......'' جابر علی کف افسوس مل رہا تھا۔ ایس پی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ تو سوچ رہا تھا کہ شاید جذبات میں آ کر بیٹی کو قتل کر دینے کے بعد جابر علی ضمیر کی لعنت ملامت سے گزر رہا ہوگا، ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگا، پچھتا رہا ہوگا۔ آواز دھیمی، لہجہ کمزور ہو چکا ہوگا مگر رسی پوری کی پوری جل گئی تھی مگر بل اسی طرح باقی تھے۔

''تم واقعی پاگل ہو چکے ہو۔'' ایس پی جیسے پھٹ پڑا......''ابھی ایک جوان بیٹی اور بھی بیٹھی ہے۔ اس کا نہیں سوچتے۔'' ایس پی جیسے اب برس ہی پڑا۔

''میری بیٹی کے ساتھ اس کا جوان بھائی ہے اور ماں، باپ یوں بھی کب تک اولاد کے ساتھ رہتے

ہیں...... سب سے پہلے اللہ وارث ہے اس کا بھی اس کی ماں اور بھائی کا بھی...... تمہیں ان کے لیے ہمدردی بگھارنے کی ضرورت نہیں کیونکہ تمہاری ہمدردی سے میرا خون کھولنے لگتا ہے۔''

جابر علی اس وقت ایس پی سے ہم پلہ ہو کر بات کر رہا تھا، نہ وہ نوکری پہ تھا اور نہ ایس پی اب اس کا باس تھا وہ جتنی بدلحاظی سے بات کرنے کا عادی تھا اس میں اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ایس پی لاجواب سا ہو کر چند لمحے اس کی طرف گھورتا رہا...... پھر سر جھکا کر سوچنے لگا۔ اس سرکش گھوڑے کو آخر کس طرح قابو کیا جا سکتا ہے، کون سی ایسی بات جس کے سامنے جابر علی ریت کی طرح بکھر کر رہ جائے۔

''ایک اقبالی مجرم کو دھمکیاں دے رہے ہو جو خوف کی تمام حدود پار کر چکا...... میں نے پہلے بھی کہا تھا اب بھی کہہ رہا ہوں جاؤ جا کر اپنا کام کرو اور آئندہ میرے سامنے مت آنا۔ یہ ذہن میں رکھو تمہاری کوئی بھی پیش کش میرے لیے اہمیت نہیں رکھتی۔'' اتنا کہہ کر جابر علی نے اپنی پشت ایس پی کی طرف کر لی تھی جیسے اپنی طرف سے خدا حافظ کہہ دیا ہو۔

اچانک ایس پی کے ذہن میں ایک دھماکا ہوا اس کی آنکھیں چمکنے لگیں جیسے اس کے ہاتھ کوئی ترپ کا پتا لگا ہو۔

''میری جان بیٹی کے لیے نہیں سوچتے تو بیٹے کے لیے ہی سوچ لو۔ ایک تو اس ملک میں ویسے ہی بیٹے کم ہیں، پیدا تو بہت ہوئے مگر آئے دن جوان لاشیں اٹھا اٹھا کر تم بھی تھک گئے اور میں بھی تھکنے لگا ہوں۔ اب جو بچے ہیں ان کا تو سوچ لینا چاہیے۔'' ایس پی کی آواز میں بظاہر نرمی تھی لیکن لہجے میں بہت صاف محسوس ہونے والی دھمکی تھی۔ جابر علی نے اس دھمکی کو اس طرح محسوس کیا جیسے ایس پی چاہتا تھا کہ محسوس کرلے۔

''سب کچھ برداشت کرلوں گا ایس پی مگر غداروں کے سامنے نہیں جھکوں گا۔'' اس کی بات سن کر ایس پی نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر ایک زوردار قہقہہ لگا کر بولا۔

''کم آن میرے یار کیسی غداری، یہیں کماتے ہیں، یہیں لٹا دیتے ہیں۔ دو چار کوٹھیاں، ایک آدھ فارم ہاؤس، دس بیس پلاٹ، یار بچوں کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو، تمہارا ایک ہی بیٹا ہے سنا ہے بہت لائق بچہ ہے اسے اسٹیٹ بینک میں ڈائریکٹر لگوا دیں گے......'' ایس پی اب چبھتے ہوئے لہجے میں سنہری پیشکش کر رہا تھا۔

جابر علی چند لمحے خاموش کھڑا رہا لیکن اس نے اپنا زاویہ نہیں بدلا، اس کی پشت اب بھی ایس پی کی طرف تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایک بار پھر اس کی آواز ابھری۔

''خدا حافظ ایس پی! دوسری دنیا میں ملاقات ہوگی۔''

''جابر علی بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اب جیسے ایس پی زچ ہو کر کہہ رہا تھا کیونکہ اب واضح ہو چکا تھا کہ جابر علی کو شیشے میں اتارنا ممکن نہیں...... ''فائل تو چھاپا پڑوا کر تمہارے گھر سے بھی برآمد کروا سکتے ہیں، ہم تو دوستی کی لاج رکھ رہے ہیں۔'' ایس پی نے اپنا احسان جتانا ضروری سمجھا۔

''فائل میرے گھر میں نہیں ہے۔ تم گھر پر بلڈوزر چلوا دو تب بھی نہیں ملے گی۔'' جابر علی نے درندے کی طرح غرا کر جواب دیا تھا۔

''کسی کے پاس امانت رکھوا دی ہے...... تو یار اس کا نام ہی بتا دو، وہ تمہارے تو کسی کام کی نہیں...... کیوں بات بڑھا رہے ہو، بات بڑھے گی تو نقصان بھی بڑھیں گے۔'' ایس پی نے پھر محبت بھرے لہجے میں دھمکی دینے کی کوشش کی تھی۔

''میں نے امانت رکھوائی ہے قبرستان میں ایک مُردے کے پاس۔'' جابر علی تو ویسے ہی ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو چکا تھا جو اس کے دل میں آ رہا تھا زبان سے پھسل رہا تھا۔ نہ وہ روکنا چاہتا تھا نہ اس نے روکنے کی کوشش کی۔

''کیا بک رہے ہو۔'' ایس پی تو ایک دم جیسے غصے سے پاگل ہی ہو گیا۔ ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر اس نے اپنے مخصوص افسرانہ انداز میں گرجتے ہوئے کہا۔

''سچ بول رہا ہوں، اب تم سارے شہر کے قبرستانوں پر بلڈوزر چلوا دو کسی نہ کسی قبر سے تو برآمد ہو ہی جائے گی۔'' ایس پی نے شدتِ غضب سے اپنی مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے مٹھیوں سے خون ابلنے لگے گا۔ ضبط کا ایک کڑا مرحلہ طے کرنا ایک قیامت ہو گیا...... وہ کچھ بول نہیں پایا۔ سوائے اس کے کہ اس کے منہ سے جابر علی کا نام نکلا۔

''جابر علی......'' اتنا کہہ کر وہ خود کو سنبھالنے لگ گیا۔

''تم نے سنا نہیں ایس پی ڈوبتا ہوا بندہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اکثر بچانے والے کو بھی ڈبو دیتا ہے۔'' جابر علی نے اب بھی اپنا رخ موڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بالکل ایک اسٹیچو کے مانند بت کی طرح بالکل سیدھا کھڑا ہوا تھا۔ ایس پی نے اس کی پشت کو گھورتے ہوئے اپنی بائیں ہتھیلی پر...... دائیں ہاتھ کا گھونسا بنا کر مارا۔

☆☆☆

شام ڈھلتے ہی برہان گھر کی چھت پر چلا آیا تھا۔ شبینہ اور صابرہ کے چہرے دیکھ کر اس کا ذہن ماؤف ہو جاتا تھا۔ یوں بھی چاروں طرف اندھیرے ہی اندھیرے تھے، راستہ نظر آتا تھا نہ ہی منزل...... ایک عجیب سی ہزیمت کا احساس روح کو کھائے چلا جا رہا تھا۔ لوگوں کا سامنا کرنا کتنا بڑا عذاب ہو گیا تھا۔ بنا جرم کیے کیسی سزا ملی تھی روزِ حشر تو باپ کا حساب بیٹے سے نہیں لیا جائے گا اور بیٹے کا حساب باپ سے لیکن اس دنیا میں باپ کی وراثت پوری کی پوری مل رہی تھی۔ اس کے جرم میں بھی پورا حصہ مل رہا تھا۔ ذلت اور شرمندگی میں بھی حصے دار تھے۔ بالکل ایسے ہی جیسے عزت کے وقت میں عزت کے حصے دار تھے۔ معاً اس کا موبائل وائبریٹ کرنا شروع ہوا، اس نے جان بوجھ کر اس کی رِنگ ٹون بند کی ہوئی تھی کیونکہ فون کی گھنٹی کی آواز پر صابرہ چونک کر پوچھتیں کس کا فون ہے...... نہ جانے انہیں کس کے فون کا انتظار تھا۔

برہان نے جیب سے موبائل نکالا اس کے سامنے وارث علی کا نمبر بلنک ہو رہا تھا جو کسی وقت میں ستارہ نے وارث علی کو دیا تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''وارث علی...... اب یہ کیوں فون کر رہا ہے، اب اس کا ہم سے کیا واسطہ، تعلق...... کیا لینا دینا......''

اسپتال میں پوسٹ مارٹم کا مرحلہ مکمل ہونے تک اس کا اور وارث علی کا کئی بار سامنا ہوا تھا لیکن اس نے وارث علی کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کیا بلکہ اس جگہ سے ہٹ گیا تھا جہاں وارث علی کھڑا تھا۔ وارث علی نے وہاں بھی اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن برہان نے اپنے انداز سے اس پر واضح کر دیا تھا کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گا۔ الجھتے ہوئے اسے کال ریسیو کرنا ہی پڑی کیونکہ ایک عجیب سا تجسس بیدار ہو گیا تھا۔ آمنے سامنے بات نہ ہو پائی کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن فون کرنا کچھ خاص تھا۔

''ہیلو!'' اس نے بالکل سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

''السلام علیکم برہان صاحب کیسے ہیں؟'' برہان اس کے لہجے پر چونک پڑا وہ اس کے نام کے ساتھ صاحب لگا رہا تھا۔ بڑی تمیز سے بات کر رہا تھا۔ حالانکہ بڑا ابھی لیکن رشتے میں بہت چھوٹا تھا اور اب تو وہ رشتہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ جس رشتے کا پاس کرنا ضروری تھا۔

''جی کیسے یاد کیا آپ نے...... مجھ سے کوئی کام......؟''

''یار بہنوئی ہوں تمہارا، کیا فون نہیں کر سکتا؟ گھر نہیں آ سکتا؟ بات نہیں ہو سکتی...... رشتہ تو ہے ناں......''

''جس رشتے کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ رشتہ تو بہن کے ساتھ ہی ختم ہو چکا......'' برہان نے قینچی کی طرح چلتی ہوئی اس کی زبان جیسے کاٹ دی تھی۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو؟ پوسٹ مارٹم کے اجازت نامے پر میرے دستخط ہوئے ہیں، اسپتال کی انتظامیہ نے ڈیڈ باڈی آپ کے نہیں میرے حوالے کی اس کے ڈیتھ سرٹیفکیٹ پر وائف آف وارث علی لکھا ہے۔ قبرستان کی رسید پر میرا نام ہے۔ رشتہ ختم ہو جاتا تو جگہ جگہ میرے نام کی ضرورت کیوں پیش آتی۔'' وارث علی نے بڑی وضاحت کے ساتھ اپنا رشتہ بیان کیا۔

''کس لیے زحمت کی ہے آپ نے...... میرے لائق کوئی خدمت؟'' برہان نے اس کی باتیں سنی ان سنی کرتے ہوئے سپاٹ اور اکھڑ لہجے میں بات کی۔

''جی معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔''

''کیا مجبوری ہے......؟ پہلے مجبوری بتا دیجیے۔'' برہان نے سابقہ انداز میں بات کی۔

''آپ کے والد صاحب کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے۔''

''یہ کوئی بری خبر تو نہیں ہے، اس سے وہ پھانسی کے پھندے سے بچ سکتے ہیں۔'' برہان کا انداز اُسی طرح تھا۔

''اگر آپ لوگ میرا ساتھ دیں تو وہ پھانسی کے پھندے سے بچ سکتے ہیں۔ سچ کہہ رہا ہوں۔'' وارث علی اب جلدی سے اپنے مطلب پر آ گیا اور پہلا قدم اٹھایا۔ برہان کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری ایک خیال آیا، دوسرا گیا...... چند لمحے سوچا اس دوران وارث علی ہیلو، ہیلو کہتا رہا۔

''آپ جیسے لوگوں کی ہم پر ہی نظرِ کرم کیوں ہے؟'' برہان نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''آپ کے والد صاحب کی حماقتوں کی وجہ سے آپ لوگوں پر نظرِ کرم کرنی پڑ رہی ہے۔ انہیں سمجھاؤ یار......'' وارث علی اب قدرے جھنجلا کر گویا ہوا تھا۔ برہان کا بالکل سپاٹ اور بعد میں طنزیہ انداز ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔

''انہیں کوئی سمجھا سکتا تو میری معصوم بہن آپ کے گھر میں اپنی جان نہ دیتی۔''

''ابھی ایک بہن اور بھی ہے۔'' برہان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وارث علی نے زبردست وار کیا اور اس کا یہ تیر خطا نہیں گیا ٹھیک نشانے پر لگا۔ لفظ بہن وارث علی کی زبان پر کیا آیا برہان نے خود کو شعلوں میں گھرا ہوا محسوس کیا۔

''خبردار ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالنا۔''

''ادب سے بات کرو بہنوئی ہوں تمہارا۔'' وارث علی نے بھی برہان ہی کے انداز میں اس کی بات مکمل نہ ہونے دی اور فوراً کاٹ کر کہا۔ ''اپنے باپ کو جا کے سمجھاؤ برہان کہ وہ فائل مجھے دے، دے ورنہ اس کی دوسری بیٹی سے بھی مجھے نکاح کرنا ہوگا۔'' یہ سنتے ہی برہان کا جی چاہا کہ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا موبائل زور سے زمین

پردے مارے یا اپنا سر دیوار میں جا ٹکرائے۔ عجیب مقامِ بے بسی تھا۔ شدت سے یہ تمنا اس کے اندر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپی کہ کاش وارث علی اس وقت سامنے ہوتا تو وہ اس کا گلا دبا دیتا یا ایسا کچھ کرتا کہ وہ دوسری سانس نہ لیتا۔

"اگر تم مجھ سے اس لہجے میں بات کرو گے وارث علی تو جابر علی کا بیٹا بھی شاید پھانسی کے پھندے سے محبت کرے گا اور زندگی سے نفرت...... مگر میں تم جیسے لوگوں کو سمجھ لوں گا بھولنا نہیں کہ میں جابر علی کا بیٹا ہوں۔"

برہان نے یہ مشکل کہا تھا چونکہ اس کے ذہن میں جو آندھیاں اٹھ رہی تھیں انہوں نے لفظوں کو تتر بتر کر کے رکھ دیا تھا جو برہان کی رسائی سے دور ہو رہے تھے۔ اس لیے وہ صرف چند الفاظ ہی اپنے قابو میں کر سکا۔

"باپ تمہارا اندر ہے، فائل گھر میں تلاش کرو اور یاد رکھو...... یا تو بہن دو گے یا فائل، خدا حافظ......" فون سے وارث علی کی آواز آنا بند ہو گئی اور...... برہان...... برہان کی حالت یوں تھی گویا وہ موت کے مرحلے سے گزر کے عالمِ برزخ میں پہنچ گیا ہو...... اور دنیائے آب و گِل اس کے لیے بے حیثیت ہو۔

☆☆☆

"بیٹا آپ دونوں بہت محنت سے پڑھو۔ میرا مطلب ہے اب آپ کو خود ہی محنت کرنی ہے کیونکہ آپ کے ٹیوٹر نہیں آ سکتے۔" شاہ عالم ان دونوں سے کہہ رہے تھے جو لان میں ٹینس کھیل رہی تھیں۔ انہیں ٹینس کھیلتا دیکھ کر وہ بھی لان میں چلے آئے تھے کیونکہ وہ صبح سے ہی سوچ رہے تھے کہ ان دونوں سے کس طرح بات کی جائے۔ شاہ عالم کی بات سن کر دونوں نے ریکٹس ہاتھ سے پھینک دیے تھے اور ان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"کیوں دادا جان، سر کیوں نہیں آئیں گے کیا وہ بیمار ہیں؟" کائناز نے حیرت اور پریشانی سے شاہ عالم کے چہرے سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کی۔ روما کی کیفیت بھی کچھ کائناز سے مختلف نہیں تھی۔

"بیٹا وہ بالکل ٹھیک ہیں خیریت سے ہیں الحمدللہ بیمار نہیں ہیں...... بس ہے کوئی وجہ وہ نہیں آ سکیں گے...... آپ کہہ رہی تھیں ناں کہ آپ کے ٹیسٹ شروع ہو رہے ہیں تو آپ کو یہی بتانا چاہتا ہوں کہ ان کا انتظار نہ کریں اور محنت کریں اور خود ہی محنت کر کے اچھے نمبر لانے کی کوشش کریں۔ دونوں ایک ہی جگہ ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی مدد کر سکتی ہیں اور اگر واقعی ٹیوٹر کے بغیر گزارہ نہیں تو پھر میں کل اپنے دوست سے بات کرتا ہوں کسی طرح سے بھی وہ کسی ٹیوٹر کا بندوبست کر دے۔"

"نہیں، نہیں...... دادا جان آپ رہنے دیں۔" روما بے ساختہ انداز میں گویا ہوئی۔ شاہ عالم کو تو جیسے اس کی بات سمجھ نہیں آئی کہ اس نے ان کی کس بات کا جواب دیا ہے۔

"میرا مطلب یہ ہے... دادا جان کہ سر کے مسئلے ختم ہوں گے تو آ جائیں گے اب ہم کسی اور ٹیوٹر سے نہیں پڑھیں گے۔ میرا مطلب ہے میں تو کسی اور ٹیوٹر سے نہیں پڑھوں گی۔ ویسے بھی اماں جان ٹیوشن پڑھنے سے منع کرتی ہیں۔ میں تو کائناز کی وجہ سے بیٹھ گئی تھی۔ آپ کائناز سے پوچھ لیں......" اس نے بولتے بولتے کائناز کی طرف بھی دیکھا تھا۔

"روما ٹھیک کہہ رہی ہے دادا جان۔ جانے نئے سر کیسے ہوں اور ان سر کے ساتھ جو پرابلمز ہیں وہ کچھ دنوں میں ختم ہو جائیں گی تو ہم انہی سے پڑھ لیں گے۔ کیا ضرورت ہے کسی نئے ٹیوٹر کے لیے بھاگ دوڑ کرنے کی...... چھوڑیں رہنے دیں۔" کائناز نے بھی اسی انداز میں بات کی۔

"بیٹا ہو سکتا ہے کہ وہ...... بہت دنوں تک available نہ ہوں اور آپ کے ایگزامز سر پر آ کھڑے ہوں اس لیے آپ اپنا ذہن بنا لیں کہ آپ نے بغیر ٹیوٹر کے پڑھنا ہے یا نئے ٹیوٹر کا انتظام کرنا ضروری ہے۔"

شاہ عالم نہ جانے کیوں نظریں چرا کر بات کر رہے تھے جیسے وہ ... دونوں معصوم سی لڑکیاں ان کی آنکھوں میں جھانک کر حقیقت پا لیں گی۔ رابی جو کاریڈور سے گزر کر باہر لان میں آ گئی تھی اس نے آخری جملے سن کر خود ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ان تینوں کے درمیان کیا بات چل رہی ہے۔

"دادا جان آپ انہیں صاف صاف بتا دیں۔ یہ کوئی چھوٹی سی بچیاں تو نہیں ہیں ناں...... میں نے تو اس وجہ سے نہیں بتایا کہ پتا نہیں مجھے بتانا بھی چاہیے یا نہیں یا یہ سمجھیں کہ میری تو ہمت نہیں پڑی بات بتانے کی۔"

رابی بڑی بے ساختگی سے کہہ بیٹھی تھی...... روما اور کائناز ہکا بکا رابی کی شکل دیکھنے لگیں۔

"کیسی بات......؟ کیسی بات ہمیں تو پتا ہی نہیں اور ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں...... واہ...... دادا جان بتائیں ناں کیا بات ہے۔" رابی ایک ٹک شاہ عالم کو دیکھے جا رہی تھی۔ انہیں بھی احساس ہوا کہ لڑکیوں سے کچھ چھپانا مناسب نہیں۔ چھوٹی چھوٹی معصوم بچیاں تو ہیں نہیں۔

"بیٹا وہ بات یہ ہے کہ برہان کے گھر میں ایک بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ شاید اپنے تمام ہی کام ٹھیک سے انجام نہیں دے پائیں گے مطلب ہے کچھ عرصے تک صورتِ حال ایسی ہی رہے گی۔"

"حادثہ کیا حادثہ......؟ ان کے پاس تو گاڑی بھی نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے وہ تو اپنے دوست کی بائیک پر آتے ہیں ناں تو کیا بائیک کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے؟"

"خدانخواستہ، نہیں بیٹا میں گھر میں ہونے والے حادثے کی بات کر رہا ہوں۔ روڈ ایکسیڈنٹ کی بات نہیں کر رہا۔"

"دادا جان آپ چھوڑیں میں بتاتی ہوں انہیں ورنہ یہ یونہی سوال پہ سوال کیے جائیں گی۔ وہ جو آپ کو سر پڑھانے آتے تھے ان کی چھوٹی بہن کا مرڈر ہو گیا ہے ظاہر ہے اتنا بڑا حادثہ ہے، پولیس، کورٹ وغیرہ... ...... اب ان چکروں میں وہ الجھے رہیں گے تو تم لوگوں کو ٹائم نہیں دے پائیں گے ناں۔" رابی نے جیسے قصہ کوتاہ کر دیا۔ وہ دونوں آنکھیں پھاڑ کر رابی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"مرڈر...... سر کی بہن کا مرڈر......؟" کائناز سے پہلے روما نے بدحواس ہو کر پوچھا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں رابی آپا......؟ آپ کو یہ بات پتا تھی تو آپ نے یہ بات ہمیں کیوں نہیں بتائی۔ ہم کل سے پوچھ رہے ہیں کہ سر نہیں آئے، سر نہیں آئے کوئی ہمیں بتا ہی نہیں رہا۔"

"بیٹا بس سوچا تھا کہ آخر پتا چل ہی جائے گا۔ کیا کسی کے دکھ کا تماشا بنانا اور بار بار ذکر کرنا۔ اب پتا چل گیا ہے ناں آپ کو...... بات سمجھ آ گئی ہے آپ کو اب بتاؤ، آپ نے خود پڑھنا ہے یا پھر کوئی ٹیوشن لینی ہے، مجھے آج ہی بتا دو تا کہ میں نئے ٹیوٹر کا بندوبست کروں۔"

"ہم نے نہیں پڑھنا نئے ٹیوٹر سے۔" کائناز نے برجستگی سے کہا تھا۔ رابی نے کائناز کی طرف دیکھا اسے وہ بہت اچھی لگی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ دروازے کو اب کھلا چھوڑ رہی ہے اور کھلے دروازے سے کسی کے آنے کا انتظار باقی ہے۔

"جی دادا جان میں نے تو آپ کو بتایا ناں کہ اماں جان ٹیوشن پڑھنا پسند ہی نہیں کرتی تھیں میں تو بس کائناز کی وجہ سے بیٹھ رہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ آپ رہنے دیں کسی نئے ٹیوٹر کو ہم خود ہی پڑھ لیں گے۔" روما

ماؤں کی اہم ذمے داری

ماں ایک ٹھنڈی چھاؤں کے مانند ہے مگر یہی ٹھنڈی چھاؤں کبھی کبھی انجانے میں اپنی ہی اولاد کو تپش سے جھلسا بھی سکتی ہے۔ ماں کا بے جا لاڈ پیار اولاد کے لیے خاص طور پر بیٹیوں کے لیے مسئلہ بن جاتا ہے۔ ماں کا یہ پیار اور لاڈ بعض اوقات بیٹیوں کو گھر کے کام کاج کرنے سے بھی روک دیتا ہے اور دلیل یہ دی جاتی ہے ابھی آرام کر لیں سسرال جا کر تو ساری زندگی کام ہی کرنا ہے۔ ایک ایسے گھر میں جہاں بہو موجود ہو، بیٹی کے لیے وقت اور بھی سہل اور آرام دہ ہو جاتا ہے۔ ماں کی حوصلہ افزائی کی بنا پر بیٹی گھر کے کسی کام کاج میں اپنی ماں اور پھر بھابی کی کوئی مدد نہیں کرتی جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کبھی کوئی کام انجام دینا نہیں سیکھ پاتی اور جب اسی تربیت کے ساتھ سسرال پہنچتی ہے تو اپنی ذمے داریوں کا بوجھ اٹھانے سے قاصر رہتی ہے اور وہاں پھوہڑ، کام چور اور گستاخ کے القاب سے نوازی جاتی ہے۔ دوسرا بڑا نقصان بے جا لاڈ کا یہ ہوتا ہے کہ اپنی ہی بیٹی کو پیار محبت کے چکر میں بے تحاشا کھلایا پلایا جاتا ہے، یہ لاڈ کی انتہا ہوتی ہے خوب مرغن غذائیں ... اور چربی والے کھانے اس کی پسند پر کھلائے جاتے ہیں اور نتیجہ موٹی عقل اور موٹے بدن کے طور پر سامنے آتا ہے اور

نے تو صاف، صاف فیصلہ سنا دیا۔

''لیکن یہ تو بہت ہی سیڈ نیوز ہے دادا جان آپ نے اس حادثے کے بعد سر سے بات کی تھی؟ کس نے ان کی بہن کا مرڈر کیا...... اور کب......؟'' کائناز کا ذہن اب پڑھائی وڑھائی سے ہٹ کر صرف اور صرف برہان کے ساتھ پیش آنے والے حادثے میں الجھ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے لگتا تھا کہ وہ اندر سے بری طرح سہمی ہوئی ہے یہ کوئی اتنی چھوٹی اور معمولی بات نہیں تھی جسے وہ ایک سیڈ نیوز سمجھ کر تھوڑی دیر میں ہی نظر انداز کر دیتی۔

''یہ تو کسی کو بھی نہیں پتا کائناز کہ کیوں ہوا؟ کیا وجہ تھی...... اب اخبار میں تو طرح طرح کی باتیں آتی رہتی ہیں۔ کیا پتا کیا سچ ہے کیا جھوٹ لیکن بہر حال یہ ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہے جو تمہارے برہان سر کے ساتھ ہوئی ہے۔ بس اب تم لوگ اپنا ذہن بنا لو اور خود سے اسٹڈی کرو اگر سمجھتی ہو کہ مجھ سے مدد مل سکتی ہے تو میں تیار ہوں۔'' رابی نے اپنی طرف سے فراخدلانہ پیشکش کی بلکہ اس طرح سے اسے کچھ سکون کا احساس ہو رہا تھا کیونکہ وہ اس ٹاپک پر بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن شاہ عالم کی وجہ سے اس نے ان دونوں سے کوئی بات نہیں کی تھی چونکہ جب دادا جان اسے بتا رہے تھے تو اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ روما اور کائناز سے اس حادثے کا ذکر کرنا پسند نہیں کریں گے۔ کوئی بہانہ بنا دیں گے، کوئی بات بنا دیں گے لیکن اب اسی کی جلد بازی کی وجہ سے انہیں حقیقت بتانا پڑی۔

''آپ نے تو بائیولوجی پڑھی ہے۔ ہمارا مسئلہ تو میتھس کا ہے۔'' روما نے رابی کی پیشکش کے جواب میں کہا تھا۔

''ارے چھوڑو یہ میتھ وتھ، میں تو اتنی زیادہ ٹینس ہو رہی ہوں کہ بتا نہیں سکتی۔ دادا جان آپ سر سے یہ پوچھیں ناں یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ سر تو اتنے اچھے ہیں کہ ڈانٹتے بھی نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے، ہے ناں......؟'' کائناز کا ذہن برہان کی طرف سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔

''بس بیٹا ہونے والی بات تھی ہو گئی...... جب کسی کی تقدیر میں کوئی حادثہ لکھ دیا جاتا ہے تو پھر یہ بحث ہوتی ہے کہ حادثہ بڑا ہے یا چھوٹا ہے جو بھی حادثے سے گزرتا ہے تو اس کے لیے تو وہ حادثہ بڑا ہی ہوتا ہے۔''

''لیکن دادا جان......'' روما نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

وہ اپنی عمر سے کئی گنا بڑی نظر آنے لگتی ہے مگر ماں بے چاری پیار کی عینک سے دیکھ رہی ہوتی ہے کہ لوگ جلتے ہیں میری بیٹی سے وغیرہ، وغیرہ...... اگر یہی لاڈ پیار سسرال میں بھی پہنچ جائے تو جان لیں اس نئے گھر کا سکون اور خوشیاں برباد ہونے جا رہی ہیں، سمجھدار مائیں نئے گھر میں ایڈجسٹمنٹ کے مثبت طور طریقے سمجھاتی ہیں جبکہ لاڈو پیار میں ڈوبی ماں یہ سبق پڑھاتی ہے کہ اپنے شوہر کو پوری طرح اپنی مٹھی میں کر لینا...... کوئی تمہیں کچھ کہے تو خاموش نہ رہنا، بڑھ کر جواب دینا تاکہ آئندہ کسی کی ہمت نہ ہو، گھر کے کاموں میں اس وقت مصروف نظر آنا جب شوہر گھر پر ہو......

یہ وہ مائیں ہوتی ہیں جو دراصل اپنی بیٹیوں کی آبادی کا نہیں خانہ بربادی کا سامان فراہم کرتی ہیں اور حقیقت میں بیٹیوں کی زندگی میں عدم اطمینان اور تلخیوں کا بیج بوتی ہیں جن کا ازالہ ناممکن تو نہیں حد درجہ مشکل ضرور ہو جاتا ہے، پیار اور محبت در حقیقت کوئی ایسی شے نہیں جس کی نمائش کی جائے یہ تو ایک بیش قیمت جذبہ ہے جو اپنا اظہار خود کرتا ہے محض مادی اشیا کی فراہمی اور منفی جذبے پروان چڑھانا محبتوں کی دلیل ہرگز نہیں۔ اپنی بیٹیوں کی اسلامی خطوط پر تربیت کریں تاکہ وہ ہر جگہ ایڈجسٹ ہو سکیں۔

(تہذیب فاطمہ، کراچی)

''بیٹا بس ختم کر دیں اس بات کو اور آپس میں بھی نہ دُہرائیں۔ کسی کا دکھ دوسرے کے لیے تماشا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے کہ اللہ ہمیں آنے والے وقت میں اپنی پناہ میں رکھے، ہر آنے والے حادثے سے محفوظ رکھے، آمین۔'' شاہ عالم یہ کہہ کر اندر کی طرف مڑ گئے۔ وہ تینوں اسی طرح اپنی جگہ کھڑی تھیں، رابی...... روما اور کائناز کی طرح نہیں سوچ رہی تھی، وہ تو برہان کو یوں محسوس کر رہی تھی جیسے اس کا کوئی اپنا بہت پیارا عزیز اس کے سامنے بیٹھ کر آنسو بہا رہا ہو اور وہ اس کے آنسو پونچھنے کے لیے بے تاب ہو۔

☆☆☆

مساجد سے فجر کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں...... صابرہ نیند کی گولیوں کے زیر اثر سو رہی تھی...... لیکن اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی گھر میں سامان گھسیٹ کر اِدھر اُدھر کر رہا ہو، اس عجیب سے شور سے اس کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔ وہ ایک دم ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ چند لمحے تو اس نے نیند سے مغلوب ذہن پر زور ڈالنے کی کوشش کی کہ اس لمحے کیا وقت ہو رہا ہو گا لیکن اس کے کانوں سے اذان کی آواز ٹکرائی تو اسے خود بخود احساس ہو گیا کہ صبح ہو چکی ہے۔ ابھی وہ اسی طرح فکر مند، گم صم کھوئی کھوئی کیفیت میں غور و خوض کر رہی تھی کہ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے کوئی بھاری وزنی شے اِدھر سے اُدھر گھسیٹی ہو۔ اب وہ بے چین سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی...... ایک کھوج وتشویش کی لہر اس کی رگ و پے میں دوڑنے لگی۔

''آواز تو گھر میں سے ہی آ رہی ہے...... یہ...... کیسی اٹھا پٹخ ہے۔'' وہ...... سوچتی ہوئی کمرے سے باہر چلی آئی اور...... کھٹر پٹر کی آوازوں پر غور کرنے لگی کہ یہ کس طرف سے آ رہی ہے...... فوراً ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ آواز تو اسٹور سے آ رہی ہے...... وہ اسی تجسس اور بے قراری کی کیفیت میں تقریباً دوڑتی ہوئی اسٹور تک پہنچی، وہاں کا منظر دیکھ کر اس کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... برہان پسینے میں شرابور ایک طرف کھڑا ہانپ رہا تھا ... جیسے کچھ غور کر رہا ہو...... اس کی نظر ماں پر پڑی تو جیسے ایک دم اپنے حواسوں میں واپس آ گیا...... اور نظریں چراتے ہوئے گویا ہوا۔

''امی خیریت تو ہے...... آپ کیوں اٹھ گئیں......؟''

''بیٹا...... کیا کر رہے ہو تم اس وقت...... میری تو کھٹر پٹر سے نیند ٹوٹی ہے۔ کیا ڈھونڈ رہے ہو......؟ مجھے تو بتاؤ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔'' صابرہ کی آنکھوں سے اب نیند کا تاثر غائب ہو چکا تھا اور آنکھوں میں نیند کی

جگہ تشویش نے لے لی تھی۔

”نہیں امی آپ آرام کریں...... میں دیکھتا ہوں معاف کیجیے گا...... مجھے خیال ہی نہیں رہا...... کہ شور سے آپ کی آنکھ کھل جائے گی ورنہ میں یہ کام آپ کے اٹھنے کے بعد کرتا۔“

”وہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ کیا کام کر رہے ہو، مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے تم کچھ ڈھونڈ رہے ہو۔“

”جی امی...... ڈھونڈ رہا ہوں، ایک فائل ہے۔“

”فائل تمہاری فائل......؟ تمہاری چیزیں تو سب تمہارے کمرے میں ہوتی ہیں۔ اس کمرے میں تو پرانا سامان پڑا ہے جسے برسوں سے میں نے خود بھی نہیں دیکھا......“

”وہ میری فائل نہیں ہے ابا جان کی فائل ہے، ان کی الماری میں تو میں نے دیکھ لیا وہاں نہیں ہے پھر مجھے خیال آیا کہ شاید انہوں نے اسٹور میں رکھ دی ہو۔“

”بیٹا وہ اپنی چیزیں اپنی الماری میں ہی رکھتے تھے۔ اس اسٹور میں تو سب کچھ میرے ہاتھ کا رکھا ہوا ہے، تم مجھ سے ہی پوچھ لیتے، دیکھو تو سہی کیا حال ہو رہا ہے تمہارا...... سارے کپڑے پسینے میں بھیگ گئے ہیں، فضول میں اتنی اٹھا پٹخ کی...... اور اتنے بھاری بھاری بکسے تمہیں گھسیٹنے کی کیا ضرورت تھی۔“ صابرہ کا ذہن جابر علی میں اٹک گیا تھا لیکن سامنے برہان کھڑا تھا۔ اس کے حال پر بھی اتنی ہی توجہ تھی۔

”شبینہ اٹھ جائے تو اس سے پوچھ لینا کیونکہ تم مجھے بتاؤ گے بھی تو مجھے کیا پتا چلے گا کیسی فائل...... لیکن اس میں ایسا کیا ہے جو تم اتنے پریشان نظر آ رہے ہو۔“

”بس امی کچھ ہے بعد میں بتا دوں گا۔“

”لیکن...... لیکن کیا بیٹا......؟“ صابرہ نے اسی فکرمندی سے برہان کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں امی...... جائیں آپ آرام کریں، اذانیں ہو گئی ہیں...... آپ جا کر نماز پڑھ لیں، میں بھی بس نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔“ برہان یہ کہہ کر ماں سے پہلے اسٹور سے باہر نکل گیا...... صابرہ نے اِدھر اُدھر پڑی بے ترتیب چیزوں پر نظر ڈالی پھر خود بھی اسٹور سے باہر آ گئی۔

”اللہ جانے کیسی فائل ہے۔“ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

برہان نماز پڑھ کر گھر واپس آیا تو ابھرنے والے نئے سورج کی روشنی نے اس کے ذہن پر دستک دی۔ نیا دن طلوع ہو چکا ہے اور عمر کے خزانے میں جمع ایک رات حساب سے خارج ہوئی۔

گھر میں اک بہت محسوس ہونے والی خاموشی پہلے سے پھیلی ہوئی تھی۔ شاید صابرہ نماز پڑھ کر دوبارہ لیٹ چکی تھی۔ شبینہ کا کمرا بند تھا۔ کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ سو رہی ہے یا جاگ چکی ہے۔ گمان غالب تو یہی تھا کہ وہ اٹھ گئی ہوگی کیونکہ اس گھر کے مکینوں کو بڑی سختی سے تاکید تھی کہ وہ سورج نکلنے سے پہلے، پہلے بستر چھوڑ دیں اور یہ عادت اتنی راسخ تھی کہ ایک مخصوص وقت پر گھر کے مکین خود بخود جاگ جاتے تھے۔ وہ مختلف قسم کے خیالات میں الجھا، الجھا اپنے کمرے میں پہنچا...... اسی وقت اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی۔ پہلا خیال تو یہی آیا کہ کالر کمپنی کا کوئی میسج ہوگا جس میں کسی پُرکشش پیکج کا اعلان ہوگا...... مگر وہ غیر ارادی طور پر موبائل اٹھا کر دیکھنے لگا تھا۔ اتنی صبح، صبح وارث علی کا پیغام...... انجانے سے اندیشوں نے اسے گھیر لیا...... عجیب سا خوف مانع

تھا کہ نہ جانے اس میں کیا لکھا ہے، کیا خبر ہے، کوئی نئی افتاد، کوئی نیا اعصاب شکن پیغام...... میسج کھول کر اس نے پڑھنا شروع کیا۔ وارث علی نے لکھا تھا۔

”پیارے بھائی آج کی تاریخ میں فائل ہمیں دے دو، بڑی مہربانی ہوگی اور تمہاری اس مہربانی کو مرتے دم تک یاد رکھیں گے۔“

”یا اللہ...... اب کیا مصیبت ہے، کیا ہے اس فائل میں؟“ اس نے تھکے، تھکے ذہن کے ساتھ فون ایک طرف ڈالتے ہوئے سوچا تھا۔ ”ہمارے گھر میں تو کسی زمین، جائیداد کی فائل ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے باپ کو تو ایمانداری سے ڈیوٹی ادا کرنے پر بھی انعام میں کبھی چھوٹا سا پلاٹ تک نہیں ملا...... لیکن اس بلیک میلر سے کیسے جان چھڑائی جائے؟ امی کو تو ہوا بھی لگ گئی تو ان کی حالت خراب ہو جائے گی...... کہیں وہ گھر نہ پہنچ جائے...... بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔“ برہان شدید ذہنی تناؤ کا شکار ہو چکا تھا۔ ”میرا خیال ہے مجھے خود وارث علی کو بتا دینا چاہیے کہ ہمارے گھر میں اس کی مطلوبہ فائل نہیں ہے اور وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دے۔“ یہاں تک سوچ کر اس نے قدرے سکون محسوس کیا جیسے مسئلہ حل ہونے کا قوی امکان ہو۔

☆☆☆

”اب اٹھ بھی جاؤ کن خیالوں میں گم ہو؟“ روما ڈرائنگ روم میں کھڑی اپنے بالوں میں برش چلا رہی تھی۔ وہ یونیفارم پہن کر تقریباً تیار تھی جبکہ کائناز ابھی تک بڑی کسلمندی سے انگڑائیاں لے رہی تھیں۔

”اٹھ کر کیا تمہیں سلیوٹ کروں۔“ کائناز نے روما کی طرف بڑی خفا، خفا نظروں سے دیکھا تھا۔ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے طبیعت میں عجیب کسلمندی سی تھی، چڑچڑاپن ظاہر ہو رہا تھا۔

”خیریت تو ہے کیا ہوا صبح، صبح اور اتنی تھکی ہوئی؟“ روما اسے آئینے میں دیکھتے ہوئے بڑی حیرت سے کہہ رہی تھی۔

”کیا کروں ساری رات نیند ہی نہیں آئی۔“

”نیند نہیں آئی کیا کرتی رہیں؟ کیا اسٹڈی کر رہی تھیں۔ توبہ اس قدر ٹینشن لے رہی ہو تم، بابا جو پڑھایا ہے وہ ہی ٹیسٹ میں آئے گا ناں، سب نہیں بہت کچھ تو یاد ہوگا ناں......“ روما ہمیشہ سے پڑھائی کو بہت لائٹ لیتی تھی جبکہ کائناز اس معاملے میں سیریس تھی۔ یہ شاید اس وجہ سے تھا کہ شاہ عالم نے اسے بچپن ہی میں ٹارگٹ دے دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس کے مقابلے میں روما جیسے مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے منزل کی تلاش میں تھی۔ اس کے سامنے کوئی ہدف نہیں تھا۔ وہ تو بس کائناز کی تقلید کر رہی تھی۔

”واقعی، میں بہت ٹینسڈ ہوں......“ کائناز نے آنے والی جماہی کو بہ مشکل روکا۔

”وہی تو میں پوچھ رہی ہوں ٹینشن کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی۔“ کائناز نے روما کو بہت غور سے دیکھا اور قدرے حیرت سے بولی۔

”تم آرام سے سو گئی تھیں روما؟“

”تو تمہارے خیال میں مجھے تکلیف سے سونا چاہیے تھا۔ تمہارے گھر آ کر تو مجھے بہت سی تکلیفوں سے نجات مل گئی ہے، اس لیے واقعی میں آرام سے سوتی ہوں۔“

”ہوں شاید یہی وجہ ہو۔“ کائناز خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔ ”میں تو بس رات بھر یہی سوچتی رہی کہ سر برہان کتنے اچھے ہیں اور ان کے ساتھ یہ کیا ہو گیا...... روما ان کی بہن کا مرڈر ہوا ہے، وہ تو ذہنی طور پر

بہت ڈسٹربڈ ہوں گے۔'' کائناز کی یہ بات سن کر روما نے اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا گویا سر پیٹا تھا۔

''توبہ ہے کائناز میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ کس وجہ سے تم رات بھر بے چین رہیں۔ تم ساری رات سر برہان کے بارے میں سوچتی رہیں؟'' اس نے حیرت سے کائناز کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ساری رات تو نہیں لیکن ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔ بار بار آنکھ کھل جاتی تھی اور جب آنکھ کھلتی تھی تو سر ہی کا خیال آتا تھا۔''

''مائی گاڈ......!'' روما کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ ''تم بھی کتنی بے وقوف ہو کائناز' پتا نہیں اس دنیا میں لوگ کس، کس طرح سے جیتے ہیں، ہمیں ہی دیکھ لو پتا ہی نہیں چلا کب پیدا ہوئے کب بڑے ہو گئے بلکہ لگتا ہے بڑے ہونے کے بعد بوڑھے بھی ہو گئے۔'' روما نے اب قدرے افسردہ انداز میں بات کی تھی۔ جیسے اس کی یادداشت کے سب دریچے کھل گئے ہوں۔ مختلف یادوں کے چہرے ہر دریچے میں بجے دکھائی دے رہے ہوں۔ ''اچھا اب تم اٹھ جاؤ کیوں بہانہ بنا رہی ہو چھٹی کرنے کا...... مجھے تیار دیکھ کر بھی تمہیں کچھ نہیں ہوا؟'' روما نے اب اپنے بالوں میں ہیئر پن لگاتے ہوئے اسے شیشے میں پھر دیکھا۔

''مجھے کیا ہونا چاہیے تھا؟'' کائناز غیر دماغی کیفیت میں گویا ہوئی...... وہ واقعی بہت الجھی ہوئی تھی۔ اتنا شفیق مہربان جان چھڑکنے والا دادا اسے نصیب سے ملا تھا۔ اسے زندگی میں کسی کمی کسی خلا کا احساس تک نہیں ہو سکا حالانکہ کہنے کو وہ بن ماں' باپ کی بچی تھی لیکن ایسا دادا اس کے ساتھ تھا جو اس کی آنکھ سے ٹپکنے والا پہلا آنسو اپنی انگلی کی پور میں جذب کرتا تھا...... اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرنے کے لیے منٹوں میں ہزاروں لٹانے کے لیے تیار ہو جاتا تھا...... جبکہ روما نے ایسے ماحول میں زندگی گزاری تھی جہاں پر بات، بات پر دل مختلف اندیشوں سے دھڑکنے لگتا تھا۔ کئی طرح کے خوف اسے جکڑے رکھتے تھے ہر وقت کے اندیشوں اور دھڑکوں نے اس کا سارا اعتماد ہی چھین لیا تھا۔ اسے خوشی کی تلاش تھی اور کائناز کی جھولی ہمیشہ خوشیوں سے بھری رہی تھی۔ ماں، باپ جیسی نعمت کی محرومی کے باوجود اس کی زندگی میں محبت کی کمی نہیں تھی۔ شاید دونوں کی سوچوں کے درمیان یہی واضح فرق تھا کہ کائناز کسی کے دکھ کو پہروں سوچ رہی تھی اور روما کو اپنے ہی دکھوں سے فرصت نہیں تھی۔

''خدا کے لیے کائناز اب اٹھ جاؤ۔ پندرہ منٹ بھی نہیں ہیں تمہارے پاس...... تیار بھی ہو گی' ناشتا بھی کرو گی؟''

''اچھا بابا تیار کیا ہونا ہے میں نے، کیا کوئی فنکشن اٹینڈ کرنا ہے بغیر بال بنائے بھی کالج جا سکتی ہوں بغیر ناشتا کیے بھی لیکن بال بنانے سے ضروری ناشتا کرنا ہے ورنہ دادا جان دوپہر تک کچھ نہیں کھائیں گے بلکہ میں کالج میں دو برگر کھا لوں گی لیکن دادا جان یہی سوچتے رہیں گے کہ میری بے چاری پوتی بھوکی مر رہی ہے......'' کائناز نے بیڈ سے پاؤں نیچے لٹکا کر سلیپر پاؤں میں پھنسائے۔ اس کی ایک، ایک ادا سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت تھکی ہوئی ہے۔ ٹھیک سے سو نہیں سکی تھی اس لیے آج اس کا سارا دن ایسے ہی گزرنا تھا۔

☆☆☆

برہان ماں سے ہر وہ بات چھپانا چاہتا تھا جس بات کی وجہ سے اس کی ماں کے دکھوں کا بوجھ بڑھے...... وہ تو اپنی پیاری ماں کو یوں سنبھال رہا تھا جیسے بلور کو سنبھالتے ہیں مگر شبینہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی تو اسے بتانا پڑا۔

''بھائی اگر فائل کی وجہ سے اتنا بڑا مسئلہ ہوگیا ہے تو پھر...... ابا جان ہی کچھ بتا سکتے ہیں۔'' شبینہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی چوری، چوری بھائی کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھنے کی کوشش کی۔ باپ کے ذکر پر برہان کے چہرے پر کرب و تناؤ کی کیفیت ظاہر ہوئی مگر فوراً ہی معدوم ہوگئی...... جیسے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

''لیکن ابا جان سے پوچھنے کون جائے گا۔ کہ وہ فائل کہاں رکھی ہے جسے وہ اپنے نعم البدل کے طور پر استعمال کریں گے۔'' شبینہ کو برہان کی بات ذرا سمجھ نہیں آئی۔ حیران ہو کر بولی۔

''بھائی نعم البدل کے طور پر؟ آپ تو پتا نہیں کیا...... کیسی مشکل، مشکل باتیں کرنے لگے ہیں۔'' اس کے غمزدہ چہرے پر غم کے سائے ہلکے پڑ گئے اور تشویش کی لکیریں گہری ہوگئیں۔

''بھئی میرا مطلب ہے کہ اب ابا جان گھر میں نہیں ہیں تو وہ فائل اب ابا جان کی ہی طرح ہمیں اسٹریس دے گی۔ جب تک وہ مل نہیں جاتی ان لوگوں کے میرا مطلب ہے کہ وارث علی کے فون آتے رہیں گے، ہوسکتا ہے کہ کسی دن وہ خود بھی آجائے۔ گھر میں تو فائل نہیں، اسے کیسے یقین دلائیں گے کہ وہ فضول سی فائل ہمارے پاس نہیں ہے۔'' برہان اب جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا تھا۔ شدید ذہنی دباؤ کی وجہ سے اب اس کے اعصاب جواب دے رہے تھے۔

''فضول سی تو نہیں ہوگی بھائی، اگر فضول سی ہوتی تو وہ آپ کو بار بار کیوں کہتا ضرور اس فائل میں کوئی خاص بات ہے اور وہ خاص بات کیا ہے؟ اور وہ فائل کہاں ہے؟ یہ دونوں باتیں صرف ابا جان ہی بتا سکتے ہیں۔'' شبینہ نے پھر اسی طرح اٹک، اٹک کر ہچکچاتے ہوئے باپ کا ذکر فائل کے حوالے سے کردیا تھا جو وہ کرنا نہیں چاہتی تھی اور برہان باپ کا نام سننا نہیں چاہتا تھا۔

''تمہاری اس بات کا جواب میں نے دے دیا ہے۔ ابا جان کو معلوم ہے وہ فائل کہاں ہے اور اس میں کیا ہے...... پر ابا جان سے پوچھنے جائے گا کون......؟''

''آپ ہی جائیں گے بھائی اور کون جائے گا اگر اس نے مصیبت کھڑی کردی تو جانا ہی پڑے گا......'' شبینہ کی بات سن کر برہان نے بڑی گہری نگاہ سے بہن کا چہرہ دیکھا تھا جیسے شبینہ نے گہرے سمندر میں تلاطم برپا کردیا ہو۔

''میں تو نہیں جاؤں گا، بے شک کوئی مجھے جان سے مار ڈالے' میں اب ابا جان کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ میری آنکھوں میں باپ کے لیے نفرت کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا...... میری مظلوم بہن...... ان کے ہاتھوں اپنے دردناک انجام کو پہنچ گئی۔ یہ وہ غم ہے جو کبھی ہلکا نہیں ہوگا اور اتنا بڑا پہاڑ اپنے سر پر اٹھا کر کم از کم ابا جان سے تو میں بات نہیں کرسکتا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں بھائی؟'' شبینہ ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''صحیح کہہ رہا ہوں شبینہ، میرے لیے بہت مشکل ہے۔''

''لیکن بھائی، ابا جان گرفتار ہوچکے ہیں بلکہ انہوں نے تو خود ہی گرفتاری دی ہے۔''

''نہیں، ہم ان سے ملنے نہیں جائیں گے۔'' برہان نے بہن کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ شبینہ کے لیے یہ ایک اور بڑا صدمہ تھا اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے اور اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ بہن کا غم بہت بھاری بوجھ تھا لیکن زندہ باپ سے ہمیشہ کے لیے دوری...... یہ بھی تو ایک حشر برپا کردینے والا سامان

تھا۔ اندر سے وہ ایک چڑیا کی طرح سہم کر رہ گئی کیونکہ برہان کے چہرے پر ایسے بے مہر تاثرات تھے جو اسے مزید بات کرنے سے روک رہے تھے۔

☆☆☆

رابی، شاہ عالم کے گھر کے ایک کمرے میں جو اسے رہنے کے لیے دیا گیا تھا کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے مختلف قسم کے خیالات میں الجھی ہوئی تھی۔ گھوم پھر کر اس کا ذہن برہان میں جا اٹکا تھا اور برہان کا تصور لمحوں میں اتنا پختہ ہو جاتا تھا کہ وہ محسوس کرنے لگتی تھی جیسے برہان اس کے پاس کھڑا ہے اسے اپنے آپ پر حیرت بھی تھی اور قدرے جھنجلاہٹ بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ''یہ کیسا پاگل پن ہے بلکہ حماقت کی انتہا...... برہان کے تو شاید فرشتوں کو بھی نہیں پتا ہے کہ روما کی ایک بہن ہے جس کا نام رابی ہے جو کائنات کے گھر میں برہان کے قدموں کی آہٹوں کی منتظر رہتی ہے۔ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟'' الجھے الجھے خیالات کے درمیان اس کے منہ سے خود بخود نکلا تھا۔

''شاید...... ہر لڑکی ہی اس عمر میں ایک تصوراتی شہزادے کے قدموں کی آہٹیں سنتی ہے اور میں نے اپنے تصور کو برہان کا نام دے دیا ہے لیکن کیوں یہ تو بہت عجیب سی بات ہے۔ میری کوئی دوست ہے نہ کوئی راز دار آج کی دنیا میں ہم دونوں بہنیں تو ایک عجوبہ ہی ہیں یا شاید ہم جیسی کئی ہوں گی لیکن وہ بھی کسی کونے میں بیٹھی اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں گی مجھے تو خوب صورت خواب دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔'' یہاں تک سوچ کر رابی بے ساختہ ہنس پڑی کیونکہ فوراً ہی اسے اپنے مسخ شدہ چہرے کا خیال آ گیا تھا اور لاشعوری طور پر اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اپنے جھلسے ہوئے چہرے پر پھیرنا شروع کر دیا تھا۔ ''اس چہرے کے ساتھ اور اس مقدر کے ساتھ خوب صورت خواب دیکھنا بنتا تو نہیں ہے۔ خواب اندھے ہوتے ہیں، لڑکھڑاتے، گرتے پڑتے اس طرف بھی آ نکلتے ہیں جہاں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔'' وہ بڑی بے اختیاری کیفیت میں اٹھ کر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور اپنا داغ، داغ چہرہ بڑے غور سے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ ''کتنی خوب صورت بات آئی ہے میرے ذہن میں۔'' رابی نے خود کو شاباشی دی۔

''خواب اندھے ہوتے ہیں ایسا ہی کوئی اندھا خواب بھٹکتا ہوا میری طرف آ نکلے...... چلو میں اس خواب سے کہتی ہوں تم اپنا راستہ پکڑو یہاں خوابوں کے لیے کوئی جگہ نہیں......'' یہاں تک سوچا تو آنکھیں ڈبڈبانے لگیں دو آنسو رخساروں پر لڑھکنے سے پہلے ہی اس نے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے پونچھ ڈالے تھے۔

☆☆☆

''جو بندہ کئی مرتبہ دور دراز ملکوں کا سفر کر چکا ہو وہ تو بہت براڈ مائنڈڈ ہو جاتا ہے۔ ویسے فائزہ آپس کی بات ہے ہم نے سوسائٹی میں کلاسز تو بنا لی ہیں اور اپر کلاس کو اپروچ بھی کر لیا ہے۔ انگلش موویز دیکھتے ہیں، انگلش بولتے ہیں اور ماڈرن فیشن کرتے ہیں۔ اپنے گھر کو ہر طرح کی سہولیات اور آرائشوں سے آراستہ کرتے ہیں مگر اندر سے تو ایک ہی جیسے ہیں...... کچی آبادیوں میں رہنے والی عورتیں اور elete class' شیشے کی طرح چمکتے ہوئے، floor پر انگریزی ڈانس کرتی ہوئی بیگمات...... کیا فرق ہے بھلا...... ہر کلاس کی عورت کے ذہن میں ایک ہی بات دنیا کیا کہے گی......؟' احمر، شائستہ بیگم کے واضح اعلان کے بعد کہ اب فائزہ، شبینہ سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ چار دن کی دوستی کو بھول جائے، نکال دے اپنے ذہن سے کہ شبینہ نام کی کوئی دوست بھی تھی...... احمر خاصا ڈپریسڈ دکھائی دے رہا تھا۔ فائزہ سے بھی زیادہ جو اس اعلان کے بعد بڑی باقاعدگی

سے رو بھی چکی تھی اور احمر نے ہی اس کے آنسو صاف کیے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی، ہم سب کو تو دنیا ہی کی پڑی رہتی ہے۔ آخر بے چاری شبینہ نے کیا، کیا ہے۔ اس کے ابا جان نے جو کچھ کیا اس کے وہ خود ذمے دار ہیں۔ شبینہ بے چاری نے تو کبھی چیونٹی کو بھی نہیں مارا ہوگا۔ آپ ممی کو سمجھائیں۔'' فائزہ نے بھائی کا سہارا لینے کی کوشش کی۔

''اس عمر میں سب لڑکیاں بہت جذباتی ہوتی ہیں اور آپس کی دوستی کو بہت اہمیت دیتی ہیں۔ یہی دو سہیلیاں ہوتی ہیں جب شادی کے بعد پریکٹیکل لائف میں داخل ہوتی ہیں تو ایک دوسرے سے ملنے اور بات کرنے تک کی فرصت نہیں ملتی اور پھر ایسی ہی دوستیوں کو اپنی یادداشت کے کسی خانے میں محفوظ کر کے قفل بھی ڈال لیے جاتے ہیں اور یہی دوست ہم دمِ دیرینہ کا لقب اختیار کر لیتے ہیں...... گیا تھا میں بات کرنے، میرا مطلب ہے کہ ممی کو سمجھانے... تمہارا وکیل بن کر انہوں نے تو مجھے بات کرنے سے ہی روک دیا۔''

''کیا کہا ممی نے......؟'' فائزہ نے احمر کی آنکھوں میں دیکھ کر کچھ کھوجنے کی کوشش کی حالانکہ اس کا دل جانتا تھا کہ ماں نے کیا کہا ہوگا۔

''بس...... کہنے لگیں اس ٹاپک پر کوئی مجھ سے بات نہ کرے...... ہم لوگوں نے یہ عزت چار دن میں نہیں بنائی ہے۔ انسان جن لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے وہی لوگ اس کا تعارف بن جاتے ہیں۔''

لیکن ہمیں لوگوں سے کیا......؟'' فائزہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

''ہاں......! ہمیں لوگوں سے کیا...... کسی کے گھر میں فاقے ہو رہے ہوتے ہیں تو کون سا جا کر کوئی ان کے گھر میں راشن دے آتا ہے۔ وہی لوگ جن لوگوں کے خوف سے انسان اپنے جائز حقوق سے بھی دستبردار ہو جاتا ہے مشکل وقت پر نہ جانے کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔'' احمر باپ کے ساتھ بزنس کرتا تھا۔ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ بڑے، بڑے اسکالرز کے ساتھ سوال جواب کرتا تھا۔ وہ اپنی عمر سے بہت آگے جا کر سوچتا تھا اب بھی اس کی بات میں بہت وزن تھا۔ فائزہ نے بھائی کی طرف یوں دیکھا جیسے اتنا اچھا سوچنے والا بھائی کوئی نہ کوئی حل تو نکال ہی لے گا۔ ممی کو منا ہی لے گا۔

''ٹھیک ہے بھائی فی الحال میں ممی کے سامنے شبینہ کا نام نہیں لوں گی لیکن کچھ دنوں کے بعد میں ان سے ضرور بات کروں گی۔''

''کیا بات کرو گی؟'' احمر نے فائزہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''یہی کہ ممی آپ زیادتی کر رہی ہیں۔''

''تم یہ کہو گی اور ممی بہت پیار سے مان لیں گی کہ واقعی وہ زیادتی کر رہی ہیں اسٹوپڈ...... لیکن بہرحال تمہارا خاموش رہنے کا فیصلہ اچھا ہے۔ کچھ دنوں کے لیے واقعی تم خاموش ہو جاؤ، ممی کے سامنے شبینہ کا نام مت لو۔'' احمر نے یہ کہہ کر فائزہ کا شانہ بہت پیار سے تھپتھپایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ فائزہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی گہری اداسی اچانک دوست سے بہت دور ہونے کا احساس چھوٹی سی عمر کی بڑی سی کائنات یہی تو تھی۔

☆☆☆

''میں تو اس بچے کی اخلاقی مدد کرنا چاہتا ہوں مگر لگتا ہے وہ کسی سے بھی کسی قسم کی مدد لینا پسند نہیں کرے گا۔ بڑا ترس آ رہا ہے مجھے اس بچے پر۔'' کائناز اور روما کے کالج جانے کے بعد شاہ عالم، رابی سے بات کر رہے تھے اور انجانے میں انہوں نے گویا رابی کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا۔ کچھ لوگ ہماری زندگی

میں ایسے ضرور آتے ہیں جو ساتھ بیٹھے ہوں یا نہ بیٹھے ہوں آنکھوں سے بہت دور ہوں لیکن ان کے ذکر سے بھی روحانی خوشی کا احساس ہوتا ہے۔

رابی کی زندگی میں لے دے کر شاید اب برہان ہی ان لوگوں میں سے ایک تھا جس کا صرف ذکر ہی رابی کو بہت لگتا تھا۔ شاہ عالم نے جو کچھ کہا اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے جواب میں کیا کہے...... کیونکہ وہ تو ترس کھا رہے تھے، اس سے کوئی صلاح کوئی مشورہ تو نہیں کر رہے تھے۔ رابی خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

''اسے ہارڈ لک ہی تو کہتے ہیں بیٹا ایک بچہ اپنے گولڈن کیریئر کی طرف بڑھ رہا تھا اور اپنا ٹارگٹ اچیو کرنے کے لیے جو کرنا چاہیے وہ سب کر رہا تھا...... میں تو اس کی خودداری کا اندازہ اس بات سے لگاتا ہوں کہ پولیس افسر کا بیٹا ہو کر ہوم ٹیوشن سے اپنے اخراجات پورے کر رہا تھا۔ ایسے بچے بہت کم ہوتے ہیں اور پولیس افسروں کے بچے اتنی محنت مشقت کر کے تعلیم حاصل کریں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' شاہ عالم پھر گویا ہوئے۔

رابی یوں سر ہلانے لگی جیسے سر ہلانا اس کی اخلاقی ذمے داری ہو بولی اب بھی کچھ نہیں۔

''آپ تو شاید اس سے ملی بھی نہیں بیٹا لیکن ہو سکتا ہے روما نے غائبانہ تعارف آپ سے کرایا ہو۔'' اب رابی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کی روشنی چمکی بڑی بے معنی اور اداس سی مسکراہٹ کی روشنی......

''دادا جان میں تو اب کسی سے ملنے کے قابل ہی نہیں ہوں شاید آپ بھول جاتے ہیں۔'' رابی کی اس بات پر شاہ عالم ایک چونک پڑے۔

''نہیں، نہیں بیٹا میں بالکل یہ بات نہیں بھولتا...... میں تو جان بوجھ کر آپ کے ساتھ اس ٹاپک پر بات نہیں کرتا۔ کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں بار بار آپ کو آپ کی غلطی کا احساس دلا رہا ہوں...... گل جان بی بی سے میری کئی مرتبہ بات ہو چکی ہے۔ وہ بھی چاہتی ہیں کہ جلد سے جلد آپ کے چہرے کی...... کاسمیٹک سرجری ہو جائے لیکن اب dermatalogist سے consultation کے بعد ہی پتا چلے گا کہ.... cosmatic surgery کے لیے یہ وقت مناسب ہے یا ابھی کچھ اور انتظار کرنا ہے۔''

''تو دادا جان سرجن کے پاس کب چلنا ہے؟'' رابی تو جیسے یہ سن کر بہت پُرجوش آنے لگی تھی شاید اسے ایک قیمتی متاع اپنے ہی ہاتھوں سے گنوانے کے بعد اس کی قدر و قیمت کا احساس شدت سے ہو رہا تھا اور... شاہ عالم جس کا ذکر کر رہے تھے، لاشعوری طور پر تو وہ اسے اپنا آئینہ بنانے کا سوچتی تھی لیکن اس میں یہ والا چہرہ تو نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

اس کا جوش اور بے تابی شاہ عالم سے چھپی نہیں رہ سکی انہوں نے اس کے انداز و ادا پر خصوصی توجہ دی تھی اور یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ رابی کو اپنا پرانا چہرہ آئینے میں دیکھنے کی اب بہت جلدی ہے۔

''ہاں بیٹا، میں فون کر کے معلوم کرتا ہوں پھر آپ گل جان بی بی کے ساتھ چلی جایئے گا۔''

''دادا جان......! خالہ جانی تو آج کل پر ٹالتی رہیں گی۔ اماں جان کی نرس جو بنی ہوئی ہیں...... کیا میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی؟''

''نہیں بیٹا میں...... تو کبھی آپ کو انکار نہیں کروں گا۔ میں تو اس وجہ سے کہہ رہا تھا کہ شاید آپ اپنی خالہ جان کے ساتھ زیادہ comfortable فیل کریں گی بلکہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ reconstruction ہو رہی ہے۔ آپ سرجن صاحب سے کہیے گا کہ...... آپ کو پہلے سے زیادہ خوب صورت بنا دے۔ پیارا سا چہرہ

دیکھ کر شاید آپ کی اماں جان بغیر علاج کے ہی اپنے ہوش وحواس میں آجائیں...... میرا خیال ہے آپ کی اس غلطی کی وجہ سے انہیں گہرا صدمہ پہنچا ہوگا...... کیونکہ کوئی بھی ماں یہ برداشت نہیں کرسکتی...... اتنی طاقت، اتنی ہمت کسی ماں کے دل میں نہیں ہوتی...... ماں تو ماں ہوتی ہے ناں بیٹا......'' شاہ عالم ماں، ماں کر رہے تھے اور رابی سارے حسین خواب ایک نادیدہ سی پوٹلی میں باندھ رہی تھی تاکہ یہ پوٹلی اٹھا کر دور پھینک دے۔

☆☆☆

''گل جان بی بی میرا خیال ہے کہ بچیوں کو اب اپنے گھر واپس آجانا چاہیے۔'' اصیل خان مؤدبانہ انداز میں جو اس کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا، گل جان سے مخاطب تھا۔ جو لاؤنج میں جھولے میں بیٹھی سورہ یٰسین پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی اس نے جیسے ہی چہرے پر ہاتھ پھیرے اصیل خان کا جملہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

''تم سے کیا شاہ صاحب نے کوئی بات کی ہے؟'' اس نے گھور کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔

''نہیں، نہیں شاہ صاحب بے چارے کیوں بات کریں گے، میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا کہ اچھا نہیں لگتا۔ کئی دن ہوگئے ہیں اب بچیوں کو اپنے گھر آجانا چاہیے کیونکہ ڈاکٹر صاحبہ کو ان کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''پڑتا ہے۔'' گل جان نے بڑی تیزی سے اصیل خان کی بات کاٹ دی تھی۔ ''دماغ کھا جائیں گی میرا۔ پہلے روما کے لیے پوچھیں گی یہ کون ہے پھر رابی کے لیے پوچھیں گی...... میرا خیال ہے ابھی کچھ دن انہیں وہاں رہنے دو۔ اس گھر میں کون سا جوان لڑکے ہیں...... شاہ صاحب تو خود اتنا خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گھر میں آج تک نوجوان لڑکا کبھی ملازم نہیں رکھا ویسے لڑکیوں کی نگرانی بھی ہے۔ ظاہر ہے رابی، شاہ صاحب کی اجازت کے بغیر تو کہیں نہیں جائے گی...... شکر ہے وہ شاہ صاحب کی بات سنتی بھی ہے اور سمجھتی بھی ہے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے، میں اصل میں یونہی ایک بوجھ سا محسوس کر رہا ہوں کہ شاہ صاحب ہمسائے ہیں، رشتے دار تو نہیں...... اور بیٹی کسی کی بھی ہو بہت بڑی ذمّے داری ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی ذمّے داری خود اٹھانی چاہیے۔'' اصیل خان نے اپنے اسی مخصوص انداز میں وضاحت کی۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے لیکن بچیاں کون سا ہم سے دور ہیں' میں بھی چکر لگا لیتی ہوں، وہ دونوں بھی آجاتی ہیں۔''

''آخر آپ کب تک انہیں اس گھر میں رکھیں گی، ایک دن تو وہ اسی گھر میں آئیں گی۔ اس سے پہلے کہ شاہ عالم کو کچھ سوچ آئے ہم پہلے ہی اپنی بچیوں کو یہاں لے آتے ہیں۔'' اصیل خان نے اب اپنی بات مکمل کردی تھی۔

''اپنی بچیوں کو...؟'' گل جان نے چونک کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔ پھر جیسے خود ہی ہنس دی۔ ''ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہو ہماری ہی تو بچیاں ہیں وہ......''

اصیل خان ایک دم جیسے سٹ پٹا سا گیا...... چند لمحے گل جان کی طرف دیکھا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''حقیقت آپ کو اور مجھے پتا ہے یا اللہ کو...... ڈاکٹر صاحبہ اس حقیقت کا بوجھ نہیں اٹھا سکیں...... اتار کر پھینک دیا مگر مجھے اور آپ کو یہ بوجھ اٹھا کر بہت دور تک جانا ہے۔''

اتنا کہہ کر اصیل خان وہاں سے ہٹ گیا تھا اور گل جان اس کے آخری جملے کی بازگشت میں گھر کر رہ گئی تھی۔

جاری ہے

امانت

رفعت سراج

قسط 17

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکست خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو نا قابلِ قبول ہوتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے تو گل جان کو پتا چلتا... کہ ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کر رہا ہے اور وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں جس پر شاہ عالم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ ستارہ، برہان کو فون کر کے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہوگئی ہے اور وہ اس سے ملنے اس کے گھر آ سکتا ہے، گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہو جاتی ہے۔ ستارہ، برہان کو بتاتی ہے کہ اب وہ اس گھر میں کبھی نہیں جائے گی۔ برہان اسے سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر مشکل میں وہ اس کے ساتھ ہے۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ جابر علی، ایس پی سے ولیمے کی بابت دریافت کرتا ہے تو وہ اسے جھوٹی تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے۔ رابی، برہان کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ وہ کون ہے۔ روما، شاہ عالم کے گھر آ جاتی ہے۔ ایس پی، جابر علی کو منع کرتا ہے لیکن جابر علی کہتا ہے کہ جو آرڈر اسے ملا ہے وہ اس پر عمل ضرور کرے گا۔ ایس پی شاہ زمان، وارث علی کو جابر علی کے ارادوں کے بارے میں بتاتا ہے۔ ستارہ، وارث علی کی بات پر حیران رہ جاتی ہے۔ جابر علی، ستارہ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہتا ہے تو وہ منع کر دیتی ہے۔ ستارہ منع کرتی ہے تو جابر علی ستارہ کو گولی مار دیتا ہے۔ برہان کو خبر ملتی ہے تو وہ فوراً اپنے گھر پہنچتا ہے۔ برہان، کائناز کو پڑھانے نہیں آتا اور نہ کوئی فون کرتا ہے تو شاہ عالم خود فون کرتے ہیں تو موبائل آف ملتا ہے۔ مہر جان، اصیل خان کو پہچانتی نہیں ہے اور اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کون ہے اور اسے کس نے رکھا...... ایس پی شاہ زمان، جابر علی سے کہتا ہے کہ وہ مجسٹریٹ کے سامنے وارث علی کا نام نہ لے لیکن جابر علی اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ شاہ عالم اخبار میں لگی خبر میں برہان کا نام پڑھ کر چونکتے ہیں برہان، شاہ عالم کا فون دیکھ کر حیران ہوتا ہے، شبینہ، فائزہ کو بتاتی ہے کہ برہان اسپتال میں ہے کیونکہ ابھی ستارہ کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا برہان، شاہ عالم کا فون آنے پر انہیں بتاتا ہے کہ اس کی بہن کا مرڈر ہو گیا ہے وہ اب روما کو نہیں پڑھا سکے گا۔ شاہ عالم اسے تسلی دیتے ہیں اور اس کا ایڈریس پوچھتے ہیں تاکہ وہ اس کے گھر آ سکیں۔ مہر جان اپنے مرحوم باپ کو صدائیں دیتی ہیں وہ گل جان سے کہتی ہیں کہ بابا ان سے ملے بغیر کبھی نہیں گئے تو اب کیسے چلے گئے۔ ایس پی، وارث علی کو خبردار کرتا ہے وہ جابر علی کی وجہ سے پھنس بھی سکتا ہے۔ رابی کو برہان کی بہن کے مرڈر کی خبر ہوتی ہے تو وہ سوچتی ہے کہ شاید اب وہ اسے نہیں دیکھ پائے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے گھر جاتی ہے۔ مہر جان، اصیل خان سے گل جان کے بارے میں پوچھتی ہیں لیکن وہ کوئی جواب نہیں دیتا۔ رابی کو دیکھ کر مہر جان اسے پہچانتی نہیں ہیں وہ ایسا تصور میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی جو اُن کی حالت تھی۔ شاہ عالم، رابی کی ہمت بندھاتے ہیں وہ خود برہان کے گھر جاتے ہیں اسے تسلی دیتے ہیں۔ شائستہ بیگم، فائزہ کو کہتی ہیں کہ اب وہ شبینہ سے دوستی ختم کرے...... شبینہ، برہان سے جابر علی کے بارے میں پوچھتی ہے تو برہان کہتا ہے کہ وہ اب ان سے نہیں ملے گا۔ رابی، کائناز اور روما کو برہان کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں بتاتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہیں۔ جابر علی کا ماتحت اسے کہتا ہے کہ اگر وہ اس کی کوئی مدد کر سکتا ہے تو بتائے۔ جابر علی کہتا ہے کہ وہ اس کی اس عزت افزائی کو یاد رکھے گا۔ وارث علی، ایس پی سے کہتا ہے کہ جابر علی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس کی مقتولہ بیٹی کا شوہر ہے اور ابھی اس کی ایک بیٹی اور بیٹا زندہ ہیں۔ وارث علی، ایس پی شاہ زمان سے کہتا ہے کہ وہ جابر کے قبضے سے وہ فائل نکلوائے...... ستارہ کی تدفین ہو جاتی ہے۔ رابی شاہ عالم سے کہتی ہے کہ وہ کائناز کو بتا دیں کہ اب برہان انہیں پڑھانے نہیں آئے گا تو شاہ عالم کہتے ہیں کہ وہ برہان کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ روما، کائناز کے ساتھ اپنے گھر جاتی ہے تو مہر جان اسے نہیں پہچانتیں، ایس پی جابر علی سے بات کرتا ہے کہ وہ فائل اسے دے دے مگر جابر علی، ایس پی کی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے، وارث علی برہان کو فون کر کے کہتا ہے اسے ایک فائل چاہیے اور اگر وہ فائل اسے نہ ملی تو ان کے لیے اچھا نہیں ہوگا...... برہان فائل کے بارے میں شبینہ سے پوچھتا ہے تو وہ بھی پریشان ہو جاتی ہے، احمر شائستہ بیگم کی اس بات سے بہت ڈپریسڈ ہوتا ہے کہ فائزہ، شبینہ سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اصیل خان، گل جان سے کہتا ہے کہ اب روما اور رابی کو گھر واپس آ جانا چاہیے۔

اب آگے پڑھیں

برہان گھر سے باہر چلا آیا تھا...... کیونکہ اس گھر کی چار دیواری میں خود کو یوں محسوس کر رہا تھا... جیسے اس کی روح کو اَن دیکھی زنجیروں نے بری طرح جکڑ دیا ہو...... کوئی خیال دل میں آتا تھا تو اتنا بے معنی اور بے نتیجہ سا کہ وہ ان بے محل خیالات کی یلغار سے تقریباً بدحواس سا ہو گیا تھا۔

شبینہ اور صابرہ کے پاس صرف ایک موضوع تھا وہ اسی موضوع پر بات کرتی تھیں اور وہ خود اس موضوع سے راہِ فرار اختیار کرنے کی لاشعوری کوشش کرتا تھا۔ اس کے پاس بائیک نہیں تھی کار نہیں تھی کہ وہ سڑکوں پر دوڑاتا پھرتا...... بے سمت سا ایک سفر تھا جو اس نے اختیار کیا تھا...... اور روڈ کے کنارے چلتا چلا جا رہا تھا...... آس پاس سے گزرتے لوگ اسے سائے کی طرح محسوس ہو رہے تھے، اسے کسی چہرے کسی آواز میں دلچسپی نہیں تھی...... اسے خود بھی نہیں پتا تھا کہ آخر اب وہ کرنا کیا چاہتا ہے...... بس سر جھکائے چلتا جا رہا تھا۔ عام حالات میں وہ اتنا زیادہ پیدل چلتا تو شاید اب تک اس کی ٹانگیں اس سے مخاطب ہو چکی ہوتیں کہ کیوں ہمیں اتنا تنگ کر رہے ہو......؟ لیکن اسے تو جیسے اپنا ہوش ہی نہیں تھا۔ اس کا ذہن...... وقت اور خلا کے گہرے کنویں سے باہر آ چکا تھا۔ آزاد اور وسیع بسیط فضاؤں میں اس کی روح سفر کر رہی تھی۔ مادی جسم روح کی اڑان کے ساتھ سفر کرنے سے قاصر تھا کہ اچانک ہی اسے وقت اور خلا کے جہان میں واپس آنا پڑا اس کی جیب میں پڑا ہوا موبائل وائبریٹ کر رہا تھا پہلا خیال تو اسے یہی آیا کہ شاید...... شبینہ یا صابرہ کو اس کا خیال آیا ہوگا وہ جاننا چاہتی ہوں گی کہ اس وقت وہ کہاں ہے؟

وہ چلتے چلتے رک گیا آس پاس ایک نگاہِ غلط بھی نہ ڈالی بس چپ چاپ اپنی جیب سے موبائل نکال کر کالر کا نام دیکھنے لگا اور کالر کے نام پر نظر پڑتے ہی اس کی ذہنی دنیا پھر تہ و بالا ہونے لگی۔ اسکرین پر وارث علی کا نام بلنک ہو رہا تھا۔

”اس شخص کی کال ریسیو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ وقت کا زیاں ہے۔“

اس نے یہاں تک سوچ کر موبائل mute کر دیا اور جیب میں رکھ لیا۔ وائبریشن مسلسل ہو رہی تھی لیکن برہان نے تو جیسے کھڑے کھڑے قسم کھالی کہ اب وہ کبھی وارث علی کی کال ریسیو نہیں کرے گا۔ موبائل وقفے وقفے سے وائبریٹ ہو رہا تھا اور برہان کے قدم نہ جانے کس نجات دہندہ کی تلاش میں محوِ سفر تھے۔

☆☆☆

جابر علی لاک اپ میں گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا شاید اس میں اپنے آس پاس دیکھنے کا حوصلہ نہیں بچا تھا کیونکہ اس کی ایک ایک حس ہر آن اسے یہی بتاتی تھی کہ جو اس کے سامنے کھڑا ہے اور جو اس کے پیچھے ہے اور جو دائیں اور بائیں ہے سب اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اس کو بہت برے، برے ناموں سے یاد کر رہے ہیں...... تو پھر ایسے ظالموں کے چہرے دیکھنے کا فائدہ کیا...... اپنی موت کا ہی انتظار کرنا ہے تو وہ آنکھیں بند کر کے بھی کیا جا سکتا ہے لیکن......

”صاحب آپ نے روٹی کھائی......؟“ اچانک میر داد خان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”یاد نہیں شاید کھائی تھی......“ اس کی یہ پاگلوں والی کیفیت دیکھ کر میر داد خان ایک لمحے کے لیے خوفزدہ ہو گیا کیونکہ بولنے کی جرأت تو نہیں تھی...... لیکن دل میں تو دس دفعہ سوچ چکا تھا کہیں جابر علی کا ذہنی توازن تو نہیں بگڑ گیا تھا۔ اپنی اولاد کے خون سے ہاتھ رنگنا کوئی معمولی بات تو نہیں...... یہ عمل تو صریح دیوانگی کے زمرے میں آتا تھا۔

''تم جا کر اپنا کام کرو میر داد خان...... میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں...... میں تو اب ساری فکروں سے آزاد ہو گیا ہوں لیکن میرے جانے کے بعد جب بھی سوچنا تو یہی سوچنا کہ میں نے دیانت داری کی خاطر جان دی ہے۔''

''اس میں تو کوئی شک نہیں صاحب...... میں تو آپ کی ایمانداری کی گواہی میں قسم بھی کھا سکتا ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں آپ جیسا ایماندار افسر نہیں دیکھا۔ لوگ رشوت خوروں کو برا بھلا کہتے ہیں، میں تو اس وقت حیران ہو جاتا تھا جب آپ کو آپ کی ایمانداری کی وجہ سے برا بھلا کہتے تھے کہ ''نہ خود کھاتا ہے اور نہ کھانے دیتا ہے گند کرتا ہے۔'' میر داد خان کے منہ سے اپنی تعریف سن کر جابر علی کی گردن میں لاشعوری طور پر جیسے کلف سا لگ گیا...... اس نے اندر ہی اندر اپنے آپ کو شاباشی دی۔

''چلو کوئی تو میری ایمانداری کو مانتا ہے اور پھر مجھے کسی سے کیا لینا میرے اپنے اندر تو سکون ہے ناں کہ میں نے ہمیشہ ایمانداری سے کام کیا ہے اور آج بھی اپنی ایمانداری کی وجہ سے مصیبت میں پھنس گیا ہوں اور ایک دن اپنی ایمانداری کی وجہ سے جان بھی دوں گا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ میر داد خان...... تم ایمانداری سے اپنی ڈیوٹی ادا کرو، میں تو سمجھو اپنے انجام تک پہنچ گیا...... اللہ تمہاری مدد کرے مگر یاد رکھو یہ راستہ بہت مشکل ہے کبھی raid پر اور کبھی پھانسی کے پھندے پر...... جان کسی بھی وقت جا سکتی ہے۔''

''صاحب میں آپ کا خادم ہوں، میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اپنی وردی کی لاج رکھوں گا آپ کے نقشِ قدم پر چلوں گا۔''

جابر علی نے اپنے ماتحت کی یہ بات سنی تو خوشی سے پھولا نہ سمایا اس کی انا تسکین پا کر جیسے کسی گھنے درخت کی چھاؤں میں سکون سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ کچھ دیر پہلے کا الجھا، الجھا تاثر چہرے سے مٹ چکا تھا اب اس کے چہرے پر گہرا سکون دکھائی دے رہا تھا۔

''سر...... اگر آپ غصہ نہ کریں تو آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔'' میر داد خان نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہاں پوچھو، تمہیں کوئی بات کہنے کے لیے میری اجازت کی ضرورت نہیں جو مرضی آئے پوچھو۔'' جابر علی نے بے پناہ دریا دلی کا مظاہرہ کیا۔

''سر وہ آپ کے گھر سے ابھی تک کوئی نہیں آیا...... آپ کے گھر والے تو اسی شہر میں رہتے ہیں ناں......؟ کسی نے آپ کے لیے کوئی بھاگ دوڑ نہیں کی۔''

''بھاگ دوڑ......؟'' جابر علی کے ہونٹوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''یہ اس وقت ہوتا ہے میر داد خان جب بندہ ملزم ہوتا ہے، میں تو مجرم ہوں۔''

''لیکن صاحب ابھی مجسٹریٹ کے سامنے تو آپ کو پیش نہیں کیا گیا ناں...... ابھی آپ کا اقبالی بیان تو ریکارڈ نہیں ہوا۔'' میر داد خان نے پھر ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''وہ بھی ہو جائے گا...... ان لوگوں کی مرضی بھلے مجھے ابھی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کریں...... ایک ہی بات ہے میرے پاس صبح پوچھیں گے تو اقبالِ جرم کروں گا، شام کو پوچھیں گے تو بھی آدھی رات کو اٹھا کر پوچھیں گے تو بھی۔ بات وہ بدلتا ہے جس کے پاس دس باتیں ہوتی ہیں...... میرے بھائی میرے پاس تو ایک ہی بات ہے۔'' جابر علی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا تھا۔ اتنی دیر سے وہ دیوار سے ٹیک لگائے کافی فاصلے سے میر داد

خان سے ہم کلام تھا جو لاک اپ کی سلاخیں اپنی مٹھیوں میں دبوچے انتہائی دکھ اور ہمدردی سے جابر علی کو دیکھ رہا تھا اور جو کچھ ذہن میں آ رہا تھا وہ کہہ بھی رہا تھا۔

''صاحب......! آپ برا نہ مانیں، آپ کو کیا مصیبت آئی ہے کہ اقبالی بیان ریکارڈ کرائیں۔ کیس کو الجھا دیں سارا محکمہ آپ کی ایمانداری کی قسم کھاتا ہے کچھ بھی نہیں ہوگا آپ کو......''

''کیس کو الجھا دوں......؟'' جابر علی نے بڑے کڑے تیور کے ساتھ اتنی دیر میں پہلی بار میر داد خان کو گھورا تھا۔

''کیوں الجھاؤں کیس کو......؟ نہ مجھے زندہ رہنے کی خواہش ہے اور نہ جھوٹ بول کر زندگی کی بھیک مانگنے کی تمنا...... اگر یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے پھانسی چڑھنا چاہیے تو چڑھا دیں...... جھوٹ نہیں بولوں گا۔''

میر داد خان نے یہ سن کر ایک لمحے کے لیے اپنا سر جھکا لیا۔ جابر علی کی اس بہادری کو از حد عقیدت اور احترام سے محسوس کیا۔

''صاحب......! آپ میری بات پر غور ضرور کیجیے گا اگر آپ کیس کو الجھا دیں تو زیادہ بہتر ہے۔ برائی کو مٹانے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔ آپ تو پھانسی چڑھ جائیں گے لیکن وارث علی جیسا ناسور پلتا رہے گا، اسے اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کیس کو الجھا دیں۔ ورنہ وہ بچ نکلے گا اور پھر کسی اور شریف خاندان میں واردات کرے گا۔''

''تم فکر نہیں کرو میر داد خان میرے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ وارث علی بچ نہیں سکے گا اور اسے اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے تو میں آج اس حال کو پہنچا ہوں، میری یہ قربانی رائگاں نہیں جائے گی۔'' جابر علی کے انداز میں بلا کا اعتماد اور بے خوفی تھی اپنے ماتحت کو تسلی دیتے ہوئے اس کا سر جیسے فخر سے بلند ہو رہا تھا گویا اس دنیا میں سب سے عظیم کارنامہ انجام دینے والا واحد وہی ہو۔

''اس ملک میں با اثر بندے کو کچھ نہیں ہوتا صاحب...... آپ کا تجربہ مجھ سے زیادہ ہے، آپ کو تو یہ بات سمجھ آ جانی چاہیے۔''

''آتی ہے سمجھ میر داد خان بہت اچھی طرح سمجھ آتی ہے لیکن کچھ کیے بغیر تو میں بھی مرنے والا نہیں۔'' جابر علی کے لہجے میں ایک عزم تھا، قوتِ ارادی کی مضبوطی تھی اور کچھ کر دکھانے کا پورا یقین تھا۔

☆☆☆

جھٹ پٹے کا وقت تھا، پرندے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ ان کی آوازوں سے یوں لگتا تھا جیسے وہ دن بھر ہونے والی مصروفیات اور پیش آنے والے چھوٹے بڑے حادثات پر تبصرے کر رہے ہوں۔

گل جان سفید شلوار قمیص میں ملبوس تھی اور سفید ہی چادر سے اس نے اپنا سر ڈھانپا ہوا تھا...... برسوں گزر گئے یہ سفید رنگ اس کی ذات کا حصہ بن کر رہ گیا تھا۔ وہ خال خال ہی کوئی اور رنگ پہنتی تھی۔ شام کے جھٹ پٹے میں سفید لباس میں لپٹا ہوا اس کا وجود بڑا پاکیزہ و مقدس دکھائی دے رہا تھا۔ ہاتھ میں موٹے، موٹے دانوں کی سفید ہی تسبیح تھی جس پر وہ اپنے معمول کے مطابق یاحیُ یا قیومُ کا ورد کر رہی تھی۔ معاً اس کی نظر اصیل خان پر پڑی...... جو ایک طرف جانماز بچھائے مغرب کی اذان کا انتظار کر رہا تھا۔ گل جان کو اچنبھا سا ہوا۔

''یہ آج مغرب کی نماز گھر پر کیوں پڑھ رہا ہے؟ یہ تو پانچوں نمازیں پڑھنے مسجد جاتا ہے...... اور یہ اس جگہ ہی کیوں جانماز بچھا کر بیٹھ جاتا ہے...... بی بی جان گھر کے اندر سے باہر آتی ہیں تو سب سے پہلے نظر اسی

جگہ پر پڑتی ہے......اسے منع بھی کیا ہے کہ اپنے کوارٹر میں رہا کرے پھر بھی پتا نہیں کیوں یہ یہاں آکر بیٹھ جاتا ہے۔'' اس کی سوچ جھنجلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور بے اختیاری کیفیت میں اصیل خان کے قریب چلی آئی۔

''اصیل خان خیر تو ہے تم نماز پڑھنے مسجد نہیں گئے؟'' اصیل خان نے گل جان کی طرف صرف ایک... سرسری سی نگاہ کی تھی۔

''وہ گل جان بی بی آج میری سیدھی ٹانگ کے گھٹنے میں بہت تکلیف ہے' بڑے دنوں کے بعد اس تکلیف نے تنگ کیا ہے چلنے میں بہت دقت ہو رہی ہے۔''

''تو تم ٹک کر علاج کیوں نہیں کراتے...... توتے کی طرح کیوں پال رہے ہو؟''

اصیل خان نے گل جان کی یہ بات سن کر اس کی طرف نہیں دیکھا بلکہ کسی خیال میں کھو گیا...... پھر آہستہ سے گویا ہوا۔

''گل جان بی بی بس جیسے پہلے ٹھیک ہو گئی تھی۔ اسی طرح اب بھی ہو جائے گی۔ ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو بڑا خرچہ ہوتا ہے پندرہ بیس تو ٹیسٹ ہی کرا لیتے ہیں اور آپ کو پتا ہے کہ ایک ٹیسٹ پر ہی اچھا خاصا پیسہ اٹھتا ہے۔''

''پیسے مجھ سے لے لو......'' گل جان نے اس کی بات مکمل ہوتے ہی کہا تھا۔

''نہیں جی بس......ٹھیک ہے......مہربانی آپ کی، اللہ کرم کرے گا۔''

''اصیل خان...... میں اصل میں یہ بات تم سے کہنا چاہتی ہوں کہ تم کیوں یہاں لان میں آکر بیٹھ جاتے ہو......بی بی جان کی سیدھی نظر اسی جگہ پر پڑتی ہے اور وہ آکر اپنی باتیں شروع کر دیتی ہیں۔''

''آپ پریشان نہ ہوں گل جان بی بی، خواہ مخواہ کیوں ڈرتی ہیں؟ ڈاکٹر صاحبہ نے اگر مجھے پہچان بھی لیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اصیل خان نے اپنی دانست میں اسے تسلی دی تھی۔

''کچھ برا بھی ہو سکتا ہے اصیل خان، ان کی حالت زیادہ خراب ہو سکتی ہے۔ مجھے اپنی بہن کو چند دن ہر غم سے دور دیکھنے کی تمنا ہے، وہ اب ہنستی بھی ہیں اور مسکراتی بھی ہیں اور ہاں تمہیں ایک بات بتاؤں اصیل خان......؟'' گل جان کا آخری جملہ سوالیہ ہو گیا۔

اصیل خان نے نظریں اٹھانے کے بجائے گل جان کے بولنے کا انتظار کیا۔

''کبھی کبھی میں سوچتی ہوں......'' گل جان کسی خیال میں کھو کر بول رہی تھی۔ اصیل خان نے بالکل نہیں پوچھا کہ وہ کیا سوچتی ہے۔

گل جان اس کی طرف سے اب قطعی مایوس ہو گئی اور اسے پورا یقین ہو گیا کہ کم از کم اصیل خان لب کشائی نہیں کرے گا۔ اس لیے اسے اپنی بات بلا توقف جاری رکھنی چاہیے۔

''میں سوچتی ہوں اصیل خان پاگل پن بہت بڑی نعمت ہے، انسان تمام شرعی، اخلاقی پابندیوں سے فارغ ہو جاتا ہے نہ رشتے بوجھ بنتے ہیں نہ پرانے زخموں سے آنچ آتی ہے۔'' یہ کہہ کر گل جان نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اصیل خان یوں خاموش تھا جیسے وہ گل جان سے کچھ مزید سننے کی تمنا رکھتا ہو...... لیکن جب گل جان کی خاموشی گہری ہوتی گئی تو اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں آپ کی بات کے سامنے اپنی بات نہیں رکھ سکتا گل جان بی بی......مگر آپ دو معصوم بچیوں کی طرف

بھی دیکھیں......''

''وہ بہت سکون سے ہیں اصیل خان......'' گل جان نے فوراً اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

''کتنے دن تک......؟'' اصیل خان کی طرف سے برجستہ سوال ہوا تھا۔

''شاہ صاحب ہمارے پڑوسی ہیں، رشتے دار نہیں ہیں گل جان بی بی۔''

''تم فکر نہیں کرو، میں ان دونوں کو آہستہ، آہستہ راہ پر لا رہی ہوں اور پھر ایک دن انہیں ساری حقیقت کھول کر بتا دوں گی...... کچھ نہیں چھپاؤں گی۔''

''ساری حقیقت......؟''

''ہاں ساری حقیقت......'' گل جان کے چہرے پر ایک پُراسرار مسکراہٹ کھیلنے لگی اصیل خان بھی بے معنی انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''کہاں سے شروع کریں گی؟''

''9 اگست 1960ء سے جب بی بی جان نے ایک عظیم الشان حویلی میں جنم لیا تھا۔ میں پورے چھ سال چھوٹی ہوں ان سے مگر......میری سالگرہ ان سے ایک مہینے پہلے ہوتی ہے میں 2 جولائی کو پیدا ہوئی اور وہ 9 اگست کو...... بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ ہماری پیدائش میں صرف ایک مہینے کا فرق ہے۔'' اتنا کہہ کر گل جان پھر بے معنی سا مسکرائی اور اس طرف دیکھا جہاں سے اسے مہر جان کے برآمد ہونے کے اندیشے لاحق تھے۔

''میں 2 جولائی کو اس دنیا میں نحوست پھیلانے کے لیے آئی...... میں تو نحوست کی نشانی ہوں اصیل خان......آتے ہی ماں کو ہڑپ کر گئی۔''

''ایسا مت بولیں گل جان بی بی...... اللہ کو برا لگتا ہے، ہم اپنی طرف سے کون ہوتے ہیں منحوس اور مبارک کا فیصلہ کرنے والے یہ تو لکھنے والے کے ہاتھ میں ہے کہ اس نے ہمارے لیے کیا کام لکھے ہیں جو ہمیں اس دنیا میں آکر کرنے ہوتے ہیں۔'' اصیل خان کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

''بہت اچھے کام کیے ہیں ہم نے...... کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ایسا کیا تھا ہمارے خمیروں میں کہ ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں جہنم لکھ دیا گیا۔''

''توبہ، توبہ......!'' اصیل خان نے بے اختیار اپنے کانوں کی لوؤں کو چھوا۔ ''وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ عیبوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔ ہمارے گناہ اس کی بخشش سے زیادہ تو نہیں ہو سکتے۔ بندے کو کبھی اپنے رب سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔'' بولتے، بولتے اس کی اس کی آواز سے رقت جھلکنے لگی تھی یوں لگتا تھا وہ بس اب رو پڑے گا۔ وہ مزید گویا ہوا۔

''میں پھر آپ کو یہ کہوں گا جب تک پردہ پڑا ہے پڑا رہنے دیں بچیوں کو بتایا تو بچیوں پر ظلم ہوگا۔''

''سچائی کو ظلم کا نام مت دو اصیل خان، سچ تو ضرور بتاؤں گی اگر سچ بتانا ظلم ہے تو پھر ایک دن یہ ظلم ضرور ہوگا۔'' یہ کہہ کر گل جان وہاں رکی نہیں تھی گھر کے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اصیل خان کو آگ کے دریا میں ڈوب کر پھر تیرنے کا حکم دے کر۔

اصیل خان اپنی طرف سے پوری کوشش کرتا تھا کہ وہ ارادتاً گل جان کی طرف نہ دیکھے مگر بلا ارادہ تو نظر ایک بار اٹھ ہی جاتی تھی۔

☆☆☆

کائناز، رابی اور روما کو لیے لاؤنج میں بیٹھی تھی اور دو تین بڑے، بڑے سے البم اس کی گود میں دھرے تھے۔ ایک البم کھول کر وہ ایک، ایک تصویر پر انگلی رکھ کر اس تصویر کی گویا ہسٹری بھی بتارہی تھی۔ روما اور رابی دونوں بڑی دلچسپی سے تصویریں دیکھ رہی تھیں۔ رابی کے چہرے پر گہری سوچ اور سنجیدگی تھی۔ وہ تصویریں دیکھتے ہوئے بالکل خاموش تھی جبکہ روما بار بار بول پڑتی تھی۔

''اللہ کائناز تم اپنی ممی کی گود میں کتنی کیوٹ لگ رہی ہو۔'' اس نے ایک فوٹو کو بہت شوق اور دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بے ساختگی سے کہا تھا۔ کائناز نے مسکرا کر روما کی طرف دیکھا۔

''میں کیوٹ لگ رہی ہوں اور میری ممی؟''

''تمہاری ممی بھی بہت پیاری ہیں مگر یہ تو بہت چھوٹی عمر کی لڑکی لگ رہی ہیں ممی تو بالکل بھی نہیں لگ رہیں۔'' کائناز نے روما کی طرف یوں گھورا جیسے اسے اس کی بے وقوفی کا احساس دلا رہی ہو۔

''بے وقوف ایک چھوٹی سی بچی کی ممی اتنی ہی ایج کی ہوں گی ناں اگر وہ بوڑھی ہوتیں تو اب ہوتیں جب میں بڑی ہوچکی ہوں۔''

''کائناز ٹھیک کہہ رہی ہے لگتا ہے کہ کائناز کی ممی کی شادی کم عمری میں ہوگئی تھی۔''

''ہاں رابی آپا، میری ممی میرے پاپا سے پورے بارہ سال چھوٹی تھیں۔ یہ مجھے دادا جان نے بتایا تھا۔''

''ہوں...... لگ رہا ہے۔'' رابی نے ایک اور تصویر کی طرف توجہ کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

''اللہ روما تمہارے تو پاپا بھی بہت ہینڈسم ہیں...... لگتا ہے فورس کے بندے کی تصویر ہے looks تو ایسی ہی ہیں۔ کیا وہ کبھی فورس میں بھی رہے تھے؟''

''اوہ نو۔'' کائناز نے روما کی طرف عجیب انداز سے دیکھا۔ ''تمہیں سب کچھ پتا تو ہے۔ بزنس مین تھے میرے پاپا۔''

''اوہ سوری، میں بھول گئی تھی۔ تم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے پاپا بزنس مین تھے لیکن وہ جو تمہارے پاپا کی تصویر ڈرائنگ روم میں لگی ہوئی ہے اُس میں اور اس تصویر میں بہت فرق ہے۔''

''یہ میرے پاپا کی بہت پرانی تصویر ہے اور وہ جو ڈرائنگ روم میں تصویر ہے ناں ان کی ڈ-تھ سے کچھ دن پہلے کی ہے۔'' اب ایک دم سے کائناز کے چہرے پر اداسی اتر آئی تھی جیسے اس کا ذہن ماحول سے ہٹ کر اپنے مرحوم باپ کی طرف یکسو ہوگیا ہو۔

''تمہارے پاپا کو کیا ہوا تھا کائناز مجھے تو آج تک یہی نہیں پتا؟''

''رابی آپا میرے ممی، پاپا کی ڈ-تھ ایک ساتھ ہوئی تھی روڈ ایکسیڈنٹ میں۔ پاپا کار ڈرائیو کر رہے تھے ممی ان کے ساتھ تھیں۔ وہ لوگ نوشہرو فیروز کسی تقریب میں جا رہے تھے۔ دادا جان بتاتے ہیں ان کے بزنس .... پارٹنر کی بیٹی یا بیٹے کی شادی تھی......''

''اوہ گاڈ!'' رابی کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ ''دونوں ایک ساتھ ہی چلے گئے...... اوہ میرے خدایا......! دادا جان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔''

''رابی آپا میرے دادا جان بہت اسٹرانگ ہیں اور جتنے اسٹرانگ ہیں اتنے ہی دکھی بھی...... مگر وہ کبھی اپنے چہرے سے دکھ ظاہر نہیں کرتے ہمیشہ مسکراتے رہتے ہیں۔ شاید میری خاطر......'' کائناز اب ایک دم سے اداس نظر آنے لگی تھی۔

''چھوڑو کائناز اب یہ باتیں رہنے دو...... پھر تم رونے لگو گی تو تمہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا...... رات تک تمہارا موڈ آف رہے گا۔'' روما نے جلدی سے کائناز کا ذہن اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کی، وہ کائناز کے ہر معاملے میں رابی سے زیادہ تجربے کار تھی اور ایسی سچویشن سے کئی بار نبرد آزما ہو چکی تھی۔

''ہاں...... دادا جان مجھے ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ بیٹا انسان اپنی زندگی اور موت پر قدرت نہیں رکھتا۔ جب اللہ چاہتا ہے دنیا میں بھیج دیتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس بلا لیتا ہے۔ نہ کوئی اپنی مرضی سے آتا ہے نہ اپنی مرضی سے جاتا ہے۔ شاید میرے ممی، پاپا کی عمر ہی اتنی تھی۔'' کائناز ابھی تک اپنی سابقہ کیفیت میں ڈوبی ہوئی کہہ رہی تھی۔

''پھر بھی تم بہت خوش نصیب ہو کائناز موسٹ لکی...... کم از کم تم اپنے ماما، پاپا کی تصویریں دیکھتی ہو، ان کو یاد کرتی ہو، تمہیں اپنے پاپا کا چہرہ یاد رہتا ہے اور ہمیں دیکھو...... لگتا ہے ہم تو کسی درخت سے ٹوٹ کر گرے تھے۔ آج تک اپنے باپ کی تصویر نہیں دیکھی جب بھی اماں جان سے پوچھا یہی جواب ملا کہ تمہارا باپ اس لائق نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ آئندہ مجھ سے اس کے بارے میں کوئی سوال جواب مت کرنا...... اب تم بتاؤ ہم اماں جان سے اپنے باپ کی بات کس طرح کرتے...... کس طرح ان کا پتا نشان پوچھتے......؟ مجھے تو خود پر بڑا ترس آتا ہے کہ اتنا سب کچھ ہے پھر بھی کچھ نہیں۔'' رابی کے کسی زخم کے ٹانکے بڑے کچے تھے لمحے بھر میں اُدھڑ گئے یوں جیسے تازہ، تازہ زخم سے خون رسنے لگتا ہے۔

''ہاں جب مجھے روما نے بتایا تھا کہ آپ لوگوں کے فادر کی ایک بھی تصویر گھر میں نہیں ہے تو مجھے بہت حیرت ہوئی تھی۔''

''ہم تو اتنا حیران ہو چکے ہیں کائناز کہ اب تو حیرت بھی ہمیں حیرت سے دیکھتی ہے۔'' یہ کہہ کر رابی نے ایک ایسا قہقہہ لگایا تھا جس میں وادیوں میں گونجنے والی بانسری کے میٹھے سُر نہیں تھے بلکہ ماتمی دُھن کی ابدی اداسی تھی۔

☆☆☆

مہر جان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ گل جان اپنی دُھن میں کچھ سوچتی ہوئی تیز، تیز قدموں سے ان کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ دروازہ کھلا دیکھ کر قدرے چونکی پھر قدموں کی رفتار خود بخود آہستہ ہوگئی اس نے محتاط انداز میں دروازے کی چوکھٹ تھام کر اندر جھانکا تو عجیب سی کیفیت ہوگئی۔

مہر جان ڈریسنگ کے آئینے کے سامنے کھڑی تھیں اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خود کو بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بہت نرم اور محبت کی روشنی پھیلاتے ہوئے تاثرات تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ کسی بہت حسین خیال میں کھوئی ہوئی ہیں اور اس خیال میں حسن اپنے اس کمال پر تھا کہ جس کمال پر کسی بھی شے کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مہر جان کو رنگ و نور کے ہالے نے اپنے حصار میں لے لیا ہو۔ وہ بہت خوب صورت نظر آرہی تھیں...... شاید نرمی میں ہی حسن کا کمال ہے، رعونت بھرے حسن سے تو سبھی ڈرتے ہیں اور جہاں خوف ہوتا ہے وہاں سے محبت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتی ہے۔

اس سے پیشتر کہ گل جان اندر قدم رکھتی اس کی سماعت سے مہر جان کی آواز ٹکرائی۔ آواز میں اتنی خوب صورت کھنک تھی کہ دور کہیں جھرنوں کی صدا یا آبشار کی جلترنگ سنائی دے رہی ہو۔

مہر جان کہہ رہی تھیں۔ ''کتنے دن ہوگئے تم نے فون نہیں کیا...... ظاہر تو ایسے کرتے ہو جیسے تمہیں میرے

بن ایک پل چین نہیں آتا، میرا جی چاہتا کہ تمہیں سامنے بٹھا کر وہ سب کچھ کہہ دوں جو میرے دل میں چھپا ہوا ہے، تم چلے جاتے ہو تو میں خود سے لڑتی ہوں کہ میں نے تم سے وہ کیوں نہیں کہا جو کہنا چاہیے تھا اور وہ کیوں کہہ دیا جو مجھے کہنا ہی نہیں تھا، کب تک انتظار کروں......؟'' یہ کہتے ہوئے مہر جان آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھیں اُن کے چہرے پر پھیلی ہوئی نرمی اور چمک معدوم ہو گئی تھی اور چہرے سے گہری اداسی ٹپکنے لگی تھی۔

گل جان نے کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کر دیا...... اس کا خیال تھا کہ اس وقت اس کی بہن اتنی خوب صورت دنیا میں سیر کناں ہیں جہاں صرف فرشتوں کو جانا چاہیے۔

☆☆☆

شبینہ، صابرہ کے کمرے میں اس کے بستر پر بیٹھی تھی۔ اس کا سر ماں کے کندھے سے ٹکا ہوا تھا جبکہ صابرہ اپنے ہونٹ یوں بھینچے ہوئے تھی جیسے اسے خطرہ ہو کہ کہیں کوئی لفظ اس کے ہونٹوں سے پھسل نہ جائے ایسا لفظ جس کا وزن وہ خود بھی نہ سہہ سکے...... طرح، طرح کے خیالات امر بیل کی طرح اس کے وجود سے لپٹے ہوئے تھے۔ دونوں ماں بیٹی شاید برہان کا انتظار کر رہی تھیں جسے گھر سے گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔

معاً اس جاں گسل سناٹے کو گھر میں گونجنے والی ڈور بیل نے توڑ کر رکھ دیا...... دونوں اپنی اپنی جگہ چونک گئیں...... شبینہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی ماں کی طرف یوں دیکھنے لگی جیسے ماں اسے بتائے گی کہ اس وقت کون آسکتا ہے۔

''امی آپ بیٹھیں، میں دیکھتی ہوں...... پتا نہیں اس وقت کون آگیا، برہان بھائی کے پاس تو گیٹ کی چابی ہوتی ہے وہ تو خود ہی گیٹ کھول کر آجاتے ہیں۔''

''نہیں...... نہیں...... تمہیں گیٹ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا...... اللہ جانے کون ہے؟ میں دیکھتی ہوں۔'' صابرہ کو تو اندیشوں کی بیماری ہو گئی تھی اور یہ بیماری وہ ہے جس کا علاج جڑی بوٹیاں نہیں بلکہ وقت کرتا ہے، اس سے پیشتر کہ شبینہ کچھ بولتی صابرہ خود کو سنبھالتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ شبینہ سے رہا نہ گیا وہ بھی ماں کے پیچھے پیچھے چل پڑی لیکن وہ ماں کے پیچھے گیٹ تک نہیں گئی۔ صابرہ گیٹ پر پہنچی تو وہ اس سے قدرے فاصلے پر رک کر انتظار کرنے لگی کہ کس کی آواز آتی ہے اور کھوج ختم ہوتی ہے۔

''کون......؟'' صابرہ دروازے سے کان لگا کر سوال کر رہی تھی جیسے اگر وہ کان لگا کر نہیں سنے گی تو اسے آواز ہی نہیں آئے گی۔

''جی...... ! میں ہوں آپ کا خادم......'' آواز وارث علی کی تھی...... شبینہ کو وارث علی کی آواز کی پہچان نہیں تھی وہ الجھ کر ماں کی طرف دیکھنے لگی...... لیکن صابرہ نے فوراً پہچان لیا تھا کہ وارث علی کی آواز ہے...... اس نے سہم کر بلا ارادہ شبینہ کی طرف دیکھا تھا۔

''میں پوچھ رہی ہوں...... کون ہے......؟'' صابرہ نہ جانے کیوں انجان سی بن رہی تھی۔

''جی میں نے عرض کی ناں آپ کا خادم...... وارث علی......'' بالآخر وارث علی نے اپنا نام بتا ہی دیا۔

''وارث علی......'' صابرہ کے منہ سے بے اختیار نکلا، اس کی آنکھوں میں اندیشے سرسرانے لگے۔ شبینہ بھی سہم کر رہ گئی تھی حالانکہ وارث علی سے وابستہ کوئی غلط بات یا اسکینڈل دونوں نے نہیں سنا تھا پھر بھی ان کے دل خوف سے یوں سمٹ گئے جیسے گھر پر وارث علی نہیں آیا ہو کوئی بری خبر آگئی ہو۔

صابرہ نے چند لمحے سوچا تو اس وقفے کو وارث علی نے نہ جانے کیا سمجھا اور بڑی بے تابی سے بولا۔

''امی جان پلیز دروازہ کھولیں، میں وارث علی ہوں، شاید آپ پہچانی نہیں...... آپ کی مرحومہ بیٹی کا شوہر......'' وارث علی کے انداز میں بلا کی شائستگی تھی بہت مؤدبانہ عرض کر رہا تھا۔ اس کے انداز میں ہی ایسا کچھ تھا کہ صابرہ کی سابقہ کیفیت خود بخود زائل ہو گئی اور اس نے بلا سوچے سمجھے گیٹ کھول دیا۔ گیٹ کھلتے ہی وارث علی اور صابرہ آمنے سامنے تھے۔

''السلام علیکم...... امی جان!'' وارث علی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا کر بڑی تابعداری سے صابرہ کو سلام پیش کیا۔

''وعلیکم السلام......'' صابرہ گومگو کی کیفیت میں تھی...... وارث علی تو ایک افتاد کی طرح اس وقت نازل ہوا تھا۔

''کیا آپ مجھے اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گی آخر رشتے داری ہے۔'' شبینہ تو گیٹ کھلتے ہی اوٹ میں چلی گئی تھی۔ وارث علی کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی لیکن وارث علی ماں سے کیا بات کرتا ہے، یہ سننے کا تجسس اسے فطری طور پر لاحق ہو چکا تھا۔

''ہاں...... ہاں آپ تشریف رکھیے۔'' صابرہ نے برآمدے میں پڑی ہوئی پرانی وضع کی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں کہا جیسے کوئی مجبوری کا سودا کر رہی ہو۔

وارث علی تو جیسے اشارے کا منتظر تھا، بڑی بے تکلفی سے چلتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ صابرہ نے گیٹ بند کیا اور پلٹ کر وارث علی کی طرف دیکھا جو کرسی پر بیٹھنے کے بعد اب صابرہ کے بیٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''خیریت تو ہے، آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟'' صابرہ کے انداز میں بلا کا تکلف تھا۔

شبینہ کی سماعتیں منتظر تھیں کہ وہ اپنے آنے کی کیا وجہ بتاتا ہے۔

''میں بہت شرمندہ ہوں امی جان...... آنے میں دیر ہو گئی لیکن آپ کو پتا ہے ناں یہ اتنا بڑا حادثہ ہے...... پولیس جان نہیں چھوڑتی...... پولیس اسٹیشن اور اسپتال کے چکر لگا، لگا کر میں تو خود چکرا کر رہ گیا...... شکر ہے کہ اس کی تدفین ہو گئی تو مجھے خیال آیا کہ مجھے اب آپ لوگوں کے پاس جانا چاہیے...... ظاہر ہے جانے والی تو چلی گئی...... لیکن آپ کا اور میرا رشتہ تو ابھی برقرار ہے۔''

''رشتہ......؟'' صابرہ نے چونک کر وارث علی کی طرف دیکھا...... جابر علی سے قدرے عمر میں کم خضاب سے رنگے ہوئے بالوں کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر مرد لڑکوں والے انداز میں اپنا رشتہ جتا رہا تھا۔

''جی امی جان...... دیکھیے ناں آپ کی بیٹی میرے گھر میں تھی۔ رشتہ تو خود بخود بن گیا تھا اور میں اس رشتے کو کھونا نہیں چاہتا... برقرار رکھنا چاہتا ہوں......''

صابرہ کی سمجھ میں خاک نہیں آیا...... بیٹی چلی گئی بچہ کوئی تھا نہیں اب یہ شخص کون سے رشتوں کی باتیں کر رہا ہے۔

''اصل میں میرا بیٹا برہان گھر پر نہیں ہے، بہتر ہے کہ آپ بعد میں تشریف لائیں' میرا مطلب ہے اس وقت تشریف لائیں، میں آپ سے کیا بات کروں...... نہ میں آپ کی بات سمجھ پا رہی ہوں نہ خود سے کوئی بات کرنے کے قابل ہوں......'' صابرہ نے ٹوٹے ہوئے لہجہ میں بالآخر کہہ دیا۔

شبینہ نے سکون کی ایک گہری سانس لی کہ اس کی ماں نے وقت ضائع کرنے کے بجائے بہت مناسب بات کی۔

''میں بھی آپ کا بیٹا ہوں...... داماد بھی بیٹا ہی ہوتا ہے۔'' وارث علی نے کھکھیاتے ہوئے دانت نکوسے۔

صابرہ کو نہ جانے کیوں اس سے کراہیت محسوس ہورہی تھی ساس اور داماد کی عمروں میں کوئی خاص فرق تو نہیں تھا...... ہوسکتا ہے وہ صابرہ سے سال بھر بڑا ہی ہو...... اس کی بیٹے اور داماد کی مسلسل تکرار نے صابرہ کی طبیعت میں ایک عجیب سا تکدّر بھر دیا تھا۔ اسے وارث علی کی موجودگی کا ایک، ایک لمحہ یوں لگ رہا تھا جیسے کوہِ ہمالیہ اس نے کندھوں پر اٹھا رکھا ہو۔ معصوم بیٹی کی غیر طبعی اندوہ ناک موت نے تو ویسے ہی ذہن مفلوج کر دیا تھا۔

''میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ برہان کی موجودگی میں تشریف لائیں۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں کرسکتی یوں سمجھیں کہ میں بات کرنے کے قابل ہی نہیں ہوں۔''

''یہ کیسی باتیں کررہی ہیں امی جان......؟'' وارث علی نے پھر سر جھکا کر بڑی عاجزی اور مسکینی سے کہا تھا۔

''آپ برامت مانیے گا بیٹی کے ساتھ رشتے ختم ہوگئے جب بیٹی ہی نہیں رہی......''

''ایسی باتیں نہ کریں میرے دل پر چوٹ پڑتی ہے۔'' وارث علی نے فوراً صابرہ کی بات کاٹ دی تھی۔

''وہ تو یوں میرے سامنے کھڑی رہتی ہے جیسے میرا سایہ بن گئی ہو۔ میں اسے کبھی نہیں بھلاسکتا...... افسوس کہ یہ خوشی مجھے راس نہیں آئی۔'' وارث علی کے ایک، ایک لفظ سے دکھ یوں ٹپک رہا تھا جیسے ستارہ کے جانے کا سب سے زیادہ دکھ اسی کو ہو۔

شبینہ کم عمر تھی ناتجربے کار تھی۔ انسانوں کے چہروں پر پڑے ہوئے نقاب اور اصلی چہرے میں فرق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی مگر اسے بھی محسوس ہورہا تھا جیسے وارث علی وہ نہیں جو وہ ظاہر کررہا ہے جبکہ وہ اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھ رہی تھی کہ اس کے تاثرات سے ہی کچھ اخذ کیا ہوتا...... لیکن وارث علی کی آواز جیسے ہی اس کی سماعت سے ٹکراتی تھی اس کے دل کو کچھ ہونے لگتا تھا، وہ اپنی جگہ دم سادھے کھڑی تھی اور وارث علی کے غم میں ڈوبے ہوئے جملے سن رہی تھی۔

''بس کیا کروں برباد ہوگیا ہوں، اب تو جی چاہتا ہے کہ یہ دنیا چھوڑ کر کسی کونے میں جا بیٹھوں...... میں اسے کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔ وہ بہت اچھی بیوی تھی بہت نیک لڑکی تھی...... آپ یقین کریں جب تک اس کی تدفین نہیں ہوگئی، میں نے کھانا نہیں کھایا...... مجھے نیند نہیں آئی۔''

''بس پھر کیا کہہ سکتے ہیں جب آپ کی یہ حالت ہے تو میں تو ماں ہوں، روز کی موت مر رہی ہوں آپ کو اندازہ نہیں ہوگا کہ اس وقت میری کیا حالت ہے، مجھے افسوس ہے میں آپ کی کوئی خاطر داری نہیں کرسکتی آپ کو بیٹھنے کے لیے نہیں کہہ سکتی۔ بہت معذرت کے ساتھ آپ کل تشریف لایئے گا اور بتا کر آیئے گا تاکہ آپ کی ملاقات برہان سے بھی ہوجائے۔'' صابرہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''برہان سے تو میری اسپتال میں کئی بار ملاقات ہوئی۔ اصل میں تو میں آپ دونوں کے پاس تعزیت کے لیے آنا چاہتا تھا۔ آخر میرا فرض بنتا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر اس سے پہلے آپ کبھی ہمارے گھر تشریف نہیں لائے، میں نے آپ سے کوئی بات چیت نہیں کی اس لیے اس وقت مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔'' صابرہ نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں اور اپنی فطری

سادگی سے کہا تھا۔ وارث علی نے بڑی گہری نظر سے صابرہ کی طرف دیکھا تھا۔ اس نے کسی بہترین...... ڈکٹیٹر کی طرح حساب کتاب کرلیا تھا کہ اس عورت کو بے وقوف بنانے کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔

''ٹھیک ہے پھر میں اجازت چاہوں گا، اللہ آپ کو بھی اور مجھے بھی صبر عطا فرمائے، آمین۔''

''آپ برامت مانیے گا یہ سوگ کا گھر ہے، ہم نے تو کئی دن سے چولھا بھی نہیں جلایا۔'' صابرہ نے اٹھتے ہوئے بڑے دل گرفتہ انداز میں معذرت کی۔

''کیوں شرمندہ کررہی ہیں آپ...... میں یہاں چائے پینے نہیں آیا تھا...... انشاء اللہ آپ سے بہت جلد ملاقات ہوگی، خدا حافظ۔'' یہ کہہ کر وارث علی گیٹ کی طرف بڑھ گیا تھا اور صابرہ اتنی بے سکت ہوچکی تھی کہ اسے کرسی سے اٹھنا محال تھا۔

☆☆☆

''امی کیا ہوگیا تھا آپ کو......؟ آپ نے اسے اندر کیوں آنے دیا......؟'' برہان بری طرح جھنجلا رہا تھا...... غم وغصے کی کیفیت میں اپنی مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

''بیٹا تمہاری بدنصیب بہن کا شوہر ہے وہ...... اس گھر سے اس کا کوئی تعلق...... کوئی رشتہ تو ہے ناں...... تعزیت کے لیے آیا تھا۔'' صابرہ نے اپنی دانست میں برہان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہم کیا جانیں وہ کون ہے؟'' برہان جیسے پھٹ پڑا تھا۔ ''وہ تو خود مشکوک ہے آج تک اس کے کسی گھر والے میرا مطلب ہے فیملی ممبرز سے آپ ملی ہیں؟''

''تمہارے باپ نے اسے کسی قابل سمجھا تھا تو وہ نکاح کرنے آیا تھا بیٹا۔'' صابرہ نے برہان کو جیسے عقل کی بات سمجھائی۔ ''اور بیٹا چار آدمیوں کے سامنے تمہاری بہن کو قبول کر کے لے کر گیا تھا اس گھر سے... خدانخواستہ اٹھا کر تو نہیں لے کر گیا تھا...... تم کیوں غصہ کررہے ہو، پہلے ہی پریشانیاں کیا کم ہیں جو اپنے بوجھ بڑھا رہے ہو، چھوڑو بس آیا تھا...... چلا گیا...... کچھ لے کر نہیں گیا ہم سے۔''

''کیا لے کر جاتا...... پہلے ہی سب ہی کچھ لے گیا، ہمارا سکھ چین، ہماری عزت...... سب ہی کچھ یہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے میرے باپ نے ٹھوکریں کھانے کے لیے مجھے گھر سے نکال دیا تھا اور امی جان یہی وہ شخص ہے جس نے ہماری معصوم سی بہن کو ہم سے چھین لیا...... آئندہ اگر وہ آئے، آپ ہرگز گیٹ نہیں کھولیں گی...... چاہے کچھ بھی ہوجائے...... چاہے پولیس بلوانی پڑے۔ سن رہی ہیں ناں امی...... آپ گیٹ نہیں کھولیں گی۔''

''اچھا بیٹا سن لیا...... نہیں کھولوں گی، میں کیا کروں میرا دماغ تو کام نہیں کرتا...... میرا بیٹا...... میرا چاند اپنے ذہن سے سارے بوجھ اتار پھینکو...... وہ جو دکھ ہمیں ملا ہے وہ اتنا بھاری ہے کہ ہمیں دوسرے بوجھ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔''

''شبینہ کہاں ہے؟'' برہان کو ایک دم شبینہ کا خیال آیا کہ شبینہ کے حوالے سے وارث علی اس سے الٹی سیدھی باتیں کرچکا تھا۔ اس کا بی پی اس وقت شوٹ کررہا تھا اسے یقین تھا کہ وارث علی کسی نئے منصوبے پر کام کرتا ہوا ان کے گھر تک آیا تھا اگر اس نے فون پر برہان کو دھمکیاں نہ دی ہوتیں تو شاید وہ اس کی آمد کو معمول کی آمد سمجھتا۔

''یہیں ہے بیٹا...... ہوسکتا ہے نماز پڑھ رہی ہو، میں دیکھتی ہوں۔''

''اچھا، اچھا ٹھیک ہے، میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔'' وہ بے دلی سے بولتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ صابرہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں۔

''یا اللہ میرے بچوں پر رحم کرنا یہ دکھ تو بوڑھا کر دیتے ہیں۔''

☆☆☆

ایس پی شاہ زمان خان اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں وارث علی کے ساتھ بیٹھا ہوا فریش جوس پی رہا تھا۔

''اس زمین کا مالک تو سالوں سے روپوش ہے اپنی تینوں بیٹیوں کے ساتھ...... کوئی سن گن کوئی اتا پتا نہیں لیکن یہ سونے کی نہیں ڈائمنڈ کی زمین ہے۔ ever green بس اس کی اوریجنل فائل پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگانی ہے پھر اس فائل کی راکھ سمندر میں بہانی ہے تاکہ زندگی بھر کے لیے سکون ہو جائے کہ کوئی بھی حکومت آئے اور وقت کتنا ہی بدل جائے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو۔'' ایس پی جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے یوں ٹھہر ٹھہر کر بات کر رہا تھا جیسے ایک، ایک لفظ تول رہا ہو...... اور آئینے کے سامنے کھڑا ہوا اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔

وارث علی کے چہرے پر بھی گہری سوچ کے تاثرات تھے۔ عمر کی چغلی کھاتی ہوئی لکیریں بہت واضح ہو چکی تھیں۔

''دیکھو ناں وہ لوگ زندہ ہیں تبھی تو وہ فائل جابر علی کے ہتھے چڑھی۔''

''لیکن سر آپ کو کیسے پتا چلا کہ یہ فائل جابر علی کے پاس پہنچ گئی ہے؟'' وارث علی کی بات سن کر ایس پی بے ساختہ ہنس پڑا تھا اور معنی خیز انداز میں گویا ہوا تھا۔

''پولیس والوں سے یہ سوال کر رہے ہو وارث علی......؟''

''پھر بھی سر...... ہمیں بھی تو کچھ پتا چلے...... تھوڑی دیر کے لیے ہمیں بھی پولیس والا بنا دیں کیونکہ واقعی مجھے تو بالکل پتا نہیں وہ فائل جابر علی تک پہنچی کیسے اور جس کسی نے بھی وہ فائل جابر علی تک پہنچائی ہے وہ آخر کون ہے......؟ اگر اس بندے کا بھی پتا چل جائے ناں تو زمین کے مالک کا بھی پتا چل جائے گا...... کہ اس وقت وہ کہاں ہے اس ملک میں ہے یا ملک سے باہر ہے۔'' وہ بڑے رازدارانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''سر جی دیکھیں ابھی تک ہم نے جو کچھ بھی ٹارگٹ کیا تھا یہ ہی ہمارا سب سے بڑا ٹارگٹ تھا۔ اس زمین نے سمجھو ہماری سات پشتوں کے لیے خزانے جمع کرنے ہیں...... لیکن جب تک...... زمین کی وہ اوریجنل فائل محفوظ ہے ہم بالکل غیر محفوظ ہیں دیوانی مقدمہ تو کسی بھی وقت کھڑا ہو سکتا ہے۔ دس سال بعد بھی اس زمین پر کلیم ہو سکتا ہے...... ہو سکتا ہے اس وقت کی گورنمنٹ ہمیں سپورٹ نہ کرے اور اس وقت ہم انڈر گراؤنڈ ہو چکے ہوں...... پھر تو یہ ساری محنت بیکار گئی ناں سر جی......'' وارث علی غور و خوض کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''لگتا ہے کوئی خفیہ ہاتھ جابر علی کے کندھے پر تھا جس نے یہ کام کیا ہے۔ وہ تو انسپکٹر کرامت علی ایک میٹنگ میں بات کر رہے تھے تو باتوں، باتوں میں انہوں نے بتایا کہ لینڈ مافیا کے قبضے سے ایک بہت اہم زمین آزاد کرائی ہے اور تمہیں تو پتا ہی ہے ناں انسپکٹر کرامت علی، جابر علی کا جگری یار رہا ہے۔ وہ تو شکر ہے اس کی پوسٹنگ ہو گئی ورنہ جابر علی، کرامت علی کے ساتھ نظر آتا تو سمجھو...... کریلا نیم پر چڑھا ہوا تھا...... اچھا چھوڑو یہ فضول کی باتیں، یہ بتاؤ کہ آخر اس فائل کو جابر علی کے قبضے سے نکالنے کے لیے کیا، کیا جائے؟''

ایس پی پولیس افسر ہونے کے باوجود وارث علی جیسے مڈل کلاس شخص سے یوں مشورہ مانگ رہا تھا جیسے پنچوں کے سرداروں میں سرداروں کے سرپنچ (سب سے بڑا سردار) سے بات کر رہا ہو۔

''ہوں......'' وارث علی نے ہنکارا بھرا...... شاہ زمان خان کے انتہائی فکر انگیز کلام نے اسے خیالات کے سمندر میں اس بری طرح دھکیل دیا تھا کہ وہ باہر آنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا...... مگر کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

''وارث علی موتیوں کا ہار ٹوٹنے کا تصور کرو کیسے ٹپ، ٹپ موتی گرتے اور بکھرتے ہیں، ایک کیس بھی بن گیا تو ہمارے تمام سیکریٹ باہر آنے لگیں گے...... یار اس جاہل، پاگل کو زبردستی دھمکی دو...... اس کی جوان بیٹی کو اٹھانے کی دھمکی دے دو اور یہ سب کچھ کرنے، میں اس کے سامنے نہیں جاؤں گا یہ کام تمہیں اور صرف تمہیں کرنا ہے۔'' شاہ زمان نے مسئلے کا حل نکالا اور فیصلہ بھی صادر کر دیا۔

''سر جی یہ اتنا آسان ہوتا تو اتنا بڑا کھیل کرتے بھلا......؟'' وارث علی نے بڑے ادب کے ساتھ ایس پی کا مذاق اڑایا تھا۔

''دیکھو وارث علی، ہم فائلیں اوپر نیچے کرا دیتے ہیں سمجھو یہ بھی بہت ہے اس سے آگے کا کام تو تم ہی کو کرنا ہے۔'' شاہ زمان خان اپنے فیصلے پر پکا ہو چکا تھا اور وارث علی کو اس کی ڈیوٹی سمجھا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا یہ سب کچھ سننے کے بعد وارث علی کے کیا تاثرات ہوتے ہیں۔

وارث علی نے جب ایس پی کو اپنی جانب بہت غور سے دیکھتا پایا تو خود بخود خیالوں کی زنجیریں کٹ گئیں اور وہ اسی ماحول میں ان ہو گیا۔

''بیٹی اٹھانے کی دھمکی ہی نہیں دوں گا...... اٹھا بھی لوں گا......'' اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ الفاظ ادا کیے تھے اور بڑے دلچسپ انداز میں شاہ زمان خان کے ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ نظر آئی جو من پسند کامیابی کا مژدہ سن کر نمودار ہوتی ہے۔

''آدھی گھر والی کو پوری گھر والی بنائیں گے سر اور یہ......''

''اور کچھ نہیں......'' ایس پی شاہ زمان نے فوراً وارث علی کی بات کاٹ کر کہا۔

''یہ اور...... اگر مگر...... یا بہت خطرناک ہوتے ہیں مجھے اور سے آگے کچھ نہیں سننا وکٹ تیار ہے...... کھیلتے کیوں نہیں؟ اس سے پہلے کہ بارش ہو جائے میچ ملتوی ہو جائے۔'' ایس پی کی معنی خیز بات پر وارث علی نے مسکراتے ہوئے اپنا جوس کا گلاس یوں اٹھایا جیسے امرت پینے جا رہا ہو۔

☆☆☆

اصیل خان اپنے کوارٹر میں عشا کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد چٹائی پر چت لیٹا ہوا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یوں جیسے چھت نہ ہو کوئی اسکرین ہو اور کوئی بہت اچھی فلم چل رہی ہو...... اس کی محویت کا یہ عالم تھا کہ اس نے کافی دیر سے پلک نہیں جھپکی تھی لیکن اس کا ارتکاز دروازے پر پڑنے والی ہلکی سی دستک نے توڑ دیا تھا۔

وہ صرف چونکا نہیں بلکہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دل انجانے اندیشوں میں الجھنے لگا...... ذہن فوراً مہر جان کی طرف گیا تو اس کے چہرے سے بے بسی کی کیفیت جھلکنے لگی...... ''شاید گل جان بی بی کو نیند آ گئی ہے اور ڈاکٹر صاحبہ اپنے کمرے سے باہر چلی آئی ہیں۔'' وہ یہ سوچتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور ہچکچاتے ہوئے دروازہ کھول دیا...... لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی...... اس کے سامنے روما کھڑی تھی۔ ''اس وقت روما یہاں......؟'' اس کا ذہن متعدد سوالات میں الجھنے لگا۔

''خیریت تو ہے بیٹا آپ اس وقت...... وہ شاہ صاحب کو بتا کر آئی ہیں ناں...... ایسا نہ ہو کہ آپ کو وہ گھر میں نہ پا کر پریشان ہو جائیں۔'' اصیل خان وہ کچھ بول گیا جو بولنا نہیں چاہتا تھا اور وہ سوال اندر ہی کہیں سر پٹختا رہ گیا جو لبوں پر آنے کے لیے مچل رہا تھا کہ ''آخر وہ اتنی رات کو کیوں آئی ہے؟''

''مجھے راستہ دیں بابا۔'' روما نے عجیب سی کیفیت میں اصیل خان سے کہا تھا۔ اصیل خان کیوں، کیا سے پہلے ہی ایک طرف ہو گیا...... جس طرح روما کا انداز بے ساختہ تھا اسی طرح اس کے ایک طرف ہونے میں بھی بڑی بے ساختگی تھی۔

''وہ...... بیٹا......''

''آپ چپ کریں بابا......! مجھ سے کوئی سوال نہ کریں، میں تو آپ سے سوال کرنے آئی ہوں...... بس میرے سوال کا جواب دے دیں ورنہ مجھے ساری رات نیند نہیں آئے گی۔'' روما کے انداز میں ایسا کیا تھا کہ اصیل خان اپنی جگہ پر ٹھٹرا کر رہ گیا اسے عجیب سے خطرے کی بو آنے لگی جیسے کوئی اور نیا امتحان اس کے سر پڑنے والا ہو...... اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا...... روما کی طرف بس دیکھتا رہ گیا۔

''بابا آپ ہمارے گھر کے سب سے پرانے ملازم ہیں، ہیں ناں......!'' روما نے اچانک ہی پینترا بدل کر جیسے حملہ کر دیا تھا۔ اصیل خان جواب میں بالکل خاموش رہا...... بلکہ اس نے اپنی اٹھی ہوئی نظریں جھکا لیں۔

''آپ میری بات سن رہے ہیں ناں بابا......! آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ اس وقت میری کیا حالت ہے، پتا نہیں کیوں آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں بہت سارا روؤں...... چیخیں مار مار کر روؤں...... اتنا روؤں اتنا روؤں کہ تھک کے بے ہوش ہو جاؤں مگر میرے آنسو نہ رکیں۔'' اتنا کہنے کے بعد روما ہچکیوں سے رونے لگی۔

''خیریت تو ہے بیٹا ایسا کیا ہو گیا...... میں بوڑھا آدمی ہوں میرا دل بہت کمزور ہے، جلدی سے بتا دیں...... خدانخواستہ...... کیا بات ہوئی ہے؟'' اصیل خان نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

''بابا...... مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ میرے فادر کی ڈیتھ کب ہوئی تھی۔ میرا مطلب جب ان کی ڈیتھ ہوئی، میں کتنے سال کی تھی۔ مجھے تو ان کی ہلکی سی جھلک بھی یاد نہیں ہے۔ بابا...... آپ نے کوئی گھر ایسا دیکھا ہے جہاں بچوں کے باپ کی تصویر تک نہیں ہو...... اماں جان ان کا ذکر تک برداشت نہیں کرتی تھیں...... بھلا کیوں......؟ وہ چور تھے؟ ڈاکو تھے؟ اسمگلر تھے؟ آخر ایسی کیا بات ہے جو اماں جان ایک دم اتنی irritate ہو جاتی ہیں۔ نام تو کیا وہ تو ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتیں......'' روما اب دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اصیل خان پریشان تو تھا ہی لیکن ایک بڑی الجھن نے اسے چاروں طرف سے ایسے گھیر لیا تھا جیسے کھڑے، کھڑے آگ لگ گئی ہو اور وہ شعلوں میں گھر گیا ہو۔

''بیٹا مجھ سے کچھ نہ پوچھو، میں انہیں نہیں جانتا......'' اصیل خان نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہا تھا...... روما نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اصیل خان کی طرف یوں دیکھا جیسے نظروں ہی نظروں میں اسے پرلے درجے کا جھوٹا کہہ رہی ہو۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... آپ اس گھر کے پرانے ملازم ہیں، ہمارے پیدا ہونے سے پہلے شاید یہاں ہوں...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو کچھ پتا نہیں ہو...... کیوں چھپاتے ہیں آپ...... اگر میرا باپ بہت برا انسان تھا تو دنیا میں بہت سے باپ بہت برے ہوتے ہیں...... مگر بچوں کو یہ تو پتا ہوتا ہے ناں کہ یہ ان کے باپ ہیں۔'' روما اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بیٹا میں ملازم نہیں ہوں، مجھے تو آپ غلام سمجھیں غلام کی اپنی سوچ ہوتی ہے نہ زبان...... میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا، مجھے آپ معاف کر دیجیے۔'' اصیل خان کے انداز میں کمال کی بے بسی تھی۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں...... میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں کہ آپ کچھ نہیں جانتے۔'' روما تو جیسے آج ..... تہیہ کر کے آئی تھی اس کے پاس...... اصیل خان کا کوئی جواب اسے مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ آج جب سے کائناز نے اسے اپنے ماں، باپ کی تصویریں دکھائیں، ان کی ڈھیروں باتیں کیں تو جیسے اس کے زخموں کے ٹانکے ادھیڑ کر رکھ دیے تھے۔

وہ تو روزانہ کے انداز میں معمول کے مطابق سونے کے لیے لیٹ گئی تھی لیکن ایسا ہوتا ہے ناں کہ جب انسان کو بستر پر لیٹنے کے بعد نیند نہیں آتی تو گزرے ہوئے دن کی ساری جھلکیاں آنکھوں میں چمکنے لگتی ہیں...... اچھا، برا سب ہی یاد آ جاتا ہے...... نیند بالکل ہی نہیں آ رہی ہو تو آج کے دن کے واقعات کی ترتیب ختم ہوتے ہی برسوں پرانا واقعہ فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے چلنے لگتا ہے...... یہ کچھ اختیاری نہیں ہوتا...... جاگتے ذہن کو کوئی کام چاہیے بس......

اصیل خان تو روما کی بات سن کر یوں بدکا تھا جیسے اسے بڑی زور کا کرنٹ لگا ہو اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ ... بے ساختہ انداز میں لہرا کر جیسے صاف، صاف انکار کیا تھا کہ وہ کچھ نہیں بتا سکتا اور اس سے مزید کوئی سوال نہ کیا جائے۔

''بابا...... آج میں یہیں بیٹھی رہوں گی، جب تک آپ کچھ بتائیں گے نہیں، آپ جو مرضی کر لیں۔'' روما کے انداز میں عجیب سی ہٹ دھرمی تھی جو اس کی ذات کا حصہ کبھی نہیں تھی...... مگر آج وہ سر سے پاؤں تک ایک اٹل چٹان کی طرح محسوس ہو رہی تھی...... جو کسی قیمت پر ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں تھی۔

''بی بی آپ گھر کے ایک بے اختیار غلام سے پوچھ رہی ہیں، میری زبان کٹی ہوئی ہے...... کہہ دیا ناں کہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''تو پھر کون بتائے گا؟'' روما نے برجستہ سوال کیا تھا۔

''اماں جان سے جب پوچھا غصہ کرنے لگیں، خالہ جانی سے پوچھا تو رونے لگیں...... وہ بھی تو اماں جان سے ڈرتی ہوں گی...... دیکھیں، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی کہ آپ نے مجھے کچھ بتا دیا ہے۔ بابا آپ مجھے بتائیں پلیز...... کہ میرا باپ کون تھا اور آپ نے اسے دیکھا ہے یا نہیں؟'' روما اسی طرح اپنی جگہ اڑی ہوئی تھی۔

''بیٹا اگر کوئی بتا سکتا ہے تو وہ آپ کی خالہ ہیں اگر وہ بتا دیں تو اچھی بات ہے اگر وہ نہیں بتاتیں تو آپ ضد نہ کریں۔''

''کیسے ضد نہ کروں......؟'' روما نے فوراً اصیل خان کی بات کاٹ کر غصے سے اس کی طرف گھورا تھا۔ اس نے آج تک اصیل خان سے اس طرح بات کی تھی جیسے وہ گھر کا بڑا ہو، ملازم نہ ہو لیکن آج تو اس نے مروت اور لحاظ بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

اصیل خان اب بالکل خاموش ہو گیا ایک لفظ نہیں بولا...... روما اس کی خاموشی سے چڑ گئی۔

''اتنا تو بتا سکتے ہیں کہ آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے یا نہیں؟'' اصیل خان جواب میں پھر خاموش تھا۔

''بابا میں آپ سے پوچھ رہی ہوں...... آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے یا نہیں......؟ اور اگر نہیں دیکھا ہے تو یہ بات میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں...... میرے سر کی قسم کھا کر بولیں...... بتائیں، آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے؟''

اصیل خان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ عجیب بے کسی اور بے بسی کا عالم تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ کا نکلنا بہت بڑی قیامت تھا اور روما تھی کہ ٹلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''بابا میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔ آپ میری قسم کھائیں، میرے سر کی قسم کھائیں۔ اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں آپ کی جان کھاتی رہوں گی مگر اب آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی...... میرا دل کہتا ہے اگر کوئی مجھے بتا سکتا ہے تو وہ صرف آپ ہیں، بتائیں آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ جلدی سے بتائیں۔'' روما نے اب بے اختیاری کیفیت میں اصیل خان کا بازو پکڑ کر زور زور سے جھنجوڑنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی کیفیت دیوانوں کی سی تھی۔ اسے اپنی کیفیت کا اندازہ خود بھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ یہ دورہ تو آج اس پر پہلی بار پڑا تھا...... شاید اس لیے کہ خوف کے پہرے ٹوٹ گئے تھے...... خوف نے اعتماد کے تمام دروازے کھڑکیاں بند کی ہوئی تھیں۔ خوف جاتا رہا تو دروازے کھڑکیاں بھی کھل گئے اور ڈھیروں سوال ایک، ایک دروازے کھڑکی سے جھانکنے لگے۔

''جلدی سے بولیں بابا ورنہ میں یہیں سو رہی ہوں۔ آپ جا کر دادا جان کو بتا دیں کہ میں اِدھر ہوں۔'' روما یہ کہہ کر فرش پر بچھی ہوئی چٹائی کی طرف بڑھنے لگی...... تو اصیل خان گھبرا کر بولا تھا۔

''بیٹا! آپ جا کر آرام کیجیے۔''

''میں نے آپ سے کہا ناں کہ آپ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے صرف میرے سوال کا جواب دیں گے کہ آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے یا نہیں؟''

اصیل خان نے سر جھکا لیا۔

''بیٹا آج تو آپ رابی بی بی سے زیادہ ضدی معلوم ہو رہی ہیں۔ میں بس آپ سے صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کے باپ کو دیکھا ہے۔'' اصیل خان کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی روما کے پورے وجود میں جیسے بجلیاں سی دوڑ گئیں۔ اس نے انتہائی جذباتی کیفیت میں اصیل خان کا بازو تھام لیا تھا۔

''دیکھا ہے...... کیسے تھے وہ......؟ کیا نام تھا ان کا......؟''

''میں نے کہا ناں آپ سے کہ میں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ میں نے انہیں دیکھا ہے اس کے علاوہ میں کچھ نہیں بتا سکتا...... بیٹا مجھے معاف کر دیں۔'' اصیل خان کے ایک، ایک لفظ سے بے بسی ٹپک رہی تھی۔ روما اب دم سادھے اصیل خان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اصیل خان نے اس کے ایک سوال کا جواب تو بالآخر دے ہی دیا تھا وہ اس کی آنکھوں کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسے اصیل خان کی آنکھوں میں اپنے باپ کی تصویر دکھائی دے گی کیونکہ یہ وہ آنکھیں ہیں جو گواہی دے رہی تھیں کہ ان آنکھوں نے روما کے باپ کو دیکھا ہے...... اصیل خان نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا تو روما بڑی بے اختیاری کیفیت سے بولی۔ انداز میں اب بھی بڑی بے کسی اور بے بسی تھی جو اصیل خان کے کلیجے میں شگاف ڈال رہی تھی۔

''بابا...... ہم نے تو...... فلموں میں، ڈراموں میں یہی دیکھا ہے کہ جب کوئی بیوی اپنے مرے ہوئے شوہر کا ذکر کرتی ہے تو کہتی ہے اللہ انہیں بخش دے، ان کی مغفرت کرے مرحوم بہت اچھے تھے۔ اپنے بچوں کو کبھی کوئی بیوہ بتا رہی ہوتی ہے اس کا باپ ایسا تھا ویسا تھا لیکن ہماری ماں تو جب ہمارے باپ کا ذکر آتا ہے تو غصے سے پھٹ جاتی ہے جیسے کسی نے بہت غلط بات کی ہو...... بابا! کیا میرے ابو اتنے برے تھے کہ وہ دنیا سے چلے گئے لیکن میری ماں نے انہیں معاف نہیں کیا......؟''

اتنا سننا تھا کہ اصیل خان نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے وجود پر لرزہ سا طاری تھا۔ روتے، روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

اصیل خان کے اس طرح اچانک رونے کی وجہ سے روما سب کچھ بھول گئی اور اس کا چڑیا جیسا نازک دل سوکھے پتے کی طرح اس کے سینے کے قید خانے میں لرزنے لگا۔ روتے، روتے اصیل خان بے دم ہونے لگا اور روما کی یہ حالت تھی کہ وہ اس سے مزید بات کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اصیل خان کا یوں تڑپ، تڑپ کر رونا اسے حیران بھی کر رہا تھا اور پریشان بھی...... روتے، روتے وہ تھک گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں روما سے مخاطب ہوا۔

''بیٹا! آپ جا کر آرام کریں بہت رات ہو گئی ہے چلیں میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔''

روما نے اصیل خان کی اس بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور چپ چاپ باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ جس کیفیت میں آئی تھی وہ کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ اصیل خان کے تڑپ، تڑپ کر رونے سے جیسے وہ سہم کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

شبینہ نے برہان کی ہدایت کے مطابق صابرہ کو نیند کی گولی کھلا کر سلا دیا تھا۔ صابرہ کو سوئے ہوئے تقریباً ایک گھنٹا ہو چلا تھا لیکن شبینہ کی اپنی آنکھوں میں نیند کا دور، دور شائبہ تک نہ تھا۔ وہ تو صابرہ کے برابر میں بچھے پلنگ پر لیٹی نیند کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ برہان اس وقت کیا کر رہا ہے۔ سو چکا ہے یا وہ بھی اس کی طرح جاگ رہا ہے...... معاً گھر کے سناٹے کو ٹیلی فون کی گھنٹی نے توڑ دیا تھا۔ وہ اس لیے عجلت میں اٹھی تھی کہ جلدی سے فون ریسیو کر لے کہیں گھنٹی کی آواز سے ماں کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔ پھر انہیں سلانا بھی ایک مرحلہ تھا...... وہ گرتی پڑتی فون سیٹ کی طرف آئی تھی اور فوراً ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تھا۔

''ہیلو!'' شبینہ نے ہیلو کہا اور دوسری طرف سے ابھرنے والی آواز کا انتظار کرنے لگی۔

''وارث علی بات کر رہا ہوں۔''

وارث علی کی آواز ائرپیس میں گونجی...... شبینہ کے پاؤں تلے زمین لرزنے لگی۔ اس نے بے ساختہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں جیسے یہ جاننا چاہ رہی ہو کہ وقت کیا ہو رہا ہے۔

''امی تو سو گئی ہیں اور شاید بھائی بھی سو گئے ہیں آپ صبح فون کیجیے گا۔'' یہ کہہ کر شبینہ نے دوسری طرف کی بات سنے بغیر جھٹ سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ فوراً ہی مڑی تھی لیکن اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا...... برہان نہ جانے کس لمحے اس کی پشت پر آ کھڑا ہوا تھا اور اسے احساس نہیں ہوا تھا۔

''کس کا فون تھا......؟'' برہان نے غور سے شبینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''وہ...... وارث علی کا فون تھا میں نے انہیں کہہ دیا کہ امی بھی سو رہی ہیں اور بھائی بھی۔''

''پھر کیا بولا......؟''

''کچھ نہیں، میں نے ان کی بات ہی نہیں سنی۔ بس فوراً ریسیور رکھ دیا۔''

''اچھا کیا......'' برہان نے جیسے سکون کی سانس لے کر ایک طرح سے شبینہ کی سمجھ داری کو بھی سراہا تھا۔ شبینہ کچھ آگے بڑھ گئی۔ برہان نے بھی کچھ سوچ کر اس کے پیچھے قدم بڑھائے لیکن اتنے میں فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔ برہان نے جیسے ایک جست میں آگے بڑھ کر ریسیور کریڈل سے اٹھا لیا تھا اور بولنے کے

بجائے کچھ سننے کا منتظر ہوا۔

دوسری طرف سے وارث علی نے کال ریسیو ہوتے ہی بولنا شروع کر دیا تھا وہ کہہ رہا تھا۔ ''ارے آپ نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔ فون کرنے والے سے اتنا تو پوچھ لینا چاہیے کہ اس نے کیوں فون کیا ہے؟ آپ کی امی سو رہی ہیں، بھائی بھی سو رہے ہیں تو کیا ہوا...... آپ سے تو بات ہو سکتی ہے۔ آخر آپ سے رشتے داری ہے' ہم تو چاہتے ہیں یہ رشتے داری اسی طرح چلتی رہے ویسے آپ کی آواز مرحومہ کی آواز سے بہت ملتی ہے۔ مرحومہ کی آواز بھی بہت پیاری تھی' کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگتی تھیں۔ آپ کی آواز سنی تو اپنی مظلوم شریکِ حیات کا چہرہ نظروں کے سامنے گھومنے لگا...... بہت برا ہوا بے چاری کے ساتھ بلکہ ہم سب کے ساتھ لیکن جو قسمت میں لکھا تھا وہ ہو گیا...... آپ کے گھر گیا تو آپ سامنے ہی نہیں آئیں...... لیکن مجھے اندازہ ہے کہ آپ بھی ستارہ کی طرح بہت خوب صورت ہوں گی...... ستارہ کے جانے سے میرا گھر تو قبرستان بن گیا ہے...... سوچتا ہوں کہ اس وحشت سے چھٹکارا پانے کے لیے کیا کروں...... پھر خیال آیا ستارہ کا نعم البدل تو اس کی بہن ہی ہو سکتی ہے...... آپ اگر میرا ساتھ دیں تو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے دیکھیں ناں...... غم منانے کی بھی ایک حد ہوتی ہے کل کو آپ کی بھی کہیں نہ کہیں شادی ہونی ہی ہے تو پھر نئے رشتے کیوں آزمائے جائیں جو رشتے بن چکے ہیں انہی کو نبھاتے رہیں۔ وقت کی بھی بچت ہے اور پیسے کی بھی جو کچھ آپ کی بہن کو دیا تھا وہ آپ ہی کا تو ہے...... آپ کچھ بولیں گی نہیں؟ میں ہی بولے جا رہا ہوں۔ لگتا ہے کہ آپ بہت کم بولتی ہیں۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ میری بات سن رہی ہیں۔'' وارث علی کو بولتے، بولتے اچانک خیال آ گیا تھا کہ دوسری طرف بالکل خاموشی چھائی ہوئی ہے جبکہ لائن بھی منقطع نہیں ہوئی.... جس کا واضح مطلب ہے کہ دوسری طرف سے اس کی بات بہت توجہ سے سنی جا رہی ہے۔

برہان کی شریانوں میں تو جیسے خون کے بجائے شعلے متحرک تھے۔ وہ کمالِ ضبط سے کام لے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا فوری ردِعمل یا فوری جواب کیا ہونا چاہیے۔ ذہن بالکل برف کی طرح جم چکا تھا...... سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت مفقود ہو رہی تھی، آنکھوں کے سامنے نیلے، پیلے، ہرے، لال دائرے ناچ رہے تھے۔ بصارت، سماعت سب ہی کچھ متاثر تھا۔

''اچھا ہوا آپ نے فون اٹینڈ کر لیا، آپ اپنے بھائی اور والدہ صاحبہ کو سمجھائیں کہ مجھ سے ٹکر لینے کی حماقت نہ کریں ابھی چھوٹا نقصان ہوا ہے...... پھر بڑے، بڑے ہو جائیں گے۔ اگر آپ نے میرا ساتھ دیا تو سب لوگوں کو آرام مل جائے گا اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے والد کی ضمانت میں کراؤں گا...... کچھ بولیے ناں...... کمال کی بات ہے اتنی دیر میں آپ کی طرف سے ایک لفظ سننے کو نہیں ملا۔ محبت سے نہیں بول سکتیں تو نفرت ہی سے بول دیجیے۔'' وارث علی خباثت سے ایک، ایک لفظ چبا، چبا کر بول رہا تھا یوں جیسے محبت کی زبان میں خوفناک دھمکیاں دے رہا ہو۔

''میں تمہاری ساری بکواس سن چکا ہوں۔'' بالآخر برہان پھٹ پڑا اور برہان کی آواز سن کر وارث علی کے سر پہ بم پھٹا تھا ایک لمحے کے لیے تو اس جیسا ڈھیٹ اور بے ضمیر انسان بھی چکرا کر رہ گیا۔

''اب تم فون بند کرو' آرام سے سو جاؤ اور ہاں سنو یہ ہماری طرف تمہارا آخری فون تھا...... کیا سمجھے آخری فون...... یاد رکھنا۔'' برہان نے یہ کہہ کر ریسیور رکھنے کا ارادہ کیا تو برہان کی سماعت سے وارث علی کی آواز ٹکرائی۔

''ٹھہرو، ٹھہرو ایک منٹ رکو۔ پہلے میری بات سن لو اس کے بعد فیصلہ ہوگا کہ یہ فون آخری تھا یا اس کے بعد بھی بات چیت جاری رہے گی۔''

''ٹھیک ہے تم اپنی بکواس مکمل کرو میں سن رہا ہوں۔ اس وجہ سے تاکہ تم رات بھر فضول میں گھنٹیاں نہ بجاتے رہو۔''

''دیکھیے مسٹر برہان! آپ ہمارے برابر کے نہیں ہیں۔ اپنے قد و قامت اور اپنی حیثیت کو دیکھ کر بات کریں۔ آپ جیسے بندوں کو تو ہم ایک گلاس ٹھنڈا پانی سمجھ کر پی جاتے ہیں۔ پتا بھی نہیں چلتا کہ کدھر گئے...... بات سمجھ آ رہی ہے ناں......!'' وارث علی کے لہجے میں ایک دم درندہ غرانے لگا اور اس نے اپنی بھرپور اصلیت کا مظاہرہ کیا۔

''آپ مجھے ایک گلاس پانی سمجھ کر ہی پی جائیں' مجھے یہ سودا منظور ہے۔'' یہ کہہ کر برہان نے ریسیور رکھنا چاہا تو اسے محسوس ہوا ائرپیس سے آواز آ رہی ہے۔

''ہیلو، ہیلو...... مسٹر برہان فون رکھنے سے پہلے میری ایک بات سن لیں ورنہ میں اسی وقت آپ کے گھر آ کر بات کروں گا۔''

برہان نے چند لمحے سوچ کر ریسیور پھر کان سے لگا لیا۔ بہرحال وہ یہ تو نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی منحوس صورت لے کر یہاں آ جائے۔

''دیکھو برہان جب ایک بہن میرے گھر میں آ سکتی ہے، رہ سکتی ہے میرے ساتھ گزارہ کر سکتی ہے تو تمہاری دوسری بہن بھی میرے گھر میں خوش رہ سکتی ہے۔ انکار، اقرار کی تو بحث ہی نہیں...... فضول بات کرو گے تو آج ہی اسے اٹھا کر لے آؤں گا' خدا حافظ۔'' وارث علی نے فون بند کر دیا تھا لیکن ریسیور ابھی تک برہان کے کان سے لگا ٹوں، ٹوں کی آواز سنا رہا تھا۔ پوری کائنات گول' گول دائروں میں یوں گھومنے لگی جیسے وہ کوئی ریت کا نظر نہ آنے والا ذرہ ہو جو کائنات کے اس چکر میں چکراتا پھر رہا ہو۔ اس نے بڑی بے اختیاری کیفیت میں پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اس کا اندازہ درست نکلا۔ شبینہ چند قدم کے فاصلے پر ابھی تک کھڑی تھی شاید اسے بھی اندیشے ستا رہے تھے اور وہ صرف یہ جاننے کے لیے کہ برہان کی وارث علی سے کیا بات ہو رہی ہے وہاں رکی ہوئی تھی۔

برہان نے ایک گہری سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھا اور ہلکی روشنی میں پرانی وضع کی دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ شبینہ نے اب برہان سے کوئی بات نہیں کی اور چپ چاپ سر جھکا کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

''ایک منٹ شبینہ میری بات سنو۔'' برہان نے جاتی ہوئی شبینہ کو آواز دے کر روکا۔ شبینہ رک گئی اور سوالیہ نظروں سے بھائی کی طرف دیکھنے لگی۔

''وہ...... تم...... اپنے دو تین سوٹ اپنے بیگ میں رکھو، تمہیں اسی وقت میرے ساتھ کہیں جانا ہے۔'' برہان بالکل عام سے انداز میں طوفان اٹھا رہا تھا۔ شبینہ نے آنکھیں پھاڑ کر برہان کی طرف دیکھا تھا۔

''بھائی اس وقت؟ اس وقت مجھے لے کر آپ کہاں جائیں گے......؟'' اس کا دل خوف سے لرزنے لگا۔ پہلا خیال تو یہی آیا کہ برہان بھی اس وقت جابر علی کے قالب میں ڈھل گیا ہے اور اسے وارث علی کے ہاتھوں میں دینے جا رہا ہے۔

''شبینہ بالکل بھی وقت نہیں ہے امی گہری نیند سو رہی ہیں، دو تین گھنٹے سے پہلے ان کی نیند نہیں ٹوٹے گی۔''

”لیکن بھائی مجھے یہ تو بتادیں کہ مجھے کہاں لے کر جارہے ہیں......؟“

”شبینہ اس وقت سوال جواب کا وقت نہیں ہے اس طرح کے کرمنل لوگ راتوں کو جاگتے ہیں اور دن کو سوتے ہیں ان کے سارے ضروری کام رات کو ہوتے ہیں۔ اب میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا...... ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں کہ وارث علی کے سامنے میری اس وقت کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ کوئی چھوٹا موٹا مجرم نہیں ہے بہت بڑا کرمنل ہے۔ اتنا بڑا کرمنل کہ اس ملک کے بااثر لوگوں کی گود میں بیٹھتا ہے۔ یہ وہ چور ہیں جو ایک دوسرے کو سپورٹ کرتے ہیں۔ وہ بلاک ہیں جو مل کر کرپشن کی آسمان تک اونچی دیوار تعمیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں...... جلدی کرو شبینہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”لیکن بھائی مجھے یہ تو بتادیں کہ مجھے لے کر کہاں جارہے ہیں......؟“

”میں تمہارا بھائی ہوں تمہاری حفاظت کرنا میرا فرض بھی ہے اور ذمے داری بھی...... امی اٹھ جائیں گی تو امی بھی تمہارے پاس آجائیں گی۔ لیکن میں تمہیں صبح تک اس گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ پلیز...... شبینہ میں جو کہہ رہا ہوں ویسے ہی کرو۔“

شبینہ نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں دیکھا پھر چاروں طرف یوں نظریں دوڑائیں جیسے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے اس ٹھکانے کو خدا حافظ کہہ رہی ہو۔

برہان کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بے بسی کی انتہا پر آکر اسے بھائی کی بات ماننا ہی تھی۔ وہ من، من بھر کے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی جبکہ برہان اسی طرح اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا...... اور بار بار غیر ارادی طور پر فون سیٹ کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

☆☆☆

”روما آخر بتاؤ تو سہی کیا ہوا ہے؟ رو رو کر آنکھیں سوجی ہوئی ہیں۔ تم اتنی رات کو گھر کیوں گئی تھیں؟ کیا مسئلہ ہے؟ بولتی کیوں نہیں؟“ کائناز بہت پریشانی سے روما کی طرف دیکھتے ہوئے سوال پر سوال کیے جارہی تھی جس کے جواب میں روما کی طرف سے بالکل خاموشی تھی۔

”روما پلیز مجھے بتاؤ ورنہ میں جاکر رابی آپا کو اٹھاتی ہوں وہ ہی تم سے پوچھیں گی۔“ اب روما... نے ایک دم کائناز کی طرف دیکھا تھا پھر گلوگیر لہجے میں گویا ہوئی۔

”نہیں کائناز! رابی آپا کو مت اٹھاؤ۔ میں تو بس ویسے ہی خالہ جانی سے ملنے گئی تھی۔“

”مگر اتنی رات کو؟“ کائناز نے تیزی سے اگلا سوال کردیا۔ روما پھر خاموش ہوگئی۔

”کیا پوچھ رہی ہوں میں۔ اتنی رات کو تم خالہ جانی سے ملنے کیوں گئی تھیں؟ کوئی تو وجہ ہوگی ناں؟ اگر سمپل سی کوئی بات ہوتی تو ظاہر ہے تم صبح چلی جاتیں لیکن تمہاری آنکھوں سے لگتا ہے کہ تم بہت روئی ہو۔ میں بہت پریشان ہورہی ہوں روما...... تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاتیں...... اب کیا مسئلہ ہے؟“ کائناز ازحد پریشانی کی کیفیت میں مبتلا ہوچکی تھی ایک بے چینی تھی جو اس کے دل کو لاحق تھی اور بے چینی کی ہر لہر اسے سوال کرنے پر مجبور کررہی تھی۔

”تم سوجاؤ کائناز بہت رات ہوگئی ہے۔ صبح کالج بھی جانا ہے۔ تم میری فکر نہ کرو میں ٹھیک ہوجاؤں گی۔“

”اُفوہ......“ کائناز پھر جھنجلا گئی۔ ”یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے روما...... میں تم سے یہ پوچھ رہی ہوں کہ آخر تم کس بات پر اتنا روئی ہو کہ تمہاری آنکھیں سوجی ہوئی ہیں؟“

”میں نے کہا ناں کوئی بات نہیں ہے کائناز...... پلیز تم سوجاؤ۔“

”میں تو نہیں سوتی جب تک تم میری بات کا جواب نہیں دوگی۔ میں بھی نہیں سوؤں گی چاہے صبح ہو جائے...... تمہارے ساتھ جاگتی رہوں گی۔“ کائناز نے اپنا حتمی فیصلہ سنادیا اور اپنے گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا گھیرا باندھ کر گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ اس کی طرف سے یہ اعلانِ خفگی تھا۔

روما نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحے کچھ سوچا پھر آہستہ آواز میں گویا ہوئی۔

”کائناز بس پتا نہیں کیوں مجھے نیند نہیں آرہی تھی، آج تم نے اپنے ابو کی تصویریں دکھائیں ناں ان کے بارے میں باتیں کیں پتا نہیں میرے دل کو کیا ہوا۔ میرا دل چاہا کہ میں گھر جاکر اصیل بابا سے پوچھوں کہ میرا باپ کون تھا۔ میری ماں، باپ کے ذکر پر ناراض کیوں ہوجاتی تھیں...... اگر وہ برا آدمی بھی تھا تو ہمیں اتنا تو پتا چلنا چاہیے ناں کہ وہ کون تھے؟“

”اوہ مائی گاڈ......“ کائناز نے اب اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ ”تو یہ بات تھی...... میرا ذہن تو اس طرف جا ہی نہیں سکتا تھا۔ یار! تم اتنی بڑی ہوگئیں...... آج تک تمہیں اپنے والد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں...... تو بس اب باقی دن بھی چپ چاپ گزار لو۔“

”باقی دن......؟“ روما نے کائناز کی طرف دیکھا۔ ”باقی دن کا کیا مطلب ہوا؟“

”میرا مطلب یہ ہے بھئی کہ اب جتنی عمر رہ گئی ہے وہ بھی اسی طرح گزار لو۔ اگر پتا چلنا ہوتا تو پتا چل جاتا...... کون بتا سکتا ہے بھلا...... تمہاری اماں جان بتا سکتی ہیں یا خالہ جانی...... اچھا اصیل بابا نے تمہیں کیا بتایا۔ یہ تو تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ یقیناً انہوں نے بھی تمہیں کچھ نہیں بتایا۔ اگر بتادیا ہوتا تو تم مجھے بتاتیں اور سکون سے سوجاتیں...... ہے ناں؟“ کائناز چھوٹی عمر میں بہت بڑی بات کررہی تھی۔ شاید دوست کے دکھ نے اس کے ذہن کو آناً فاناً بہت اونچی اڑان دے دی تھی اور ان راستوں پر سفر کرادیا تھا جو اس سے پہلے اس کی نظروں سے اوجھل تھے۔

”ہاں، بابا نے تو کچھ نہیں بتایا...... البتہ یہ ضرور بتادیا کہ انہوں نے میرے بابا کو دیکھا تھا۔“

”اچھا......“ کائناز کی آنکھیں اب حیرت اور خوشی سے چمکنے لگیں۔

”تھینک گاڈ اتنا تو پتا چلا...... کوئی تو ہے جو کہہ رہا ہے کہ اس نے تمہارے والد کو دیکھا ہے لیکن تم نے پوچھا نہیں کہ ان کا انتقال کیسے ہوا تھا یا انتقال سے پہلے تمہاری اماں جان کی اور تمہارے والد کی separation ہوگئی تھی؟ وغیرہ وغیرہ...... ویسے کوئی تو مسئلہ رہا ہوگا جبھی تو تمہاری اماں جان کو ان کے ذکر پر بھی غصہ آجاتا ہے...... لگتا ہے کہ شادی فلاپ ہوگئی ہوگی۔“ کائناز اب اندازوں کے گھوڑے دوڑانے لگی۔

”کچھ بھی تھا مگر یہ تو بتادیتیں کہ ہمارا باپ کون ہے؟ اس کی کوئی تصویر تو دکھادیتیں۔ یقین کرو مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ساری زندگی باپ کا چہرہ تلاش کرتے کرتے گزر جائے گی دیکھو ناں کائناز ہر انسان چاہتا ہے کہ اسے اس کے ماں باپ کے بارے میں سب کچھ پتا ہو۔“

”ہاں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو روما۔ ہر انسان اپنے parents کے بارے میں بہت حساس ہوتا ہے۔ تمہارا دکھ واقعی بہت بڑا دکھ ہے۔ اس لیے کہ تم نے تو آج تک اپنے ابو کی کوئی تصویر تک نہیں دیکھی...... جانتی ہوں کہ تم اکثر ان کے بارے میں سوچتی ہوگی۔“ کائناز نے بڑے مدبرانہ انداز میں بات کی۔

”اکثر...... ہاں شاید پہلے کبھی اتنا خیال نہیں آیا لیکن...... اب سوچتی ہوں کہ آخر ایسی کیا بات ہے کہ میری

ماں میرے باپ کا ذکر سننا تک پسند نہیں کرتی اور نہ ہی ان کے بارے میں کچھ بتاتی ہے...... اب دیکھو...... گزشتہ زندگی کی طرح یہ رات بھی گزر جائے گی کوئی کچھ نہیں بتا رہا۔‘‘

’’تو تم اپنا ذہن بنالو...... اور پُرسکون ہو جاؤ پلیز روما اب اتنا مت رونا، تمہاری آنکھیں دیکھ کر میرا دل چاہ رہا ہے میں بھی روؤں۔‘‘

’’کائناز میں رونا نہیں چاہتی تھی، پتا نہیں اتنے سارے آنسو کہاں سے آگئے۔‘‘ بولتے‘ بولتے روما کی آواز پھر بھرانے لگی۔ کائناز نے بے اختیار روما کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کے بالوں پر یوں ہاتھ پھیرنے لگی جیسے کوئی ماں اپنے بچے کو بڑی شفقت سے بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔

☆☆☆

’’شبینہ ٹیکسی آگئی ہے۔ جلدی سے آجاؤ۔‘‘ برہان نے گیٹ پار کر کے شبینہ کو آہستہ آواز میں اطلاع دی تھی۔ شبینہ بھی جیسے اس کی آواز ہی کی منتظر تھی۔ اپنے کمرے سے نکل کر باہر آگئی۔

’’بھائی وہ ایک نظر امی کو دیکھ لوں سو رہی ہیں یا جاگ چکی ہیں۔‘‘ شبینہ نے کہا تو برہان نے بے ساختگی کے انداز میں فوراً کہا تھا۔

’’اللہ نہ کرے کہ امی ابھی جاگیں...... بس تم جلدی سے آجاؤ انہیں دیکھ کر‘ میں ٹیکسی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور دیکھو تم اپنی ضرورت کی تمام چیزیں رکھ لینا...... ٹھیک ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے بھائی لیکن آپ یہ تو بتا دیں ہم اتنی رات کو اس وقت جا کہاں رہے ہیں؟‘‘ وہ سرگوشی کے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

’’شبینہ سوال‘ جواب کا وقت نہیں ہے جیسے میں تمہیں کہہ رہا ہوں، کرو۔ یوں سمجھو کہ بہت ایمرجنسی ہے تمہیں اب اس گھر میں ایک پل نہیں رکنا۔ جلدی سے آجاؤ۔‘‘ برہان یہ کہتا ہوا بڑی جلدی سے گیٹ پار کر گیا۔ شبینہ نے ایک گہری سانس لی، آگے بڑھ کر صابرہ کے کمرے کے دروازے سے اندر جھانکا...... صابرہ نیند کی گولی کے زیرِ اثر سوئی ہوئی تھی۔ شبینہ کے دل کو جانے کیا ہوا کمرے کے اندر چلی آئی اور سوئی ہوئی صابرہ کے چہرے پر نظریں دوڑانے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے دل چاہا کہ جھک کر ماں کی پیشانی کو بوسہ دے مگر اس خیال سے کہ ماں کی نیند نہ ٹوٹ جائے اس نے یہ خواہش اپنے دل میں ہی دبالی اور دبے پاؤں جلے پیر کی بلی بنی کمرے سے باہر نکل آئی۔

اپنے کمرے میں جا کر اس نے ایک چھوٹا سا بیگ اٹھایا جس میں اپنے کپڑے اور کچھ ضرورت کی چیزیں رکھی تھیں۔ بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر آئی کمرے کا دروازہ بند کر کے گھر پر یوں نظر دوڑانے لگی جیسے گھر کی ایک، ایک شے کو خدا حافظ کہہ رہی ہو۔ حالانکہ برہان نے اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ اس گھر میں ... دوبارہ نہیں آئے گی پھر بھی وہ جو کہہ رہا تھا سمجھ میں تو نہیں آرہا تھا بس احساسات کچھ اس طرح کے ہو گئے تھے جیسے وہ اس گھر کو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ رہی ہو۔

☆☆☆

اصیل خان لان میں ایک سنگی بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاؤں اٹھا کر اس نے بینچ پر رکھے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو یوں بہہ رہے تھے جیسے جھڑی لگی ہوئی ہو، وہ رو رہا تھا اور خود کلامی میں مبتلا تھا۔ اس لیے کہ اس وقت اس کے پاس کوئی ایسا نہیں تھا جس سے وہ اپنے اوپر پڑنے والی افتاد کو کسی داستان کی طرح بیان کر سکے۔

اس کے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں بلند ہوئے اور اب سسکیاں لیتے ہوئے وہ اپنے پروردگار سے ملتجی تھا۔

''یا اللہ مجھ پر رحم کر...... میں اپنی ہی اولاد کو یہ نہیں بتا سکتا کہ میں بدنصیب گناہ گار تمہارا باپ ہوں۔ وہ لوگ جو اپنی اولاد کو اپنے گناہ کی نشانی سمجھ کر زمین کا پیوند بنا دیتے ہیں، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ میرے مالک میں اپنی بچیوں کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی بیٹیوں کو صبح، دوپہر، شام دیکھنا چاہتا ہوں ان کے معصوم چہرے دیکھ کر میرے دل کو جو سکون ملتا ہے وہ ہی سکون تو اب میری ساری جمع پونجی ہے۔ میں اپنی اس جمع پونجی سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ ورنہ کب کا یہاں سے چلا جاتا اور دنیا سے منہ چھپا کر زندگی گزار دیتا...... یا اللہ میں اس آس پر اپنی اولاد کے لیے تجھ سے دعا مانگتا ہوں رحم و کرم کی بھیک مانگتا ہوں کہ میں گناہ گار سہی پر ایک باپ بھی ہوں شاید ایک باپ کی دعا اولاد کے حق میں قبول ہو جائے کوئی قبولیت کی گھڑی میرا نصیب بن جائے۔ آسمان سے فرشتے اتریں اور میری بچیوں کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔'' اس سے زیادہ اصیل خان بول نہیں پایا۔ آنسوؤں کے پھندے گلے میں یوں پھنس گئے کہ آواز منہ سے نکالنا ممکن نہ رہا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے اور بلک، بلک کر رونے لگا...... اس کے پورے وجود پر لرزہ طاری تھا۔ یوں لگتا تھا کہ آنسو صرف اس کی آنکھ سے نہیں بہہ رہے بلکہ اس کے جسم کے ایک، ایک خلیے سے خون کے آنسو ٹپک رہے ہوں۔

جانے وہ کتنی دیر تک ہچکیوں سے اسی طرح روتا رہا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا کہ کب گل جان حسبِ معمول پورے گھر کا چکر لگاتی ہوئی بالکونی میں آکھڑی ہوئی ہے۔ اس کی نظریں اصیل خان پر تھیں۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے...... اصیل خان کو آنسو بہاتے دیکھے چلی جارہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گل جان کے ہونٹوں پر ایک اداس مگر پُراسراری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے ایک گہری سانس لی پھر اصیل خان کی طرف دیکھتے ہوئے یوں بڑبڑائی...... جیسے باقاعدہ وہ اس سے ہم کلام ہو۔

''اصیل خان! ہمارے اجداد .... نے ترکِ اولیٰ کیا...... آنسوؤں کے سمندر بہائے اللہ سے دعا کی۔ اے اللہ ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہم پر رحم نہ کیا تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ خسارہ ہمارا مقدر ہوگا۔ اللہ کی رحمت جوش میں آگئی مگر گندم کی سزا آج تک باقی ہے۔ شاید ہم بھی اسی طرح مرتے دم تک سزا سے دوچار رہیں گے اس لیے کہ سزا پاک کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اگر جانے سے پہلے پاک ہو جائیں تو کیا بات ہے۔'' اس نے اصیل خان کی طرف سے نظریں ہٹا کر پلکیں جھپک، جھپک کر آنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کی...... سینے سے ایک نہیں کئی ٹھنڈی آہیں نکلیں اور بسیط و بے کراں فضا میں گم ہوگئیں۔

''لوگ گھٹ سے مرجاتے ہیں...... یا اللہ ہماری موت اب ہم سے کتنی دور رہ گئی ہے۔''

☆☆☆

شاہ عالم کا گارڈ نیند بھری آنکھوں میں از حد حیرت سموئے برہان اور شبینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے تو یہ مغالطہ ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

''ماسٹر صاحب آپ! آپ......؟''

''ہاں میں...... خان اندر کائنات بی بی کو بتاؤ کہ میں ان سے ملنے آیا ہوں۔'' برہان، گارڈ سے مخاطب تھا اور شبینہ حیران پریشان برہان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ماسٹر صاحب! کائنات بی بی کو بتاؤں یا صاحب کو......؟'' گارڈ اب قدرے نیند کے حواس سے باہر آچکا تھا۔

''نہیں نہیں، شاہ صاحب کو نہ جگانا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ دوائیں لیتے ہیں، مریض ہیں اور مریض کو رات کو اچانک ایسے نہیں اٹھانا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے جی، کیا بولوں کائناز بی بی کو کہ ماسٹر صاحب آئے ہیں آپ سے ملنے کے واسطے؟''

''ہاں، ہاں...... بھئی یہ بولو...... جلدی کرو۔''

''ایک منٹ صاحب میں ابھی آتا ہوں۔'' گارڈ شبینہ اور برہان کی طرف حیرت اور الجھن سے دیکھتا ہوا اپنے کیبن میں لگے ہوئے انٹرکام کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس نے انٹرکام پر گھنٹی بجا کر دوسری جانب سے ریسیور اٹھائے جانے کا انتظار کیا۔ کوئی جواب نہیں آیا تو اس نے پلٹ کر برہان کی طرف دیکھا ریسیور ہنوز اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔

''لگتا ہے صاحب، بی بی بہت گہری نیند سویا ہے۔ اس واسطے وہ بات نہیں کرتا۔''

''تم دوبارہ گھنٹی بجاؤ...... اٹھیں گی......'' برہان نے دوٹوک بات کی۔ شبینہ اسی طرح الجھی ہوئی اپنی جگہ کھڑی تھی۔ گارڈ نے دوبارہ اندر رنگ دی اور انتظار کرنے لگا۔ آخر تیسری بار گھنٹی بجانے کے بعد کائناز نے ریسیور اٹھا لیا تھا...... شاید وہ گہری نیند میں تھی۔ برہان اور شبینہ گارڈ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جو کہہ رہا تھا۔

''بی بی، ماسٹر صاحب آئے ہیں ان کے ساتھ کوئی لڑکی بھی ہے۔ ہمارے کو نہیں پتا وہ کون ہے؟ ماسٹر صاحب بولتے ہیں آپ سے ملنا ہے۔''

کائناز نے جانے اس سے کیا کہا۔ اس نے گردن ہلائی اور انٹرکام بند کر دیا۔

''ماسٹر صاحب! آپ اندر جا کر بیٹھو، بی بی آپ سے ملتا ہے۔'' گارڈ نے اجازت ملنے پر برہان کو اندر کا راستہ دکھایا۔ برہان نے شبینہ کی طرف دیکھا اور زمین پر رکھا ہوا بیگ اٹھا کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے اندر کی طرف جا رہے تھے۔ گارڈ اسی طرح فکر اور پریشانی کی کیفیت میں ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی تو ساری نیند ہوا ہو چکی تھی پھر اس نے اپنے ہاتھ کو حرکت دیتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''پتا نہیں اس ٹیم کون سا پڑھائی ہوتا ہے......؟''

☆☆☆

کائناز بدحواسی کے انداز میں اپنے بستر سے اتر چکی تھی بار بار گھنٹی بجنے کی وجہ سے روما کی نیند بھی ٹوٹ گئی تھی۔

''کس کا فون تھا کائناز؟''

''کسی کا فون نہیں تھا روما...... گارڈ انٹرکام دے رہا تھا...... وہ سر برہان آئے ہیں۔ وہ کہہ رہا ہے کہ وہ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔''

کائناز کا اتنا کہنا تھا کہ روما نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں جیسے وہ سوئی ہی نہیں تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو؟ سر اس وقت تم سے ملنے آئے ہیں۔ ارے، یہ گارڈ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا...... پتا نہیں کون آ گیا ہے۔''

''نہیں، نہیں روما...... گارڈ انہیں اچھی طرح پہچانتا ہے۔ سر کوئی ایک دو دفعہ تو نہیں آئے تھے روز آ رہے تھے۔ ظاہر ہے گارڈ سے گزرے بغیر تو کوئی اندر نہیں آ سکتا ناں وہ سر کو پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ میں تو پریشان ہو رہی ہوں کہ وہ اس وقت کیوں آئے ہیں اور ہاں پتا ہے ان کے ساتھ کوئی لڑکی بھی ہے۔''

''ہائے میں مر جاؤں۔'' روما نے ایک دم سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''لڑکی......؟ سر کے ساتھ...... کائناز سر کیس لڑکی کو لے کر آ گئے؟ اور تم سے ملنے کیوں آئے ہیں......؟''

''اچھا بس...... ابھی پتا چل جاتا ہے...... تم آ رہی ہو میرے ساتھ؟'' وہ تیزی سے باہر جاتے، جاتے روما کی طرف دیکھ کر گویا ہوئی۔

''ہاں، ہاں...... ظاہر ہے میری تو حالت خراب ہو رہی ہے۔ سر کس لڑکی کو اٹھا کر لے آئے ہیں؟''

''اب یہ تو ان سے ملنے کے بعد ہی پتا چلے گا کہ لڑکی کون ہے؟ اٹھا کر لائے ہیں یا خود چل کر آئی ہے؟'' کائناز بولتی ہوئی پریشانی کی کیفیت میں باہر نکل گئی۔ روما نے ایک طرف پڑا ہوا دوپٹا اٹھایا گلے میں اٹکایا اور سلیپر پاؤں میں پھنساتی ہوئی بھاگنے کے انداز میں کمرے سے باہر نکلی تھی۔

برہان اور شبینہ صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ برہان بار بار اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھ رہا تھا اور بے قراری سے اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے اسے کائناز کے آنے کا پورا، پورا یقین تھا اور پھر ایسا ہی ہوا...... کائناز اور روما گرتی پڑتی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ برہان کو شبینہ کے ساتھ دیکھ کر دونوں آنکھیں پھاڑ کر یوں اپنی جگہ جم گئیں جیسے پاؤں اٹھانے کی سکت ہی نہ رہی ہو۔ برہان اور شبینہ دونوں نے ان کی کیفیت بھانپ لی تھی۔ برہان نے ان دونوں کی حیرت توڑنے کے لیے ہی شاید آہستہ آواز میں سلام کیا تھا۔

''السلام علیکم!''

شبینہ ہکا بکا...... دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''جی سر...... جی السلام علیکم سر......'' روما سے پہلے کائناز سنبھل گئی اور حیرت سے شبینہ کی طرف دیکھنے لگی...... برہان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کائناز میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، یہ میری چھوٹی بہن شبینہ ہے یہ آج رات آپ کے پاس رکیں گی۔ صبح آپ دادا جان کو بتا دیجیے گا کہ میں انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ باقی بات صبح آ کر شاہ صاحب سے خود کر لوں گا، اوکے؟''

''لیکن سر، یہ آپ کی چھوٹی بہن......؟''

''بھئی یہ میری چھوٹی بہن ہے سگی بہن میری جس بہن کی ڈےتھ ہوئی تھی ناں یہ اس سے بڑی ہیں لیکن مجھ سے چھوٹی ہیں...... ٹھیک ہے؟'' پھر شبینہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''شبینہ دیکھو گھبرانا نہیں، تم سمجھو کہ تم بہت محفوظ جگہ پر ہو، یہاں نہ الٹے سیدھے فون آئیں گے نہ کوئی الٹے سیدھے فون کرنے والا کبھی یہاں آ سکتا ہے۔ تمہیں بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں صبح امی کے ساتھ یہاں آؤں گا...... ٹھیک ہے؟ باہر ٹیکسی میرا انتظار کر رہی ہے کیونکہ میں نے اس سے آنے جانے کی بات کی تھی۔'' پھر وہ کائناز کی طرف مڑا۔ ''ٹھیک ہے کائناز میں اب چلوں گا۔ پلیز شبینہ کا خیال رکھیے گا۔''

''سر وہ...... دادا جان کو اٹھاؤں کیا؟''

''نہیں...... نہیں قطعی نہیں، پہلے ہی وہ مریض ہیں انہیں اس طرح رات کو اچانک نہیں اٹھانا چاہیے۔ صبح بات کر لینا اور میں بھی آ کر ان سے تفصیلی بات کروں گا...... اوکے...... خدا حافظ۔'' برہان بڑی عجلت کے انداز میں یہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ شبینہ چند لمحے جاتے ہوئے برہان کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ، آہستہ اس نے اپنی نظروں کا رخ ان دونوں کی طرف موڑا۔

نظر ملتے ہی کائناز تیزی سے اس کے قریب آگئی اور شبینہ کے دونوں ہاتھ تھام کر بولی۔

''آپ ہمارے کمرے میں آجائیں کیونکہ مجھے سمجھ ہی نہیں آرہی کہ میں اس وقت آپ کو...... کون سے کمرے میں لے کر جاؤں صبح دیکھتے ہیں۔ آپ بھی تھکی ہوئی لگ رہی ہیں آرام کریں۔ ویسے کیا آپ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے یا کوئی مسئلہ ہوگیا تھا راستے میں...... آج کل حالات بھی تو ایسے ہی چل رہے ہیں ناں؟''

کائناز بولے جارہی تھی اور روما اپنی تمام حسیات کو اکٹھا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے شبینہ کے چہرے سے کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس میں شاید اتنی اہلیت نہیں تھی کہ وہ کچھ اخذ کرسکتی۔

''نہیں، نہیں کائناز ہم اپنے گھر سے آرہے ہیں۔ راستے میں کچھ نہیں ہوا۔''

''گھر سے؟'' دونوں نے بیک وقت چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں...... میں آپ لوگوں کو زیادہ کچھ نہیں بتا سکتی۔ بس یہی بتا سکتی ہوں کہ بڑا مسئلہ ہو رہا تھا۔ وہ...... ہمیں کوئی شخص بہت تنگ کر رہا ہے threat دے رہا ہے۔ شاید ہمارے باجان کی اس سے کوئی دشمنی ہے۔''

''threat دے رہا ہے......؟'' اس مرتبہ کائناز کے بجائے روما کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ کائناز تو بس منہ کھول کر رہ گئی۔

''جی! مجھے یہ تو نہیں پتا کہ اس نے کیا کہا، برہان بھائی نے البتہ مجھے یہ بتایا کہ وہ دھمکیاں دے رہا ہے۔ شاید کوئی بلیک میلر ہے۔''

''او گاڈ......'' کائناز نے خوف زدہ انداز میں شبینہ کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

''پھر تو واقعی مسئلہ ہے۔ اچھا کیا سر آپ کو یہاں لے آئے۔ آپ لوگوں کے کوئی رشتے دار نہیں ہے ناں اس شہر میں......؟'' کائناز نے یونہی سوال کر دیا تھا۔

''نہیں...... اگر ہمارا کوئی رشتے دار اس شہر میں ہوتا تو شاید ہم لوگ وہاں جاتے، یہاں نہیں آتے۔''

''چلیں خیر کوئی بات نہیں، ہمیں اپنا رشتے دار ہی سمجھیں، ہم تو سر کے جانے سے ویسے ہی پریشان ہوگئے ہیں آپ یہاں رہیں گی تو سر بھی ہماری پڑھائی مکمل کروادیں گے۔'' کائناز کو ہاتھ کے ہاتھ اپنی پریشانیاں بھی یاد آگئی تھیں جنہیں بیان کرنا بھی اس نے ضروری خیال کیا تھا۔

''کائناز آؤ ناں کمرے میں لے کر چلتے ہیں کب تک انہیں لے کر کھڑی رہوگی۔'' روما الجھی، الجھی کیفیت میں یوں بولی جیسے ذہنی طور پر وہ کہیں اور پہنچی ہوئی ہو۔

''ہاں، ہاں اوہ سوری...... آپ کا نام......؟'' کائناز نے شبینہ کا ہاتھ تھام کر اب بڑے پیار سے پوچھا تھا۔

''شبینہ۔'' اس کے تو اوسان ہی خطا تھے۔ غائب دماغی کی کیفیت میں اس نے نام بتایا۔

''ہاں...... ہاں سوری، وہ ابھی سر نے آپ کا نام تو لیا تھا۔ میں بھول گئی۔ چلیں آئیں آج آپ ہمارے ہی کمرے میں سوئیں گی پھر دیکھتے ہیں کہ صبح کو کیا ہوتا ہے...... ٹھیک ہے۔'' کائناز، شبینہ کو لے کر آگے چل پڑی۔ روما ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

''ہم تو سمجھتے ہیں ساری دنیا میں جیسے ہم ہی پریشان ہیں لیکن لوگ تو اتنے پریشان ہیں کہ اتنی رات کو اپنے گھر سے نکل جاتے ہیں اپنے گھر میں بھی لوگوں کو خوف محسوس ہوتا ہے۔ بڑی عجیب بات پتا چلی۔''

جاری ہے

امانت

رفعت سراج

قسط 18

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو ناقابلِ قبول ہوتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے تو گل جان کو پتا چلتا کہ وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں۔ ستارہ، برہان کو فون کرکے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہو گئی ہے۔ گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہو جاتی ہے۔ ستارہ، برہان کو بتاتی ہے کہ اب وہ اس گھر میں کبھی نہیں جائے گی۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ جابر علی، ایس پی سے ولیمے کی بابت دریافت کرتا ہے تو وہ اسے جھوٹی تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے۔ رابی، برہان کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ وہ کون ہے۔ روما، شاہ عالم کے گھر آجاتی ہے۔ ایس پی، جابر علی کو منع کرتا ہے لیکن جابر علی کہتا ہے کہ جو آرڈر اسے ملا ہے وہ اس پر عمل ضرور کرے گا۔ ستارہ، وارث علی کی بات پر حیران رہ جاتی ہے۔ جابر علی، ستارہ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہتا ہے تو وہ منع کر دیتی ہے۔ ستارہ منع کرتی ہے تو جابر علی ستارہ کو گولی مار دیتا ہے۔ برہان کو خبر ملتی ہے تو وہ فوراً اپنے گھر پہنچتا ہے۔ ایس پی شاہ زمان، جابر علی سے کہتا ہے کہ وہ مجسٹریٹ کے سامنے وارث علی کا نام نہ لے لیکن جابر علی اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ شاہ عالم اخبار میں لگی خبر میں برہان کا نام پڑھ کر چونکتے ہیں۔ برہان، شاہ عالم کا فون آنے پر انہیں بتاتا ہے کہ اس کی بہن کا مرڈر ہو گیا ہے وہ اب روما کو نہیں پڑھا سکے گا۔ شاہ عالم اسے تسلی دیتے ہیں اور اس کا ایڈریس پوچھتے ہیں تاکہ وہ اس کے گھر جا سکیں۔ مہر جان اپنے مرحوم باپ کو صدائیں دیتی ہیں وہ گل جان سے کہتی ہیں کہ بابا ان سے ملے بغیر کبھی نہیں گئے تو اب کیسے چلے گئے۔ ایس پی، وارث علی کو خبردار کرتا ہے۔ رابی کو برہان کے بہن کے مرڈر کی خبر ہوتی ہے تو وہ سوچتی ہے کہ شاید اب وہ اسے نہیں دیکھ پائے۔ رابی کو دیکھ کر مہر جان اسے پہچانتی نہیں ہیں وہ ایسا تصور میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی جو اُن کی حالت تھی۔ شاہ عالم، رابی کی ہمت بندھاتے ہیں شاہ عالم، برہان کے گھر جاتے ہیں اسے تسلی دیتے ہیں۔ شائستہ بیگم، فائزہ کو کہتی ہیں کہ اب وہ شبینہ سے دوستی ختم کرے...... شبینہ، برہان سے جابر علی کے بارے میں پوچھتی ہے تو برہان کہتا ہے کہ وہ اب ان سے نہیں ملے گا۔ رابی، کائناز اور روما کو برہان کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں بتاتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہیں۔ جابر علی اپنے ماتحت سے کہتا ہے وہ اس کی اس عزت افزائی کو یاد رکھے گا۔ وارث علی، ایس پی شاہ زمان سے کہتا ہے کہ وہ جابر کے قبضے سے وہ فائل نکلوائے...... ستارہ کی تدفین ہو جاتی ہے۔ رابی، شاہ عالم سے کہتی ہے کہ وہ کائناز کو بتا دیں کہ اب برہان انہیں پڑھانے نہیں آئے گا تو شاہ عالم کہتے ہیں کہ وہ برہان کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ روما، کائناز کے ساتھ اپنے گھر جاتی ہے تو مہر جان اسے نہیں پہچانتیں، ایس پی جابر علی سے بات کرتا ہے کہ وہ فائل اسے دے دے مگر جابر علی، ایس پی کی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے، وارث علی، برہان کو فون کرکے کہتا ہے اسے ایک فائل چاہیے اور اگر وہ فائل اسے نہ ملی تو ان کے لیے اچھا نہیں ہوگا...... برہان فائل کے بارے میں شبینہ سے پوچھتا ہے تو وہ بھی پریشان ہو جاتی ہے، احمر، شائستہ بیگم کی اس بات سے بہت ڈپریسڈ ہوتا ہے کہ فائزہ، شبینہ سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اصیل خان، گل جان سے کہتا ہے کہ اب روما اور رابی کو گھر واپس آجانا چاہیے۔ وارث علی برہان کو فون کرتا ہے تو وہ ریسیو نہیں کرتا۔ میر داد، جابر علی سے کہتا ہے کہ وہ کیس کو الجھا دے لیکن جابر علی اس کی بات کی نفی کرتا ہے۔ گل جان، اصیل خان سے کہتی ہے کہ وہ بچیوں کو اصل حقیقت کا بتا دے گی۔ کائناز اپنے والدین کی تصویریں روما اور رابی کو دکھاتی ہے تو روما جذباتی ہو جاتی ہے۔ گل جان دیکھتی ہے کہ مہر جان ماضی کی یادوں میں گم ہیں۔ وارث علی گھر آتا ہے اور صابرہ سے کہتا ہے کہ وہ رشتے داری کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ صابرہ اسے کہتی ہے کہ وہ برہان کے آنے پر آکے بات کرے۔ برہان غصہ کرتا ہے کہ صابرہ نے اسے گھر میں کیوں بلا لیا۔ وارث علی، ایس پی سے کہتا ہے کہ وہ جابر علی کی بیٹی کو اٹھا لے گا۔ روما، اصیل خان سے کہتی ہے وہ اس کے باپ کے بارے میں بتائے، اصیل خان اسے صرف اتنا بتاتا ہے کہ اس نے روما کے باپ کو دیکھا ہے۔ شبینہ، صابرہ کو نیند کی دوا دیتی ہے، وہ وارث علی کا فون سنتی ہے تو وارث علی، برہان کو دھمکی دیتا ہے تو برہان، شبینہ کو شاہ عالم کے گھر لے جاتا ہے۔ وہ گارڈ سے کہہ کر کائناز کو بلاتا ہے اسے بتاتا ہے کہ شبینہ اس کی بہن ہے وہ اسے یہاں رکھے صبح وہ شاہ عالم سے بات کرلے گا۔

اب آگے پڑھیں

''بھائی میں آپ کو بتا رہی ہوں میں شبینہ کو نہیں چھوڑ سکتی پلیز...... آپ ممی کو سمجھائیں...... انہوں نے کیوں ایک چھوٹی سی بات کو ایشو بنا لیا ہے۔ اتنی سمپل اتنی سادہ سی ہے شبینہ...... ممی کو آخر مسئلہ کیا ہے؟'' فائزہ ماں، باپ کے سونے کے بعد اپنے دل کی بھڑاس نکالنے احمر کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔

احمر لیپ ٹاپ پر کوئی بہت اہم میل ٹائپ کر رہا تھا۔ فائزہ نے یہ جانے بغیر کہ وہ کتنا اہم کام کر رہا ہے بولنا شروع کر دیا تھا۔

''میں ممی کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں ٹینس مت ہو جاؤ، جا کر سو جاؤ صبح کالج جانا ہے ناں یا چھٹی ہے ؟''

''دل تو نہیں چاہتا مگر جانا پڑے گا۔''

''آخر تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو...... بس ممی نے ویسے ہی کہہ دیا ہوگا۔ تھوڑا سا ممی کو ایموشنلی پریشرائز کریں گے، سیٹ ہو جائیں گی...... جاؤ تم جا کر سو جاؤ۔''

''بھائی...... نیند نہیں آرہی تھی بھی تو آپ کے پاس آگئی۔''

''میرا دماغ کھانے کے لیے ؟'' احمر نے برجستہ انداز میں کہا تھا۔

''نہیں بھائی...... بس سونے کے لیے لیٹی تو ایک دم ذہن شبینہ کی طرف چلا گیا...... پھر نیند ہی نہیں آئی میں نے سوچا دیکھوں آپ کیا کر رہے ہیں...... تھوڑی دیر آپ سے ہی باتیں کرلوں۔''

''کوئی اچھی سی موی دیکھ لو۔'' احمر نے مشورہ دیا۔

''اس سے تو اور نیند بھاگ جائے گی۔''

''پھر ایسا کرو بہت بوری موی دیکھ لو ایک دو سین دیکھنے کے بعد تمہیں نیند آنا شروع ہو جائے گی۔''

''لیکن میں اچھی اور بور موویز کے چکر میں پڑوں گی تو صبح ہو جائے گی...... آپ کو کچھ سمجھ آئی ہے کہ ممی شبینہ سے کیوں اتنا چڑتی ہیں؟'' فائزہ کی سُوئی اسی طرح اپنی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔ احمر نے اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا...... اور بڑی بے بسی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھا جو باتیں اس کے دل کی کر رہی تھیں مگر وہ اپنے دل کی بات فی الحال اس سے نہیں کر سکتا تھا۔

''ویسے ہی شاید ممی سمجھتی ہوں کہ وہ ان کے اسٹیٹس سے میچ نہیں کرتی...... ایکچوئیلی تمہیں پتا ہے ناں ممی بہت زیادہ اسٹیٹس کانشس ہیں۔''

''پتا نہیں کیا کامپلیکس ہے ممی کو۔'' فائزہ برا سا منہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سب انسان اللہ کے بنائے ہوئے ہیں......'' وہ مزید گویا ہوئی تھی۔ احمر نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا...... پیاری سی بہن بڑی پیاری پیاری باتیں کر رہی تھی۔

''خدا کرے یہ بات سب کو سمجھ آجائے...... اگر یہ بات سب کو سمجھ آجائے تو دنیا میں شاید کوئی مسئلہ ہی نہیں رہے۔'' احمر نے ایک گہری سانس لے کر کہا تھا۔

''اچھا تم اپنے کمرے میں جاؤ اور ایک ہزار مرتبہ شبینہ کا نام لو، میں گارنٹی سے کہتا ہوں تمہیں نیند آجائے گی۔ یہ میری طرف سے تمہیں وظیفہ گفٹ ہوا ہے۔'' فائزہ نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور پیر پٹختے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگی۔ اس وقت اس کا مذاق کا بالکل موڈ نہیں تھا لیکن احمر کا سیریس ہونے کا موڈ نہیں تھا۔

☆☆☆

''آپ کی...... میرا مطلب ہے آپ کی مدر اور فادر کہاں ہیں، جو سر آپ کو یہاں لے آئے ؟'' کائناز اور

روما حیرت بھری معصومیت کے ساتھ شبینہ کو تکے جارہی تھیں۔ بالآخر کائناز بول پڑی تھی۔ شبینہ نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا کر بولی۔

”میری مدر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور فادر کے ساتھ ایک پرابلم چل رہی ہے وہ شاید آپ کے دادا جان کو پتا ہے، کیا انہوں نے آپ کو بھائی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟“

یہ سن کر کائناز اور روما ایک دم حواس باختہ سی ہوگئیں تو وہ شبینہ کی خاطر انجان بننے کی ایکٹنگ کررہی تھیں انہیں شرم آرہی تھی کہ وہ شبینہ کے سامنے ظاہر کریں کہ بہت سی باتیں ان تک پہنچ چکی ہیں۔ وہ شبینہ کو پُرسکون رکھنے کی سعی کررہی تھیں۔ روما نے کائناز کو نظروں ہی نظروں میں جیسے لتاڑا کہ تم نے مہمان کے سامنے یہ کیسا سوال کردیا بے چاری کو مشکل میں ڈال دیا۔

”آئی ایم سوری...... وہ ویسے ہی میرے منہ سے نکل گیا تھا پلیز آپ، آپ ریسٹ کیجیے صبح آپ سے بہت ساری باتیں کریں گے اور آپ کی دادا جان سے ملاقات بھی ہوگی۔“

”مجھے پتا ہے آپ دونوں اتنی رات کو میرے یہاں آنے سے پریشان ہوگئی ہیں لیکن صبح بھائی آئیں گے ناں تو میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی بس رات ہی رات کی بات ہے۔“ شبینہ نے اپنی دانست میں ان دونوں کی الجھن رفع کرنے کی کوشش کی تھی۔

”ارے نہیں، نہیں کیسی باتیں کررہی ہیں آپ...... ہم تو آپ کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور پریشانی والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے، دراصل اس گھر میں کئی کمرے ہیں مگر میں اور روما نہ ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ اب یہ میرے بیڈ پر سوجاتی ہے تو میں صوفے پر سوجاتی ہوں اب آپ ایسا کریں کہ روما کے ساتھ بیڈ پر سوجائیں۔ آپ کو شاید اچھا نہ لگے آپ شاید کمفرٹیبل فیل نہ کریں مگر صرف رات کی بات ہے اور اتنی رات تو ہوگئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد صبح ہوجائے گی۔“ کائناز اپنی فطری سادگی اور معصومیت کے ساتھ بولے چلی جارہی تھی اور شبینہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ریڈش براؤن سلکی بال اور گلابیوں کی جھلکیاں دکھاتا دودھیا چہرہ اسے تو وہ ایک باربی ڈول کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اسکائی بلیو چمکدار نرم کپڑے سے بنے ہوئے شب خوابی کے لباس میں وہ اتنی پُرکشش دکھائی دے رہی تھی کہ نظریں...... ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا جبکہ روما نے اپنے بالوں کی اونچی سی پونی بنائی ہوئی تھی گہرے سیاہ شب خوابی کے لباس میں اس کے وجود سے اداسیاں سی ٹپکتی محسوس ہوتی تھیں شب خوابی کے لباس کا جیٹ بلیک کلر اس کی دودھیا رنگت کو بہت نمایاں کررہا تھا۔ وہ کائناز سے کم خوب صورت نہ تھی مگر دونوں کے چہرے بہت مختلف تاثرات کے حامل تھے۔ کائناز معصومانہ حیرت کے ساتھ کھوئی، کھوئی سی دکھائی دے رہی تھی جبکہ روما کے انداز میں گہری سوچ کے ساتھ ساتھ عجیب سی بیزاری بھی جھلک رہی تھی، وہ بیزاری جو اس کے اندر سے پھوٹ، پھوٹ کے باہر آرہی تھی ایسی کیفیت جو کائناز کے لیے تھی نہ شبینہ کے لیے شاید صرف اس کے اپنے لیے تھی۔

”آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاؤں......؟“ کائناز کو ایک دم ہی یہ خیال آیا تھا کہ اتنی دیر میں اس نے شبینہ سے کچھ کھانے پینے کے بارے میں نہیں پوچھا۔

”نہیں، نہیں میں نے کھانا کھالیا تھا پلیز آپ لوگ آرام کیجیے، مجھے تو بہت شرمندگی ہورہی ہے کہ ہماری وجہ سے آپ کی نیند خراب ہوئی۔“ شبینہ نے دل کی گہرائیوں سے شرمندگی محسوس کرتے ہوئے کہا تھا جو اس کی آنکھوں سے بھی جھلکنے لگی تھی۔

”پلیز آپ لوگ آرام کیجیے......“ شبینہ نے ان دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھا...... جو عمر میں اس سے بہت زیادہ نہ سہی پر چھوٹی تھیں اور ابھی تک ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھے جارہی تھیں چونکہ کہنے والی ساری باتیں کہہ چکی تھیں لگتا تھا کہ اب ان کے پاس بھی کہنے کو کچھ نہیں بچا۔

☆☆☆

برہان بہ مشکل دو، تین گھنٹے ہی سویا تھا فجر کی اذانیں بلند ہوئیں تو اس کی آنکھ خود بخود کھل گئی تھی۔ چند لمحے اس نے ذہن سے نیند کا پردہ ہٹانے میں صرف کیے پھر ایک دم جیسے اس پر عجلت طاری ہوگئی...... شبینہ کا خیال آتے ہی اس کے وجود میں بجلیاں سی دوڑ گئیں پتا نہیں اس کی رات کیسے کٹی وہ سوئی بھی یا جاگتی رہی۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے بستر چھوڑ دیا اور فجر کی نماز ادا کرنے کی نیت سے وضو کرنے واش روم کی طرف بڑھ گیا...... ابھی اس نے وضو کرنا شروع ہی کیا تھا کہ صابرہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی جو بڑے وحشت زدہ انداز میں پکارتے ہوئے اس کے کمرے میں آگئی تھی۔

”برہان...... برہان...... شبینہ کہاں ہے؟ واش روم میں بھی نہیں ہے چھت پر بھی نہیں ہے برہان......“

”امی...... پلیز...... آرام سے گھبرائیں نہیں، آئیں بیٹھیں میں آپ کو بتاتا ہوں۔“ برہان ماں کی آواز سن کر تیزی سے باہر آگیا اور ماں کے قریب جا کر ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

”ارے کیا بتاتے ہو، دماغ تو صحیح ہے تمہارا۔ میں کہہ رہی ہوں شبینہ گھر پر نہیں ہے۔ میری آنکھ کھلی تو مجھے بہت پیاس لگ رہی تھی میں نے شبینہ کو آواز دے کر کہا کہ بیٹا مجھے ایک گلاس پانی پلادو کافی دیر انتظار کیا مگر وہ پانی ہی لے کر نہیں آئی تو میں اٹھی اس کو دیکھا وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دی، مجھے لگ رہا ہے کہ بس اب میرا دل بند ہونے والا ہے۔ برہان تم باہر نکل کر خود دیکھو شبینہ پورے گھر میں نہیں ہے۔“

”امی، امی آپ پہلے میری بات تو سنیں، میں آپ کو کچھ بتا رہا ہوں، شبینہ ہی کے بارے میں کچھ بتا رہا ہوں خدا کے لیے امی......“ برہان نے صابرہ کو دونوں کاندھوں سے تھام کر منت کے انداز میں کہا تھا۔ وہ حیران، پریشان ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی کیونکہ اس کے لیے واقعی حیرت کا مقام تھا کہ وہ برہان کو بتا رہی ہے کہ شبینہ گھر میں کہیں دکھائی نہیں دے رہی اس کے باوجود اسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔

”کیا بتاؤ گے بیٹا...... مجھے کیا بتاؤ گے تم، ارے پہلے شبینہ کو......“

”امی پلیز......“ برہان نے ماں کی بات کاٹ دی۔ ”امی...... شبینہ کو میں خود شاہ صاحب کے گھر چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ میری پوری بات تو سن لیں۔“ برہان کی بات سنتے ہی صابرہ ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

”شاہ صاحب کے گھر...... کون شاہ صاحب؟“ ان کے منہ سے بڑی اضطراری کیفیت میں نکلا تھا۔

”امی، جہاں میں ٹیوشن پڑھانے جاتا ہوں کئی مرتبہ ان کا ذکر کیا ہے ناں آپ سے اور وہ گھر پر بھی تو آئے تھے تعزیت کرنے کے لیے۔“

”اچھا، اچھا!“ صابرہ کو اب ایک دم سب کچھ یاد آگیا۔ وہ گرنے کے انداز میں قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”یا اللہ...... میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ ارے بیٹا تم اسے کس وقت چھوڑ کر آئے، کیوں چھوڑ کر آئے مجھے جلدی سے بتاؤ، میرا تو دماغ چکرا رہا ہے۔“ صابرہ نے اب بے اختیار اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

”امی، رات کو وارث علی کا فون آیا تھا، وہ دھمکیاں دے رہا ہے، وہ اتنا بڑا مجرم ہے کہ صرف دھمکیوں سے کام نہیں چلائے گا وہ کچھ بھی کرسکتا ہے غصہ تو مجھے بہت آرہا تھا، میں اس کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں لیکن جب

بات ماں یا بہن کی ہو تو رسک لینا عقل مندی نہیں ہوتی۔"

"کیا دھمکیاں دے رہا تھا وہ؟" صابرہ نے سہمی، سہمی نظروں سے برہان کی طرف دیکھا۔ دل تھا کہ بس ڈوبتا ہی جا رہا تھا۔

"امی بظاہر تو وہ بہت اچھا بن کر بات کر رہا ہے، کہہ رہا ہے کہ آپ لوگ سے رشتے داری توڑنا نہیں چاہتا آپ کی ایک بہن دنیا سے جا چکی تو کیا ہوا...... دوسری بہن تو ہے...... نیا رشتہ بنایا جا سکتا ہے، امی آپ اس بات کا مطلب سمجھ رہی ہیں ناں......؟ وہ چاہتا ہے کہ ہم اب شبینہ کی شادی اس سے کر دیں......"

"اللہ توبہ استغفار......" صابرہ تڑپ کر برجستگی کے انداز میں بولی تھی۔

"تم مجھے بتائے بغیر شبینہ کو گھر سے لے گئے، ارے مجھے اٹھا کر بتا تو دیتے......"

"امی میں نے جان بوجھ کر آپ کو نہیں اٹھایا، آپ نیند کی گولی کھا کر سوئی تھیں شبینہ کو تو لے کر جانا ہی تھا مگر آپ کی نیند خراب ہو جاتی پھر ذرا سی دیر میں آپ کی طبیعت بگڑ جاتی ہے میں نے سوچا تھا صبح آپ اٹھیں گی تو آپ کو آرام سے سب کچھ بتا دوں گا۔"

"ارے بیٹا...... تم شبینہ کو لے کر اکیلے نکل کھڑے ہوئے مجھے بھی اٹھا دیتے، میں اس کے ساتھ ہی چلی جاتی...... بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ تمہارا بھی اب اس گھر میں رہنا ٹھیک نہیں...... ارے ایسے بدمعاشوں کے منہ نہیں لگنا چاہیے...... تم بھی بس اس گھر کو خدا حافظ کہہ دو اور میرے ساتھ وہیں چلو جہاں شبینہ کو چھوڑ کر آئے ہو...... بیٹا اب ہمارا اس گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہے، اس کمبخت نے سمجھو یہ گھر دیکھ لیا ہے وہ ہمارا پیچھا اتنی آسانی سے نہیں چھوڑے گا...... ارے اتنی بری طرح لُٹ گئے ہم مگر کمبخت کو رحم نہیں آتا جانے کیا کھا کر زندہ رہتے ہیں ایسے لوگ جو اتنے سخت ہوتے ہیں ان کے دل۔"

"امی میں نماز پڑھ رہا ہوں آپ بھی نماز پڑھ لیں...... نماز پڑھ کر پھر ہم چلتے ہیں، آپ پُرسکون رہیں یہ ہر وقت کی ٹینشن ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کی طبیعت بہت زیادہ خراب بھی ہو سکتی ہے میری اور شبینہ کی خاطر آپ خود کو سنبھالیں...... ہمیں اپنی ماں کی بہت ضرورت ہے، بس آپ کی دعاؤں کے سہارے ہی تو اس اندھیرے میں راستہ تلاش کرنا ہے۔" برہان کے لہجے میں بلا کا سوز تھا۔ ساری گزری ہوئی افتاد اس ایک لمحے میں سمٹ آئی تھی وہ لمحہ جو ابھی، ابھی اسے اور اس کی ماں کو چھو کر کسی لازوال پنہائی میں گم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

شاہ عالم اپنے معمول کے مطابق نمازِ فجر مسجد میں ادا کرنے کے بعد واک پر چلے گئے تھے آدھے گھنٹے کی واک کے بعد جب انہوں نے گھر میں قدم رکھا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کائناز لان کے سامنے بڑے سے برآمدے میں بڑی بے قراری سے ٹہلتی دکھائی دی جیسے وہ ان ہی کا انتظار کر رہی ہو۔

"السلام علیکم...... دادا جان......" کائناز نے عجلت بھرے انداز میں شاہ عالم کو سلام کیا تھا...... وہ چار قدم اندر آئے تھے اور وہ بھاگتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئی تھی۔

"وعلیکم السلام بیٹا! خیریت تو ہے یہ اتنی صبح، صبح تم مجھے سلام کرنے کے لیے یہاں آ کر کھڑی ہو گئیں، خیریت تو ہے ناں آج کوئی بہت بڑی فرمائش ہو گی اس لیے سلام کرنے میں بڑی جلدی کی۔" شاہ عالم نے مسکرا کر بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا...... مگر شاہ عالم کے اس شگفتگی کے جواب میں بھی کائناز کے چہرے پر مسکراہٹ کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ فکر مند سے نظر آنے لگے کیونکہ یہ بڑی غیر معمولی بات تھی

کہ کائناز کے چہرے پر تفکر کی لکیریں، آنکھوں میں الجھن اور پریشانی کی کیفیت......

"دادا جان...... میں آپ کو یہ بتانے کے لیے کمرے سے باہر آئی تھی کہ ہمارے گھر میں رات کو گیسٹ آئے تھے۔" اب چونکنے کی باری شاہ عالم کی تھی۔

"گیسٹ آئے تھے تو مجھ سے کیوں نہیں ملے؟"

"وہ ابھی ہمارے گھر میں ہیں۔" کائناز نے فوراً ہی جواب دے دیا تھا۔

"اوہو! کون ہے بیٹا، کون گیسٹ ہیں؟ مجھے تو تم پریشان نظر آ رہی ہو حالانکہ گھر میں مہمان آتے ہیں تو اس میں پریشانی والی تو کوئی بات نہیں ہے مگر وہ کون لوگ ہیں، میرے لیے پریشانی کی بات یہی ہے۔" شاہ عالم...... اب انتہائی متفکر دکھائی دینے لگے...... بلکہ اضطراری کیفیت میں مبتلا دکھائی دیے۔

"وہ...... سر برہان ہیں ناں......" کائناز نے تمہید باندھی۔

"اوہو...... برہان آیا تھا؟" برہان کا نام سن کر شاہ عالم ایک دم چونک پڑے۔

"دادا جان...... سر برہان اپنی بہن کو ہمارے گھر لائے تھے، وہ ہمارے گھر میں ہی سو رہی ہیں، پتا نہیں بے چاری کب سوئی ہوں گی۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو، بیٹا مجھے ٹھیک سے بتاؤ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" وہ واقعی اس مرتبہ گڑبڑا کر رہ گئے تھے۔

"وہ آپ سوئے ہوئے تھے ناں تو گارڈ نے مجھے اٹھا کر بتایا تھا کہ سر برہان آئے ہیں، میں ان سے ملنے باہر آئی تو دیکھا ان کی بہن ان کے ساتھ ہیں، سر کہنے لگے کہ ان کی بہن آج رات ہمارے گھر ہی رہیں گی۔"

"تو بیٹا آپ نے مجھے کیوں نہیں اٹھایا؟" شاہ عالم اب بالکل پُرسکون ہو کر پوچھنے لگے۔

"وہ دادا جان، سر کہہ رہے تھے کہ آپ کو نہ اٹھاؤں آپ پیشنٹ ہیں، اتنی رات کو اچانک اٹھانا آپ کے لیے اچھا نہیں ہوگا...... آپ میڈیسن لیتے ہیں اور جو لوگ دوا لیتے ہیں ان کی نیند خراب نہیں کرنی چاہیے۔"

"ہاں ٹھیک ہے، بچہ بہت حساس اور ذمے دار ہے بڑی مہربانی اس کی کہ اس نے اتنا احساس کیا مگر میرے لیے پریشانی کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی بہن کو یہاں چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔"

"جی دادا جان میں اور روما بھی رات سے پریشان ہیں ان کے ساتھ کیا پرابلم ہے ان کی تو...... مدر بھی ہیں۔"

"وہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ اس کی ماں کہاں ہے، وہ اپنی بہن کو یہاں کیوں چھوڑ گیا؟ خیر میں ابھی فون کر کے اس سے بات کر لیتا ہوں، تم فکر نہ کرو۔"

"دادا جان! وہ کہہ رہے تھے کہ وہ صبح آئیں گے اور اپنی بہن کو یہاں سے لے جائیں گے صرف رات، رات کی بات ہے۔" کائناز بولی۔

"ارے یہ تو بعد کی باتیں ہیں، وہ کہاں لے کر جاتا ہے اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہوا...... کوئی مسئلہ تو ہے ورنہ وہ آدھی رات کو اپنی بہن کو یہاں چھوڑ کر نہ جاتا۔" اب شاہ صاحب خود کلامی کے انداز میں بات کر رہے تھے اور کائناز ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "چلو بیٹا اندر چلو آپ تو اپنی تیاری کرو ناں......"

"دادا جان وہ سر کی بہن ہیں ناں ان کا نام شبینہ ہے سو رہی ہیں وہ......"

"ہاں، ہاں بیٹا، انہیں سونے دو جب وہ اٹھیں گی تو ان سے بات ہو جائے گی آپ اپنی تیاری کرو ناشتا

وغیرہ کرو...... یا پھر چھٹی کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہو؟'' شاہ صاحب نے اپنے چہرے سے تفکرات کا جال مٹانے کی شعوری کوشش کرتے ہوئے بڑے لطیف انداز میں اس سے بات کی...... ان کا ذہن تو بس برہان پر جا کر اٹک گیا تھا اور جب تک یہ معما حل نہیں ہوتا تھا ان کا ذہن کسی اور سمت جا ہی نہیں سکتا تھا۔'' بہن کو یہاں چھوڑ گیا اور ماں کہاں ہے؟''

☆☆☆

''شاہ صاحب یہ میری امی ہیں۔'' برہان اس وقت شاہ عالم کے ڈرائنگ روم میں صابرہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا بڑے مؤدبانہ انداز میں ماں کا تعارف کرا رہا تھا۔ صابرہ اچھی طرح سر پر دوپٹا جمائے نظریں جھکائے یوں بیٹھی تھی جیسے اپنے کسی ناکردہ جرم کی سزا سننے کی منتظر ہو۔

ایک تو اتنا عالیشان گھر دیکھ کر وہ ویسے ہی حواس باختہ ہو گئی تھی۔ دوسرے شاہ صاحب کی بارعب شخصیت اسے نظریں نہیں اٹھانے دے رہی تھی۔

شاہ صاحب کے چہرے پر غم و حزن کی کیفیت بہت واضح تھی، چہرے پر تفکرات کی لکیروں کا جال بچھا ہوا تھا۔

''شاہ صاحب میں بہت شرمندہ ہوں کہ آپ کو تکلیف دے رہا ہوں مگر میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ آس پاس کوئی ایسا محفوظ ٹھکانا دکھائی نہیں دیتا جہاں میں امی اور شبینہ کو ٹھہرا سکوں...... میں کوئی رسک لینا نہیں چاہتا...... لیکن بس یہ چند دنوں کی بات ہو گی...... میں انشاء اللہ کچھ ایسا انتظام کرلوں گا کہ میں ان دونوں کو یہاں سے لے جاؤں۔'' برہان بہت پُرتکلف اور شرمسار لہجے میں شاہ صاحب سے مخاطب تھا، شاہ صاحب کے چہرے پر بکھری ہوئی لکیروں کا جال ایک دم معدوم ہو گیا اور ہونٹوں پر بڑی لطیف سی مسکراہٹ ابھری انہوں نے بہت محبت بھری نظروں سے برہان کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ تو مجھے اندازہ ہے بیٹا! آپ بہت خوددار نوجوان ہیں اور اسی وجہ سے میرے دل میں آپ کی بہت عزت ہے، وہ جو بس ایک نظر میں کچھ سما جاتا ہے ناں...... بس پھر وہ تصویر آنکھوں کے سامنے سے ہٹتی نہیں ہے...... آپ کو یاد ہو گا میں ٹیوٹر کا اپائنٹمنٹ کر چکا تھا لیکن میں نے آپ کو ترجیح دی...... کوئی تو وجہ ہو گی ناں......''

شاہ صاحب محبت بھرے لہجے میں برہان سے مخاطب تھے اور صابرہ کے روم، روم میں ایک سکون سا اتر رہا تھا۔ اس کے لیے یہ بہت فخر اور خوشی کی بات تھی کہ ایک معزز شخص اس کے بیٹے کی اس انداز سے تعریف کر رہا تھا۔

''دیکھیں انسان ہی انسان کے کام آتے ہیں، ماشاء اللہ اتنا بڑا گھر ہے، انیکسی مدتوں سے خالی پڑی ہوئی ہے۔ پہلے اِدھر کرائے دار ہوتے تھے مگر بہت پریشان کر رہے تھے بڑی مشکلوں سے ان سے جان چھڑائی تھی پھر اس کے بعد کوئی کرایہ دار رکھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوا...... اب میرے بوڑھے دماغ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں یہ فضول کی ایکسر سائز کروں، اللہ کا دیا بہت کچھ ہے...... ہم فیملی ممبرز ہی کتنے ہیں...... ایک میں ہوں اور ایک میری پوتی...... شکر ہے بہت اچھی طرح گزر بسر ہو رہی ہے۔'' شاہ صاحب نے برہان کی طرف دیکھتے ہوئے تشکرانہ لہجے میں گویا اسے تسلی دی تھی۔

''پھر بھی شاہ صاحب ہم وہ انیکسی کرائے پر لے لیتے ہیں تو اتنا کرایہ تو نہیں دے سکیں گے جو یہاں آج کل چل رہا ہے اتنی مہنگی اکاموڈیشن تو فی الحال ہم افورڈ نہیں کر سکتے لیکن جب تک ہم رہیں گے، میں آپ کو کچھ نہ کچھ دے دیا کروں گا اور جب آپ کہیں گے کہ جگہ خالی کر دو تو میں ایک ہفتے کے اندر، اندر خالی کر دوں گا...... اب جیسا آپ بولیں۔'' شاہ صاحب برہان کی بات سن کر بے ساختہ مسکرا پڑے۔

''اچھا......! تو یعنی آپ ہمارے کرایہ دار بن کر رہنا چاہتے ہیں جیسے آپ کی مرضی ... میں تو آپ کو اپنے گھر میں مہمان بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔'' صابرہ ابھی تک ان دونوں کی گفتگو کے دوران بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اب بڑے شرمسار سے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''شاہ صاحب مہمان تین دن کا ہوتا ہے اور ہمیں پتا نہیں کتنے دن لگ جائیں۔ میں تو آپ کی طرف آتے ہوئے بہت ڈر رہی تھی۔ بلکہ بڑی شرم سی آ رہی تھی...... یوں بھی اب ہم دنیا کو منہ دکھانے کے قابل ہی کہاں رہے ہیں۔'' بولتے، بولتے...... صابرہ کی آواز ایک دم بھرانے لگی تھی۔

شاہ صاحب کے دل پر ایک چوٹ سی پڑی...... کیونکہ انہیں سو فیصد یقین تھا کہ یہ ماں، بیٹا جو اس وقت ان کے سامنے بیٹھے ہیں قطعی بے قصور ہیں اور ایک افتاد سر پر آ پڑی ہے جس کا وہ مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

''ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے اب تو یوں سمجھیں کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں، سب کچھ دیکھا جو دیکھنا چاہا وہ بھی جو دیکھنا نہیں چاہا...... آپ تکلف نہ کیجیے اور خود پر کوئی بوجھ محسوس مت کیجیے...... میں نے کہاں ناں...... اللہ کا دیا بہت کچھ ہے، لوگ تو اپنے پورے، پورے گھر ٹرسٹ کو دے دیتے ہیں۔ میں تو آج بھی اتنا بڑا گھر لیے بیٹھا ہوں...... گزر بسر کے لیے تو ایک کمرا ہی کافی ہے مگر...... ابھی بچی کا ساتھ ہے اس کی ذمے داری ہے...... اس لیے اتنے بڑے گھر میں بیٹھا ہوا ہوں...... آپ لوگ آ جائیں گے تو گھر میں رونق ہو گی...... شبینہ کی کائناز کے ساتھ دوستی ہو جائے گی...... میرا خیال ہے جتنا بھی ساتھ قسمت میں لکھا ہے...... وہ اچھا ہو گا۔'' شاہ صاحب اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں مخاطب تھے، یوں جیسے...... ڈھلوان پر پانی گر رہا ہو...... صابرہ کے دل پر ان کے الفاظ اور لہجے کا بہت اثر ہوا تھا...... وہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن دکھائی دے رہے تھے...... اللہ یوں اس کی مدد کرے گا، اندھیرے میں راستہ دکھائے گا...... وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ رات تک دل پر وحشتیں بلاؤں کی طرح نازل ہوئی تھیں...... اور اس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے اللہ نے ساری زندگی کی مانگی ہوئی دعائیں ایک ہی دفعہ میں قبول کرلیں...... خوف سے نجات مل گئی، محفوظ ٹھکانا مل گیا...... اس برے وقت میں اس سے زیادہ اور چاہیے بھی کیا تھا۔

''آپ جیسے لوگوں کے رحم سے یہ دنیا قائم ہے۔'' وہ آنسوؤں بھری آواز میں بڑی بے اختیاری کیفیت میں گویا ہوئی تھی۔

شاہ صاحب اس کا یہ جملہ سن کر شرمندہ سے ہو گئے۔

''یہ آپ کا بڑا پن ہے آپ اس طرح سوچتی ہیں ورنہ جو کچھ کرنا چاہیے تھا وہ تو نہیں کیا...... جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بے شمار نعمتوں سے نوازے تو اس کے کندھوں پر بہت بڑا بوجھ ہوتا ہے اور نعمت کی شکر گزاری کا یہ سب سے آسان راستہ ہے کہ اس کے پریشان حال بندوں کا خیال کیا جائے۔ میں نے تو ابھی تک ایسا کچھ نہیں کیا...... جانے کتنا قرض چڑھ چکا ہے...... اتار بھی پاؤں گا یا نہیں......'' شاہ صاحب کے لہجے میں ایک سوز سا اتر آیا یوں لگتا تھا جیسے ان کا دل بھر آیا ہے۔ وہ صابرہ کی موجودگی میں جان بوجھ کر جابر علی کے ذکر سے احتراز کر رہے تھے...... یہ بھی ان کی حیاداری کا کمال تھا۔

''میں ابھی ملازمہ سے کہتا ہوں کہ فی الحال آپ کو...... گیسٹ روم میں پہنچا دے...... پھر اس کے بعد انیکسی کی صفائی کا انتظام کرتا ہوں...... میرا خیال ہے کہ صفائی ستھرائی میں پانچ چھ دن لگ جائیں گے...... اب

پانچ چھ دن تو آپ میری مہمان ہیں...... اس کے بعد بقول برہان کے آپ ہمارے کرائے دار ہیں۔'' یہ کہہ کر شاہ صاحب مسکرانے لگے ان کی نظریں برہان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''لیکن شاہ صاحب آپ نے تو یہ نہیں بتایا کہ ہمیں کم سے کم کرایہ کیا دینا چاہیے؟'' برہان پھر شرمسارے انداز میں مسکرایا اور بولا۔

''بھئی آپ زبردستی کے کرائے دار بن رہے ہیں اب اپنی مرضی سے ہی دے دیجیے گا......'' شاہ صاحب نے شگفتگی سے جواب دیا۔ صابرہ اب حیران، حیران نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اسے اس گھر سے باہر آنے کے بعد ویسے ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ صدیوں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھائے پھر رہی تھی۔ آج وہ بوجھ اسی گھر میں اتار پھینکا ہے اور گھر سے نکل آئی ہے۔

☆☆☆

''سر جی...... یہ تو کمال ہو گیا...... میں سوچ رہا تھا کہ کوئی آئے نہ آئے آپ کا بیٹا تو ضرور آئے گا...... حیرت ہے ایک بار بھی ملنے نہیں آیا آپ کو......'' میرداد کیونکہ جابر علی کا ارادت مند تھا... اس کو بہت عزت دیتا تھا اسی لیے اسے جابر علی کی بہت فکر تھی۔

''میرا بیٹا ہوتا تو ملنے آتا ناں......'' میرداد خان ایک دم چونک پڑا اور شرمائے شرمائے انداز میں بولا۔

''سر جی...... آپ...... اپنی بیوی کو گالی دے رہے ہیں؟''

''جو عورت اپنے مرد کو نافرمان اولاد کا تحفہ دیتی ہے اس سے اچھی تو بازاری عورت ہے، میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا...... میری طرف سے آج ہی اسے تین طلاقیں......'' جابر علی جیسے پھٹ پڑا تھا...... میرداد خان تو جیسے ٹھرا کر رہ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر جابر علی کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے شک ہو کہ جابر علی کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے یا وہ ہوش میں نہیں ہے...... اس نے اپنے کانپتے ہوئے وجود کو سنبھال کر حواس باختہ انداز میں کہا۔

''توبہ، توبہ سر جی...... اپنے غصے کو کنٹرول کریں، یہ آپ نے کھڑے، کھڑے تین طلاقیں بول دیں...... میں نے سنا یا دیواروں نے سنا لیکن آپ کے منہ سے تو نکل گئیں...... اب کیا ہوگا......؟'' میرداد خان واقعی چکرا کر رہ گیا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی... بلکہ وہ تو پچھتا رہا تھا کہ آخر اسے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی...... یہ کیا ہو گیا تھا۔

''پچیس سال سے میرا کھا رہی تھی، وہ آئی مجھ سے ملنے......؟''

''سر جی میں تو بہت پریشان ہو گیا ہوں...... یہ آپ کیا منہ سے نکال بیٹھے ہیں سر...... مرد اگر ایک مرتبہ عورت کو تین طلاقیں بول دے تو عورت کو طلاق ہو جاتی ہے ناں'' میرداد خان اٹک، اٹک کر کہہ رہا تھا۔

''ہاں تو ہو گئی میرے کس کام کی وہ عورت...... جو عورت اتنے برے وقت میں مجھ سے ملنے دو منٹ کے لیے نہیں آئی...... مجھے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''تو پھر آپ کی ضمانت کے لیے میں بھاگ دوڑ کروں؟'' میرداد خان بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر بولا تھا۔ ابھی تک وہ بہت دکھ اور صدمے کی کیفیت میں مبتلا تھا...... اس کے کانوں میں بار بار جابر علی کے الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ تو پچھتاوے سے ادھ موا ہوا جا رہا تھا۔

''مجھے نہیں کرانی ضمانت، تم اپنے کام سے کام رکھو میرداد خان...... مجھے کسی کا احسان نہیں لینا تمہارا ابھی

نہیں...... اب میں پھانسی کے تختے پر چڑھنے کو تیار ہوں...... تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''نہ، نہ سر جی...... بندہ غصے میں خطا کھا جاتا ہے، آپ ایسا نہیں بولیں مجھ سے جو ہو سکا، وہ میں کروں گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے میرداد خان تم بھی ملنے مت آیا کرو...... مجھے کسی کی ضرورت نہیں...... میں تو تمہیں بھی پاگل سمجھ رہا ہوں۔ وردی اتار کر جیل کے کپڑے پہن چکا ہوں اور تم سر جی...... سر جی کہتے ہو۔ پولیس اور ملٹری میں فرق ہوتا ہے جاہل آدمی......'' جابر علی بجائے اس کے کہ میرداد خان کا احترام کرتا اس کی وفاداری کو سراہتا الٹا اس پر چڑھ دوڑا تھا۔ میرداد خان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا...... وہ تو اسی طرح سکتے کی کیفیت میں لاک اپ کی سلاخیں پکڑے ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے کانوں میں ابھی تک جابر علی کی اپنی بیوی کو دی ہوئی تین طلاقیں گونج رہی تھیں۔ اسے یوں لگا جیسے اس نے جابر علی کے ساتھ مل کر کسی پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

☆☆☆

''شاہ زمان ایک دم برہان کو اپنے سامنے پا کر اچھا خاصا حواس باختہ ہو گیا تھا۔

''السلام علیکم......'' برہان کسی روبوٹ کی طرح سلام کر کے اس کے کہنے سے پہلے ہی سامنے بیٹھ گیا۔ ایس پی اپنے آپ کو سنبھالنے کی پوری کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی تک برہان کے سلام کا جواب دینے کی صلاحیت اس میں بیدار نہیں ہوئی تھی۔ کسی گونگے بہرے کی طرح اس کو تکے جا رہا تھا۔

''سر میں جابر علی کا بیٹا برہان ہوں...... میں نے peon کو اپنا نام بتا کر آپ کے پاس بھیجا تھا کیا اس نے نہیں بتایا؟'' برہان ایس پی کی کیفیت کو دیکھ کر کچھ سے کچھ سمجھنے لگا اور الجھے، الجھے انداز میں گویا ہوا۔

''نہیں، نہیں مجھے اس نے بتایا تھا وہ بس...... آپ کو دیکھ کر مجھے جانے کیا کچھ یاد آنے لگا۔ مجھے آپ سے اور آپ کی فیملی سے ہمدردی ہے مگر آپ کے والد صاحب اقبالی بیان ریکارڈ کرا چکے ہیں۔ آئی ایم سوری...... اب کچھ نہیں ہو سکتا۔'' شاہ زمان خان اب خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو چکا تھا... اور قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بات کر رہا تھا۔ برہان نے حیرت آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ میں اپنے والد صاحب کی سفارش کرنے آیا ہوں، ان کی جان بچانے کے لیے آپ سے مدد مانگنے آیا ہوں؟'' اب حیران ہونے کی باری ایس پی کی تھی۔ وہ الجھی، الجھی نظروں سے برہان کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

''ظاہری بات ہے آپ میرے پاس اور کس مقصد سے آ سکتے ہیں۔ انسپکٹر جابر علی گرفتار ہو چکا ہے بیان ریکارڈ کرا چکا ہے۔ میں تو یہی سمجھوں گا کہ آپ اسی سلسلے میں میرے پاس آئے ہیں لیکن کیا آپ کوئی اور بات کرنے میرے پاس آئے ہیں؟''

''جی...... بالکل میں اپنا ایک پرسنل مسئلہ لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔''

''پرسنل...... بولیے! کیا مسئلہ ہے؟'' ایس پی بری طرح الجھ چکا تھا۔

''سر وہ ہمیں threat دی جا رہی ہے۔''

''threat؟'' ایس پی نے مختصر سا سوال کیا تھا۔

''جی سر......! وہ کوئی فائل کا چکر ہے، ہم سے ایک فائل کا مطالبہ کیا جا رہا ہے پریشر ڈالا جا رہا ہے... جبکہ میں سارا گھر چھان چکا ہوں۔'' برہان کی بات سن کر ایس پی کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ اب اسے برہان کے آنے کا مقصد سمجھ آ گیا تھا اور ساتھ ہی وارث علی کے ساتھ ہونے والی گفتگو بھی اس کے حافظے میں بازگشت بن کر

گونجنے لگی۔

''تو آپ مجھ سے کس قسم کی ہیلپ لینے آئے ہیں؟'' ایس پی اب بڑے سپاٹ لہجے میں گویا ہوا تھا کیونکہ برہان کے منہ سے سن کر کہ فائل اس کے گھر میں نہیں ہے اسے برہان میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی جی چاہ رہا تھا کہ یہ لڑکا فوراً سے بیشتر یہاں سے چلا جائے۔ اس نے تو سو فیصد مایوس کیا تھا۔ اب اس کا برہان سے کیا انٹرسٹ ڈویلپ ہو سکتا تھا۔

''سر میں آپ سے قانونی تحفظ مانگنے آیا ہوں' اس لیے کہ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس نے پولیس کے محکمے کو پچیس سال اپنی خدمات دی ہیں۔ آج ان کی بیٹی بہت غیر محفوظ ہے۔ اس سلسلے میں آپ ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں؟''

''دھمکیاں کون دے رہا ہے؟'' ایس پی نے چندرا کر پوچھا تھا اور اپنی نظروں کا رخ دیوار کی طرف موڑ رکھا تھا کیونکہ برہان کی آنکھوں میں دیکھنے کا حوصلہ فی الحال اس میں نہیں تھا۔

''سر! میری جس بہن کا مرڈر ہوا ہے اس کا ہزبینڈ کرمنل بندہ ہے۔ مجھے تو حیرت ہے میرا باپ پولیس افسر ہوتے ہوئے اس کے ہاتھوں بے وقوف کیسے بن گیا۔''

''اب یہ تو بیٹا جی آپ اپنے والد صاحب سے ہی پوچھیں کہ وہ کیسے بے وقوف بن گئے...... یہ تو وہ ہی بتا سکتے ہیں لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آ رہی کہ میں آپ کی فیملی کو کیسے پروٹیکٹ کروں؟''

''یہ کیا بات ہوئی سر، پولیس کا کام عوام کو تحفظ دینا ہے اور میں تو پولیس افسر کا بیٹا ہوں۔ آپ اپنے ہی افسر کی فیملی کو تحفظ دینے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟'' برہان نے اپنے اندر کا غصہ دباتے ہوئے بظاہر بڑے ٹھنڈے لہجے میں بات کی۔ ایس پی کی بے رخی تو اسے حیران کیے دے رہی تھی۔

''سر آپ بھی جانتے ہیں اور سارا پولیس ڈپارٹمنٹ بھی کہ میرے والد صاحب کے پاس ایک چھوٹے سے گھر کے علاوہ کوئی پراپرٹی نہیں ہے اور ہمارے گھر میں گھر کی فائل کے علاوہ کسی اور پراپرٹی کی فائل نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے یہ آپ کا اور آپ کے بہنوئی کا معاملہ ہے۔ آپ کا فیملی میٹر ہے آپ اسے گھر میں نمٹانے کی کوشش کیجیے۔ آئی ایم سوری' میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' ایس پی نے تو فوراً ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ کر جواب دیا تھا۔ برہان لاشعوری طور پر یوں کھڑا ہو گیا تھا جیسے فوراً ہی احساس ہو گیا ہو کہ اس شخص کے سامنے بیٹھ کر مزید کوئی بات کرنا وقت ضائع کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اس نے گہری سانس لی اور ایس پی کی طرف دیکھا۔

''خدا حافظ!'' برہان نے ایس پی سے ہاتھ ملانے کا تکلف بھی نہ کیا اور بڑی تیزی سے آفس سے نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی ایس پی کی آنکھوں میں شیطانیت بال کھول کر ناچنے لگی۔

☆☆☆

''اس اندھیرے میں اللہ ہی تو ہماری مدد کر رہا ہے بیٹا۔ آج تک سنتے چلے آئے ہیں کہ دنیا میں خوش قسمت انسانوں کی غیبی مدد بھی ہوتی ہے۔ یقین نہیں آ رہا کہ ہم اتنے خوش قسمت ہو سکتے ہیں۔'' صابرہ گیسٹ روم میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ شبینہ اس کا سر دبا رہی تھی۔ صابرہ کی بات سن کر شبینہ بے معنی سا مسکرائی۔

''ہاں امی، واقعی یقین نہیں آ رہا۔ یقین کریں مجھے تو ڈر کے مارے رات بھر نیند نہیں آئی۔ پتا نہیں وارث علی نے بھائی سے کیا کہا کہ بھائی بس مجھے فوراً لے کر نکل کھڑے ہوئے۔''

''کوئی بڑی بات ہی کی ہوگی بیٹا ورنہ برہان بھی جابر علی کا بیٹا ہے، اتنی آسانی سے توڑ رنے والا نہیں۔ بہت حوصلہ ہے میرے بچے میں اور قدرت بھی اسے خوب آزما رہی ہے۔''

''امی شاہ صاحب نے ہمیں اپنے گھر رہنے کی اجازت تو دی ہے مگر ہم زیادہ دن تو یہاں نہیں رہ سکتے ناں...... اچھا نہیں لگے گا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی لیکن برہان نے شاید کچھ سوچ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔ لگتا ہے کہ اس، وارث علی نے برہان کو کوئی ایسی دھمکی دی ہے جس کے بعد وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں...... اور لینا بھی نہیں چاہیے۔ ہم تو پہلے ہی لُٹ چکے ہیں اور اب مزید لٹنے کی ہمت نہیں ہے۔'' بولتے، بولتے صابرہ کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔ شبینہ نے ماں کی طرف ترحم بھری نظروں سے دیکھا۔

''شکر ہے کہ ہم اس وقت بہت محفوظ جگہ پر آ کر بیٹھ گئے ہیں۔ اس گھر میں کم از کم وارث علی تو نہیں آ سکتا۔'' شبینہ نے سکون کی سانس لیتے ہوئے ایک طرح سے ماں کو تسلی بھی دی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے...... کچھ سکون سا محسوس ہو رہا ہے لیکن میں تمہارے باپ کے بارے میں سوچ رہی ہوں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے...... ہم ان کے لیے وکیل کریں...... ان سے ملیں، پوچھیں کہ ہمیں بتاؤ ہم کیا کریں......''

''امی آپ برہان بھائی کے سامنے یہ بات کئی مرتبہ کہہ چکی ہیں اب مت بولیے گا...... مجھے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ برہان بھائی نہ ابا جان سے ملنا چاہتے ہیں نہ ہمیں ملنے کی اجازت دیں گے۔''

''بچہ ہے، جذباتی ہے مگر میں یہ سوچتی ہوں کہ پچیس برس کا ساتھ رہا...... ایک بار تو ملنے جاؤں اور پوچھوں جابر علی سختیاں سہنے کے لیے میں کافی نہیں تھی...... میری بچی کے خون سے کیوں ہاتھ رنگے...... ایسا کیا، کیا تھا اس نے...... تم نے جہاں چاہا اس کی شادی ہو گئی پھر...... پھر تم نے اپنی ہی اولاد کو زمین کا پیوند بنا دیا۔ اس نے ایک ظالم کو تمہارے کہنے پر اپنا لیا، کیا اتنی فرمانبرداری کافی نہیں تھی؟'' بولتے' بولتے صابرہ کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ اب وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

☆☆☆

''سر جی دروازے پر اتنا بڑا سا تالا دیکھ کر تو میرا میٹر گھوم گیا۔ بس اب آپ کا امتحان ہے پتا چلائیں کہ وہ کہاں چھپے ہیں......'' وارث علی شدید غصے کی کیفیت میں ایس پی سے بات کر رہا تھا۔

''کہاں چھپے ہیں کیا مطلب......؟ تم کیا سوچ رہے ہو کہ وہ کہیں چھپ کر بیٹھ گئے ہیں؟'' ایس پی جیسے کچھ سمجھا نہیں...... وہ تو اپنی طرف سے وارث علی کو بڑی تھرلنگ انفارمیشن دینا چاہ رہا تھا برہان کے بارے میں کہ وہ اس سے مدد مانگنے آیا تھا...... اس کا خیال تھا کہ وارث علی یہ سنے گا تو بہت انجوائے کرے گا مگر وارث علی تو آتے ہی شروع ہو گیا تھا اور بے تکان...... نان اسٹاپ بولے چلا جا رہا تھا۔

''یار آج اس کا بیٹا آیا تھا مجھ سے ملنے اگر وہ لوگ کہیں چھپ گئے ہوتے تو وہ مجھ سے ملنے کیوں آتا......؟''

''بیٹا آیا تھا؟'' وارث علی پر جیسے چھت گر پڑی تھی وہ انتہائی حیرت سے ایس پی کی طرف دیکھ رہا تھا، آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔

''ہاں، ہاں یار آج ہی مجھ سے مل کر گیا ہے۔''

''آپ کے پاس آیا تھا...... اپنے باپ کی ضمانت کرانے آیا ہوگا۔'' وارث علی نے فوراً اندازوں کے

دوستی ایسا ناتا

Blood is thicker than water یہ کہاوت بہت پرانی صحیح لیکن آج بھی لوگ اپنا، اپنا، غیر، غیر کہتے ہیں مگر اس مرتبہ امریکا جا کر میرے مشاہدے اور تجربے نے ثابت کردیا کہ خون ہی نہیں بلکہ دوستی ایسا ناتا جو سونے سے بھی مہنگا اور اس کا پورا کریڈٹ ماہنامہ پاکیزہ اور بالخصوص انجم انصار کو جاتا ہے جن کے توسط سے مجھے اپنی 35 سال پرانی دوست عروس ملی جو امریکا کی اسٹیٹ مشی گن میں اپنے شوہر، دو بیٹوں، بہو اور پوتے کے ساتھ رہتی ہے میں اپنے جذبات اور احساسات کو سطح قرطاس پر بکھیرنے سے قاصر ہوں جو اس سے امریکا بات کرکے میرے ہوئے۔ میں شروع سے ٹھٹھہ میں اور وہ کراچی میں۔ اس کی شادی میں مع والدین میں نے شرکت کی اور میری شادی پر وہ دو بیٹوں اور شوہر صفدر بھائی کے ساتھ ٹھٹھہ آئی اور شادی کے بعد کراچی میں سب سے پہلی دعوت بھی اسی کے گھر ہوئی کہ اس وقت موبائل کجا فون بھی اتنے عام نہیں تھے پھر شادی کے بعد نہ میری شاعری رہی نہ افسانہ نگاری بس ٹیچنگ اور گھر داری کب سندھی مسلم سے گلشن اقبال اور وہ کراچی سے اسلام آباد اور پھر امریکا شفٹ ہوگئی پتا ہی نہیں چلا۔ اس نے میرے سب سے چھوٹے بیٹے حماد قادر کی شادی کی تصویریں پاکیزہ میں دیکھ کر میرا سراغ لگایا تھا اور پھر میرے حماد کے پاس شارلٹ پہنچنے سے پہلے ہی میرا ٹکٹ پہنچ چکا تھا کہ مشی گن ضرور آنا ہے، واہ ری دوستی۔ 14 ستمبر کو ہم دونوں میاں بیوی ڈیٹرائٹ پہنچے اور عروس اپنے بہو اور بیٹے کے ساتھ دو پھولوں کے بوکے پکڑے استقبال کو موجود۔ لگتا نہیں تھا کہ اتنے برسوں بعد ملے ہیں اس کی والہانہ محبت...... دونوں ہی لپٹ کر رو پڑے۔ بڑے گھر بہت دیکھے میرے اپنے بڑے بیٹے کا کیلی فورنیا میں پانچ بیڈ روم کا گھر ہے مگر 2-1/2 باتھ روم، عروس کا واحد گھر ہے جہاں چھ بیڈ رومز کے ساتھ چھ ہی باتھ رومز تھے۔ عروس چند سال پہلے بریسٹ کینسر سے صحت یاب ہوئی ہے گھٹنے بھی مصنوعی ہیں مگر اس کی ہمت، حوصلے اور وِل پاور کی داد دینی پڑتی ہے۔ عموماً ساسیں بہوؤں کے آتے ہی پیر پسار کر ہر کام بہوؤں پر ڈال دیتی ہیں لیکن اس گھر کا ماحول امریکا میں رہتے ہوئے بھی مشرقی ہے۔ عروس صبح تہجد پڑھ کر کچن میں ناشتے سے لے کر رات کے کھانے تک لکڑی کی کرسی پر بیٹھ کر کھانا پکاتی ہے بے حد لذیذ اور مزیدار اور باہر کے تمام کام اور صفائی بہو سعدیہ اور سسر صفدر بھائی کے ذمے کیونکہ عروس کے دونوں بیٹے ڈاکٹر ہیں فیلوشپ بھی کی ہے بے حد مصروف لیکن دین دار، نماز روزے کے پابند گھر میں شلوار قمیص پہننے والے پکے مسلمان۔ خیر ویسے تو امریکا میں مجھے ہر شخص مسلمان ہی لگا سوائے اس کے کہ وہ کلمہ گو نہیں ورنہ ان میں ہر وہ خوبی موجود ہے جو ایک مسلمان میں ہونی چاہیے۔ عروس نے اپنی زندگی اور ذات کو محور بنانے کے بجائے اپنے بچوں اور گھر کے لیے وقف کردی ہے اب تو خیر بڑھاپا تھا لیکن جوانی میں بھی کبھی اسے گھومنے پھرنے، میک اپ یا فیشن سے دلچسپی نہیں تھی جبکہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی لیکن ہر فن مولا، باوقار اور وضعدار اور وہی خوبیاں بیٹوں میں بھی منتقل ہوئی ہے۔ پھر دونوں میاں بیوی میں ایسی ذہنی مطابقت اور ہم آہنگی جو میں نے کم ہی میاں بیوی میں دیکھی ہے یعنی تو من شدی من تو شدم بہو بھی انگوٹھی میں نگینہ کی طرح فٹ۔ پوتا صفہان بھی وہ کہ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آتے ہیں۔ پیارا اور تمیز دار۔ پاکستان میں مشترکہ خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے لیکن بیس سال سے امریکا میں رہتے ہوئے بھی یہ لوگ تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ میں ہمیشہ کہتی ہوں میرا بیٹا فیصل اور بہو فرح دل کے بڑے اور ہاتھ کے کھلے ہیں لیکن یہاں آکر پتا چلا کہ اس گھرانے کی چیریٹی تو کیا مسلم یا غیر مسلم اپنے ہوں یا غیر سب کے لیے کھلی ہے اور یہی ایک اچھے مسلمان کی پہچان ہے۔ ہوٹلنگ، گھومنا پھرنا اور شاپنگ سب ایک طرف۔ عروس کی فیملی کے ساتھ گزارے ہوئے دن ہم دونوں میاں بیوی کبھی نہیں بھول سکتے۔ شکریہ عروس تمہارا اور شکریہ انجم انصار آپ کا کہ آپ نے اتنی پیاری دوست سے ملوایا۔

تحریر: سلمٰی غزل

گھوڑے دوڑانا شروع کردیے۔

''میں بھی یہی سمجھا تھا...... مگر اس نے تو اپنے باپ کے بارے میں مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی۔''

''پھر کس لیے آیا تھا......؟'' وارث علی الجھا۔

''ارے بھئی پولیس سے protection مانگنے آیا تھا۔''

''میں سمجھا نہیں......'' وارث علی واقعی الجھا ہوا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ ''کیسی protection؟ سر جی کھل کر بات کریں آپ تو سسپنس بڑھا رہے ہیں۔''

''تم بولنے دو تو میں آگے بولوں ناں......'' ایس پی نے کچھ جتانے کے انداز میں کہا تھا۔

''اچھا جلدی سے بتائیں وہ کیوں آیا تھا اور کس سلسلے میں protection مانگ رہا تھا؟''

''یار اس کا...... بہنوئی threat دے رہا ہے، ان مظلوموں کو فون پر دھمکیاں مل رہی ہیں۔ کوئی فائل ان سے مانگی جارہی ہے جو اُن کے پاس ہے ہی نہیں۔''

''اوہ......!'' وارث علی کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ وارث علی کے غبارے سے جیسے ساری ہوا نکل گئی تھی جو کچھ کہنے آیا تھا...... جتنا کہہ دیا تھا بس کہہ دیا باقی تو سب کچھ بھول گیا۔

''آپ سے حفاظت کی درخواست کرنے آیا تھا؟'' اب وارث علی کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔ ''threat مل رہی ہے ان لوگوں کو...... فائل مانگی جارہی ہے اور وہ ان کے پاس نہیں ہے۔ جھوٹ بولتے ہیں وہ، ارے اتنی قیمتی زمین کی فائل ان کے قبضے میں ہے، وہ کوئی بتاشوں کی طرح بانٹ دیں گے۔ باپ نے اچھی طرح پکا کردیا ہوگا۔''

''کیسی باتیں کررہے ہو یار......'' ایس پی نے وارث علی کی بات کاٹ کر کہا۔ ''اپنے باپ سے کوئی ملاقات نہیں کی اس نے...مجھ سے اپنے باپ کے موضوع پر کوئی بات نہیں کی...... یوں لگ رہا تھا جیسے باپ سے اسے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے...... میں نے تو اپنی طرف سے بات کی تو اس نے تب بھی کوئی دلچسپی نہیں لی۔ بس اپنی بات کر کے چلا گیا......'' ایس پی نے حیرت انگیز بے نیازی کے ساتھ کندھے اچکاتے ہوئے وارث علی کو بتایا تھا۔

''کیا خیال ہے پھر تمہارے خلاف ایف آئی آر کٹوا دوں؟ کیوں تنگ کررہے ہو بے چارے معصوموں کو......'' اتنا کہہ کر ایس پی نے ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

''سر جی...... آپ ایک مرتبہ پھر اسے اپنے پاس بلائیں، کوئی لالچ دے کر...... کوئی آسرا دے کر...... بس اس سے یہ پتا کریں کہ وہ گھر میں تالا ڈال کر کدھر جا کر بیٹھ گئے ہیں۔'' وارث علی کی سوئی اپنی جگہ اٹکی ہوئی

تھی کیونکہ گھر میں پڑا ہوا تالا ایک طرح سے اس کا منہ چڑا رہا تھا...... یوں لگ رہا تھا جیسے کسی بہت ذہین، عقلمند انسان کو کوئی معمولی سا انسان بے وقوف بنا کر چلا گیا ہو...... یہ تو بہت بڑی ہزیمت تھی...... بہت بڑی شکست بہت بڑی ذلت کہ جابر علی پولیس افسر ہوتے ہوئے تو کچھ نہ کر سکا اور اس کا بیٹا جُل دے کر نکل گیا۔

''دماغ خراب ہے تمہارا اگر وہ روپوش ہوتے تو لڑکا مجھ سے ملنے کیوں آتا...... وہ تو بڑے دھڑلے سے شہر میں گھومتا پھر رہا ہے۔ تمہیں ویسے ہی شک پڑ رہا ہے...... ماں شاید باہر کہیں سودا سلف لینے گئی ہوگی تم سمجھے کہ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ میرا خیال ہے تم دوبارہ جاؤ گے تو گھر میں تالا نہیں ہوگا...... کیوں خود کو پریشان کر رہے ہو بابا...... یہ بچے...... بتاؤ زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتے ہیں...... ہمیں بے وقوف بنائیں گے...... ہمیں...... ہم جو دنیا کو بے وقوف بنا کر مال بناتے ہیں۔'' ایس پی کی بات کچھ کچھ وارث علی کی سمجھ میں آئی۔

''آپ کی بات دل کو لگتی ہے سر جی...... دراصل رات کو اس لڑکے سے بات ہوئی تھی...... شاید اسی وجہ سے وہ اپنی ماں بہن کو اس گھر سے نکال کر لے گیا اور گھر میں تالا ڈال دیا...... ہوسکتا ہے کہ واقعی وہ اِدھر اُدھر نکلے ہوئے ہوں...... میں رات کو جا کر دوبارہ دیکھتا ہوں پھر آپ کو بتاتا ہوں۔''

''چلو شکر ہے تمہیں میری بات سمجھ آئی ویسے یار اس بچے پر بڑا ترس آتا ہے۔ مجھ سے protection کی درخواست کرنے آیا تھا...... اگر تم کہو تو...... CM کی سیکیورٹی اس کے گھر پر لگوا دیں......؟'' ایس پی نے تمسخرانہ انداز میں وارث علی کی طرف دیکھا اور ایک زبردست قہقہہ لگایا...... وارث علی کا قہقہہ بھی اس کے قہقہے سے ہم آہنگ ہوگیا تھا...... دونوں جی بھر کر برہان کا استہزا کر رہے تھے۔

☆☆☆

''یار اٹھو ناں...... چلو ناں سر کی امی سے باتیں کرتے ہیں روما......''

''میرا دل نہیں چاہ رہا تم چلی جاؤ......''

''کیا بوریت ہے بھئی، کیوں دل نہیں چاہ رہا تمہارا یہاں بیٹھ کر کیا کرو گی؟''

''کچھ بھی کرلوں گی...... کل کے ٹیسٹ کی تیاری کرلوں گی...... اب میں سر کی امی سے کیا باتیں کروں گی؟''

''بھئی...... جب ہم ان کے سامنے بیٹھیں گے تو باتیں بھی شروع ہوجائیں گی خود بخود جیسے کہ ہوتا ہے۔''

''مجھ سے نہیں ہوتیں خود بخود باتیں......'' روما نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

''اچھا چلو، باتیں میں کرلوں گی تم بیٹھ کر سنتی رہنا۔'' کائناز نے روما کا بازو پکڑ کر اپنی طرف سے پورا زور ڈالا۔

''مجھے سمجھ نہیں آرہی ہمارا سر کی امی یا ان کی سسٹر سے کیا تعلق......؟ ہمارا تعلق سر سے ہے جو ہمیں ٹیوشن پڑھاتے ہیں...... ہم فضول میں جا کر اُن سے دوستیاں بگھارنا شروع کردیں۔'' روما بیزاری اور بددلی سے کہہ رہی تھی۔

''بھئی کنسرن ہے ناں تو وہ اچانک سے ہمارے گھر کیوں آگئے جبکہ ہم لوگوں کی ان سے کوئی پرانی واقفیت یا دوستی بھی نہیں...... پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔''

''بس...... تمہیں تو 007 بننے کا شوق ہے۔ کیوں بھلا...... کیوں گڑبڑ نظر آرہی ہے تمہیں...... بھئی ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ رینٹ پر رہتے ہوں اور مالک مکان نے اچانک انہیں گھر خالی کردینے کا کہہ دیا ہو...... اور کوئی فوراً انتظام نہ ہوسکا ہو تو وہ یہاں آگئے ہوں۔ میں نے تو سنا ہے...... سر کی امی کہہ رہی تھیں دو چار دن کی بات ہے پھر وہ چلے جائیں گے۔'' روما نے اسی طرح سابقہ انداز میں بڑی بیزاری سے جواب دیا تھا۔

''لیکن یار میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے، میں چاہتی ہوں میں ان سے پتا کروں یا پھر ان کی بیٹی نے ایسی کیا غلطی کی تھی کہ سر کے فادر نے اس کو شوٹ کردیا۔''

''افوہ...... کائناز تمہیں کیا ہوگیا ہے، ہمیں کیا لینا دینا...... ہوگئی ہوگی کوئی بات...... ہر وقت تو اس طرح کی باتیں سنتے رہتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ عجیب، عجیب...... ایسی خبریں جنہیں سن کر یقین ہی نہیں آتا کہ دنیا میں ایسا بھی کچھ ہوسکتا ہے مجھے تو اب کسی بات پر حیرت نہیں ہوتی، تمہیں ہو رہی ہے تو تم جا کر باتیں کرلو......''

یہ کہہ کر روما بیڈ پر اوندھی لیٹ گئی۔

''یار تم بالکل ہی ٹھس ہوگئی ہو...... پتا نہیں اب تو تمہارے بہت سارے مسئلے بھی حل ہوگئے ہیں کوئی تم پر پریشر بھی نہیں ڈالتا...... خالہ جانی بھی تمہارا اتنا خیال کرتی ہیں...... دادا جان بھی ہر طرح سے خیال کرتے ہیں...... تمہارا موڈ کیوں نہیں ٹھیک ہوتا...... روما......؟ یار کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتادو......!'' کائناز نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اسے گھورا۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے کائناز......'' روما نے سیدھے ہوتے ہوئے کائناز کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

''پتا نہیں کیوں کسی کام میں میرا دل نہیں لگتا عجیب بوریت سی ہوتی ہے...... دیکھو ناں یار تم تو سمجھ سکتی ہو میری ماں کی کیا حالت ہے، ان کی حالت دیکھ کر میں نارمل رہ سکتی ہوں......؟ خوش ہوسکتی ہوں یا میری ماں سے زیادہ کوئی میرے لیے اہم ہوسکتا ہے؟''

''اوہ......'' کائناز کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''سوری روما میں بھول جاتی ہوں مگر ظاہر ہے تم تو نہیں بھول سکتی ناں...... آئی ایم رئیلی سوری...... ظاہر سی بات ہے آنٹی کی جو حالت ہے اس کی وجہ سے تم ضرور پریشان رہتی ہوگی۔''

''اور نہیں تو کیا...... تم کیا سمجھتی ہو کہ اماں جان مجھے ڈانٹتی ڈپٹتی نہیں ہیں...... مجھے روکتی نہیں ہیں تو میں کوئی خوشی محسوس کرتی ہوں...... کون ہے جو اپنی ماں کو بری حالت میں دیکھ کر خوش ہوسکتا ہے۔ وہ جیسی بھی ہیں، میری ماں ہیں۔'' آخری جملہ بولتے ہوئے روما کی آنکھیں بھر آئیں...... کائناز کے چہرے سے لگتا تھا کہ روما کی باتوں نے اسے شرمندہ کردیا ہے اور یہ کہ وہ روما کو پریشرائز کرکے زیادتی کرتی ہے۔

''اچھا...... اچھا...... ڈونٹ وری...... میں آنٹی سے مل کر آتی ہوں...... ٹھیک ہے اور پلیز دیکھو میری کسی بات کا کوئی خیال نہ کرنا...... پتا نہیں عادت ہے مجھے تو فضول میں بولنے لگ جاتی ہوں...... ٹھیک ہے۔'' کائناز یہ کہتے ہوئے بیڈ روم سے باہر چلی گئی۔ روما اس کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کائناز کا خلوص اور اس کی معصومیت اور اس کی معذرت نے بہرحال اس کا موڈ تو بحال کردیا تھا۔

☆☆☆

''بیٹا آپ کے حالات کا کچھ، کچھ اندازہ تو مجھے اسی وقت ہوگیا تھا جب آپ اپنا موبائل یہاں بھول کر چلے گئے تھے اور اس موبائل پر آپ کی والدہ سے کائناز نے بات کی تھی۔'' شاہ عالم اپنے معمول کے مطابق رات کا کھانا کھا کر لان میں ٹہل رہے تھے برہان کو انہوں نے وہیں بلا لیا تھا جو شام ڈھلے گھر آنے کے بعد سے انہیں دکھائی نہیں دیا تھا چونکہ اب ماں کو سمجھانے اور سنبھالنے میں بھی اسے اپنا کردار ادا کرنا تھا۔

''میں حالات سے ڈرنے والا گھبرانے والا نہیں ہوں شاہ صاحب! مجھے اپنی بہن کی وجہ سے بہت احتیاط کرنی پڑ رہی ہے دیکھیں ناں یہ بڑا sensitive matter ہے، کوئی رسک نہیں لیا جاسکتا ایسے

معاملات میں رسک لینا بڑی حماقت ہوتی ہے۔ ابا جان گھر میں تھے تو مجھے کوئی ٹینشن نہیں تھی مگر اب ساری ذمے داریاں مجھے اٹھانی ہیں۔'' برہان پشت پر ہاتھ باندھے، سر جھکائے شاہ عالم کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بہت آہستہ آواز میں بات کر رہا تھا۔

''میں نے آج تک کسی کے ذاتی معاملات میں کھوج نہیں کی جب تک کسی نے خود نہیں بتایا میں نے سوال نہیں کیا لیکن پتا نہیں کیوں بار بار ایک سوال میری زبان پر آتا ہے اور رک جاتا ہے شرم سی آتی ہے پوچھتے ہوئے۔'' شاہ عالم، برہان کی طرف دیکھے بغیر بڑے شرمسار سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ''کہنا بھی اس لیے پڑا ہے کہ وہ سوال بے چین بہت کر رہا تھا۔'' وہ لاشعوری طور پر چاہ رہے تھے کہ یہ بات سن کر برہان اصرار کرے ان سے پوچھے کہ وہ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا سوال کرنا چاہتے ہیں؟ اور یہی ہوا برہان، شاہ عالم کی بات سن کر چونک پڑا تھا اس نے بڑی بے تابی سے کہا تھا۔

''شاہ صاحب...... آپ، آپ مجھ سے جو مرضی چاہے پوچھ سکتے ہیں۔ اتنا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں، آپ تو ہمارے محسن ہیں، آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ ہم سے جو مرضی سوال کریں اور ہم آپ کے ہر سوال کا جواب دیں۔''

''بیٹا کیوں شرمندہ کرتے ہیں بس اللہ نے اتنی ہمت اور توفیق دی کہ آپ کی کوئی چھوٹی موٹی خدمت کر سکوں۔''

''شاہ صاحب آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟''

''بیٹا بس یہی کہ آپ کی بہن شادی شدہ تھیں، اپنے شوہر کے گھر میں تھیں تو آپ کے والد صاحب کو اس سے ایسی کیا شکایت ہوگئی؟ دیکھیں وہ دنیا سے جا چکی ہے اور اللہ ستار العیوب ہے وہ سب کے پردے رکھتا ہے مگر آپ سے ملنے کے بعد آپ سے باتیں کرنے کے بعد یہی سوچ آتی ہے کہ آپ کی بہن بھی آپ ہی کی طرح بہت اچھی بچی ہوگی...... ظاہر ہے سب بچوں کی تربیت ایک ہی ماں نے کی ہے...... ایسا کیا، کیا تھا اس بچی نے کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھی؟'' برہان یہ سوال سن کر چونک کر شاہ صاحب کی شکل دیکھنے لگا اس کی آنکھوں سے لگتا تھا جیسے وہ ماحول سے کٹ گیا ہے اور اس کا ذہن کہیں دور پہنچا ہوا ہے...... شاہ صاحب کو اندازہ تھا کہ وہ ان کی طرف دیکھ رہا ہے اس لیے انہوں نے برہان سے نظر ملانے سے گریز کیا اور اپنے سوال کے جواب کا بڑے صبر سے انتظار کرنے لگے۔ دونوں پہلو بہ پہلو آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ برہان کو جیسے خود ہی احساس ہوا کہ وہ شاہ صاحب کی طرف دیکھے جا رہا ہے اور اس نے ابھی تک شاہ صاحب کے سوال کا جواب بھی نہیں دیا ہے۔ جلدی سے خود کو سنبھالا ایک اداس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ چند لمحے اس کا سر جھکا رہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔

''شاہ صاحب آپ کا اندازہ ٹھیک ہے میری بہن واقعی بہت اچھی تھی بس تھوڑی سی جذباتی تھی لیکن اس کی پارسائی میں اور اس کی معصومیت پر کسی کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں سگے بھائی کی حیثیت سے گواہی دے رہا ہوں کہ میری بہن بہت معصوم تھی لیکن ابا جان نے کیوں اس کی جان لی، یہ میں آپ کو پھر کبھی بتاؤں گا کیونکہ آپ کے سوال کا جواب بہت طویل ہو جائے گا اور اس جواب سے پہلے بہت کچھ آپ کے گوش گزار کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے بیٹا ٹھیک ہے۔'' شاہ صاحب فوراً بولے۔ ''میں نے ویسے ہی پوچھ لیا تھا خدانخواستہ آپ کی دل آزاری ہوئی ہو تو بہت معذرت چاہوں گا۔'' شاہ صاحب بہت اپنائیت بھرے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''نہیں، نہیں شاہ صاحب ایسی کوئی بات نہیں آپ تو اتنی اچھی طرح بات کر رہے ہیں کہ دل آزاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ابھی تو لوگ پتا نہیں کس، کس طرح ہماری دل آزاریاں کریں گے اور ان کو احساس بھی نہیں ہوگا۔'' برہان کے لہجے میں دکھ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو رہے تھے اور وہ ریزے اڑتے ہوئے شاہ صاحب کی سماع خراشی کر رہے تھے۔

''چلیں بیٹا اندر چلتے ہیں آپ ایسا کریں کہ پہلے کھانا کھالیں آپ کی والدہ اور بہن کو تو کائناز نے کھانا کھلا دیا تھا، آپ کا کافی انتظار کیا مگر پھر سوچا کہ وہ بے چاریاں کب تک بھوکی رہیں گی پھر ان میں مروت اور تکلف بھی بہت ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ انہوں نے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا آپ، آپ ان سے پوچھ لیجیے گا۔''

شاہ صاحب کو دیکھ کر ان کی باتیں سن کر برہان کو یقین ہو چلا تھا کہ ابھی اللہ کے ان بندوں کی وجہ سے کائنات کا توازن باقی ہے۔ وہ سر جھکا کر ان کے ساتھ اندر کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆

رابی نے اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی سے شاہ صاحب کے ساتھ برہان کو گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا پھر چند لمحے برہان کی طرف دیکھتی رہ گئی اور لاشعوری طور پر اپنے چہرے کے داغوں پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

''کھڑکیاں کھلتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آئے اور ساتھ تم بھی...... یہ کتنا خوب صورت اتفاق ہے کہ اس پریشر ککر سے باہر آتے ہی ہر طرف آزادی اور خوشی کے گیت گونجنے لگے پر تمہیں نہیں خوشی کیسی......؟'' سوچتے سوچتے رابی ایک دم ہڑبڑا گئی۔ ''اس داغدار چہرے کے ساتھ کہاں سے خوشی ملے گی؟ کیسے خوشی ملے گی؟ اور پھر وہ جو خود اتنا اچھا ہے اسے کیا کوئی اچھا چہرہ نہیں ملے گا؟ وہ بھلا میری طرف کیوں دیکھنے لگا...... جانے وہ اس گھر میں کتنے دن کے لیے مہمان بن کر آیا ہے، میں تمہارے لیے اپنا چہرہ پہلے جیسا بناؤں گی مجھے ہر قیمت پر اپنا وہ چہرہ چاہیے...... اس لیے کہ... مجھے وہ چہرہ ملے گا تو تم میری طرف دیکھو گے ناں...... اور جب مجھ پر ایک نظر ڈالو گے تو میں تمہیں اسی پل سمجھا دوں گی کہ تم یہیں رک جاؤ، مجھ سے گزر کر آگے مت جانا۔'' یہاں تک سوچ کر رابی نے ایک گہری سانس لی تھی۔ آنکھوں میں خواب چمک رہے تھے۔ دل برہان کا دیدار کرنے کے لیے مچل رہا تھا لیکن اس کے اور برہان کے درمیان ابھی ناقابلِ عبور گہری کھائیاں تھیں...... اپنا یہ چہرہ لے کر تو وہ برہان کے سامنے جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اب اسے... ایک طرح کی بے چینی لاحق ہوگئی کہ وہ کیسے جادو کے زور سے آن کی آن میں اپنا پہلے والا چہرہ حاصل کرلے...... صرف برہان کے لیے...... ایک نظر برہان پر پڑی تو احساس ہوا کہ اسے تو ابھی بہت کچھ چاہیے اس کی زندگی میں تو بہت بڑی کمی ہے، وہ ایک ادھوری ذات ہے۔ اس ذات کی تکمیل کے لیے اسے کوئی برہان جیسا چاہیے۔ جب سے برہان اس گھر میں آیا تھا رابی کی سوچ برہان سے شروع ہوتی تھی اور اسی پر ختم ہوتی تھی۔ برہان کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا تھا کہ کوئی دروازوں کی اوٹ سے جھروکوں سے صرف اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اس کا انتظار کرتا ہے۔

☆☆☆

''بیٹا یہ آپ کیا کہہ رہی ہو...... اکیلی بچی کو سمندر پار بھیج دیں...... نہ بابا نہ...... اتنا حوصلہ نہیں ہے ہم میں۔'' گل جان نے رابی کی بات سنتے ہی کانوں کو ہاتھ لگا کر جواب دیا تھا۔ رابی ناگوار تاثرات کے ساتھ چند

لمحے تو کارپٹ کی طرف گھورتی رہی پھر نظریں اٹھا کر گل جان کی طرف دیکھا۔

''خالہ جانی...... آپ کو پتا ہے ناں میں نے ایک دفعہ گھر چھوڑ دیا تھا اور جولڑکی ایک بار اتنا حوصلہ کر لے وہ سمندر پار تو کیا...... دوسرے سیاروں میں بھی آرام سے جاسکتی ہے بشرطیکہ اسے وہاں جانے کا راستہ مل جائے...... میرے اندر حوصلے کی کمی نہیں ہے۔ آپ اپنے حوصلے سے میرا حوصلہ نہ ناپیں......'' رابی نے انتہائی بدلحاظی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''بیٹا میں نے یہ سنا ہے کہ اس ملک میں بھی سب کچھ ہو جاتا ہے۔ پیسے ہونے چاہئیں...... ایک سے ایک سرجن یہاں پڑا ہوا ہے...... آخر وہ بھی تو اس لیے یہاں کام کرتے ہیں کہ انہیں یہاں کام ملتا ہے ورنہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔'' گل جان نے اپنی دانست میں بڑی مضبوط دلیل دی تھی۔

''خالہ جانی مجھے یہاں نہیں کرانا...... بس مجھے تو باہر جانا ہے اور پہلے سے زیادہ خوب صورت نظر آنا ہے۔'' رابی کسی خیال میں کھو کر اب بڑے ہلکے پھلکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بیٹا اللہ نے جو شکل بنائی وہ بھی لاکھوں میں ایک ہے، تم نے کون سا مقابلۂ حسن میں حصہ لینا ہے۔'' گل جان کی گہری نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بے معنی سا مسکرائی۔

''کہاناں خالہ جانی مجھے باہر جانا ہے، چاہے کچھ ہو جائے اور آپ بیٹھی ڈرتی رہیے، مجھے کسی بات سے ڈر نہیں لگتا...... چلیں آپ مجھے بتا دیجیے آپ نے ساری...... زندگی ڈر، ڈر کر گزاری آپ کو ملا کیا ہے؟ دو لڑکیوں کا بوجھ اور ایک پاگل بہن......'' رابی یہ کہہ کر تلخی سے ہنس پڑی تھی...... اس کی ہنسی میں ایک محسوس ہونے والا نوحہ تھا جو گل جان اچھی طرح محسوس کر سکتی تھی۔

''بیٹا لندن، امریکا میں بہت آزاد ماحول ہے اور......''

''اور...... وور کچھ نہیں خالہ جانی میں نے کہاناں میں نے کچھ نہیں سننا...... لندن، یورپ میں ماحول آزاد ہے، مجھے بھی آزاد ماحول چاہیے بہت گھٹ، گھٹ کر جی لیے اب تو پر لگا کر ہواؤں میں اڑنے کا جی چاہتا ہے، ہمیں تو پتا ہی نہیں کہ کھل کر سانس کیسے لیتے ہیں، ہماری تو سانسوں تک پر پہرہ تھا اب میں آپ کی کوئی بات نہیں مانوں گی اور آپ بھی مجھ سے یہ سوچ کر بات کیا کیجیے کہ ماننے والی بات ہوگی تو مانوں گی ورنہ میں اب کسی کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔'' رابی کے لہجے میں ہٹ دھرمی تھی...... گل جان تو یوں ہی گھر سے اٹھ کر چلی آئی تھی۔ مہر جان خواب آور دوا کے زیر اثر سوئی ہوئی تھیں اور خالی گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ وہ اس گھر کی وحشت زدہ تنہائی سے اکتا کر رابی کے پاس چلی آئی تھی پھر یہاں آکر پتا چلا کہ رابی تو خود اس کے پاس آنے کے لیے بالکل تیار بیٹھی تھی اور وہ اس کے پاس کیوں آنا چاہتی تھی وہ بھی آتے ہی پتا چل گیا...... رابی نے تو بغیر کسی تمہید کے اپنی بات کہنا شروع کر دی تھی اس کی بات سن کر گل جان پریشان ہی نہیں ہوئی بلکہ حواس باختہ سی ہوگئی اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگی...... لیکن...... حاصل کچھ بھی نہیں ہوا۔

اب بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اس لڑکی کو اپنی سی کرنے میں میری بہن ناکام رہی تو پھر میری تو حیثیت ہی کیا ہے؟ میرے کہنے سے تو یہ نہیں رکے گی...... گل جان نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں رابی کی طرف دیکھا...... جو بڑے بے فکر انداز میں گل جان کی طرف دیکھتے ہوئے جانے کیا سوچ رہی تھی...... لیکن جو کچھ بھی سوچ رہی تھی کچھ اچھا ہی تھا...... کیونکہ اس کی آنکھیں دل کا مضمون کھول، کھول کر بیان کر رہی تھیں اور جو کچھ سنا رہی تھیں... گل جان کے لیے نامانوس نہیں تھا۔ یہ عمر، یہ وقت اس پر آیا تھا...... اور ساری زندگی بس اسی عہد پر آکر رک گئی

تھی...... اس کے بعد تو گویا اس نے آگے سفر ہی نہیں کیا...... بائیس سال پہلے جس جگہ کھڑی تھی اس جگہ سے ایک انچ قدم آگے نہیں بڑھایا تھا...... بالوں میں چاندی اتر رہی تھی لیکن عمر ایک ہی جگہ رکی ہوئی تھی۔ اسے رابی کا انداز دیکھ کر عجیب سا خوف محسوس ہوا...... لاشعوری طور پر اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا...... یہاں تو ایسا کوئی بھی نہیں جو رابی کی آنکھوں میں خواب سجا دے مگر اس کی آنکھیں کچھ کہہ رہی ہیں اور جو کچھ کہہ رہی ہیں وہ بہت ڈرا دینے والا ہے...... یہ کیوں مسکرا رہی ہے......؟ یہ کیوں ضد کر رہی ہے......؟ یہ کیوں اتنی پُرسکون ہے؟ کمال ہو گیا تھا...... رابی کا سکون بھی کسی قیامت سے کم نہیں تھا کم از کم گل جان کے لیے۔

رابی محسوس کر رہی تھی کہ گل جان اب بالکل خاموش ہے اس کی خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ اس نے رابی کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔

''خالہ جانی آج میں دادا جان سے بات کروں گی، میرا پاسپورٹ وغیرہ وہ ہی بنوا دیں گے۔ آپ کو ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں...... دادا جان آپ لوگوں کی طرح نہیں ہیں...... پتا نہیں آپ لوگ تو کس جہان میں جی رہے ہیں، آج کل لڑکیاں...... ہائر اسٹڈیز کے لیے اکیلی جاتی ہیں۔ تین، تین، چار، چار سال اپنے ملک سے دور رہتی ہیں۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے بیٹا اصل میں آپ دونوں بہنوں کی تربیت ذرا مختلف ماحول میں ہوئی ہے۔''

''لیکن تعلیم تو ہم نے اکیڈمی میں حاصل کی ہے ناں...... جہاں ہر کلاس کے ہر مزاج کے اسٹوڈنٹس آتے ہیں، ہر اسٹوڈنٹ اپنا ماحول ساتھ لے کر آتا ہے اور جب ہم سے ملتا ہے تو ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کا ماحول کیا ہے...... کتنی قسم کے ماحول ہو سکتے ہیں سب پتا ہے، آپ بے خبر ہیں مگر میں بے خبر نہیں ہوں۔'' رابی نے اب دوٹوک اور فیصلہ کُن انداز میں بڑے اعتماد کے ساتھ بات مکمل کی تھی۔ اس انداز میں کہ گل جان اب فضول قسم کی مزید دلیل نہ دے۔

''ٹھیک ہے بیٹا میں شاہ صاحب سے بات کرتی ہوں۔''

''رہنے دیں...... خالہ جانی! دادا جان سے میں خود بات کرلوں گی...... بس...... آپ کو تو میرے باپ کی دولت میرے ہینڈ اوور کرنی ہے...... جس پر میری ماں نے برسوں سے قبضہ جمایا ہوا تھا۔ مجھے تقریباً بیس، پچیس لاکھ کی فوراً ضرورت ہے خالہ جانی آپ بس پیسوں کا انتظام کریں باقی کام میں خود کرلوں گی۔'' رابی بول رہی تھی اور گل جان اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''اتنا اعتماد، اتنی بے خوفی...... یہ تو نری بنائی اپنے باپ پر ہے مگر اللہ نہ کرے کہ بالکل اپنے باپ پر ہو۔''

☆☆☆

''شاہ صاحب آپ نے کیوں زحمت کی، مجھے فون کر دیتے میں خود حاضر ہو جاتا۔'' شاہ عالم کے قانونی مشیر بیرسٹر جمیل خان بہت مؤدبانہ انداز میں شاہ صاحب سے مخاطب تھے جو اُن کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے، مخصوص مسکراہٹ ان کے چہرے پر تھی مگر آنکھوں سے لگتا تھا کہ وہ خاصے الجھے ہوئے ہیں۔

''ارے نہیں، نہیں، خان صاحب بہت شکریہ آپ ہی میرے پاس آتے ہیں...... اصل میں گھر میں آج کل مہمان داری وغیرہ چل رہی ہے۔ آرام سے بیٹھ کر بات نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے سوچا کہ چلو...... آج بیرسٹر صاحب کو جا کر خود سلام کرتے ہیں۔'' شاہ صاحب اپنے مخصوص شگفتہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

''بہت عزت افزائی کی آپ نے شاہ صاحب بہت شکریہ ویسے خدانخواستہ کوئی پریشانی تو نہیں ہے ناں...... معاملات ٹھیک چل رہے ہیں۔'' بیرسٹر جمیل خان نے بہت خاکساری کے ساتھ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو ہلکا سا خم دیا۔

''ہاں...... ہاں الحمدللہ سب معاملات ٹھیک چل رہے ہیں۔ وہ میں آپ کے پاس ایک خاص کام سے حاضر ہوا ہوں اور جس کام کے بارے میں اس وقت آپ سے بات کرنے جارہا ہوں اس سے پہلے بھی آپ سے اس پر بات ہوچکی ہے۔'' شاہ عالم نے مافی الضمیر بیان کرنے سے پہلے مختصر تمہید باندھی۔

''جی...... جی شاہ صاحب میں سمجھ گیا...... آپ مجھ سے کیا کہنا چاہ رہے ہیں کیونکہ آپ نے میری مشکل ویسے ہی آسان کردی، یہ کہہ کرکے آپ پہلے بھی اس سلسلے میں مجھ سے بات کرچکے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ اپنی مصروفیات میں شاید بھول گئے۔'' شاہ عالم نے بیرسٹر جمیل خان کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا شاہ صاحب آپ کسی کام کا حکم دیں اور بندہ بھول جائے...... ایسا تو سوچیے گا بھی نہیں لیکن وہ جو آپ کی طرف سے کچھ خاص شرائط ہیں ان شرائط کے مطابق بات بن نہیں پارہی...... کافی لوگوں سے میں نے اس بارے میں ذکر کیا تھا......''

''مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب میرے پاس مہلت تھوڑی رہ گئی ہے۔ اصل میں بچی نے اپنے شوق کا اظہار کیا کہ وہ انجینئرنگ پڑھنا چاہتی ہے...... آپ کو پتا ہے ناں کہ اس بچی میں میری جان اٹکی ہوئی ہے۔ میں اس کی خواہش سن کر کئی دن الجھا رہا تھا...... سمجھ نہیں آتی تھی کہ اپنی بچی کو کیسے سمجھاؤں کہ بیٹا تمہارے آگے پیچھے تمہارے بوڑھے دادا کے سوا کوئی نہیں ہے، میری تو یہ خواہش ہے کہ تم میری زندگی میں ہی اپنے گھر کی ہوجاؤ۔''

''جی...... جی...... جی آپ بالکل ٹھیک سوچتے ہیں، شاہ صاحب لیکن اللہ سے ہمیشہ اچھی ہی امید رکھنی چاہیے اور دیکھیں موت...... عمر اور وقت دیکھ کر کبھی نہیں آتی...... یہ تو اللہ کا حکم ہے...... کسی بھی وقت اتر سکتا ہے...... لیکن آپ کی سوچ بالکل ٹھیک ہے آپ حقیقت پسندی سے کام لے رہے ہیں لیکن...... میں آپ کو صاف، صاف بتارہا ہوں قطعی بات گھما پھرا کر نہیں کررہا۔''

''مجھے صاف، صاف ہی سننا ہے خان صاحب...... صاف بات ہوجاتی ہے ناں تو بڑی بچت ہوتی ہے...... سب سے بڑھ کر ٹائم کی بہت بچت ہوتی ہے جو بہت قیمتی ہوتا ہے۔ بس...... میں پھر وہی بات دہراؤں گا کہ مجھے ایسا رشتہ چاہیے کہ ان لوگوں کو شادی کے بعد بچی کی پڑھائی جاری رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہو، پتا نہیں اس کے سر پر کیا خبط سوار ہوگیا ہے، لڑکیاں تو...... ڈاکٹر بننے کے خواب دیکھتی ہیں، بچپن ہی سے ڈاکٹر، ڈاکٹر کھیل رہی ہوتی ہیں، یہ عجیب بچی ہے اسے انجینئرنگ کا شوق ہے۔'' شاہ صاحب اپنی بات پر خود ہی ہنس دیے۔ بیرسٹر جمیل خان بھی مسکرانے لگے۔

''بس شاہ صاحب ہر بچے کی اپنی، اپنی صلاحیت ہوتی ہے اس حساب سے وہ اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کرتا ہے۔ شاہ صاحب رشتے تو بہت ہیں یقین کیجیے آپ کی پوتی کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے، بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو ذاتی طور پر آپ کو جانتے ہیں اور میرے بھی واقف کار ہیں، میں نے ان کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ لوگ آپ سے رشتے داری کرنے کے خواہش مند ہیں لیکن...... میں نے ان سے اس موضوع پر بات

آگے نہیں بڑھائی اس کی وجہ صرف آپ کی شرط ہے......'' بیرسٹر جمیل خان کہہ رہے تھے۔

''تو خان صاحب آپ بات آگے بڑھا کر تو دیکھتے ناں...... کیا پتا ان میں سے کوئی اس شرط کو قبول کرلیتا......''

''آپ کی بات ٹھیک ہے شاہ صاحب...... لیکن جس انداز میں ان لوگوں نے مجھ سے بات شروع کی اور اپنے خیالات کا...... اظہار کیا اسی سے میں نے اندازہ لگالیا تھا...... آپ جانتے ہوں گے ہاشمی صاحب کو اُن کا بیٹا شارجہ میں بزنس کرتا ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ بچہ جو وہاں اکیلا رہتا ہے اس کی شادی ایسی لڑکی سے ہو جو اس کی مکمل دیکھ بھال کرے اور آپ کو یہ بھی بتادوں کہ صاحبزادے کی والدہ جو اچھی خاصی بوڑھی ہیں...... کیونکہ یہ لڑکا بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہے...... وہ بھی اسی کے ساتھ رہتی ہیں...... اب یہ تو آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ اگر... کائناز کی شادی آپ وہاں کردیتے ہیں تو کائناز کے اوپر تو ایک مکمل گھر کا بوجھ آپڑے گا اور وہ اپنی پڑھائی جاری نہیں رکھ سکے گی...... گھر میں بیمار اور بوڑھی خاتون ہیں، لاکھ گھر میں نوکر چاکر میڈ وغیرہ موجود ہوتے ہیں...... لیکن جس پر گھر کی ذمّے داری ہوتی ہے بیتی تو اسی کو کرنا ہوتا ہے۔ بچی کم عمر ہے اور اُدھر ذمّے داریاں بہت ہیں۔'' خان صاحب نے بہت تفصیل سے جواب دے کر شاہ صاحب کی تسلی و تشفی کرنے کی کوشش کی۔

''ہوں......'' شاہ صاحب نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا...... ''اچھا یہ تو ہاشمی صاحب کے بیٹے کی بات ہوگئی۔ کسی اور رشتے کے بارے میں بتائیں، دیکھتے ہیں بچی کو سمجھاتے ہیں کیونکہ خان صاحب مجھے اب رات کو نیند نہیں آتی، دیکھیں میرے سارے رشتے دار یا تو ہندوستان میں ہیں یا یورپ میں...... پاکستان میں میرے دو تین رشتے دار ہیں مگر وہ بھی دور دراز کے شہروں میں رہتے ہیں۔ ایسے میں میری پریشانی تو بجا ہوئی ناں......''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں اس کے علاوہ شاہ صاحب میری مسز نے اپنی دوست سے بھی بات کی تھی...... ان کے صاحبزادے اس وقت ملک سے باہر پڑھنے کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ فی الحال ان کی کوئی مستقل جاب نہیں ہے لیکن بچہ بہت لائق اور قابل ہے...... مسز بتارہی تھیں کہ وہ واپس آئے گا تو باپ کا ہی بزنس سنبھالے گا لیکن......''

''لیکن کیا......؟''

''لیکن...... یہ شاہ صاحب کہ وہ بچہ اپنے گھر میں سب سے بڑا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ سب بچوں میں اس کا پہلا نمبر ہے اور اس کے بعد چار چھوٹی بہنیں ہیں...... اور سب کی سب پڑھ رہی ہیں۔ دو تو شاید کائناز ہی کی عمر کی ہوں گی...... میں سمجھتا ہوں کہ ابھی کائناز کی اتنی عمر نہیں ہے کہ وہ کسی گھر کی سربراہ بن کر اتنی ذمّے داریاں اٹھائے...... بڑے نازو نعم سے پلی ہوئی بچی ہے...... پھر بھی اگر آپ دلچسپی لیں تو بات میں آگے بڑھادوں؟'' بیرسٹر جمیل خان نے کھوجتی ہوئی نظروں سے شاہ صاحب کے پُرتفکر چہرے کی طرف دیکھا تھا جیسے اپنے طور پر اندازہ لگانے کی کوشش کررہے ہوں کہ ان کی بات کا شاہ صاحب پر کیا ردِعمل ظاہر ہورہا ہے۔

''سب کچھ سمجھتے ہیں آپ...... ٹھیک کہہ رہے ہیں خان صاحب اس بچی میں اتنی صلاحیت نہیں ہے...... یہ بھی بہت بڑی ذمّے داری ہوتی ہے...... اب ظاہر ہے جب تک اس بچے کی بہنیں اپنے، اپنے گھر نہیں چلی جاتیں اس کی بیوی کو تو یہ سارا بوجھ اٹھانا ہے ناں...... نہیں، نہیں یہ کائناز کے بس کی بات نہیں ہے...... آپ کوشش کیجیے کہ لڑکا اکلوتا ہو اور اس پر ماں، باپ کے علاوہ کوئی اور ذمّے داری نہیں ہو۔''

''جی، جی شاہ صاحب میں آپ کی بات اچھی طرح سمجھتا ہوں اور ابھی تک جو آپ سے بات نہیں کرپایا

یہی وجہ تھی ورنہ رشتے تو سامنے تھے، ڈسکس بھی ہوئے تھے مگر میں خود ہی مطمئن نہیں تھا اس لیے آپ سے بات ہی نہیں کی...... آج آپ خود چل کر تشریف لائے تو آپ کو یقین دلانے کے لیے یہ سب کچھ بتایا ہے کہ میں بھولا نہیں ہوں...... اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا ہوں۔''

''ارے نہیں، نہیں خان صاحب میں نے تو ویسے ہی کہہ دیا تھا۔ آپ یوں سمجھیں کہ گھر میں پڑے، پڑے بھی جی گھبرا جاتا ہے فرض کر لیجیے کہ میں ویسے ہی آپ سے ملنے چلا آیا......'' شاہ صاحب شگفتہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

''بہت اچھا کیا...... جب بھی آپ کا دل چاہے آجایا کیجیے...... بس آنے سے پہلے مجھے فون کر دیں تاکہ میں اس جگہ پر آکر بیٹھ جاؤں آپ کو ویل کم کہنے کے لیے کیونکہ کچھ پتا نہیں ہوتا بعض اوقات گھر پر بھی کلائنٹ سے میٹنگ ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ کورٹ سے دیر سے نکلتے ہیں...... میں نہیں چاہتا کہ آپ کو تکلیف ہو۔''

''جی...... جی آج تک تو آپ ہی ہمارے پاس آتے ہیں، میں تو غالباً دوسری یا تیسری مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔''

''آپ کا احسان ہے شاہ صاحب۔'' بیرسٹر جمیل خان نے پھر سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑی خاکساری سے کہا تھا۔

بیرسٹر جمیل خان گزشتہ بائیس سال سے شاہ عالم کے لیگل ایڈوائزر تھے۔ ان کی تمام جائداد کے معاملات اور بیرون ملک کاروبار میں لگے ہوئے سرمائے کی حفاظت اور دیکھ بھال انہی کی ذمے داریوں میں شامل تھی۔ ہر مہینے شاہ صاحب کی طرف سے ان کے اکاؤنٹ میں دو لاکھ روپے ٹرانسفر ہو جاتے تھے چاہے چھ، چھ مہینے تک قانونی مسائل نہ آئیں انہیں ہر مہینے فیس ملتی تھی، دو لاکھ روپے اچھی خاصی رقم ہوتی ہے وہ تو... شاہ صاحب کے دو سو سال جینے کی دعائیں کرتے تھے۔

''شاہ صاحب طبیعت کا بتائیں کیسا محسوس کرتے ہیں چیک اپ وغیرہ تو ریگولر کروا رہے ہیں ناں......؟'' معاً بیرسٹر جمیل خان کو ان کی صحت کی بابت پوچھنے کا خیال آیا۔

''مشینیں تو فی الحال تسلی دے رہی ہیں......'' شاہ عالم دھیرے سے ہنس پڑے۔ ''مگر اس دل پر زیادہ بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

''اللہ آپ کو صحت دے اور آپ کا سایہ ہم سب پر سلامت رکھے آپ جیسے لوگ تو ہم جیسے لوگوں کے لیے رول ماڈل ہوتے اس عمر میں تو لوگ بستر میں لیٹ کر اپنی خدمتیں کروا رہے ہوتے ہیں۔ آپ نے کتنی ہمت سے خود کو سنبھالا ہوا ہے...... اللہ آپ کو مزید ہمت دے۔''

''بس آپ کی دعائیں چاہئیں خان صاحب، آپ میرے لیگل ایڈوائزر بھی ہیں...... دوست بھی ہیں...... میری پوتی کے لیگل custodian بھی ہیں...... ویسے تو پالنے والی ذات، حفاظت کرنے والی ذات اللہ رب العالمین کی ہے لیکن کچھ ایسے زمینی حقائق ہیں جن سے نظریں چار کیے بغیر گزارہ نہیں...... میرے بعد میری پوتی کی تمام ذمے داریاں آپ پر ہیں خان صاحب۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں شاہ صاحب آپ...... ایسی باتیں نہ کیا کریں ڈر لگتا ہے مجھے ایسی باتوں سے...... اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپ کو صحت کے ساتھ لمبی عمر دے اور آپ اپنی پوتی کی خوشیاں دیکھیں اور اس کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کریں...... آمین۔''

شاہ صاحب سر جھکا کر مسکرانے لگے...... جمیل خان سے بات چیت کر کے وہ خود کو خاصا ہلکا محسوس کر رہے تھے۔

جاری ہے

امانت

رفعت سراج

قسط 19

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریک کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو نا قابلِ قبول ہوتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے تو گل جان کو پتا چلتا کہ وہ حال کو فراموش کرچکی ہیں۔ ستارہ، برہان کو فون کرکے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہو گئی ہے۔ گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہو جاتی ہے۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ جابر علی، ایس پی سے ولیمے کی بابت دریافت کرتا ہے تو وہ اسے جھوٹی تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے۔ رابی، برہان کو دیکھ کر سوچ میں پڑجاتی ہے کہ وہ کون ہے۔ روما، شاہ عالم کے گھر آجاتی ہے۔ جابر علی، ستارہ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہتا ہے تو وہ منع کر دیتی ہے۔ ستارہ منع کرتی ہے تو جابر علی ستارہ کو گولی مار دیتا ہے۔ برہان کو خبر ملتی ہے تو وہ فوراً اپنے گھر پہنچتا ہے۔ شاہ عالم اخبار میں کسی خبر میں برہان کا نام پڑھ کر چونکتے ہیں۔ برہان، شاہ عالم کا فون آنے پر انہیں بتاتا ہے کہ اس کی بہن کا مرڈر ہو گیا ہے وہ اب روما کو نہیں پڑھا سکے گا۔ مہر جان اپنے مرحوم باپ کو صدائیں دیتی ہیں وہ گل جان سے کہتی ہیں کہ بابا ان سے ملے بغیر کبھی نہیں گئے تو اب کیسے چلے گئے۔ ایس پی، وارث علی کو خبر دار کرتا ہے۔ رابی کو برہان کی بہن کے مرڈر کی خبر ہوتی ہے تو وہ سوچتی ہے کہ شاید اب وہ اسے نہیں دیکھ پائے۔ شاہ عالم، رابی کی ہمت بندھاتے ہیں شاہ عالم، برہان کے گھر جاتے ہیں اسے تسلی دیتے ہیں۔ شائستہ بیگم، فائزہ کو کہتی ہیں کہ اب وہ شبینہ سے دوستی ختم کرے...... شبینہ، برہان سے جابر علی کے بارے میں پوچھتی ہے تو برہان کہتا ہے کہ وہ اب ان سے نہیں ملے گا۔ رابی، کائناز اور روما کو برہان کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں بتاتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہیں۔ وارث علی، ایس پی شاہ زمان سے کہتا ہے کہ وہ جابر کے قبضے سے وہ فائل نکلوائے...... ستارہ کی تدفین ہو جاتی ہے۔ رابی شاہ عالم سے کہتی ہے کہ وہ کائناز بتادیں کہ اب برہان انہیں پڑھانے نہیں آئے گا تو شاہ عالم کہتے ہیں کہ وہ برہان کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ روما، کائناز کے ساتھ اپنے گھر جاتی ہے تو مہر جان اسے نہیں پہچانتیں، ایس پی جابر علی سے بات کرتا ہے کہ وہ فائل اسے دے دے۔ وارث علی، برہان سے فائل کی بات کرتا ہے کہ اگر وہ فائل اسے نہ ملی تو ان کے لیے اچھا نہیں ہوگا...... برہان فائل کے بارے میں شبینہ سے پوچھتا ہے تو وہ بھی پریشان ہو جاتی ہے، احمر شائستہ بیگم کی اس بات سے بہت ڈپریسڈ ہوتا ہے کہ فائزہ، شبینہ سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اصیل خان، گل جان سے کہتا ہے کہ اب روما اور رابی کو گھر واپس آجانا چاہیے۔ میر داد، جابر علی سے کہتا ہے کہ وہ کیس کو الجھادے لیکن جابر علی اس کی بات کی نفی کرتا ہے گل جان، اصیل خان سے کہتی ہے کہ وہ بچیوں کو اصل حقیقت کا بتا دے گی۔ کائناز اپنے والدین کی تصویریں روما اور رابی کو دکھاتی ہے تو روما جذباتی ہو جاتی ہے۔ گل جان دیکھتی ہے کہ مہر جان ماضی کی یادوں میں گم ہیں۔ وارث علی گھر آتا ہے اور صابرہ سے کہتا ہے کہ وہ رشتے داری کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ صابرہ اسے کہتی ہے کہ وہ برہان کے آنے پر آکے بات کرے۔ برہان غصہ کرتا ہے کہ صابرہ نے اسے گھر میں کیوں بلالیا۔ وارث علی ایس پی سے کہتا ہے کہ وہ جابر علی کی بیٹی کو اٹھالے گا۔ روما، اصیل خان سے کہتی ہے وہ اس کے باپ کے بارے میں بتائے، اصیل خان اسے صرف اتنا بتاتا ہے کہ اس نے روما کے باپ کو دیکھا ہے۔ شبینہ، صابرہ کو نیند کی دوا دیتی ہے، وہ وارث علی کا فون سنتی ہے تو وارث علی، برہان کو دھمکی دیتا ہے تو برہان، شبینہ کو شاہ عالم کے گھر لے جاتا ہے۔ وہ گارڈ سے کہہ کر کائناز کو بلاتا ہے اسے بتاتا ہے کہ شبینہ اس کی بہن ہے وہ اسے یہاں رکھے صبح وہ شاہ عالم سے بات کرلے گا۔ فائزہ، احمر سے کہتی ہے کہ وہ شائستہ بیگم کو سمجھائے کہ وہ شبینہ سے دوستی ختم نہیں کرسکتی۔ کائناز اور روما، شبینہ کے آنے پر بہت حیران ہوتی ہیں۔ شاہ عالم کو صبح کائناز، برہان کی بہن کے آنے کا بتاتی ہے۔ برہان، صابرہ کو بھی شاہ عالم کے گھر لے آتا ہے۔ برہان، شاہ عالم سے کہتا ہے کہ وہ ایکسی کرائے پر لے کر تو نہیں رہ سکتا لیکن وہ اس مد میں کچھ پیسے ضرور دے گا...... میر داد حیران ہوتا ہے کہ جابر کے گھر سے اب تک کوئی اس سے ملنے نہیں آیا...... برہان، شاہ عالم کے پاس وارث علی کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے جاتا ہے۔ وارث علی آکر شاہ زمان کو بتاتا ہے کہ وہ لوگ گھر چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں۔ رابی اب فوراً سے پیشتر اپنا پہلے والا چہرہ حاصل کرنا چاہتی ہے لیکن گل جان اسے اکیلے بھیجنے پر متامل ہوتی ہے۔ بیرسٹر جمیل، شاہ عالم کو کہتے ہیں کہ وہ کائناز کے لیے ان کی پسند کے مطابق رشتہ تلاش کررہے ہیں۔

اب آگے پڑھیں

”آپ دونوں تو جڑواں بہنیں لگتی ہیں۔ یہ تو شبینہ نے مجھے بتایا کہ روما تو آپ کی دوست ہے...... بیٹا آپ کہاں رہتی ہیں! میرا مطلب ہے کہ آپ آج کل یہاں اپنی دوست کے گھر رہنے آئی ہوئی ہیں؟“ صابرہ نے بڑے شوق اور دلچسپی سے پوچھا تھا۔ روما ایک دم گھبرا کر کائناز کی طرف دیکھنے لگی۔

”ارے...... نہیں آنٹی یہ رہنے نہیں آئی ہوئی ہے بس...... ہم نے تو زبردستی اپنے گھر میں رکھ لیا ہے، یہ تو ہمارے پڑوس میں رہتی ہے۔“ کائناز اپنے مخصوص برجستہ اور لاابالی انداز میں گویا ہوئی تھی۔ صابرہ حیرت سے کائناز کی طرف دیکھنے لگی۔

”پڑوس میں رہتی ہے......؟ لیکن میں تو جب سے آئی ہوں اس بچی کو آپ کے ساتھ ہی دیکھ رہی ہوں۔“

”جی...... آنٹی یہ آج کل ہمارے ساتھ ہی رہتی ہے اس کی جو بڑی بہن ہیں ناں وہ بھی ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔“ کائناز نے اسی لاابالی انداز میں جواب دیا۔

شبینہ جو دُھلے ہوئے کپڑے لے کر اندر آرہی تھی...... صابرہ کی سوالیہ نظریں اس پر ٹک گئیں جیسے وہ سوال نہ کر پارہی ہو...... لیکن امید ہو کہ شبینہ کوئی ایسی بات بولے کہ اسے اپنے سوال کا جواب خود ہی مل جائے...... لیکن شبینہ اسی طرح اندر آکر کپڑے ایک طرف رکھ کر ماں کے برابر آکر بیٹھ گئی تھی۔

”ماشاء اللہ بہت پیاری بچیاں ہیں بلکہ آج کل کے زمانے کے حساب سے تو بہت سیدھی بچیاں ہیں۔“ صابرہ، شبینہ سے مخاطب ہوئی۔ وہ زبردستی کے سے انداز میں مسکرائی، وہ ذہنی طور پر بالکل غیر حاضر تھی اور شاید اسے ابھی تک روما اور کائناز میں کسی قسم کی دلچسپی بھی محسوس نہیں ہورہی تھی، اس کا ذہن حاضر بھی کیسے ہوسکتا تھا...... نئی، نئی افتاد تھی...... باپ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا...... اسے روما اور کائناز کی معصومیت، سادگی اور خوب صورتی سے چنداں دلچسپی نہیں تھی بلکہ اسے اپنے آس پاس ہونے والے کسی غیر متوقع حادثے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی جو کچھ اس پر بیت رہی تھی وہ شاید کسی پر نہیں بیتی تھی...... لیکن کائناز اپنی سادگی اور برجستگی کی وجہ سے صابرہ کی توجہ اپنی طرف کھینچنے میں کافی کامیاب ہوچکی تھی۔ اس کے مقابلے میں روما، چپ، چپ اور کم گو دکھائی دے رہی تھی۔

”آنٹی پتا ہے کیا...... روما کی اماں جان ہیں ناں بے چاری بہت بیمار ہیں...... تو یہ دونوں بہنیں بہت پریشان تھیں تو ہمارے دادا جان انہیں اپنے گھر لے آئے۔“ کائناز نے اپنی دانست میں افلاطون بن کر کوئی بات بنانے کی کوشش کی تھی۔

”اچھا، اچھا...... شاہ صاحب آج کے زمانے میں تو عجوبہ ہی ہیں، اتنی انسانیت آج کل کہاں دکھائی دیتی ہے۔ مومن آدمی ہیں پڑوس کا حق ادا کررہے ہیں اور وہ بھی آج کے زمانے میں...... اس زمانے میں تو وہ نفسا نفسی ہے بیٹا کہ پڑوس میں کوئی مر بھی جائے تو خبر نہیں ہوتی...... شاہ صاحب جیسا مالدار انسان لوگوں کا اتنا احساس کرتا ہے...... مجھے تو دیکھ کر تعجب ہورہا ہے، ہمارے لیے تو وہ ویسے ہی فرشتہ ثابت ہوئے ہیں، ورنہ پتا نہیں ہمارے ساتھ کیا ہوتا......“

”جی...... آنٹی میرے دادا جان بہت اچھے ہیں، سب کا خیال رکھتے ہیں، ہمارے گھر میں بہت پرانے نوکر تھے ناں جو اس دنیا میں نہیں رہے...... میرے دادا ان سب کی فیملیز کا بھی خیال رکھتے ہیں اور ان کا پورا خرچ ان کے گھر پہنچاتے ہیں اور وہ کبھی بھولتے بھی نہیں...... اور ہاں...... آنٹی دادا جان کو مت بتادیجیے گا کہ میں نے یہ سب آپ کو بتایا ہے، وہ پسند نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ کوئی اچھا کام کرو تو سب سے چھپاؤ...... اچھا

کام صرف اللہ کی خوشی کے لیے کرتے ہیں۔'' اب شبینہ بھی اس کی باتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگئی تھی۔

''ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ واقعی بہت بڑی بات ہے، شاہ صاحب واقعی بہت عظیم انسان ہیں، اللہ ان کی عمر میں، رزق میں برکت دے، آمین۔'' کائناز کی باتیں سن کر صابرہ کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا تھا...... شاہ صاحب کے لیے اپنے دل میں جو وہ عقیدت محسوس کر رہی تھی اس میں سوگنا اضافہ ہوگیا تھا۔

''آپ کی امی کو کیا بیماری ہے بیٹا......؟'' صابرہ نے اب چپ، چپ بیٹھی روما پر توجہ کی...... روما اس کا سوال سن کر ایک دم حواس باختہ سی نظر آنے لگی اور گھبرا کر کائناز کی طرف دیکھا۔

''وہ آنٹی، ان کے دماغ کو کچھ ہوگیا ہے کسی کو پہچانتی ہی نہیں اور وہ جو اس کی خالہ ہیں ناں وہ ان کا علاج بھی نہیں کروا رہیں، دادا جان تو بہت پریشر ڈال رہے ہیں، میرا خیال ہے کچھ دنوں میں دادا جان کی بات مان لیں گی وہ اور ان کا علاج کروائیں گی تو وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔'' کائناز نے اپنے سابقہ انداز اور اسی ٹون میں جواب دیا۔

''دماغ کو کچھ ہوگیا ہے، کیا مطلب......؟ کوئی صدمہ پہنچا ہوگا انہیں کیونکہ بعض اوقات صدمے کی وجہ سے بھی دماغ پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔'' صابرہ کو سن کر جیسے دلی دکھ ہوا تھا...... چند لمحے کے لیے وہ اپنے ذاتی دکھ سے دور ہوگئی تھی وہ روما کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہمدردی کا تاثر بہت گہرا تھا جیسے اسے کم عمر معصوم سی روما پر جی بھر کر ترس آ رہا ہو۔

''کوئی بات نہیں بیٹا دکھ، بیماری بھی انسان ہی کے ساتھ ہے اللہ نے چاہا تو آپ کی امی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔'' صابرہ کو روما کے چہرے پر پھیلی ہوئی یاسیت کی وجہ سمجھ آگئی اور جیسے وہ اس کی کم گوئی کا راز بھی پا گئی تھی۔ روما کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے جنہیں اس نے بڑی مہارت سے چھپانے کی کوشش کی تھی اور گردن موڑ کر دیوار کی طرف دیکھنے لگی۔

''اچھا آنٹی اب ہم چلتے ہیں۔ دادا جان بھی باہر گئے ہوئے ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ تھوڑی دیر میں واپس آجائیں۔ آپ نے لنچ کرلیا ناں......''

''ہاں...... ہاں کائناز! امی نے اور میں نے کھانا کھالیا تھا اگر تم لوگوں نے کھانا نہیں کھایا تو جا کر کھالو۔'' شبینہ دو چار ملاقاتوں میں ان سے بے تکلف ہوگئی تھی۔ ویسے بھی وہ عمر میں ان دونوں سے بڑی تھی اور اب تک دونوں سے اپنے بڑے پن کے ساتھ ہی باتیں کر رہی تھی۔

''اچھا آنٹی آپ ریسٹ کیجیے ہم بعد میں باتیں کریں گے۔ ٹھیک ہے ناں...... اور ہاں...... سر نظر نہیں آرہے، کیا کہیں گئے ہوئے ہیں......؟'' کائناز جاتے، جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

''ہاں بیٹی اپنے ہی کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے وہ۔''

''لیکن وہ تو یونیورسٹی جاتے ہیں ناں......؟'' کائناز کو جیسے ایک دم یاد آگیا۔

''ہاں...... مگر آج وہ یونیورسٹی نہیں گیا کہہ رہا تھا کہ کسی ضروری کام سے جا رہا ہوں۔'' برہان کا خیال آتے ہی صابرہ کے چہرے پر تفکرات کا جال بچھ گیا...... روما، کائناز سے پہلے کمرے سے نکل گئی تھی۔ کائناز نے نکلتے، نکلتے پھر بچوں کے سے انداز میں شبینہ کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا جیسے کہیں دور جا رہی ہو اور خدا حافظ کہہ رہی ہو۔ دونوں کے جاتے ہی صابرہ نے شبینہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

''کتنی معصوم بچیاں ہیں...... لگتا ہے انہیں تو زمانے کی ہوا ہی نہیں لگی۔''

ماں کی بات سن کر شبینہ خاموش رہی...... شاید اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا...... یا یہ کہ اس کی خاموشی کا مطلب تھا کہ اسے اپنی ماں کی بات سے اتفاق ہے۔

☆☆☆

''باہر جانے کا کہہ رہی ہے۔'' گل جان، اصیل خان کے کوارٹر کے باہر کھڑی ہوئی اصیل خان سے بات کر رہی تھی بلکہ اپنے حساب سے اسے مطلع کر رہی تھی۔ اصیل خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ وہ ارادے سے گل جان کی طرف دیکھے لیکن خبر ہی ایسی تھی کہ اس نے گل جان کے چہرے سے کچھ اور بھی اخذ کرنا چاہا تھا...... وہ کچھ جو اس کے اندازے کے مطابق شاید گل جان کے منہ سے نہ نکلتا لیکن اس کا چہرہ چغلی کھا سکتا تھا...... کیونکہ چہرے چغلی کھانے میں دیر نہیں لگاتے۔

''میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا...... باہر؟...... باہر سے کیا مطلب......؟'' اصیل خان الجھنے لگا۔

''باہر کا مطلب، ملک سے باہر، پلاسٹک سرجری کے لیے جانا چاہتی ہے، کہہ رہی تھی کہ بیس سے پچیس لاکھ تک خرچہ آئے گا۔''

''نہیں، میرا خیال ہے اتنا خرچہ نہیں آئے گا۔'' اصیل خان کے منہ سے نکل گیا۔

''تو پھر ویسے ہی اپنے اندازے سے کہہ رہی ہوگی...... لیکن میں اسے اتنی دور کیسے جانے دوں......'' گل جان متفکر انداز میں خود کلامی کرنے لگی۔

''آپ اسے جانے نہیں دیں گی تو روک بھی نہیں سکتیں۔'' اصیل خان، رابی کو شاید گل جان سے زیادہ سمجھنے لگا تھا۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے لیکن اتنا پیسہ اسے دے دوں تو وہ تو بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائے گی۔''

''آپ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں گل جان بی بی...... وہ اب بھی آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے...... اگر وہ اپنا چہرہ واپس لانے کے لیے جدوجہد کر رہی ہے تو اچھی بات ہے۔ دے دیں اسے بیس، پچیس لاکھ روپے......'' اصیل خان نے سر جھکا کر کہا تھا۔

''ارے واہ...... اتنی بڑی رقم غیر شادی شدہ بچی کے حوالے کردوں......؟''

''اسی کا مال ہے، آپ تو اس کے مال کی رکھوالی کر رہی ہیں، دے دیں جس کی امانت ہے اس کے حوالے کردیں......'' اصیل خان نے سپاٹ و بے تاثر لہجے میں ایک ایسا جملہ پھینکا تھا جسے سن کر گل جان جیسے ایک دم حواسوں میں آگئی تھی۔

''ہاں...... تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ میرا مال ہے، اس کے باپ کا مال ہے تو ظاہر ہے اسی کا ہے، میں تو صرف اسے اکیلا بھیجنے کی وجہ سے ایسا کہہ رہی ہوں، ظاہر ہے میں تو اس کے ساتھ نہیں جاسکتی اور روما کو بھی اس کے ساتھ نہیں بھیج سکتے...... البتہ اگر تم اس کی چوکیداری کے لیے تیار ہو تو میں تمہارے جانے کا بھی بندوبست کرسکتی ہوں۔'' اپنی بات کہہ کر گل جان نے اس کے چہرے کی طرف بہت غور سے دیکھا تھا...... اصیل خان جس نے غیر ارادی طور پر اپنے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ دھیمی آواز میں بولا۔

''میں تو کسی قابل ہی نہیں ہوں گل جان بی بی، میرا نام مت لیا کریں بس آپ سے اتنی درخواست کرتا ہوں کہ رابی جہاں جانا چاہ رہی ہے آپ اسے مت روکیں اور پیسے دے دیں اسے...... وہ اسی کے ہیں۔'' یہ کہہ کر اصیل خان اپنے کوارٹر میں چلا گیا...... گل جان اپنی جگہ لب بستہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

"بیٹا اگر آپ کے گھر والے آپ کو باہر جانے کی اجازت دیتے ہیں تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہے۔" شاہ صاحب، رابی سے تمام تفصیلات کے بعد بہت سکون سے گویا ہوئے تھے۔

"جی دادا جان...... میرے جانے پر کسی کو اعتراض نہیں ہے...لیکن مجھے بس آپ کی تھوڑی سی ہیلپ چاہیے......" رابی کی بات سن کر شاہ عالم قدرے متفکر سے ہو گئے۔

"کس قسم کی ہیلپ بیٹا؟ میں جس لائق بھی ہوں حاضر ہوں، بولو۔"

"دادا جان وہ آپ میرا ارجنٹ پاسپورٹ بنوا دیں اور ویزے کے لیے میری ہیلپ کر دیں، میں جلد سے جلد جانا چاہتی ہوں، ہر وقت اپنی شکل چھپا کر رکھنی پڑتی ہے خود کو دیکھنے کو جی نہیں چاہتا لوگوں کو کیسے دکھاؤں۔" رابی اب خاصے ڈپریسڈ انداز میں گویا ہوئی تھی۔ شاہ صاحب جیسا نرم دل انسان تڑپ کر رہ گیا جیسے رابی کے دکھ کو اپنے دکھ کی طرح محسوس کیا ہو۔

"بیٹا آپ جیسا کہیں گی میں آپ کی ہیلپ کرنے کو تیار ہوں۔ رہی پاسپورٹ کی بات تو چلیں کل ہی میرے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے، باقی وہاں پر ایک جو میرے جاننے والے ہیں ان سے بات کرتا ہوں، پاسپورٹ آپ کا ایک ہفتے کے اندر بن جائے گا۔" یہ سن کر رابی کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

"اور دادا جان ویزا کتنے دن میں لگ جائے گا......؟" "بیٹا وہ ابھی سے...... کچھ نہیں بتایا جا سکتا......لیکن بہرحال میں اپنے جاننے والوں سے بات کرتا ہوں اس کے بعد ہی آپ کو بتا سکوں گا۔" انہوں نے کچھ دیر توقف کیا پھر گویا ہوئے۔ "لیکن بیٹا میں ایک بات سوچ رہا ہوں آپ کے ٹریٹمنٹ میں کئی مہینے لگ سکتے ہیں آپ اتنے دن تک کیا ہوٹل میں stay کریں گی......؟ بہت بل بن جائے گا...... کیا آپ کا کوئی رشتے دار یا جاننے والا وہاں نہیں رہتا؟" شاہ عالم کافی سوچ، سوچ کر بول رہے تھے اسی لیے ان کے اندازِ کلام میں روانی نہیں تھی......رابی کے ہونٹوں پر زہرخند مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"رشتے دار چھوڑیں دادا جان، مجھے تو اس لفظ سے ہی چڑ ہے البتہ سوشل میڈیا پر میں نے اچھی خاصی فرینڈز بنائی ہیں اور دو تین سے تو بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ بھی ہو گئی ہے۔ میں نے انہیں کسی اور انداز میں بتایا تو ہے شاید میں بہت جلد ان سے ملوں...... آپ کی تسلی کے لیے...... میں ان کی آپ سے بات بھی کرا سکتی ہوں...... بہت اچھی فیملی سے belong کرتی ہیں۔" رابی جلدی سے بولی۔

"بیٹا مجھے آپ کی کسی بات پر شک نہیں، میں ضرور ان لوگوں سے بات کر لوں گا......لیکن ایک مرتبہ پھر سوچ لیں اگر آپ کی خالہ جانی آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائیں تو زیادہ اچھا ہے۔"

"آپ میری فکر نہیں کریں دادا جان، مجھے کسی شخص سے اور کسی بات سے ڈر نہیں لگتا...... آپ دیکھیے گا میں اپنا پورا ٹریٹمنٹ کروا کر جلدی ہی واپس آجاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹا...... آپ کی بات سمجھ آتی ہے۔"

"دل تو یہاں ہی پڑا ہے جتنی جلدی جانے کی ہے اس سے زیادہ جلدی آنے کی ہوگی...... بس یہ داغ، داغ چہرہ ایک مرتبہ روشن ہو جائے۔ اس کے بعد تو پھر چاروں طرف اجالے ہی اجالے ہیں۔" وہ سوچ کر دل ہی دل میں بولی۔

☆☆☆

"سر جی...... میں آپ سے ٹھیک کہہ رہا ہوں میرا خیال غلط نہیں ہو سکتا...... وہ لوگ روپوش ہو گئے ہیں۔ رات کو میں بہت دیر سے گیا تھا مگر گیٹ پر اسی طرح تالا پڑا ہوا تھا۔ کوئی نہیں ہے گھر میں۔" وارث علی ازحد...

فکرمندی سے اپنا سر کھجاتے ہوئے بول رہا تھا، سر کھجانے کی اضطراری کیفیت اس کا ذہنی خلفشار ظاہر کر رہی تھی۔

"یار...... پریشانی نے تمہاری مت ماردی ہے...... اگر وہ لوگ روپوش ہو گئے ہوتے تو وہ لڑکا میرے پاس کیوں آتا؟" ایس پی بے پروائی سے کہہ رہا تھا۔

"سر جی لڑکے کو پتا نہیں ہے کہ آپ کی اور میری یاری ہے، وہ تو آپ کو اپنا ہمدرد سمجھ کر آیا تھا۔ اسے کیا پتا میں اور آپ ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہیں۔"

شاید پہلی مرتبہ وارث علی ایس پی پر غالب آیا تھا...... ورنہ عموماً تو یہی ہوتا تھا۔ وہ کوئی بے تکا جملہ بول جاتا تھا اور ایس پی اس کی اصلاح کرتا تھا یا اسے ریلیکس کرتا تھا۔ وارث علی کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے تو ایس پی بھی سوچ میں پڑ گیا پھر چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔

"جب ایک دفعہ میرے پاس آیا تھا تو دوبارہ بھی آئے گا۔ یار اس کا باپ سلاخوں کے پیچھے ہے، وہ روپوش ہو جائے گا تو اس کے باپ کو کون دیکھے گا۔ کچھ بھی سہی آفٹر آل باپ ہے۔"

"لیکن میری اطلاع کے مطابق ابھی تک جابر علی کے پاس گھر سے کوئی ملاقات نہیں آئی ہے۔"

"ڈرے ہوئے ہوں گے بے چارے......" ایس پی نے وارث علی کی بات کاٹ کر کہا۔

"یار سوچو تو سہی ان پر تو ایسی ناگہانی پڑ گئی ہے ابھی تک ہوش ٹھکانے نہیں آئے ہوں گے...... ہو سکتا ہے لڑکا اپنے باپ سے مل چکا ہو، میں یہاں ہر وقت ڈیوٹی پر نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر کسی سے میری بات ہوتی ہے۔"

"سر میرے اپنے بھی ذرائع ہیں، میری مخبریاں مجھے بتاتی ہیں کہ ابھی تک جابر علی کی کوئی ملاقات نہیں آئی۔"

"واہ بھئی واہ، تم تو مجھ سے بھی بڑے افسر ہو۔"

"سر اس وقت مذاق چھوڑیں...... واقعی میں بہت پریشان ہوں، وہ تالا دیکھ کر تو میرے ذہن نے کام کرنا بند کر دیا۔"

"حالانکہ تمہارا ذہن کبھی کبھی کام کرتا ہے، اب تو تم بہت ہی قابلِ رحم ہو۔" ایس پی، وارث علی کی گھبراہٹ اور پریشانی سے حظ اٹھاتے ہوئے بولا اور پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"وارث علی میں اس لڑکے کے باپ کا افسر ہوں، اس کا آنا جانا لگا رہے گا۔ میں باتوں، باتوں میں اگلوا لوں گا...... مگر یار اسے بھروسا تو کرنے دو...... اتنا ٹائم تو لگے گا ناں......"

"سر آپ معاملے کو بہت لائٹ لے رہے ہیں...... سوچیں جابر علی اقبالی مجرم ہے، وہ مجھے پھنسائے بغیر پھانسی پر نہیں چڑھے گا...... جو شخص غصے میں اپنی اولاد کو نہ بخشے وہ بھلا میرے ساتھ کیا رعایت کرے گا......؟ کچھ تو سوچیں سر جی...... رات بھر جاگ کر ترکیبیں سوچتا ہوگا...... مجھے تو جلدی پڑی ہے۔ بھلے آپ کو برا لگتا ہے۔" وارث علی نے اب تکلفاً بھی کسی مروت کا مظاہرہ نہیں کیا اور یہ سچ ہی تھا کہ اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔

"ہاں، ہاں دیکھو میں اس سے خود رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں، لاتا ہوں اسے باتوں، باتوں میں راہ پر...... دو، چار ملاقاتیں ہوں گی تو کچھ نہ کچھ بول بیٹھے گا۔ ہم بھی پولیس والے ہیں...... حلق میں انگلی ڈال کر کچھ نہ کچھ نکلوا ہی لیتے ہیں۔" ایس پی نے وارث علی کو بھرپور تسلی دی۔

"سر جی زمین کے مالک کا مرڈر میرے ہاتھوں ہوا تھا۔ عینی شاہدین زندہ ہیں لیکن روپوش ہیں اور مرنے والے کے وارث ہیں...... مرنے والے کی امانت، میرا مطلب ہے وہ زمین کی اوریجنل فائل جابر علی کے قبضے میں ہے۔"

"یار...... یہ تو میں نے ہی تمہیں بتایا تھا کہ فائل جابر علی کے پاس ہے۔ ایک دن بیٹھا ہوا تھا میرے پاس

میں نے گھیر گھار کر اس کے منہ سے نکلوا لیا تھا...... بہت ہمدرد بن رہا تھا ان کا، کہہ رہا تھا وہ بہت مظلوم لوگ ہیں ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے، مرنے والے کی صرف بیٹیاں ہی ہیں......کوئی بیٹا نہیں ہے۔''

''چھوڑیں سر جی اس کا کوئی اپنا مطلب ہوگا بظاہر پارسا بنا ہوا ہے......اسے دوسرے کی بیٹیوں سے اتنی ہمدردی...... مگر اپنی بیٹی کو کھڑے، کھڑے قتل کر دیا...... سر جی مجھے تو یہ بندہ بھی کسی کا مُہرہ لگ رہا ہے...... آپ تھوڑا سا اندر اتریں بہت ساری حقیقتیں پتا چلیں گی۔''

''پولیس والوں کو بتاتے ہو؟'' ایس پی نے بڑے مغرور انداز میں گردن اکڑا کر وارث علی کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''سر جی جابر علی کی سزائے موت، عمر قید میں بدل سکتی ہے اور پھندا میرے گلے میں آسکتا ہے...... مجھے تو فکر پڑی ہے ناں...... جب تک جابر علی کی دوسری لڑکی میرے قابو میں نہیں آجاتی...... سمجھو میں تو پھنسا ہوا ہوں۔'' وارث علی اب نئے سرے سے گھبراہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

''ہم مر گئے ہیں کیا؟'' ایس پی نے برجستہ کہا تھا۔ ''جابر علی کے بیٹے کو اپنے دام میں لائیں گے اور کامیابی حاصل کریں گے......ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی کسی لڑکی کی۔''

''نہیں سر جی وہ مرد ذات ہے، اتنی آسانی سے ہمارے قابو نہیں آئے گا۔ البتہ اس کی بہن ہمارے قابو میں آئے گی تو سب کچھ ہمارے قابو میں آئے گا...... باپ بھی اور بھائی بھی......'' وارث علی کی بات سن کر ایس پی کے چہرے سے لگا کہ وارث علی نے اسے غور و فکر میں مبتلا کر دیا ہے۔

☆☆☆

رابی اپنے رہائشی کمرے سے باہر آئی تو گھر میں چاروں طرف خاموشی اتری ہوئی تھی......اس کا دھیان فوراً برہان کی طرف گیا۔ کائناز نے اس کی کھوج کو سمجھے بغیر باتوں، باتوں میں بتا دیا تھا کہ برہان اپنی ماں اور بہن کے ساتھ انیکسی میں شام کو شفٹ ہو گیا ہے......اس لیے اسے یہ اطمینان تھا کہ فی الحال یہاں گھر میں برہان کی ماں، بہن نہیں ہیں۔ اس لیے وہ بے دھڑک انداز میں لان میں جانے کے لیے آگے بڑھی تھی...... بند کمرے میں دل گھبرانے لگتا تھا تو وہ کھلی ہوا میں آکر تھوڑی دیر ٹہلتی رہی تھی...... ساتھ ہی کچھ سوچتی بھی جاتی تھی اور آج کل تو خیالوں میں کھو کر اسے بہت لطف محسوس ہوتا تھا۔ اسے پورا یقین ہو چلا تھا کہ کچھ دنوں کی بات ہے وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین چہرے کے ساتھ دنیا کے سامنے ہوگی۔ وہ بے پروائی سے گلے میں دوپٹا اٹکا کر سُبک خرامی سے لاؤنج پار کر کے کاریڈور سے ہو کر باہر نکل آئی تھی۔

رات کے دس بج چکے تھے......روما اور کائناز رات کا کھانا کھانے کے بعد سے کمرے میں بند تھیں۔ اس نے خود ہی ان کے پاس جانے سے گریز کیا تھا......ان دونوں کی معصومانہ حیرت آمیز باتیں اسے بہت احمقانہ لگتی تھیں......دونوں کی کمپنی میں وہ بہت uncomfortable محسوس کرتی تھی۔ اس لیے کہ وہ اپنی عمر سے بہت پیچھے چل رہی تھیں اور رابی اپنی عمر سے بیس سال آگے چل رہی تھی...... وہ اپنی دُھن میں آگے بڑھ رہی تھی اسے احساس تک نہیں ہوا کہ کب کھلے گیٹ سے برہان گھر میں داخل ہوا تھا......اور بڑی تیز رفتاری سے چلتے ہوئے بالکل رابی کے مقابل آ گیا تھا۔

غیر متوقع طور پر برہان کو سامنے دیکھ کر رابی تو ایک دم حواس باختہ ہو گئی...... چند لمحے کے لیے تو ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا...... سمجھ ہی نہیں آئی کہ اب فوراً اسے کیا کرنا چاہیے......بس برہان کی طرف خالی، خالی نظروں

سے دیکھنے لگی......اور برہان کی حالت یہ تھی کہ کاٹو تو جسم میں لہو نہیں......وہ حیران، پریشان رابی کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا......ایسا داغ، داغ چہرہ......شاید اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

چہرے پر pimpels کے گہرے گڑھے، چیچک کے داغ، پھوڑے، پھنسیوں کے داغ...... یہ سب کچھ زندگی میں انسان دیکھتا ہی رہتا ہے لیکن ایسا داغ، داغ چہرہ......اور داغ بھی بڑی عجیب قسم کے جیسے پوری شکل پر کسی نے خوب گاڑ گاڑ کر لمبی، لمبی لکیریں کھینچی ہوئی ہوں۔

رابی کے مقابلے میں وہ اتنا حواس باختہ نہیں تھا اس لیے پہلے اس نے خود کو سنبھالا پھر بڑے فارمل اور عجیب سے حجاب آلود انداز میں سلام کیا اور سلام بھی ایسا کہ جیسے کوئی منہ ہی منہ میں منمنا کر رہ گیا ہو۔

''السلام علیکم......!'' بس اس کے ساتھ ہی اس نے ریس لگائی تھی اور پلٹ کر انہیں دیکھا تھا۔ جبکہ رابی چند لمحے اسی زاویے سے کھڑے رہنے کے بعد پیچھے پلٹ کر دیکھنے لگی تھی...... لیکن...... برہان اتنی سرعت سے غائب ہوا تھا کہ اس کے قدموں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ رابی نے اپنے چہرے پر بے اختیار ہاتھ رکھ لیا......اب وہ گم صم نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

حواس ٹھکانے آتے ہی رابی تو یوں بھاگی جیسے کسی نے اسے چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا ہو اور اس کا پیچھا کیا جا رہا ہو......اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے سانس لی تھی......اور دھپ سے بیڈ پر تقریباً گر کر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا تھا۔

''یہ کیا ہو گیا...... یہ اس وقت کہاں سے آ گیا سامنے......اس نے میرا چہرہ کیوں دیکھ لیا......؟ میں تو یہ چہرہ، یہ شکل کسی کو دکھانے کے قابل ہی نہیں ہوں......کوئی اور دیکھ لیتا تو شاید کچھ بھی نہ ہوتا......اس نے کیوں میرا یہ داغ، داغ چہرہ دیکھ لیا......؟ جو بھی میرا یہ داغ، داغ چہرہ دیکھے گا......وہ میرے دل کے داغ دیکھنے سے پہلے ہی بھاگ جائے گا۔''

بے ترتیب منتشر خیالات اس وقت رابی کا حصار کیے ہوئے تھے، عجیب سا ملال اور ایک بوجھ اس کے دل پر آن گرا تھا۔ سوچ اِدھر اُدھر سے گھوم کر اسی نقطے پر آ ٹھہری تھی۔ ''اس نے میرا یہ چہرہ کیوں دیکھ لیا؟ اس چہرے کے ساتھ تو بہت سے سوال ہی ہیں......کل کو سامنے بیٹھ کر بے حساب سوال کر ڈالے تو میں کیا جواب دوں گی۔ کیا اسے وہ سب کچھ بتا سکوں گی جو میرے ساتھ ہو چکا۔ لیکن پہلے خود کو تو یقین دلاؤں کہ کیا میں اتنی...... خوش قسمت ہوں کہ زندگی میں کبھی برہان کے آمنے سامنے بیٹھوں گی۔ وہ مجھ سے کچھ پوچھے گا اور...... میں اسے جواب بھی دوں گی......شاید میں بہت......خوب صورت خواب دیکھ رہی ہوں، میری زندگی میں سوائے خوابوں کے اور ہے ہی کیا......'' یہاں تک سوچ کر وہ نڈھال سی ہو گئی ایک عجیب سی بے قراری دل کو لاحق تھی...... برہان نے اسے کیوں دیکھ لیا؟

☆☆☆

شبینہ نے صابرہ کو نیند کی گولی کھلا کر سلا دیا تھا۔ انیکسی کے کمرے میں اس وقت دونوں ماں بیٹی رہائش پزیر تھیں۔ اس کمرے میں اس وقت بہت ہلکی سی روشنی تھی......گمان ہوتا تھا کہ وہ دونوں سو رہی ہیں جبکہ برہان نے احتیاطاً اس کمرے میں جھانکنے کی کوشش نہ کی کہ کہیں شبینہ نہ جاگتی ہو اور اسے دیکھ کر باہر چلی آئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے......

اس وقت وہ کسی حیرت کدے میں تھا۔ بار، بار دکھائی دینے اور کچھ دیر قبل دکھائی دینے والی لڑکی اس کے ذہن پر ہلکی، ہلکی ضربیں لگا رہی تھی ”یہ لڑکی کون تھی......؟“ ایک سوال...... اس وقت سارے بکھرے، ہوئے خیالات کا محور و مرکز تھا۔ ”اس بے چاری کے چہرے پر عجیب و غریب داغ ہیں...... اور یہ شاہ صاحب کے گھر میں ہے...... ضرور شاہ صاحب سے اس کا کوئی نہ کوئی تو تعلق ہوگا۔“

کائناز نے اپنی بے تکان، بے موقع گفتگو کے دوران بھی کچھ ایسا ظاہر نہیں کیا کہ اس کے اور شاہ صاحب کے علاوہ یہاں کوئی رہتا ہے...... ”کون ہے یہ لڑکی؟ شاہ صاحب کی کیا لگتی ہے......؟ کائناز نے کبھی ذکر تو نہیں کیا...... نوکرانی تو نہیں لگتی...... لباس تو اس کا بہت قیمتی اور شاندار تھا......“ برہان کے لیے وہ صرف ایک عام لڑکی نہیں تھی! بلکہ وہ لڑکی تھی جو ایسا چہرہ لیے اس کے سامنے آئی تھی...... یہ چہرہ اس چہرے کے مقابلے میں زیادہ توجہ کھینچ رہا تھا جو...... حسن و جمال کا شاہکار بن کر اس دنیا میں display ہوتا ہے۔ ”بڑے عجیب و غریب قسم کے داغ ہیں اس لڑکی کے چہرے پر...... یوں جیسے کسی بچے نے سیاہی میں برش ڈبو کر کوئی خوب صورت سی تصویر بگاڑ کر رکھ دی ہو......“ برہان کو ابھی بہت کام تھے...... وہ ان حالات سے پیچھا بھی چھڑانا چاہتا تھا...... مگر ایسا نہ جانے کیا تھا کہ وہ چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا۔

”کون ہے یہ لڑکی......؟ جو رات کے اندھیرے میں دکھائی دی...... دن میں تو کبھی دکھائی نہیں دی۔“

☆☆☆

”جوانی ایسی ہی ہونی چاہیے...... پارسا، باہمت، بلند حوصلہ......“

شاہ صاحب برہان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف بہت محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے...... دونوں ایک ساتھ۔ فجر کی نماز پڑھنے گئے تھے اور ساتھ ہی واپس آئے تھے۔

شاہ صاحب مسجد سے واپس آ کر اپنے گھر کے بڑے سے لان میں آدھے گھنٹے تک چہل قدمی کیا کرتے تھے...... آج برہان بھی ان کے ساتھ صبح کے خوب صورت نظاروں کا لطف لے رہا تھا...... بڑا سا لان جس میں دنیا جہان کے خوب صورت پھول مسکرا رہے تھے۔ کچھ پھول جنہوں نے کچھ عرصہ پہلے آنکھیں کھولی تھیں اور کچھ پھول جنہوں نے آج پہلی بار دنیا میں آنکھ کھولی تھی...... برہان کو اس وقت شاہ صاحب کے ساتھ لان میں چہل قدمی کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

شاہ صاحب ٹہلتے، ٹہلتے برہان کی طرف یوں دیکھتے جیسے کوئی اپنی قیمتی اثاثے سے لطف اندوز ہو رہا ہو...... یہ نوجوان جو پہلی ہی نظر میں اور پہلے ہی دن ان کے دل میں گھر چکا تھا...... وہ اسے ٹوٹ کر بکھرتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

”شاہ صاحب ذمّے داری کا احساس خود ایک طاقت ہے، بہت بڑی قوت ہے، میں تو آپ سے بس یہی درخواست کروں گا کہ آپ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیے اور دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلوں میں میرے لیے آسانیاں پیدا کر دے......“

”آمین۔“ شاہ عالم نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر برہان کی دعا پر مہر لگائی تھی۔

”تم جیسے نوجوانوں کی ملک کو ان کے گھر کو...... بلکہ سب کو ضرورت ہے ہم جیسے بوڑھے لوگوں کو تو...... تم جیسے نوجوانوں کو دیکھ کر توانائی ملتی ہے۔“ شاہ صاحب نے اب برہان کی پشت پر دھیرے سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

”بہت شکریہ شاہ صاحب......! آپ جیسے لوگوں سے شاید دنیا کا بھرم باقی ہے اور آپ کو دیکھ کر خیال آتا ہے...... بزرگی ایسی ہی ہونی چاہیے۔“ برہان نے بھی سر جھکا کر شاہ صاحب کے لیے تعریفی کلمات کہے۔

”بیٹا بات صرف اتنی ہے کہ بے شمار من مانیاں کر لینے کے بعد بہت سارے کھٹے میٹھے تجربوں سے گزرنے کے بعد سوچ ایک جگہ آ کر رک جاتی ہے اور پھر یہی خیال آتا ہے کہ اب تک جو ہم کرتے رہے اصل میں ہم وہ کرنے دنیا میں نہیں آئے تھے۔ دنیا میں آنے کا مقصد تو کچھ اور ہے جو ہم جیسے جاہلوں کو بہت سا وقت گنوانے کے بعد پتا چلتا ہے۔“ شاہ صاحب کا انداز ایک خود کلامی کا سا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے ان کے سامنے کوئی اسکرین ہو اور وہ اس اسکرین پر نظر جما کر برہان سے ہم کلام ہوں۔ برہان الجھی، الجھی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا...... شاہ صاحب کی بات ادھوری تھی اور برہان کو دلچسپی تھی کہ جب ان کی بات مکمل ہوگی تو ان کے خزانے کا موتی اس طرح اس کی جھولی میں آ گرے گا...... وہ کیا کہنا چاہتے ہیں یہ تجسس تو شاہ صاحب نے اس کے دل میں بیدار کر دیا تھا...... وہ بغیر کچھ بولے ان کی بات مکمل ہونے کا مشتاق تھا۔

”زندگی کا مقصد یہ ہے بیٹا کہ ہمارے ہوتے ہوئے دور، دور تک جہاں، جہاں انسان نظر آتا ہے، ان میں سے کسی بھی انسان کو اپنے اکیلے ہونے کا احساس نہ ہو...... اللہ نے انسانوں کو ایک دوسرے کے لیے پیدا کیا ہے اور ہم ہوش سنبھالتے ہی اپنا بنیادی مقصد بھول جاتے ہیں...... کوئی ہمیں حقیر لگتا ہے، کوئی ہمیں اجنبی لگتا ہے، کوئی ہمیں ہمارے اسٹیٹس سے بہت کم دکھائی دیتا ہے تو کوئی اپنے اسٹیٹس سے بہت اونچا کوئی خود غرض دکھائی دیتا ہے تو کوئی بد صورت...... کسی کا لہجہ اچھا نہیں ہوتا، کسی کی باتیں احمقانہ ہیں...... یہ ہمارا کچھ نہیں لگتا...... وہ بہت خود غرض ہے، یہی کچھ کھچڑی پکاتے رہتے ہیں ہم لوگ اس دنیا میں۔“ شاہ صاحب نے توقف کیا اور برہان کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

”آپ نے بہت خوب صورت بات کی شاہ صاحب، بہت نیچرل بہت حقیقی...... میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ اس وقت آپ کے ساتھ ہوں اور آپ کی وہ باتیں سن رہا ہوں جو آپ کے زندگی بھر کے تجربے کا حاصل ہیں۔“ برہان نے اس طرح کہا جیسے شاہ صاحب نے اسے کھڑے، کھڑے خرید لیا ہو۔

”خطاب، عہدہ...... high social status یہ سب دل کے دھوکے ہیں، وقتی ہیں، کسی بھی وقت ہاتھ سے چلے جاتے ہیں...... اور جب یہ آ کر چلے جاتے ہیں تو صرف انسان باقی رہ جاتا ہے، وہ انسان جو ان تمام چیزوں کے اس کی زندگی میں آنے سے پہلے تھا۔ یہ آنی جانی چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں...... اور جتنی دیر یہ چیزیں انسان کے ساتھ رہتی ہیں، انسان سمجھتا ہے کہ وہ پاور میں ہے، جب یہ چیزیں اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتیں تو وہ خود کو بہت کمزور سمجھتا ہے...... اور مختلف قسم کے خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے، ان آنے جانے والی چیزوں کا سہارا لے کر وہ کیا کچھ نہیں کرتا...... سب کچھ بھول جاتا ہے، یہ بھی کہ وہ انسان ہے اور بحیثیت انسان اسے بہت سی ذمے داریاں نبھانا ہے...... پہلی ذمّے داری تو یہ ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی تکلیف میں اپنے آپ کو اکیلا محسوس نہ کرے......“

”بہت بڑی بات ہے شاہ صاحب...... بہت بڑی بات۔“ برہان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا...... اس نے شاہ صاحب کی بات مکمل ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا...... وہ حیرت اور خوشی کی کیفیت میں شاہ صاحب کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا ہو۔

سنتے تو تھے دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں مگر وہ بھی زندگی میں کسی ایسے انسان سے ملے گا جو ساری نعمتوں

کے ہوتے ہوئے صرف اور صرف انسان دکھائی دے گا...... دونوں کے درمیان چند لمحے کی خاموشی حائل ہوئی تو...... برہان کی سوچ پھر رات کے واقعے کی طرف پلٹ گئی۔

''وہ شاہ صاحب...... وہ کائناز کا کوئی اور بہن، بھائی تو نہیں ہے ناں...... میرا مطلب ہے کہ میں نے کائناز کے بہن، بھائی کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔''

شاہ عالم، برہان کی طرف دیکھنے لگے۔

''بھئی کوئی بہن یا بھائی ہوتا تو آپ ضرور سنتے ناں......'' انہوں نے ایک گہری سانس لی اور بڑی اداسی سے مسکرائے۔ ''بیٹا یہ معصوم بچی تو بس ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی ماں، باپ کی نعمت سے محروم ہوگئی...... وہ ایک حادثہ میری زندگی میں آ کر ٹھہر گیا پھر میں نے کچھ نہیں سوچا۔ بہت دنوں تک غم نہیں منایا...... اللہ کی رضا کے سامنے سر جھکا دیا، اللہ نے مجھے بیٹا دیا تھا بلکہ دو بیٹے دیے تھے اور دونوں میرے پاس اللہ کی امانت تھے...... اس نے واپس لے لیے...... کوئی گلہ شکوہ نہیں......'' شاہ صاحب بڑے پُروقار انداز میں اپنے درد کی ٹیسیں دبا کر پُرسکون لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''اچھا......! کائناز اکلوتی ہے کوئی اور بہن، بھائی نہیں ہے۔'' برہان نے اپنی تسلی کے لیے اپنی ہی کہی ہوئی بات دُہرائی۔

''ہاں، ہاں بیٹا، وہ تو بہت چھوٹی تھی...... میرا بڑا بیٹا پہلے فوت ہوگیا تھا...... بس اچانک بیٹھے، بیٹھے ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ دیکھنے میں تو بالکل صحت مند تھا اور کائناز کے ماں، باپ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہمیں الوداع کہہ کر چلے گئے وہیں جہاں ایک روز میں نے بھی چلے جانا ہے۔'' یہ جملہ بولتے، بولتے شاہ صاحب کو بڑی شدت سے کائناز کی تنہائی کا احساس ہوا۔ محبت نے ایک موہوم سے اندیشے کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی شاہ عالم کی نظر برہان کے چہرے پر چند لمحے کے لیے رک گئی۔

خیالات کا ایک سمندر بہتا رہتا ہے اور یہ خیالات کا سمندر اس کائنات کے سب انسانوں کے لیے ہے، اپنی، اپنی بساط کے مطابق ہر انسان اس سمندر سے کچھ نہ کچھ نکالتا رہتا ہے...... لامتناہی بکھرے ہوئے خیال چند انسانوں کے لیے نہیں ہوتے...... اس کائنات میں سانس لینے والی ذی روح کا حصہ ان میں معلوم اور ثابت ہے اسی سمندر سے ایک خیال نے یوں سر اٹھایا جیسے چاند کی چودہ کو جوار بھاٹا چاند کو چھونے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی انتہائی اونچائی تک جاتا ہے۔

''آپ کچھ سوچ رہے ہیں شاہ صاحب؟'' برہان ان کی گہری خاموشی سے قدرے پریشان ہو کر بولا۔

''نہیں نہیں بیٹا...... ! کچھ نہیں سوچ رہا...... اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو، ہم سب اسی کی ذمے داری ہیں، خواہ مخواہ کے اندیشے تو شیطان کا حربہ ہیں...... میرا آپ کا ہم سب کا ذمہ تو اللہ پر ہے، پتا نہیں ہم انسانوں کو ہر بات پر...... پریشان ہونے کی کیا بیماری ہے۔'' شاہ صاحب پھر اسی خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے...... بڑی بے ربط سی بات تھی جس کا سرا نظر نہیں آ رہا تھا...... برہان مارے ادب و لحاظ کے کچھ پوچھنے کے بجائے خاموش سا ہو کر رہ گیا۔

☆☆☆

شبینہ، صابرہ کو نماز پڑھتا دیکھ کر کچن میں چائے بنانے کے لیے چلی گئی۔ شاہ صاحب نے انیکسی میں وہ تمام ضروری سامان جو روزمرہ کی ضرورت ہوتا ہے...... رکھوا دیا تھا...... اور وہ بھی صابرہ ہی کے کہنے سے......

وہ تو صابرہ کو اپنا مہمان بنانے کے لیے پوری طرح تیار تھے...... لیکن صابرہ ہی نے ان سے کہا تھا۔

''پتا نہیں یہاں کتنے دن رکنا پڑے گا اچھا نہیں لگتا...... اور پھر جب آپ نے جگہ دے دی ہے تو اب ہم اپنا کھانا پینا خود ہی دیکھ لیں گے۔''

شبینہ چائے تیار کر کے باہر آئی اس نے ماں کی طرف دیکھا...... صابرہ نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے ہوئے تھے اس کی آنکھوں سے تواتر کے ساتھ آنسو بہہ رہے تھے۔ لگتا تھا کہ وہ اپنی ہچکیاں بہ مشکل روکے ہوئے ہے، شبینہ کے دل پر ایک چوٹ سی پڑی...... وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اس وقت اللہ کے سامنے سر جھکائے ماں کیوں رو رہی ہے...... وہ چپ چاپ قریب پڑی ایک فولڈنگ چیئر پر بیٹھ گئی اور ماں کی دعا مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

صابرہ اپنے دکھ میں اتنا ڈوبی ہوئی تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ شبینہ کچن سے آ چکی ہے اور کرسی پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھ رہی ہے، دعا بہت طویل ہوگئی تھی...... ہونٹ خاموش تھے مگر شاید ہونٹوں کا کام دل کر رہا تھا۔ بالآخر اس کی دعا تمام ہوئی...... دوپٹے سے اس نے اپنے بہتے ہوئے آنسو صاف کیے اور تسبیح چوم کر جانماز اٹھاتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ جانماز تہ کرنے کے دوران اس کی نظر شبینہ پر پڑی تھی۔ وہ ایک دم نظریں چرانے لگی... اس خیال سے کہ بیٹی نے اسے آنسو بہاتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ اب وہ ضرور پوچھے گی......''امی! آپ اتنا کیوں رو رہی تھیں؟'' مگر شبینہ نے کوئی سوال نہیں کیا بس چپ چاپ چائے کا کپ ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

''امی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' صابرہ نے جانماز ایک طرف رکھ کر اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا اور اس کے قریب ہی رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''برہان نماز پڑھ کر ابھی تک نہیں آیا؟''

''آ گئے ہیں امی......''

''تو کیا اندر کمرے میں ہے؟''

''نہیں، وہ شاہ صاحب کے ساتھ باہر لان میں ہیں۔ ابھی میں نے کچن کی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو دونوں باتیں کر رہے تھے۔''

''ہوں......'' صابرہ نے ہلکے سے ہنکارا بھرا...... اور چائے کے چھوٹے، چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔

''آنکھ کھلتے ہی تمہارے باپ کا خیال آتا ہے...... اسی شہر میں ہیں اور زندہ بھی ہیں پھر بھی ہمارے درمیان صدیوں کے فاصلے آ گئے ہیں...... برہان سے کوئی بات کرتی ہوں تو دل ڈرتا ہے، جانے کیا جواب دے...... کہیں گناہ گار نہ ہو جائے اس لیے اب اس سے کوئی بات نہیں کر پاتی۔''

''اچھا کرتی ہیں امی...... اگر بھائی سے بات بھی کریں تو کیا فائدہ...... بھائی نے تو پہلے ہی کہہ دیا ہے ناں کہ اب کوئی ابا جان سے ملنے نہیں جائے گا۔''

''ایک حساب سے وہ ٹھیک سوچ رہا ہے لیکن پھر میں یہ سوچتی ہوں کہ وہ تو اپنے انجام سے گزر رہے ہیں اگر انہوں نے کچھ کیا ہے تو بھگت بھی رہے ہیں...... ہمارا جو فرض ہے وہ تو پورا کرنا چاہیے...... برسوں کی رفاقت کانچ کے باریک ریزوں کی طرح کھال سے چپکی ہوئی تھی۔ قدرتی سی بات تھی دل ہر وقت اسی طرف لگا رہتا ہے۔''

بیٹی کا دکھ تو چٹان پر پڑے نشان جیسا تھا اور زندگی کی آخری سانس تک اس نشان کے مٹنے کا کوئی امکان

نہیں تھا مگر وہ جو زندہ تھا کبھی اس کا سب کچھ تھا...... یہ تو پھر اپنے بچوں کے ساتھ ہے جو اس کی...... ڈھارس بندھاتے ہیں، حوصلہ دیتے ہیں، تنہائی کا احساس مٹاتے ہیں لیکن جابر علی وہ تو پلک جھپکتے میں بالکل تنہا ہو کر رہ گیا...... یہاں تک سوچ کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی اور چائے کا گھونٹ لینے لگی تھی۔

شبینہ ماں کو گہری سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھ کر چپ چاپ اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر گیلری کی طرف چلی گئی...... اندھیروں کا سفر لاحق تھا...... مقصد اور منزل کچھ بھی واضح نہیں تھا۔

☆☆☆

جابر علی دو تین قیدیوں کے ساتھ جو اس کے ساتھ لاک اپ میں تھے ناشتا کر رہا تھا۔ کئی دن سے وہ اس لاک اپ میں اکیلا تھا لیکن یہ تین قیدی کل شام ہی یہاں آئے تھے۔ تینوں مختلف الزامات کی وجہ سے اندر ہوئے تھے۔ دو تو بالکل نوجوان لڑکے تھے جبکہ ایک ادھیڑ عمر مرد تھا جس نے اپنا تعارف ایک دکاندار کی حیثیت سے کرایا تھا۔ اس پر الزام تھا کہ ادھار سودا لینے آنے والی عورت پر دست درازی کی تھی اور اس عورت نے اس کے خلاف پرچہ کٹوا دیا تھا...... اس کا نام صدیق تھا۔

جابر علی نے اپنی طرف سے ان تینوں سے ابھی تک بات نہیں کی تھی لیکن صدیق جو خاصا حواس باختہ تھا اس پر الزام بھی جھوٹا تھا۔ بہت زیادہ خوفزدہ اور پریشان دکھائی دیتا تھا۔ بقول اس کے عزت دار آدمی ہے الزام بھی عورت نے لگایا ہے، ساری زندگی جو محنت کی تھی ایک منٹ میں ضائع ہو گئی تھی۔ ضمانت پر باہر چلا بھی گیا تو لوگ شکل پر تھوکیں گے۔ کس کس کو یقین دلاؤں گا۔

جابر علی نے اس کی بات سن کر ایسا تاثر دیا تھا جیسے اس نے ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دی ہو...... وہ پولیس افسر رہا تھا اس طرح کی باتیں تو معمول کا حصہ تھیں...... یہ کوئی خاص خبر نہیں تھی اس کے لیے۔

''آپ کے بال بچے تو ہوں گے جابر علی صاحب؟'' جابر علی نے اسے پہلی فرصت میں بتا دیا تھا کہ وہ پولیس افسر ہے پر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کیوں اندر ہے...... صدیق نے پوچھا تھا لیکن...... جابر علی نے یہ کہہ کر خاموش کرا دیا تھا کہ وہ اپنے کام سے کام رکھے۔ صرف یہ سن کر کہ جابر علی پولیس افسر ہے وہ تو ویسے ہی رعب میں آ گیا تھا۔ اس لیے آپ جناب سے ہی بات کرتا تھا۔

''سب مر گئے۔'' جابر علی نے ٹھیکرا سا جواب دیا۔

''سب مر گئے......؟'' صدیق بہت افسردہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اچھا معاف کیجیے گا بس میں نے ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔'' صدیق یہ کہہ کر جوشاندے کے ذائقے والی چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

''آپ اتنے نیک آدمی ہو...... میں کل سے یہاں آیا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ ایک نماز بھی قضا نہیں کرتے، اتنا نیک اور پرہیز گار بندہ یقیناً اس پر کوئی جھوٹا الزام لگا ہے میری طرح۔ مجھے بہت ہمدردی ہو رہی ہے آپ سے۔'' صدیق نے کوئی بات تو کرنا تھی۔ سو یوں ہی بولنے لگا۔

جابر علی جو اپنا ناشتا ختم کر چکا تھا اس نے بڑے کڑے تیور کے ساتھ صدیق کی طرف دیکھا اور اپنے وہی پولیس افسر والے انداز میں گویا ہوا۔

''میں نے کسی سے اپنے نماز، روزے کا ایوارڈ نہیں لینا، یہ میرا فرض ہے اور تم نماز نہیں پڑھتے؟ جبکہ تمہاری تو اچھی خاصی عمر ہو گئی ہے...... اب بھی تمہیں اللہ کا خیال نہیں آیا...... نماز پڑھا کرو...... ورنہ بخشش نہیں

ہوگی۔'' وہ لتاڑنے والے انداز میں صدیق پر چڑھ دوڑا۔ وہ دونوں لڑکے جو خاصے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ناشتا کر رہے تھے، یک دم گھبرا سے گئے کیونکہ انہیں اندازہ ہو گیا کہ اس بندے کے ساتھ اگر لاک اپ میں رہنا ہے تو انہیں بھی نماز پڑھنا ہو گی...... ورنہ یہ کسی بھی وقت ان کے ساتھ تبلیغ کا عمل شروع کر دے گا۔ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کیے اور انجان سے بن کر ناشتا کرنے لگے۔

''جی، جی میں نماز پڑھتا ہوں...... بس یہاں پر شک ہی ہے، پتا نہیں جگہ پاک صاف ہے کہ نہیں ہے۔''

''دماغ تو صحیح ہے تمہارا...... اللہ نے ساری زمین کو جانماز بنا دیا ہے، جہاں پر ہو وہیں پر بیٹھ کر اللہ کو سجدہ کر سکتے ہو، وضو کے لیے پانی نہیں ہے تو تیمم کر لو...... لوگوں نے بس نماز نہ پڑھنے کے بہانے بنا لیے ہیں۔''

تینوں کے تینوں ایک دم جابر علی کے رعب میں آ گئے اتنا نمازی، اتنا پکا مسلمان انہیں کیا پتا تھا کہ گھر میں ماں، باپ کی ڈانٹ پھٹکار سنتے، سنتے ایک دن لاک اپ میں پہنچیں گے تو وہاں پر بھی یہی باتیں سننے کو ملیں گی۔ وہ دونوں لڑکے تو بری طرح ڈر گئے تھے جبکہ صدیق سر جھکائے شرمندہ، شرمندہ سا بیٹھا تھا۔

جابر علی نے ایک حقارت بھری نظر ان کے اوپر ڈالی اور سوچنے لگا توبہ، توبہ یہ نام کے مسلمان...... اب لاک اپ میں مجھے بھی ان ظالموں کے ساتھ وقت گزارنا پڑے گا۔''

☆☆☆

''سر جی میں آپ کو بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، صبح سے لے کر رات تک میں تین دفعہ گیا اور تینوں دفعہ تالا دیکھا لگا ہوا...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں وہ لوگ فرار ہو گئے ہیں۔'' وارث علی سر کھجاتے ہوئے فون پر یہ بات کر رہا تھا۔

''یار تم نے بھی تو حد کر دی ناں...... ایسی کیا آفت آئی تھی...... دو چار دن تو صبر سے بیٹھ جاتے...... ظاہر سی بات ہے جب تم اتنی بڑی، بڑی باتیں کرنے لگے تو انہوں نے بھی تو کچھ کرنا تھا، ابھی سے بڑی، بڑی دھمکیاں دینے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا ہماری چھوٹی سی بات سے کام بن جاتا۔'' ایس پی بھی یہ جاننے کے بعد کہ گھر میں مستقل تالا لگ گیا ہے پریشان ہو گیا تھا اور چڑ کر وارث علی سے بات کر رہا تھا۔

''سر جی، آپ پولیس والے ہیں، وہ کل کا لڑکا زیادہ دن آپ سے چھپ کر کہیں نہیں بیٹھ سکتا۔ ڈھونڈیں اسے...... اس کے ذریعے ہی تو ہم نے سارا پریشر ڈالنا ہے...... آپ سمجھ رہے ہیں ناں...... چلیں ایک منٹ کے لیے یہ بھول جائیں کہ میرا فائدہ ہے، یہی سوچ لیں کہ صرف آپ کا فائدہ ہے۔'' وارث علی انتہائی پریشانی کی کیفیت سے دوچار تھا۔ اس وقت وہ اپنے اور ایس پی کے تعلقات کو بھی خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔ جو دل چاہ رہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

''تمہارا کیا مطلب ہے تم مجھے لالچ دے رہے ہو، یہ صرف کہنے کی بات ہے، تمہارا اپنا لالچ بھی میرے ہی برابر ہے، اس لیے ہم دونوں کی پریشانی مشترکہ ہے۔''

''سر جی...... آپ میری بات کا برا مان گئے میں تو آپ کو یہ احساس دلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اس وقت بہت برا وقت ہے، ہمیں اس برے وقت سے جلد از جلد جان چھڑانی ہے مجھے تو تب تک نیند نہیں آئے گی جب تک فائل اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر نہیں سوؤں گا۔'' وارث علی نے پھر اس جارحانہ انداز میں ایس پی سے بات کی تھی، ایک طرح سے وہ الٹ پڑا تھا۔

''میں سوچتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے! یہ تو مجھے بھی پتا ہے فائل جابر علی کے بیٹے کے through ہی ملے گی، وہ خود تو ہمیں دینے سے رہا...... جس نے فائل کی خاطر اپنی بیٹی کی جان لے لی...... وہ...... ہماری دھمکیوں سے

مرعوب ہوگا بھلا......؟ ہم جتنا اسے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کریں گے، وہ کیس کو اتنا ہی بگاڑ دے گا......ذرا دماغ کو ٹھنڈا رکھو، کہیں ایسا نہ ہو بُرے پھنس جائیں......'' ایس پی، وارث علی کو حفظِ ماتقدم کے مشوروں سے نوازنے لگا۔

''ٹھیک ہے سر جی...... میں گھر پر ہی ہوں اور کوشش کررہا ہوں کہ دماغ کو ٹھنڈا رکھوں......لیکن آپ آج کی تاریخ میں اسے ڈھونڈیں......اپنی ماں، بہن کو لے کر کس کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا ہے......خدا حافظ......''

☆☆☆

''دادا جان، آپا یو ایس جارہی ہیں، میں بھی گھر چلی جاتی ہوں، جب دل چاہے گا کائناز کے پاس آجایا کروں گی۔'' روما، شاہ عالم کو لاؤنج میں دیکھ کر ان کے پاس چلی آئی تھی اور ایک طرح سے اپنا اسٹریس شفٹ کررہی تھی......شاہ عالم نے چونک کر روما کی شکل دیکھی۔

''بیٹا خدانخواستہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟ کوئی شکایت تو نہیں ہے؟''

''نہیں، نہیں دادا جان، مجھے تو یہاں بہت آرام ہے، ہر وقت کائناز کے ساتھ ہوں، مجھے بھلا کیا تکلیف ہوسکتی ہے۔ میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ مجھے اب اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔ اچھا نہیں لگتا ناں......کہ برابر میں گھر ہے اور ہم یہاں پڑے رہیں۔'' روما ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔......شاہ عالم بے اختیار مسکرادیے اور روما کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

''بیٹا یہ گھر بھی آپ کا ہے وہ گھر بھی آپ کا ہے......آپ کیوں اس طرح سوچتی ہیں......کائناز آپ کی وجہ سے خوش نظر آتی ہے میرے لیے یہی بہت بڑی بات ہے......لیکن آپ کا خود دل چاہ رہا ہے اپنے گھر جانے کے لیے تو میں زبردستی نہیں کروں گا میں تو گل جان بی بی کی وجہ سے آپ کو سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں کہ وہ فی الحال آپ کو گھر بلانا نہیں چاہتیں۔''

''پتا نہیں خالہ جانی کیا، سوچ رہی ہیں......عجیب سوچ ہے ان کی، کہتی ہیں اماں جان اب بہت سکون سے ہیں......سب کچھ بھول گئی ہیں، یہ ان کے لیے بہت اچھا ہے، وغیرہ...... وغیرہ......'' روما قدرے جھنجلائے ہوئے انداز میں بولی تھی......شاہ عالم، روما کی بات سن کر ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے......پھر اس کی طرف دیکھ کر گویا ہوئے۔

''ڈاکٹر صاحبہ......اولاد کو بھول کر پُرسکون ہیں......مگر اولاد تو اپنی ماں کو نہیں بھول سکتی بیٹا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں دادا جان...... میں......اپنی ماں کی خدمت کرنا چاہتی ہوں......دیکھیں ناں ماں کیسی بھی ہو ماں ہوتی ہے۔ رات کو جب کائناز سو جاتی ہے ناں دادا جان تو میں اماں جان کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں، مجھے اب ان پر بہت ترس آتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ ٹھیک ہوجائیں......چاہے پہلے کی طرح غصہ کریں......'' شاہ عالم نے روما کی بات سن کر بہت سراہنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

''شاباش بیٹا اولاد کو ایسا ہی ہونا چاہیے، چاہے سختی کریں، چاہے نرمی، ماں، باپ سے زیادہ اولاد کو کوئی نہیں چاہ سکتا۔ میں آپ سے کتنی ہی محبت کرلوں لیکن محبت میں آپ کی ماں کا مقابلہ نہیں کرسکتا......آپ پریشان نہ ہوں بیٹا اگر آپ سمجھتی ہیں کہ آپ اپنے گھر رہ کر خود بھی پُرسکون رہ کر اپنی اسٹڈیز کرسکتی ہیں تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہے اور گھر کون سا دور ہے۔''

''جی دادا جان وہی تو میں کہہ رہی ہوں......بس اب خالہ جانی کچھ بھی کہیں، میں گھر چلی جاؤں گی اور جب دل چاہے گا آجاؤں گی......اماں جان کو تو اپنا ہوش نہیں ہے اب تو وہ مجھے روکیں گی بھی نہیں۔'' روما، ماں

کی کیفیت کو بڑی ہمدردی اور دلسوزی سے محسوس کرتے ہوئے بڑی اداسی سے کہہ رہی تھی۔

''بیٹا آپ پر کوئی زور زبردستی نہیں ہے میں تو بس آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' شاہ صاحب نے پُرشفقت انداز میں روما کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں بیٹا میں گل جان بی بی سے کہوں گا کہ وہ ڈاکٹر صاحبہ کے علاج میں دیر نہیں کریں۔''

''جی دادا جان آپ خالہ جانی کو سمجھائیں ورنہ پھر میں خود آپ کے ساتھ اماں جان کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی چاہے کچھ بھی ہوجائے ان کی ایک نہیں سنوں گی......دادا جان مجھے اپنی ماں کو ایب نارمل دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے روما کی آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو گرنے لگے......شاہ صاحب نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگالیا۔

''ارے بیٹا...... روتے نہیں، رونے کا مطلب ہوتا ہے کہ انسان مایوس ہے......اور مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جسے اللہ پر یقین ہے اسے ہمیشہ امید کا سہارا لے کر آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔''

روما، شاہ صاحب کی یہ بات سن کر جلدی، جلدی اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

☆☆☆

''آنٹی آپ سر سے کہیں کہ وہ ہمیں پڑھانا شروع کردیں۔'' کائناز بڑی عجیب سی کیفیت میں صابرہ سے بات کررہی تھی۔ صابرہ نماز پڑھنے کے بعد مسلسل تسبیح پڑھ رہی تھی کہ کائناز بڑی عجلت کے انداز میں چلی آئی......صابرہ نے اسے دیکھ کر تسبیح چوم کر رکھ دی تھی۔ وہ سلام کرکے صابرہ کے پہلو میں یوں بیٹھ گئی جیسے برسوں پرانی شناسائی ہو اور درمیان میں تکلف کا ہلکا سا پردہ بھی نہ ہو۔ اس کا موڈ خراب تھا، شاید اس وجہ سے کہ روما نے اپنے گھر جانے کی بات کی تھی اور ساتھ ہی کائناز کو کہا تھا......کہ وہ اب آگے نہیں پڑھنا چاہتی......اس کا پڑھائی میں دل نہیں لگتا......اور یہ سننے کے بعد کائناز کے تو گویا اوسان جاتے رہے تھے...... پریشان ہوگئی تھی اور اسی وجہ سے ہر مصلحت بالائے طاق رکھ کر صابرہ کے پاس آتے ہی شروع ہوگئی تھی۔

''بیٹا لگتا ہے آپ بہت پریشان ہیں۔'' صابرہ نے چہرہ موڑ کر پہلو میں بیٹھی ہوئی کائناز کو دیکھا اور بہت محبت آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

''جی آنٹی پریشان تو میں ہوں......دیکھیں اب ایک ہی میری دوست ہے اور وہ بھی اپنا ستیاناس مارنے پر تُل گئی ہے اب دیکھیں ناں پڑھائی تو بہت اچھی چیز ہے، آج کل تو غریب سے غریب گھر کی اور کم پڑھے لکھے گھرانوں کی لڑکیاں بھی گریجویٹ ہوتی ہیں...... پتا نہیں اس کو کیا ہوگیا ہے، میں نے اتنا سمجھایا مگر اس کی سمجھ نہیں آرہا...... میں نے ابھی دادا جان کو نہیں بتایا کہ یہ پڑھائی چھوڑنے جارہی ہے، بس آپ اپنے سادگی بھرے انداز میں سر کو سمجھائیں، ہوسکتا ہے سر کے کہنے سے سمجھ آجائے۔'' کائناز ایک تواتر سے بولتی چلی جارہی تھی۔ صابرہ بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

شبینہ اس وقت کپڑے دھو کر چھت پر ڈالنے گئی ہوئی تھی۔ کائناز اتنی ٹینسڈ تھی کہ اسے دھیان میں نہیں آیا کہ اس وقت شبینہ انیکسی میں دکھائی نہیں دے رہی......اس کا موڈ بہت آف تھا۔

''وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے بیٹا......مگر پڑھائی طبیعت سے ہوتی ہے......آپ کہہ رہی ہیں کہ اس کا دل نہیں چاہتا پڑھنے کو......تو زبردستی پڑھائی کیسے ہوگی......آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں اور بس اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔'' صابرہ کو جو کچھ سمجھ میں آیا اسی حساب سے اس نے کائناز کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”آنٹی، آپ نہیں سمجھ رہیں...... اگر وہ نہیں پڑھے گی تو میں بھی نہیں پڑھوں گی...... میرا بھی دل نہیں لگے گا پڑھنے میں پلیز آپ سمجھنے کی کوشش کریں......“ کائناز بڑے بزرگانہ انداز میں اسے سمجھا رہی تھی۔ صابرہ حیران ہوکر کائناز کی شکل دیکھنے لگی۔

”بیٹا...... آپ نے اپنے دماغ سے پڑھنا ہے اور اس نے اپنے دماغ سے...... وہ پڑھائی چھوڑ دے گی تو آپ کیوں نہیں پڑھوگی، سمجھ نہیں آئی۔“

”آنٹی بات یہ ہے کہ بس...... میں...... اس کی کمپنی میں خود کو بہت comfortable سمجھتی ہوں اس کا ساتھ مجھے اچھا لگتا ہے۔“ کائناز کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اسے اس وقت مناسب الفاظ اپنے اختیار سے باہر محسوس ہوئے اور بے ربط سے انداز میں اس نے اپنی بات مکمل کی...... ظاہر ہے جو بات کائناز کے ذہن میں واضح نہیں تھی وہ صابرہ تک منتقل کیسے ہوتی...... صابرہ الجھی الجھی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”آنٹی پتا ہے کیا...... اس کی mother سائیکو ہیں، میرا مطلب ہے وہ ہمیشہ سے سائیکو نہیں ہیں سائیکو ہوگئی ہیں۔“ کائناز جلدی سے بولی...... صابرہ الجھن میں پڑ گئی اور بڑی معصومانہ حیرت سے بولی۔

”کیا ہیں بیٹا؟“ کائناز کو بڑی کوفت ہوئی کہ اس نے اتنی آسان سی بات کی تھی ان آنٹی کو سمجھ نہیں آئی، ایک دم جھنجلا کر بولی۔

”آنٹی وہ جن لوگوں کا دماغ خراب ہوجاتا ہے ناں...... انہیں انگلش میں سائیکو بولتے ہیں۔“ صابرہ ہکا بکا ہوکر کائناز کی شکل دیکھنے لگی۔

”کیا کہہ رہی ہو بیٹا...... روما کی ماں کا دماغ خراب ہے؟“

”جی آنٹی...... مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں انہیں پاگل کہوں۔“ صابرہ نے ایک دم اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور آنکھیں پھاڑ کر کائناز کی طرف دیکھنے لگی۔

”اوہ...... میرے خدایا اس بچی کی ماں پاگل ہے، ہائے...... بے چاری...... تو بیٹا ان کا گھر بار کون دیکھتا ہے، آپ کے دادا بتا رہے تھے کہ یہ تو پڑوس میں ہی رہتی ہیں...... کیا ان کی ماں اسپتال میں داخل ہیں؟“

”یہی تو مسئلہ ہے آنٹی انہیں کوئی اسپتال بھی داخل نہیں کر رہا ان کی سگی بہن ان کا علاج نہیں کرا رہیں بڑی عجیب، عجیب سی باتیں کرتی ہیں وہ، میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔“ کائناز کے اوپر جھنجلاہٹ طاری ہوگئی تھی۔ وہ بڑے بیزار کن لہجے میں بول رہی تھی۔ صابرہ تو پریشان ہوکر رہ گئی...... اس کی اپنی پریشانی اتنی بڑی تھی کہ سوچ ادھر سے ہٹتی ہی نہیں تھی...... لیکن اس لڑکی نے تو آناً فاناً اس کے ذہن کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔

”ہائے...... ہائے اس معصوم بچی کی ماں پاگل ہے، بہت دکھ ہوا سن کر......“ صابرہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

”اور...... آنٹی آپ کو حیرت کی بات بتاؤں؟“ کائناز نے بتانے سے پہلے بڑا سسپنس create کیا۔ صابرہ نے کائناز کی طرف بڑی معصومیت اور سادگی سے دیکھا تھا۔

”اس سے بڑی کوئی بات ہے کیا؟“ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔

”روما کی اماں جان خود دماغ کی ڈاکٹر ہیں، نیورولوجسٹ ہوتا ہے ناں آنٹی! جو انسان کے دماغ کا علاج کرتا ہے...... وہ اسپیشلسٹ ہیں، شہر کے بڑے، بڑے اسپتال میں انہیں بلایا جاتا تھا...... بہت نام ہے ان کا...... جتنے بھی بڑے، بڑے ڈاکٹرز ہیں ناں سب جانتے ہیں ان کو......“ کائناز نے واقعی صابرہ کو حیرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا وہ آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

”اچھا...... اتنی بڑی ڈاکٹر ہیں اور خود پاگل ہوگئی ہیں؟ اللہ کی شان ہے، واہ میرے مولا بڑے نرالے کھیل ہیں تیرے......“ صابرہ جو انتہائی ضرورت کے بغیر کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالتی تھی اس کے لیے تو یہ باتیں بڑی حیران کر دینے والی تھیں۔ پلکیں جھپکائے بغیر کائناز کی طرف دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی......

”یا اللہ اس دنیا میں کیا کچھ ہوتا ہے، ہم جیسے گھر کی چار دیواری میں بیٹھے ہوئے لوگ اندازہ بھی نہیں کرسکتے...... میں تو سمجھتی تھی کہ بس کچھ لوگ ہم جیسے پریشان ہوں گے اور کچھ لوگ آرام سے ہوں گے...... اس دنیا میں کیا کچھ ہوتا ہے...... کیا کچھ ہوسکتا ہے، ہم جیسے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے لوگ تو سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس بچی نے تو اس وقت مجھے گمراہ ہی بنا دیا......“ صابرہ کے پاس اب بولنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

”آنٹی پلیز آپ سر کو سمجھائیں اور انہیں کہیں وہ پہلے کی طرح ہمیں پڑھانا شروع کردیں، ہوسکتا ہے روما کو سر کونس کرلیں...... دیکھیں ناں یہ بہت بڑی نیکی ہوگی اس کی زندگی بن جائے گی، سر کو بھی ثواب ملے گا۔“ کائناز اپنی جانب سے صابرہ کو لالچ دینے اور اکسانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ہاں...... ہاں بیٹا......“ صابرہ ایک دم اپنی گہری سوچ سے چونک گئی...... ”میں ضرور برہان سے بات کروں گی، اللہ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا...... اگر میرے بچے کی وجہ سے اس معصوم بچی کا بھلا ہوجاتا ہے تو بہت اچھی بات ہے۔ میں اس سے ضرور بات کروں گی۔ بس وہ آج کل ذرا پریشان ہے ناں...... تو موقع محل دیکھ کر بات کر پاؤں گی مگر تم پریشان مت ہو، انشاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا...... مجھے تو اس بچی سے بہت ہمدردی ہو رہی ہے، وہ تو بہت دکھی بچی ہے اس کا تو بہت خیال رکھنا چاہیے...... اب مجھے ساری بات سمجھ آگئی......“ صابرہ نے قدرے توقف کے بعد گہری سانس لی اور کہا۔

”ساری بات......؟“ کائناز اٹھتے، اٹھتے پھر بیٹھ گئی۔

”ہاں بیٹا! ساری بات کا مطلب ہے کہ آپ کے دادا جو اس بچی کا اتنا خیال کر رہے ہیں تو سمجھ آگئی کہ وہ اس بچی کے ساتھ کیوں ہمدردی کر رہے ہیں...... آپ کے دادا بہت نیک آدمی ہیں، اللہ ان کو لمبی عمر دے۔ اچھی صحت کے ساتھ...... میں تو صبح، دوپہر، شام جب خیال آتا ہے ان کے لیے دعا کرتی ہوں۔“

”آپ بھی بہت اچھی ہیں آنٹی...... جو لوگ دوسروں کے لیے دعائیں کرتے ہیں ناں وہ لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں......“ کائناز بڑی معصومیت سے بولی تھی...... صابرہ کو بہت ٹوٹ کر اس پر پیار آیا...... اس نے بے اختیار کائناز کو اپنے کندھے سے لگا لیا تھا۔ اس بچی نے تو اسے وقتی طور پر اپنے دکھوں سے بہت دور کر دیا تھا۔

☆☆☆

شائستہ بیگم دو دن کے لیے اسلام آباد جا چکی تھیں ان کی کسی عزیز دوست کی بیٹی کی شادی تھی اور ان کی دوست نے بہت اصرار کر کے انہیں بلایا تھا...... فائزہ اور احمر نے اس موقع سے فوراً سے پیشتر فائدہ اٹھایا...... شائستہ بیگم ابھی اسلام آباد بھی نہیں پہنچی ہوں گی...... لیکن فائزہ اور احمر، شبینہ کے گھر پہنچ گئے تھے...... لیکن...... یہ کیا گیٹ پر پڑا ہوا بڑا سا تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

فائزہ نے انتہائی مایوسی کی کیفیت میں بھائی کو دیکھا...... اس کی حالت شاید اس سے بھی زیادہ بری تھی...... کیونکہ جو حادثہ ہوگزرا تھا اس حادثے کے بعد یہ تالا معمول کی بات نہیں تھی۔ اس کے پیچھے کوئی بڑا گہرا راز چھپا ہوا تھا۔

شبینہ کا باپ گرفتار ہوچکا تھا اور گھر کے باقی لوگ تالا لگا کر چلے گئے تھے۔ کسی کے گھر میں تالا ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوتی تالا بھی زندگی کا ایک حصہ ہے...... لیکن جس گھر پر تالا پڑا ہوا تھا، اس گھر میں ایک

ایک پیچیدہ مقدمہ اور اس کا فیصلہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں دو مسافر کافی چلنے کے بعد تھک گئے تو انہیں شدت کی بھوک محسوس ہوئی۔ دونوں سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور اپنے، اپنے کھانے کے برتن کھولے ایک کے پاس پانچ روٹیاں دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ ابھی کھانا شروع نہیں کیا تھا کہ تیسرا مسافر پاس سے گزرا۔ سلام کرنے پر دونوں نے جواب دے کر کھانے کی دعوت دی، اس نے قبول کرلی تینوں نے کھانا ختم کیا...... کھانا کھانے کے بعد وہ صاحب کھڑے ہوگئے...... دونوں صاحبان کے ہاتھ میں برابر کے آٹھ درہم رکھتے ہوئے کہا کہ آپ دونوں صاحبان کا جو کھانا تناول کیا ہے، اس کے عوض یہ درہم رکھ لیجیے۔ اس کے جانے کے بعد رقم کی تقسیم پر دونوں کے درمیان تنازعہ کھڑا ہوگیا۔ جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں وہ پانچ درہم خود رکھنے اور تین درہم اسے دینے پر بضد تھا جبکہ دوسرا شخص جس کی تین روٹیاں تھیں وہ رقم کو برابر حصوں میں تقسیم کرنے کا خواہاں تھا...... آخر فیصلے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس حاضر ہوکر پورا واقعہ سنا کر مدد کی درخواست کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین روٹیوں والے سے کہا جب تمہاری روٹیاں تین تھیں تو تمہیں تین درہم لینے پر بخوشی راضی ہوجانا چاہیے مگر وہ زیادہ درہم لینے پر اڑ گیا...... آپ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تمہارا ساتھی تین درہم دے کر تم پر احسان کر رہا ہے ورنہ تم صرف ایک درہم کے حقدار ہو...... اس شخص نے ادب سے کہا...... سبحان اللہ...... اگر انصاف کا تقاضا یہی ہے تو مجھے وجہ بتائیں، میں ایک درہم پر بھی راضی ہوجاؤں گا...... آپ کرم اللہ وجہہ نے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ روٹیاں آٹھ تھیں اور کھانے والے تین...... ظاہر ہے تین پر آٹھ تقسیم نہیں ہوتے اس لیے مانا جائے گا کہ سب نے برابر روٹیاں کھائی ہیں تو سب کو مساوی کرنے کے لیے روٹیوں کے ٹکڑے یا حصے مانے جائیں، ہر روٹی کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے۔ اس طرح آٹھ روٹیوں کے چوبیس ٹکڑے ہوئے، اس حساب سے ہر شخص نے روٹی کے آٹھ ٹکڑے کھائے۔ اب چونکہ تمہاری روٹیاں تین تھیں...... اس کے نو ٹکڑے ہوئے، جس میں سے آٹھ ٹکڑے تم نے خود کھالیے...... باقی بچا ایک ٹکڑا وہ تیسرے شخص نے کھایا...... تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جن میں سے آٹھ اس نے خود اور باقی سات تیسرے شخص نے کھائے...... اس شخص نے تمہاری روٹی کا ایک ٹکڑا کھایا اس لیے تمہارا حق صرف ایک درہم ہے۔ وہ شخص ایک درہم کے فیصلے پر بخوشی راضی ہوگیا۔

مرسلہ: اُمِ ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ

بہت غیر معمولی واقعہ پیش آچکا تھا اس لیے یہ خالی گھر بڑے معنی خیز اشارے دے رہا تھا۔

''تم ایسا کرو شبینہ کو فون ملا کر پتا کرو......'' احمر بالکل ڈھلے ہوئے کپڑے کی طرح نچڑ کر رہ گیا تھا...... لہجے میں بلاوجہ تھکن سی اتر آئی تھی۔ دونوں بڑے جوش وجذبے کے ساتھ گھر سے روانہ ہوئے تھے مگر یہاں پہنچ کر جیسے غبارے سے ساری ہوا ہی نکل گئی تھی۔

''آپ کو پتا ہے، بتایا تو تھا میں نے آپ کو...... شبینہ کے پاس...... سیل فون نہیں ہے اس کے فادر نے کبھی allow ہی نہیں کیا۔''

''ایک منٹ!'' احمر نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے فائزہ سے کہا۔ ''وہ میں ساتھ والے گھر سے پتا کرتا ہوں کہ آیا وہ ... کہیں گئے ہوئے ہیں یا پھر......'' احمر کی بات سن کر جیسے فائزہ کے اندر بھی بجلیاں سی دوڑ گئیں۔

''ہاں، ہوسکتا ہے...... ہم لوگ ویسے ہی کچھ الٹا سیدھا سوچ رہے ہیں وہ لوگ کسی کام سے باہر نکلے ہوئے ہوں......'' فائزہ نے سوچا تھا...... اس اثنا میں احمر کار سے اتر کر جابر علی کے برابر والے گھر کی طرف بڑھ چکا تھا...... فائزہ بھی بڑی بے تابی سے اس گھر کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں احمر رک کر کال بیل کا بٹن پش کر رہا تھا...... چند لمحے بعد فائزہ نے دیکھا گیٹ کھلا اور ایک بڑی عمر کی عورت گیٹ سے باہر جھانکنے لگی۔

احمر اس کے لیے قطعاً اجنبی تھا اس لیے اس عورت کی آنکھوں میں حیرت اور تجسس کے تاثرات تھے۔

کار میں اے سی چل رہا تھا۔ چاروں طرف کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے فائزہ کو دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو تو سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن احمر کے چہرے کے تاثرات سے وہ اندازہ لگانے کی اپنی سی کوشش ضرور کر رہی تھی...... اس نے احمر کے چہرے پر صاف پڑھ لیا تھا کہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے، مایوسی کی کیفیت نے روح میں ڈیرے ڈال دیے تو اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

احمر گاڑی کا دروازہ کھول کر اپنی سیٹ پر بیٹھ رہا تھا۔

''یہ آنٹی کیا کہہ رہی ہیں بھائی......'' فائزہ نے آنکھیں کھول کر احمر کو دیکھا...... جو بہت بجھا بجھا سا نظر آرہا تھا...... گہری سانس لے کر اس نے ایک نظر فائزہ کی طرف دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں وہ کہہ رہی تھیں یہ لوگ تو کئی دن پہلے یہاں سے جاچکے ہیں۔''

''کئی دن پہلے......؟'' فائزہ چونک کر اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ''اور کیا کہہ رہی تھیں؟'' فائزہ نے بے تابی سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں...... بس انہیں تو پتا ہی نہیں چلا یہ لوگ کب چلے گئے۔''

''اوہ...... مائی گاڈ...... اس کا مطلب یہ ہے کہ اب شبینہ سے کبھی ملاقات نہیں ہوسکتی۔'' فائزہ کی بات سن کر احمر نے اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے سوچا تھا۔

''فائزہ جو تم سوچ رہی ہو وہ میں بھی سوچ رہا ہوں......'' کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز ماحول میں ابھری...... اور احمر نے...... بڑے شکستہ اور نڈھال انداز میں آہستہ، آہستہ کلچ چھوڑنا شروع کیا...... کار حرکت کرنے لگی...... لیکن فائزہ اپنی جگہ یوں بیٹھی تھی جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو...... وہ بڑے گہرے صدمے کے زیر اثر تھی۔

☆☆☆

''ابھی تک مرے ہوئے ہو...... چلو شاباش زندہ ہوجاؤ۔'' موبائل وارث علی کے کان سے لگا ہوا تھا اور ائرپیس میں ایس پی کی زندگی سے بھرپور آواز گونجی تھی...... وارث علی جو سچ مچ آج صبح سے اپنے بیڈ پر تھا......

اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایس پی کی آواز کے اتار چڑھاؤ نے اس کے رگ وریشے میں زندگی کی حرارت دوڑا دی...... صاف لگ رہا تھا کہ ایس پی کے پاس کوئی اچھی خبر ہے۔

''حکم کیجیے سرکار......'' وارث علی نے بڑے فدویانہ انداز میں ایس پی کو بھرپور رسپانس دیا تھا۔

''یار جابر علی کا لڑکا تو NED میں پڑھتا ہے؟''

''وہ NED میں پڑھتا ہے تو میں کیا کروں، میں نے تو کالج کی شکل نہیں دیکھی۔ NED کا نام سن کر تو مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔'' وارث علی نے بھرپور شوخی کے ساتھ جواب دیا تھا کیونکہ وہ ایس پی کا یارِ غار تھا...... ایس پی کے پہلے جملے ہی سے اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ ایس پی کے پاس اس کے لیے کوئی بہت ہی خاص خبر ہے۔

''تو یار تم اپنی برسوں پرانی حسرت پوری کر لو۔''

''کیا مطلب......؟'' وارث علی کو ایس پی کی بات ذرہ برابر سمجھ نہیں آئی۔

''بھئی میرا مطلب یہ ہے کہ تم نے کالج کی شکل نہیں دیکھی اب ڈائریکٹ یونیورسٹی کا دیدار کرو......''

''لیکن میں وہاں کیوں جاؤں......؟'' وارث علی نے فوراً سے پیشتر سوال کیا۔

''او بابا اس لڑکے سے جا کر ملاقات کرو اس کا ٹھکانا پتا کرو......''

''تو وہ اپنا ٹھکانا بتائے گا مجھے......؟'' وارث علی کو ایس پی کی بات بہت بچکانہ سی لگی مگر اس نے اپنے لب و لہجے کو بڑا کنٹرول میں رکھ کر سوال کیا تھا۔

''یار اس کا تو باپ بھی بتائے گا...... بچہ ہے کل کا...... ٹیلی فون پر پریشر ڈال رہے تھے غلط بات ہے پریشر سامنے بیٹھ کر ڈالنا چاہیے...... تو کچھ ہاتھ آ جاتا ہے...... یہ ٹیلی فونوں پر دھمکیاں وقتی thrill دوڑاتی ہیں، بات جو ہوتی ہے سامنے بیٹھ کر ہوتی ہے۔ اس لڑکے کو دھمکیاں مت دو۔ ذرا پیار سے محبت سے اسے قابو میں کرو اس کو بتاؤ کہ تم اس کے دشمن نہیں ہو تم اس فیملی کے ساتھ ساری زندگی گزارنے کے خواہش مند ہو...... وہ کیوں تم سے ڈر رہے ہیں، سمجھ رہے ہو ناں میری بات کو...... پہلے تو ان کا خوف ختم کرو...... پھر بات بنے گی جتنا زیادہ ان کو ڈراؤ گے تو سمجھو کہ ہمارا کیس بہت کمزور ہو جائے گا۔ جوان لڑکا ہے ترٹیوں میں نہیں آئے گا یار...... گھوڑے تو ناچنا سیکھ لیتے ہیں وہ انسان کا بچہ ہے ذرا پیار سے قابو میں کرو......'' ایس پی تو اتر سے بول رہا تھا جبکہ وارث علی ایک، ایک لفظ بہت غور سے سن رہا تھا۔

''سر بات تو آپ کی ٹھیک ہے کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

''بات یہی ٹھیک ہے وارث علی، اب اپنی افلاطونیت نہیں دکھانا۔ جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کرو...... اور جو کچھ تم مجھ سے شیئر کیے بغیر کر چکے ہو ناں...... دیکھ لو اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے اب اس بگڑی بات کو بھی تم ہی سنبھالو گے۔'' چند ثانیے ایس پی رکا۔ ''تو پھر تم صبح یونیورسٹی جا رہے ہو ناں......؟'' ایس پی نے اپنی تسلی کی خاطر پھر سوال کیا۔

''جی بالکل سر جی...... یہ تو آپ نے مجھے اس کا پتا ٹھکانا بتا دیا...... اب تو روز ملاقات ہو گی فکر ہی نہیں کریں......''

''خدا حافظ......'' ایس پی نے اپنی طرف سے خدا حافظ کہہ دیا تھا۔

''خدا حافظ سر جی...... اللہ آپ کا بھلا کرے...... اللہ اگلے سال آپ کو چار پھول پہنائے...... اور ہم اسی طرح آپ کی جوتیاں سیدھی کرتے رہیں۔'' وارث علی معنی خیز لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے مسکرا بھی رہا تھا۔

☆☆☆

رابی نے وارڈروب میں لٹکے ہوئے سارے کپڑے نکال کر بیڈ پر ڈھیر کر دیے تھے اور اب دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کپڑوں کے ڈھیر کو گھورے جا رہی تھی۔

اسی لمحے گل جان اندر داخل ہوئی پہلے تو اس نے رابی کو قدرے حیرت سے دیکھا جو کپڑوں کے ڈھیر کو گھور رہی تھی...... پھر دوسری نظر وارڈروب کے کھلے ہوئے پٹوں پر ڈالی... چاروں پٹ پورے کھلے ہوئے تھے اور وارڈروب بالکل خالی تھی۔

''بیٹا یہ تم نے سارے کپڑے نکال کر باہر کیوں پھینک دیے؟''

''یہ ہیں ہی اس قابل...... انہیں بہت دور پھینک دینا چاہیے۔'' رابی نے ایک گہری سانس لے کر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا۔

''کیا مطلب......؟'' گل جان ذرا بھی نہیں سمجھی۔

''مطلب یہ کہ ان ڈھیروں کپڑوں میں صرف دو تین سوٹ اس قابل ہیں جو میں یو ایس لے جا سکتی ہوں۔ خالہ جانی مجھے تو کپڑوں کی شاپنگ بھی کرنی پڑے گی...... وہاں تو ابھی سردی ہو گی۔''

''تو بیٹا سردیوں کے کپڑے بھی بہت ہیں آپ کے پاس۔''

''چھوڑیں خالہ جانی وہ کپڑے اِن ڈور پہننے والے ہیں۔ اس قابل نہیں کہ ان کو پہن کر کسی کے سامنے جایا جائے......''

''ناشکری نہیں کرتے، کپڑے تو آپ دونوں بہنیں اپنی، اپنی پسند سے ہی خریدتی ہو...... بی بی جان آپ دونوں کو ساتھ لے کر جاتی تھیں اور آپ کی پسند کے ہی کپڑے دلواتی تھیں۔ انہوں نے کبھی زبردستی نہیں کی آپ کے ساتھ اس معاملے میں۔''

''ہاں...... لیکن ہم ڈر کے مارے جلدی، جلدی ہی پسند کر لیتے تھے...... یوں لگتا تھا کہ اگر جلدی، جلدی پسند نہیں کیا تو اماں جان ہمیں وہیں کھڑے، کھڑے گولی مار دیں گی۔ اتنی ٹینشن اور ڈر میں کیا سلیکشن ہوتا ہے، آپ خود ہی بتائیں۔''

''لیکن تم تو کبھی بی بی جان سے نہیں ڈریں......''

''اب ایسا بھی نہ بولیں خالہ جانی...... ڈر ڈر کر بری حالت ہوئی تھی تبھی تو ڈر سے پیچھا چھڑانے کے لیے گھر سے باہر بھاگی......'' بولتے بولتے رابی کی آواز میں ایک چبھنے والا کھردرا پن محسوس ہونے لگا تھا...... گل جان نے ایک گہری سانس لی پھر زبردستی کے انداز میں مسکرا کر بولی۔

''اچھا کپڑے بھی لے لینا بیٹا کون منع کر رہا ہے، کل چلی چلوں گی تمہارے ساتھ...... جو پسند آئے لے لینا۔''

''ہاں...... پھر بس یہ سوچتی ہوں، چار پانچ سوٹ کافی رہیں گے باقی شاپنگ میں یو ایس میں ہی کر لوں گی۔ واؤ...... وہاں شاپنگ کرنے میں کتنا مزہ آئے گا پھر جو سیزن وہاں چل رہا ہو گا اس حساب سے شاپنگ بھی ہو جائے گی...... ٹھیک ہے ناں......''

''ٹھیک ہے...... بیٹا جیسے تمہاری مرضی......''

''اتنا برا سا منہ بنا کر بولتی ہیں آپ تو یہی چاہتی ہیں کہ بس ہم آپ کی بہن کی مرضی سے ہی سانس لیں۔'' رابی، گل جان کے اداس اور زبردستی کے لہجے پر بری طرح چڑ گئی...... گل جان ایک دم گھبرا گئی۔

''نہیں...... نہیں بیٹا میرا مطلب یہ نہیں...... اللہ تم کو خوش رکھے، میں تو دن رات دعائیں مانگتی ہوں اللہ

تعالیٰ تم دونوں بہنوں کو سلامت اور خوش و خرم رکھے۔ میں بھلا کیوں زبردستی کروں گی، تم لوگوں کے ساتھ...... میں تو بہت کمزور ہوں، بی بی جان کی طرح زور آور نہیں اور مجھے زور آور بننے کا شوق بھی نہیں...... اب تو بس دن رات اپنے رب سے دعاؤں میں یہی مانگتی ہوں کہ اللہ تم دونوں بہنوں کو اتنی خوشیاں دے، اتنی خوشیاں دے کہ تم ہر گزری تلخ بات کو بھول جاؤ۔''

''تھینک یو خالہ جانی...... یہ جو دعائیں آپ ہمارے لیے کرتی ہیں لگتا ہے انہی سے کوئی دعا قبول ہوئی ہے...... اُف آپ میری خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ ایک پنجرے میں قید مینا یوں کی فضاؤں میں اڑتی پھرے گی...... تو پتا چلے گا کہ اصل زندگی کیا ہے......؟ کیوں ہوتی ہے؟ اور کس کے لیے ہوتی ہے...... بندہ جیے تو کھل کر جیے ورنہ کھڑے، کھڑے مر جائے۔''

''تم اتنی بے دھڑک باتیں نہ کیا کرو رابی...... بولتی ہو تو بولتی چلی جاتی ہو...... بری بات ہے بیٹا اب بات، بات پر مرنے کی باتیں نہ کیا کرو، بس اب جینے کی بات کرو۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں خالہ جانی، بس بہت دن ہم مر چکے اب تو سمجھیں ہم دوبارہ سے زندہ ہوئے ہیں...... ہیں ناں......؟'' رابی شریر انداز میں کھلکھلا کر ہنس دی۔

پھر کپڑوں کے ڈھیر کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے گل جان کی طرف دیکھ کر بولی۔

''خالہ جانی ڈاکٹر صاحبہ جادو کے زور سے ٹھیک نہیں ہوں گی۔ انہیں تو ہوش ہی نہیں ہے کہ زمین پر ہیں یا آسمان پر...... میرے جانے کے بعد اگر آپ چاہیں تو ان کا علاج کرا لیں۔''

''علاج تو میں تمہارے ہوتے ہوئے بھی کرا لوں رابی...... تم مجھے ان کا علاج کرانے سے تو نہیں روکتیں اور نہ روک سکتی ہو، مجھے تو بی بی جان ہنستی مسکراتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہیں، میں انہیں دوبارہ دوزخ میں کیوں دھکیلوں...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......'' گل جان یہ کہہ کر پلٹی ہی تھی کہ مہر جان بڑے جوش و جذبے کے ساتھ تیز تیز چلتے ہوئے کمرے کے اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے بہت خوب صورت شلوار سوٹ پہنا ہوا تھا لیکن دوپٹا لڑکیوں کے انداز میں گلے میں پڑا تھا۔ جتنی تیزی سے وہ اندر داخل ہوئی تھیں اس سے کہیں زیادہ زوردار جھٹکے سے اپنی جگہ رکی تھیں ان کے لیے اندر کا منظر بڑا عجیب و غریب تھا...... بیڈ پر کپڑوں کا ڈھیر داغ، داغ چہرے والی رابی اور ان کی طرف پریشان نظروں سے دیکھتی ہوئی گل جان۔

''گل جان تم اتنے سارے کپڑوں کا کیا کر رہی ہو......؟ کیا کسی کو دے رہی ہو...... دل بھر گیا ہے؟''

''نہیں بی بی جان، یہ رابی اپنی وارڈروب ٹھیک کر رہی ہے آپ آئیں میرے ساتھ۔''

''ایک منٹ میری بات تو سنو......'' گل جان نے مہر جان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تھی لیکن مہر جان نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا تھا اور بڑی تیزی سے چلتے ہوئے رابی کے بالکل قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھیں اتنے قریب...... کہ بس یوں لگتا تھا کہ ابھی دونوں گلے مل جائیں گی۔

''گل جان یہ اس لڑکی کی شکل پر نشان کیسے ہیں چڑیلوں جیسے؟'' وہ حیرت سے دیکھتے ہوئے گل جان سے مخاطب تھیں۔ رابی کے چہرے سے ایک سرد آہ خارج ہوئی...... اس نے مہر جان کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور زہر خند کے ساتھ گویا ہوئی۔

''میں چڑیل ہی ہوں ڈاکٹر صاحبہ......''

''اچھا تم چڑیل ہو......؟''

''بری بات ہے ایسے نہیں کہتے بیٹا......'' گل جان نے فوراً ٹوک دیا تھا۔

''آئیں بی بی جان...... آپ میرے ساتھ چلیں، میں نے آپ کے لیے بہت اچھا سا ویجیٹیبل پلاؤ بنایا ہے، گرم گرم ہے کھالیں پھر اس کے بعد آپ کو میڈیسن بھی دینی ہے ' تاکہ آپ سکون سے سو جائیں۔''

''بس تمہیں تو میرے سونے کی فکر پڑی رہتی ہے......بس میں تھک گئی ہوں سو، سو کر...... مجھے یہ بتاؤ کہ یہ لڑکی کون ہے؟ تمہاری دوست ہے کیا؟''

''آپ آئیں میرے ساتھ۔'' گل جان روہانسی ہو کر مہر جان کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی باہر لے گئی۔ رابی دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

''اگر یہ میری ماں ہیں تو میرے دل کو کچھ کیوں نہیں ہوتا...... میرا دل کیوں نہیں چاہتا کہ کسی دن میں ماں کے گلے سے لپٹ کر بہت روؤں، ڈاکٹر صاحبہ کو دیکھ کر مجھے رونا نہیں آتا...... غصہ کیوں آتا ہے۔'' رابی خود سے سوال کر رہی تھی...... حیرت کدے کا سفر ختم ہی ہو کر نہیں دے رہا تھا...... ایک حیرت کدے سے نکلتی تو دوسرے حیرت کدے میں جا پھنستی۔ ذہن میں ابھرنے والا ہر خیال نئے راستے کی طرف لے جاتا تھا۔

☆☆☆

''آپ دونوں میری بات کا برا مت مانیے گا...... ظاہر ہے آپ لوگ اب اس گھر میں میرے ساتھ رہتے ہیں، آپ کا ہر ذاتی مسئلہ یوں سمجھیں کہ اب میرا مسئلہ ہے، مجھے بتائیں کہ میں آپ لوگوں کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔'' شاہ عالم عشا کی نماز پڑھ کر آئے تو انہوں نے صابرہ اور برہان کو لاؤنج میں بلوا لیا تھا۔ وہ بہت بے چین تھے کئی باتیں انہیں پریشان کر رہی تھیں کیونکہ جب سے برہان، صابرہ اور شبینہ کو ان کے گھر لے کر آیا تھا اس وقت سے لے کر اب تک اس نے شاہ صاحب سے اپنے باپ کے بارے میں کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی نہ ہی آنے والے دنوں میں وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس کا کچھ پتا... چل رہا تھا۔

''شاہ صاحب آپ نے اپنے گھر میں ہمیں سر چھپانے کی جگہ دی ہے، یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ ہم ساری زندگی نہیں اتار پائیں گے......'' صابرہ نے بڑی شرمساری اور شکر گزاری کے انداز میں جواب دیا۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں...... اتنا بڑا گھر ہے چند پریشان حال لوگ اس چھت کے نیچے آ کر سکون سے بیٹھ گئے...... سمجھیں اس کی قیمت وصول ہو گئی۔''

''شاہ صاحب میں بہت ڈرتے، ڈرتے آپ کے پاس آیا تھا لیکن اب میرے اندر کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں بہت جلد کسی اچھی جگہ رہائش کا بندوبست کر لوں گا اور جس طرح امی کہہ رہی ہیں کہ آپ نے جو احسان ہم پر کیا ہے وہ اتارنے کی کوشش تو ضرور کروں گا مگر مجھے پتا ہے اتار نہیں سکتا۔''

''اب آپ بھی مجھے شرمندہ کرنے لگے اپنی والدہ کی طرح...... بیٹا اب بس بھی کریں...... مجھے یہ بتائیں کہ اپنے والد صاحب کے سلسلے میں آپ کو کسی قسم کی میری اخلاقی مدد درکار ہے تو میں حاضر ہوں...... انشاء اللہ تعالیٰ جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔''

''نہیں، نہیں شاہ صاحب میں آپ پر مزید بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا۔'' برہان نے جلدی سے کہا تھا۔

صابرہ نے ایک نظر شاہ صاحب کو دیکھا اور پھر نظریں جھکا کر بولی۔

''ہمیں جابر علی کے لیے کچھ نہیں کرنا، ہم کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ وہ شخص جسے اپنے بچوں کا باپ سمجھ کر میں بڑے صبر کے ساتھ اس کے ساتھ وقت گزارتی رہی، اب میرا کچھ نہیں لگتا...... اس نے میری ہنستی کھیلتی بیٹی مجھ

سے چھین لی، آپ خود ہی سوچیں ایک ماں کو اپنی اولاد کا دشمن کیسا لگے گا...... کیا اس سے کبھی ہمدردی ہو سکتی ہے؟'' صابرہ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ وہ گویا پھٹ پڑی تھی۔

''انہوں نے جو کیا ہے شاہ صاحب انہیں خود ہی بھگتنے دیں۔ آپ بس میری اتنی مدد کیجیے کہ میں اپنے ان دونوں بچوں کو لے کر کسی سکون کی جگہ بیٹھ جاؤں۔'' صابرہ کی بات سن کر شاہ صاحب کو ایک دھچکا سا لگا تھا...... وہ تو سمجھ رہے تھے کہ شاید برہان کی ماں اپنے شوہر کی ضمانت اور رہائی کے لیے ان سے کوئی بات کرے گی۔ ان سے کسی بھی قسم کی اخلاقی قانونی مدد کے لیے کہے گی۔

''برہان آپ کے والد کی آپ سے ملاقات کب ہوئی تھی؟'' شاہ صاحب نے برہان سے سوال کیا۔

''نہیں شاہ صاحب...... '' برہان نے بنا رُکے بے ساختگی سے کہا تھا۔ ''اور ہو گی بھی نہیں...... میں ان سے نہیں ملنا چاہتا...... '' برہان کا صاف جواب سن کر شاہ صاحب کو ایک لمحے کے لیے تو سمجھ ہی نہیں آئی کہ اب وہ اس سے کیا بات کریں...... چند لمحے سر جھکا کر سوچتے رہے پھر ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے گویا ہوئے۔

''مجھے آپ لوگوں کے دکھ کا اچھی طرح اندازہ ہے لیکن زندگی ایک جگہ رک جانے کا نام نہیں ہے بیٹا...... یہ چلتی رہتی ہے اور چلتی رہنی چاہیے...... کیونکہ موت کا تو ایک وقت معین ہے اپنی موت سے پہلے تو کوئی نہیں مرتا لیکن عقل و ہوش کے ہوتے ہوئے جان بوجھ کر مشکلات کو بڑھانا نہیں چاہیے۔''

''شاہ صاحب بس دو چار دن کی بات ہے پھر میں اپنی بیٹی کو لے کر گاؤں چلی جاؤں گی...... '' اپنے مخصوص عاجزانہ لہجے میں ایک بات کہہ کر شاہ عالم کو ایک بار چونکا دیا تھا۔

''گاؤں......!'' شاہ صاحب حیرت سے برہان کی طرف دیکھنے لگے۔

''جی شاہ صاحب...... گاؤں میں میرے مرحوم والد کا ایک چھوٹا سا مکان ہے جہاں میری ایک بوڑھی بیوہ پھپھی رہتی ہیں۔ برہان پڑھ رہا ہے یہ شہر میں ہی رہے گا لیکن میں شبینہ کو لے کر گاؤں چلی جاؤں گی۔ کل سے میں یہی سوچ رہی ہوں آپ نے تو اپنے گھر کا اتنا بڑا حصہ ہمارے حوالے کر دیا مگر مجھے شرم آتی ہے...... یہ دو چار دن کی بات نہیں نہ جانے برہان کب اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر نوکری کرے گا کب گھر کا بندوبست کرے گا...... ہماری وجہ سے مشکل میں ہی رہے گا اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں شبینہ کو لے کر گاؤں چلی جاؤں اور برہان یہاں شہر میں رہ کر اپنی پڑھائی پوری کر کے کوئی نوکری ڈھونڈ لے...... '' صابرہ بول رہی تھی اور برہان حیرت سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک صابرہ نے برہان سے گاؤں جانے والی بات نہیں کی تھی۔

''دیکھیں اس مشکل میں آپ کی مدد کرنا...... بحیثیت انسان میرا فرض ہے، اسی خیال سے آپ سے پوچھ لیا تھا۔ آپ ہرگز یہ نہیں سمجھیں کہ آپ اس گھر میں رہ رہی ہیں تو مجھ پر کوئی بوجھ ہے، آپ اطمینان سے یہاں رہیے اور آئندہ کا جو بھی پروگرام بنائیں بس مجھے ضرور مطلع کر دیجیے گا۔''

''بے فکر رہیے شاہ صاحب جو بھی اسٹیپ لوں گا آپ کو بتا کر لوں گا۔'' برہان نے سر جھکا کر بہت مؤدبانہ انداز میں شاہ صاحب کو تسلی دی تھی۔

شاہ صاحب مختلف خیالات کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے انہوں نے جو کہنا چاہا تھا کہہ دیا تھا...... لیکن صابرہ کے گاؤں جانے والی بات نہ جانے کیوں ان کے دماغ میں کانٹے کی طرح اٹک گئی تھی۔ انہیں خود نہیں معلوم تھا کہ وہ یہ بات سن کر اتنے بے چین کیوں ہو گئے۔ لاشعوری طور پر ان کی نظریں برہان کے چہرے پر ٹک...... گئی تھیں۔ شاید برہان ان کے دل میں اترتا جا رہا تھا یا وہ جن حالات سے گزر رہے تھے ان حالات

میں برہان بہت اہمیت اختیار کرتا جا رہا تھا......

''شاہ صاحب آج کل اچھے لڑکوں کا کال ہے آج کل اچھے لڑکے ملتے کہاں ہیں۔'' ان کے کانوں میں بیرسٹر جمیل خان کے الفاظ بازگشت کی طرح گونجنے لگے...... ''لیکن یہ بچہ تو ایک قاتل کا بیٹا ہے...... اس کی شناخت بھی یہی باقی رہ گئی ہے کہ اب اسے لوگ انسپکٹر جابر علی کا بیٹا نہیں...... قاتل کا بیٹا کہہ کر شناخت کریں گے...... آخرت میں باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جائے گا مگر یہ ظالم دنیا باپ کے بدلے بیٹے سے اور بیٹے کے بدلے باپ سے خوب گن گن کر لیتی ہے۔'' اس خیال کے ساتھ ہی ان کے رگ و پے میں لہو کی جگہ درد دوڑنے لگا......

☆☆☆

برہان کی سوتے سوتے آنکھ کھل گئی تھی اب اکثر رات کو اسی طرح ہوتا تھا کہ نیند کے غلبے سے اس کی آنکھیں بند ہوتی تھیں وہ سو جاتا تھا لیکن سوتے سوتے ایک دم اس کی نیند ٹوٹتی تھی اور آنکھ کھلتے ہی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سویا ہی نہیں...... جانے کب سے جاگ رہا تھا...... نیند ٹوٹتے ہی وہ چند لمحے خالی، خالی نظروں سے چھت کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نیند کے ٹوٹتے ہی بستر بھی کاٹنے کو دوڑتا تھا...... پھر ایک پل نہیں لیٹا جاتا تھا۔

وہ بستر سے اٹھ کر بڑے سے دریچے میں آ کھڑا ہوا، اس کمرے کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کی بالکونی میں کھڑے ہو کر گھر کے تین حصے بہت صاف نظر آتے تھے۔

یہ وسیع و عریض رقبے پر تعمیر شدہ ایک کوٹھی تھی جس کا صرف لان ہی ایک ہزار گز سے زیادہ کا تھا اور L shape میں تھا۔ بالکونی میں کھڑے ہوتے ہی لان کا بڑا حصہ مین گیٹ اور کار پورچ بالکل صاف دکھائی دیتے تھے...... وہ تو بالکل خالی الذہن بالکونی میں آ کھڑا ہوا تھا لیکن سامنے نظر پڑتے ہی ایک زور کا جھٹکا لگا تھا۔ کیونکہ ہلکے اجالے میں اس کی نظر ٹھیک سے کام کر رہی تھی مگر یہ تو صاف پتا چل رہا تھا کہ سنگی بینچ پر کوئی لڑکی گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ہے...... ''کائناز......'' ایک خیال بڑی سرعت سے اس کے ذہن سے ٹکرایا......

''لیکن کائناز اس وقت رات ڈیڑھ بجے اکیلی لان میں کیوں بیٹھے گی......'' وہ ٹکٹکی باندھ کر پلکیں جھپکائے بغیر بالکل سیدھ میں دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ لڑکی جو گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ہے اس نے ابھی تک زاویہ تبدیل نہیں کیا تھا۔

''وہ......'' پھر اچانک برہان کو یاد آیا...... ''کہیں یہ وہ تو نہیں جو اس روز دکھائی دی تھی جس کے چہرے پر عجیب و غریب نشانات تھے۔'' تجسس آخری حدوں کو چھونے لگا تو وہ کشاں کشاں لان کی طرف کھنچا چلا آیا...... ابھی وہ...... لان میں پہنچا ہی تھا کہ اس کی سماعت سے نسوانی سسکیاں ٹکرانے لگیں۔

''کون ہے یہ؟ یہ تو رو رہی ہے۔'' برہان نے فکرمندی سے سامنے کی طرف دیکھا...... لان کی روشنیاں اتنی مدھم تھیں کہ وہ دور سے پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ بینچ پر کون بیٹھا تھا...... وہ حیرت اور تجسس کی فراوانی میں بہتا ہوا لڑکی سے قدرے قریب ہوا۔

''اوہ...... یہ تو روما ہے......'' صرف بالوں کے اسٹائل، نظر آنے والے ہاتھوں سے اس نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا...... ''لیکن یہ یہاں اکیلی بیٹھی کیوں رو رہی ہے......'' وہ انتہائی پریشان ہو گیا، اِدھر اُدھر دیکھا دور، دور تک کسی انسانی وجود کا کوئی شائبہ نہیں تھا...... لے دے کے وہ گارڈ جو گیٹ پر کسی وقت ٹہلتا یا کھڑا نظر آ جاتا تھا' غالباً کیبن میں جا کر گہری نیند سو چکا تھا۔

''روما......!'' برہان نے بڑی بے اختیاری سی کیفیت میں آواز دی۔ روما نے یوں چونک کر سر اٹھایا جیسے

440 وولٹ کے کرنٹ کا جھٹکا لگا ہو......اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس وقت لان میں آسکتا ہے......اس کا خیال تھا کہ سب اس وقت بہت گہری نیند سو رہے ہوں گے۔

وہ برہان کو سامنے پا کر جلدی، جلدی بدحواسی کے عالم میں پاؤں میں چپل پھنسا کر بھاگنے کی تیاری کرنے لگی......لیکن برہان عین اس کے بالمقابل آکھڑا ہوا اور غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''روما! آپ رو رہی ہیں...... یہاں...... خیریت ہے، کیا ہوا......؟''

''کچھ نہیں سر! ہماری تو قسمت ہی خراب ہے......ہم تو ایسے ہی شاید روتے رہیں گے، آپ ہماری فکر نہیں کریں۔'' یہ کہہ کر روما نے آنسو پونچھے اور ساتھ ہی جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

''ایک منٹ روما......! میری بات سنیں......''

''سر......آئی ایم سوری سر، میں آپ سے اس وقت کوئی بات نہیں کرسکتی میں بہت پریشان ہوں۔ نیند نہیں آرہی تھی بس رونا آرہا تھا۔ میں نے سوچا اگر رونے لگی تو کائناز اٹھ کر بیٹھ جائے گی تو پھر میں لان میں آگئی۔''

''رونے کے لیے......؟'' برہان نے برجستہ سوال کیا......روما نے بھی اثبات میں گردن ہلا دی اور خود ہی اپنی اس حرکت پر شرمندہ سی نظر آنے لگی۔

''سر......وہ ناں بس......وہ پلیز آپ پریشان نہیں ہوں، میری تو عادت ہے رونے کی اور میں تو ویسے ہی روتی رہتی ہوں۔ آپ کائناز سے پوچھ لیجیے گا۔''

''لیکن......آپ کیوں روتی رہتی ہیں......کیا مسئلہ ہے آپ کو......؟''

''کوئی ایک مسئلہ ہو تو بتاؤں سر! ہمیں تو آج تک اپنے فادر کا نہیں پتا......ہماری اماں جان اب ہمیں پہچانتی بھی نہیں ہیں۔ برابر میں ہمارا گھر ہے اور ہم کائناز کے گھر میں بیٹھے رو رہے ہیں......اسی سے آپ کو اندازہ نہیں ہوتا کہ ہماری قسمت کتنی خراب ہے......کوئی بھی نہیں ہے ہمارا......'' یہ کہہ کر روما بڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھنے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا کہ برہان کو اس عالم تحیر میں چھوڑ کر وہ بڑے آرام سے چلتی چلی جارہی ہے جو پتھر کا بت بنا اس کے لفظوں کی بازگشت میں چکرا رہا تھا......اور پوری آنکھیں کھول کر روما کی طرف دیکھ رہا تھا......اور آس پاس سے اتنا بے خبر ہوچکا تھا کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ پہلی منزل کی بالکونی سے جھانکتی ہوئی رابی کتنی حیرت زدہ نظر آرہی ہے......اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ روما، برہان سے بات کررہی تھی......اور پھر بڑے عجیب سے انداز میں اندر کی طرف گئی تھی......رابی یہ بھی دیکھ چکی تھی کہ برہان ابھی تک اپنی جگہ ساکت اور صامت کھڑا جاتی ہوئی روما کو دیکھے چلا جارہا تھا۔

''یہ دونوں اس وقت لان میں کیا کر رہے تھے......؟'' وہ تو کتاب پڑھتے پڑھتے بیزار ہوگئی تھی۔ نیند تھی کہ آکر ہی نہیں دے رہی تھی۔ اس لیے کمرے کا دروازہ کھول کر کمرے سے ملحق بالکونی میں یونہی آکھڑی ہوئی تھی۔ بعض اوقات وسیع فضا پر نظریں جمانے سے بھی بڑا سکون ملتا ہے لیکن جو کچھ اس نے دیکھا وہ تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ اس کا جی چاہا وہ جلدی سے روما کے پاس جائے اور پوچھے......کہ وہ اتنی رات کو برہان سے کیا باتیں کررہی تھی......؟ کیا چکر ہے لیکن فوراً ایک خیال نے اسے روک لیا تھا......روما کمرے میں اکیلی نہیں ہوتی، وہ کائناز کے ساتھ ہوتی ہے......اگر وہ روما سے بات کرے گی تو لامحالہ کائناز بھی جاگ اٹھے گی......''لیکن اب ساری رات مجھے نیند نہیں آئے گی......یہ روما اور برہان کیا باتیں کررہے تھے......اتنی

تیز ہے، روما پر بالکل بھی نہیں لگتی......'' رابی تو جیسے وسوسوں اور اندیشوں کے جھکڑ میں لڑکھڑانے لگی تھی......اب اسے نیند آجائے گی؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......وہ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

''برہان علی......این ای ڈی یونیورسٹی سے بی ای الیکٹریکل کررہا ہے......'' ایس پی، وارث علی کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے اپنی دانست میں گویا اسے مطلع کررہا تھا۔

''یہ میں جانتا ہوں سر جی لڑکا پڑھتا ہے......'' وارث علی نے قدرے بیزار کُن کیفیت میں کہا......وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ ایس پی اسے کوئی دھماکا خیز خبر سنانے والا ہے......ایسی خبر جس کے بعد اس کی ساری پرابلم حل ہوجائیں گی۔

''لیکن تمہیں شاید یہ نہیں پتا تھا کہ وہ این ای ڈی کا بڑا ہونہار اسٹوڈنٹ ہے......'' ایس پی نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر پھر سابقہ انداز میں کہا۔

''سر جی یہ کوئی خاص خبر نہیں ہے۔ اس عمر میں سب لڑکے پڑھتے ہیں، کوئی کالج میں پڑھتا ہے کوئی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے اس میں کیا خاص بات ہے......اگر میں اس سے ملنے یونیورسٹی چلا بھی جاتا ہوں تو مجھے فائدہ نہیں ہوگا۔''

''نادان دوست آگے بھی سنو......'' ایس پی بہت معنی خیز اور پُرسکون انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اور بہت غور سے وارث علی کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھتا جارہا تھا۔

''لڑکا بہت ہونہار ہے، میرٹ پر گیا ہوگا......اس کے باپ میں تو اتنا تیر نہیں کہ لاکھوں لگا کے اس کو این ای ڈی میں بٹھادے۔''

''آگے بولیں اب سر جی......'' وارث علی کی بے تابی اب انتہا کو پہنچ چکی تھی کیونکہ اسے اتنا تو اندازہ ہوگیا تھا کہ کسی خبر کے سلسلے میں ہی اتنی لمبی تمہید باندھ کر وہ بات کررہا ہے۔

''اور آج کل وہ اپنی ماں، بہن کے ساتھ اپنے نانا کی دو ہزار گز کی کوٹھی میں رہتا ہے......'' ایس پی نے بالآخر دھماکا کردیا......وارث علی نے آنکھیں پھاڑ کر ایس پی کی طرف دیکھا......اسے واقعی یوں لگا تھا جیسے اس کے سر پر کسی نے بم پھوڑا ہے......چند لمحے تو وہ بات کرنے کے قابل نہیں رہا تھا......ٹکٹکی باندھ کر ایس پی کی شکل تکنے لگا۔

''نانا......؟ میری معلومات کے مطابق تو اس کا یہاں پر کوئی نانا، دادا نہیں تھا......اگر ایسی بات ہوتی تو میری پیاری مرحومہ بیوی مجھے اپنے نانا سے ملانے ضرور لے کر جاتی......جس لڑکی کا نانا دو ہزار گز کی کوٹھی میں رہتا ہو وہ لڑکی اپنے نانا کا رعب جمانے میں دیر نہیں لگاتی......اور پھر سر جی جابر علی کا سسر کروڑ پتی، ارب پتی کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ تو شکل سے ہی مڈل کلاسیا لگتا ہے......'' وارث علی نے تواتر سے بولنا شروع کردیا تھا۔

''بولے چلے جارہے ہو اندازے لگائے چلے جارہے ہو......'' ایس پی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ''یار ہم پولیس ڈیپارٹمنٹ والے اندازے لگاتے ہیں اس وقت جب ہمارے پاس چند سولڈ ٹھوس ثبوت آجاتے ہیں ورنہ ہم بستر پر لیٹ کر اندازے لگانے کی کوشش نہیں کرتے......کیا ایک خاندان میں امیر، غریب رشتے دار نہیں ہوتے، ہوسکتا ہے مجبوری سے جابر علی سے شادی کرنی پڑی ہو، لڑکی صورت شکل کی اچھی نہ ہو، خدا نخواستہ اس میں کوئی جسمانی عیب ہو، اس کے رشتے نہ ملتے ہوں......تو پھر بندہ جابر علی جیسے تنخواہ دار کو بیٹی کا ہاتھ تھما دیتا ہے......سمجھا کرو یار......ہر رئیس لڑکی کی شادی رئیسوں میں نہیں ہوتی۔''

''لیکن سر جی میں آپ کو یقین دلا رہا ہوں......'' وارث علی کو ایس پی کی بات سے مطلق دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے تو ایس پی کے بولنے سے پہلے ہی اس حقیقت کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا......کہ جابر علی کا سسر

کروڑپتی یا ارب پتی ہوسکتا ہے۔“
جابر علی نے محلے کے دس بندے جمع کیے تھے
”اتنا امیر نانا ہوتے ہوئے وہ لڑکی میرے گھر آجاتی ....؟ جابر علی نے محلے کے دس بندے جمع کیے تھے اور سب کو چائے پانی پر ٹرخا دیا تھا اگر اتنے امیر نانا کی نواسی تھی تو بارات کو فائیو اسٹار ہوٹل میں ریسپشن دیتا...... بھائی عزت دار لوگوں کو اپنی عزت بہت پیاری ہوتی ہے، سر جی وہ نانا نہیں ہوگا...... ہوسکتا ہے کوئی دور پرے کا رشتے دار ہو۔“

”میری اطلاع کے مطابق اس کوٹھی کا مالک شہر کا ایک معروف بزنس مین ہے جس نے مختلف جگہوں پر کروڑوں روپے لگائے ہوئے ہیں...... sleeping partner ہے پیسہ لگاتا ہے اور منافع اٹھاتا ہے۔ یار ستر پچھتر برس کا بندہ ہے...... اب بس اپنے پیسے سے ہی کھیل، کھیل سکتا ہے۔“

”نہیں سر جی نہیں' آپ کے مخبر کی اطلاع غلط ہے، وہ نہ جانے کس کو برہان سمجھ کر کھوج لگانے گیا تھا...... آپ دوبارہ سے کھوج لگائیں...... مجھے پورا یقین ہے کہ مخبر کو مغالطہ ہوا ہے، جابر علی کا رشتے دار اتنا با اثر اتنا دولت مند ہو ہی نہیں سکتا...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......“

”کیسے سوال پیدا نہیں ہوتا یار ہمارے اپنے خاندانوں میں تم نہیں دیکھتے، امیر، غریب، مڈل کلاس ہر طرح کے رشتے دار ہوتے ہیں۔“ ایس پی جھنجلا گیا۔

”نہیں، نہیں سر جی نہیں...... وہ لڑکی بہت تیز تھی، اپنے باپ سے زیادہ پولیس والی لگتی تھی...... اگر وہ اتنے رئیس نانا کی نواسی ہوتی ناں تو میری ناک میں تنکا چلا دیتی۔ رعب جما جما کر...... میں پھر کہہ رہا ہوں آپ دوبارہ سے چھان بین کرائیں، مخبر کی اطلاع غلط ہے، اس نے کسی اور لڑکے کو برہان سمجھ لیا ہے۔“

”نہیں وارث علی، یہ میرا وہ مخبر ہے جس کی کوئی اطلاع آج تک غلط نہیں نکلی۔ بڑا صاف ستھرا ریکارڈ ہے اس کا۔ میں آنکھیں بند کرکے اس کی خبر پر بھروسا کرتا ہوں۔ میں تمہیں شاہ عالم کی کوٹھی کا نمبر دے رہا ہوں...... میرا مطلب ہے کہ ایڈریس دے رہا ہوں تم جا کر خود پتا کرو......“ یہ کہہ کر ایس پی نے دراز کھولی اور ایک فولڈ کیا ہوا کاغذ کا ٹکڑا نکالا اور وارث علی کے سامنے رکھ دیا۔

”یہ رہا اس کا پتا...... خود جا کر تسلی کرلو پتا چل جائے گا کہ برہان اپنی ماں، بہن کے ساتھ وہاں رہتا ہے یا نہیں......“ وارث علی پر اب جیسے سکوتِ مرگ طاری ہو چکا تھا۔ اس کی بے شار نہیں، نہیں کے جواب میں ایس پی کا چہرہ بہت پُر اعتماد اور پُر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ وارث علی نے وہ کاغذ کا ٹکڑا اٹھایا کھولا اور شاہ عالم کے گھر کا ایڈریس دیکھنے لگا...... شاہ عالم اس نے زیرِ لب شاہ عالم کا نام لیا۔

ایس پی اپنے مخصوص افسرانہ اسٹائل میں وارث علی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پولیس والوں کی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پہلا خیال یہی آتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت شک اور بے یقینی میں مبتلا رہتے ہیں اور مسلسل شک کی وجہ سے ان کی آنکھوں کا ایک خاص زاویہ بن جاتا ہے اور وہ ہر کسی کو اسی زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ تو جب اپنے معصوم جگری دوست کو بھی دیکھتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے کہہ رہے ہوں کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

☆☆☆

رابی رات سے کراب تک ایک اذیت ناک اندرونی جنگ میں مبتلا تھی۔ روما سے اکیلے ملنے کا موقع ہی مل کر نہیں دے رہا تھا۔ وہ ہر طرح سے اسے بہلانے اور سمجھانے کی کوشش کر سکی تھی۔ انسان اپنے آپ کو دھوکا دینے کے لیے جو کچھ سوچ سکتا ہے، جہاں تک اس کے خیال کی اڑان جاتی ہے وہی سب کچھ وہ گزر گزری

تھی لیکن کسی خیال میں اور کسی دھوکے نے اس کا دل مطمئن نہیں کیا...... وہ جو اتنے ذوق شوق سے باہر جانے کی تیاریاں کر رہی تھی دن رات صرف ایک سوچ میں تھی کہ بس اسے اس کا چہرہ واپس مل جائے......

اگر وہ پیدائشی طور پر سیاہ فام یا بدشکل ہوتی تو شاید اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ چہرے کی خوب صورتی کی کیا اہمیت ہوتی ہے اور جو چہرہ بھی اسے ملتا...... وہ اسی چہرے سے محبت کرتی اور اسی چہرے کو آئینے میں دیکھتے ہوئے خواب دیکھتی...... کیونکہ آئینہ دیکھتے ہوئے خوابوں کی اڑان اور پرواز کا تعین کیا جا سکتا ہے...... بہت سے پری چہرہ جب خود کو آئینے میں دیکھتے ہیں تو ساتھ ہی اسی آئینے میں ان کو اپنی پشت پر ہیرے موتیوں سے آراستہ شاہی تخت بھی نظر آنے لگتا ہے اور وہ اپنے اس چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے سوچتے ہیں کہ وہ تو کسی تخت پر بیٹھنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں...... اسی طرح سے وہ چہرہ جو دوسروں کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتا لیکن جس کا چہرہ ہوتا ہے وہ اپنے اسی چہرے کے ساتھ کچھ خوب صورت خواب اپنی آنکھوں میں سجا ہی لیتا ہے، اپنی بساط کے مطابق...... اپنی نظر آنے والی حدود کے مطابق...... لیکن اسے تو برہان کے ملنے کے بعد کسی پل کسی کل چین نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ اپنا وہی چہرہ پھر سے آئینے میں دیکھنا چاہتی تھی تاکہ وہ آئینہ بہت جلد کوئی منصب عطا ہونے کی خوشخبری سنائے...... اور کسی کے دل میں اتر جانے سے زیادہ عظیم منصب اور کیا ہو سکتا تھا...... اس سے بڑا منصب تو کوئی نہیں ہوتا۔

سر فتح کیے جاتے ہیں تو وہ فتح عارضی ہوتی ہے، دل فتح ہو جاتے ہیں تو گویا کائنات تسخیر ہو جاتی ہے...... اسے تو ایک دل فتح کرنے کی دُھن لاحق ہوگئی تھی...... صبح، دوپہر، شام اس کے نشانے کی زد پر وہی دل تھا جس میں اترنے اور فتحیاب ہونے کی خواہش اتنی شدت اختیار کر چکی تھی...... جیسے کسی مرض الموت میں مبتلا مریض کی زندہ رہنے کی خواہش میں شدت ہوتی ہے۔

لیکن یہ کیا...... ایک فلک بوس عمارت آنِ واحد میں زمیں بوس ہو چکی تھی...... ”نہیں، نہیں...... ایسا نہیں ہوسکتا روما......! روما کے لیے ہزار دروازے کھل جائیں گے مگر میرے پیچھے تو بلائیں لگی ہیں مجھے ان بلاؤں سے بچنے کے لیے کسی منتر کا حصار چاہیے۔ جانے کب خالہ جانی جذبات میں آکر اٹھ کھڑی ہوں اور اماں جان کو علاج کے لیے داخل کرادیں...... اماں جان پھر ٹھیک ٹھاک ہو کر آئیں اور میرے لیے کسی سہراب خان کی تلاش شروع کردیں...... نہیں، نہیں برہان سے پہلے کچھ نہیں دیکھا تھا اور برہان کے بعد تو...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... روما تم میرے راستے میں نہیں آؤ گی......“ رابی کی کیفیت گویا پاگلوں جیسی ہو رہی تھی...... کیسے رات کٹی کیسے صبح ہوئی اس نے ناشتے میں کیا کھایا...... صبح سے دوپہر ہوگئی...... اور پھر دوپہر بھی ڈھلنے لگی...... اس کا ذہن رات کے اس پہر جس جگہ اٹکا تھا ہنوز اسی جگہ اٹکا ہوا تھا...... لیکن روما سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ہی مل کر نہیں دے رہا تھا۔ یا تو روما، کائناز کے ساتھ دکھائی دی یا پھر bed room میں سوتی ہوئی اب کسی سوتے ہوئے بندے کو اٹھا کر اتنی مشکل اور حساس نوعیت کی باتیں تو نہیں کی جاسکتیں، جانے بندہ کس سوال کا کیا جواب دے دے ”لیکن میری آنکھوں نے جھوٹ نہیں دیکھا......“ رابی نے پھر خود کو یقین دلایا...... اور دھوکا دینے والی بہن کو جیسے دونوں ہاتھوں سے پرے کر دیا...... گڑبڑ تو ضرور ہے لیکن میں آج رات سونے سے پہلے، پہلے سب کچھ جان کر رہوں گی۔

خیالات کے بوجھ سے اس کے اعصاب شل ہوگئے...... وہ بیڈ کے کونے پر سر جھکائے بیٹھی تھی...... غیر ارادی طور پر مٹی کے ڈھیر کی طرح بیڈ پر ڈھے گئی...... معاً اسے اپنے بے سروپا اندیشوں پر ہنسی آگئی۔

"اماں جان اگر ٹھیک بھی ہو جائیں اور میرے لیے کسی نئے سہراب خان کو تلاش بھی کرنے لگیں تو اس مرتبہ وہ نہیں ہو سکے گا جو پہلے ہوا تھا۔ یہ داغ، داغ چہرے کو دیکھ کر کوئی خاک روب بھی مجھ سے شادی کرنا پسند نہیں کرے گا.... اس چہرے نے تو مجھے بہت بڑے عذاب میں گرنے سے بچایا ہے اور شاید...... اسی لیے بچایا ہے کہ کسی نے ملنا تھا اور مجھے بھی پتا لگنا تھا کہ خواب صرف ڈراؤنے نہیں ہوتے حسین بھی ہوتے ہیں...... لیکن میرے حسین خواب اور یہ روما...... نہیں، نہیں میں اسے اپنے کمرے میں بلا کر لاتی ہوں...... میرا خیال ہے سو گئی ہو گی......" رابی ایک دم تڑپ کر جیسے پھر سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور پاؤں سلیپر میں پھنسانے لگی۔

☆☆☆

برہان کے اٹھارہ انیس سال داؤ پر لگ گئے تھے۔ صابرہ نے اسے بتایا تھا کہ اس کا جب اسکول میں ایڈمیشن ہوا تو اس کی عمر پانچ سال تھی اور اب جبکہ وہ اپنے تعلیمی مراحل کے آخری دور سے گزر رہا تھا...... قیامت برپا ہو گئی، جہاں تک نظر اٹھاتا اسے ہر چیز گردش کرتی ہوئی دکھائی دیتی۔ جیسے ہر شے نے اپنی جگہ چھوڑی ہو اور دوسری شے سے ٹکراتی پھر رہی ہو۔

شاہ صاحب جیسے انسان دوست بندے نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو یوں لگا جیسے ان کی ہتھیلی سے کوئی جادو بھری لہر نکل کر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی ہو...... اس کے ٹوٹے ہوئے حوصلے پھر جڑنے لگے اور آج وہ اپنی ساری ہمت مجتمع کر کے یونیورسٹی چلا آیا۔ اگر اب بھی نہ آتا تو کیا کرتا، صابرہ اور شبینہ کے اداس چہرے دیکھتا جو کسی نہ کسی بہانے سے اس کے باپ کا ذکر چھیڑ سکتی تھیں اور وہ اتنا دلبرداشتہ اور باپ سے برگشتہ تھا کہ ذکر بھی یوں لگتا تھا جیسے کوئی اس کے نرخرے پر الٹی چھری چلا رہا ہو...... اور کہہ رہا ہوں کہ خاموشی سے ذبح ہو جاؤ منہ سے ایک لفظ نہ نکالنا۔

کئی دن بعد یونیورسٹی میں قدم رکھا تو یوں لگا جیسے وہ کسی ایسی جگہ آیا ہے جہاں برسوں پہلے اس کا گزر رہا تھا...... ہر چیز اجنبی، اجنبی اور دھندلی، دھندلی محسوس ہو رہی تھی...... حال کے بجائے ماضی کا عکس دکھائی دے رہی تھی۔ کلاس فیلوز.......... اساتذہ...... سب کی آنکھیں اسے اپنے جسم سے چپکی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ جیسے ہر کوئی کھوج کر رہا ہو۔

"یار تم اتنے ذلیل کیسے ہو گئے......؟ شکل سے تو بڑی اچھی ماں کے بیٹے لگتے ہو...... پھر ذلتوں کا سودا کیسے ہو گیا......" اس سے قبل کہ شدید روحانی اذیت اسے نڈھال کر دیتی...... اس کے قدموں سے سکت چھین لیتی...... شاہ صاحب کا خیال آتے ہی نئے سرے سے اس کے وجود میں توانائیاں بھر گئیں اور جو کچھ بھی انہوں نے سمجھانے بجھانے کے معنوں میں اس سے کہا تھا وہ بازگشت بن کر اس کے حافظے میں گردش کرنے لگا...... بالکل ایسے ہی جیسے جسمانی توانائی حاصل کرنے کے لیے کوئی جادو اثر ٹانک استعمال کیا جاتا ہے اور لوگوں میں زندگی پوری قوت سے دوڑنے لگتی ہے۔

شاہ صاحب کے شفقت بھرے لہجے میں بالکل کچھ ایسا ہی اثر تھا کہ وہ ذرا کی ذرا شاہ صاحب کو سوچتا تھا اور حوصلہ آنکھیں ملتا ہوا اس کے روم، روم میں انگڑائیاں لینے لگتا تھا۔

"بیٹا گرنے والے کو یہ دنیا روند کر چلی جاتی ہے۔ اٹھانے والے تو نصیب سے ملتے ہیں، خود کو گرنے مت دینا......" شاہ صاحب کی آواز بازگشت کی صورت اس کے حافظے کی دیواروں سے ٹکرانے لگی۔

جاری ہے

امانت

رفعت سراج

قسط 20

لہو سے سینچے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پہ سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے ایسے اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوبصورت تحریر

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور روما نہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ اسمٰعیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتبر خاص تھا۔ کاناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریک کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو نا قابل قبول ہوتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے تو گل جان کو پتا چلتا کہ وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ روما شاہ عالم کے گھر آجاتی ہے۔ جابر علی، ستارہ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہتا ہے تو وہ منع کر دیتی ہے۔ شاہ عالم اخبار میں کسی خبر میں برہان کا نام پڑھ کر چونکتے ہیں۔ برہان، شاہ عالم کا فون آنے پر انہیں بتاتا ہے کہ اس کی بہن کا مرڈر ہو گیا ہے وہ اب روما کو نہیں پڑھا سکے گا۔ مہر جان اپنے مرحوم باپ کو صدا ئیں دیتی ہیں وہ گل جان سے کہتی ہیں کہ بابا ان سے ملے بغیر کبھی نہیں گئے تو اب کیسے چلے گئے۔ ایس پی ، وارث علی کو خبردار کرتا ہے۔ رابی کو برہان کی بہن کے مرڈر کی خبر ہوتی ہے تو وہ سوچتی ہے کہ شاید اب وہ اسے نہیں دیکھ پائے۔ شاہ عالم، رابی کی ہمت بندھاتے ہیں شاہ عالم، برہان کے گھر جاتے ہیں اسے تسلی دیتے ہیں۔ شبینہ، برہان سے جابر علی کے بارے میں پوچھتی ہے تو برہان کہتا ہے کہ وہ اب ان سے نہیں ملے گا۔ رابی، کاناز اور روما کو برہان کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں بتاتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہیں۔ وارث علی، ایس پی شاہ زمان سے کہتا ہے کہ وہ جابر کے قبضے سے وہ فائل نکلوائے..... ستارہ کی تدفین ہو جاتی ہے۔ رابی شاہ عالم سے کہتی ہے کہ وہ کاناز کو بتائیں کہ اب برہان انہیں پڑھانے نہیں آئے گا تو شاہ عالم کہتے ہیں کہ وہ برہان کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ روما، کاناز کے ساتھ اپنے گھر جاتی ہے تو مہر جان اسے نہیں پہچانتیں۔ ایس پی جابر علی سے بات کرتا ہے کہ وہ فائل اسے دے دے۔ وارث علی، برہان سے قاتل کی بات کرتا ہے کیا گر وہ قاتل اسے نہ ملی تو ان کے لیے اچھا نہیں ہوگا..... برہان قاتل کے بارے میں شبینہ سے پوچھتا ہے تو وہ بھی پریشان ہو جاتی ہے، احمر شائستہ بیگم کی اس بات سے بہت ڈپریسڈ ہوتا ہے کہ فائزہ، شبینہ سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ وارث علی ایس پی سے کہتا ہے کہ وہ جابر علی کی بیٹی کو اٹھا لے گا۔ روما، اسمٰعیل خان سے کہتی ہے وہ اس کے باپ کے بارے میں بتائے، اسمٰعیل خان اسے صرف اتنا بتاتا ہے کہ اس نے روما کے باپ کو دیکھا ہے۔ شبینہ، صابرہ کو نیند کی دوا دیتی ہے، وہ وارث علی کا فون سنتی ہے تو وارث علی، برہان کو دھمکی دیتا ہے تو برہان، شبینہ کو شاہ عالم کے گھر لے جاتا ہے۔ وہ گارڈ سے کہہ کر کاناز کو بلاتا ہے اسے بتاتا ہے کہ شبینہ اس کی بہن ہے وہ اسے یہاں رہنے دے صبح وہ شاہ عالم سے بات کرلے گا۔ فائزہ، احمر سے کہتی ہے کہ وہ شائستہ بیگم کو سمجھائے کہ وہ شبینہ سے دوستی ختم نہیں کر سکتی۔ کاناز اور روما، شبینہ کے آنے پر بہت حیران ہوتی ہیں۔ شاہ عالم کو صبح پتا کاناز، برہان کی بہن کے آنے کا بتاتی ہے۔ برہان، رابی کو بھی شاہ عالم کے گھر لے آتا ہے۔ برہان، شاہ عالم سے کہتا ہے کہ وہ ایکسی کرائے پر لے کر تو نہیں رہ سکتا لیکن وہ اس مد میں کچھ پیسے ضرور دے گا..... برہان، شاہ زمان کے پاس وارث علی کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے جاتا ہے۔ وارث علی آ کر شاہ زمان کو بتاتا ہے کہ وہ لوگ گھر چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں۔ رابی اب فوراً سے پیشتر اپنا پہلے والا چہرہ حاصل کرنا چاہتی ہے لیکن گل جان اسے اکیلے بھیجنے پر متامل ہوتی ہے۔ بریگیڈیئر جمیل، شاہ عالم کو کہتے ہیں کہ وہ کاناز کے لیے ان کی پسند کے مطابق رشتہ تلاش کر رہے ہیں۔ کاناز، صابرہ کو روما کی والدہ کی طبیعت کا بتاتی ہے تو وہ روما کی دلجوئی کرتی ہے۔ گل جان، اسمٰعیل خان کو بتاتی ہے کہ رابی باہر جانا چاہتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ جہاں جانا چاہ رہی ہے اسے جانے دیں نہ روکیں..... وارث علی، ایس پی کو بتاتا ہے کہ جابر کے گھر والے کہیں روپوش ہو گئے ہیں اور اب انہیں اپنی جان بچانے کے لیے جابر علی کی دوسری بیٹی کو اپنے قابو میں کرنا ہے۔ برہان، رابی کو دیکھتا ہے تو حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ جابر علی کے ساتھ لاک اپ میں تین قیدی اور آگئے تھے جو اس سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ روما، شاہ عالم سے کہتی ہے کہ وہ گل جان کو سمجھائیں کہ وہ مہر جان کا علاج کرائیں۔ کاناز، صابرہ سے کہتی ہے کہ وہ برہان سے کہے کہ وہ انہیں پڑھانا شروع کر دے۔ شائستہ بیگم اسلام آباد جاتی ہیں تو موقع غنیمت جان کر احمر اور فائزہ، شبینہ کے گھر آتے ہیں لیکن ان کا گھر بند ملتا ہے..... شاہ عالم، صابرہ اور برہان سے کہتے ہیں کہ وہ ان کی کوئی مدد کر سکتے ہیں تو ضرور کریں گے۔ صابرہ کہتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو لے کر گاؤں چلی جائے گی۔ برہان رات کو لان میں روما کو روتے دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے۔ اگلی رات کو روما اور برہان کو لان میں دیکھ کر رابی کو بے چینی لگ جاتی ہے۔ وارث علی، شاہ عالم کو جابر علی کا سسر سمجھتا ہے۔ برہان یونیورسٹی جاتا ہے تو اسے ہر چیز اجنبی محسوس ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

"ہمارے مذہب میں والدین کے حقوق کے بارے میں بہت واضح احکامات ہیں...... یہاں تک کہا گیا ہے کہ ہر حال میں والدین کے حقوق ادا کرنا ہیں اور اس وقت تک ادا کرنے ہیں جس وقت تک وہ کفر کے راستے پر چلنے کے لیے مجبور نہ کریں...... صرف اسی صورت میں والدین کی بات نہیں ماننی ہے لیکن...... اس کے علاوہ والدین کے حقوق ادا نہ کرنے کے معاملے کو کھلی نافرمانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔" شاہ صاحب اس وقت صابرہ سے ہم کلام تھے جو تھوڑی دیر قبل شاہ صاحب کو سلام کرنے حاضر ہوئی تھی۔ جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی اظہارِ تشکر کے طور پر وہ دن میں ایک مرتبہ شاہ صاحب کو سلام کرنے ضرور آتی تھی۔

وہ بات جو شاہ صاحب کے ذہن میں ہر وقت رہتی تھی آج انہوں نے اس کا برملا اظہار کر دیا تھا...... چونکہ برہان نے اپنے طور سے ان سے مزید کسی قسم کی مدد نہیں چاہی تھی...... لیکن وہ منتظر تھے کہ برہان اپنے باپ کے بارے میں ان سے کوئی بات کرے...... کوئی اخلاقی مدد مانگے یا اس معاملے میں اپنی ذمے داری کا احساس کرتا ہوا دکھائی دے...... کئی دن گزرنے کے بعد ایسا کچھ نہیں ہوا تو انہوں نے خود ہی سے بات شروع کی تھی۔

شاہ صاحب کی یہ بات سن کر صابرہ کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے...... اور ایک گہرے غم کا تاثر اس کے چہرے پر ٹھہر گیا...... چند لمحے سر جھکائے سوچتی رہی...... پھر رقت بھری آواز میں گویا ہوئی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں شاہ صاحب...... میرا اور برہان کے باپ کا رشتہ دنیاوی رشتہ ہے اور صرف ہم دونوں کی زندگی تک باقی ہے لیکن بچوں کا رشتہ...... ہاں، باپ کا رشتہ قیامت تک کا رشتہ ہے۔ برہان بہت اچھا بچہ ہے، اس نے کبھی اونچی آواز میں میرے ساتھ بات تک نہیں کی...... لیکن شاید بہن کی مظلومیت پر وہ بہت غمزدہ ہے...... اور باپ کی طرف سے اس کا دل پھر گیا ہے...... میں نے کئی دفعہ اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس معاملے میں یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے کہ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ کسی بات پر مجبور نہ کریں......" صابرہ کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے، بچہ ہے...... اتنا بڑا حادثہ ایک بلا کی طرح نازل ہوا ہے۔ سنبھلنے میں وقت تو لگے گا مگر مجھے اور آپ کو اس کی دنیا ہی کی نہیں آخرت کی بھی فکر کرنی ہے...... جیسا کہ ہم اپنی دنیا اور آخرت کی فکر کرتے ہیں...... آپ کے شوہر نے جو کچھ بھی کیا...... وہ دنیا کے کٹہرے میں تو کھڑے ہو گئے ہیں...... ایک دن آخرت کے کٹہرے میں بھی کھڑے ہوں گے اور صرف انہی سوالات کا جواب دیں گے جن کا تعلق ان کے اپنے اعمال سے ہوگا...... مجھے آپ کو، ہم سب کو صرف اور صرف اپنے، اپنے عمل کا جواب دینا ہے۔"

"میں بھی اسی طرح سوچتی ہوں شاہ صاحب...... لیکن اس کے باوجود کہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنی ہنستی کھیلتی اولاد سے محروم ہو گئی۔ اپنی اس بچی کا چہرہ ہر وقت میری نگاہ میں رہتا ہے...... پھر بھی میں نے سوچا ان بچوں کے باپ کے ساتھ ایک عمر گزار دی...... اسی کی محنت کی کمائی کھا کر آج تک زندہ تھی اور اس کے وسیلے سے ملنے والی عزت کی وجہ سے سر چھپا کر بیٹھی ہوئی تھی۔" صابرہ بدقت کہہ رہی تھی۔

شاہ صاحب چند لمحے کھوئی، کھوئی گم صم کیفیت میں بیٹھے رہے پھر اس کی طرف دیکھے بغیر بولے کہ صابرہ کی بات نے انہیں ازحد متاثر کیا تھا۔

"میں آپ کی ہر قسم کی اخلاقی اور مالی مدد کرنے کے لیے تیار رہوں...... بس آپ برہان کو سمجھانے کی کوشش کیجیے۔ بچوں کو بہر حال اپنے باپ سے ملاقات کرنی چاہیے۔ ایسا بھی تو ہوتا ہے ناں کہ بعض اوقات انسان کوئی غلطی کرنے کے بعد بہت پچھتاتا ہے...... اور رو رو کر اللہ سے توبہ کرتا ہے استغفار کرتا ہے...... کیا خبر

غلطی کرنے والے کی غلطی کب معاف کر دی جائے اور ہم بندے اس غلطی کو پکڑے بیٹھے رہیں۔ جبکہ ہم میں سے کسی کو اس کا فائدہ نہیں...... ہوسکتا ہے جس کا نقصان ہوا تھا اسے کسی فائدے سے بدل دیا گیا ہو اور ہمارے فرشتوں کو خبر بھی نہ ہوئی ہو۔" شاہ عالم بہت غور و خوض کرتے ہوئے اس طرح سے بات کر رہے تھے کہ ان کے منہ سے نکلنے والا ایک، ایک لفظ گنا جا سکتا تھا۔ شاہ صاحب کی یہ بات سن کر صابرہ اب ضبط نہ کر سکی.... ہچکیاں لے کر رونے لگی..... پھر روتے روتے بولی۔

"شاہ صاحب ہم تو اگر اس بات پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ اس گھپ اندھیرے میں آپ جیسے اللہ کا خوف رکھنے والے بندے نے ہمارے سر پر ہاتھ رکھ دیا..... اگر آپ بھی دنیاداروں کی طرح اپنے دروازے ہم پر بند کر دیتے تو ہم بھلا کہاں جاتے؟" صابرہ کی یہ بات سن کر شاہ صاحب کے جسم پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا۔ ایک دم ہاتھ اٹھا کر تڑپ کر بولے۔

"نہیں..... نہیں، میں کسی قابل نہیں ہوں..... آپ میرے بارے میں اس طرح نہ سوچیں..... میں صرف اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں..... وہ گناہ جن کا مجھے ہر حال میں جواب دینا ہے اور صرف جواب دینا ہے اس عدالت میں جہاں صرف جواب طلب کیے جائیں گے جواز نہیں۔"

صابرہ اب کچھ نہ بولی اسی طرح ہچکیاں لے کر روتی رہی..... عین اسی لمحے گھر کے ایک ملازم نے شاہ صاحب کو آ کر اطلاع دی تھی۔

"صاحب کوئی مہمان آئے ہیں....." شاہ صاحب نے چونک کر ملازم کی شکل دیکھی۔

"مہمان..... کیا نام بتاتے ہیں؟" شاہ صاحب اپنے ملازم سے سوال کر رہے تھے اور صابرہ اپنے بہنے والے آنسو پونچھ رہی تھی..... لیکن اس کی سسکیاں اب بھی فضا میں بکھری ہوئی تھیں۔

"صاحب، وارث علی نام بتا رہے ہیں۔"

"وارث علی....." شاہ صاحب کے منہ سے نکلا..... صابرہ بدحواس ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور خوف زدہ انداز میں شاہ صاحب کی طرف دیکھ کر بولی۔

"شاہ صاحب..... یہ..... یہ وہی..... وہی ہے جس کی وجہ سے ہم آج آپ کے گھر میں آ کر بیٹھ گئے ہیں..... یہ یہاں بھی پہنچ گیا..... یہ کتنا بڑا شیطان ہے۔ اسے کیسے خبر لگ گئی کہ ہم یہاں ہیں۔ شاہ صاحب آپ اسے منع کر دیں..... اسے گھر میں نہ بلائیں، یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔" صابرہ اپنا رونا، دھونا بھول کر بہت خوف زدہ دکھائی دے رہی تھی۔ شاہ صاحب کے چہرے پر بھی تفکرات کی لکیریں نمودار ہوئیں۔ ملازم ابھی حکم کا منتظر کھڑا ہوا تھا۔

"آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کیجیے..... میں اس شخص سے بات کرتا ہوں..... بقول آپ کے یہ خطرناک آدمی ہے اگر اس سے بات نہ کی گئی تو پھر یہ دوبارہ بھی آئے گا..... پلیز آپ جا کر آرام کیجیے، میں اس سے بات کرتا ہوں اور ڈرنے، گھبرانے کی بالکل ضرورت نہیں..... جس اللہ نے آپ کو آج تک زندہ اور محفوظ رکھا، آگے بھی اسی کی ذمے داری ہے، ہمیں اسی پر بھروسا کرنا چاہیے..... اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا ہمیں اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" شاہ صاحب نے بہت وقار اور بے خوفی سے اس طرح بات کی تھی کہ صابرہ کے دل کو بڑی تقویت پہنچی تھی۔ وہ چپ چاپ سر جھکا کر اس طرف نکل گئی جس طرف کا راستہ انیکسی کو جاتا تھا۔

"اسے بھیج دو....." شاہ صاحب نے ملازم کی طرف دیکھا اور آہستگی سے بولے۔

ملازم واپس چلا گیا۔ شاہ صاحب اپنی جگہ ٹہلنے لگے۔ ان کے چہرے پر اسی طرح سے تفکرات کا جال بچھا ہوا تھا۔ دو، تین منٹ گزرے اور وارث علی اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم نانا جان......" شاہ صاحب قدرے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے...... وہ سر سے پاؤں تک وارث علی کا جائزہ لے رہے تھے جو اس وقت بڑی ٹک سک سے تیار تھا...... اس کے چہرے پر پھیلی خباثتیں اس کے دل کی کیفیات کو منعکس کر رہی تھی۔

"وعلیکم السلام...... تشریف رکھیں۔" شاہ صاحب باوقار انداز میں گویا ہوئے...... وارث علی جھٹ ان کے سامنے رکھے ہوئے بھاری بھرکم صوفے پر گرنے کے سے انداز میں دھنس گیا...... اس کے انداز میں عجیب سی بے تکلفی تھی جو شاہ صاحب کو بہت کھل رہی تھی مگر اس وقت وہ حلم وتدبر کا پیکر نظر آ رہے تھے۔

"نانا جان...... میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے ملاقات میرے لیے بہت عزت کی بات ہے۔...." وارث علی نے اپنی دانست میں ادب وتہذیب کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تھی...... شاہ صاحب نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور پھر گویا ہوئے۔

"مجھے نانا جان کہہ رہے ہیں...... کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میں کس حوالے، کس رشتے سے آپ کا نانا ثابت ہو رہا ہوں؟" شاہ صاحب نے اس انداز میں کہا کہ ان کے چہرے پر کسی قسم کی ناگواری کا تاثر اخذ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"جی...... آپ میری مرحومہ بیوی کے نانا جان ہیں تو ظاہری بات ہے اس رشتے سے میرے بھی نانا جان ہیں۔"

"مرحومہ بیوی......؟" اب شاہ صاحب قدرے چکرائے تھے۔

"جی...... جی...... میں مرحومہ ستارہ بیگم کی بات کر رہا ہوں۔"

"ستارہ بیگم......!" شاہ صاحب پھر الجھ کر وارث علی کی طرف دیکھنے لگے۔

"جی وہ...... کیا کہتے ہیں...... آپ برہان کے نانا جان ہیں ناں...... تو ظاہر ہے ستارہ اور اس کی بہن کے بھی نانا جان ہیں...... لیکن...... حیرت کی بات ہے کہ میری مرحومہ بیوی نے آپ کا ذکر ہی نہیں کیا...... جب مجھے پتا چلا کہ میری مرحومہ بیوی کے نانا جان بالکل میرے قریب ہی رہتے ہیں...... تو مجھ سے رہا نہیں گیا...... میں فوراً آپ سے ملنے چلا آیا۔"

"بہت نوازش...... بڑی مہربانی کی آپ نے لیکن میں آپ کی اطلاع کے لیے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بظاہر جو دنیاوی رشتے بنائے جاتے ہیں اس طرح کا کوئی رشتہ میرا اور آپ کی مرحومہ بیوی کا نہیں تھا۔"

"جی......!" وارث علی کو خاک سمجھ نہیں آئی، وہ آنکھیں پھاڑ کر شاہ صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے آپ کو میری بات سمجھ لینی چاہیے کہ میں برہان کا نانا نہیں ہوں البتہ...... ان کے خیر خواہوں میں سے ایک ہوں...... اب فرمائیں...... آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" شاہ صاحب بہت تولتی ہوئی نظروں سے وارث علی کے چہرے سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے۔

"جی...... میں بس عرض کرنے لگا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ میری بات توجہ سے سنیے گا۔" وارث علی جو شاہ صاحب کی بات سن کر بری طرح چکرا گیا تھا۔ ایک دم سنبھل کر گویا ہوا۔

"جی فرمائیں، میں سن رہا ہوں۔"

☆☆☆

"امی کیا کہہ رہی ہیں آپ، وارث علی، شاہ صاحب سے ملنے آیا ہے؟" شبینہ بری طرح بدحواس اور خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی...... صابرہ بری طرح لرزہ براندام تھی۔ اس کی قوتِ گویائی سلب ہو چکی تھی۔ اس نے شبینہ کو صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وارث علی، شاہ صاحب کے پاس بیٹھا ہے۔ اس کے بعد خوف سے گویا گھگی بندھ گئی تھی اور وہ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ شبینہ اگرچہ خود بھی حالتِ خوف میں تھی لیکن اس نے لرزتی کانپتی ماں کو سہارا دے کر بٹھا دیا تھا۔

"وہ یہاں بھی پہنچ گیا شبینہ...... جس سے چھپ کر ہم یہاں آ کر بیٹھے تھے...." صابرہ بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ ایک، ایک لفظ جیسے کسی گہری گھاٹی سے گزر کر باہر آ رہا تھا...... شبینہ کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا مگر اس پر دُہری افتاد تھی۔ ایک تو یہ کہ خود کو سنبھالنا تھا...... اور دوسرے یہ کہ ماں کو اب مزید ابتر حالت تک پہنچنے سے بچانا تھا۔

وہ لرزیدہ ٹانگوں کے ساتھ بہ مشکل کچن تک گئی...... گلاس میں پانی ڈالا اور اسی طرح لرزتی، کانپتی اس کے پاس آئی۔

"امی! یہ پانی پی لیں...." صابرہ انکار میں گردن ہلانے لگی.... وہ بری طرح خوف زدہ تھی۔ اس کے اوسان ہنوز خطا تھے۔

"امی آپ پریشان نہ ہوں...... وہ شاہ صاحب ہیں ناں، خود ان سے نمٹ لیں گے۔ ہم کوئی گھر سے باہر روڈ پر تو نہیں بیٹھے ہوئے...... وہ شاہ صاحب کی مرضی کے بغیر ہم سے نہیں مل سکتا۔ بات نہیں کر سکتا...... پلیز آپ خود کو سنبھالیں...... کچھ بھی نہیں ہوگا، مت پریشان ہوں۔" شبینہ، ماں کو سنبھالنے کے لیے ہر جتن کر رہی تھی۔ صابرہ نے گردن ہلاتے ہوئے گلاس لے لیا اور دو چار گھونٹ لے کر حلق کو تر کیا...... پھر گلاس واپس کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے بیٹا...... ہم گھر میں بیٹھے ہیں۔ شاہ صاحب نے ہمارے سر پر ہاتھ رکھا ہوا ہے...... مگر میرا بچہ تو باہر جاتا ہے ناں...... یہ بہت خطرناک آدمی ہے، مجھے تو اپنے بچے کی فکر پڑ گئی ہے۔" صابرہ کو اب مختلف قسم کے اندیشوں نے ستانا شروع کر دیا۔

"امی، شاہ صاحب اس سے بات کر رہے ہیں ناں...... بس وہ اس سے نمٹ لیں گے، آپ خود کو سنبھالیں۔ خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو ہمارا کیا ہوگا...." ماں کے پاس بیٹھ کر انہیں تسلی دیتے ہوئے اس کی آواز بھرّانے لگی۔ صابرہ نے ایک نظر بیٹی پر ڈالی اور بے اختیاری کیفیت میں اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس نے شبینہ کو زور سے بھینچا ہوا تھا۔ شبینہ کے وجود کی گرمی سے اسے عجیب سی تقویت پہنچی تو اس کے اوسان بحال ہونے لگے۔

"ہاں بیٹا...... شاہ صاحب تو بہانہ ہیں، مدد تو اللہ ہی کرتا ہے۔ سبب بناتا ہے، دعا کرو، اللہ ہم پر رحم کرے۔" وہ شبینہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رقت بھری آواز میں کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

"دیکھیے میں آپ سے لمبی چوڑی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ یہ میرا گھر ہے، یہاں پر وہی آ سکتا ہے جسے میں آنے کی اجازت دوں...... آپ اس وقت یہاں پر بیٹھ کر مجھ سے بات کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے خود چاہا تھا کہ آپ سے بات کی جائے...... اب کیونکہ میں آپ کی تمام بات سن چکا...... اس لیے

صرف اتنا کہنا چاہوں گا...... کہ برائے مہربانی آپ دوبارہ زحمت مت کیجیے گا...... ٹھیک ہے آپ کا اس خاندان سے ایک رشتہ قائم ہوا تھا۔ مگر مرحومہ کے بعد اب آپ کا اس خاندان سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ جب بیوی دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے اسی وقت بیوی کا شوہر سے یہ رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں دونوں کی زندگی تک ہی باقی رہتا ہے۔"

"لیکن...... نانا جان میں اس خاندان سے اپنا رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ اتنے برے وقت میں ان لوگوں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا......" وارث علی نے اپنا اخلاق جتاتے ہوئے اور کمالِ ہوشیاری سے اپنی مکاری کے تاثرات چھپاتے ہوئے بڑے فدویانہ لہجے میں کہا تھا۔

"لیکن جب وہ لوگ آپ سے کسی قسم کا تعلق قائم رکھنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تو آپ کیوں اصرار کرتے ہیں اور پھر...... کچھ سمجھ نہیں آتی آپ اس خاندان سے کس بنیاد پر تعلقات آگے بڑھانا چاہتے ہیں اگر آپ مجھے مطمئن کر سکتے ہیں تو میرے سوال کا جواب دیں...... ورنہ برائے مہربانی تشریف لے جائیں۔" شاہ صاحب نے بے مروتی کو بھی مروت کے خوب صورت لبادے میں استعمال کیا تھا۔

"اس لیے نانا جان کہ یہ لوگ بہت اچھے ہیں، اتنے اچھے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں اور پھر آپ یہ دیکھیں کہ ان دونوں بچوں کا باپ جیل جا چکا ہے۔ اس پر قتل کا محض الزام نہیں ہے بلکہ اس پر قتل کا مقدمہ بن چکا ہے اور وہ اپنے جرم کا اعتراف بھی کر چکا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اب اللہ ہی جانے کہ وہ باہر آتا ہے یا......؟ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں ناں......؟" وارث علی نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر شاہ صاحب سے سوال کیا۔

"بالکل، میں آپ کی بات سمجھ گیا مگر میرا خیال ہے اس خاندان کو آپ کی ہمدردی اور آپ کے اخلاقی تعاون کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو آپ کی ضد اور اصرار بالکل بے جا اور بے محل ہیں۔ برائے مہربانی آپ اپنے کام سے کام رکھیں اور ان لوگوں کا پیچھا چھوڑ دیجیے اور میں آپ سے پھر کہوں گا کہ آئندہ میرے گھر تشریف نہ لائیں۔"

وارث علی، شاہ صاحب کی بات سن کر قدرے سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی سوچ کسی نئے مکر کے لیے وقفہ تھی۔ شاہ صاحب کو اس کی موجودگی کا ایک، ایک پل بہت بوجھل محسوس ہو رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے کندھوں پر پہاڑ اٹھایا ہوا ہے۔ وہ بڑی بردباری اور تحمل سے اس کے اٹھ جانے کا انتظار کر رہے تھے...... اور اس پر اپنے مزید الفاظ ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وارث علی، شاہ صاحب کی طرف سے مکمل خاموشی کا عندیہ پا کر طوہاً و کرہاً اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور بڑی عاجزی سے گویا ہوا۔

"آپ جیسے کہتے ہیں...... آپ کی بات مان لیتا ہوں لیکن آپ یہ نہیں سمجھیں کہ میں اتنی آسانی سے ان لوگوں سے تعلق ختم کر لوں گا...... یہ میرے اپنے ہیں، ان لوگوں کا درد میرا اپنا درد ہے۔ میں تو ان لوگوں کی ہمدردی میں یہاں تک چلا آیا تھا...... اور میری یہ ہمدردی وقتی نہیں ہے۔ میں سچ مچ اس مشکل وقت میں ان لوگوں کا ساتھ دینا چاہتا ہوں......" وارث علی اتنا کچھ کہہ بیٹھا...... مگر اب شاہ صاحب بالکل خاموش تھے...... اور ان کی خاموشی وارث علی کو کہہ رہی تھی کہ اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔

وارث علی نے اپنی بات کا جواب نہ پا کر شاہ صاحب کی طرف دیکھا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، مجھے نہیں پتا تھا کہ ان لوگوں کو آپ جیسا سرپرست میسر ہے اگر یہ لوگ مجھے پہلے بتا دیتے تو میں بہت پہلے آپ کو سلام کرنے حاضر ہو جاتا۔ ان لوگوں کے یہاں آنے سے پہلے......" اس

نے پھر مکروفریب سے لپٹے ہوئے الفاظ ادا کیے...... مگر شاہ صاحب ہنوز خاموش تھے۔ بہرحال انہوں نے وارث علی کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا...... اور مصافحے کے انداز سے اسے جتادیا کہ یہ اس کا ان کے ساتھ آخری مصافحہ ہے۔

☆☆☆

برہان اب انیکسی جانے کے لیے وہی راستہ اختیار کرتا تھا جو صرف انیکسی کے لیے مخصوص تھا۔ اس لیے آج جب وہ شاہ صاحب کے گھر میں داخل ہوا تو شاہ صاحب سے اس کا آمنا سامنا نہیں ہوا...... وہ غالباً اپنے کمرے میں تھے...... گھر میں مکمل خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

شام ڈھلنے کا وقت تھا۔ برہان شل اعصاب کے ساتھ جب ماں کے سامنے آیا تو جیسے اس کے چہرے پر کچھ لکھا ہوا تھا...... وہ الجھن بھری نظروں سے ماں کے چہرے سے کچھ اخذ کرنے لگا...... مگر کچھ سمجھ نہ آئی...... جبکہ صابرہ دم بخود کیفیت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''امی کیا بات ہے؟ آپ اس طرح سے مجھے کیوں دیکھ رہی ہیں؟'' برہان کی آواز ماحول میں ابھری تو صابرہ جیسے ایک دم اپنے حواسوں میں آگئی اور بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھام لیا...... پھر اس کا سر اپنے سامنے جھکا کر پیشانی چومتے ہوئے بولی۔

''یا اللہ، تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے...... میرا بیٹا ساتھ خیریت کے واپس آگیا۔'' ماں کی یہ بات سن کر برہان بری طرح چونک پڑا تھا...... اور تشویش بھری نظروں سے ماں کی طرف دیکھا تھا...... صابرہ کے اس جملے میں ان گنت معنی پوشیدہ تھے۔ ایسے معنی جو دلوں میں وسواس پیدا کرتے ہیں، اندیشے ابھارتے ہیں...... خوف کے راستوں کی طرف دھکیلنے کی کوشش کرتے ہیں...... پھر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑا کر بہن کو تلاش کیا مگر وہ اسے دکھائی نہیں دی۔

''کیا بات ہے امی! آپ اتنی پریشان کیوں ہیں...... اور شبینہ کہاں ہے؟''

''بیٹا...... شبینہ تو چھت پر ہوگی وہ بھی کیا کرے...... دو چار کام کرکے ایک کونے میں بیٹھ جاتی ہے۔ انسان ہے، بند کمرے میں دل گھبرا جاتا ہے۔ خود ہی کہتی ہوں بیٹا چھت پر چلی جاؤ، کچھ دیر کھلی ہوا میں بیٹھو گی تو سکون ملے گا۔''

''اور آپ...... آپ کیوں پریشان ہیں؟ کوئی خبر آئی ہے یا شاہ صاحب نے کچھ کہا ہے؟ کیونکہ ہمارے ملنے جلنے والوں میں سے کوئی یہاں نہیں آسکتا...... کسی کو بھی نہیں پتا کہ ہم لوگ یہاں ہیں۔'' برہان پر عجلت سی طاری ہوگئی۔ لہجہ لڑکھڑانے لگا کیونکہ اسے جلدی، جلدی بولنے کی عادت نہیں تھی...... لیکن خیالات کی یلغار نے جیسے اس کے حواسوں پر قبضہ جمالیا تھا۔

''بیٹا...... آرام سے بیٹھو بتاتی ہوں میں تمہیں...... پریشانی والی بات ہے بھی اور نہیں بھی......''

''کیا مطلب......؟'' برہان پھر الجھا۔

''بیٹا......! وارث علی آیا تھا......'' صابرہ نے گویا ایک دھماکا کیا تھا۔ برہان نے پوری آنکھیں کھول کر ماں کی طرف دیکھا۔

''وارث علی آیا تھا؟ اندر آگیا تھا وہ......؟''

''ہاں...... ہاں بیٹا اندر آگیا تھا۔ شاہ صاحب نے اندر بلوایا...... وہ تو اتفاق سے میں شاہ صاحب کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تو ان کے نوکر نے آکر بتایا...... میری تو ٹانگیں کانپ گئیں۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا......

شاہ صاحب سے بہت کہا کہ اسے اندر نہ بلائیں..... مگر وہ کہنے لگے اگر میں نے اسے اندر نہ بلایا تو وہ روز آئے گا..... اس سے بات کرنا بہت ضروری ہے اور اس کے آنے کا مقصد جاننا بھی بہت ضروری ہے۔"

"پھر......؟" برہان نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر..... یہ کہ بیٹا میں تو اٹھ کر آ گئی تھی..... میں کیوں اس کے سامنے بیٹھتی، کیوں اس سے باتیں کرتی..... اس سے کیا لینا دینا..... شاہ صاحب سے جانے کیا بات ہوئی، وہ تو تمہیں ہی بتائیں گے..... میری تو ہمت ہی نہیں ہوئی پھر ان کے سامنے جانے کی..... حالانکہ دل تو بہت چاہ رہا تھا کہ پوچھوں کیا کہہ کر گیا ہے؟ اور کیوں آیا تھا......؟" صابرہ کی بات سن کر اس نے ایک گہری سانس لی..... جیسے اپنے اوسان سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو پھر چند لمحے کی خاموشی کے بعد گویا ہوا۔

"وہ تو میں شاہ صاحب سے پتا کر لوں گا امی لیکن..... وہ یہاں کیسے پہنچ گیا۔ اسے اس گھر کا پتا کس نے بتایا، میں نے تو کسی پڑوسی سے بھی بات نہیں کی تھی..... اس لیے کہ کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ تو بڑی حیرت کی بات ہے کہ وہ یہاں تک پہنچ گیا۔"

"ہاں..... ہاں بیٹا میں تو خود پریشان ہو رہی ہوں کہ آخر اسے کس نے ہمارے ٹھکانے کا بتا دیا۔"

"یہ بھی معلوم ہو جائے گا..... لگتا ہے کہ یہ بہت بڑا کریمنل ہے اور اس طرح کے لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں مگر میں دیکھ لوں گا۔"

"نہیں..... نہیں بیٹا..... زیادہ جوش میں مت آنا۔ ایسے خطرناک لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہیے..... ارے ہمیں کیا..... میں نے تو پہلے ہی سوچ لیا ہے..... بس ان شینہ کو لے کر گاؤں چلی جاؤں گی..... مگر تمہاری فکر تو ہے ناں مجھے......"

"امی میری فکر آپ چھوڑیں، میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں، کیا بگاڑ لے گا وہ میرا......؟ کیا قتل کر دے گا؟ اب ایسا بھی نہیں ہے..... وہ بہت لالچی آدمی ہے اور جو آدمی لالچی ہوتا ہے ناں..... وہ بے سوچے، سمجھے قتل و غارت گری کا بازار گرم نہیں کرتا..... چونکہ اسے تو اپنی دولت انجوائے کرنا ہوتی ہے۔ وہ تو زندگی کے مزے لوٹنا چاہتا ہے..... ایسی حرکت کیوں کرے گا کہ باقی کی عمر سلاخوں کے پیچھے گزر جائے..... اس طرح کے لوگ بڑی ہوشیاری سے کام کرتے ہیں۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں..... کہ وہ بہت خطرناک ہے، بڑی ہوشیاری سے کچھ بھی کر سکتا ہے......" صابرہ سہمے، سہمے لہجے میں بڑی بزدلی کے ساتھ بولی تھی۔ گویا اس نے برہان کی بات پکڑ لی تھی۔

"امی دیکھیں ڈر اور خوف حقیقت میں کچھ نہیں ہوتے، یہ انسان کے اپنے اندر ہوتے ہیں..... جب کسی چیز سے بہت زیادہ ڈر لگے ناں تو اس چیز کا سامنا ضرور کرنا چاہیے..... تاکہ خوف ختم ہو جائے..... ورنہ یہ خوف انسان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتا......"

"میں پھر کہہ رہی ہوں برہان..... بس تم شاہ صاحب سے کہو کہ اس کا بندوبست کریں..... اتنے بڑے آدمی ہیں..... بڑے، بڑے لوگوں تک ان کی پہنچ ہو گی۔"

"امی یہ پہنچ وہنچ چھوڑیں اللہ سے مدد مانگیں..... انسان تسلی دے سکتا ہے، ضمانت نہیں۔" یہ کہہ کر وہ اس کمرے کی طرف بڑھ گیا..... جو آج کل اس کا ٹھکانا تھا۔

☆☆☆

''دادا جان! کیا بات ہے آج آپ کمرے سے ہی نہیں نکل رہے...... طبیعت ٹھیک ہے ناں آپ کی؟''
کائناز بہت پریشانی کی کیفیت میں شاہ صاحب کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھ رہی تھی۔
وہ پوتی کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے...... اس کے ہاتھوں کا لمس ان کی روح میں زندگی بن کر دوڑنے لگا تھا...... انہوں نے کائناز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا...... اور ہتھیلی کی پشت پر بہت محبت بھرا بوسا لیا۔
''بیٹا...... بندہ بشر ہوں، کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے...... بندے کا خاموش رہنے کو دل چاہتا ہے۔ تنہائی اچھی لگتی ہے، سوچنا اچھا لگتا ہے۔''
''جی نہیں...... جی نہیں......'' کائناز نے تیزی سے ان کی بات کاٹ دی۔ ''سوچنے کی اجازت نہیں ہے...... وہ...... ڈاکٹر انکل کہتے ہیں ناں کہ آپ فضول سی کوئی بات نہیں سوچیں گے...... سوچنے سے ڈپریشن پیدا ہوتا ہے اور ڈپریشن آپ کے لیے بہت خطرناک ہے...... چلیں اٹھیں، آئیں میرے ساتھ لان میں...... ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔'' اس نے شاہ عالم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔
''اچھا، اچھا بیٹا اٹھتا ہوں، اٹھتا ہوں، تم تھوڑی دیر یہاں میرے پاس تو بیٹھو اور یہ تو بتاؤ، تم آج کیا کرتی رہیں...... کالج میں کوئی تیر مارا یا سارے تیر خطا گئے...... میرا مطلب ہے یونہی اٹھی سیدھی پڑھائی کر کے واپس آ گئیں؟'' شاہ صاحب نے زبردستی اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کی اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔
''کالج میں اب میرا دل ہی نہیں لگ رہا...... آپ کو پتا ہے ناں، روما...... اور یہ گولر ہو گئی ہے ایک دن جاتی ہے...... پھر دو دن چھٹی۔ بس اسی غصے کی وجہ سے کچھ کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔'' کائناز منہ پھلا کر بولی......
شاہ صاحب نے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔
''پھر وہی بات بیٹا، ہر انسان کی اپنی، اپنی زندگی ہے۔ یہ دو چار دن کی دوستی...... ساری زندگی کی نہیں ہے۔''
''دادا جان آپ کیوں بددعا دیتے ہیں۔ اگر یہ فرینڈشپ نہ رہی تو ہم دونوں میں سے کوئی بھی خوش نہیں رہ سکے گا...... اتنی پکی عادت پڑ چکی ہے ہمیں ایک دوسرے کی......'' وہ اپنے اسی لاابالی لہجے میں بولی جو اس کی ذات کا سب سے خاص حصہ بن کر رہ گیا تھا۔
''ارے نہیں، نہیں بیٹا...... خدانخواستہ میں کیوں بددعا دینے لگا، میں تو دن رات دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان پیاری، پیاری بچیوں کو ہمیشہ ساتھ رکھے اور ان کی شادی کے بعد بھی ان کے گھر برابر ہونے چاہئیں۔ بھئی اللہ کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ اللہ کی ذات سے ہمیشہ امید رکھنی چاہیے کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور سب کچھ کرنے کی طاقت بھی اسی کے پاس ہے۔''
''دادا جان، آپ یہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ اگر شادی ہونا اتنی ہی ضروری ہے تو ہم دونوں کی شادی ایک ہی گھر میں ہو۔'' کائناز اب شرارت کے انداز میں شاہ عالم سے گویا ہوئی تھی اور مسکراہٹ دبا کر روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔
دادا، پوتی کی اتنی دوستی تھی کہ اس نے کبھی شاہ عالم کے سامنے اپنے ہونٹوں پر آئی ہوئی بات نہیں روکی تھی۔ اسے اپنے دادا سے کوئی خوف، کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی...... اور انہوں نے بھی کوئی روک ٹوک نہیں کی تھی اس لیے اسے بولتے ہوئے احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے یا وہ کچھ بول گئی ہے جو اسے بولنا نہیں چاہیے تھا۔
''ایسا بھی ہو سکتا ہے، بھئی میں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے سب کچھ ہونے کی امید رکھتا ہوں کیونکہ انسان تو

کچھ نہیں کرتا...... بس جو کچھ ہونا ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ تم میں سے جس کی شادی پہلے ہو جائے وہ اپنی سہیلی کے لیے پہلے اپنے گھر میں رشتے تلاش کرے...... بھئی شوہر کا کوئی کزن، بھائی جو ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ہی رہتا ہو یا پھر قریب والے گھر میں جھانک لے...... کہ شاید اُدھر کوئی ڈیفیکٹس ہو...... ایسا ہو سکتا ہے ناں......" شاہ صاحب ، کا ناز کے ساتھ گویا اپنے منتشر ذہن کو لاشعوری طور پر بہلانے کی کوشش کر رہے تھے...... کا ناز نے اُن خیالات کا سلسلہ تو منقطع کر دیا تھا...... جن کی یورش نے شاہ صاحب کے اعصاب شل کر دیے تھے۔ جب سے وارث علی گیا تھا تب سے ان کا ذہن صرف اور صرف اسی کی کہی ہوئی باتوں کے گرد گھوم رہا تھا لیکن اب کا ناز ان کا ذہن اِدھر اُدھر لگانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"اچھا چلیں چھوڑیں، یہ تو بہت لمبی پلاننگ ہے، ابھی تو ہم چھوٹے ہیں، پڑھ رہے ہیں......" کا ناز نے شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ دادا کی طرف دیکھا...... ان کا بازو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی...... "آئیں، آپ میرے ساتھ روما کو بھی بلاتی ہوں۔"

"صرف روما کو......؟ ارے بھئی رابی کو بھی کہہ دو۔"

"چھوڑیں رابی آپا کو...... وہ تو موڈی ہیں، بس آپ آ جائیں......" یہ کہہ کر اس نے جھک کر ان کے سلیپرز ان کے پاؤں میں پہنانا شروع کر دیے...... انھیں اپنی پوتی کی یہ ادا بہت بھاتی تھی۔ انہوں نے کمالِ شفقت سے اس کے بالوں پر بوسہ دیا تھا۔

"اللہ میری بیٹی کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے...... آمین۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کا ناز ان کا بازو تھام کر باہر کی طرف قدم بڑھانے لگی۔

☆☆☆

"بیٹا ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ مذہب کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی...... ہر انسان اپنی، اپنی عقل سمجھ کے لحاظ سے مذہب کی تشریح کرتا پھرتا ہے۔ حالانکہ مذہب کا تو بہت سادہ سا فلسفہ ہے جیو اور جینے دو۔ بڑی عجیب سی صورتِ حال ہوتی ہے۔ مذہب دو گروپوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک گروپ وہ ہے جو ایک دو ظاہری اعمال بجالا کر خود کو مسلمان ثابت کرتا ہے۔ مثلاً جمعے اور عید کی نماز پڑھ لی۔ رمضان میں سحر و افطار کا اہتمام کر لیا...... دوسرا گروپ وہ ہے جو انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جہاں سانس لینے کے عمل کو بھی شریعت کا پابند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ شریعت بھی وہ جو انہوں نے سمجھی۔" صبح کے ہلکے نورانی اجالے میں شاہ صاحب سوچ سوچ کر بولتے ہوئے خود بھی بہت نورانی سے محسوس ہو رہے تھے۔

کچھ دیر قبل شاہ صاحب اور برہان دونوں فجر کی نماز ادا کر کے گھر لوٹے تھے۔ شاہ صاحب اپنے معمول کے مطابق اپنے بڑے سے سرسبز لان میں چہل قدمی کرنے لگے تو برہان بھی ان کی صبح کی واک میں شریک ہو گیا...... اِدھر اُدھر کی دو چار باتیں کر کے شاہ صاحب جابر علی پر آ گئے...... وہ برہان کو کچھ سمجھانا چاہتے تھے مگر اس سے پہلے برہان سے کچھ سننا چاہتے تھے۔

برہان نے بہت اختصار سے جابر علی کی مذہبی انتہا پسندی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اب وہ اسی کو موضوع بنا کر آگے بڑھ رہے تھے۔

"قرآن کو صرف گھر میں روزی کی برکت اور مُردے کی بخشش کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ قرآن اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس کے مطلب پر تدبر، غور و فکر کیا جائے۔ قرآن تو خود کہتا ہے کہ سب سے اچھی راہ درمیان کی

راہ ہے۔ بہت کم نہ بہت زیادہ، مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ غصہ ضبط کرتا ہے..... اور مذہبی انتہا پسند ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار رہتے ہیں۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، آج کل تو انسانوں کی برداشت ہی جواب دے گئی ہے لیکن جو صبر کرتا ہے، برداشت کرتا ہے اسے بزدل اور ڈرپوک سمجھا جاتا ہے۔" برہان کے لہجے میں لاشعوری طور پر تلخی اُمڈ آئی۔

"سمجھنے دیں..... شیطان تو چاہتا ہی یہی ہے کہ برائی کا جواب برائی سے دیا جائے، خاموش رہنے کو انا و غیرت کا مسئلہ بنالیا جائے..... بیٹا غصے میں مزید غلطیاں ہوتی ہیں۔ دشمن کو شکست دینے کے لیے دماغ کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔" شاہ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں برہان کو سمجھایا..... بات سچ کی تھی۔ برہان کے کھولتے لہو میں برف گھلنے لگی۔

☆☆☆

"تم سب کچھ چھوڑو..... فائل کی فکر کرو..... ساری توجہ فائل برآمد کرنے پر لگاؤ..... مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں جاؤں اور چھان بین شروع کروں کہ شاہ عالم کون ہیں، کیا کرتے ہیں..... ان کے کیا کاروبار ہیں، ان کے کون، کون رشتے دار ہیں..... وارث علی لگتا ہے کہ تمہارا ذہن ٹھیک سے کام نہیں کررہا..... خود بھی الجھ رہے ہو اور خواہ مخواہ میں مجھے بھی الجھا رہے ہو۔" ایس پی، وارث علی کے الٹے سیدھے پریشان کن خیالات سن کر چڑ سا گیا تھا۔

"سر جی..... مجھے ان لوگوں سے کیا لینا دینا..... جابر علی سلاخوں کے پیچھے نہ ہوتا، آزاد ہوتا تو بات دوسری تھی اب اس پر پریشر کیسے ڈالیں گے آپ، سارا جھگڑا اسی فائل ہی کا تو ہے..... آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے جب تک اس پر پریشر نہیں ڈالا جائے گا اور وہ بھی ٹھیک ٹھاک قسم کا پریشر..... فائل ہمارے ہاتھ نہیں لگنے والی۔" وارث علی اب مارے جذبات کے جھاگ اڑانے لگا تھا۔ ایک سانس میں بولتا چلا گیا۔

"جابر علی جیسا آدمی..... اب کسی پریشر میں نہیں آئے گا۔ سارے پریشر دم توڑ چکے ہیں..... وہ اقبالی مجرم ہے، اپنے جرم کا اعتراف کرچکا ہے۔ اس کے سامنے پھانسی کا پھندا جھول رہا ہے..... سرکاری وکیل اسے بچا نہیں سکے گا..... اور جس بندے کے سامنے موت کھڑی ناچ رہی ہو وہ کس پریشر میں آئے گا..... ہاں، اس پر اسی بندے کا پریشر اثر ڈال سکتا ہے جو بندہ اسے باہر لانے کی بات کرے بلکہ گارنٹی دے..... مگر اس کے خاندان والے تو اسے ملنے تک نہیں آئے..... کون کرائے گا اس کی ضمانت اور جب bail ہی نہیں ہونے والی تو ظاہری بات ہے کہ جابر علی کسی بھی وقت پھانسی کے پھندے پر چڑھ جائے گا۔"

"سر جی! جابر علی سے فائل نکلوانی ہے، ایسی باتیں کرکے ڈرائیں نہیں..... ہماری ساری زندگی کی بھاگ دوڑ اور محنت کا سوال ہے اگر یہ فائل ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تو سمجھیں کچھ نہیں ہے ہمارے پاس۔ اگر فرمان علی کے وارث مقابلے پر آگئے ناں تو سمجھ لیں ہم ننانوے پڑ گئے..... سانپ اور سیڑھی کا کھیل ہے یہ....." وہ ایس پی کو بہت کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا۔ جہاں ظلم و ناانصافی، جبر و استبداد کا راج ہو وہاں اندیشوں اور وسوسوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا، خاص طور پر جرائم پیشہ انسان کے دل میں، وگرنہ جسے صالح دل ملتا ہے اُدھر تو شیطان خود منہ کے بل گر کر بار، بار خاک چاٹتا ہے اور ایسا مجرم جو تمام حدود پھلانگ چکا ہو چھوٹے، بڑے ہر جرم کا ذائقہ چکھ چکا ہو..... وہ تو سو فیصد عقل کا اندھا ہوتا ہے اس کی شامت اور اس کی بری موت بحکم الٰہی اسے ان راستوں پر لے کر چلتی ہے جن راستوں پر چلنے کے بعد اسے اپنے طے شدہ حقیقی انجام سے دوچار ہونا ہوتا ہے اور یہ راہیں ایسے مجرموں کے لیے

بڑی پُرکشش بنادی جاتی ہیں۔ وہ سارے راستے چھوڑ کر انہی راستوں پر چل پڑتے ہیں جو دنیا..... زمانے کی لبھانے دینے والی اداؤں کے ساتھ ان لوگوں کے قدموں تلے بچھی ہوتی ہیں۔

''میں آج رات ایک بجے کے بعد جابر علی سے ملوں گا اور پوری کوشش کروں گا کہ وہ فائل کا اتا پتا بتادے۔ ابھی اس کی ایک غیرشادی شدہ بیٹی موجود ہے۔ یہی وہ ترپ کا پتا ہے جو آخری پتا بھی ہے.... اگر یہ پتا نہیں چلا تو سمجھو کہ زمین تو گئی ہمارے ہاتھ سے۔'' ایس پی اب خود کلامی میں مبتلا ہو چکا تھا کیونکہ فائل کی جتنی اہمیت وارث علی کے لیے تھی اس سے بھی زیادہ اس کے اپنے لیے تھی۔ وہ تو ایک چھکا کھیل کر پولیس ڈیپارٹمنٹ سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینے کے خواب دیکھ رہا تھا...... اسی فائل کے بل بوتے پر۔

☆☆☆

''آپا اتنی رات کو میں سر سے کیا باتیں کروں گی آپ خود سوچیں.....؟'' روما حیران، پریشان رابی کی شکل دیکھ رہی تھی آخر کار رابی نے اسے جالیا تھا۔ وہ شاید گل جان کے پاس جانے کے لیے گھر سے باہر جارہی تھی۔ رابی نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھا اور دوڑتے ہوئے اس کے پیچھے آگئی اور اسے اپنے کمرے میں لے آئی...... چند لمحے اِدھر اُدھر کی بات کرنے کے بعد اس نے اپنے مطلب کی بات شروع کردی تھی۔

پہلا سوال یہی تھا کہ وہ کل رات بریان سے کیا باتیں کررہی تھی۔ اس نے روما پر ابھی تک کسی قسم کا شک ظاہر نہیں کیا تھا خود کو بہت سنبھال کر بات کررہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ روما اس کے سوال کو ایک عام سا سوال سمجھ کر الجھ رہی تھی۔

''آپا میں وہاں اکیلی بیٹھی تھی اور میں سچ بتاؤں، رو رہی تھی۔ مجھے پتا نہیں..... سر نے اوپر سے دیکھ لیا..... میرے پاس آگئے اور پوچھنے لگے کہ میں کیوں رو رہی ہوں......'' روما بڑی معصومیت سے بول رہی تھی اور رابی کے غبارے سے جیسے ساری ہوا ہی نکل گئی تھی۔

''آہ......'' رابی کے منہ سے نکلا تھا۔ ''یہ شک بھی کتنا بڑا عذاب ہے، کل رات سے اب تک میرے دماغ کی چولیں ہل گئیں، اتنی ایکسرسائز تو میں نے ڈاکٹر صاحب کے تیرو نشتر سہتے ہوئے بھی نہیں کی تھی۔'' وہ کچھ سوچتے سوچتے پھر بولی۔

''تم کیوں رو رہی تھیں......؟''

''بس میرا دل چاہ رہا تھا......'' روما نے جیسے چڑ کر کہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی عندیہ دے دیا تھا کہ وہ اس ٹاپک پر بات نہیں کرنا چاہتی..... اسی لیے الٹا جواب دے رہی ہے۔

''رونے کا جب دل چاہتا ہے ناں تو کوئی خاص وجہ ہوتی ہے، کوئی ایسی بات جو انسان کو اتنا بے بس کر دے جو وہ کسی سے کہہ نہ سکے تو آخری راستہ یہی رہ جاتا ہے کہ وہ رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتا ہے..... کسی کو نہیں بتاسکتیں مگر مجھے تو بتادو...... کیوں رو رہی تھیں؟''

روما اس کے سوال کے جواب میں خاموش رہی۔

''میں کیا پوچھ رہی ہوں روما، کیوں رو رہی تھیں تم......؟''

روما نے خفا خفا نظروں سے بہن کی طرف دیکھا اور بولی۔

''اگر آپ کو رونا نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو بھی نہیں آتا..... اور رونے کے لیے کوئی بہت بڑی بات ہونا ضروری نہیں ہے۔ کبھی کبھی بہت چھوٹی سی بات پر بھی رونا آجاتا ہے۔'' روما نے اپنی دانست میں بڑا عظیم فلسفہ جھاڑا۔

"چلو تو وہ چھوٹی بات ہی بتا دو......"

"کیوں بتاؤں......! بس میں رو چکی، اب میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے جو میں آپ کو بتاؤں......"

"بھئی تمہارے سر نے بھی تو تم سے پوچھا ہوگا ناں کہ روما کیا بات ہے، کیوں رو رہی ہو؟ تم نے انہیں کیا جواب دیا تھا۔" رانی اب قدرے ہلکی پھلکی ہو کر بات کر رہی تھی...... سر سے جیسے منوں ٹنوں بوجھ اتر گیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں......"

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا...... انہوں نے تم سے کچھ پوچھا ہو اور تم نے جواب ہی نہیں دیا ہو...... بتاؤ ناں مجھے کیا جواب دیا تھا۔"

"بس دے دیا تھا ناں...... کوئی جواب...... اب آپ کو کیوں بتاؤں؟" وہ پھر چڑ گئی۔

"مجھے دلچسپی ہے کہ روتے ہوئے تم نے جو بھی جواب دیا ہوگا بڑا سچا ہوگا۔ پچی، پچی بتاؤ کیا جواب دیا تھا۔" رانی تو جیسے ہاتھ دھو کر پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔

"کچھ نہیں کہا تھا میں نے سر سے، ہاں یہ کہا تھا کہ ہماری تو قسمت ہی خراب ہے۔ ہمیں تو رونا ہی ہے۔" روما نے اتنا کہا اور پاؤں پٹختے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔ رانی کو نہ اس کا سخت جواب برا لگا اور نہ ہی پاؤں پٹخنا...... وہ تو جیسے تنگ جوتا اتار کر پر سکون ہو گئی تھی۔

☆☆☆

رات دو بجے کا عمل تھا۔ برہان خود کو سمجھا، سمجھا کر تھک گیا تھا۔ اپنی کتابیں، فائلیں سامنے رکھے یوں تک رہا تھا جیسے یہ سب فائلیں، کتابیں، نوٹ بکس پہلی بار دیکھ رہا ہو، آنکھوں میں عجیب سا خالی پن اس کی ذہنی کیفیت کا عکاس تھا۔ جیسے ہی کوئی کتاب کھولتا، کوئی خیال پھڑ پھڑاتا ہوا اس کے سر پر منڈلانے لگتا...... کبھی قید خانے میں مقید باپ کی طرف سوچ جاتی، کبھی وارث علی کی آج کی آمد کی طرف...... کبھی شاہ صاحب کی مہربانیوں کی طرف...... کبھی اپنی زندگی کی مشکلات کی طرف اور اسی کے بیچ، بیچ دھندلا سا ہلکا سا ایک منظر گاہے گاہے جھلک جاتا تھا۔ وہ منظر جس میں روما تھی...... اجنبی سی رات کو لان میں تنہا بیٹھی آنسو بہاتی ہوئی......

کئی بار روما کی طرف دھیان گیا تو ایک عجیب سا تجسس بیدار ہو گیا۔ وہ لاشعوری طور پر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا کھڑکی تک آیا اور باہر جھانکنے لگا۔ یوں جیسے کسی نے اسے زبردستی پکڑ کر اٹھا دیا تھا۔ تاکہ وہ روما کو ایک مرتبہ پھر روتا ہوا دیکھ لے۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس کا وہم یقین میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوا...... آج بھی روما اسی بینچ پر بیٹھی تھی اور رو بھی رہی تھی...... وہ ایک سکتے کی سی کیفیت میں روما کو دیکھنے لگا۔ دل پر ایک بوجھ سا آ پڑا...... کل کی بات اور تھی اور آج اس کے پاس اپنا سوال دُہرانے کی ہمت نہیں تھی۔ جانے کیوں اسے محسوس ہوا کہ روما کے آنسو اس کے دل پر ٹپک رہے ہیں۔ یہ معصوم سی لڑکی پہلے ہی دن، پہلی ہی نظر میں اس کے لیے بہت اہم ہو چکی تھی۔ اس کے اندر کسی نفسیاتی خیال کا عمل دخل نہیں تھا...... بس صرف ایک احساس تھا...... یہ لڑکی بہت معصوم ہے...... اتنی سادہ اور معصوم سی لڑکی کا آج کے زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا...... لڑکیاں باہر چاہے نہ گھومیں، پھریں لیکن گھروں میں وہ سب ذرا تیز ہوتے ہیں کہ وہ گھر بیٹھے، بیٹھے بھی ساری دنیا سے باخبر ہو سکتی ہیں۔ زندگی کے مختلف رویّوں اور راستوں کو سمجھ بھی سکتی ہیں اور پہچان بھی سکتی ہیں۔

لیکن یہ تو عجیب سی لڑکی تھی۔ اس کے اندر ایک نیا پن تھا جو اس کو دوسری تمام لڑکیوں سے منفرد کرتا تھا۔ کا انداز

کے اندر اعتماد تھا، بے ساختگی تھی اور قدرے ہوشیاری بھی..... جس کو وہ سمجھداری کہتا تھا اور وہ بھی نسبتاً روما کے مقابلے میں..... اس کا جی چاہا آج پھر وہ روما کے پاس جائے اور اسے سمجھائے کہ اس طرح راتوں کو اکیلے بیٹھ کر نہیں رویا کرتے۔ کوئی بہت بڑی مشکل ہو تو اللہ کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں اور پورے یقین سے دعا کرتے ہیں..... اس سے بھی انسان کو بہت سکون ملتا ہے، دل کو تسلی ہوتی ہے..... لیکن یہ سب اتنی رات کو جا کر وہ اس سے کیوں کہے..... اچھا نہیں لگتا..... یہ..... شاہ صاحب کا گھر ہے۔ قدم قدم پر احتیاط ضروری ہے۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ روما بار، بار اپنے دوپٹے کے آنچل سے بہتے ہوئے آنسو پونچھ رہی تھی۔ اس کے کمرے میں کیونکہ روشنی ہلکی تھی صرف ایک ٹیبل لیمپ کے سیور کی روشنی..... وہ ٹیبل لیمپ جو شاہ صاحب نے کمالِ مہربانی سے رکھوا دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ برہان ایک اسٹوڈنٹ ہے، پڑھنے، لکھنے والا نوجوان ہے، یقیناً ٹیبل لیمپ اس کی ضرورت ہے۔ اتنی باریکیوں کا خیال وہ رکھتے ہیں جو بڑی باریکیوں کے ساتھ تنہائی میں اللہ کو سوچتے ہیں..... جوں، جوں اللہ کی طرف خیال مرتکز ہوتا جاتا ہے..... سوچ اسی طرح نفیس اور باریک بلکہ مناسب ترین لفظ تو یہ ہے کہ لطیف ہوتی جاتی ہے..... اور جب خیال لطافت کی انتہا کو چھونے لگتا ہے تو انسان شرف کی منزلوں کی طرف بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ شرفِ انسانیت یہی ہے کہ انسان دوسرے انسان کو اپنی جگہ پر رکھ کر محسوس کرے۔

شاہ صاحب نے صرف ٹیبل لیمپ ہی نہیں رکھوایا تھا بلکہ مختلف کلرز کے بال پوائنٹ، پوائنٹرز، مارکر، لیٹر پیڈ یہ ساری چیزیں بھی انہوں نے اس کی اسٹڈی ٹیبل پر رکھوا دی تھیں۔ اور وہ بھی اس کے اس گھر میں آنے کے اگلے ہی دن..... اس نے آگے بڑھ کر ٹیبل لیمپ بھی آف کر دیا..... اب وہ اندھیرے میں کھڑا ہوا روما کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ اپنے خیال سے چونک پڑا۔

''امی.....'' اس کی سوچ میں ایک دم صابرہ کا تصور ابھرا..... آگے بڑھ کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے شبینہ کھڑی تھی۔

''اوہ تم..... ابھی تک سوئی نہیں شبینہ..... خیریت ہے۔ اس گھر میں تو تمہیں بہت آرام ہے..... پھر نیند کیوں نہیں آئی؟'' برہان کیونکہ روما کے تصور کی گہرائیوں میں اترا ہوا تھا اس لیے واپس آنے میں تھوڑا سا وقت تو لگنا تھا۔

''بس بھائی ویسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے دیکھا، دروازے کے نیچے سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ میں نے سوچا آپ پڑھ رہے ہیں، اس لیے ڈسٹرب نہیں کیا لیکن جیسے ہی لائٹ بند ہوئی تو میں نے دروازہ بجا دیا۔''

''اوہ..... تو تم باہر بیٹھ کر میرے کمرے میں جلتے بجھنے والی روشنیوں کا نظارہ کر رہی تھیں۔'' برہان نے صرف اور صرف اس کے ذہن کو ہلکا پھلکا کرنے کی غرض سے قدرے شگفتگی کا مظاہرہ کیا..... جو حادثے کے بعد سے لے کر اب تک پہلا بے ساختہ عمل تھا..... ورنہ اس کے ہونٹ تو جیسے مسکرانا ہی بھول گئے تھے۔ جن رشتوں کو لہو میں اتارتے ہیں ان کی خاطر بہت کچھ انجانے میں بھی کر جاتے ہیں۔

''ہاں بس وہ! ایسے ہی کوشش کر رہا تھا کہ تھوڑی سی پڑھائی کر لوں مگر کتاب کھولتا ہوں تو کچھ سمجھ ہی نہیں آتا..... میرا خیال ہے کہ ابھی تھوڑا وقت لگے گا..... ابھی تک میرا ذہن اسٹڈی کی طرف نہیں جاتا۔''

''بھائی اپنا خیال کریں، آپ کا آخری سال ہے بلکہ چند مہینے ہیں، اتنے سالوں کی محنت ہے۔''

"ہاں...... یہ سب کچھ تو ٹھیک ہے شبینہ...... لیکن اتنے بڑے حادثے کے بعد انسان فوراً نہیں سنبھلتا، وقت لگے گا، آگے میری قسمت ہے...... کیونکہ انسان اپنے ذہن پر ایک حد تک ہی کنٹرول کر سکتا ہے اور بعض اوقات بالکل بھی نہیں۔ بڑی بے بسی کی کیفیت ہوتی ہے...... جاؤ تم جا کر سو جاؤ...... میں بھی سونے کی کوشش کرتا ہوں۔ ارادہ تو کیا ہے کل یونیورسٹی چلا جاؤں۔"

"ہاں بھائی......! دکھ تو ہمیشہ کے لیے ہے، یہ دکھ ہماری جان تو نہیں چھوڑیں گے ناں...... لیکن پھر بھی جب تک ہم زندہ ہیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا......" بولتے، بولتے شبینہ کی آواز رُندھ گئی۔

برہان نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا...... بے شمار انسان پلک جھپکتے میں بوڑھے ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کے خدوخال پر بڑھاپے کا کوئی نشان دکھائی نہیں دیتا...... لیکن روح بوڑھی ہو جاتی ہے۔ دل بوڑھے ہو جاتے ہیں...... بڑھاپا آخر ہے کیا...... تجربے کی انتہا اور حالات سے جنگ کر کے تھکے ہوئے شکستہ اعصاب...... بڑھاپے کی دونوں بڑی علامتیں ان دونوں بہن بھائی کے پاس آ کر بڑی گرمجوشی سے بغل گیر ہو چکی تھیں۔ یوں جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے دوست والہانہ ملتے ہیں......

☆☆☆

ماحول میں جھینگروں کی آواز کا ارتعاش تھا۔ چارسُو پھیلا ہوا سناٹا ان جھینگروں کی وقفے، وقفے سے ابھرنے والی آوازوں سے لمحاتی طور پر ٹوٹتا تھا...... اور اس کے فوراً بعد یہاں سے لے کر وہاں تک رات اپنی چادر میں ہر ذی نفس کو لپیٹے تھپکیاں دے رہی تھی۔

دل کے اندر کا ماحول بیرونی ماحول سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ البتہ باہر بے کراں تاریکی تھی۔ شاید اس میں کچھ عمل لوڈشیڈنگ کا بھی ہوگا...... لیکن جیل کے برآمدے میں ایک بہت کم پاور کا بلب روشنی پھیلانے کی ذمے داری ادا کر رہا تھا...... لاک اپ میں تمام قیدی فطری نیند کی آغوش میں پہنچ چکے تھے۔ وہ فطری نیند جو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ پہرے دار بھی موقع غنیمت جان کر اِدھر اُدھر چھپ کر نیند کے مزے لوٹنے میں مصروف تھے۔ اپنی دانست میں تو انہوں نے کسی اوٹ کا سہارا لے کر خود کو چھپا لیا تھا لیکن ان کے حلقوں سے نکلنے والے خراٹے ان کی نشاندہی کے لیے کافی تھے۔

جابر علی دیوار سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔ اسے اب نیند نہیں آتی تھی۔ یونہی بس تھوڑی دیر کے لیے آنکھ لگتی تھی اور خود بخود بغیر کسی آہٹ کے نیند ٹوٹ جاتی تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ لیٹا ہوا...... سونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جب کسی طور نیند نے آنکھوں کا رخ نہ کیا تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھی قیدی اس سے خاصے فاصلے پر گہری نیند سوئے ہوئے تھے اور وہ مختلف قسم کے خیالات میں جکڑا ہوا تھا۔

"پھانسی کا پھندا تو سامنے جھول رہا ہے تو پھر میں کسی کے دباؤ کو کیوں قبول کروں...... آج مرا کل دوسرا دن...... پھر یہ سب اپنی من مانی کریں گے...... میری ایک آواز جو حق کے لیے شور مچا رہی ہے، وہ خاموش ہو جائے گی...... پھر شاید کوئی حق کی بات کرنے والا نظر نہیں آئے...... یہ لوگ کیا سوچ کر مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہیں، بلیک میل کر رہے ہیں...... ان کا باپ بھی وہ فائل مجھ سے نہیں نکلوا سکتا۔ ایک دن یہ منہ کے بل گریں گے اور خاک ہو جائیں گے...... مگر ہمیشہ یاد رکھیں گے کہ کوئی جابر علی بھی تھا۔ جس نے ان کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ یہ سر تو بس اللہ کے آگے جھکنے کے لیے بنا تھا۔ کسی انسان کے سامنے نہیں جھکے گا۔"

یہاں تک سوچتے، سوچتے اس نے سر اٹھایا اور گہری سانس لے کر چھت کی طرف تکنے لگا...... ہونٹوں پر

ایک زہر آلود مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"کتوں کی طرح بُو سونگھتے پھر رہے ہیں، اس فائل کی اور میں یہاں قید خانے میں بیٹھا ہوا خوشیاں منا رہا ہوں، اپنے آپ کو شاباش دے رہا ہوں، کیسی چوٹ دی ہے میں نے ان شیطانوں کو اپنی قبروں میں اترنے تک یاد رکھیں گے کہ کوئی جابر علی بھی تھا۔"

اسی وقت ماحول میں بھاری بوٹوں کی چاپ ابھری تھی۔ آہٹوں سے محسوس ہوتا تھا کہ یہ کسی عام سپاہی کی چال نہیں ہے۔ بلکہ کوئی شان والا افسر آ رہا ہے اور پھر اس کی آنکھوں نے دیکھا...... ایس پی شاہ زمان خان...... یونیفارم میں ملبوس ہولسٹر میں ریوالور پھنسائے، ہاتھ میں چھڑی گھماتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ جابر علی اسے دیکھ کر انجان سا بن گیا اور دوبارہ گھٹنوں میں سر دے دیا۔ ایس پی قریب آیا اس نے اپنے دونوں ہاتھ سلاخوں پر رکھ دیے۔

"جاگ رہے ہو جابر علی سوئے نہیں.....؟ ہاں، بچے یاد آ رہے ہوں گے..... یار ابھی اسی وقت یہ دروازہ کھل سکتا ہے۔ تم دوبارہ کھلی فضاؤں میں پر پھیلا کر اڑ سکتے ہو..... یہ ضد نہیں ہے، ڈیوٹی نہیں ہے، پاگل پن ہے میری جان......" ایس پی بہت مدھم آواز میں جابر علی سے مخاطب تھا جو ہنوز گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔ ایس پی اتنا کچھ کہہ گیا...... مگر جابر علی کے وجود میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی۔

"میری آواز آ رہی ہے ناں جابر علی...؟ یار کیوں ضد کر رہے ہو..... تم نے تو مرنے کی ٹھان لی ہے..... مگر اپنے بچوں کا تو خیال کرو...... خاص طور پر بیٹی کا..... اب تمہارے ہاتھ میں ہے فائل نہیں دو گے تو بیٹی دینا پڑے گی.... میرا مطلب یہ ہے کہ وارث علی اسے لے جائے گا...... پہلے نکاح کیا تھا اب شاید یہ تکلف بھی نہ کرے......" اب جابر علی کے وجود میں ذرا جنبش ہوئی پھر اس نے آہستہ، آہستہ سر اٹھایا اور ایس پی کی طرف دیکھا مگر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا نہیں ہوا۔

"وہ جابر علی کی بیٹی ہے ایس پی..... عزت کی خاطر جان دے دے گی مگر وارث علی جیسے شیطان کو اپنے اوپر اختیار نہیں دے گی۔ جاؤ جا کر سو جاؤ، حرام کی دولت سے جی بھر کر مزے اڑاؤ، میرے پاس آ کر اپنا وقت ضائع کرتے ہو اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

"مجھے تو یہ ٹیم لگ رہا ہے جابر علی، لگتا ہے فائل کے مالک نے تمہیں پچاس کروڑ کی کوٹھی انعام میں دی ہے۔" ایس پی کی بات سن کر اب جابر علی چونکا تھا۔

"پچاس کروڑ....." اس نے تو بینک میں بھی کبھی پچاس ہزار نہیں رکھے...... یہ لاکھوں کی بھی نہیں کروڑوں کی بات کر رہا ہے۔ پہلے تو وہ کچھ الجھا پھر بڑی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

"ایسا کرو ایس پی، وہ پچاس کروڑ کی کوٹھی تم لے لو۔ لینڈ مافیا، قبضہ گروپ کا سرغنہ تمہارے ساتھ ہے ناں، تمہیں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہو گا۔"

"تمہارے بیوی، بچے اس کوٹھی میں تو رہ رہے ہیں، یقیناً اب تم پیسے کا تماشا ضرور دکھاؤ گے کیونکہ پیسہ تو تمہارے پاس کہیں سے آ رہا ہے۔ میرا خیال ہے وہیں سے آ رہا ہے جس کے لیے تم ہم سے ٹکرا رہے ہو۔"

"تم لوگ اُسے موت کے گھاٹ اتار چکے ہو...... ہو سکتا ہے کہ اس کی بھٹکتی ہوئی روح تمہارے پاس آتی ہو۔" جابر علی وہیں سے بیٹھے، بیٹھے بولا...... فاصلے پر لیٹے ہوئے دونوں قیدی جو سر سے لے کر پاؤں تک چادر اوڑھے ہوئے تھے اپنی، اپنی جگہ پر کسمسائے ان قیدیوں کی موجودگی کی پروا ایس پی کو تھی نہ جابر علی کو.....

''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ اسے ہم نے مروادیا ہے۔'' ایس پی اب قدرے متفکر انداز میں گویا ہوا تھا۔

''ثبوت ہے میرے پاس...... ہر چیز کا ثبوت ہے، میرے پاس جہاں وہ فائل موجود ہے اس کے ساتھ سارے ثبوت موجود ہیں۔ میں تو پھانسی پر چڑھنے جارہا ہوں مگر تم اور تمہارے ساتھی بہت جلد مجھ سے ملنے میرے پاس آجائیں گے۔'' جابر علی کے لہجے میں بڑی مضبوطی اور اعتماد تھا۔ اس کی آنکھوں میں یقین کی بجلیاں کوندرہی تھیں...... یہ سن کر ایس پی۔ چند لمحے کے لیے تو پیچ و تاب کھا کر رہ گیا...... پھر اسے خود ہی کچھ خیال آگیا۔

''مجھے تم نہیں ڈراسکتے کیونکہ اس مرڈر سے میں سیکڑوں نہیں ہزاروں میل دور تھا۔ بتارہا ہوں مقتول سے سیکڑوں نہیں ہزاروں میل دور تھا میں اُس وقت، میرے پاسپورٹ پر لگی ہوئی مُہر مجھے بے گناہ بتاتی ہے۔''

''لیکن قتل کروانے والے کے ساتھ جو تمہارا تعلق جڑتا ہے، اس کا ایک بہت بڑا ثبوت اس فائل کے ساتھ موجود ہے...... یہ لینڈ مافیا کے چوہے اس وقت تک شیر ہیں جب تک تمہارا ہاتھ ان کے سر پر ہے۔ جس دن یہ پھنسے، اس دن تم بھی پھنسو گے...... وقت کا انتظار کرو...... اور اب میرے پاس مت آنا......'' جابر علی یہ کہہ کر اب اپنی جگہ سے اٹھا اور اس طرف جاکر فرش پر چت لیٹ گیا جس طرف نسبتاً روشنی بہت کم تھی۔ اس نے ایس پی کو اس وقت گھما کر رکھ دیا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے ایس پی کے بھاری بوٹوں کی چاپ سنی تھی جو واپس جارہا تھا لیکن بوٹوں کی آواز سے صاف محسوس ہورہا تھا کہ آتے وقت چال میں جو دم تھا، جاتے وقت وہ بات نہیں ہے۔

☆☆☆

''شاہ صاحب کہتے ہیں مجھے ابا جان سے ضرور ملنا چاہیے...... یہ میرا فرض ہے مگر...... وہ صرف باپ نہیں ہیں، قاتل بھی تو ہیں......'' برہان جاگ رہا تھا۔

رات گئے جاگنا اب تو اس کی عادت بن گئی تھی...... دن بھر کے واقعات گزرا ہوا وقت، آنے والے دن...... کس طرف سوچ نہیں جاتی تھی۔ اسے صرف اور صرف شینہ کی فکر تھی۔

کلاس فیلوز اسے بہت پُراعتماد اور اسٹرانگ سمجھتے تھے۔ خواہ مخواہ اس سے مرعوب رہتے تھے کہ وہ پولیس افسر کا بیٹا ہے۔ وہ کچھ کہتا تو نہیں تھا بس دل ہی دل میں ہنستا تھا۔ حالانکہ کبھی، کبھی دل چاہتا تھا کہ کہہ دے۔ ''ابا جان بس کاغذات پر ہمارے ابا جان ہیں...... ہمارا تو گھر بھی پولیس ڈپارٹمنٹ ہے۔ یہ دینِ مذہب کی کیسی presentation ہے؟ اللہ تو ماں سے بھی ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے...... محبت، نرمی، حسنِ سلوک تو مذہب کی بنیاد ہے۔ اسے یاد آیا انٹر میں اس کے اسلامیات کے لیکچرار سر منور فاروقی جب احادیث پڑھا رہے تھے تو وہ کوئی حدیث پڑھاتے ہوئے اس ضمن میں کچھ اور احادیث بھی مضبوط حوالے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے...... اور میں تم میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے اچھا ہوں...... (حدیث)'' اس روز اس کا جی چاہا تھا کہ گھر جاکر ابا جان کو بھی یہ حدیث سنائے...... مگر گھر میں گھستے ہی وہ لعن طعن اور گھن گرج سنائی دی کہ اسے یاد ہی نہیں رہا کہ اس نے کچھ سنانے کا پروگرام بنایا تھا۔ غصہ تو شیطان کا سب سے مؤثر ہتھیار ہے اور سب سے زیادہ اسی ہتھیار کا استعمال ہے۔ جس شخص میں جتنا زیادہ تکبر ہوتا ہے...... اتنا ہی غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا ہے۔ متکبر کو جنت کی خوشبو بھی نہیں پہنچے گی۔

نہ جانے کب، کب کی پڑھی اور سنی ہوئی باتیں ذہن میں گردش کرنے لگیں۔

''میں کیوں جاؤں ان سے ملنے......؟ ستارہ ہر وقت مجھ سے پوچھتی ہے، بھائی میرا کیا قصور تھا......؟ کیا

میں نے اللہ کی بنائی ہوئی حدود یا مال کی قسمیں؟ کیا میں نے ایسا جرم کیا تھا جس پر شرعی قاضی حد جاری کرتا ہے؟" برہان کے دل پر کچوکے لگنے لگے۔

"جاؤں گا ایک دن...... مگر ابھی نہیں...... ایک خاص وقت کا انتظار کروں گا۔"

☆☆☆

رابی گھر سے اپنی ساری فوٹوز اٹھا لائی تھی۔ چند شاندار قسم کے کلوز اپ اس نے منتخب کرنے تھے۔ بچپن سے لے کر اب تک یہ فوٹو اپنے اندر اتنی کشش رکھتے تھے کہ وہ ہر طرف سے بے خبر ہو کر کھو سی گئی۔ بار بار دیکھ رہی تھی...... کئی بار اٹھ کر آئینے کے سامنے بھی جا کھڑی ہوئی، کبھی ہاتھ میں پکڑی فوٹو دیکھتی، کبھی خود کو......

"مجھے پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت نظر آنا ہے، کوئی دیکھے تو بس دیکھتا رہ جائے...... جب پہلی بار اس کے سامنے آؤں گی تو بے بی پنک پلین جارجٹ کی ساڑی باندھ کر آؤں گی...... گلابی رنگ محبت کا رنگ ہے نا اس لیے...... وہ مجھے ایک بار دیکھے گا اور گلابی ہو کر رہے گا۔" رابی کے اندر یقین نقشِ چٹان بن کر ابھر رہا تھا...... ایسی زبردست خود اعتمادی جو ہر ڈوبنے والے جہاز کے کپتان میں جہاز ڈوبنے سے پہلے تک بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے۔ رابی نے اپنی خوب صورت تصویر کو خود ہی چوم لیا۔

☆☆☆

یوں بھی ہوتا ہے کہ کبھی، کبھی انسان اپنے دکھ کو دنیا کا سب سے بڑا دکھ سمجھ کر ساری دنیا سے کٹ کر رہ جاتا ہے...... اور...... اس کی سوچ ہر وقت اپنی ذات کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ خود ترسی میں مبتلا ہو جاتا ہے اسے اپنے علاوہ ساری دنیا ہنستی، ناچتی گاتی نظر آتی ہے۔

بلکہ کبھی، کبھی تو ہر شخص خود پر ہنستا دکھائی دیتا ہے...... گل جان نے بھی برسوں سے صرف اپنی ذات کے کنویں میں چکر لگانے کے علاوہ کوئی کام نہ کیا تھا...... لیکن جب رابی نے گل جان کو برہان کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں بتایا تو چند لمحے گل جان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے جیسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا...... "کوئی باپ اپنی اولاد کو جاتی ہوش و حواس موت کے گھاٹ بھی اتار سکتا ہے...... ؟ نہیں...... نہیں......" اس کی رگ و ریشے میں انکار لہو بن کر دوڑنے لگا۔

"ضرور کوئی اور بات ہوگی...... لیکن رابی اصرار کر رہی تھی کہ یہی بات ہے...... کیونکہ شاہ عالم اس کے ساتھ غلط بیانی کیوں کریں گے...... اور کسی کے بارے میں اندازوں پر قائم رائے کا اظہار اس کے سامنے کیوں کریں گے۔"

اس کے سامنے اصیل خان تھا...... جس کا ماضی داغ، داغ تھا...... مگر اس کے باوجود اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق جتنی قربانی دے سکتا تھا اس نے اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی...... آج بھی وہ صرف اس لیے اذیت بھری زندگی گزارنے پر مجبور تھا...... چونکہ وہ اپنی اولاد کو اپنے سامنے رکھنا چاہتا تھا...... ہر پل اپنی بیٹیوں کو دیکھنا چاہتا تھا...... وہ اصیل خان جو بے حسی کے پہاڑ کو عبور کر کے...... ضمیر کے پُرنور راستوں پر محوِ سفر تھا۔ گل جان کتنی دیر اپنی جگہ گم صم بیٹھی تھرتھراتی رہی...... ایک خیال آ رہا تھا ایک جا رہا تھا...... وہ اس ہولناک دل ہلا دینے والی حقیقت کو ہضم نہیں کر پا رہی تھی۔ بالآخر اس کے لبوں کو جنبش ہوئی۔

"ہوسکتا ہے...... لڑکی نے ماں، باپ کی پگ اچھالی ہو...... ہوسکتا ہے...... ؟" لیکن رابی نے گل جان کے اس خیال کی بھی تردید کی تھی...... کیونکہ اسے حقائق شاہ صاحب سے معلوم ہوئے تھے اور وہ شاہ صاحب کی

ایک، ایک بات پر اسی طرح یقین رکھتی تھی...... جیسے کہ اسے اس بات پر یقین تھا کہ وہ پیدا ہوئی ہے۔
رابی تو شوشہ چھوڑ کر امریکا روانہ ہو گئی تھی۔ شاہ صاحب نے اسے..... روانہ کرنے کے لیے پوری صلاحیتیں سارا اثر رسوخ استعمال کیا تھا...... کیونکہ وہ فوراً اسے پیشتر رابی کو اس اذیت ناک احساس سے چھٹکارا دلانا چاہتے تھے جو ان کے خیال میں ہر مرتبہ آئینہ دیکھنے کے بعد رابی کی روح میں نئے سرے سے تازہ ہو جاتا تھا۔
رابی کے جانے کے بعد وہ اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے ہاتھوں سے حلیم تیار کر کے پڑوسیوں کو ہدیہ کرنے کے بہانے صابرہ سے ملنے آئی تھی...... صابرہ نے گل جان کو اپنی مخصوص پُر اخلاق مسکراہٹ کے ساتھ خوش آمدید کہا...... اس کی نظر میں گل جان کی اہمیت بھی اتنی ہی تھی..... جتنی کہ شاہ صاحب کی اور اس کی وجہ روما تھی جسے برہان پڑھاتا تھا اور روما جو شاہ عالم کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی جسے وہ بہت پیار دیتے تھے اور اسے اپنے ہی خاندان کا حصہ کہتے تھے۔
گل جان خاصی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی مگر جو کھوج لے کر دل میں آئی تھی..... وہ دل میں ہی رہی...... بس اس کا حوصلہ ہی نہ ہوا کہ صابرہ کے ذاتی معاملات پر گفتگو چھیڑ دے..... وہ انتظار کرتی رہی کہ شاید صابرہ کے منہ سے خود ہی کچھ نکل جائے اور اسے اپنے دل میں چھپے ہوئے سوالات زبان تک لانے کا راستہ مل جائے..... مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ صابرہ بس روما کی تعریف کرتی اور اس کی ماں کے بارے میں اظہارِ افسوس کرتی رہی کیونکہ کا نازؔ، روما کی ماں کے بارے میں اسے بڑی تفصیل سے بتا چکی تھی..... مگر اس کے دل کو یہ اطمینان تھا کہ راہ و رسم پیدا ہو گئی ہے، مل بیٹھنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ملتا رہے گا اور اسے صابرہ سے کسی نہ کسی وقت کچھ سننے کو مل ہی جائے گا...... وہ تو بس یہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر ایسا ہوا کیا تھا کہ باپ نے اپنی اولاد کی جان لے لی...... اس کے نزدیک یہ ایک ناقابلِ یقین سچائی تھی مگر سچائی ضرور تھی..... لیکن اس کی تجربہ کار آنکھوں نے صابرہ کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دل میں چھپے ہوئے لاانتہا دکھ دیکھ لیے تھے...... اور اس بات پر اسے پورا یقین تھا کہ دو چار ملاقاتوں میں صابرہ خود ہی اس سے حالِ دل کہہ دے گی۔
دکھ سے بھرا دل تو چھلکتا پیمانہ ہوتا ہے سا ب چھلکا کہ تب چھلکا...... دکھوں نے اس گھر کے مکینوں کی اگرچہ ساری شادابی چوس لی تھی..... مگر آج اس کے قدموں میں شکستگی اور نقاہت نہیں تھی اسے تو کسی کے بہت بڑے دکھ نے شرمندہ سا کر دیا تھا...... اور وہ سوچ رہی تھی کہ اچھا اس دنیا میں تو اس سے بھی بڑے دکھ موجود ہیں۔

☆☆☆

''ڈاکٹرز اب اوپن ہارٹ سرجری کی باتیں کھل کر کرنے لگے ہیں...... اب آپ ہی کہیں...... خان صاحب ایک پچھتر سال کے بوڑھے پر یہ جوا کھیلنا جائز ہے؟'' شاہ عالم شگفتہ انداز میں بیرسٹر جمیل خان سے کہہ رہے تھے۔
اس وقت دونوں لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شام ڈھلنے کا خوب صورت منظر بس کچھ دیر بعد اختتام پذیر تھا۔
''کیسی باتیں کرتے ہیں شاہ صاحب...... امید پر دنیا قائم ہے...... عموماً یہ نوبت تو اسی عمر میں آتی ہے۔ ساری مشینری ہی ریپئرنگ کا تقاضا کر رہی ہوتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں آپ بہت باہمت ہیں، سو وال بند ہیں مگر فکر ہی نہیں......'' بیرسٹر جمیل خان نے شاہ عالم کو گویا داد دی۔
''آہستہ بولیں وہ میری طوطی نہ سن لے......'' شاہ صاحب نے مسکرا کر ٹوکا۔
''آپ کی جان تو بس یوں سمجھیں اس طوطی ہی میں اٹکی ہوئی ہے۔ پرسوں ہی ایک صاحب سے بات ہوئی بہت اچھا رشتہ بتا رہے ہیں۔ میں اسی سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔ مجھے آپ کی فکرات کا بخوبی اندازہ ہے......

بس کوشش میں لگا رہتا ہوں۔"

"جزاک اللہ..... بہت ڈھارس رہتی ہے آپ سے۔" شاہ عالم بے ساختہ گویا ہوئے۔

"دو بھائی بیوہ ماں کے ساتھ رہتے ہیں۔ چھوٹا ابھی زیر تعلیم ہے۔ بڑے کے لیے کہہ رہے تھے۔ حال ہی میں اس نے اپنا چھوٹا سا بزنس اسٹارٹ کیا ہے۔ عمر تقریباً اٹھائیس سال بتاتے ہیں..... MS اور MBA کیے ہوئے ہے۔ سیلف میڈ ہے۔" بیرسٹر جمیل خان لڑکے کی خوبیاں گنوا رہے تھے۔ اس دوران برہان گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ اس کی نظر ان دونوں پر پڑی تو سلام کیے بغیر آگے بڑھنا معیوب لگا..... سو ان کی طرف چلا آیا۔

"السلام علیکم....." اس نے فائل اور کتابیں ٹیبل پر رکھ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ بیرسٹر جمیل خان بہت دلچسپی سے برہان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"آپ کی تعریف.....؟ پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"تعریف بھی کرتے ہیں اور تعارف بھی کراتے ہیں، یوں سمجھیں ہمارا ہی بچہ ہے۔"

"بیٹھو برہان....." شاہ صاحب نے ساتھ رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ لوگ باتیں کیجیے..... میں ذرا فریش ہو جاؤں..... مغرب کی نماز کا وقت بھی ہونے والا ہے۔"

برہان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھا..... بیرسٹر جمیل خان اسے سر سے پاؤں تک بغور دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظروں سے برہان کو بڑی الجھن سی ہو رہی تھی۔

"اوہ ہاں..... بالکل..... بھئی ہمیں تو خیال ہی نہیں رہا کہ آپ صبح کے نکلے اب لوٹے ہیں۔ تھک گئے ہوں گے..... جائیں بیٹا آپ اپنا کام کیجیے..... بھئی میں تو یونہی ریٹائرڈ بندہ ہوں..... سب کو اپنی طرح فارغ سمجھ لیتا ہوں....." اپنی بات پر شاہ صاحب خود ہی مسکرانے لگے۔

"بہت سارے کام کرنے کے بعد ہی تو ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ آپ جتنا کام تو شاید ہم کر بھی نہیں سکتے....." برہان نے اپنے مخصوص نرم و مؤدب لہجے میں مسکرا کر کہا پھر ہاتھ پیشانی تک لے جا کر گویا سلامِ رخصت عرض کیا اور ٹیبل سے اپنی کتابیں اور فائل اٹھا کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

"کتنی حیرت کی بات ہے..... یہ آپ کا اپنا بچہ ہے..... کائناز کا بھائی بھی نہیں ہے..... پھر آپ نے اس پر توجہ خصوصی نہیں فرمائی.....؟" بیرسٹر جمیل خان نے جاتے ہوئے برہان پر ایک بھرپور نظر دوڑاتے ہوئے شاہ صاحب سے کہا۔

"اپنی طرف سے تو کوشش کرتے ہیں..... جہاں تک ضمیر کی آواز سنائی دیتی ہے، کان دھرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔" شاہ صاحب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"آپ شاید میری بات کا مطلب نہیں سمجھے..... آپ کائناز کے لیے فکرمند رہتے ہیں..... گھر میں اتنا اچھا بچہ موجود ہے، حقیقتاً آپ کا قریبی رشتے دار ہے، تب ہی تو آپ اسے اپنا بچہ کہتے ہیں۔"

"اوہ....." شاہ صاحب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا..... پھر نظریں جھکا کر جواب کے لیے الفاظ موزوں کرنے لگے۔

"میں تو حیران ہوں آپ نے کبھی اس بچے کا ذکر بھی نہیں کیا..... ایک زمانہ ہو گیا۔ مجھے اس گھر میں آتے ہوئے....." بیرسٹر ڈبل مائنڈڈ نظر آ رہے تھے۔

"آہ..... ہاں....." شاہ صاحب نے ایک آہِ سرد کھینچی۔

"اس بچے کو ہمارا بچہ بنے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا......" شاہ صاحب کے لہجے میں ذومعنویت تھی۔
بیرسٹر جمیل خان ان کی طرف دیکھنے لگے۔
"برہان ایک پُر عزم، باحوصلہ، باکردار نوجوان ہے، عام نوجوانوں کی طرح من موجی، لاابالی نہیں...... مگر اس وقت سخت آزمائش سے گزر رہا ہے۔ قدرت اس کے صبر و ضبط کا امتحان لے رہی ہے۔" شاہ صاحب نے توقف کیا۔
"ہم آپ کو سب کچھ بتائے دیتے ہیں۔ ہم اور آپ کوئی دو تھوڑا ہی ہیں۔" جمیل خان کی سماعتیں چوکس ہو گئیں، شاہ صاحب کے انداز غیر معمولی تھے۔

☆☆☆

رابی نے ڈاکٹر مہر جان کے دنیا سے بے خبر ہونے کے بعد پہلی فرصت میں ایک بہت قیمتی لیپ ٹاپ خرید لیا تھا...... پاکستان سے جانے سے پہلے وہ جتنی دیر جاگتی تھی اپنے لیپ ٹاپ میں مصروف دکھائی دیتی تھی اور اس نے جانے سے پہلے گل جان کو بتا دیا تھا کہ اس نے اپنے بہت سارے دوست بنا لیے ہیں، اب وہ USA میں تنہا نہیں ہوگی...... وہ اس کی فکر نہ کریں...... اس کے فون مسلسل آرہے تھے۔ وہ وہاں پہنچ کر بہت خوش تھی۔ کھلی فضا میں کھل کر سانس لے رہی تھی۔ اب وہ ہنستی بھی تھی اور اس کی نقرئی گھنٹیاں بجاتی ہوئی ہنسی سن کر گل جان کے دل کو ایک گونہ سکون ملتا تھا...... مگر وہ تو جیسے گن گن کر دن کاٹ رہی تھی۔ دیہات کی پروردہ گل جان جوانٹر سے آگے نہیں پڑھ سکی تھی...... اور جس ماحول میں اس نے آنکھ کھولی تھی اور بہت وقت گزارا تھا اس کے حساب سے رابی کا اتنی دور چلے جانا ایک بہت بڑا واقعہ تھا...... رابی رات کو اسے بڑا تفصیلی فون کرتی...... علاج کے تمام مرحلوں سے اسے باخبر رکھ رہی تھی۔ گل جان کے ساتھ ساتھ وہ شاہ صاحب کو فون کرنا بھی نہیں بھولتی تھی۔ اس لیے کہ وہ ساری دنیا میں صرف شاہ صاحب کی احسان مند تھی جنہوں نے اسے جینے کا حوصلہ بھی دیا تھا اور زندگی کا سب سے حسین رخ بھی دکھایا تھا اور وہ حسین رخ ہے اچھی امیدوں کے ساتھ صبح، دوپہر، شام کرنا...... مایوسی اور ناکامی کے احساس سے اپنا دامن بچا کر رکھنا...... ہر، ہر مرحلے پر اس کی فوٹو بھی بنتی تھی جو وہ کانٹا کو ای میل کر دیا کرتی تھی اور پھر وہ فوٹوز گل جان کو دکھاتی تھی۔
سب کچھ بہت اچھا ہو رہا تھا لیکن......
صابرہ، برہان اور شیبا ابھی تک جیسے دم سادھے زندگی گزار رہے تھے...... جابر علی کو پھانسی کی سزا سنائی جا چکی تھی...... وارث علی فرار ہو کر کہیں پناہ گزیں ہو چکا تھا...... شاہ صاحب کے گھر وہ کئی مرتبہ آیا لیکن شاہ صاحب نے گھر میں آنے کی اجازت نہ دی تو وہ فون پر دھمکیوں پر اتر آیا تھا۔ وہ اپنا کھیل کھیلنے میں اتنا مصروف ہو گیا کہ باقی ہر طرف سے اس کی توجہ ہٹ گئی اور اسی دوران اس کے اپنے بندے نے اس کی مخبری کر دی اور وارث علی کو راتوں رات ملک چھوڑنا پڑا۔
لیکن شاہ عالم اور برہان کو اس بات کی ابھی خبر نہیں تھی کہ وارث علی ملک چھوڑ گیا ہے اگرچہ اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ آخر اس کی دھمکی آمیز فون کالز کا سلسلہ ایک دم کیوں رک گیا تھا۔

☆☆☆

جابر علی کو پھانسی کی سزا اگرچہ سنائی جا چکی تھی مگر ابھی وہ پھانسی کی سزا سے پہلے کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ سزا پر عمل درآمد ہونے میں ابھی بھی کچھ وقت باقی تھا۔ کچھ ملکی، سیاسی حالات کی وجہ سے بھی عدالتی کارروائی مؤخر ہوتی رہی تھی۔
زندگی اب ڈھلان پر بہتے پانی کی طرح رواں ہوتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی کہ شاہ صاحب اپنے

دیرینہ عارضۂ قلب کی وجہ سے اسپتال میں ایڈمٹ ہوگئے اور کائنات تو گویا اپنا آپ بھول بیٹھی۔۔۔۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ آٹھ پہر ایک ٹانگ سے دادا کے سرہانے کھڑی رہے۔

اس وقت بھی وہ گھر سے بنا کر لایا ہوا سوپ انہیں پلا کر فارغ ہوئی تھی۔ بیرسٹر جمیل خان بھی زیادہ سے زیادہ وقت شاہ صاحب کے ساتھ گزار رہے تھے۔ وہ بھی وی آئی پی روم میں موجود تھے۔

شاہ صاحب کافی دیر سے گہری سوچ میں تھے۔۔۔۔ اور ان کی خاموشی کے باعث کائنات اور بیرسٹر جمیل خان بھی عالم سکوت میں تھے۔۔۔۔ شاہ صاحب کی خاموشی معمول کی خاموشی نہیں تھی، یہ خاموشی بہت خاص تھی گہرا تفکر مظہر تھا کہ وہ ذہنی طور پر کمرے میں موجود نہیں ہیں۔ بالآخر ان کی خاموشی ٹوٹی۔

"خان صاحب آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔۔ برہان بہت اچھا بچہ ہے۔۔۔۔ نیک ماں کا بیٹا ہے۔۔۔۔ دکھی ہے، مظلوم ہے۔۔۔۔ لیکن بہت ذمے دار ہے۔ میری وراثت بھی سنبھال سکتا ہے اور کائنات کو بھی۔۔۔۔ اللہ کا احسان ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہے۔" کائنات آنکھیں پھاڑے شاہ صاحب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی قوتِ گویائی سلب ہو چکی تھی۔ اس کی حالت کے پیش نظر بیرسٹر جمیل خان نے اس کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ رکھا اور بولے۔

"بیٹا۔۔۔۔ اپنے دادا جان کی بات بہت توجہ سے سنو۔۔۔۔"

"بیٹا تمہارا دادا بوڑھا ہو گیا ہے۔۔۔۔ اب تمہاری ذمے داری تمہارے لائف پارٹنر کو سنبھالنی چاہیے۔۔۔۔ اس دل پر بالکل بھروسا نہیں رہا مجھے۔۔۔۔" شاہ صاحب رک رک کر اپنی سانسیں متوازن کرنے لگے۔

کائنات تو گویا سانس روک کر ان کی بات سن رہی تھی۔

"خان صاحب آپ اسے سمجھائیں بھی اور سنبھالیں بھی۔۔۔۔ میں نے اپنی لاڈلی کے لیے ہیرا چنا ہے۔۔۔۔ اس سے زیادہ اچھی طرح میری امانت کو کوئی نہیں سنبھال سکتا۔ بخیل مذموم ہے۔۔۔۔ لالچی محروم ہے۔۔۔۔ موت معلوم ہے۔" شاہ صاحب کسی خیال کے تحت زیرِ لب مسکرائے۔

"میں نے کسی رئیس داماد کی تمنا نہیں کی۔۔۔۔ مالک کا دیا بے حساب ہے۔ مجھے ایک باکردار، باضمیر، باادب داماد چاہیے۔۔۔۔ اور میری بیٹی جانتی ہے اس کا دادا ہمیشہ سے اس کے لیے بہترین کا انتخاب کرتا ہے۔"

کائنات کم عمر ضرور تھی، بچی نہیں تھی، خواب دیکھنے والی عمر عبور کر چکی تھی مگر ابھی خواب کی دنیا میں قدم نہیں پڑے تھے۔

سترہ سال کی کائنات۔۔۔۔ لمحے میں ستر برس کی ہو گئی۔۔۔۔ دادا اسپتال میں داخل تھا۔۔۔۔ موت کی باتیں کر رہا تھا۔۔۔۔ جدائی کے احساس کی شدت اتنی تھی کہ دل ہلنے لگا۔

اس نے آگے بڑھ کر دادا جان کے سینے پر سر رکھ دیا۔۔۔۔ سینے میں آنسو گھٹ رہے تھے۔۔۔۔ مگر مارے خوف کے آنسو بہانے سے گریز کر رہی تھی کہ اس کے پیارے دادا جان کو اس کے آنسو پریشان نہ کر دیں۔

"دادا جان ایسی باتیں نہ کریں۔۔۔۔" وہ بہ مشکل حلق میں پڑتے پھندوں کے درمیان بولی تھی۔

"بیٹا۔۔۔۔ اب ایسی ہی باتیں کرنے کا وقت ہے۔ ہو سکتا ہے میں ابھی بیس سال مزید زندہ رہوں۔۔۔۔ ہو سکتا ہے بیس پل بھی نہ ملیں۔۔۔۔ یہی زندگی ہے بیٹا۔" وہ اسے تسلی دینے کے سے انداز میں بولے۔

"میں نے کبھی مال جمع کرنے کے لیے اپنے آپ کو ہلکان نہیں کیا۔۔۔۔ میں تو ایک سیدھا سادہ بیوروکریٹ تھا۔۔۔۔ یہ سب کچھ تو میرے بیٹوں نے بنایا تھا۔۔۔۔ میں تو ان کی امانت کی دیکھ بھال کرتا رہا۔۔۔۔ اور کر رہا ہوں۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

"الحمدللہ اب ایک صحیح امانت وار مل گیا۔" آخری جملہ کہہ کر شاہ صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔

گھر میں یہ بات ہوتی تو کانناز جانے کیا کچھ کہہ جاتی..... مگر اسپتال کے کپڑوں میں ملبوس شاہ صاحب اسے بہت محتاط کر رہے تھے اسپتال کے نام سے ہی اندیشوں کے لامتناہی سلسلے شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ تو اس وقت حواس باختہ تھی..... اوسان خطا تھے..... اسپتال، ڈاکٹر، سرجری، موت کی باتیں..... اور فیصلے..... وہ بالکل گم صم تھی۔

☆☆☆

"امی یہ میرے لیے اتنا آسان نہیں ہے..... جتنی آسانی سے آپ نے کہہ دیا....." برہان کا سکتہ کافی دیر بعد ٹوٹا تھا۔ رات کے ڈھائی بجے کا عمل تھا۔ صابرہ اس کے کمرے میں آگئی تھی۔ وہ جاگ رہا تھا اور کب سے التوا میں پڑا ہوا ایک اسائنمنٹ مکمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

صابرہ نے آکر پہلے اِدھر اُدھر کی عام سی باتیں کیں پھر بڑی ہمت کر کے شاہ صاحب کی خواہش اُس تک پہنچا دی..... شاہ صاحب نے خاص طور پر صابرہ کو اسپتال بلوایا تھا۔ وہ خود بھی جانا چاہ رہی تھی لیکن یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ وہاں کس کے ساتھ جائے کیونکہ برہان یونیورسٹی گیا ہوا تھا۔ کانناز تو مستقل دادا کے پاس ہی تھی۔ شاہ صاحب نے گاڑی بھیج کر صابرہ کو اپنے پاس بلوایا تھا۔ وہ یہی سمجھی کہ اسپتال میں داخل ہونے کی وجہ سے شاہ صاحب پریشان ہیں۔ ظاہر ہے پوتی کے بارے میں سوچتے رہتے ہوں گے۔

لیکن ان کے پاس پہنچ کر اس کے سارے اندازے غلط ہو گئے۔ شاہ صاحب نے خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد جو کچھ اس سے کہا اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ اتنے بڑے رئیس کی بیٹی اس کی بہو بنے..... کتنی دیر تک اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا..... لیکن شاہ صاحب نے جس انداز میں اس سے بات کی وہ ان کے سامنے اپنی طرف سے کوئی بات نہ کر سکی۔ گھبراہٹ اور احساسِ کمتری کی وجہ سے اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا تھا۔

"آپ..... آپ اس قابل ہیں کہ ہم آپ کی خاطر اپنی جان بھی دے دیں تو کم ہے..... آپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ میری بچی کو آپ کے گھر میں عزت سے سر چھپانے کی جگہ مل گئی ہے..... میرا اور برہان کا تو کچھ نہیں تھا..... ہم ماں، بیٹا تو کہیں بھی ٹھوکریں کھا لیتے لیکن اصل مسئلہ تو شینہ کا تھا..... آپ نے میرے کلیجے میں ایسا سکون اتارا ہے کہ آپ بات بھی کریں تو میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔" لیکن برہان یہ ساری تفصیلات سن کر بری طرح الجھ گیا تھا۔ اس نے تو پہلے مرحلے میں ہی صاف انکار کر دیا تھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا امی.....! آپ شاہ صاحب کو اطمینان دلا دیجیے کہ ہم کانناز کا ہر طرح سے خیال رکھیں گے اور شاہ صاحب کے اسٹیٹس کا ہی کوئی رشتہ تلاش کر کے اس کی شادی کر دیں گے۔"

"میں یہ بات نہیں کہہ سکتی برہان..... میں انہیں ایسے خواب نہیں دکھا سکتی جن کا پورا کرنا میرے اپنے اختیار کی بات نہیں ہے۔"

"لیکن امی آپ اکیلی نہیں ہیں، میں آپ کے ساتھ ہوں..... آپ خود ہی سوچیں میں..... میں اتنے بڑے احسان کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا....." برہان اسی طرح الجھی، الجھی کیفیت میں کہہ رہا تھا۔

"اللہ نے ہم پر رحم کر دیا ہے برہان، اس لیے وہ کہتا ہے..... کبھی میری رحمت سے مایوس نہیں ہو۔" صابرہ نے یہ کہہ کر برہان کو اپنے سینے سے لگا لیا..... گویا صابرہ نے تجربے کا قفل اس کے ہونٹوں پر ڈال کر دلائل کا راستہ بند کر دیا ہو..... دونوں ماں، بیٹے کے درمیان خاموشی ہلکے سُروں کے ساتھ رقصاں تھی۔

جاری ہے

امانت

رفعت سراج

آخری قسط

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دُشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہارسو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُر درد مگر خوب صورت تحریر

"روما......! کائناز کے گھر میں شاہ صاحب اور کائناز کے علاوہ تو کوئی نہیں رہتا ناں......؟ میرا مطلب ہے کائناز کا کوئی بھائی یا بہن وغیرہ......؟" برہان اور روما لان میں بیٹھے تھے۔ کائناز اسپتال میں تھی، برہان نے روما سے کہا کہ وہ اپنی بکس لے کر لان میں آجائے۔

نہ جانے کیوں روما کے ساتھ بند ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے خیال سے ہی اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ یہ لڑکی پہلے ہی دن سے اسے بند کتاب لگی تھی اور انتہائی رات کو دو مرتبہ اسے تنہا بیٹھ کر روتے ہوئے بھی دیکھا تھا...... بس جب بھی اس کا دھیان آتا تو بڑی شدت سے احساس ہوتا کہ اس کے اور روما کے درمیان کوئی دردِ مشترک ہے...... وہ کبھی اسے اجنبی نہیں لگی۔ پہلی ملاقات سے لے کر آج تک...... یوں جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے چلے آرہے ہوں۔ جبکہ کائناز ہمیشہ کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھی محسوس ہوئی۔

"سر......! کائناز بالکل اکیلی ہے...... بس یوں سمجھیں میں ہی اس کی سب کچھ ہوں، بہن، کزن، دوست۔" روما نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"اچھا......!" برہان کے لہجے میں بلا کا استعجاب تھا۔

"آپ کو کائناز نے نہیں بتایا کہ اس کا کوئی بہن، بھائی نہیں ہے۔" روما نے بڑی معصومیت سے برہان کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے پوچھا۔ برہان فوراً نظریں چرا گیا۔

"پھر وہ کون تھی...... اس کا لباس نوکروں والا نہیں تھا۔" برہان کی آنکھوں کے سامنے سرو قد رابی آکھڑی ہوئی۔ رائل بلیو بڑا اسٹائلش سا ڈریس، سر پر گرے اسکارف اور چہرہ برہان نے چشمِ تصور سے رابی کو دیکھا تو جھرجھری سی آگئی۔ کیسا عجیب سا چہرہ تھا...... بڑے عجیب سے داغ تھے...... یوں جیسے کسی بچے نے مونالیزا کی پینٹنگ پر آڑا ترچھا برش چلا دیا ہو...... اس نے ایسے عجیب داغوں والا چہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

"آپ کے تو اور بہن بھائی ہیں ناں......؟" برہان نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر پھر کسوٹی کھیلنا شروع کی۔

"بھائی نہیں ہے، ایک بہن ہے...... رابی آپا...... بس!" روما نے بدستور بے پروائی سے جواب دیا۔

اب برہان چونک پڑا تھا۔

"اوہ...... تو شاید...... مگر......" وہ پھر الجھا۔

"آپ کی سسٹر میرڈ ہیں؟" برہان نے نہ چاہتے ہوئے پھر سوال کردیا۔

"نو سر...... اللہ کرے سب کچھ ٹھیک ہوجائے، ان کی شادی ہوجائے۔" روما ایک دم افسردہ نظر آنے لگی۔

"میں آپ کو ان سے ضرور ملواتی مگر ایک مسئلہ ہوگیا تھا۔ وہ اب سوائے ہمارے کسی کے سامنے نہیں آتیں۔" روما سر جھکائے کہہ رہی تھی۔

اب برہان نے خود کو روک لیا۔ مزید سوال کا مطلب تھا کہ وہ پرسنل ہو رہا ہے۔

"جب ان کی کاسمیٹک سرجری ہوجائے گی تو میں انہیں آپ سے ملواؤں گی۔" روما نے آئندہ کے لیے وعدے وعید کرنا شروع کردیے۔

"اوہ...... تو پھر وہی ہوگی۔" کاسمیٹک سرجری کا اشارہ ملا۔ کسوٹی مکمل ہوئی۔ گویا اس نے بوجھ لیا۔

اس نے روما پر ایک غیر ارادی نگاہ ڈالی پھر نوٹ بک اٹھا کر پوائنٹس دیکھنے لگا جو روما بطور ہوم ورک کر کے لائی تھی مگر اب وہ دیانتداری سے اپنا فریضہ انجام نہیں دے سکتا تھا۔ ذہن کسی ایک نکتے پر مرکوز ہی نہیں تھا۔

روما اپنا پریکٹیکل جرنل کھول کر برہان کو نہ جانے کیا دکھانا چاہ رہی تھی۔ بار بار صفحات الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ خاموشی سے بڑی پناہ و عافیت کیا ہوگی۔ برہان کے لیے روما کی مصروفیت ڈھال تھی۔ آگ اور پھونس کا کھیل ایسی بے لگام تنہائی میں ہی شروع ہوسکتا ہے۔ برہان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اٹھ کر چل دیا۔ روما حیرت سے سر...... سر کہتی رہ گئی۔

☆☆☆

"کیوں آئے ہو......؟" برہان، جابر علی کے سامنے کھڑا تھا۔ جابر علی پولیس یونیفارم کے بجائے قیدی کے یونیفارم میں تھا سر پر جالی کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، داڑھی گھنی اور دراز ہوچکی تھی۔ اس کی شرٹ پر 107 کا ہندسہ نقش تھا۔ چہرے پر خشونت، آنکھوں میں نفرت تھی۔ جیسے بیٹے کو نہیں دشمن کو دیکھ رہا ہو۔

"آپ نے ضمانت کے لیے ہمارا احسان لینے سے انکار کردیا تھا...اور اس کے بعد ہمیں سمجھ نہ آئی کہ کیا کریں...... معافی مانگنے آیا ہوں۔" برہان کال کوٹھڑی کی سلاخیں پکڑے سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"مجھے دنیا داروں کا احسان نہیں چاہیے...... مادّہ پرستوں کی اس دنیا پر تھوک دیا ہے میں نے...... تم نے ایک رئیس آدمی کی پوتی سے شادی کر کے مجھ پر مزید ظلم کیا ہے۔ آج کے دور میں جب تک انسان حرام، حلال اکٹھا نہ کرلے، رئیس نہیں بن سکتا۔" جابر علی نے حقارت سے برہان کی طرف دیکھا۔

"آپ کا بیٹا ہوں...... شادی نہیں کی احسان اتارا ہے...... اور اس شادی کی ذمّے داری بھی آپ پر ہے۔ صرف وارث علی کی وجہ سے ہم اپنا گھر چھوڑ کر نکلے اور کسی کے گھر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ آخر اس احسان کا بوجھ تو اتارنا تھا ناں......" برہان اسی طرح سر جھکائے مؤدبانہ انداز میں بات کر رہا تھا۔

"ہاں جب دوزخ میں جاؤ گے تب بھی یہی کہنا کہ باپ کی وجہ سے دوزخ میں آئے ہیں...... بس سارا کچرا میرے سر پر پھینک کر صاف ستھرے ہوجاؤ۔ تم کیا سمجھ رہے ہو...... مجھے پھانسی لگنے والی ہے، میں مرنے والا ہوں۔ نہیں، میں جامِ شہادت نوش کرنے جارہا ہوں۔ میں نے ظلم اور بددیانتی کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ کبھی نماز قضا نہیں کی، اپنے ہوش میں کبھی روزہ نہیں چھوڑا...... پولیس ڈپارٹمنٹ میں ٹیبل پر رکھی ہوئی مٹھائی نہیں کھائی۔ کامیاب ریڈ پر پھولوں کا ہار نہیں پہنا......" جابر علی متکبرانہ انداز میں اپنی نیکیاں گنوا رہا تھا۔

برہان نے ایک لمحے کے لیے سر اٹھایا۔

"اللہ کے ایک نیک بندے نے ہمیں بتایا ہے کہ بہترین تقویٰ وہ ہے جو چھپایا جائے۔ ہر انسان نیک عمل اپنے لیے کرتا ہے۔" برہان کہے بنا رہ نہ سکا۔

"تم دنیا داروں کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہو...... اور دنیا داروں کے پاس دین کا علم نہیں آسکتا، تم اپنی معلومات اپنے پاس رکھو...... خدا حافظ......"

"وہ شبینہ آپ سے ملنا چاہتی ہے...... کل میں اسے لے آؤں......؟" برہان نے پوچھا۔

"پہلے باپ سے ملنے کا خیال نہیں آیا...... ماں کے کہنے پر چل رہی تھی۔ اب کوئی مجھ سے ملنے نہ آئے۔" جابر علی نے صاف منع کردیا۔

☆☆☆

"آپ یہاں بیٹھے ہیں...... میں نے سارا گھر چھان مارا۔" کائناز اسے تلاش کرتی ہوئی شاہ عالم کی اسٹڈی میں آگئی تھی۔

برہان نے چونک کر خالی، خالی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟ مجھے تو آپ ڈپریسڈ دکھائی دے رہے ہیں۔ خیریت ہے ناں......؟" کائناز اس کے اندازِ نظر سے پریشان ہوگئی۔

"ارے نہیں...... اٹس اوکے...... ویسے ہی ابا جان کا خیال آگیا تھا۔ انہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"اوہ گاڈ...... اب بس بھی کریں...... چلیں اٹھیں...... آج اتنی important بزنس پارٹی ہے...... بہت اچھی طرح تیار ہونا ہے آپ کو......" کائناز، برہان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے لگی۔

"میرا موڈ نہیں ہے...... تم روما کو لے کر چلی جاؤ۔" برہان نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"وہ رابی آپا کے پاس اسپتال میں ہے۔ ورنہ آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چلیں اٹھیں ناں......" کائناز نے پھر ہاتھ پکڑ کر کھینچا تانی کی۔

"سوری کائناز......! I'm not feeling well" برہان ہاتھ چھڑا کر لائبریری سے جانے لگا۔

"پتا ہے مجھے...... آپ کو تو ویسے بھی دو بیویوں کو ساتھ لے جاتے ہوئے شرم آتی ہے......" اب کائناز برا سامنہ بنا کر بولی تھی۔ برہان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چلا گیا، کائناز دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"دماغ تو ٹھیک ہے...... آخر تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟" برہان کے سر پر تو گویا ایک زبردست دھماکا ہوا تھا۔

"آخر اس کا کیا بنے گا......؟ میں اس کے لیے نہیں سوچوں گی تو اور کون سوچے گا...... باپ تو اس کا تھا نہیں اب تو اس کی اماں جان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ خالہ جانی ہر وقت بیمار رہتی ہیں...... رابی آپا کو نشے نے اسپتال پہنچا دیا ہے...... ذرا سوچیں تو......"

"ہاں تو ٹھیک ہے اس کے لیے کوئی اچھا رشتہ تلاش کرتے ہیں...... اخبار میں ایڈ دیتے ہیں، آفس میں بات کرتے ہیں۔"

روما کا نام لے کر کائناز نے ایک قیامت برپا کر دی تھی...... زندگی کا پہلا اور آخری حسین خواب...... جس نے برہان کی پوری زندگی کا احاطہ کر لیا تھا...... اس خواب کی تعبیر اس انداز میں سامنے آئے گی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔

"زندگی کو ایک مذاق سمجھ لیا ہے تم نے...... اگر اتنا ہی شوق ہے نیک کام کرنے کا تو پراپر طریقے سے کوئی ویلفیئر آرگنائزیشن بنالو...... اس طرح صرف روما کا نہیں بے شمار لوگوں کا بھلا ہوگا۔"

"آپ کا کوئی بھائی ہوتا تو میں زبردستی روما کی شادی اس کے ساتھ کرا دیتی مگر آپ کے پیرنٹس تو بہت کنجوس نکلے...... جن کے ہاں تین بچے پیدا ہو سکتے ہیں تو پانچ چھ بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔"

برہان چکرا کر رہ گیا تھا۔ کائناز بڑے تسلسل سے حملے کر رہی تھی۔ اس کی فطری بے ساختگی جو کمال کی مقناطیسیت رکھتی تھی اب ایک طوفانِ بلاخیز دکھائی دیتی تھی۔ اگر عقل کی حد ہو سکتی ہے تو حماقت کی بھی ہونی چاہیے۔

"دیکھو کائناز کوئی بیوی مذاق میں تو اپنے شوہر سے اس طرح کی بات کر سکتی ہے مگر سنجیدگی کے موڈ میں... ہرگز نہیں کر سکتی......" برہان کا اپنا ذہن اور فراست اسے باور کرا رہی تھی کہ مارے جوش و جذبات کے وہ کچھ کہہ بیٹھی ہے...... چند گھنٹوں بعد اپنی باتوں پر غور کرے گی تو سمجھ آجائے گی۔

"تو پھر آپ بتائیں کہ کہاں جائے وہ......؟ کیا ساری زندگی پاگلوں کی خدمت کرتی رہے......؟ اس

نے آج تک کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ جب سے پیدا ہوئی ہے بس رو رہی ہے۔ آپ کو اس پر ترس نہیں آتا......؟" کائناز اب چلّا کر بولی تھی۔ برہان اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"اس شہر میں ہزاروں لڑکیاں ایسی ہوں گی جن پر رحم کھانا چاہیے...... سب سے نکاح پڑھوا دو میرا......" وہ اب بھی بڑے تحمل سے اسے ناپختہ ذہن تسلیم کرتے جواب دے رہا تھا۔

"تو پھر آپ مجھے چھوڑ کر اس سے شادی کر لیں...... میں دوست کی خاطر یہ قربانی دینے کو تیار ہوں...... اب بولیں......" کائناز نے پھر غبارے میں بارود بھر کر اڑایا...... برہان نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ارے قربانی کا اصل جانور تو میں ہوں...... خبردار جو میرا ٹائٹل چھیننے کی کوشش کی...... چلو بیڈ روم میں، میں تمہارا بی پی چیک کرتا ہوں......" اس نے کائناز کا ہاتھ تھام کر قدم بڑھائے۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ...... آپ تو بے حس ہیں کسی کے دکھ کا احساس تک نہیں......" کائناز نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور برہان سے پہلے اسٹڈی سے نکل گئی۔

برہان شاہ عالم کی یادگار رایزی چیئر پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔

"مجھے تمہارے اس دکھ کا احساس ہے کائناز جو تم اپنے ہوش و حواس میں مفت میں خریدنے کی کوشش کر رہی ہو۔ میری اس خوشی کا بندوبست کرنے کی کوشش کر رہی ہو جس سے میں دست بردار ہو چکا ہوں...... شاہ صاحب کا احسان بہت بڑا تھا۔ میری محبت کے قدموں تلے تو زمین ہی نہیں تھی۔"

روما اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی...... تاریک دنوں میں کبھی یہی روشنی کی کرن تھی۔ جو اب کالی آندھی بن کر چھا رہی تھی۔

☆☆☆

پرانے وقتوں کی ایک کہاوت ہے کہ سوکن تو چون (آٹے) کی بھی بری ہے...... مطلب یہ ہے کہ کسی نے آٹے کا پتلا بنا کر عورت سے مذاقاً کہا یہ تیری سوکن ہے تو عورت غصے اور حسد سے پاگل ہونے لگی۔

"یہ بچوں والی باتیں ہیں بیٹا...... عقل سے بہت دور کی باتیں......" گل جان یہ کہہ کر اِن ہیلر سے اپنی کھانسی رفع کرنے کی کوشش کرنے لگی...... اور تین چار مرتبہ پمپ کر کے گم صم بیٹھی کائناز کی طرف دیکھا۔

"کوئی کام جو پہلے کبھی نہیں کیا گیا ہو...... کبھی نہ کبھی تو ہو سکتا ہے ناں...... مجھ سے روما کی اداسی نہیں دیکھی جاتی...... میں اپنا سب کچھ اسے دے کر صرف اسے خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔" کائناز سوچ، سوچ کر بول رہی تھی۔

"کوئی ماں سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے بھلا؟ جو بچے کو جنم دینے کے فوراً بعد سے ہی بہت حسین خواب دیکھنے لگتی ہے۔ اور ہر خواب اس کے بچے کی خوشی سے شروع ہو کر اسی کی خوشی پر ختم ہوتا ہے۔" گل جان بہ مشکل اپنی سانسوں کو ہموار کر رہی تھی۔

"تو پھر آپ صرف روما کی خوشی دیکھیں، میری طرف نہ دیکھیں...... ماں بن کر خود غرضی دکھائیں......" کائناز برجستہ بولی۔

"کسی کام کو شروع کرتے وقت اس کے نتیجے پر بھی نظر رکھنی چاہیے...... اسی کو عقل مندی کہتے ہیں......" گل جان نے کائناز کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت پیار سے دیکھا...... اسے کائناز پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔

ایک ماں کو وہ آنکھیں دنیا کی سب سے حسین آنکھیں دکھائی دیتی ہیں جو اس کے بچے کو پیار سے دیکھتی ہوں۔

''میں روما سے کبھی jealous نہیں ہو سکتی...... مجھے اس سے زیادہ پیارا کوئی نہیں ہے۔ برہان بھی نہیں ہے۔ خالہ جانی میں نے برہان سے لو میرج نہیں کی ہے...... یہ شادی تو دادا جان کی مرضی سے ہوئی تھی...... مجھے تو سمجھ ہی نہیں آئی کہ میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے۔ دادا جان سیریس بیمار تھے، میں ان کو دکھ نہیں دے سکتی تھی اس وقت تو وہ مجھے زہر کھانے کو بھی کہتے تو میں کھا لیتی۔ یقین کریں میں نے تو ابھی تک برہان کو ذہنی طور پر شوہر کی حیثیت سے قبول ہی نہیں کیا ہے۔ وہ سامنے ہوتے ہیں تو مجھے لگتا ہے کہ وہ کہیں گے چلو ٹیگ کھولو...... آج کا لیکچر دکھاؤ......'' یہ کہہ کر کائنات بے معنی سا مسکرانے لگی۔ گل جان بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''ترکے، وراثت کی بحث تب شروع ہوتی ہے جب پلے کچھ ہوتا ہے۔ ننگی نہائے گی کیا نچوڑے گی کیا......؟'' گل جان تھکے تھکے انداز میں مسکرائی۔

''ابھی سامنے سوکن نہیں ہے تو سب کچھ آسان لگ رہا ہے۔ مگر یہ آسان نہیں ہے بیٹا...... تم روما کے لیے کوئی مناسب رشتہ تلاش کرو...... دو چار لوگوں سے میں نے بھی کہا ہوا ہے...... اللہ مالک ہے۔ رابی نے تو مجھے ساری ذمے داریوں سے فارغ کر دیا ہے۔'' گل جان کا لہجہ بے حد شکستہ تھا۔

☆☆☆

''آپا...... آخر آپ کو مسئلہ کیا ہے۔ زندگی دھوئیں میں اڑانے کے لیے نہیں ہے۔'' روما نے رابی کی انگلیوں سے سگریٹ چھین لی تھی۔

''تم میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے والی کون ہوتی ہو......؟ زیادہ ڈاکٹر صاحبہ بننے کی کوشش نہ کرو۔'' رابی نے روما کی انگلیوں سے سگریٹ جھپٹتے ہوئے غضبناک ہو کر کہا۔

''آپا نشے کا مطلب خودکشی ہے......'' روما نے آنسو پیتے ہوئے بڑی بے بسی سے کہا تھا۔

''نہیں...... نشے کا مطلب ہے جو قریب ہے وہ دور ہو گیا ہے جو دور ہے قریب ہو گیا ہے...... دنیا کی دوزخ، جنت میں بدل گئی ہے۔ جنت ہتھیلی پر آ گئی ہے۔ دشمن مر کھپ گئے ہیں، پیارے پھول ہاتھ میں لیے پاس بیٹھے ہیں۔''

یہ کہہ کر رابی نے سگریٹ کا کش لے کر زبردست قہقہہ لگایا اور اسے اچھو لگ گیا...... کھانس، کھانس کر وہ دہری ہونے لگی۔

☆☆☆

بڑے سے لان میں دیوار کے ساتھ بہت خوب صورت سا اسٹیج بنا ہوا تھا۔ بیس، پچیس کے قریب راؤنڈ ٹیبل لگی ہوئی تھیں۔ اونچے، اونچے درختوں پر چراغاں تھا...... پودوں کی کیاریوں کے ساتھ، ساتھ لگی ہوئی روشنیاں بہت حسین نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ شاہ عالم کی پوتی کی شادی پر شہر کی اشرافیہ مدعو تھی۔ ساری زندگی شاہ عالم سب کی خوشیوں میں شرکت کرتے رہے۔ اب انہوں نے اپنی خوشی پر جس کو بلایا وہ چلا آیا گویا اشارے کا منتظر تھا۔ برہان اور کائنات آراستہ صوفے پر دولہا، دلہن کے روپ میں بیٹھے تھے، سب مہمان اس کپل کو سراہ رہے تھے۔ چاند، سورج کی جوڑی کہہ رہے تھے۔ روما اور صابرہ اسٹیج پر موجود تھیں۔ احمر، فائزہ بھی اپنے والدین کے ہمراہ اس تقریب میں شریک تھے اور بڑے قیمتی تحائف لائے تھے۔ اسٹیج کے بائیں جانب رکھی بڑی سی ٹیبل پر تحائف کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ شبینہ انہی کی خاطر مدارات میں لگی ہوئی تھی۔

پروفیشنل فوٹو گرافر دولہا، دلہن کے یادگار پوز سلولائڈ پر منتقل کر رہا تھا۔

عین اسی وقت رابی نے گھر میں قدم رکھا تھا۔ وہ اپنے خوب صورت چہرے کے ساتھ سب کو حیران کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے بغیر اطلاع دیے آئی تھی مگر باہر ہی کاروں کی لمبی قطار نے اسے حیران کر دیا تھا...... برا خیال اس لیے نہ آیا کہ گھر پر چراغاں تھا۔ حیرانی تو تھی...... پریشانی نہیں تھی۔ وہ حیران کرنے آئی تھی اب خود حیران ہو کر لب بستہ کھڑی تھی۔ ذرا آگے بڑھی تو اتنا پیچھے چلی گئی کہ وجود عدم ہو گیا...... یوں جیسے وہ پیدا نہیں ہوئی...... اور اس زمانے میں ٹھہر گئی جہاں عدم، وجود ہونے کا منتظر ہوتا ہے...... صدائے کن پر ساعت چوکس ہوتی ہے۔

برہان سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس گلے میں تازہ سرخ گلابوں کا ہار پہنے کائنات کے شانوں کو تھامے فوٹو گرافر کی ہدایت کے مطابق کوئی پوز بنا رہا تھا۔ آتشیں سرخ عروسی لباس میں کائنات غضب ڈھا رہی تھی۔ شادی کا اہتمام گھر پر ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے خاندانی ہیرے جواہرات کے زیورات پہنے ہوئے تھے۔

اس لیے وہ آج کے دور کی سب سے زیادہ دیکھی اور پسند کی جانے والی دلہن بن گئی تھی۔ آرٹیفشل جیولری پہنی ہوئی دلہن کی پچاس فیصد اٹریکشن تو ویسے ہی کم ہو جاتی ہے۔

اکثر خواتین دلہن کو خاص طور پر جب قریب سے دیکھتی ہیں تو ان کی خصوصی دلچسپی کی وجہ اس کا پہنا ہوا اصلی زیور ہوتا ہے۔

کائنات تو اپنی ماں اور دادی کے نادر قسم کے زیورات پہنے ہوئے تھی۔ مہمان خواتین نے اس کی پہنی ہوئی جیولری میں بے حد دلچسپی لی تھی۔

آج کل تو سونے کے نقلی زیورات کی بھی بھرمار ہے مگر خواتین زیور کو تاڑنے میں قیامت کی نظر رکھتی ہیں۔

اسی لیے اسٹیج پر چڑھنے، اترنے کا سلسلہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ رابی سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر کچھ بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

میری بربادیوں کو تیری صورت تو نہیں کہتے
غمِ ہستی کو بیدادِ مشیت تو نہیں کہتے
وہ وعدہ جو غریبوں کی تسلی کا بہانہ ہے
اسی وعدے کو یارب باغِ جنت تو نہیں کہتے
ریاضِ خلد سے نکلا تھا آدم جس کی برکت سے
عدم اس حادثے کو آدمیت تو نہیں کہتے

''تمہاری ماں کا نام آسیہ تھا...... اسی نے تمہارا نام رابعہ رکھا تھا۔ بی بی جان نے تمہیں رابی کہنا شروع کیا تو پھر یہی تمہارا نام ہو گیا۔ وہ ایک رئیس کی اکلوتی بیٹی تھی...... اس نے اصیل خان کے ساتھ کاروباری شراکت کی تھی۔ جب وہ ایک نا سمجھ میں آنے والی بیماری میں مبتلا ہوئی تو اصیل خان نے اس پر اپنی محبت کا جال ڈال کر گھیر لیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ بہت جلد مر جائے گی...... اور اس کی بے حساب دولت اصیل خان کو مل جائے گی......'' گل جان آہستہ، آہستہ یوں بول رہی تھی جیسے لکھا ہوا پڑھ کر سنا رہی ہو...... رابی اس کے زانو پر سر رکھے لیٹی تھی۔ گل جان کی انگلیاں بڑی نرمی سے اس کے گھنیرے بالوں میں متحرک تھیں۔

"لیکن آپ تو بتاتی ہیں میرا باپ تو خود جاگیردار تھا۔ پھر انہیں کسی عورت کی دولت حاصل کرنے کی ضرورت تھی؟" رابی نے غور سے گل جان کا چہرہ دیکھتے ہوئے الجھ کر سوال کیا۔

"جس کے پاس دولت ہوتی ہے اسی کو تو مزید دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دولت لمبی، لمبی امیدوں میں الجھا دیتی ہے...... موت کو بھلا دیتی ہے۔ قیامت تک زندہ رہنے کی دیوانگی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جب جائز ناجائز دولت کے ڈھیر لگ جاتے ہیں تو انسان کا ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے۔ عقل مایوس ہو کر اپنا راستہ لیتی ہے۔ عیاش، لالچی ہوتا ہے، لالچی محروم ہوتا ہے...... مگر اسے اپنی محرومی کا اندازہ تب ہوتا ہے جب وہ سب سے بڑے نقصان سے گزر جاتا ہے۔"

"پھر میری ماں مر گئی...... میرے باپ کو اس کی ساری دولت مل گئی؟" رابی نے بے تابی سے آگے جاننے کی غرض سے سوال کیا۔

"ہاں...... وہ علاج کے لیے باہر گئی تو پتا چلا اسے کینسر ہے...... ساتھ ہی یہ بھی پتا چلا کہ وہ ماں بننے والی ہے...... مگر معاملہ اتنا آگے جا چکا تھا کہ بچہ ضائع کرنا بہت بڑا خطرہ تھا......"

"کاش ضائع کر دیا ہوتا۔" رابی نے بے ساختگی سے قطع کلامی کی۔ گل جان کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے اس نے جھک کر رابی کی پیشانی چوم لی۔

"اگر اس وقت اصیل خان کا بس چلتا تو واقعی ضائع کرا دیتا۔" گل جان کے لہجے میں گہرے دکھ کی چیخ تھی۔

"بی بی جان لندن سے واپس آئیں تو تم دو سال کی ہو چکی تھیں۔ بی بی جان کے آنے کے آٹھ مہینے بعد میں نے روما کو جنم دیا۔ اس وقت اصیل خان اور بی بی جان کی شادی ہو چکی تھی اور یہ کہانی تو میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ تم دونوں ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ روما غیر نہیں تمہاری اپنی سگی بہن ہے، بس ماں دوسری ہے۔"

☆☆☆

"جب میری شادی ہونے والی تھی تب تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا......؟" مہر جان، گل جان کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ رہی تھیں۔

"کیسے بتاتی، اصیل خان تو اجنبی بن گیا تھا......" گل جان خوف اور دکھ سے بری طرح رو رہی تھی۔

"اس کا پول کھول دیتیں تو میں اس پر تھوکتی بھی نہیں۔" مہر جان کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں چمک رہی تھیں۔

"شادی میری ہوئی ہے، بچہ تم پیدا کرو گی...... شکر ہے یہ سب دیکھنے کے لیے بابا زندہ نہیں ہیں۔ میرے خدایا...... اتنا بڑا دھوکا!" مہر جان صدمے سے پاگل ہو رہی تھیں۔

"آپ مجھ پر تھوکیے...... میں نے امانت میں خیانت کی ہے۔ خدا کی قسم وہ رو، رو کر مجھ سے کہتا تھا کہ وہ مجھ سے سچی محبت کرتا ہے۔ یہ بچپن کی منگنی تو اس کے لیے بہت بڑا عذاب بن گئی ہے۔ مہر جان سے اس نے کبھی محبت نہیں کی۔"

"وہ شراب پی کر یہ سب کچھ تم سے کہتا ہوگا۔ عموماً نشے میں دُھت ہو کر لوگ یہ حرکتیں کرتے ہیں۔ سچ مچ رو بھی پڑتے ہیں...... مگر تم عقل کی اندھی تمیز ہی نہیں کر سکیں۔ اب لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو تم اصیل خان کی محبت میں اور کیا، کیا کر سکتی ہو......؟ چلو میں اس سے خلع لے لیتی ہوں، تمہاری شادی کرا دیتی ہوں۔ یہی کر سکتی ہوں ناں......؟" مہر جان کے اعصاب مردوں کی طرح مضبوط تھے۔ وہ بہت ہمت سے خود کو سنبھال کر گل

جان سے بات کر رہی تھیں۔ یہ الگ بات تھی کہ اصیل خان کی دھوکے بازی نے انہیں اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان کے لیے تو یہ ایسا ہی تھا جیسے ہمالیہ کی تہ میں بھڑکتا ہوا آتش فشاں......

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ، میں اس فراڈیے سے شادی کروں گی۔ جس نے میری آنکھوں کے سامنے بڑی ڈھٹائی سے یہ کہہ کر شادی کر لی کہ میں چاچاجی کی روح کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔" گل جان یہ کہہ کر بھل، بھل رو پڑی۔

"اصیل خان سے تو میرا ہر رشتہ آج کی تاریخ میں ختم ہو گیا۔ وہ میرا کچھ نہیں لگتا...... مگر میں اپنی عزت کو چوک پر نیلام نہیں کر سکتی۔ ڈیڑھ مہینہ پہلے ہزار مہمانوں کے سامنے وہ میرا شوہر بنا ہے۔ میرا باپ عزت اور بھرم بناتے، بناتے دنیا سے چلا گیا۔ اللہ نے انہیں بیٹا نہیں دیا تو انہوں نے اپنی انا کی خاطر مجھے اپنا جانشین سمجھ لیا...... صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ان کی بیٹی برادری کے سو بیٹوں پر بھاری ہے۔ مجھے لندن تک جانے کی اجازت دے دی۔ میں تو بھرم بنا کر رکھوں گی ناں میری مجبوری ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اندر سے تو تم دونوں نے مجھے مار دیا ہے...... ختم کر دیا ہے۔" مہر جان کا لہجہ سپاٹ تھا...... وہ خیمے جل جانے کے بعد صرف راکھ اُڑنے کا مشاہدہ کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

"روما کا کیا بنے گا...... روما کا کیا بنے گا...... ارے بھئی یہ فکر اس کی خالہ کو ہونی چاہیے۔" برہان نے عاجز آ کر کہا تھا۔

"اب میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ جسے آپ روما کی خالہ سمجھتے ہیں وہی روما کی سگی ماں ہیں...پر روما ان کی ناجائز بیٹی ہے۔ جس کا باپ لاپتا ہو اس سے کون شادی کرتا ہے؟ اس کا کوئی قصور نہیں مگر دنیا تو اسے اس کے ماں، باپ کے کیے کی سزا دے گی ناں...... یہی ہوتا چلا آیا ہے۔" کائناز بول رہی تھی اور برہان دم بخود اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"ناجائز بیٹی......؟" دو لفظ بازگشت بن کر رہ گئے۔

"باپ اوروں کے لیے لاپتا و بے نشان ہوگا...... روما کی ماں کو تو پتا ضرور ہوگا اس ظالم کا......" چند لمحوں بعد خود کو سنبھال کر کسی خیال میں کھو کر وہ بے ساختہ گویا ہوا تھا۔

"اگر پتا.... بھی ہے تو کیا ہوگا، کیا وہ دنیا کے سامنے آ کر کہہ دے گا یہ میری بیٹی ہے؟" کائناز ترکی بہ ترکی بولی تھی۔

"تم تو اسکالر ہو گئی ہو......؟" برہان نے ستائشی نظروں سے کائناز کی طرف دیکھا تھا۔

"اچھا بس چھوڑیں...... بتائیں کر رہے ہیں روما سے شادی......؟" کائناز پر برہان کی تعریف و توصیف کا کوئی اثر نہ ہوا۔

"شاید تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے پر میرا تو نہیں ہوا ناں......؟"

"چلیے یہی سہی...... ایک بیوی پاگل ہے تو دوسری سمجھدار لے آئیں...... ویکینسی تو نکل آئی ناں۔" کائناز پوری تیاری کے ساتھ سامنے آئی تھی۔ برہان نے اب غور سے کائناز کی طرف دیکھا۔ فیروزی، کاسنی اور زرد رنگوں کے امتزاج سے تیار بہت خوب صورت جدید اسٹائل کے چوڑی دار کرتے پاجامے میں ملبوس بڑی بے نیازی سے خود میں مگن چوٹی میں بل ڈال رہی تھی۔ چہرے پر کوئی الجھن، تردد یا سوچ کا تاثر نہیں تھا۔ بس ایک

بچے کی سی ضد کا عکس آنکھوں سے مترشح تھا۔

برہان نے ایک گہری سانس لی اور کائناز کے عین مقابل آ کر کھڑا ہو گیا اور آہستہ سے اس کی ٹھوڑی اپنی انگلی سے چھو کر چہرہ اونچا کیا۔

''میری زندگی میں کوئی دوسری عورت آ جائے گی تمہیں کچھ بھی محسوس نہیں ہوگا؟''

''دوسری عورت نہیں......صرف روما......جس کے لیے میں بڑی سے بڑی قربانی بھی دے سکتی ہوں۔'' کائناز نے خفا، خفا لہجے میں جواب دیا۔

''ذرا تصور کرو...... میں اپنی دوسری بیوی کے ساتھ بند بیڈروم میں ہوں اور تم کسی اور کمرے میں تنہا...... بالکل اکیلی......ایسے میں کیا سوچو گی بھلا؟''

''یہی کہ اس وقت روما کتنی خوش اور ریلیکسڈ ہے۔''

''تمہارے شوہر کے ساتھ......؟'' برہان نے بات کاٹ کر برجستہ کہا۔

''آپ میرے زبردستی کے شوہر ہیں......accidently husband'' کائناز اپنے مخصوص بے دھڑک انداز میں کہہ گئی۔

برہان لاشعوری طور پر بدک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''دادا جان نے تمہیں پریشرائز کیا تھا......؟'' اسے اپنی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔ وہ احسان مندی کے ہاتھوں فروخت ہو گیا...... خواب کا ایک محل چند دنوں پہلے ہی تعمیر ہوا تھا...... اور سارے دروازے کھڑکیاں، روشن دان بند کرنے پڑ گئے...... بلکہ محل کے چاروں طرف فلک بوس دیواریں اٹھا دیں......تاکہ کوئی اندر جھانک بھی نہ سکے...... ''اور یہ، یہ کیا کہہ گئی......کیا اسے پتا ہے کہ اس نے کیا کہہ دیا......؟'' برہان کی ہستی کسی طوفان کی زد میں ہچکولے کھانے لگی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں...... مدر ٹریسا کوڑھیوں کے ساتھ رہ کر ان کی خدمت کرتی تھیں، آپ انسانیت کے ناتے اتنا بھی نہیں کر سکتے......؟'' کائناز نے بڑے بے ڈھنگے پن سے دلیل دی۔

''اوہ......تو یہ انسانیت کی خدمت ہے......'' برہان اور کائناز میں ذہنی لحاظ سے زمین، آسمان کا فرق تھا......ذہنی ناپختگی ہی تو تھی جو وہ اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ گئی تھی۔

برہان کو اسے اکثر شاہ عالم کے انداز میں ٹریٹ کرنا پڑ جاتا تھا......مگر اس وقت بڑی بے بسی کی سی کیفیت تھی۔

''ذرا غور کریں سوچیں......کون آئے گا اس سے شادی کرنے......؟'' کائناز بری طرح جھنجلا کر کہہ رہی تھی۔

''ہاں تو ٹھیک ہے زندگی کا مقصد صرف شادی ہی نہیں......اس سے بھی ضروری کام ہیں جو اپنی زندگی میں کر لینا چاہئیں......اسے کسی حقیقی این جی او کی سربراہ بنا دو......انسانیت کی خدمت کا اس سے بہتر راستہ کوئی نہیں......فنڈز اکھٹے کرے گی، گاؤں دیہات میں اسکول، اسپتال بنوائے گی۔ بے سہارا لوگوں کے لیے شیلٹر ہوم بنوائے گی......سیلاب زدگان کی مدد کرے گی۔''

''اچھا بس کریں، اس میں اتنا ٹیلنٹ ہوتا تو میں آپ کے ساتھ سر پھوڑتی......؟'' کائناز اب زور سے بولی تھی۔

''آہستہ...... زبردستی کا شوہر ہوں......مگر شوہر ہوں......تم میرے پاس دادا جان کی امانت ہو......تمہاری بے وقوفیاں برداشت کرنا میری اخلاقی ذمے داری ہے۔'' اس سے قبل کہ کائناز پھر کچھ بولتی برہان کمرے سے باہر چلا گیا۔

''سیلفش انسان...... کسی کے دکھ تکلیف کا احساس نہیں......'' کائناز بری طرح بھنا رہی تھی۔

اسے احساس نہیں تھا کہ بے دھڑک انداز میں ایک راز کا انکشاف کر کے اس نے برہان کو کس ذہنی اذیت سے دوچار کر دیا ہے۔

☆☆☆

رابی آئینے کے سامنے کھڑی خود کو بغور دیکھ رہی تھی۔ میرون ٹی شرٹ، بلیک وگرے کے امتزاج سے تیار اسٹائلش جینز......کندھوں سے اونچے سیاہ چمک دار بال جو گالوں کی طرف قدرے خمیدہ تھے۔ اس کی ستواں ناک میں ڈائمنڈ کی لونگ چمک رہی تھی جو کسی وقت گل جان نے اصرار کر کے پہنائی تھی۔ چہرے کی سفیدی میں سندوری جھلک تھی۔ اس نے اپنے حسن و جمال کا جی بھر کر نظارہ کیا۔

اسے یوں لگا جیسے اس کے روشن چہرے کے سوا ہر سو تاریکی ہے۔ ایک روپہلی روشنی کے تعاقب میں وہ دیوانہ وار دوڑتی یہاں تک پہنچی تھی مگر......اِک آن میں وہ روپہلی روشنی غائب ہو گئی اور وہ ٹھوکریں کھانے لگی۔

کوئی اتنے جتن کے بعد بھی خالی......کوئی جھولی بھر کر آنچل بھی بھر رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹپ، ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس کی انا نے کبھی اسے آنسو بہانے نہیں دیا...... غصے کی آگ میں اتنی شدت ہوتی تھی کہ روح میں اترنے والی ہر نمی بھاپ بن کر اڑ جاتی تھی۔

''برہان...... تمہیں تو شاید میرا نام بھی نہیں معلوم...... اور میں تمہارے سائے سے لپٹ گئی۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے......اتنا خوف ناک خیال تو کبھی آیا ہی نہیں تھا۔ تم کائناز کے ہو گئے...... میں تمہارے قدموں کے نشان گن رہی ہوں'' وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

☆☆☆

''رابی نشہ کرنے لگی ہے، پہلے پہل تو میں سمجھی کہ وہ لندن سے خراب ہو کر واپس آئی ہے، سگریٹ پینے لگی ہے۔ لیکن کل رات وہ نشے میں میرے پاس آ گئی اور پتا نہیں کیا، کیا الٹی سیدھی بولنے لگی۔ ساری رات پلک نہیں لگی۔ اب یہ کسر باقی رہ گئی تھی۔'' گل جان کی بات کا اختتام آنسوؤں پر ہوا۔

روما شدید صدمے کی کیفیت میں گنگ بیٹھی تھی۔

''مجھے پورا یقین ہے وہ لندن سے یہ لت لگا کر آئی ہے۔ آزادی مل گئی تھی ناں......'' گل جان روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''نہیں خالہ جانی...... آپا بالکل ٹھیک واپس آئی تھیں۔ مجھ سے لندن کی بہت باتیں کی تھیں...... میں خود رات کو ان کے کمرے میں جاتی تھی۔ وہ بہت چپ، چپ سی تو لگتی تھیں مگر میں نے انہیں کسی وقت بھی سگریٹ پیتے نہیں دیکھا تھا۔'' روما نے گل جان کے خیالات کی یکسر تردید کی تھی۔

''میں مان ہی نہیں سکتی......تمہارے سامنے احتیاط کرتی ہوگی...... مگر یہ ایسی بات ہے کہ کوئی کتنا بھی چھپانے کی کوشش کرے چھپ نہیں سکتی......'' گل جان پر روما کی تردید سے کوئی اثر نہیں ہوا۔

''کل تو وہ بہت روئی...... جو کچھ اس کے دل میں تھا زبان پر آ گیا......سب کچھ کہہ بیٹھی۔ وہ باتیں جو شاید ہوش میں کبھی نہیں کہتی۔''

''مثلاً؟'' روما نے حق دق ہو کر گل جان کی شکل دیکھی۔

گل جان نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"وراثت میں خون میں محرومیاں آئی ہیں...... کسی کے خواب تعبیر تک نہیں آئیں گے...... کسی کا دل پھول بن کر نہیں کھلے گا...... اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی دنیا لٹتے ہوئے دیکھنا ہماری تقدیر ہے۔" گل جان مبہم سا جواب دے کر اٹھ کر چلی گئی۔

روما حیران پریشان بیٹھی معنی ہی ڈھونڈتی رہ گئی۔

☆☆☆

"اب بھی آدھی رات کو اٹھ کر روتی ہو؟" برہان، روما کی طرف دیکھ کر پوچھ رہا تھا جو حیران پریشان دم سادھے برہان کو تک رہی تھی جو آج اچانک اس کے گھر چلا آیا تھا۔ تھکا، تھکا، الجھا، الجھا...... وائٹ ٹی شرٹ بلیک ڈریس پینٹ میں ملبوس...... چہرہ دیکھ کر یوں لگتا تھا دیر سے ہجوم میں کسی اپنے کو تلاش کرتے، کرتے نڈھال ہوگیا ہو۔

"رونا تو زندگی بھر کا ہے...... آدھی رات یا بھری دوپہر...... وقت کی پابندی تو نہیں ہے...... جن کے ماں، باپ عیاش ہوتے ہیں ان کی اولادیں آخری سانس تک ان کی عیاشیوں کی قیمت ادا کرتی ہیں...... وہ خود پر پابندیاں نہیں لگاتے۔ اس لیے ان کے بچے زنجیریں پہن کر پیدا ہوتے ہیں۔" وقت اور حالات روما کو قبل ازوقت بڑھاپے کی دہلیز پر لے آئے تھے۔ برہان، روما کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"مگر تمہارے باپ نے اپنے گناہ کی کچھ کم سزا نہیں کاٹی...... بلکہ اپنے لیے خود سزا تجویز کی...... دنیا کی نعمتیں خود پر حرام کرلیں۔ اب تو اسے معاف کردو۔" برہان کے لہجے میں دردمندی تھی۔

"آپ نے اپنے باپ کو معاف کردیا؟" روما کا سوال برجستہ تھا۔ ایک لمحے کو تو برہان لاجواب سا ہوکر رہ گیا۔

"ہمارا مذہب تو یہی سکھاتا ہے..... اسے برا نہ کہو کیونکہ وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا...... سب سے بڑی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوگیا......"

"میں پوچھ رہی ہوں آپ نے معاف کردیا؟" روما نے جلتی سلگتی نگاہوں سے گھورتے ہوئے پھر اپنا سوال دُہرایا۔

"ہاں...... جس نے جرم کی سزا پائی وہ پاک ہوگیا...... قانون تو یہی کہتا ہے اور...... روما اگر میں اپنے باپ کو معاف نہ کرتا تو کیا کرتا؟ بہن کی مظلومیت پر آج بھی دل روتا ہے...... کل بھی روئے گا...... مگر اسے اب ہمارے جذبات یا نیک خیالات کی ضرورت ہی نہیں...... وہ بہت دور جاچکی ہے...... اور ہم اس کے پیچھے جارہے ہیں آج نہیں تو کل...... قبائلی جنگیں ہزاروں، لاکھوں کا خون پی کر بھی سیراب نہیں ہوتیں۔ معاف نہ کرنے والا تو بہت قابلِ رحم ہوتا ہے، وہ قرض چکاتا ہے جو اس کے ذمے ہی نہیں ہوتے...... نیند سے راحت نہیں ملتی...... عبادت سے روحانی سکون نہیں ملتا...... لوگ خود تو ایک بار مرگئے...... ہم کیا روز، روز مریں......؟" یہ کہہ کر برہان نے گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے کمر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔

"اتنے بڑے، بڑے حوصلے تو پیغمبروں اور ولیوں کے ہوتے ہیں۔" روما نے گویا معذرت کی تھی۔

"نہیں پیغمبر، ولی تو یہ سب کچھ اس لیے کرکے دکھاتے ہیں کہ دیکھو انسان یہ سب کچھ کرسکتا ہے...... بہانے باز اسے ناممکن نہ کہیں......"

لیکن جب ہر شے کو ترسوں گی تو ان لوگوں کو بددعا ضرور دوں گی جن کی وجہ

سے میری قسمت میں صرف دکھ لکھے ہیں...... اماں جان مرحومہ تو ہماری محسن ہیں انہوں نے دنیا کے سامنے ہمیں ذلیل ہونے سے بچایا...... مگر بی بی گل جان کی تو شکل دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔" روما، برہان کے سامنے پہلی بار خالہ جانی کے بجائے بی بی گل جان کہہ رہی تھی۔ "میرا بس چلے تو بی بی گل جان کو اس گھر سے نکال دوں یا خود نکل جاؤں...... ساری زندگی مجھے ڈھونڈیں تو بھی نہ ملوں......"

وہ شدتِ جذبات سے مغلوب ہوکر کہہ رہی تھی...... برہان سر جھکائے سن رہا تھا۔

"اور دیکھیے گا ایک دن میں چلی بھی جاؤں گی...... کہاں......؟ مجھے بھی نہیں پتا...... رات کی تاریکی میں نکلوں گی اور سیدھی چلتی، چلی جاؤں گی۔" روما کی آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو گرنے لگے۔

برہان اسی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"آپ یقیناً کائناز کو ڈھونڈتے ہوئے ہمارے گھر آئے ہیں...... مگر وہ یہاں نہیں ہے، شاید سپر اسٹور تک گئی ہوگی...... آپ گھر جائیں وہ آچکی ہوگی۔" روما نے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ہوسکتا ہے وہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی خود ہی یہاں آجائے......" برہان نے کن انکھیوں سے دیکھا...... پھر گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

"ایک کپ کافی تو پلاؤ روما......"

روما نے گھنیری پلکیں اٹھائیں جن پر آنسوؤں کی چمک تھی۔ جیسے سمندر کی لہروں پر ڈھلتے سورج کا عکس...... حیرت کی قوسِ قزح بھی شاملِ حال تھی۔

☆☆☆

"اگر کوئی شخص تمہیں اپنی خوشی سے تیسری یا چوتھی بیوی بھی بنائے تو بھی میں راضی ہوں...... بے نشان رہنے سے تو اچھا ہے عورت کسی عزت دار کی بیوی کہلائے۔ تمہاری آنکھوں سے نکلتے ہوئے نفرت کے شعلے...... تمہارے اندر کی دہکتی ہوئی آگ کا پتا دیتے ہیں، اتنی اذیت تو بی بی جان کی نفرت نے نہیں دی...... جتنی اذیت تمہاری نفرت دیتی ہے۔ نو مہینے اپنی کوکھ میں سینچا ہے...... پھر موت کا دامن پکڑا یہ الگ بات کہ وہ دامن چھڑا کر بھاگ گئی۔"

گل جان نے اب ایک دم چونک کر بند آنکھیں کھول دیں۔

"دوپہر کے بارہ بج گئے۔ مجھے تو اسپتال پہنچنا تھا۔ رابی انتظار کررہی ہوگی...... شکر ہے کہ وہ سنبھل رہی ہے۔"

☆☆☆

"یہ آپ نے کیا، کیا برہان بھائی؟ اگر امی زندہ ہوتیں تو آپ کو کبھی دوسری شادی نہ کرنے دیتیں۔"

"میں کائناز کے بقول اس کا... زبردستی کا شوہر ہوں...... سات سال وہ میرے پاس بیٹھ کر روما، روما کرتی رہی...... جب گھر میں داخل ہوا بیوی نظر نہیں آئی...... روما کی بیسٹ فرینڈ نظر آگئی۔"

"شاہ صاحب کی روح کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی...... کہ ان کی پوتی کے سر پر سوتن لاکر بٹھادی۔" شبینہ صدمے سے ادھ موئی ہورہی تھی۔ اس کا چھ سال کا بیٹا ماں کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ رہا تھا...... اسے کسی مسئلے میں ماں کی مدد چاہیے تھی مگر شبینہ اپنی کیفیت میں اس کے ہاتھ سے بار، بار اپنا ہاتھ چھڑا لیتی تھی۔

"یہ کائناز کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ بے شک پوچھ لو اس سے جاکر......"

"کیا پاگل ہے وہ......؟ کوئی عورت اپنی خوشی سے بھی سوتن لاسکتی ہے۔"

”احمر ٹی وی ڈراما دیکھتے ہوئے کسی آرٹسٹ کی تعریف کر دیں تو میں jealous ہو جاتی ہوں۔“

”مرد اور عورت کی فطرت میں بہت فرق ہوتا ہے شبینہ...... مجھے تو دوسری شادی کرنے کے لیے شاید کسی بہانے کی ضرورت تھی......شادی کے بعد میں نے کائناز کے منہ سے سوائے روما کے کچھ نہیں سنا...... یوں لگتا تھا جیسے شاہ صاحب نے اسے اور چیزوں کے ساتھ، ساتھ شوہر بھی بازار سے خرید کر دیا ہے۔“

”وہ خوش ہے......؟“ شبینہ بہ مشکل خود کو سنبھال کر پوچھنے لگی۔

”خوشی سے پاگل ہے......دونوں مل گئی ہوئی ہیں۔“ برہان نے ذو معنی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

”پھر تو کائناز ابنارمل ہے......“ شبینہ نے گویا فتویٰ صادر کیا۔

”مگر میں کائناز کا شکر گزار ہوں...... کتنا دل چاہتا تھا اپنی انگلیوں سے روما کے آنسو پونچھوں...... میرے دل نے پہلی صدا روما کے نام کی بلند کی...... پھر کائناز پل، پل یہ نام لیتی رہی...... یوں جیسے میں بھول نہ جاؤں...... روما خوش ہے کہ ذلت کی بھاری زنجیریں کٹ گئیں۔ کائناز خوش ہے کہ دوست کے دکھ دور ہو گئے۔ اور میں......؟“

”بھائی کیا سوچنے لگے......؟“ شبینہ، برہان کی گہری خاموشی پر پریشان ہو گئی۔

”اتنی مختصر سی زندگی میں کتنے سارے کام ہیں۔“ برہان مسکرایا۔

”کام کر تو بیٹھے ہیں...... اللہ رحم کرے...... دیکھیں آگے، آگے کیا ہوتا ہے۔“ شبینہ نے بیٹے کی کھینچا تانی سے تنگ آکر اسے چوزے کی طرح دبوچ کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔

”ماما نئی مامی لائے ہیں...... دیکھنے چلیں۔“ وہ بیٹے کو بہلا بھی رہی تھی اور الجھ بھی رہی تھی۔

☆☆☆

”کائناز نے بہت بڑا دل کیا ہے...... میں اس کے اس احسان کا بدلہ مر کر بھی نہیں اتار سکتی...... میرے چاروں طرف اندھیرے تھے...... زندگی بھیانک اور موت حسین لگتی تھی۔“ بولتے، بولتے روما کی آواز بھرانے لگی۔

برہان نیم دراز جبکہ روما اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ موتیا کلر کا چم، چم کرتا ملبوس اس کے چہرے کو بھی منعکس کر رہا تھا۔

انسان کے دل میں چھپے ہوئے خیالات کا حسن ہی دراصل چہرے کا حسن ہے۔ وہ کائناز کے لیے احسان مندی اور محبت کے جذبات اپنے دل میں موجزن محسوس کر رہی تھی۔ شوریدہ لہریں چہرے کے ساحل سے دیوانہ وار ٹکرا رہی تھیں۔

اور برہان اس کے برعکس سوچ رہا تھا۔

”زبردستی کا شوہر......“ اس نے عالمِ نزع کی کیفیت میں مبتلا دادا کی خواہش کا احترام کیا تھا شاید اسی لیے وہ کبھی اس کی محبت میں مبتلا نہ ہو سکی۔ اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی...... برہان اور روما دونوں اپنے اپنے خیالات سے چونک پڑے۔ روما جلدی سے بیڈ سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ روما کو اٹھتا دیکھ کر برہان نے خود اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اسی حال میں دراز رہا۔

روما نے دروازہ کھولا...... سامنے کائناز ریڈ سلک کی نائٹی میں ملبوس کھڑی تھی۔ بالوں کو سمیٹ کر کیچر لگا لیا تھا پھر بھی دو چار لٹیں رخساروں پر جھول رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر خفگی کے تاثرات تھے۔

”جب پتا تھا کہ میں ابھی جاگ رہی ہوں تو دروازہ لاک کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ انسان کو کچھ خیال بھی کرنا

چاہیے۔“ اس کی نظریں برہان پر تھیں۔ جس نے کائناز کو ایک نظر دیکھنے کے بعد آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔

”سوری، تمہارے بیڈ روم کا دروازہ بند تھا، میں سمجھی تم سو چکی ہو۔“ روما قدرے شرمسار انداز میں گویا ہوئی۔

”ہاں تو دیکھ لیا کرو کہ سو گئی ہوں یا جاگ رہی ہوں...... اتنے بڑے گھر کی خاموشی بعض اوقات بہت ڈراتی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ برہان کے قریب چلی گئی۔ ”زیادہ سونے کی ایکٹنگ نہ کریں...... چلیں اٹھیں۔“ اس نے برہان کا بازو آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے بڑی ادا سے کہا۔

”اٹھ کر کیا کروں......؟“ برہان نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

”آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔“ وہ دھپ سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

”رات کا ایک بج رہا ہے۔ کل دیکھتے ہیں۔“ برہان نے کروٹ لے کر اس کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

”میرا دل چاہ رہا ہے...... پہلے کبھی نہیں گئے رات ایک بجے......؟ چلیں اٹھیں۔“ کائناز نے اصرار کیا۔

”change کرنا پڑے گا...... میرا موڈ نہیں بہت تھکا ہوا ہوں۔“ برہان نے بیزاری سے جواب دیا۔

”اچھا چھوڑیں، میں روما کو لے جاتی ہوں اس نے تو ابھی چینج نہیں کیا ناں......؟“

”اتنی رات کو اکیلی جاؤ گی؟“ برہان بری طرح الجھ گیا۔

”اکیلی......؟ میں اور روما...... ہم دو ہیں...... بلکہ ایک اور ایک گیارہ ہیں۔ یعنی کہ پوری ٹیم...... چلو روما...... یہ تو ایسے ہی بور کرتے ہیں۔“ کائناز نے اٹھ کر روما کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا...... جو بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ بار، بار برہان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”نائٹی میں باہر جاؤ گی......؟“ روما جز بز ہو کر بولی۔

”ارے دو منٹ میں چینج کرتی ہوں۔“ وہ کھٹ سے بولی۔

”حالات بہت خراب ہیں...... یہ وقت باہر جانے کے لیے مناسب نہیں۔“ برہان بری طرح تپ رہا تھا۔

”ہمیں باہر دیکھ کر لوگوں پر بہت اچھا امپریشن پڑے گا...... سب کو سکون محسوس ہوگا کہ اب حالات بہت اچھے ہیں...... لڑکیاں آئس کریم کھا رہی ہیں۔“ برہان اٹھ کر بیٹھ گیا...... وہ ایک خلجان میں مبتلا ہو چکا تھا۔

”تم چینج کرو...... میں بھی چینج کر کے آتا ہوں......“ چار و ناچار وہ بیڈ سے اتر گیا۔

کائناز کے باہر جاتے ہی روما نے برہان کی طرف دیکھا وہ نظریں چرا گیا۔

”بعض مال دار لڑکیوں کو ڈریس جیولری کی طرح شوہر بھی خرید کر دیے جاتے ہیں۔“ وہ سلیپر پاؤں میں پھنسا کر جل بھن کر کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان کی سوتے میں حرکتِ قلب بند ہو گئی تھی یا انجانے میں گل جان کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ بعض اوقات وہ مہر جان کو دو مرتبہ خواب آور گولی کھلا دیا کرتی تھی۔

مہر جان کے بعد اصیل خان نے یہ کہہ کر گھر چھوڑ دیا تھا کہ ”جس کی وجہ سے میں اس گھر میں اپنے کیے کی سزا کاٹ رہا تھا وہ تو خود زندگی کی قید سے آزاد ہو گئی...... اب میری بیٹیوں کو بتا دینا کہ ان کا باپ کون ہے۔ کیونکہ ہر انسان اس وقت تک عالمِ بے چارگی میں ہے جب تک اسے پتا نہیں چل جاتا کہ اس کا باپ کون ہے۔ اب میری بیٹیوں کا امتحان ختم ہو جانا چاہیے۔ پھر میں ان کا سامنا کیسے کر سکتا ہوں۔ مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔“ گل جان نے پوچھا تھا کہ وہ کہاں جائے گا؟ تو اس نے جواب دیا تھا۔ ”اپنے گاؤں کی ویران

زمینیں آباد کروں گا......زمینیں جو اُگلیں گی خیرات کردیا کروں گا۔شاید نجات ہوجائے۔''

پھر ایک روز گل جان سوکر اٹھی تو اصیل خان کوٹھی میں نہیں تھا۔رابی، مہر جان کی زندگی ہی میں نشے کی لت کا شکار ہوگئی تھی کیونکہ پاکستان واپس آئی تو ادراک ہوا کہ خواب، خواب ہی ہوتے ہیں۔ برہان اس کی دسترس سے بہت دور ہوچکا تھا پھر بھی وہ خود کو بہلانے سمجھانے کی تگ ودو میں لگ گئی تھی۔

مگر اس روح فرسا انکشاف کے بعد کہ بابا اصیل خان اس کا باپ ہے، وہ اپنے ہوش قائم نہیں رکھ سکی۔ صبح ہی کار کی چابی اٹھا کر گھر سے نکل جاتی تھی۔ایک رات گھر میں داخل ہوئی تو کار کی ہیڈ لائٹ ٹوٹی ہوئی تھی اور وہ بری طرح لڑکھڑا رہی تھی۔

☆☆☆

''آنٹی کتنی اچھی تھیں ناں...... میں نے ان جیسی عورت آج تک نہیں دیکھی۔'' روما، برہان کے ساتھ ... یادگار فوٹوز...... البم میں لگاتے ہوئے بہت محبت سے صابرہ کے بارے میں کہہ رہی تھی۔

''انسپکٹر جابر علی کا ساتھ نبھانے والی عورت کوئی معمولی یا عام سی عورت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ کہتی تھیں کہ میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔اس نے مجھے اولاد دی، حلال کمائی لانے والا عزت دار شوہر دیا...... جب عورتوں کو محنت مزدوری کرتے دیکھتی ہوں تو اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ اپنے گھر میں بیٹھی ہوں نامحرموں کے سامنے نہیں جانا پڑتا......عورت باہر نکلتی ہے تو ہر طرح کی نظر اس پر پڑتی ہے۔ میں نے اپنی ماں سے زیادہ صابر و شاکر عورت نہیں دیکھی۔ وہ خوف سے نہیں دل سے میرے باپ کی عزت کرتی تھیں۔ جب پہلی بار انہوں نے میرے باپ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا، مجھے حیرت سے رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔'' برہان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ جیسے وہ اسکرین پر کوئی دلچسپ منظر دیکھ رہا ہو۔

''کیا کہا تھا آنٹی نے؟'' روما نے البم میں لگی صابرہ کی فوٹو پر نظر جما کر بڑے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

''کہہ رہی تھیں میں دنیا کی خوش قسمت عورتوں میں سے ایک ہوں۔ اپنے مرد کی وجہ سے پردے میں رہتی ہوں۔ ماں ہوں اولاد کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتی ہوں...... پرندوں کی طرح مجھے رزق ملتا ہے۔ مجھے آٹے، دال کا بھاؤ معلوم نہیں۔ تمہارے ابا جان ضرورت کی ہر چیز گھر میں لاکر رکھتے ہیں۔ امی کی باتیں سنتے ہوئے مجھے ابا جان کی چیخ پکار یاد آرہی تھی۔ روما وہ چیخ پکار ایسی ہوتی تھی کہ گھر سے بھاگ جانے کو جی چاہتا تھا۔'' برہان کے سینے سے ایک آہِ سرد خارج ہوئی۔

''میری ماں ان کی چیخ پکار کے جواب میں کبھی نہیں چلّائی۔ کیونکہ اسے شکر کرنے کی پکی عادت پڑگئی تھی...... شکر کرنے کا راستہ ڈھونڈ لیتی تھی وہ۔'' برہان کی آنکھوں میں ماں کی یاد سے نمی اترنے لگی۔

''شی واز سو گریٹ......'' روما کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''اس سے بھی کچھ زیادہ...... اللہ کی مہربانی سے اگر مسلمان نہ ہوتا تو شاید ماں کا بت بنا کر پوجا کرتا۔''

برہان نے صابرہ کی جوانی کی کارڈ سائز تصویر اٹھا کر چوم لی۔

''کاش میں بھی آنٹی جیسی بن جاؤں۔'' روما اسی بے ساختگی کے ساتھ گویا ہوئی۔

اسی لمحے دروازہ دھڑ سے کھلا تھا...... کائنات اپنی مخصوص بے دھڑک چال کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

''اُف...... تم یہ کیا فضول سا کام کر رہی ہو؟'' اس نے البم اور فوٹو پر نظر ڈال کر کوفت سے منہ بنایا۔

''میرے کمرے میں آؤ...... مووی دیکھتے ہیں...... بور ہو رہی ہوں میں...... برہان کو تو مووی کا شوق ہی

نہیں ہے ورنہ یہیں لگالیتے۔'' وہ روما کا بازو پکڑ کر زبردستی اٹھا رہی تھی۔

برہان نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا...... ''آنٹی'' جیسی بننے کے چکر میں روما نے صبر کا گھونٹ پی لیا۔

☆☆☆

''میں تمہیں کافی دیر سے بیڈروم کی بالکنی سے دیکھ رہا تھا۔ خیریت ہے مراقبہ ہو رہا ہے؟'' احمر، شبینہ کے پاس لان میں چلا آیا تھا۔

''نہیں...... ایسا کچھ نہیں۔'' شبینہ واجبی سا مسکرائی۔

''ہو ہی نہیں سکتا، میں اتنی دیر سے بالکنی میں کھڑا تھا اور تمہیں خبر ہی نہیں۔ سوچ رہا تھا تمہاری نظر مجھ پر پڑے تو کچھ اشارے بازی ہی کرلوں...... شادی سے پہلے تو تم نے مجھے چھیڑ چھاڑ کا موقع ہی نہیں دیا۔'' احمر نے شوخی سے کہا۔

شبینہ نے ایک نظر اپنے بیٹے امان پر ڈالی جو پھول توڑ، توڑ کر گھاس پر پھینک رہا تھا پھر مسکرا کر گویا ہوئی۔

''ارے میں ایسا کچھ خاص نہیں سوچ رہی تھی۔ بس ستارہ کا خیال آگیا تھا...... بہت یاد آرہی تھی۔''

احمر کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی جھلکنے لگی۔

''جانے والے یاد تو آتے ہیں...... حافظہ ایسی ہی شے ہے۔ جو کچھ اس میں آتا ہے اسٹور ہو جاتا ہے۔ اپنے اختیار سے کچھ بھی ڈیلیٹ نہیں ہوتا۔ بس جب اس کی یاد آئے مغفرت کی دعا کیا کرو...... یہی ہمارے اختیار میں ہے۔''

''امی کو بس اس کا غم ہی کھا گیا...... ورنہ ان کی عمر تو جانے کی نہیں تھی۔'' شبینہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

''اپنے پیروں سے چل کر اسپتال گئی تھیں۔ تیز بخار تھا...... جو دماغ پر چڑھ گیا...... مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آتا کہ وہ جاچکی ہیں۔ کوئی لمبی بیماری نہیں کاٹی...... کسی سے خدمت نہیں لی...... میں تو پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے کھڑی رہ گئی۔'' شبینہ نے ٹھنڈی آہ بھری......

''میں نے یہی سنا ہے کہ نیک لوگوں کی روح بڑی آسانی سے نکل جاتی ہے۔'' احمر نے شبینہ کی تقویت کے لیے ایک مناسب جملہ ترتیب دے ہی لیا۔

''نیک تو وہ بہت تھیں......'' شبینہ نے گم صم کیفیت میں کہا۔

''میری ماں بھی تمہاری ماں ہے شبینہ......''

''دل سے مانتی ہوں...... مگر......'' شبینہ رک گئی۔

''میں جانتا ہوں مگر سے آگے کیا ہے...... دیکھو جب بیٹا اپنی پسند سے شادی کرتا ہے تو اسی طرح ہوتا ہے...... مگر وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ وہ امان سے کتنا پیار کرتی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آہستہ، آہستہ حقیقت کو قبول کرتی جارہی ہیں۔ فائزہ بھی جب آتی ہے ممی کو ڈوز دے کر جاتی ہے۔ تمہیں کیا فکر ہے میں تو تمہارے ساتھ ہوں ناں...... ماں کے صبر کی مثال دیتی ہو...... تمہیں بھی تھوڑا سا صبر کرنا ہوگا۔'' احمر، شبینہ کی دل جوئی کر رہا تھا۔

''شکر ہے مجھے تھوڑا صبر کرنا ہے۔ میری ماں نے تو صبر کے پہاڑ کاٹے ہیں۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

''ماما دیکھیں کتنے سارے فلاورز......'' امان اپنی ماں سے کہہ رہا تھا اور وہ اپنی ماں کی یادوں میں گم تھی۔

☆☆☆

ایک حادثہ ہوا اور سب کچھ بدل گیا۔ جوئے کے اڈے پر جو دشمنی شروع ہوئی تھی وہ ایک عظیم قیامت پر

انجام کو پہنچی۔ تائی جی...... لان میں گوڈی کر رہی تھیں نامراد گھر میں گھس کر اٹھا کر لے گئے۔'' گل جان بھرائی ہوئی آواز میں دلدوز سانحہ رابی کو سنا رہی تھی۔

''ایک بوڑھی عورت کو اغوا کر کے لے گئے؟'' رابی نے حیرانی کی انتہا پر سوال کیا۔

''ماں غیرت کا نشان ہوتی ہے...... اصیل خان شاید اس سے کم پر ہار بھی نہیں مانتا...... قدرت ہر شے کا ٹھیک ٹھاک حساب کرنا جانتی ہے۔'' گل جان کے لہجے میں بلا کی شکستگی تھی۔

''پھر......؟'' رابی کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

''میری تائی جی جو پردہ لگائے بغیر کبھی موٹر میں نہیں بیٹھتی تھیں شرم سے مر گئیں...... ان کے دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی۔ لوگوں کی قیامت تو جب آئے گی تب آئے گی۔ ان کی تو آ گئی تھی۔''

''پھر......؟'' رابی کا سکتہ بہ مشکل ٹوٹا۔

''مر گئیں ناں بیٹا...... اب کیا... مگر اب اصیل خان، اصیل خان نہ رہا تھا۔ جس روز تمہاری ماں آسیہ تمہیں بی بی جان کے حوالے کر کے گئی۔ یہ اس کے ایک ہفتے بعد کا حادثہ ہے...... اصیل خان نے سب کچھ چھوڑ دیا...... وہ تو ملک سے باہر جانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ کیونکہ اب اس کے اور بی بی جان کے درمیان وہ فاصلے آ چکے تھے جن کی حدوں کو ناپا نہیں جا سکتا تھا۔ مگر قدرت اس پر نشانہ باندھے ہوئے تھی۔ بی بی جان بہت انا پرست تھیں۔ مردوں کی طرح غیرت مند تھیں۔ انہوں نے اصیل خان کو کہہ دیا تھا کہ وہ خلع، طلاق کے کاغذ نہیں لکھوائیں گی...... وہ جہاں جانا چاہے جا سکتا ہے ان کی طرف سے آزاد ہے۔ بے کسی کی موت مرنے والی ماں نے اصیل خان کو دوسرا جنم دیا۔ اسے بیٹیاں جان سے زیادہ عزیز ہو گئیں۔ اس نے بی بی جان سے ہاتھ جوڑ کر منت کی، وہ اپنی بیٹیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے لیے خود سزا تجویز کی۔ دنیا کی لذتوں سے منہ موڑ لیا۔ کھدر پہن لیا۔ روکھی، سوکھی کھانے لگا۔ روما جب پیدا ہوئی تو وہ تہجد پڑھنے لگا تھا۔'' وہ نہ جانے کون، کون سے ناقابلِ یقین واقعات سناتی جا رہی تھی۔'' بی بی جان نے روما کے کان میں اسی سے اذان دینے کو کہا تھا۔ اصیل خان روما کے کان میں اذان دیتے ہوئے رو رہا تھا۔ وہ اذان دے کر باہر گیا تو بی بی جان نے میرے منہ پر بہت زور سے تھپڑوں کی بارش کرتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ بچی مہر جان کی بیٹی ہے...... کاش تُو اسے جنم دیتے ہوئے مر جاتی۔ ساری دنیا میں لاکھوں عورتیں ڈلیوری کیسز میں مر جاتی ہیں۔ مگر تُو، تو بہت ہی ڈھیٹ ہڈی ہے۔

''ٹھیک ہی تو کہتی تھیں وہ...... بہت ہی ڈھیٹ ہڈی ہوں میں، ہاں رابی موت بھی شاید خوش نصیبوں کے لیے ہوتی ہے۔'' گل جان سسکیوں کو دبانے کے جتن کرنے لگی۔

رابی، دم بخود کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اب نہ ذہن میں سوال تھے نہ جستجو...... نہ دنیا تھی نہ کائنات...... نہ چاند نہ کہکشائیں...... صدائے کُن سے پہلے کا عالم تھا۔ ازل اور ابد کے درمیان پھیلی ہوئی لازوال خاموشی...... لازوال خاموشی کے گرد تخلیقِ لوح و قلم کا اوّلین تفکر...... اور اس تفکر پر محیط محبت کا نور...... زندہ باپ کی محبت بغیر ارادے کے ماہتاب کی طرح دل کے مطلع پر نمودار ہوئی۔

''کتنی ہمت سے میرے باپ نے اپنے جرم کی سزا تو کاٹی ہے۔ اس دنیا میں تو لوگ درندوں کی طرح جیتے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں ہوتا۔'' صدائے کُن کے ارتعاش کے ساتھ زندگی متحرک ہو گئی۔ رابی نے فطرت کے سینے سے سر ٹکا کر بڑا دل سوز سچ بولا تھا۔

☆☆☆

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ آج آپ میرے بیڈ روم میں سوئیں گے۔ جب سے آئے ہیں یہاں دھرنا دیے بیٹھے ہیں...... روما تمہیں خود بھی سوچنا چاہیے۔'' کائناز بیک وقت برہان اور روما سے بڑے آف موڈ میں کہہ رہی تھی۔

''روما کو بہت تیز بخار ہے...... تمہیں پتا ہے ناں یہ پریگننٹ بھی ہے۔'' برہان نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

''تو جتانے کی کیا ضرورت ہے۔ لوگوں کے ہاں دس، دس سال بعد بھی اولاد ہو جاتی ہے...... پھر مجھے ہرٹ کیوں کر رہے ہیں۔''

''لاحول ولاقوۃ...... میں تمہیں سچویشن بتا رہا ہوں......'' برہان نے جز بز ہو کر کہا۔ روما نے بخار کی شدت سے تپتی سرخ آنکھوں کو کائناز پر جماتے ہوئے کہا۔

''تم انہیں لے جاؤ کائناز، یہ اپنی مرضی سے یہاں بیٹھے ہیں۔ میں نے ان سے نہیں کہا۔''

''کائناز تم اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ...... روما کا ٹمپریچر ڈاؤن ہو جائے گا تو میں آ جاؤں گا...... دل بڑا کیا تھا تو ثابت بھی کرو۔'' برہان کے لہجے میں غیر ارادی طور پر تلخی اترنے لگی۔

''ارے بھئی سب کچھ میں ہی کروں...... اگر اس نے میڈیسن لے لی ہے تو تھوڑی دیر میں سو جائے گی...... آپ اس کے سر پر بیٹھ کر مچھر ماریں گے...... چلیں اٹھیں، میں بور ہو رہی ہوں......'' کائناز نے برہان کا بازو دبوچ لیا۔

''یار انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔'' برہان نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا۔

''آپ دونوں میرے گھر میں مزے سے رہتے ہیں...... انسانیت تو ہم نے سکھائی ہے آپ کو۔'' کائناز اپنی عادت کے مطابق بے سوچے سمجھے بول گئی۔ روما تو بخار سے نڈھال تھی مگر برہان کو یوں محسوس ہوا جیسے قاضیِ شہر نے حد جاری کر دی ہو اور شہر کا شہر ہاتھوں میں پتھر لیے سنگساری کو آن پہنچا ہو۔

وہ ایک دم سے بیڈ سے اتر گیا۔

''یہ انسانیت کا سبق آپ کے مرحوم دادا جان نے پڑھایا تھا۔''

''مگر میں نے روما سے ہمدردی کی تھی...... اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے اسٹور کا سامان سمجھ کر ایک طرف پھینک دیا جائے۔ ابھی یہ پریگننٹ ہے تو آپ کو میری طرف دیکھنے کی فرصت نہیں...... جب بچہ دنیا میں آ جائے گا تو آپ میرا نام پوچھا کریں گے کہ میں کون ہوں۔'' کائناز مشتعل ہو کر کہہ رہی تھی۔

روما نے بدقت تمام اپنی آنکھیں کھولیں۔

''آپ جاتے کیوں نہیں...... آئندہ آپ کائناز سے اجازت لے کر میرے پاس آئیں گے...... پلیز آپ دونوں میرے حال پر رحم کریں......'' وہ ہانپتے ہوئے یوں کہہ رہی تھی گویا جسم میں آکسیجن کی کمی ہو گئی ہو۔

''موڈ خراب کر کے ایک ہی بیڈ روم میں ایک ہی بیڈ پر ایک دوسرے سے منہ موڑ کر لیٹنے سے بہتر نہیں ہے کہ دس بارہ نفل پڑھ لیے جائیں اور اس کے بعد کوئی اچھی کتاب......'' برہان نے غصہ دبا کر بہت نرمی سے کہا تھا۔

''میری باری پر نفلیں یاد آ جاتی ہیں...... go to hell'' کائناز پاؤں پٹختے ہوئی باہر نکل گئی۔

''برہان پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں...... میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں نہ'' روما نے نڈھال ہو کر

باقاعدہ درخواست کرڈالی۔

برہان نے بڑے صبر وضبط سے خود کو سنبھالا اور آہستہ قدموں سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''بیٹا جو تربیت ایک اچھی ماں کرتی ہے وہ تو میں نہیں کرسکا ہوں گا۔ خون کے رشتوں سے حادثاتی دوری نے مجھے بہت نرم مزاج بنادیا ہے۔ کائناز کے اندر بہت بچپنا ہے...... جو بات دل میں ہوتی ہے کہہ دیتی ہے، سنبھال لینا۔'' شاہ عالم شادی ہوجانے کے کچھ دن بعد برہان کو سمجھا رہے تھے۔

ممنون ومشکور ہونے کی وجہ سے برہان کو یہ سب کچھ بہت سہل وآسان لگا تھا...... مگر گزرتے وقت نے سمجھادیا تھا کہ لوہے کے چنے چبانے پڑیں گے۔

روما تک جانے کا تو بہانہ چاہیے تھا۔

کائناز کی حماقتوں سے اعصاب شل تھے۔ چاہنے اور چاہے جانے کی آرزو...... سیرابی کے لیے خالی چھاگل لیے سراب درسراب کے سفر سے دوچار تھی۔

پھر جس نے دل کو صحرا کیا تھا اسی نے نخلستان تک بھی پہنچایا...... مگر نخلستان کے پانی پر پہرہ تھا...... پیاس بجھانے کو پانی ضرور ملتا تھا...... سیراب ہونے کے لیے نہیں...... فرات کے کنارے ایک تیرانداز چوکس رہتا تھا۔

☆☆☆

تم جس بات پر ہنستے ہو میں رو پڑتا ہوں
میں جس بات پر روتا ہوں تم ہنس دیتے ہو
میں جس بات پر بُجھ جاؤں تم کِھل جاتے ہو
میں جس بات پر مرتا ہوں تم جی اٹھتے ہو
میں جس بات پر درد میں ڈوبا رہتا ہوں
تم اس بات پر روشن ، روشن لگتے ہو
سوچ رہا ہوں کتنے زیادہ الگ ، الگ ہیں
تیری میری سوچ کے دھارے
کتنے زیادہ جدا ، جدا ہیں
اب میں سوچ رہا ہوں
اتنے مخالف طوفانوں کو سہیں گے کیسے؟
تم اور میں ایک چھت کے نیچے رہیں گے کیسے؟

''برہان میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا کر بتائیں آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا روما سے......؟'' کائناز نے برہان کا ہاتھ زبردستی کھینچ کر اپنے سر پر رکھ لیا۔

''کیا مذاق ہے یار......؟ چھوڑو میرا ہاتھ......'' برہان نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کی...... اس کا اعصابی نظام آندھیوں کی زد میں آچکا تھا۔

''نہیں، آپ کو جواب دینا پڑے گا...... سچی، سچی بولیں...... اگر آپ ایسا سچ بولیں گے جو میرے خلاف ہو تو میں برا نہیں مانوں گی...... البتہ میرا ذہن ایک طرف ہوجائے گا۔'' کائناز کی گرفت اس کے ہاتھ پر مضبوط تھی۔

''میری تمہاری لو میرج نہیں تھی کائناز...... ہمارا رشتہ وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ خود بخود مضبوط ہوتا چلا جائے گا...... اتنے سال ہوگئے ہماری شادی کو یار اب تو کچھ میچور ہوجاؤ۔'' برہان نے ڈپلومیسی سے اسے بہلانے کی کوشش کی اور بہ مشکل اپنے لہجے کی بیزاری کو قابو کیا۔

''نہیں...... بس میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں، آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا روما سے؟'' کائناز پھر برہان کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر دباؤ ڈال رہی تھی۔

''کم آن کائناز...... پلیز یہ بچوں والی باتیں اب چھوڑ دو...... روما سے شادی کے لیے تم میرے پیچھے پڑی تھیں اور دلائل دیے تھے کہ وہ اپنی ماں کی ناجائز اولاد ہے کوئی اس سے شادی نہیں کرے گا یا میں نے تم سے دوسری شادی کی فرمائش کی تھی؟'' برہان نے زچ ہوکر سوال کیا تھا۔

''بے وقوف تھی میں...... مگر اب سمجھدار ہوگئی ہوں...... آپ کو قسم کھا کر جواب دینا پڑے گا...... آج میں آپ کو یہاں سے ہلنے نہیں دوں گی......'' کائناز پر جیسے دیوانگی طاری ہوچکی تھی۔

برہان کو بے بسی کے احساس نے لب بستہ کرکے رکھ دیا تھا۔

''قسم کھائیں...... بلکہ آپ کو صابرہ آنٹی کی قسم ہے...... بالکل سچ بولیں۔'' کائناز کی گرفت برہان کے ہاتھ پر مزید مضبوط ہوگئی۔

کائناز کے ایک جملے نے برہان کے اندر ایک طوفان اٹھادیا تھا۔ وہ اسے عزیز از جان ماں کی قسم بھی دے رہی تھی...... جو اگر زندہ ہوتیں تو وہ ان پر سومرتبہ جان نثار کرنے کو تیار رہتا۔

''بس کرو کائناز...... چھوڑو میرا ہاتھ۔'' برہان نے ایک زوردار جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''اب تو میں آپ کو آپ کی ماں کی قسم بھی دے چکی ہوں۔'' کائناز نے بھوکی شیرنی کی طرح پھر اس کا ہاتھ دبوچ لیا۔

''کائناز...... تم میرے سچ کو برداشت نہیں کرسکو گی...... ضد نہ کرو۔'' اب برہان نے بہت صبر وسکون سے کہا تھا۔

''جو بھی ہے...... کہہ دیں...... اب کہہ بھی چکیں...... کائناز کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''میں نے روما سے اس وقت محبت کی جب تم میری بیوی نہیں تھیں۔ وہی میرا پہلا اور آخری خواب رہی...... اس کے بغیر زندگی بالکل خالی، ادھوری لگتی تھی...... اب نہیں لگتی...... تمہارے احسان نے مجھے مکمل کردیا ہے...... اگر مجھے روما سے سچ مچ پیار نہ ہوتا تو تم دس بار بھی پیدا ہوجاتیں تو میری دوسری شادی نہیں کرا سکتی تھیں۔ پھر بھی میں نے احسان کو محبت پر مقدم رکھا...... روما سے زیادہ تمہیں وقت دیا...... اگر تمہارے دادا جان اندھیروں میں روشنی بن کر نہ ملتے تو کسی صورت میری شادی تمہارے ساتھ نہیں ہوسکتی تھی۔'' کائناز سکتے کی کیفیت میں برہان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ برہان نے آرام سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ کائناز نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

☆☆☆

وہ قیامتیں جو گزر گئیں
امانتیں تھیں کئی سال کی

روما اور برہان کی دن، رات کی محنت ولگن رنگ لے آئی تھی۔ رابی کی حالت بہت بہتر ہوگئی تھی۔ اسے کچھ عرصہ انجیکشن و ٹیبلیٹس لیتے رہنا تھا۔

رابی اسپتال سے آنے کے بعد چند دن بہت بے قرار رہی پھر گل جان سے یہ کہہ کر گھر سے نکل گئی کہ وہ بابا اصیل خان کو لینے گاؤں جا رہی ہے۔ گل جان کچھ نہ کہہ سکی۔ اصیل خان نے جب رابی کو سامنے پایا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔

''باپ تو اعزاز ہوتا ہے بابا...... اور یتیمی دائمی ماتم...... خدا بن کر جزا، سزا کے فیصلے ہم ہی نے کرنے ہیں تو پھر خدا نے کیا کرنا ہے؟'' اس نے اصیل خان کے بوڑھے مگر فراخ سینے پر سر ٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

''بیٹا یہ عقل و شعور انسان کے پاس اللہ کی امانت ہوتا ہے۔ اس کا درست استعمال امانت داری اور غلط استعمال خیانت ہے۔

اسی سے اس بھاری ذمے داری کا اندازہ لگالیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کی سورۂ احزاب آیت 72 میں فرماتا ہے۔

''ہم نے اسے (قرآن) کو زمینوں، آسمانوں، پہاڑوں، جو کچھ ان کے درمیان ہے کے سامنے پیش کیا کہ کوئی ہے جو اس امانت کا بوجھ اٹھائے؟ سب نے انکار کر دیا مگر انسان نے اٹھانے کا اقرار کرلیا۔ بے شک انسان ظالم ہے، جاہل ہے۔ اور بیٹا قرآن کیا ہے؟ wisdom ہے، شعور ہے لفظ عقل ہے جو شیطان کو مایوس کرنے کے طریقے بتاتی ہے۔'' برہان انہیں سن رہا تھا۔

''ماشاء اللہ آپ بہت سمجھدار اور بردبار ہیں...... کائناز کو بلوریں کانچ کی طرح سنبھالنا ہوگا...... بچی ہے...... کم عمر ہے......'' شاہ عالم نے کتنے مان اور محبت سے کہا تھا۔

''مجھے معاف کر دیجیے گا شاہ صاحب...... میں نے بہت کوشش کی...... میں نے پورے ہوش وحواس میں امانت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ بہن، بھائی کا رشتہ نفرتوں کے ساتھ نبھ سکتا ہے مگر میاں، بیوی کے رشتے میں لفظ نفرت دو دریاؤں کے درمیان فرق ڈالنے والی لکیر ہے۔ وہ مجھے منافق، جھوٹا، ریاکار کہتی ہے...... سچ سننے پر اصرار تو تھا مگر...... مگر سچ برداشت کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ جن کے درمیان محبت کا نہ ہی معاملات ہی کا رشتہ ہو ان کو اپنی، اپنی جگہ خود کو امانت دار ثابت کرنا ہوتا ہے۔''

برہان کے سامنے کائناز کی طرف سے بھیجے گئے خلع کے ڈاکومنٹس پڑے ہوئے تھے جو وہ نہ جانے کتنی بار بہت توجہ وعرق ریزی سے پڑھ چکا تھا...... گزشتہ ایک ہفتے سے یہ ڈاکومنٹس اس کی ٹیبل پر تھے۔ ابھی تک اس نے روما سے بھی یہ سب کچھ پوشیدہ رکھا ہوا تھا...... کائناز کے lawyer کا کئی مرتبہ یاد دہانی کا فون بھی آچکا تھا۔

برہان نے ایک گہری سانس کھینچی اور کاغذات پر دستخط کرنے لگا۔

☆☆☆

صبح شام یہ ایک ہی رنگ ہے
پریشانی کا
اور پھر جیسے ایک ایسا ہی دوسرا رنگ ہے

پریشانی سے نجات کی حیرانی کا
جو لگتا ہے خوشی کا رنگ ہے
پر ایسا نہیں ہے
کیونکہ خوشی کا رنگ میں نے دیکھا ہے
میری روح نے نہیں دیکھا
وہ میری سوچ سے بھی زیادہ گہرائی میں رہتی ہے
وہ مجھ سے دور......
میری گزری نسلوں
میرے شہر آبائی میں رہتی ہے

برہان تھکے، تھکے قدموں سے اپنے ڈرائیور کے پیچھے، پیچھے چل رہا تھا جو اس کا بھاری بریف کیس اٹھائے پارکنگ لاٹ کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔

سر سے کوئی بوجھ اترا اور سرک کر دل پر آپڑا۔

اسے دائیں جانب یوں محسوس ہوا گویا شاہ عالم اس کے ہم قدم ہیں...... ان کی سفید تراشیدہ داڑھی ان کے آنسوؤں سے تر ہے......

''شاہ صاحب آپ بھی نہیں تھے۔ دعا کرنے والی ماں بھی نہیں تھی...... بہت اکیلا تھا...... مُردہ بچہ گود میں لے کر تو ماں بھی نہیں بیٹھتی۔ ناچار دفنا دیتی ہے۔ جنگ طویل ہو سکتی تھی، فیصلہ کُن نہیں...... مجھے معاف کر دیں، لوح وقلم کے یہی اشارے تھے۔''

ہر انسان اپنی ذات کی پہنائیوں میں ایک عظیم خوف چھپائے پھرتا ہے۔ بیشتر لوگ اپنے اس خوف کو کوئی نام نہیں دے پاتے...... کچھ لوگوں کے عظیم خوف نام بھی رکھتے ہیں جیسے ....

دولت مند کو دولت ضائع ہونے اور کسی نقصان سے دوچار ہو جانے کا خوف خوشیوں میں جھومتے شخص کو خوشیوں کے پلٹ جانے کا خوف...... محبت کی سرشاری میں بھیگتے، بھیگتے اچانک کسی کے جدا ہو جانے کا خوف بیمار کو موت کا خوف صحت مند کو بیماری کا خوف...... غریب کو ایک وقت کا کھاتے ہوئے دوسرے وقت فاقے کا خوف...... بادشاہ کو سازشوں کا خوف...... جمہوریت کو ڈکٹیٹر کا خوف...... سچ بولنے والے کو دشمنوں کا خوف...... جھوٹے کو جھوٹ پکڑے جانے کا خوف...... جوانی کو بڑھاپے کا خوف...... بڑھاپے کو عمر کی نقدی ختم ہو جانے کا خوف...... غلام کو آقا کے غصے کا خوف...... نوکر کو نوکری جانے کا خوف...... باس کو آڈٹ کا خوف...... ملازم کو باس کا خوف...... آجر کو ٹیکس کا خوف...... مزدور کو آجر کی بلیک میلنگ کا خوف......

رابی بھی ایک عظیم خوف کو گردن سے دبوچ کر اَن دیکھے گڑھے میں دھکیلنے کی کوشش کرتی رہتی تھی...... ایک ہی خوف تھا...... محبوب کے چھن جانے یا دسترس سے دور چلے جانے کا خوف......

خوف سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ جس امر کے بارے میں خوف ہو اس سے گزر کر دیکھ لو...... حقیقت سامنے آجائے گی خوف سے جان چھوٹ جائے گی ...

مگر وہ ابھی عملی قدم اٹھانے سے معذور ومجبور تھی...... خوف سے دو، دو ہاتھ ہو رہے تھے کہ قدرتاً خوف

سے جان چھوٹ گئی...... اپنے حسن وجمال کی بلائیں لیتے اپنی ادا پر خود ہی فدا ہوتے وطن کی سرزمین پر قدم رکھا تو پتا چلا جس کے چھن جانے، نہ ملنے کا خوف تھا...... وہ چھن چکا...... دسترس سے باہر جا چکا۔

چکراتے ذہن کو سنبھالنے کے لیے نشے کا سہارا لیا تو گل جان اسپتال میں پھینک کر چلی گئی۔

بہترین معالجین، نفسیاتی ماہرین بڑی جان فشانی سے اس کی جوانی پر ترس کھاتے ہوئے زندگی کی طرف موڑنے میں کامیاب ہوئے تو وہ کچھ پیش آیا جو ہر خوف سے نجات کے بعد تھا۔

روما اس کی اپنی بہن برہان کی بیوی بن کر سامنے آگئی۔ سونے کو ایک حد تک آنچ دے کر تپایا جاتا ہے تو وہ کندن بن جاتا ہے، کوئی سونے کو آگ میں پھینک کر دنیا کی سیاحت کو نہیں جاتا...... وہ یک بارگی عظیم خوف سے گزر چکی تھی۔

محبوب کے ساتھ بہن کو دیکھ کر خود اپنے آپ پر ہنسنے لگی...... اب کوئی خوف نہیں تھا...... وہ جی بھر کر ہنس سکتی تھی...... اصل میں تو دل کھول کر ہنسنے کے موسم تو اب آئے تھے...... دو تین مرتبہ روما، برہان کے ساتھ اس کی عیادت کو اسپتال آئی۔ پھر ایک دن برہان اکیلا چلا آیا...... وجہ یہ بتائی کہ آفس سے جلدی اٹھ گیا تھا اس لیے سوچا کہ سالی کی خیر خیریت لیتا چلوں...... رابی نے بہت دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔ بہت ہینڈسم، ڈیشنگ، اسمیشنگ مگر بہنوئی......

میں میکدے کی راہ سے ہو کر نکل گیا
ورنہ سفر حیات کا کتنا طویل تھا

شاعر نے شاید یہ short cut رابی جیسے لوگوں کو ہی بتایا تھا...... رابی نے اس کا بھرپور استقبال کیا تھا...... وی آئی پی روم میں ہر سہولت موجود تھی اس نے برہان کو اپنے ہاتھ سے بہترین کریم کافی تیار کر کے پلائی تھی اور ساتھ ہی یہ خوش خبری سنائی تھی کہ وہ اسی ہفتے ڈسچارج ہو جائے گی۔ برہان نے اس سے سوال کیا کہ اب وہ زندگی کو کس طرح دیکھتی ہے؟ اسپتال سے باہر آ کر اس کی کیا مصروفیات ہوں گی؟

''پہلے تو کھلی فضا میں جی بھر کر سانس لوں گی پھر خوف سے آزاد زندگی کو انجوائے کروں گی۔'' رابی نے جواب دیا تھا۔

''پھر آپ کے لیے بھی کوئی اچھا رشتہ تلاش کریں......'' برہان نے مارے احساسِ ذمّے داری کے پوچھ لیا تھا۔ روما سے وابستہ ہر رشتہ اس کی ذات کا حصہ تھا۔

''ارے نہیں...... اب زندگی کو رشتوں سے بوجھل نہیں بنانا ہے...... اتنی مشکلوں سے تو ہلکے، پھلکے ہوئے ہیں۔'' رابی کے لہجے میں تلخی کے بجائے تازگی تھی۔

''اچھی پارٹنرشپ بھی ایک نعمت ہوتی ہے۔'' برہان نے دلیل دی۔

''اور نعمت ہمیشہ نہیں رہتی......'' رابی نے برجستہ کہا اور بہت گہری نظر سے برہان کی طرف دیکھا تھا۔

''کسی کو ایک نظر دیکھ کر اپنا ہونے کا احتمال ہوا تھا...... وہ اپنا تو تھا مگر کسی مناسب اور معتبر حوالے سے۔''

''آپ اس طرح کیوں سوچتی ہیں؟'' برہان بڑی سادگی و ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔

''جو سو سال میں سوچنا تھا...... وہ پچیس سال میں سوچ لیا۔ اب اس جاب سے ریٹائرمنٹ لے لی ہے۔'' رابی ہنس پڑی تھی۔

''زوردار دیکھے، کرپٹ دیکھے...... تو سوچو ہے کھا کر جج کو جانے والی بلیاں دیکھیں...... لوگ اتنا زور شور

ھاتے ہیں پھر آرام سے مر جاتے ہیں۔'' رابی کا لہجہ معنی خیز اور برہان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

''میری آنکھوں میں دیکھیے برہان......'' بڑا عجیب مطالبہ تھا۔ برہان بری طرح شپٹا کر رہ گیا۔

''دیکھیے ناں......'' رابی نے اصرار کیا...... برہان نے جھجکتے ہوئے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔

''میری آنکھیں کتنی چمک دار ہیں...... بالکل صاف شفاف...... پتا ہے کیوں......؟'' وہ پھر سوال کر رہی تھی۔

برہان بری طرح الجھ رہا تھا۔

''اس لیے کہ میں نے ہر شے کو اس کے جائز مقام پر رکھنا سیکھ لیا ہے۔ اب جیسی میری آنکھیں ہیں ویسا ہی میرا دل...... روما آپ کے ساتھ اتنی مطمئن وخوش دکھائی دیتی ہے تو مجھے لگتا ہے جیسے میں نے اسے یہ خوشی بازار سے خرید کر دی ہے۔''

برہان کی سمجھ میں خاک نہیں آیا پھر بھی مدبروں کی طرح سر ہلا رہا تھا۔

☆☆☆

اندھیرا تو روشنی کا پہلا قدم ہے
اندھیرا تو رنگ و نور کا نظم ہے
اندھیرا نہ ہو تو اجالا کیا
اندھیرا نہ ہو تو شوالہ کیا
اندھیرے سے تو روشنی کا امکان ہے
اندھیرا ہی روشنی کی پہچان ہے
اندھیرے سے گھبرانے والو
اندھیرے سے خوف کھانے والو
سنو......!
آج کے اندھیرے کل کے اجالے ہیں
شب کے ہاتھوں نے جو اُچھالے ہیں
آؤ......!
اندھیروں سے گزر جائیں
جئیں اس ادا سے کہ امر ہو جائیں
چلو......!
اب اندھیروں سے ڈرنا چھوڑیں
اجالے کے سواگت کو دوڑیں
زندگی اس مکاں میں اِک بار ملتی ہے
جو ساتھ دے تو لامکاں تک ساتھ چلتی ہے
یارو......!
اندھیرا روشنی کی امانت ہے

اجالوں کی ضمانت ہے
ڈاکٹر مہر جان کی پُرشکوہ کوٹھی کے دائیں جانب بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا۔ جس پر بڑی خوب صورت خطاطی میں Mother hood day care لکھا ہوا تھا۔

روما چھ ماہ کی معیشہ کو گود میں اٹھائے کاندھے پر اُس کی ضروریات سے بھرا بیگ لٹکائے ہال میں داخل ہوئی...... رابی گود میں ایک سال بھر کے بچے کو بھرے فیڈر سے دودھ پلانے کے جتن کر رہی تھی۔ تین چار میڈ سات، آٹھ بچوں کو سنبھالنے میں لگی ہوئی تھیں۔

رنگ برنگے کھلونوں، جھالروالی cots سے سجا ہوا بڑا سا ہال بہت پُر رونق تھا...... بچوں کے رونے کی آوازوں سے ماحول بہت دلچسپ ہو رہا تھا۔ رابی نے روما کی طرف دیکھا پھر آگے بڑھ کر معیشہ کے رخسار پر بوسا دیا۔

''کہیں جا رہی ہو......؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں...... مگر معیشہ آپ کے پاس رہے گی...... اب یہ بھی آپ کے ڈے کیئر...... سینٹر کی مہمان ہے...... آپ ہی سنبھالیں گی اسے۔'' روما بولی۔

''خیریت...... تم کہاں جا رہی ہو؟'' رابی نے حیرت سے سوال کیا۔

''برہان نے لیدر گارمنٹس کی فیکٹری اسٹارٹ کر دی ہے۔ مگر ان کا آؤٹ ڈور کام بہت ہے...... اِن ڈور میں دیکھوں گی...... ابھی ہمارے بجٹ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی heavy salaried مینجر افورڈ کر سکیں...... کمائیں گے تو دیں گے ناں......'' روما بیگ رکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ وہ بہت بُردبار، ذمّے دار اور پُر اعتماد نظر آ رہی تھی۔

''افوہ...... بڑی ذمّے دار بن گئی ہو......'' رابی نے میڈ کو اپنے پاس اشارے سے بلاتے ہوئے روما کو چھیڑا۔

میڈ قریب آئی تو رابی نے بچہ اور فیڈر اسے تھما دی اور معیشہ کو گود میں لے کر چومنے لگی۔

''برہان کی ڈٹو کاپی ہے یہ......'' وہ پیار سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اب اس کا دل کائناتی محبت کی شاہراہ عام تھا۔ آنکھیں کہہ رہی تھیں۔

''سریلیک، دودھ، فیڈر، کپڑے، پیمپرز...... سب اس میں ہیں۔'' روما نے پرپل کلر کے دیدہ زیب بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

''اوکے...... جاؤ تم اپنا کام کرو...... میرا مطلب ہے ہر سال نئے کیلنڈر کے ساتھ ایک بے بی...... یا بابا آنا چاہیے...... بندے کو الجھا کر اپنے ساتھ لگائے رکھنے کا یہ بہت اچھا طریقہ ہے۔'' رابی نے شرارت سے کہا۔

''توبہ ہے آپا......'' روما شرما گئی پھر اس نے رابی کے رخسار پر محبت بھرا بوسہ ثبت کیا۔

☆☆☆

کائناز کے گھر کے سامنے ایک بڑا ٹرک کھڑا ہوا تھا۔ گیٹ چوپٹ کُھلا ہوا تھا۔ مزدور ٹرک سے سیمنٹ، بلاکس وغیرہ اتار کر اندر لے کر جا رہے تھے۔ کچھ مزدور چھت پر چڑھے ہوئے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ شاہ عالم کی کوٹھی کی چھت پر بنی ہوئی چہار دیواری، چار فٹ اونچی تھی۔ کائناز اس چہار دیواری کی اونچائی آٹھ فٹ کروا رہی تھی تاکہ کسی وقت وہ چھت پر جائے تو روما کا گھر اسے دکھائی نہ دے۔ اپنے گھر کی چھت پر کھلی ہوا میں بیٹھنے کا آخر اس کو پورا، پورا حق تھا۔ اُسے شعلوں کو ہوا دینے والی ہوا نہیں چاہیے تھی۔

(ختم شد)